ڈائن
ایم اے راحت
1

محترمہ سعدیہ بتول کے نام جنہوں نے

"ALL PAKISTAN ENVIRONMENT

POSTER COMPETITION"

(Managed by Ghulam Ishaq Khan University, Quetta)

میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔

انگریز کا دور تھا۔ اندھیر نگری چل رہی تھی، جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ جو انگریز کا منظور نظر وہ ہندوستان کا راجہ۔ باقی سب گھاس کوڑا۔ بنسی راج کوئی خاندانی آدمی نہیں تھا۔ ذات کا چمار تھا۔ ایک انگریز بہادر کے گھوڑوں کے اصطبل میں گھوڑوں کی مالش کرتا تھا۔ انگریز بہت بڑا افسر تھا۔ ایک بار نشے میں ڈوبا ہوا تھا، کسی بات پر خوش ہو کر بنسی راج کو چکمہ گڑھی میں ایک بڑی جاگیر بخش دی اور بنسی راج جو پہلے بنسیا تھے، بنسی راج مہاراج بن گئے۔ چکمہ گڑھ کی ایک شاندار حویلی میں اپنے عظیم الشان خاندان کے ساتھ داخل ہوئے تو بستی والوں نے اپنے جاگیردار کا بھرپور سواگت کیا۔ ظاہر ہے برے دور میں جی رہے تھے۔ انگریزوں کی چاکری کرتے تو زندگی ملتی اور پھر بنسی راج جیسا نیچ ذات۔ بھلا اس سے کسی بھلائی کی توقع رکھی جا سکتی تھی؟

چمار خاندان پوری چکمہ بستی کا مالک بن گیا اور اس کے بعد بڑے بڑے المیے جنم لینے لگے۔ بنسی راج نے ہاتھ پاؤں پھیلانے شروع کر دیئے۔ بڑے بڑے شرفاء ایک چمار کو جھک جھک کر سلام کرتے۔ ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے تو بنسی راج کا سینہ فخر سے پھول جاتا۔ بنسی راج کی دھرم پتنی کوشلیا بھی خاندانی چمارن تھی۔ بدن سے گندے چمڑے کی بو آج تک نہیں گئی۔ سال چھ مہینے میں ایک بار نہا لیا کرتی تھی۔ بو کہاں سے جاتی۔ لیکن آہستہ آہستہ پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ نوکرانیوں کی ریل پیل لگ گئی۔ بے شمار لوگ تھے جو بنسی راج نے اپنے گھر ملازم رکھے تھے۔ وہ سارا کام کیا کرتے تھے۔ سب سے بڑا کام ان کا یہی ہوتا تھا کہ سب سے پہلے بنسی راج مہاراج کو پرنام کریں۔ بنسی راج کا ایک سائیس دوست تھا جس کا نام رسیا تھا۔ ظاہر ہے جیسے بنسی مہاراج خود تھے رسیا بھی ویسا ہی ہو سکتا تھا۔ بنسی راج کو تو جاگیر مل گئی مگر رسیا بدستور گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ایک دن بنسی راج کے گھر پہنچا تو یہاں کا ماحول دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''یہ سب کچھ کیا ہے بنسیا؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''دیکھ بات سن! میرا دوست ہے تو۔ جو کچھ تو نے مجھ سے اس وقت کہا ہے نا، اسے سن کر دل تو چاہتا ہے کہ تیری زبان کٹوا کر ہاتھ پر رکھ دوں۔ پر بڑی دوستی رہی ہے ہمارے ساتھ۔ ہمارے درمیان۔ ایک ساتھ کھایا پیا ہے۔ آج تو مجھے بنسیا کہا ہے، اس کے بعد بنسیا مت کہنا۔ میری شان وشوکت دیکھ کر بستی کے لوگ مجھے پرنام کرتے ہیں، وہ دیکھ اور اس کے بعد اپنی اوقات یاد کر۔''

رسیا سمجھدار تھا۔ دیکھ لیا تھا اس نے کہ بندر کو ادرک مل گئی ہے، جو کچھ نہ کرے کم ہے۔ زمانہ شناس تھا۔ ہنس کر بولا۔ ''بنسی مہاراج! ہم تو یہ دیکھنے آئے تھے کہ مہاراج کی شان کیسی ہے۔ سچی بات ہے پوری برادری کی ناک کاٹ کر پھینک دی ہے تم نے تو۔ ارے تم چمار تھے کب؟''

''پھر بکواس کی تو نے؟''

''لو اب ایسا کرو میری زبان ہی کاٹ دو۔'' رسیا نے کہا اور بنسی راج کو ہنسی آ گئی۔ رسیا نے زبان اسی طرح باہر نکالی تھی۔

پھر بنسی راج نے کہا۔ ''تو اب بھی گھوڑوں کی مالش کرتا ہے؟''

''لو بھیا! بنسی مہاراج راج ہنسی بن گئے۔ رسیا کو تو رسیا ہی رہنا پڑے گا۔''

''نہیں! تو میرا دوست ہے۔ میرے پاس آ جا۔''

''نوکری چھوڑ کے آ جاؤں؟''

''تو اور کیا، نوکری ساتھ لے کر آئے گا؟''

ایک برا انسان دوسرے برے انسان کے پاس پہنچ گیا اور پھر اس کے بعد رسیا نے اپنی چالاکی سے کام لے کر بنسی راج کو نئے نئے گر سکھانے شروع کر دیئے۔ حویلی کی شان و شوکت ظاہر ہے ایک جاگیردار کی شان وشوکت بن گئی تھی۔ رسیا نے جونئی روشنی بنسی مہاراج کو دکھائی وہ نوجوان اور حسین لڑکیوں کی طرف رغبت تھی۔ کہنے لگا۔ ''دیکھو بنسی مہاراج! بھگوان جب دینے پر آتا ہے تو چھپڑ پھاڑ کر دیتا ہے۔ اور جسے بھگوان دیتا ہے، اگر وہ بھگوان کی دین سے فائدہ نہ اٹھائے تو پھر وہ ناشکرا کہلاتا ہے۔''

''کیا کہنا چاہتا ہے رسیا؟''

''مہاراج! ایسی ایسی حسین، کومل کنیائیں آپ کے اردگرد بکھری ہوئی ہیں۔ چکمہ بستی تو یوں لگتا ہے جیسے پرستان ہو۔ جدھر سے گزرو تو ایک سے ایک رس بھری نظر آتی ہے۔ رسیا کا من ڈولنے لگتا ہے مہاراج! پر لگتا ہے تم بوڑھے ہو گئے۔''

''پھر بکواس کی؟ میری شان سے اتر کر کوئی بات نہ کیا کر!''

''کیا کروں؟ کمبخت چمڑے کی زبان ہے پھسل جاتی ہے۔''

''کسی وقت اس زبان سے بھی محروم ہو جائے گا۔''

''نہیں مہاراج! ایسا نہ کہیں۔'' رسیا ہاتھ جوڑ کر بولا تو بنسی مہاراج نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کہنا کیا چاہتا ہے؟''

''مہاراج! اتنی ساری بندریاں پال رکھی ہیں آپ نے۔ اتنے کتے ہیں۔ یہ تو صاحب کے کتے ہیں۔ انہیں حکم دیجئے کہ آپ کی آرام گاہ میں حسین، کومل کنیائیں آیا کریں۔ آپ انہیں جو چاہیں گے دے سکتے ہیں۔''

''ہاں! یہ بات تو ہے۔ ہمارا ایک خاص داس ہے۔ تیجول نام ہے۔ اسی سے کہتے ہیں۔ وہ ہمارا یہ کام کرے گا۔''

تیجول بھی کوئی اچھی ذات کا نہیں تھا۔ جب بنسی مہاراج نے اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو تیجول تیار ہو گیا اور اس کے بعد حویلی کے کمرے میں ایک نوجوان اور کومل لڑکی کی چیخیں گونجیں۔ لیکن سننے والا کوئی نہیں تھا۔ تیجول پہرے پر تھا۔ اور بھی چند افراد تھے۔ لڑکی کی عزت لٹ گئی اور بنسی مہاراج نے اسے بہت سے پیسے دیتے ہوئے کہا۔ ''سن، دیکھ! یہ سب کچھ، کچھ بھی نہیں ہے۔ سنسار میں دولت ہی سب کچھ ہے۔ ہمیں دیکھ! آج دولت کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ پیسے لے۔ اپنے ماتا پتا کی مدد کر۔ غریب لوگوں کی بستی ہے۔ اور سن! خبردار زبان سے ایک بات نہ نکلے۔ اگر تیری زبان سے کوئی بات نکلی تو بھگوان کی سوگند! سارے پریوار کے ٹکڑے کرا دیں گے۔ کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

لڑکی آنسو بہاتی ہوئی چلی گئی اور بنسی راج مہاراج انتظار کرتے رہے۔ بستی میں کچھ نہ ہوا۔ بنسی مہاراج کی ہمت بڑھ گئی۔ بہت سے لوگ بری عورتوں کو لانے لگے۔ لیکن بنسی مہاراج کا شوق اب کچھ دوسرے ہی رنگ اختیار کر چکا تھا۔ وہ اپنی پسند کی تلاش میں

سرگرداں رہتے تھے۔ کچی کلیاں مسلنے میں کچھ اور ہی بات ہوتی تھی۔ لیکن ہیرالال کی دھرم پتنی کو دیکھ کر بنسی راج کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ ہیرالعل کی دھرم پتنی شانتی بہت ہی سندر تھی۔ دودھ جیسی سفید، حسین اور پلے ہوئے جسم کی مالک۔ 9 سال کی ایک بیٹی تھی جس کا نام رتنا تھا۔ رتنا بھی اپنی ماں کی طرح خوبصورت تھی۔ دیکھنے والوں کی نگاہیں اس پر اٹھیں تو دیکھتی ہی رہ جائیں۔ ایک طرف شانتی اپنی مثال آپ تھی۔ دیکھنے والے ہیرالعل سے یہ بھی کہتے کہ ہیرالعل! بھگوان نے تجھے سندرتا کا بھنڈرا دیا ہے۔ اتنی سندرتا آ گئی ہے تیرے گھر میں کہ لگتا ہے آنے والے سمے میں بھگوان تجھے کوئی بہت بڑا درجہ دینے والا ہے۔ ہیرالعل بیچارہ ہاتھ جوڑ کر، گردن جھکا کر لوگوں کا شکریہ ادا کر دیتا تھا۔ بیٹی اور بیوی کے علاوہ سنسار میں اس کا اور کوئی نہیں تھا۔ آرام سے گزر بسر ہوتی تھی۔ چھوٹے موٹے کام کر لیا کرتا تھا۔ ایک چھوٹی سی دکان کھولی تھی جس کی آمدن سے اپنے گھر کا خرچ چلا رہا تھا۔ بدقسمتی تھی اس کی، ایک دن شانتی کسی کام سے باہر نکلی ہوئی تھی کہ بنسی راج مہاراج نے اسے دیکھ لیا۔ رسیا ساتھ تھا۔ فوراً ہی کہا۔ ''ارے رسیا رے رسیا!''

''جے ہو مہاراج کی!''

''ارے دیکھ تو! بھگوان نے بھی کیسے کیسے پھول اس سنسار میں کھلا دیئے ہیں۔''

رسیا نے اسے دیکھا تو آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ پھر بولا۔ ''بنسی مہاراج! کسی رجواڑے کی رانی لگتی ہے۔ بھگوان کی سوگند! کیا سندرتا ہے۔''

''اور تو حرام زادے! حرام کا ہی کھائے جائیو!''

''سمجھا نہیں مہاراج!''

''کتے کے پلے! پتہ لگا۔ اس کا کون ہے۔ اسے ہمارے پاس آنا چاہئے۔''

''جی مہاراج!'' رسیا نے کہا اور شانتی کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اس نے شانتی کا پیچھا جہاں تک کر سکتا تھا کیا اور یہاں تک کہ اس کا گھر تک دیکھ لیا۔ بستی کے کچھ لوگوں کو بنسی مہاراج کی حرکتوں کا پتہ بھی چل گیا تھا اور رسیا کے بارے میں بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ ایک شخص نے رسیا کو شانتی کا پیچھا کرتے ہوئے اور اس کا گھر دیکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور ہانپتا کانپتا ہوا ہیرالعل کے پاس پہنچ گیا۔ ہیرالعل بیچارہ اپنی دکان پر کاروبار کر رہا تھا۔ دکان پر کئی گاہک کھڑے تھے۔ ہیرالعل نے جب اس شخص کو اس حالت میں دیکھا تو چونک پڑا۔ ''کیا

ہوا شیو چرن؟''

''وہ..... وہ ہیرالعل..... وہ..... وہ.....''

''کیا بات ہے؟ تو ٹھیک تو ہے نا؟''

''ہاں ہاں! میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

اور تیری گھر والی بیمار تھی نا بیچاری؟

''وہ بھی ٹھیک ہے۔''

''پھر کیا پریشانی ہے؟''

''وہ..... وہ..... ہیرالعل.....'' شیو چرن جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا اور آس پاس کھڑے ہوئے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ ہیرالعل نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ شیو چرن کے من میں کوئی بات ضرور ہے جسے وہ سب کے سامنے کہنے سے گریز کر رہا ہے۔ شیو چرن پھر بولا۔ ''وہ ہیرالعل! وہ..... بعد میں آ جاؤں گا۔''

ہیرالال، جو اس کی پریشانی بھانپ گیا تھا جلدی سے بولا۔ ''ارے شیو چرن! تو بھی کیا چیز ہے؟ بھگوان نے تیرے پیر میں چکر رکھ دیا ہے شاید۔ ہر دم ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتا ہے۔ آ جا۔ اندر آ جا۔ میرے پاس بیٹھ تھوڑی دیر۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' شیو چرن اچک کر دکان میں چڑھا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ پھر ہیرالال گاہکوں کو نمٹاتا رہا۔ پھر ان سے فارغ ہونے کے بعد شیو چرن کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔ ''ہاں بھیا! اب بتاؤ۔ کیا بات ہے؟''

''وہ ہیرالال! آج میں نے بہت عجیب بات دیکھی ہے۔''

''عجیب بات دیکھی ہے؟''

''ہاں ہیرالال! وہ..... وہ..... بھابی۔''

''کیا ہوا ہے تیری بھابی کو؟ وہ ٹھیک تو ہے؟''

''میں اپنی بھابی کی بات نہیں کر رہا۔ میں شانتی بھابی کی بات کر رہا ہوں۔''

''شانتی؟ کیا ہوا اس کو۔ ٹھیک تو ہے وہ؟'' ہیرالال اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''کچھ نہیں ہوا۔ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔''

''پھر تجھے پریشانی کیا ہے؟ تو ٹھیک تو ہے؟ مجھے تیری طبیعت ٹھیک نا لگے ہے۔''

''نہیں بس! وہ بات ہی کچھ ایسی ہے۔''

''کیا بات ہے؟ بتاتا کیوں نہیں؟ کیوں پہیلیاں بجھوا رہا ہے؟''

''اصل میں آج میں کسی کام سے گھر سے باہر نکل رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ شانتی بھابھی بازار سے واپس آ رہی ہیں۔ خیر! یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ لیکن پھر میں نے دیکھا کہ بنسی راج کا خاص آدمی رسیا ایک جگہ کھڑا شانتی بھابھی کو گھور رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ انہیں گھورتا رہا تھا۔ پھر وہ تمہارے مکان کی طرف دیکھتا رہا اور کافی دیر تک جائزہ لینے کے بعد وہ واپس چلا گیا۔''

ہیرا لال گنگ رہ گیا۔ ظاہر ہے وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ بنسی راج مہاراج کے بستی میں آنے کے بعد بستی کا کوئی بھی فرد خوش نہیں تھا۔ یوں تو لوگ اپنی جائیداد یا مال کو بھی محفوظ نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن وہ اس بات سے بھی خوفزدہ تھے کہ جہاں ان کی جان و مال کو تحفظ نہیں ہے وہاں ان کی عزت کی بھی کیا قدر ہوگی۔ لہٰذا لوگ خود بھی ڈھکے چھپے رہتے تھے۔ بستی میں دو چار اس طرح کے واقعات بھی ہوئے تھے، لیکن ان پر کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔

بہرحال! ہیرا لال کافی دیر تک خاموش رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''شیو چرن! ہوسکتا ہے ایسی کوئی خاص بات نہ ہو، رسیا کسی اور کے دھوکے میں شانتی کا پیچھا کر رہا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ رسیا کی کسی لڑکی سے دشمنی ہو۔''

''نہیں ہیرا لال! میں نے جو بات محسوس کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسیا صرف اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے تمہارا گھر دیکھا ہے اور پھر واپس چلا گیا ہے۔ اور پھر بھلا رسیا کی کسی سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے؟ بہرحال! اس حرکت کو نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا۔''

''لیکن تو بتا شیو چرن ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟''

''ہاں! یہ تو سچ ہے۔ واقعی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بس یہ ہے کہ اپنی عورتوں کا نکلنا بند کر دیں۔''

''ہاں! یہی ایک صورت ہے۔'' شیو چرن نے کہا۔

بہرحال! بات آئی گئی ہوگئی۔ ہیرا لال پریشانی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ دکان بند کر کے گھر واپس آیا تو بڑا خاموش تھا۔ بیوی نے اس پریشانی کو صاف محسوس کر لیا تھا۔ ''کیا ہوا؟ خیر تو ہے؟ کچھ پریشان پریشان لگ رہے ہو۔''

''کچھ نہیں۔ آج ذرا جھگڑا ہو گیا تھا بیرن سے۔''

''بیرن سے؟''

''ہاں!''

''وہ تو بڑے گاؤں میں ہے۔''

''ایں..... ہاں وہ..... اس سے تھوڑا ہوا ہے؟''

''پھر کس سے جھگڑا ہوا ہے آج؟'' بیوی نے کچھ پریشانی کے انداز میں کہا۔

''وہ ہے نا تلسی رام! بس وہ جھگڑ پڑا آج مجھ سے۔''

''کیا ہوا تھا؟''

''کچھ نہیں۔ مرچوں کے مہنگے ہونے پر جھگڑ رہا تھا۔ ہم نے کہا بھائی! انگریز سرکار کا راج ہے وہ کچھ بھی کریں۔ اور پھر آسمان پر تو نہیں پہنچ گئیں مرچیں۔ پھر کیا ہوا ایسے چیخے تلسی رام کہ بس۔''

''اے لو! یہ بھی کوئی بات ہے بھلا'' شانتی کو تھوڑا سا سکون ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

''ہاں! دیکھو ذرا، یہ بھی کوئی بات ہے؟'' ہیرالعل نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

پھر کافی دیر تک یہ لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے تھے، اور ہیرا لال کچھ دیر کے لئے اس بات کو بھول گیا تھا۔ شانتی بھی بے حد ملول تھی۔ شوہر نے وجہ بتا دی تو وہ پرسکون ہو گئی۔ لیکن ہیرا لال کا سکون غارت ہو گیا تھا۔ رات کو وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ بھیما کی بیٹی رسونتی ایک رات گھر سے غائب ہو گئی تو بھیما اس کے پاس آیا۔ وہ ہیرا کا گہرا دوست تھا۔

''ہیرا بھیا! رسونتی گھر پر نہیں ہے۔ رات کو روپا کے گھر جانے کا کہہ گئی تھی مگر وہاں رویا نہیں ہے۔ اور پھر رات بھر واپس نہیں آئی۔'' بھیما آنسو بہاتے ہوئے بولا۔

''کہاں گئی وہ دیا تم جانتے ہو؟''

''دیاں! بھگوان کی گیا ہے۔ نری گیا۔ کیا کروں؟'' اسی دن ہیرا اور بھیما خاموشی سے پوری آبادی میں رسونتی کو تلاش کرتے رہے۔ پھر جب گھر آئے تو رسونتی گھر پر موجود تھی۔ اس نے لاکھ پوچھا مگر اس نے کچھ نہ بتایا۔ پھر لاکھو نے کہا کہ اس نے صبح کو رسونتی کو بنسی مہاراج کی حویلی سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ بھیما نے رسونتی سے پوچھا تو اس نے کہا۔ ''پتا

جی! بھگوان آپ کو، ماتا کو اور بھائیوں کو مکمل رکھے۔'' اور اس کے بعد وہ چوڑیاں پیس کر کھا گئی اور مرگئی۔ یہ کہانی ہیرالال کو یاد تھی۔

☆

کھرپا سنگھ اور بھیم سنگھ لمبی چوڑی جسامت کے مالک تھے۔ بچپن ہی سے ایسے لوگوں میں پلے بڑھے تھے جنہیں تن سازی اور پہلوانی کا شوق ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ خود بھی ایسے ہی کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ اکثر کشتیاں لڑتے اور جیتتے تھے۔ ذہنی اعتبار سے ان کی وہی سوچ تھی کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ چنانچہ جب بنسی راج مہاراج ان کے گاؤں میں رہائش پذیر ہوئے تو انہوں نے سوچا کہ بنسی راج سے بات کی جائے۔ اور جب وہ بات کرنے کے لئے بنسی راج کی بڑی حویلی پہنچے تو بنسی راج مہاراج حویلی سے باہر آ رہے تھے۔ انہوں نے کھرپا سنگھ کو دیکھا اور ان کی نظریں اسی پر جم گئیں۔ تھوڑی دیر تک اسے دیکھتے رہے اور پھر سنبھل کر رسیا کو آواز دی۔ ''رسیا! ارے او رسیا!''

''جی سرکار؟''

''کہاں مرجاتا ہے؟ کتنی دفعہ کہا ہے ہمارے ساتھ رہا کر۔''

''یہیں آپ کے ساتھ ہی ہوں۔ ساتھ ساتھ۔''

''دیکھ! کیسا جوان ہے۔ لگتا ہے چٹان تراش کر اس پر انسان کی کھوپڑی فٹ کر دی گئی ہو۔''

''ہاں سرکار! ہم دیکھ رہے ہیں۔''

''بس کھڑا دیکھتا ہی رہے گا؟''

''پھر کیا کروں؟''

''دیکھ اے رسیا! میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔ اگر اسے اپنے خاص آدمیوں میں شامل کر لیں تو یہ ہمارے کام کا آدمی ثابت ہوگا۔''

''جی مہاراج! ہم دیکھ رہے ہیں۔''

''ہاں! اسی لئے پال رہا ہوں تجھے۔ ہے نا!''

''مہاراج حکم کریں۔''

''ارے جا! بات کر اس سے۔ اسے بتا کہ ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں اور اسے اندر لے

کر آ۔'' یہ کہہ کر بنسی مہاراج اندر چل پڑے تھے اور رسیا دوڑ کر کھرپا سنگھ کے پاس پہنچ گیا تھا اور اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ ''اے سنو جی مہاراج! کیا نام ہے تمہارا؟''

''کھرپا سنگھ ولد بھیم سنگھ ہے ہمارا نام۔''

''رہتے کہاں ہو؟''

''آپ کے راجواڑے میں سرکار! ایک چھوٹی سی کٹیا میں رہتے ہیں۔''

''اچھا! کرتے کیا ہو؟''

''کچھ نہیں سرکار! بیکار ہیں۔ کشتیاں لڑتے ہیں اور جیتنے پر کچھ انعام و اکرام مل جاتا ہے۔ بس اسی پر گزارہ ہو رہا ہے۔''

''اچھا اچھا! تمہیں مہاراج بنسی راج نے اندر بلایا ہے۔''

''جی مہاراج!'' کھرپا سنگھ نے کہا اور رسیا کے ساتھ اندر چل پڑا تھا۔ کھرپا سنگھ کو اپنا کام بنتا نظر آ رہا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر مہاراج بنسی راج کے پاس نوکری مل گئی تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔ عیش سے گزرے گی۔ پھر وہ حویلی کے بڑے کمرے میں پہنچ گئے۔ اس کمرے میں انتہائی قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ چھت پر ایک بڑا سا فانوس لٹک رہا تھا۔ انتہائی بیش قیمت صوفے پڑے ہوئے تھے اور انہی صوفوں میں سے ایک صوفے پر بنسی مہاراج بیٹھے ہوئے تھے۔ کھرپا سنگھ اور رسیا ان کے سامنے پہنچ گئے۔

ان دونوں کو دیکھ کر بنسی راج سنبھل کر بیٹھ گئے اور کھرپا سنگھ سے مخاطب ہوئے۔ ''ہاں بھئی! نام کیا ہے تیرا؟''

''کھرپا سنگھ ولد بھیم سنگھ۔'' کھرپا کی بجائے رسیا نے جواب دیا۔

''میں نے سوال کس سے کیا ہے رسیا؟''

''سرکار کھرپے سے!''

''یہ کھرپے کیا ہوتا ہے؟''

''وہ.....جی.....وہ!''

رسیا خاموش ہو گیا تو بنسی راج بولے۔ ''ہاں تو کھرپا سنگھ! کام کیا کرتے ہو؟''

''کچھ نہیں بیکار ہیں۔ کشتیاں لڑتے ہیں۔ رسیا نے پھر کہا۔''

''رسیا! تھوڑی دیر کے بعد آنا۔''

''جی...وہ...وہ..''

''رسیا! تم نے سنا نہیں ہم کیا کہہ رہے ہیں؟''

''جی اچھا سرکار! رسیا نے کہا اور پھر مرے مرے قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا او
بنسی راج مہاراج ایک بار پھر کھڑپا سنگھ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔''ہاں تو کھڑپا سنگھ رہتے
کہاں ہو؟''

''مہاراج! ایک چھوٹی سی کٹیا ہے آپ کی جاگیر میں۔''

''ماں باپ وغیرہ؟''

''نہیں ہیں سرکار۔ کوئی بہن بھائی بھی نہیں ہے۔''

''ہوں! ہمارے ہاں ملازمت کرو گے؟''

''مائی باپ! بڑا احسان ہوگا آپ کا ہم پر۔ ہم آپ کی خوب خدمت کریں گے۔''

''سنو! ہمارے پاس ہی رہنا ہوگا تمہیں۔ بہت زیادہ کام نہیں کرنا پڑے گا۔ اور ایک
بات اور سنو! ہم جو کچھ کہیں اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنا ہوگا۔''

''جی مالک!''

''حویلی سے باہر جب بھی نکلو گے آنکھیں اور کان کھلے اور منہ بند رکھنا۔''

''جو حکم سرکار!''

''اور وہ تنخواہ وغیرہ؟''

''مائی باپ! بس آپ کا نمک درکار ہے۔ اور کچھ نہیں چاہئے ہمیں۔''

''خیر! وہ بھی کر لیں گے۔ رسیا سے کہہ کر تمہارے لئے ایک کمرہ کھلوائے دیتے ہیں۔''

''رسیا! ارے او رسیا!'' بنسی مہاراج نے رسیا کو آواز دی اور رسیا ایک جھٹکے سے کمرے
میں داخل ہو گیا۔ ''جی مہاراج!''

''رسیا! کھڑپا سنگھ کے لئے پچھواڑے بنے کمروں میں سے ایک کمرہ کھلوا دو۔ اور ا
ماحول دکھاؤ۔ بعد میں کام بھی بتا دیں گے۔ بس ٹھیک ہے۔'' بنسی مہاراج بولے۔

رسیا کھڑپا سنگھ کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ کھڑپا سنگھ بڑا خوش تھا۔ اتنی آرام سے ا
نوکری مل گئی تھی۔ پھر تمام عیش و آرام اور کام بھی ہو سکتا تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا و
بہرحال! رسیا اسے بڑی حویلی کے پچھواڑے میں لے گیا جہاں قطار میں چار پانچ کمر

بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ کر وہ رک گیا اور
پھر دروازے پر لگی ہوئی کنڈی کھولی اور اندر داخل ہو گیا۔ ''آؤ بھئی کھڑپے!''

''کھڑپا سنگھ ہے میرا نام۔''

''معلوم ہے۔ ناک کاہے لگائے ہو؟''

''تم سے نام سیدھی طرح نہیں لیا جاتا؟''

''ہم تو تمہیں کھڑپے ہی بلائیں گے۔''

''کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑا ہے؟ سنا نہیں ہے میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' کھڑپا سنگھ
نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

رسیا ایک دم جیسے سنبھل گیا۔ پھر بولا۔ ''ہاں تو کھڑپا سنگھ مہاراج! یہ ہے آپ کا کمرہ۔
جیسا کہ بنسی راج مہاراج نے کہا کہ ابھی آپ آرام کریں کام وغیرہ بعد میں سمجھا دیا جائے
گا۔''

''ہوں! ٹھیک ہے۔''

''اور ہاں! کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بے جھجک اندر آ کر کسی بھی ملازم سے کہہ دینا۔''

''ہوں!''

''اچھا! میں چلتا ہوں۔'' رسیا نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ باہر نکل کر وہ
سیدھا بنسی راج مہاراج کے پاس پہنچا تھا۔

بنسی راج مہاراج اسی جگہ بیٹھے کسی سوچ میں گم تھے۔ رسیا کو دیکھا تو بولے۔ ''اسے کمرہ
وغیرہ دکھا دیا؟''

''ہاں مہاراج! پر وہ۔''

'وہ کیا؟''

''بہت تیکھے ہیں اپنے کھڑپا سنگھ جی۔''

''کوئی بات نہیں۔ ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن رسیا! ایک بات سمجھ لو کہ ہم تم سے اچھے انداز
میں سوچ سکتے ہیں۔ تیجو بل کو ہم اب کسی اور کام پر لگانا چاہتے ہیں کیونکہ انسان بہرحال
انسان ہے۔ کبھی اس کے دل میں کسی عورت کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی تو جانتے ہو کیا ہو
گا؟''

’’کیا مہاراج! بگاڑ تو کچھ نہیں سکے گا ہمارا۔‘‘
’’لیکن بات جب تک ڈھکی چھپی رہے اچھا ہی ہے۔‘‘
’’سمجھ گئے مہاراج! ہم بالکل سمجھ گئے۔‘‘
’’اور ہاں! کچھ عرصے کے لئے کھڑپا سنگھ کو بھی کسی اور کام پر لگا دیں گے اور کوئی نیا جوان اس کام کے لئے تیار کرلیں گے۔ کیا خیال ہے؟‘‘
’’واہ مہاراج! واہ! کیا دماغ پایا ہے آپ نے۔‘‘
’’بس یہی فرق ہے تیری اور ہماری سوچ میں۔ چل! اب چلیں۔‘‘
’’ہاں چلتے ہیں۔ کیشو جی انتظار کررہے ہوں گے۔‘‘ اور دونوں باہر چل پڑے۔
پھر بنسی مہاراج کھڑپا سنگھ کے ذریعے لڑکیاں اٹھواتے رہے تھے۔ اور اب جب سے شانتی کو دیکھا تھا تو من میں یہ خیال جڑ پکڑ گیا تھا کہ جلدی سے جلدی کھڑپا سنگھ کو بلوائیں اور اس سے من کی بات کہیں۔ اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ایک ملازم کے ہاتھ کھڑپا سنگھ کو بلوا بھیجا اور کھڑپا سنگھ ہاتھ جوڑے ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
’’کھڑپا سنگھ! آؤ بیٹھو۔‘‘
’’مائی باپ! ہم یہیں ٹھیک ہیں۔‘‘
’’کھڑپا سنگھ! تم جانتے ہو ہم تمہیں کس کام کے لئے بلواتے ہیں۔ ویسے تم اپنا کام بخوبی کرلیتے ہو۔ لیکن اس بار ہمارا دل ایک سہاگن پر بچھ گیا ہے۔‘‘
کھڑپا سنگھ ایک لمحے کے لئے چونکا تھا۔ لیکن پھر سنبھل کر بولا۔ ’’کون ہے وہ؟ کوئی پتہ ٹھکانہ؟‘‘
’’رسیا نے ساری معلومات حاصل کر لی ہیں۔ وہ کوئی دکاندار ہے۔ ہیرا لال نام ہے سسرے کا۔ اس کی دھرم پتنی شانتی بہت سندر ہے۔ بھگوان کی سوگند! اتنی سندر ہے کہ بس کیا بتائیں تجھے۔ تو ہمارا طریقہ کار جانتا ہی ہے۔ لیکن اس بار بات کچھ کٹھن ہے۔ کیونکہ اگر غلطی ہوگئی تو سب کو خبر ہوجائے گی۔ لہٰذا اب یہ تیرا کام ہے کہ تو اس معاملے کو کیسے سنبھالتا ہے۔‘‘
’’آپ چنتا نہ کریں مہاراج! میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔‘‘
’’بس یہی امید تھی ہمیں تجھ سے۔ اب یہ تیرا کام ہے کہ تو اس کو ہم تک کس طرح پہنچاتا ہے۔‘‘

’’جی سرکار!‘‘ کھڑپا سنگھ نے کہا اور وہاں سے باہر نکل آیا۔ لیکن اس کا ذہن ہوا میں اُڑ رہا تھا۔ ہیرا لال کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ مول چند کا بہترین دوست تھا وہ۔ اور مول چند، کھڑپا سنگھ کا بھی دوست تھا، چنانچہ ہیرا لال سے بھی اس کی دوستی ہوگئی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس معاملے کو کس طرح نمٹائے۔ بہت دیر تک وہ اس بارے میں سوچتا رہا۔ اور پھر اس نے ایک فیصلہ کیا اور اسی فیصلے کے تحت وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ اس کا رُخ ہیرا لال کے گھر کی جانب تھا۔ کافی دور پیدل چلنے کے بعد کھڑپا سنگھ، ہیرا لال کے گھر پہنچ گیا تھا اور پھر اس نے ہیرا لال کے گھر کا دروازہ بجایا تھا۔ دروازہ ہیرا لال نے ہی کھولا تھا اور کھڑپا سنگھ کو دیکھ کر خوش ہوگیا تھا۔
’’آؤ آؤ کھڑپا سنگھ جی! کافی دنوں کے بعد آئے ہو ہمارے گھر۔‘‘
’’بس! تم تو جانتے ہی ہو آج کل نوکری کررہے ہیں۔‘‘
’’ہاں بھئی ہاں! اب تو بنسی مہاراج کے آدمیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اب کہاں فرصت ہوگی تمہیں۔ ویسے تمہاری بھابھی بھی یاد کررہی تھی تمہیں۔ ابھی ابھی باہر گئی ہے۔ اور تمہارا کام کیسا چل رہا ہے؟‘‘
’’بس! کام تو نہیں ہوتا زیادہ۔ بس حویلی میں زیادہ وقت گزارنا پڑتا ہے۔‘‘
’’اچھا چھوڑو! اور سناؤ۔ باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے نا؟‘‘
’’ہاں! سب خیریت ہے۔ ایک ضروری بات کرنی تھی تم سے۔‘‘
’’ہاں ہاں! بول۔ یہ بھی اچھا ہے کہ بھابھی اور رتنا گھر میں نہیں ہیں۔ کیوں کوئی ایسی ویسی بات ہے؟‘‘
’’ہاں! یہی سمجھو۔ وہ بنسی مہاراج تھوڑے سے رنگین مزاج ہیں اور ان کے پاس مختلف لڑکیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ یہ بات صرف میں جانتا ہوں۔ اور تم یہ بات جانتے ہو کہ بنسی راج مہاراج انگریز سرکار کے نوازے ہوئے ہیں اس لئے انہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔‘‘
’’ہاں! لیکن یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہو؟‘‘
’’اس لئے کہ آج مہاراج نے مجھے اپنے پاس بلایا تھا۔ کہنے لگے تھے کہ....‘‘
’’کیا کہنے لگے؟‘‘
’’وہ.... وہ... انہیں شانتی بھابھی پسند آ گئی ہیں۔‘‘

"کیا کہہ رہا ہے تو؟ میں سمجھا نہیں۔"

"وہ مہاراج چاہتے ہیں کہ....." کھرپا سنگھ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا اور اس کے ان الفاظ پر ہیرالال کا جو ردعمل ہوا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور اس پر ایک ہیجانی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

پھر وہ شدید طیش کے عالم میں بولا۔ "بہادر کھرپا سنگھ! یہ بات تو کہہ رہا ہے؟ وہ بھی اپنی بھابھی کے بارے میں۔ تو جانتا ہے نا وہ تیری....."

"ہاں! میں جانتا ہوں۔ لیکن ایک بات اور جانتا ہوں میں۔ میں نہ سہی کوئی اور سہی۔ بنسی راج تمہاری بیوی کو اٹھوا لے گا۔ ایک رات اسے اپنے پاس رکھے گا اور بہت سارے پیسے دے کر واپس بھیج دے گا۔ اگر تو نے شور مچانے کی کوشش کی تو پورے خاندان کو مٹا دے گا۔ جبکہ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تم بھابھی کو بنسی مہاراج کے پاس بھیج دو اور میں خود مہاراج سے تمہاری سفارش کروں گا کہ تجھے دس بیس ہزار روپے مل جائیں تاکہ تیرا اور تیرے بیوی بچوں کا اچھی طرح گزارہ ہو سکے۔"

"ہاں! اب ایسا ہی جیون بنائیں گے ہم۔"

"دیکھ ہیرالال! وہ میری بھابھی ہے۔ لیکن میرے دوست! نہ تو، تو کچھ کر سکتا ہے اور نہ ہی میں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتا ہوں۔"

"تیرا تو مالک ہے نا وہ۔"

"نہیں ہیرالال! یہ بات نہیں ہے۔ میں نے تجھ سے پہلے ہی یہ بات کہی ہے کہ اگر یہ کام میں نہیں کروں گا تو کوئی اور کر لے گا۔ کوئی نہیں مار سکتا اسے۔ تو بھی نہیں۔ بہت چالاک آدمی ہے وہ۔ اور میرا مشورہ یہی ہے کہ تو وہی کر جو میں نے کہا ہے۔"

ہیرالال گردن جھکا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا تھا۔ پھر اس نے چہرہ اوپر اٹھا کر کہا۔ "کھرپا! میں شانتی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میرے سمجھانے پر وہ بھی مان جائے گی۔ لیکن آج وہ نرمل کے گھر مصروف ہے۔ رات دیر سے واپس آئے گی۔ اس لئے آج تو رہنے دے، کل رات میں اسے حویلی پہنچا دوں گا۔" ہیرا لال بولا۔

"میں جانتا ہوں اس وقت تیری اندرونی حالت کیا ہو گی۔ لیکن خاموشی میں ہی بہتری

ہے۔"

"ٹھیک ہے! کل میں اسے لے آؤں گا۔ مہاراج کو بتا دینا۔"

"بالکل ٹھیک۔ اچھا! میں چلتا ہوں۔ تو آرام کر۔" کھرپا سنگھ وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔ لیکن ہیرالال کا کلیجہ خون ہو گیا تھا۔

تھوڑے دن پہلے بھیما نے اس سے یہ بات کہی تھی اور اس کا کھانا پینا حرام ہو گیا تھا۔ لیکن اب وہ کھرپا کے بارے میں جانتا تھا۔ وہ گاؤں کا سب سے طاقت ور آدمی تھا۔ نات نگوڑا تھا۔ نہ کوئی آگے، نہ پیچھے۔ اور اب بنسی راج کا نوکر بن گیا تھا۔ ہیرالال کو یاد آ گیا کہ جب سے کھرپا نے بنسی کی نوکری کی ہے گاؤں سے لڑکیاں زیادہ غائب ہونے لگی ہیں۔ وہ تو ایک کمزور آدمی تھا۔ جبکہ کھرپا بہت خطرناک تھا۔ اب کیا کروں؟ اور اس برے وقت میں بھیما یاد آیا۔ ہو سکتا ہے بھیما کوئی حل بتا سکے۔ دکان سے دوڑ کر وہ بھیما کے گھر چل پڑا۔ مگر یہاں پہنچ کر اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

بھیما کی ماں نے کہا۔ "وہ تو بستی کیاری گیا ہے۔"

"کب آئے گا ماسی؟"

"کل کا کہہ کر گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں۔"

"ارے بیٹھ! کچھ پریشان لگ رہا ہے۔"

"نہیں ماسی! ٹھیک ہوں۔"

"شانتی کیسی ہے؟" ماسی نے پوچھا۔ اور وہ اسے مطمئن کر کے وہاں سے چلا آیا تھا۔

☆.....☆.....☆

بنسی راج مہاراج بڑی بڑی بے صبری سے کھرپا سنگھ کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ رسیا بھی ساتھ تھا اور وہ بھی انہی کے انداز میں ٹہل رہا تھا۔ بنسی راج نے رُک کر رسیا کو دیکھا۔ پھر بولے۔ ''تجھے کیا بے چینی ہے؟''

''جو آپ کو ہے۔''

''مجھے کیا بے چینی ہے؟''

''آپ کو کھرپے کا انتظار ہے۔''

''تو بہک رہا ہے۔''

''آپ مجھ سے خفا ہی رہتے ہیں ہر سمے۔''

''نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''ایسی ہی بات ہے۔''

''تیری حرکتیں ہی کچھ اس طرح کی ہوتی ہیں کہ غصہ آ ہی جاتا ہے۔''

'کیوں جی؟ کیا حرکت کی ہے میں نے؟''

''اچھا چھوڑو۔ وہ باقی سب اپنا کام ٹھیک کر رہے ہیں نا؟''

''جی مہاراج! سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔''

''بس تیری یہی باتیں تو ہمارے من کو بھاتی ہیں۔''

''مہاراج کی کرپا ہے جو ہم ہر کام آپ کے کہنے کے مطابق اچھی طرح ہی کرتے ہیں۔''

''وہ پیسے وغیرہ تو ہیں نا تیرے پاس؟''

''مہاراج! ہم کبھی لجھائے ہیں پیسے مانگتے ہوئے؟ بس! ابھی اچھے خاصے پیسے ہیں اسی لئے نہیں مانگے۔''

''ارے واہ رے رسیا! بڑی اچھی باتیں کر رہا ہے آج۔''

''بس مہاراج کی کرپا ہے۔''

ابھی وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ ایک ملازم نے اندر آ کر اطلاع دی۔ ''مہاراج! کھرپا سنگھ آ گیا ہے۔''

بنسی راج مہاراج اُچھل پڑے۔ ''آ گیا ہے؟ کہاں ہے؟''

''باہر موجود ہے سرکار!''

''اکیلا ہے یا.....''

''نہیں مہاراج! اکیلا ہی ہے۔''

''او.... اسے اندر بھیج دو۔'' بنسی راج مہاراج بولے اور ملازم باہر چلا گیا تھا۔ ''بنسی راج مہاراج نے پھر کہا۔'' وہ اکیلا کیوں ہے؟ ہوسکتا ہے وہ عورت ہی وہاں نہ ہو۔ ہاں! ممکن ہے۔''

کھرپا سنگھ اندر داخل ہو گیا تھا۔ ''ہاں کھرپا سنگھ! کیا رہا؟''

''مہاراج! ہم ہیرا لال کے پاس گئے تھے اور ہم نے اسے راضی کر لیا ہے۔''

''یہ تو بہت اچھا ہوا۔ لیکن وہ عورت کہاں ہے؟''

''مہاراج! وہ آج نہیں آ سکی۔ لیکن ہیرا لال کہتا ہے کہ وہ کل اسے خود یہاں چھوڑ جائے گا۔ لیکن مہاراج وہ.....''

''ہاں ہاں! بول کیا کہنا چاہتا ہے؟''

''مہاراج آپ کے سامنے کیا کہہ سکتا ہوں۔ بس ایک چھوٹی سی بنتی ہے۔''

''ارے کیا بنتی ہے بھئی؟''

''وہ میں نے ہیرا لال سے کہا ہے کہ میں مہاراج سے تیری سفارش کروں گا کہ تجھے دس بیس ہزار روپے مل جائیں اور اور.....''

''کھرپا سنگھ! ہم نے ہی تجھ سے کہا تھا کہ اس مسئلے کو حل کرنا تیرا کام ہے۔ اب تو نے کام کر لیا ہے اور وچن بھی دیا ہے ہیرا لال کو۔ تو ہم تیرے وچن کو نبھائیں گے۔ تو چنتا مت کر۔ کل جب شانتی یہاں آئے گی تو واپس جاتے ہوئے یہ رقم اس کے ساتھ ہو گی۔ بس اب تو یہ جان لے کہ یہ سب اسی طرح ہو گا۔ اور تیرا انعام.....''

"نہیں مہاراج! آپ کا نمک ہی انعام ہے ہم پر، اور ہم آپ کے بہت ابھاری ہیں۔"

"اچھا اب تو آرام کر۔ ہمیں بھی کچھ مصروفیت ہے۔"

"جی مہاراج!" کرپا سنگھ نے کہا اور وہ کمرے سے نکل گیا اور رسیا اور بنسی مہاراج ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے تھے۔

اُدھر ہیرالال عجیب وغریب کیفیات کا شکار تھا۔ بہت پریشان تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ پھر کافی سوچ بچار کے بعد اس نے ایک فیصلہ کر ہی لیا۔

شانتی اور رتنا کافی دیر کے بعد واپس آئی تھیں۔ پھر تمام مصروفیات سے فراغت ہوگئی تو ہیرالال اور شانتی ایک جگہ بیٹھ گئے تھے۔ ہیرالال نے کہا۔ "شانتی! ایک مسئلہ ہوگیا ہے۔"

"کیسا مسئلہ؟"

"ہمیں یہ بستی چھوڑنا پڑے گی اب....."

"کیوں؟"

"بس ہمیں یہ گھر چھوڑنا پڑے گا۔"

"لیکن ہوا کیا ہے؟ کس سے جھگڑا ہوگیا ہے؟"

"جھگڑا نہیں ہوا لیکن بس عزت بچانا چاہتے ہیں اپنی۔"

"عزت بچانا چاہتے ہیں! کیا مطلب؟"

"کچھ لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں اور اگر ہم لوگ یہاں سے نہ نکلے تو میری زندگی کو خطرہ پیش آسکتا ہے۔ اس لئے ہمیں جانا ہی ہوگا۔"

شانتی ایک دم خاموش ہوگئی۔ بیچاری اس گھر میں بیاہ کر آئی تھی۔ ہر ایک سے میل ملاپ، ہر کسی کے دکھ درد میں شریک ہوتی تھی۔ پھر گھر کے در و دیوار سے بھی اسے بہت محبت تھی۔ بیچارے سیدھے سادھے معصوم دیہاتی، جن کے لئے ان کی زمین، گھر کے در و دیوار ہی سب کچھ ہوتے ہیں۔ اگر یہ سب چھین لیا جائے تو ان کا کچھ باقی نہیں رہتا۔ بہرحال کافی دیر تک وہ خاموش بیٹھی رہی تھی۔ ہیرالال بھی اس دوران خاموش بیٹھا رہا تھا۔ رتنا کمرے سے باہر کسی چیز سے کھیل رہی تھی۔

پھر ہیرالال دوبارہ مخاطب ہوا۔ "چل اب اٹھ بھی جا! کیا اسی طرح سوگوار بیٹھی رہے گی؟ چل اٹھ شاباش!" ہیرالال نے اتنا ہی کہا تھا کہ شانتی دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر

رونے لگی تھی۔

"ناری نا! اس طرح نہ کر۔ کیا ہوگیا ہے تجھے؟" ہیرالال اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس پہنچ گیا تھا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔

شانتی نے روتے ہوئے اپنا سر ہیرالال کے سینے پر رکھ دیا اور روتے ہوئے بولی۔ "کیا کریں گے؟ کہاں جائیں گے سب کچھ چھوڑ کر؟ تمہاری جمی جمائی دکان ہے۔ اچھی گزر ہو جاتی ہے۔ اور پھر یہ سب لوگ اتنے اچھے، اتنے پیارے ہیں۔ تم کیا کرو گے؟ کہاں سے گزارہ کریں گے ہم لوگ؟"

"دیکھ ری! بھاگوان مالک ہم سب کا بھلا کرے ہے۔ بس تو یہ سمجھ کہ مالک نہیں چاہتا کہ ہم لوگ یہاں رہیں۔ اب دیکھ نا! بیٹھے بٹھائے کچھ لوگ پیچھے پڑ گئے ہیں۔ وجہ کیا ہے ہم نہیں جانتے۔ پر وہ کہتے ہیں کہ بس تم چکمہ گڑھی چھوڑ دو تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ لیکن اگر تم یہاں سے نہ گئے تو پھر اپنی موت کے ذمہ دار بھی تم خود ہوگے۔"

"پر ایسا کیوں؟"

"اگر میں سب کچھ جانتا تو کچھ نہ کچھ کرتا۔ لیکن یہاں تو حساب ہی الٹا ہے۔ کوئی نہیں ہے ایسا جو ہماری سہائتا کرے۔"

"بھیما، مول چند، شیو چرن، کرپا، کوئی تو ہماری مدد کرے گا۔ ان سے بات کرو۔"

"اری بھاگوان! تو کاہے نہ سمجھے ان باتوں کو۔ ارے مجھ کو بالکل ہی بدھو سمجھا ہے تو نے؟ اری تو کا سمجھے ان لوگوں کو۔ بہت خطرناک ہے۔ کیا تو نہیں چاہتی کہ ہم زندہ رہیں؟ بول بتا کیا ہماری زندگی اچھی نا لگے ہے تجھے؟"

"اپنی جان سے زیادہ پیاری ہے پر....."

"اب چھوڑ بھی ان باتوں کو۔ سن! یہاں سے کچھ فاصلے پر لال پہاڑیوں کے پاس بورا بستی ہے نا جہاں لکشمی رہے ہے، وہاں چلے چلیں گے۔ ایک دو دن وہاں رکیں گے۔ پھر وہاں سے آگے چلیں گے۔"

"آگے کہاں؟"

"بورا بستی سے آگے بڑے شہر کے لئے گاڑیاں چلتی ہیں۔ ہم بڑے شہر جائیں گے۔ وہاں سے ٹرین میں بیٹھ کر کسی بہت بڑے شہر چل کر رہیں گے۔"

''بہت بڑے شہر؟''

''ہاں! اور کیا؟ ارے تو لمحوں میں بھول جائے گی یہ سب کچھ۔''

''سچ؟'' شانتی رونا دھونا بھول کر حیرانی سے ہیرا لال کی طرف دیکھنے لگی۔

''ہاں، اور چل! اب تیاری کر۔ میں رتنا کو بلاتا ہوں۔ رتنا! اری او رتنا!'' ہیرا لال نے زور سے آواز لگائی اور رتنا دوڑتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔ ہیرا لال نے کہا۔ ''رتنا! ہم لوگ گھومنے چل رہے ہیں۔ چلو تیار ہو جاؤ۔''

''جی پتا جی!'' رتنا نے کہا اور باہر کی طرف چلی گئی۔

''ارے کہاں جا رہی ہو؟'' ''پتا جی! آپ نے ہی تو کہا ہے تیار ہو جاؤ۔ منہ ہاتھ دھو لوں۔'' رتنا نے معصومیت سے کہا اور ہیرا لال کو اس پر بے اختیار پیار آ گیا۔ یہ عمر تو ہوتی ہے جب ہر فکر سے آزادی ہوتی ہے۔ اس کے بعد تو ساری عمر دکھوں میں گزرتی ہے۔ بہرحال! سب تیار ہو گئے۔ تھوڑا بہت سامان باندھا گیا۔ تھوڑا سا کھانے کا سامان بھی لے لیا تھا۔ اور پھر بورالبستی دور ہی کتنی تھی۔ دو چار گھنٹے میں یہ لوگ سرلہ بستی پہنچ جاتے اور سرلہ بستی سے بورالبستی دو گھنٹے کی مسافت پر تھی۔

شانتی گھر کی ایک ایک چیز کو حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ ہیرا لال بھی بہت دکھی تھا۔ مگر کیا کرتا۔ نہ تو اصل بات بیوی کو بتا سکتا تھا اور نہ ہی اس گاؤں میں رک سکتا تھا کیونکہ بنسی کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ کمینہ کچھ بھی کر سکتا تھا اور اس سے بچنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح راتوں رات یہ جگہ چھوڑ دی جائے۔ چنانچہ سب سامان لے کر باہر آ گئے اور پھر جب شانتی نے دروازے میں تالا ڈالنا چاہا تو ہیرا لال جلدی سے بولا۔ ''اوہو! تالا نہ ڈال باہر سے۔''

''کیوں؟''

''ارے ہم کسی کو بتا کر تھوڑی جا رہے ہیں کہ کہاں جا رہے ہیں؟ تالا دیکھ کر سب یہ نہ کہیں گے کہ بتا کر نہ گئے۔''

''تو پھر؟''

''اری پگلی! اگر کسی نے تالا دیکھا تو کچھ دیر کے بعد ڈھنڈیا پڑ جائے گی۔ اور اگر کسی نے ہمیں واپس بلا لیا تو جانتی ہے کیا ہو گا؟''

''کیا؟''

''پھر وہی کیا؟''

''اچھا اچھا! جو تمہارا دل چاہے کرو۔'' شانتی نے کہا اور ہیرا لال گھر کی دیوار پر چڑھ گیا۔ پھر اندر سے اس نے کنڈی لگا کر اس میں تالا لگا دیا تھا اور پھر دیوار کود کر باہر آ گیا تھا۔ باہر ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگ ویسے بھی جلدی سو جانے کے عادی تھے چنانچہ دور دور تک کوئی موجود نہیں تھا۔ پھر ہیرا لال اور اس کی بیوی نے آخری بار حسرت بھری نظروں سے گھر کو دیکھا اور پھر یہ لوگ بورالبستی کے لئے نکل پڑے تھے۔

☆

رسیا بھی اپنی دھن کا پکا تھا۔ ایک طرف تو وہ بنسی راج مہاراج کی خوشامد کرتا رہتا تھا تو دوسری طرف اس کے پیچھے اس کی خوب برائیاں کرتا تھا کیونکہ یہ بات چکمہ گڑھی میں اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ بنسی راج مہاراج ذات کے چمار ہیں اور رسیا بھی انہی کی برداری کا ہے اور یہ بات رسیا کو بہت کھلتی تھی کہ بنسی راج کو اتنی بڑی ریاست کی ایک اچھی خاصی جاگیر بخش دی گئی ہے اور اب بنسی راج اپنی اوقات بھول گیا ہے اور رسیا کو اپنے نوکروں میں شمار کرتا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ اپنے قریبی دوست ہری پرساد کے ساتھ بیٹھا بنسی راج کی برائیاں کر رہا تھا۔

''ہری پرساد! تم جانتے ہو ہمارے مالک کون ہے؟''

''ہمارے مالک! ہمارے مالک ہیں مہاراج بنسی راج جی۔''

''اوہ! مہاراج بنسی راج جی، جانتے ہو ان کی اوقات کیا ہے؟''

''کیا ہے بھلا؟''

''یہ چمار ہیں۔ ذات کے چمار۔''

''ارے کیا بولو ہو بھیا؟ ہماری نوکری اچھی نا لاگے ہے تمہیں بلکہ جان بھی خطرے میں نظر آوے ہے۔''

''ارے وہ چمروا کیا بگاڑ لے گا ہمارا؟''

''رسیا رسیا! کیسی باتیں کر رہا ہے؟''

''سچ بول رہے ہیں ہری پرساد! یہ مہاراج ہنسی چمار کہلاتے تھے۔ انگریزوں کے

جوتے بناتے تھے، ان کے گھوڑوں کو پالتے تھے۔ بس یہی کام کاج تھا ان کا۔ وہ تو بس نظ
کرم ہوگئی۔ ایک انگریز نے بخش دی یہ جاگیر۔ ورنہ کہاں یہ منہ اور مسور کی دال۔"

"رسیا! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم آرام کرو۔"

"آرام سے ہی تو ہیں بھیا! ورنہ ہم کیا کچھ نہ کر ڈالتے۔"

"کیا کرتے تم؟"

"ارے! وہ کچھ کرتے کہ دنیا تماشہ دیکھتی۔"

"کیسے دیکھتی؟" ہری پرساد بولا۔

رسیا کھڑا ہوگیا۔ "اچھا! فرض کرو تم دنیا ہو اور میں اس وقت بنسی راج ہوں..... ار
معاف کر دے رے رسیا! معاف کر دے۔ ہم سے بھول ہوگئی تھی۔ شما کر دے ہمیں۔ شما
دے۔" رسیا نے دونوں ہاتھ اس طرح جوڑے ہوئے تھے جیسے کسی سے معافی مانگ رہا
اور ہری پرساد کا ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا تھا۔ رسیا بھی ہنسنے لگا تھا۔ کافی دیر تک دونوں ہنـ
مذاق کرتے رہے۔ پھر رسیا کی ہنسی اچانک ہی رُک گئی۔ وہ اندھیرے میں گھور گھور کر
دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور پھر اسے دو ہیولے اپنی طرف آتے ہوئے محسوس ہوئے تھے
اس نے جلدی سے ہری پرساد کو اشارہ کیا اور ہری پرساد بھی اس طرف دیکھنے لگا۔ پھر ر
نے ہری پرساد کو اشارہ کیا اور آہستہ سے بولا۔ "ہری پرساد! یہ لوگ پردیسی لگتے ہیں۔ انہیـ
تنگ کیا جائے۔ ہم دونوں ایک جگہ چھپ کر مختلف جانوروں کی آوازیں نکالیں گے اور
لوگ ڈر جائیں گے۔ بڑا مزہ آئے گا۔ چلو! جلدی کرو۔ یہاں چھپ جاؤ۔"

اور پھر دونوں جلدی سے ایک چوڑے تنے والے درخت کی آڑ میں چھپ گئے تھے ا
ان ہیولوں کا انتظار کرنے لگے تھے۔ پھر وہ ہیولے کافی قریب آ گئے تھے۔ اور رسیا
انہیں دیکھا۔ اندھیرے میں رسیا اس طرح چھپ کر بیٹھا ہوا تھا کہ کسی کو نظر نہ آ سکے۔ لیکـ
رسیا نے جو منظر دیکھا اسے دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔ اس کے سامنے ہیرا لال اپنی دھرم پ
شانتی اور بیٹی رتنا کے ساتھ موجود تھا اور اس راستے سے گزر کر وہ کہیں جا رہا تھا۔

اب رسیا کا ماتھا ٹھنکا کہ یہ راستہ تو گاؤں سے باہر جاتا ہے جس پر ہیرا لال سفر کر
ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت ہیرا لال کہاں جا رہا ہے؟ وہ بھی اپنی دھرم پ
اور بیٹی کے ساتھ۔ کہیں یہ بنسی راج کے ڈر سے تو نہیں بھاگ رہے؟ ہاں! ایسا ہی ہے

بالکل ایسا ہی ہے۔ ہیرا لال کی پتنی اس بات کے لئے راضی نہ ہوئی ہوگی اور ان دونوں نے
فیصلہ کیا کہ راتوں رات سے جگہ ہی چھوڑ دیں تاکہ نہ تو شانتی یہاں ہوگی اور نہ ہی مہاراج
اس کے قرب کے خواہش مند ہوں گے۔ لیکن یہ تو بنسی مہاراج کے ساتھ دھوکہ ہے۔ اور
پھر سب سے بڑی بات یہ کہ شانتی بھاگ گئی تو اس کی جواب دہی بھی صرف رسیا سے کی
جائے گی۔ چنانچہ اس نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے ان لوگوں کو جانے دیا اور اس
بات کا پورا خیال رکھا کہ ان کی سمت کس طرف ہے اور اس سمت میں کون سی بستی یا گاؤں
پڑتا ہے۔ پھر جب یہ لوگ تھوڑا سا اور آگے بڑھ گئے تو رسیا نے کہا۔ "پرساد بھیا! اب مزہ
دیکھو۔ بھیا کمائی کا وقت آ گیا ہے۔"

"کمائی کا وقت آ گیا ہے؟"

"ہاں ہاں! یہ جو اپنے ہیرا لال ہیں نا ان کی آج کل چل رہی ہے بنسی مہاراج کے
لوگوں سے۔"

"بنسی مہاراج کے لوگوں سے؟"

"ہاں! بس کچھ معاملات چل رہے ہیں۔ اور بنسی مہاراج نے منع کیا تھا کہ اس کے
آدمیوں کو باہر جانے نہیں، بلکہ ہیرا لال سے بھی صلح صفائی کی بات کی تھی۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ ہیرا لال نہیں مانے اور اب کوئی فیصلہ ہوئے بغیر جا رہے ہیں۔ بس!"

"پر ہوا کیا تھا؟ ہمیں تو کچھ نہ معلوم تھا۔ نہ کسی نے بتایا۔"

"بس کچھ نہیں۔ کوئی خاص بات تھی جو بھاری پڑ گئی ہیرا لال کو۔"

"کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو؟ صاف صاف بتاؤ۔"

"بس! دیکھتا جا۔ میں کرتا کیا ہوں۔ اب تو گھر جا کر آرام کر۔ میں بھی بڑی حویلی کی
طرف جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر رسیا ایک طرف چل پڑا تھا۔ اس کا رُخ بنسی راج کی حویلی کی
طرف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کتنی دیر میں ہیرا لال زیادہ سے زیادہ کتنی دور جا سکتا ہے۔ ویسے
اسے اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ ہیرا لال بستی چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔ "ارے دیا رے
دیا۔ ساری کی ساری مجھ پر ہی آ پڑے گی۔"

ہانپتا کانپتا وہ بنسی راج کے پاس پہنچا تھا اور چونکہ بنسی راج کے لئے وہ بڑے اہم کام

سرانجام دیتا تھا اس لئے باقی کوئی اس تک پہنچ سکے یا نہ پہنچ سکے لیکن رسیا کو اس نے فوراً اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر بنسی راج بولا۔ ''رے رسیا! لگتا ہے کوئی چڑ تیرے پیچھے لگ گئی ہے۔ ارے پاگل کے بچے! عورت اگر چڑیل بھی ہو تو اسے سویکار کر جا ہئے۔ ہوتی تو عورت ہی ہے نا۔''

''مہاراج کے چرنوں میں رہ کر بھگوان کی سوگند! اگر سچ مچ کوئی چڑیل بھی ٹل جاتی رسیا اپنے لئے نہیں، مہاراج کے لئے اسے اپنے ساتھ ضرور لے آتا کہ ہو سکتا ہے مہاراج پسند ہی آ جائے۔ یہ بات چڑیل کی نہیں، بات بڑی خاص ہے۔''

''کتے کی طرح بھونکے جا رہا ہے۔ اصل بات نہیں بتاتا کہ کیا بات ہے؟''

''گڑ بڑ ہو گئی مہاراج! گڑ بڑ ہو گئی۔ وہ حرام کا جنا نکل کر بھاگ رہا ہے۔''

''کون؟'' بنسی راج نے چونک کر کہا۔

''وہی اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک سمجھ رہا ہے۔ ہمیں دھوکہ دے کر جا رہا ہے کم کہیں کا۔''

''تیری شامت آ گئی ہے شاید۔''

''مہاراج! ہیرالال کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ اپنی دھرم پتنی اور بیٹی کو لے کر را کی تاریکی میں بستی چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔ دھوکہ اور وہ بھی بنسی راج مہاراج کو۔ سوچ ہے عزت بچا کر لے جائے۔ بھلا بتائیے عزت وہ ہے جو بنسی راج مہاراج کے چرنوں میں ملے یا وہ ہے جو یہاں سے لے کر نکل جائے؟''

بنسی راج اُچھل گیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''رسیا! دل چاہتا ہے بڑا سا جوتا لے کر تیر کھوپڑی پر اتنے لگائیں کہ تیرا بھیجا ناک کے راستے بہہ جائے۔ پر ابھی اس کا وقت نہیں ہے۔ جلدی جا! اصطبل سے گھوڑے نکلوا۔ چھ سات بندے تیار کر۔ ہم بھی دیکھیں ذرا ہ کتنا چالاک ہے۔''

''ابھی لیجئے مہاراج!'' رسیا نے کہا اور اس کے بعد نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد شیطانوں کا شیطان بنسی راج مہاراج ایک گھوڑے پر سوار اپنے خونخو ساتھیوں کے ساتھ بستی سے باہر جانے والے راستے پر چل پڑا۔

بیچارہ ہیرالال تھوڑا سا ہی سفر طے کر سکا تھا۔ بستی سے باہر جانے کا ایک ہی راستہ تھ

بیوی اور بیٹی ساتھ نہ ہوتی تو شاید کھیتوں میں اتر کر سفر کرتا۔ لیکن مجبوری تھی۔ رات کے وقت کھیتوں میں سانپ وغیرہ بھی ہو سکتے تھے اس لئے ہیرالال اس چوڑی پگڈنڈی پر ہی جا رہا تھا جو گاؤں سے باہر جانے والے راستے کی طرف جاتی تھی۔ اس کے دل میں شدید خوف تھا۔ نجانے کیوں اندر سے ایک آواز اُبھر رہی تھی لیکن اس آواز سے وہ شانتی کو خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ آواز اُس سے کیا کہہ رہی تھی، وہ شانتی کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔ چنانچہ دل میں خوف سے لرزتا ہوا وہ آگے بڑھتا رہا۔ رات کے اس سفر کرتے ہوئے اس کی بیوی بھی خاصی پریشان نظر آتی تھی۔ ہیرالال نے اس سے کہا۔ ''جو دکھائیں تو دکھا رہی ہے نا، وہ نہ دکھا تو اچھا ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ تو اس وقت سفر کرتے ہوئے تھکن محسوس کر رہی ہے۔ لیکن ابھی خاموش رہ۔ تیری ساری تھکن ایک منٹ میں دور ہو جائے اگر صورتحال تیرے علم میں آ جائے۔ لیکن ابھی کچھ نہیں بتاؤں گا تجھے۔ پہلے ہم سرلہ بستی پہنچ جائیں، اس کے بعد تجھے اصل بات بتاؤں گا۔''

''بھگوان کی سوگند کھا کر کہتی ہوں کہ میں سفر سے پریشان نہیں ہوں۔ بس دل اندر سے بیٹھا جا رہا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کچھ ہو جائے گا۔ بیچاری بچی بھی پریشان ہے۔ اس نے بھی جیون میں کبھی اس طرح سفر نہیں کیا۔ بس! اسی کی طرف سے فکرمند ہوں کہیں یہ بیمار نہ پڑ جائے۔''

''کچھ نہیں ہوگا اسے۔ تو اس کی چنتا مت کر۔ بس ذرا ہمت کر ہم جلد سے جلد سرلہ بستی پہنچ جائیں۔ اس کے بعد مجھے کافی اطمینان ہو جائے گا۔'' لیکن بیچارہ ہیرالال اس بات سے بے خبر تھا کہ یہ خبر دشمنوں تک پہنچ گئی ہے کہ وہ گاؤں چھوڑ کر جا رہا ہے اور اب وہ اس کے تعاقب میں اس کے پیچھے آ رہا ہے۔ چنانچہ کچھ دیر چلتے رہنے کے بعد اسے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں اور وہ چونک پڑا۔ ''اس وقت کون ہے یہ؟ لگتا ہے..... لگتا ہے.....'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا تھا۔ آنے والے قریب ہوتے چلے جا رہے تھے اور ہیرالال کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بیوی سے کہہ رہا تھا۔ ''بھاگو! جان بچاؤ! بھاگو!'' ہیرالال کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے اور یہ لوگ اسے پکڑ لیں گے۔ چنانچہ وہ پوری قوت سے دوڑ رہا تھا لیکن بیوی اور بیٹی اس کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھیں۔

اور پھر گھڑ سوار ان کے بہت قریب پہنچ گئے۔ ایک گھڑ سوار نے ہیرا لال کو ایک لات رسید کر دی۔ ہیرا لال منہ کے بل گرا تھا اور اس کا ہونٹ پھٹ گیا تھا جس سے خون بہہ نکلا تھا۔ گرتے وقت اس نے بیوی اور بیٹی کو چھوڑ دیا تھا جس کے نتیجے میں وہ دونوں صحیح سلامت تھیں۔ گھڑ سوار کچھ دور جا کر رُک گئے تھے اور پھر وہاں سے واپس پلٹے تھے۔ اب ان کی رفتار کافی سست تھی۔ پھر وہ ان لوگوں کے قریب آ کر رُک گئے۔ شانتی اور رتنا ہراساں اپنی جگہ کھڑی تھیں اور ہیرا لال کو سنبھال بھی نہ پائی تھیں۔ ان گھڑ سواروں میں سے ایک سوار نیچے اترا اور اس کے پیچھے باقی سواروں نے بھی اپنے گھوڑوں کی پشت چھوڑ دی تھی۔ پھر وہی سوار آگے بڑھا اور اس کی آواز اُبھری۔ ''ہیرا لال بیرن! بنسی کو نہ جانتے ہو بھیا! ارے پاتال میں بھی پہنچ جاتے تو ڈھونڈ نکالتا بنسی تجھے۔ ہونہہ! ہمیں دھوکہ دینے چلے تھے۔''

ہیرا لال شدید غیض و غضب میں ڈوبا ہوا تھا اور اسی عالم میں وہ بنسی راج کو گھورے جا رہا تھا۔ بنسی راج پھر بولا۔ ''ارے سسرے! گھور کیسے رہا ہے؟ کھا جائے گا ہمیں؟ ارے رسیا! دیکھ تو بیرن کو! بہت غصے میں ہے۔ بڑا شکتی مان ہے۔ پر تو نے یہ نہ سوچا بھائی کہ ہم سے بچ کر کہاں جائے گا۔ ارے! بنسی مہاراج نے اپنی بدھی سے یہ سب کچھ حاصل کیا ہے۔''

ہیرا لال شدید طیش کے عالم میں تھا اور اسی غضب کے عالم میں بولا۔ ''ہاں بنسیا! تیری اوقات کا علم تو مجھے کافی پہلے ہو گیا تھا کہ تو واقعی چمار ہے۔ جب سے تو اس بستی میں آیا لڑکیاں غائب ہونے لگیں۔ پھر دو تین لوگوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ وہ لڑکیاں تیرے گھر سے نکلتی ہوئی دیکھی گئی ہیں۔ لیکن شریف آدمی عزت بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ کیا کرتے بستی والے تیرے خلاف؟ بیچارے مظلوم لوگ ہیں۔ لیکن بھگوان تجھے ضرور سزا دے گا کیونکہ وہ سب کے ساتھ نیائے کرتا ہے۔''

''ارے بیرن! ہم نے کون سا انیائے کیا ہے بستی والوں کے ساتھ؟ بھئی! اگر لڑکیاں ہماری کمزوری ہیں تو اب کیا کریں؟ اس کمزوری کو کہیں نہ کہیں سے پورا ہی کرنا ہے۔ اور یہ بھی سن لے کہ جن لڑکیوں نے ہماری بات مانی وہ آج بھی اپنے گھروں میں خوش ہیں اور جنہوں نے زیادہ سی ستی وساوتری بننے کی کوشش کی وہ بیچاری آتما ہتھیا کر کے مر گئیں۔ اس

میں بھی ہمارا قصور نہ تھا۔ ہم نے انہیں بھی اتنی ہی دولت دے کر بھیجا تھا۔ لیکن بس! راس نہ آئی ہماری بھینٹ انہیں۔''

''جسے تم بھینٹ کہتے ہو، تم جانتے ہو وہ کیا ہوتا ہے؟''

''ارے کون سا غضب کیا ہے ہم نے۔ اور اگر کیا ہی ہے تو کوئی کیا بگاڑ لے گا ہمارا۔ تو چل بگاڑ لے۔ کیا بگاڑ سکتا ہے تو ہمارا؟ ہم بھی تو دیکھیں کتنا بڑا ہے تو۔''

''بھگوان کی سوگند تیرے یہ کتے ہتھیاروں کے ساتھ میرے راستے میں نہ ہوں تو تیری وہ درگت بناؤں بنسیا! کہ تو خود نہ پہچان سکے۔''

''ہماری درگت بنائے گا؟''

''ہاں ہاں!''

''اگر ہم اپنے آدمیوں سے کہیں کہ کوئی ہتھیار استعمال نہ کرے اور کوئی بیچ میں نہ آئے تو، تو چت کر دے گا۔ ہے نا؟ یہی چاہتا ہے نا تو؟''

''ہاں ہاں! یہی چاہتا ہوں میں۔''

''پر میں تو نہیں چاہتا۔ اور تجھے پتہ ہے میں کیا چاہتا ہوں؟''

جواب میں ہیرا لال خاموش ہی رہا تھا۔ بنسی راج پھر بولا۔ ''ارے! ایک رات ہی کی تو بات تھی اور یہی نہیں اگر تجھے کبھی پیسوں کی ضرورت پڑتی تو ہم سے بلا جھجک مانگ لیتا۔ بس ہماری ضرورت کو تو، تو سمجھ ہی چکا تھا۔ پر تیری قسمت۔ بھگوان نے تیری قسمت کالی بنائی ہے۔ کوئی کیا کر سکتا ہے بیرن۔ لیکن ٹھہر۔ رُک ذرا! ایک بات سن۔ تیری پتنی کو ہم جانے نہیں دیں گے۔ ہاں! اگر تو جیون بچانا چاہے تو چل چھوڑ دیتے ہیں تجھے۔ تو بھی کیا یاد کرے گا کہ بنسی مہاراج نے تجھے نیا جیون دیا ہے۔ وہ کام شروع کر دیا ہے ہم نے ہیرا لال! جو بیچارے بھگوان آکاش پر بیٹھ کر کیا کرتے ہیں۔ اب دیکھ لے، کتنی طاقت ہے ہمارے پاس۔ ہماری ایک آواز تجھے جیون دے سکتی ہے اور ایک آواز تجھے موت دے سکتی ہے۔ مانگ لے! مانگ لے! جیون مانگ لے ہم سے۔''

ہیرا لال اس شیطان کی صورت دیکھ رہا تھا۔ یہ اندازہ اسے ہو گیا تھا کہ بات بگڑ گئی ہے۔ یہ آٹھ نو افراد ہیں اور وہ اکیلا ہے۔ وہ اس وقت بالکل بے بس ہو چکا تھا۔ شانتی کو بچانا اب اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں میں تاریکیاں اترنے لگیں اور پھر اس

نے سوچا کہ سب سے بڑی چیز عزت ہے۔ زندگی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اور زندگی میں اگر عزت آنکھوں کے سامنے جارہی ہو تو آنکھیں پھوڑ لینی چاہئیں۔ شیطان کا مقابلہ شیطانیت سے کرنا چاہئے۔ اپنی زندگی تو جارہی ہے اگر ساتھ میں بنسی راج کو بھی لے جایا جائے تو بری بات نہ ہوگی۔ اس نے کہا۔ ''بنسی مہاراج! گھوڑے سے اتریئے! آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''پاگل ہوگیا ہے رے؟ ارے ہم کوئی نچلی ذات کے تھوڑا ہی ہیں جو سینہ تان کر نیچے اتر آئیں۔ اب بھول جائیں تو الگ بات ہے یا کسی کے سامنے نہ کہیں۔ ہمارا تو پتا تھا۔ ارے کیا کہیں رے تجھ سے۔ چھوڑ ان باتوں کو۔ ہماری ماں نے کبھی اسے پتا نہ کہنے دیا کیونکہ وہ ہمارا پتا تھا ہی نہیں۔'' بنسی راج قہقہے مار کر ہنسنے لگا۔

دوسرے لوگ تو اس کی بات پر غور ہی کرتے گئے لیکن رسیا اس کا دوست تھا۔ کہنے لگا۔

''ارے واہ بنسی مہاراج! یہ تو تم نے نئی بات بتائی۔''

''چھوڑ رے رسیا! ذرا دیکھ اس ہیرالال کو۔ ارے ہم سے چالاکی کر رہا ہے۔ کہتا ہے گھوڑے سے اتر۔ ہم اترے گھوڑے سے اور یہ سسری کا جنا ہم پر لپک پڑے گا۔ نہ بھئی نہ! لڑنے وڑنے کا شوق نہیں ہمیں۔ ارے یہ اتنے حرامی مسٹنڈے کاہے کے لئے رکھے ہیں ہم نے؟ چلو رے چلو! اب ہیرالال مہاراج ذرا کچھ زیادہ ہی چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ذرا دیکھو! ان کو بھی وقت نہیں ہے۔''

''بنسی! بات سن، میری بات سن! کیا چاہتا ہے تو؟''

''بس! اب کیا چاہیں گے اس کے علاوہ۔ تو بھاگ جا یہاں سے۔ ہم تجھے کچھ نہیں کہیں گے۔ جہاں تیرا من چاہے نکل جا۔ تھوڑے بہت پیسے بھی دے دیں گے کسی بھی جگہ اپنا ٹھکانہ بنا لیجیو۔ ان دونوں سندریوں کو ہمارے پاس چھوڑ جا۔ کام آئیں گی ہمارے۔ کیا سمجھا؟''

ہیرالال کی قوت برداشت اب جواب دے گئی تھی۔ وہ اس طرح واپس پلٹا جیسے کہیں جا رہا ہو۔ لیکن اس کے بعد اچانک ہی اس نے دوڑ لگا کر بنسی راج کے گھوڑے پر چھلانگ لگا دی۔ بنسی راج اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ گھوڑے سے نیچے گر پڑا اور ہیرا لال نے اسے دبوچ لیا۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہی رسیا چیخا۔ ''ارے او کتے کے پلو!

گھوڑے تمہارے باپ کے ہیں نا پیٹھ پر بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہو۔ ارے بچاؤ بنسی مہاراج کو۔'' اور بنسی کے ساتھ جو لوگ آئے تھے وہ گھوڑوں سے کود پڑے۔ کسی نے ہیرالال کے بال پکڑے، کسی نے کمر، کسی نے ہاتھ۔ شانتی کے حلق سے دلدوز چیخیں نکلیں۔ اسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ عزت خطرے میں پڑ گئی ہے۔ وہ دہشت زدہ نگاہوں سے ادھر دیکھنے لگی۔ پھر اس سے نہ رہا گیا تو وہ وہاں سے چل پڑی۔ رتنا کو کسی محفوظ جگہ پر پہنچا کر وہ پتی کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ برق رفتاری سے دوڑتی ہوئی پتھریلی چٹانوں میں دور تک نکل گئی اور پھر اسے غار کا ایک دہانہ نظر آیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ برق رفتاری سے اس غار میں داخل ہوگئی۔ لیکن تقدیر کے کھیل انوکھے ہوتے ہیں۔ غار کے دہانے پر ایک بڑی سی چٹان چند چھوٹے چھوٹے پتھروں سے رکی ہوئی تھی کہ ذرا سی جنبش ہو اور نیچے گر پڑے اور قدرت کے کھیل ایسے ہی انوکھے ہوتے ہیں۔ ذرا سی لغزش ہو جاتی تو خود شانتی اور اس کی بیٹی اس چٹان سے پس کر رہ جاتیں۔ غار میں داخل ہوتے وقت شانتی کے ہاتھ چٹان پر ٹکے تھے اور چٹان نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ وہ پھسل کر غار کے دہانے پر آ جمی۔ اور اس طرح دو عمل ہوئے۔ پہلی بات تو یہ کہ شانتی چٹان کے پیچھے غار کے اندر محفوظ ہوگئی۔ دوسری بات یہ کہ تقدیر نے اس کے لئے کچھ نئی کہانیاں منتخب کر دیں.....

اُدھر بھلا بنسی راج کسی ایسے آدمی کو کیسے چھوڑ سکتا تھا جو اس پر حملہ کرے۔ چھ سات آدمی اس کے ساتھ تھے۔ سب کے سب دیکھ چکے تھے کہ ہیرالال جیسے معمولی آدمی نے بنسی راج مہاراج کو گھوڑے سے گرا دیا ہے۔ پھر انہیں بھی اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے اس سے اچھا موقع اور کون سا مل سکتا تھا۔ گھونسے، لاتیں، ٹھوکریں۔ جس کو جو توفیق تھی وہ اس پر عمل کر رہا تھا اور ہیرالال کے منہ سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ اس کے پورے جسم پر ضربیں ہی ضربیں تھیں اور اس کی چیخیں اب بلند ہوگئی تھیں۔ بنسی راج چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ ''اور مارو حرامی کو! اور مارو! اتنا مارو کہ اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔'' اس کے ساتھی نمبر بنا رہے تھے۔ ہیرالال کی شاید ساری ہڈیاں پسلیاں چور چور ہوگئی تھیں تب کہیں جا کر بنسی کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا اور اس وقت چونکہ اس کی ساری توجہ ہیرالال پر تھی اس لئے وہ شانتی و رتنا کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ اب جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور اس نے ہیرالال کی کچلی ہوئی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو وہ چونکا اور اس نے

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر زور سے دھاڑا۔ ''ارے رسیا! رے رسیا! وہ کدھر
نکل گئی؟ سارے کے سارے ایک ہی طرف متوجہ ہو گئے اور وہ نکل بھاگی۔ ارے ڈھونڈ
جاؤ۔ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟''

''کہاں جائے گی بنسی مہاراج! کوئی چڑیا تو ہے نہیں کہ پر مار کر اڑ جائے گی۔''

''چلو بھئی چلو! گھوڑوں پر بیٹھو اور دیکھو کتنی دور بھاگ گئی ہے۔ پر ذرا عزت سے لانا
کیا سمجھے؟''

ایک بار پھر اس ویرانے میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور سارے کے سارے شانتی کو تلاش
کرنے دوڑ پڑے۔ ہیرالال کی تو زندگی ہی اتنی تھی لیکن قدرت شانتی کی حفاظت کرنا چاہتی
تھی اور شاید کائنات میں ایک نئی کہانی جنم لینے والی تھی چنانچہ بنسی راج کے آدمی چاروں
طرف گھوڑے دوڑاتے رہے اور پریشان ہو گئے۔ خود بنسی راج ایک ٹیلے پر کھڑا ہو کر ان
کی بھاگ دوڑ دیکھ رہا تھا اور حیران تھا کہ آخر شانتی اور رتنا کہاں گئیں؟ جتنی دیر میں ہیرا
لال کی موت واقع ہوئی اتنی دیر میں عورت اور بچی بھاگ کر جہاں تک جا سکتی تھیں وہاں
اندازہ لگانے کے بعد انہیں تلاش کیا گیا۔ پھر سارے تلاش کرنے والے بنسی راج کے پاس
آ گئے۔ رسیا، بنسی راج کے پاس کھڑا تھا۔ آنے والوں نے کہا۔ ''مہاراج! اگر آپ کہیں
ہم چاروں طرف گھوڑے دوڑا کر دور تک نکل جائیں لیکن کوئی عورت اور چھوٹی سی بچی اتنی
دور بھاگ نہیں سکتیں۔ آپ بتائیں کہ کیا، کیا جائے؟''

''ارے! مگر گئی کہاں؟ سچ مچ چڑیا تھی جو آسمان پر پرواز کر گئی؟ رسیا! تیرا ستیاناس! بڑی
سندر عورت ضائع کر دی تو نے۔ کچے کام کرتا ہے حرامی۔ دیکھو رے دیکھو! آدھے لوگ
چاروں طرف پھیل جاؤ اور آدھے یہیں رہو۔ چل بے چل کتیا کے بچے! حرام کی کھا رہا ہے
اتنے عرصے سے بیٹھ کر۔ یہ ہیرالال کی لاش کو اٹھا اور کسی کھائی میں ڈال دے۔ راستے میں
پڑی ہے۔ لوگ دیکھیں گے۔ معلومات حاصل کریں گے۔ کہیں ہمارا نام نہ آ جائے۔ کیا
سمجھے؟''

''ٹھیک ہے مہاراج! حرام کی کھا رہا ہوں۔''

''چل چل! زیادہ باتیں نہ بنا۔''

رسیا نے ہیرالال کی لاش کی ٹانگ پکڑی اور اسے گھسیٹتا ہوا ایک کھائی کی طرف لے

گیا۔ کھائی کے پاس پہنچ کر اس نے ہیرالال کی لاش کو نیچے دھکیل دیا۔

گھوڑوں پر دوڑنے والے پھر واپس آ گئے تھے۔ پھر ساری رات یہ کھیل ہوتا رہا لیکن
شانتی اور رتنا کا پتہ نہیں چلا۔ کسی کی نظر بھی اس غار اور چٹان پر نہیں پڑی تھی۔ کام ہی ایسا ہو
گیا تھا اور عزتوں کی حفاظت کرنے والا اور نئی نئی کہانیوں کو جنم دینے والا اپنا کام کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

دنیا کے لوگوں سے ہٹ کر شانتی اور رتنا غار میں بند تھیں۔ شانتی کا خیال تھا کہ رتنا کو یہاں چھوڑ کر واپس جائے گی اور ہیرا لال کی مدد کرے گی۔ اگر وہ لوگ ہیرا لال کی جان لینے پر تل گئے تو اپنا جیون وار دے گی۔ زیادہ سے زیادہ ہیرا لال اسے اپنے گھر سے نکال دے گا۔ لیکن ہیرا لال کا جیون تو بچ جائے گا۔ لیکن جب وہ چٹان کے پاس پہنچی اور رتنا کو سمجھا بجھا کر یہ کہہ کر وہاں سے چلی کہ رتنا! پتا جی کے ساتھ ابھی آتی ہوں تو چٹان غار کا دروازہ بند کر چکی تھی۔ رتنا زور لگانے لگی۔ لیکن چٹان اپنی جگہ سے نہیں کھسکی۔ وہ گر تو آسانی سے پڑی تھی چونکہ معمولی سے پتھروں سے ٹکی ہوئی تھی لیکن اب اسے ہٹانے کا سوال ہی پید نہیں ہوتا تھا۔ ایک کمزور عورت کے ہاتھ اتنی وزنی چٹان کو اس کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتے تھے۔ شانتی اس چٹان پر زور لگاتی رہی اور تھک کر چور چور ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ رو رو کر کہہ رہی تھی۔ ''اے بھگوان! اے بھگوان! ہمارا بنا بنایا گھر کیسے اُجڑ گیا؟ بھگوان! کیا کروں؟ میرے راستے کھول دے۔ راستے کھول دے میرے بھگوان!'' وہ رُک رُک کر چٹان پر قوت صرف کرتی رہی لیکن چٹان نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ شانتی پر غش طاری ہو گئی۔ اُدھر رتنا غار کے ٹھنڈے فرش پر لیٹ گئی تھی معصوم بچی تھوڑی دیر تو جاگتی رہی۔ اس کے بعد اسے نیند آ گئی اور وہ گہری نیند سو گئی۔ شانتی کے بدن میں اب اتنی جان نہیں رہی تھی کہ وہ چٹان کو ہٹانے کی کوشش کرے۔ وہ بھی تھک کر غار کی دیوار سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئی۔ پھر کافی دیر کے بعد اس نے چٹانوں میں گھوڑے دوڑنے کی آوازیں سنیں تو وہ بری طرح سہم گئی۔ گھوڑوں کے بارے میں اسے اندازہ ہو چلا تھا کہ وہ ہنسی راج کے آدمیوں کے گھوڑے ہیں۔ ہنسی راج کی زبان سے اس نے جو الفاظ سنے تھے ان سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اور اب وہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ ہنسی راج کے ہاتھ لگ گئی تو ہنسی راج اس کی عزت لوٹ لے گا۔ ''پتہ نہیں ہیرا لال کا کیا ہوا؟

ہائے رام! میں کیا کروں؟'' اس کے سامنے سارے راستے بند تھے۔ وہ غار میں دور تک چکر لگاتی رہی۔ جائزہ لیتی رہی کہ کہیں اور سے نکلنے کا راستہ مل جائے۔ غار میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے سوراخ تو نظر آ رہے تھے لیکن ایسا کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ اور رتنا باہر نکل سکیں.....

پھر رات گزر گئی۔ دن کی روشنی پھیل گئی۔ غار کے سوراخوں سے روشنی اندر آنے لگی اور شانتی نے دیکھا کہ غار میں بہت سے چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں۔ یہ کیڑے مکوڑوں کے بل تھے۔ شانتی کو اس غار سے وحشت ہونے لگی اور وہ بری طرح پریشان ہو گئی۔ رتنا بھی جاگ گئی تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ماتا جی! گھر واپس چلو۔ یہ کون سی جگہ ہے؟''

شانتی اس معصوم بچی کو کوئی جواب نہیں دے سکی۔ آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی، روتی رہی۔ رتنا نے کہا۔ ''کیوں رو رہی ہو ماں؟ پتا جی کہاں ہیں؟ پتا جی کو بلاؤ نا۔ چلو یہاں سے۔''

شانتی کے پاس بچی کو دینے کے لئے کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ کئی بار چٹان کے پاس آئی۔ آخری حد تک اس نے کوشش کر کے اس چٹان کو ہٹانے کی کوشش کی تھی لیکن اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ چٹان کو ہٹانا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اب کیا ہو گا بھگوان؟ اب کیا ہو گا؟ رتنا بھی خوفزدہ ہو رہی تھی۔ وہ کہنے لگی۔ ''ماتا جی! کیا ہم یہاں سے باہر نہیں جا سکیں گے؟''

''خاموش رہ رتنا! بک بک کئے جا رہی ہے۔''

''مگر ماتا جی.....''

شانتی نے زور سے اس کے گال پر ایک تھپڑ لگا دیا۔ ''بکے جا رہی ہے۔ بکے جا رہی ہے۔ میں کہتی ہوں خاموش بیٹھ جا۔''

رتنا سہم کر ایک دیوار کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ پھر وہ بھی خاموشی سے آنسو بہاتی رہی اور دن گزرتا گیا۔ سورج نے اپنے زاویئے بدلے۔ دھوپ آہستہ آہستہ ڈھل گئی۔ سارا دن گزر گیا۔ پھر تاریکیوں نے غار میں بسرا کر لیا۔ رتنا نے ماں سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ لیکن رات کو وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ ''ماتا جی! بھوک لگ رہی ہے۔ پیاس لگ رہی ہے۔''

''کچھ نہیں ہے ہمارے پاس کھانے کے لئے۔ ہم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔ خاموش

بیٹھ جاؤ۔‘‘

’’مگر ماتا جی!‘‘

’’اور پٹے گی کیا؟‘‘ شانتی جھلا کر بولی اور معصوم رتنا پھر سہم کر خاموش ہوگئی۔ یہ رات بھی روتے ہی گزری تھی۔ دوسرا دن بھی گزر گیا۔ شانتی رتنا کو دیکھ رہی تھی جو اب فرش پر لیٹ گئی تھی۔ اس کے ہونٹ پیاس کی شدت سے سوکھ گئے تھے اور پیٹ کمر سے جا لگا تھا۔ شانتی کا کلیجہ پھٹ رہا تھا۔ کیا کرتی وہ اس معصوم بچی کے لئے؟ ہیرالال کے بارے میں سوچنے لگتی تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔ ہیرالال اگر اس سنسار میں ہوتا تو ضرور اسے تلاش کر لیتا۔

’’ہائے رام! میں ودھوا ہوگئی۔ میرا پتی مر گیا۔ ارے ہنسی راج! بھگوان تیرا ستیاناس کرے۔ میں اپنی بچی کو کیا کھلاؤں؟ ارے کوئی ہے؟ کوئی ہے؟‘‘ اب شانتی کو اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ ہنسی راج کے آدمی اس کی آواز سن لیں گے۔ وہ اپنے پتی کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ اپنی بیٹی کا جیون بچانا چاہتی تھی۔ اس کے اندر وحشتیں ابھرتی جا رہی تھیں۔ وہ چٹان کو زور زور سے پیٹتی رہی اور چیختی رہی۔ ’’کوئی ہے؟ ارے کوئی ہے ہمیں بچانے والا؟ ہم غار میں بند ہوگئے۔ ہمیں بچاؤ۔ کوئی ہمیں بچا لو۔ کوئی ہے ہمیں بچانے والا؟‘‘ لیکن اس کی آواز غار کے پتھروں میں گونج کر رہ جاتی تھی..... رات گزری۔ دوسری صبح ہوئی۔ رتنا پر غشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کے حلق سے آہستہ آہستہ آوازیں نکل رہی تھیں۔ ’’ماتا جی! مجھے پیاس لگی ہے ماتا جی۔‘‘

دوپہر تک رتنا کی حالت ایسی ہوگئی کہ شانتی کو اب یہ احساس ہوگیا کہ اگر اس نے کچھ نہ کیا تو رتنا مر جائے گی۔ لیکن کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ کبھی کبھی کیڑے مکوڑے نظر آ جاتے تھے اور اس کے علاوہ کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ اچانک ہی شانتی کو خیال آیا۔ پتی مر گیا تھا۔ بچی اس کے سامنے اس دنیا سے جا رہی تھی۔ اس نے اپنے شریر کو دیکھا۔ ہاتھوں میں پہنی ہوئی چوڑیوں کو دیکھا اور اس کے بعد اس نے ہاتھ مار کر ایک چوڑی توڑ لی۔ ابھی اس کا دل ساری چوڑیاں توڑنے کو نہیں چاہتا تھا۔ ہوسکتا تھا ہیرالال زندہ ہو۔ وہ یہ بدشگونی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ایک چوڑی توڑ کر اس نے اپنی کلائی پر گہرا گھاؤ لگایا اور کلائی سے خون ابل پڑا۔ شانتی ایک تندرست اور توانا عورت تھی۔ خون کی دھار نکلی تو اس نے غشی کی کیفیت کا شکار رتنا کا منہ کھول دیا اور خون کے قطرے اس کے منہ میں ٹپکانے لگی۔

رتنا کی زبان کو نمی کا احساس ہوا تو اس کا منہ چلنے لگا اور خون کی تیز بہنے والی دھار اس کے معدے میں منتقل ہونے لگی۔ حلق جو خشک تھا ٹھیک ہوگیا۔ پھر خون کی اپنی ایک طاقت بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد رتنا کی حالت بہتر ہوتی چلی گئی۔ خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ شانتی نے جب یہ دیکھا کہ رتنا کافی بہتر حالت میں آگئی ہے تو اس نے خون کو روکنے کی کوشش کی اور بہت سی مٹی اٹھا کر اپنے زخم پر رکھ دی۔ اس کے زخم سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں لیکن بیٹی کی زندگی بچ جانے کے خیال سے اس نے ان تمام ٹیسوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ جو کچھ بھی ہے، رتنا کا جیون بچ گیا۔ ’’میری بچی!‘‘ اس نے رتنا کو سینے سے بھینچ لیا۔ رتنا کے اندر اچھی خاصی توانائی نظر آنے لگی تھی۔ لیکن شانتی جانتی تھی کہ اس توانائی کو قائم رکھنے کے لئے اس نے کیا، کیا تھا۔

رتنا نے کہا۔ ’’ماتا جی! کچھ کھانے کو دو۔‘‘

’’بیٹا! کچھ کھانے کے لئے نہیں ہے میرے پاس۔‘‘

’’ماتا جی! یہاں سے چلو۔‘‘

’’ہم نہیں جا سکتے۔‘‘ شانتی نے کہا اور اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔ کافی وقت اسی طرح گزر گیا۔ اور دوسرے دن رتنا کی حالت پھر وہی ہونے لگی۔ لیکن اب شانتی کے پاس اس کے ہونٹوں کو تر کرنے کے لئے ایک طریقہ ہاتھ آگیا تھا۔ اس نے رتنا کو اپنا خون پلانا شروع کر دیا۔ وہ عجیب و غریب انداز میں سوچ رہی تھی کہ دیکھو محاورے کیا چیز ہوتے ہیں۔ اولاد کو خون پلا کر پالا جاتا ہے۔ یہ صرف ایک زبانی بات تھی۔ لیکن کوئی بھی بات زبانی نہیں ہوتی۔ ہر بات کا ایک مفہوم ہوتا ہے۔ یہ مفہوم کبھی کبھی عملی شکل میں بھی سامنے آجاتا ہے اور اس وقت ایسا ہی تھا۔ شانتی نے اپنے جسم پر جگہ جگہ گھاؤ لگا لئے تھے۔ وہ رتنا کو زندہ رکھنے کی کوشش کر رہی تھی اور خود اس کی اپنی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ نیم بخار میں مبتلا تھی اور ایک عجیب و غریب کیفیت طاری تھی۔ اس کا بدن پھونک رہا تھا۔ جسم پر چار پانچ زخم لگ چکے تھے۔ خود بھی بھوکی تھی اور اس کی حالت بھی خراب ہوتی جا رہی تھی۔ چنانچہ اس پر بھی غشی طاری ہونے لگی۔

رتنا کی حالت اب کافی بہتر تھی۔ غالباً بدن میں انوکھی چیز داخل ہوئی تھی جس نے اس کے بدن کی توانائیوں کو بہت بہتر کر دیا تھا۔ لیکن اب شانتی پر جان کنی کی کیفیت طاری تھی۔

وہ مر رہی تھی۔ بہرحال وقت کچھ اور گزرا اور آخری بار شانتی کی زندگی کی بجھتی ہوئی لو نے
بھڑک کر رتنا کو دیکھا۔ ہونٹوں نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن آواز نہ نکل پائی اور شانتی کی
آنکھیں بے نور ہوگئیں۔ وہ خاموش ہوگئی۔ رتنا کو اتنا اندازہ نہیں تھا کہ کیا ہوگیا ہے؟ وہ ماں
کی کیفیت سے بے خبر غار میں اِدھر اُدھر گھومتی رہی۔ اتنا وقت یہاں گزرنے کی عادی ہوگئی
تھی اور کیڑے مکوڑے اس کے لئے دلچسپی کا باعث تھے۔ ایک دو بار سانپوں نے بھی اپنے
بلوں سے سر نکال کر دیکھا تھا۔ لیکن یہ بے ضرر سانپ تھے۔ زہریلے اور خوفناک نہیں تھے اور
کمزور چیز طاقت ور کے سامنے آنے سے گریز کرتی ہے اس طرح ان سانپوں نے ان دو
انسانوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کئی گھنٹے گزر گئے۔ رتنا کو بھوک لگی۔ اسے
اپنی نئی خوراک کے بارے میں علم ہو چکا تھا۔ ماں کا خون جس حد تک پیا جا سکتا تھا پی چکی
تھی۔ اب تک کافی خون ضائع ہو چکا تھا اور اب شانتی کے بدن میں خون نہ ہونے کے
برابر رہ گیا تھا۔ ماں نے جب اسے اپنی خوراک نہیں دی تو رتنا خود اس کے پاس پہنچ گئی۔
شانتی جب کوئی نیا چرکا جسم پر لگاتی تھی تو وہاں بہت سی مٹی کو خون پر رکھ کر بند کر لیا کرتی
تھی۔ ایسے بہت سے گھاؤ اس کے بازوؤں پر تھے۔ رتنا نے ایک جگہ سے مٹی صاف کی اور
اپنے ہونٹ زخم سے لگا کر خون چوسنے لگی۔ لیکن آج نجانے کیوں ماں کے جسم سے خون نہیں
نکلا تھا۔ رتنا نے بہت کوشش کی لیکن خون باہر نہ آ سکا تو اس کے اندر جھلاہٹ پیدا ہوگئی۔
ایسی جھلاہٹ اس کے ذہن میں پہلی بار اُبھری تھی۔ اس نے زخم کو گہرا کرنے کے لئے
دانتوں کا استعمال کیا اور کچکچا کر زور سے ماں کے بازو پر کاٹ لیا۔ کھال اُدھڑ گئی۔ خون کے
چند قطرے نمودار ہوئے اور رتنا نے زبان سے انہیں چاٹ لیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ادھڑی
کھال سے گوشت جھانکنے لگا..... نجانے کیوں رتنا کو یوں لگا جیسے یہ گوشت خون سے بھی
زیادہ لذیذ ہو۔ چنانچہ اس نے ماں کی طرف دیکھا۔ ماں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہونٹوں
پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی جیسے کہہ رہی ہو میرے خون کے ٹکڑے! میں نے تجھے اپنے شکم میں رکھ
کر اپنا خون پلایا ہے۔ یہ سب کچھ تیرے لئے ہے۔

ازل سے معبودِ حقیقی نے ماں باپ کے دل میں اولاد کی محبت اتاری ہے اور اس محبت کا
کوئی بدل نہیں ہے۔ یہ محبت سب کچھ دے سکتی ہے اور اس محبت کے بدلے میں ماں باپ کو
کچھ نہیں دیا جا سکتا۔ کوئی بھی چیز اس محبت کا صلہ نہیں ہو سکتی۔ رتنا نے گوشت کا ایک چھوٹا سا

ٹکڑا ماں کے بازو سے اتار لیا اور اسے دانتوں سے چبانے لگی۔ پھر ایسا مزہ لگا کہ اس نے
شانتی کا تقریباً آدھا بازو ادھیڑ ادھیڑ کر کھا لیا۔ بہت دنوں سے خون تو پی رہی تھی لیکن
معدے میں کوئی وزن نہیں پہنچا تھا۔ یہ تشنگی آج دور ہوگئی اور اس نے سوچا کہ ماں تو بہت
اچھی ہے۔ پہلے اس نے نجانے ایسا کیوں نہیں کیا۔ پیٹ بھرا تو آنکھوں میں غنودگی آگئی۔
نجانے کب جاگی تھی۔ دوبارہ وہی عمل کیا اور پھر یہ اس کا معمول بن گیا..... لیکن اب وہ
محسوس کر رہی تھی کہ اس گوشت میں بدبو پیدا ہو چکی ہے اور ایک عجیب سی بدمزگی پیدا ہوتی جا
رہی تھی لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ نمی بھی ہے خوراک بھی ہے۔ پیٹ بھر جاتا ہے سکون
بھی ملتا ہے۔ چنانچہ وہ یہ شاندار ضیافت اڑاتی رہی اور شانتی کے بدن کی ہڈیاں جھانکنے
لگیں۔ اس کے سینے کا سارا گوشت غائب ہو چکا تھا۔ بازو، گردن، رخسار، آنکھیں غرضیکہ
جو کچھ بھی رتنا ادھیڑ سکتی تھی ادھیڑتی جا رہی تھی۔ ماں نہیں بولتی، نہ سہی۔ بات نہیں کرتی نہ
سہی۔ پیٹ تو بھر رہا ہے۔ فطرت میں بھی ایک عجیب سی وحشت پیدا ہوگئی تھی۔ اسے یہاں
ڈر نہیں لگتا تھا۔ ماں کو پکارتی تھی تو ماں بولتی نہیں تھی۔ اسے یہ احساس ہوگیا تھا کہ کوئی خاص
بات ہوگئی ہے۔ ماں کو کچھ ہوگیا ہے۔ شاید ماں مر گئی ہے۔ بہت سے لوگ مرتے ہیں۔ بستی
میں بھی رہتی تھی تو رام گی مر گئی تھی۔ اور بھی کئی افراد مر چکے تھے۔ ماں بھی مر گئی تھی۔ مگر ماں
بہت اچھی تھی۔ بہت مزیدار۔ اب اس کے علاوہ رتنا کو اور کوئی کام نہیں تھا۔ غار میں چکر
لگاتی رہتی تھی۔ کیڑے مکوڑوں سے کھیلتی تھی۔ یہ کیڑے کبھی کبھی اس کے جسم پر بھی کاٹ لیا
کرتے تھے لیکن اس سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

رفتہ رفتہ شانتی کے بدن کا بدبودار گوشت بھی اس کے معدے میں اترتا چلا گیا۔ بچا کھچا
گوشت سوکھتا جا رہا تھا لیکن رتنا کے دانت اب اتنے مضبوط ہو گئے تھے کہ وہ چاہتی تو شانتی
کی ہڈیاں تک چبا ڈالتی۔ اس کے بدن میں ایک عفریتی قوت پیدا ہوگئی تھی۔ وہ بڑے آرام
سے شانتی کے بدن کے سوکھے ہوئے گوشت کو ہڈیوں سے اکھیڑ لیتی تھی اور پھر اسے اپنے
مضبوط دانتوں سے چبا کر معدے میں اتار لیتی تھی۔ یہاں تک کہ غار میں اب صرف ایک
ڈھانچہ رہ گیا تھا..... شانتی کا ڈھانچہ۔ اور اس کے بعد اب رتنا کو پریشانی لاحق ہوگئی۔ اب
کھانے پینے کے لئے اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ آج دو دن ہو گئے تھے وہ بھوکی بیٹھی
ہوئی تھی۔ اچانک اس کی نگاہ ان کیڑے مکوڑوں پر پڑی جو اِدھر سے اُدھر رینگ رہے

تھے۔ رتنا کو نجانے کیا خیال آیا۔ اُس نے ایک کیڑا چٹکی سے پکڑا اور منہ میں رکھ لیا۔ اسے چبانے سے رتنا کو ایسا احساس ہوا کہ کچھ بھی ہے چلو بہر حال چیز تو ہے۔ اور پھر کچھ دنوں کے لئے اس کی غذا کا معقول بندوبست ہو گیا۔ غار میں نظر آنے والے بلوں کو کھرچ کھرچ کر چوڑا کرنا اس کا کام تھا اور پھر ان بلوں سے کیڑے نکال نکال کر وہ اپنا پیٹ بھرتی رہی۔ ایک دو بار سانپوں نے بھی باہر جھانکا اور رتنا نے بڑی مہارت سے ان کے پھن پر ہاتھ ڈال کر انہیں کھینچ لیا۔ یہ ذرا زیادہ کارآمد چیز تھی۔ اس نے سانپ کا گوشت بھی کھا لیا۔ اب یہ اس کی آرزو بن گئی تھی کہ غار میں زیادہ سے زیادہ سانپ نظر آئیں۔ لیکن دو چار سانپوں کے علاوہ وہاں اور سانپ نہ ملے۔ اب سارا غار کیڑے مکوڑوں سے صاف ہو گیا تھا اور رتنا کے لئے ایک بار پھر فاقہ کشی کے دن شروع ہو گئے تھے۔ وہ اب اداس اور بے چین ہونے لگی تھی۔ شانتی کے سوکھے ہوئے ڈھانچے سے اب اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دو یا تین دن گزر گئے۔ اب اس کے بدن کو شدت کے ساتھ بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔

پھر اس رات جب وہ غار میں زمین پر لیٹی ہوئی تھی تو غار ہلنے لگا۔ بہت زور کا زلزلہ آیا تھا اور زمین اتھل پتھل ہو گئی تھی۔ غار کے دہانے پر ٹکی ہوئی چٹان لڑھک کر دور جا گری اور رتنا کے دل میں اس کی گڑگڑاہٹ سے خوف کا احساس ابھر آیا۔ پھر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکوں نے اسے مزید خوفزدہ کر دیا۔ غار کا اتنا بڑا دہانہ کھل گیا تھا۔ رتنا تو باہر کی دنیا کو بھول گئی تھی۔ خوفزدہ ہو کر دہانے پر پھیلی ہوئی تاریکی کو دیکھ رہی تھی۔ زلزلے کی گڑگڑاہٹ دیر تک بلند ہوتی رہی اور اس کے بعد زمین کو قرار آ گیا۔ چاروں طرف ایک خوفناک سناٹا پھیل گیا۔ کہیں کہیں جانوروں کی خوفزدہ آوازیں ابھر رہی تھیں جو پہلے رتنا کو سنائی نہیں دیتی تھیں۔ وہ دیر تک بیٹھی سوچتی رہی، غور کرتی رہی اب کیا کرے؟ اور رات آہستہ آہستہ گزرتی چلی گئی۔ پھر سورج نکلا اور روشنی کا طوفان غار کے دہانے سے اندر داخل ہو گیا اور رتنا ایک بار پھر سہم گئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے باہر جھانکا تو اسے دنیا کی وسعتیں نظر آئیں اور کچھ دیر کے بعد باہر کا ماحول بھی یاد آ گیا۔ پتا جی یاد آ گئے۔ ماتا جی یاد آ گئیں۔ لیکن ماتا جی کا ڈھانچہ تو اندر ہی پڑا ہوا ہے۔ پتا جی نجانے کہاں ہیں؟ باہر نکل کر اس نے آواز دی۔ ''پتا جی! پتا جی! کہاں گئے، تم کہاں ہو؟'' لیکن اس کی آواز گونج کر رہ گئی۔ کہیں سے اسے کوئی جواب نہ ملا تھا۔ وہ آگے بڑھتی چلی گئی۔ دور دور تک جنگل پھیلا ہوا تھا۔ بستی نجانے کتنی دور

تھی۔ راستے کا کوئی تعین نہیں تھا۔ اس کے بال مٹی میں اٹے ہوئے تھے۔ بدن پر چیتھڑے لٹک رہے تھے۔ ہاتھ پاؤں کی اچھی تھی۔ بدن میں انسانی گوشت اور کیڑے مکوڑے کھانے کے بعد ایک عجیب سی جاذبیت پیدا ہو گئی تھی۔ حالانکہ بہت کم عمر تھی لیکن ماں بھی خوبصورت تھی اس لئے رتنا بھی بے حد حسین تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت یہ حسن کیچڑ میں لپٹا ہوا تھا۔ عجیب سی وحشت برس رہی تھی اس کے چہرے سے۔ وہ رُک رُک کر بار بار پتا جی کو آواز دینے لگی تھی۔ پھر اسے پگڈنڈی نظر آئی۔ پگڈنڈی پر بیل گاڑیوں کے نشانات تھے۔ غالباً دیہاتی ادھر سے گزرتے تھے۔ چنانچہ وہ اس پر چل پڑی اور زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ اسے گھنٹیوں کی آواز سنائی دی۔ پلٹ کر دیکھا تو پیچھے سے ایک بیل گاڑی آ رہی تھی۔ کوئی اس پر بیٹھا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ بیل گاڑی اس کے قریب آ گئی۔ بیل گاڑی پر بیٹھے ہوئے شخص نے اسے دیکھا۔ معصوم سا سادہ لوح دیہاتی تھا۔ جلدی سے اُتر کر نیچے آیا اور اس کے قریب پہنچ کر بولا۔ ''ہرے رام..... ہرے رام! ارے کون ہے تو؟''

''رتنا ہوں۔ میرے پتا جی کہاں ہیں؟''

''رتنا ہے؟ پتا جی کہاں ہیں؟''

''ہاں! میرے پتا جی کہاں ہیں؟ میں پتا جی کو بتاؤں گی کہ ماتا جی تو مر چکی ہیں۔''

''مگر تو کہاں پھر رہی ہے؟''

''پتا جی کو تلاش کر رہی ہوں۔''

''کیا نام ہے تیرے پتا جی کا؟''

''پتا جی!''

''ہیں؟ صرف پتا جی؟''

''تو اور کیا۔''

''اور ماتا جی کا کیا نام ہے؟''

''ماتا جی مر چکی ہیں۔''

''ارے بیٹا! کون پاپی تجھے چھوڑ گیا ہے اور کیا حال ہو رہا ہے تیرا۔ کہاں سے آ رہی ہے تو؟''

''اندر بند تھی۔ اب نکلی ہوں تو ماتا جی مر چکی ہیں۔'' رتنا نے معصوم لہجے میں کہا۔

"ہرے رام! کیا کروں اب میں؟ کیا تجھے گھر لے چلوں؟ لیکن جانکی..... جانکی انسان کی شکل میں شیطان ہے۔ نجانے کیا سلوک کرے تیرے ساتھ؟ چھوڑوں بھی کہاں؟ اس ویرانے میں جنگل کے جانور تیا پانچہ کر دیں گے۔ چل آ بیٹھ گاڑی میں۔" اور اس کے بعد اس شخص نے رتنا کو گاڑی میں بٹھا لیا اور نجانے کیا کیا باتیں کرتا رہا اس سے۔ اس نے بتایا کہ میرا نام رام راج ہے اور لوگ مجھے راجہ کہتے ہیں۔

بہر حال تھوڑی دیر کے بعد گاڑی ایک بستی میں داخل ہوگئی۔ چھوٹی سی آبادی تھی۔ رام راج ایک چھوٹے سے احاطے کے سامنے رکا اور رتنا کو ساتھ لے کر اندر داخل ہو گیا۔ جانکی اس کی بیوی کا نام تھا۔ اس کی بھی ایک بچی تھی جس کا نام سیتا تھا۔ سیتا کی عمر کوئی چھ سال کے قریب ہو گی۔ جانکی کافی تیز مزاج عورت تھی۔ اس وقت بھی وہ احاطے میں کھڑی کپڑے دھو رہی تھی۔ رام راج اندر داخل ہوا تو جانکی نے اسے دیکھا اور اس کے ساتھ رتنا کو۔ جانکی کا منہ بگڑ گیا۔ رتنا کو گھورتی ہوئی بولی۔ "یہ بھتنی کہاں سے اٹھا لائے ہو تم؟"

"ہرے رام رام جانکی! یہ بھتنی نظر آ رہی ہے تجھے؟"

"کون ہے؟" جانکی نفرت سے ناک سکیڑ کر بولی۔

"ارے انسان کی بچی ہے۔ لا وارث ہے بیچاری۔ ماں مر گئی ہے۔ پتا کھو گیا ہے۔ ساتھ لے آیا ہوں۔ جانکی! بھگوان کہتا ہے کہ....."

"دماغ خراب ہو گیا ہے۔ بھگوان جو بھی کہتا ہے۔ ہمارے حالات کیا کہتے ہیں کون سی ہزاروں کی کمائی ہے تمہاری جو یہ نیک کام شروع کر دیئے ہیں۔"

"دیکھ جانکی! بچی لا وارث ہے۔ جنگل میں بھٹک رہی تھی۔ کوئی وارث نہیں تھا۔ بھگوان کے نام پر اسے یہاں لے آیا ہوں۔"

"تو پھر ایسا کرو اسے بھگوان کے حوالے کر دو۔ بھگوان ہی اس کا خرچہ اٹھائے گا۔"

"خرچہ کیا ہو گا اس بیچاری کا۔ دو وقت کی روٹی تو کھائے گی۔ تیرے سارے کام کرے گی۔ جانکی! اب دیکھ نا، تو بیٹھی کپڑے دھو رہی ہے۔ ارے یہ گھر میں ہو گی تو تیرا ہاتھ بٹائے گی۔ جھاڑو دے گی۔ جھاڑو دیتے ہوئے تیری کمر دکھ جاتی ہے۔ اس سے جھاڑو بھی دلوانا۔ برتن بھی دھلوانا۔ گھر کے سارے کام کرے گی بیچاری۔ نتیجے میں دو روٹی کھا لے گی۔ کیا ہو جائے گا؟"

جانکی کی سمجھ میں بات آنے لگی۔ رتنا کو غور سے دیکھا۔ پھر بولی۔ "گندی کتنی ہو رہی ہے یہ۔ کیسی بدبو آ رہی ہے اس کے شریر سے۔"

"تو صاف کر لے نا اسے۔ نہانے کے لئے بھیج دے۔ کوئی کپڑے لتے ہوں تو اسے دے دو۔"

"ہاں! جیسے میری تو کپڑے کی دکان کھلی ہے نا۔" جانکی بکتی جھکتی رہی اور رام راج اسے لائن پر لاتا رہا۔ بہر حال جانکی نے رتنا کو نہانے کے لئے بھیج دیا۔ اور جب رتنا صاف ستھری ہو کر آئی تو رام راج ہی نہیں، جانکی بھی اسے دیکھتی رہ گئی۔

رام راج نے کہا۔ "رے بھگوان! لگتا ہے کسی بڑے گھر کی بیٹی ہے۔"

"اور بعد میں پولیس آئے گی اور تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر تمہیں کھینچتی ہوئی لے جائے گی۔"

"نہیں نہیں! اگر پولیس آئی تو ہم اس کے ماتا پتا کے حوالے کر دیں گے۔ ابھی سے تو ایسی بات مت سوچو اس کے بارے میں۔" جانکی خاموش ہو گئی۔

رتنا کو کپڑے دے دیئے گئے تھے۔ پھر اسے کھانا بھی ملا۔ لیکن اس نے جو کچھ کھایا اس میں اسے ذرا برابر مزہ نہیں آیا تھا۔ اس میں نہ تو انسانی گوشت تھا، نہ انسانی خون۔ تاہم پیٹ بھر گیا تھا۔ پھر وہ وہیں رہنے لگی۔ رام راج تو اپنے کام پر چلا جاتا تھا۔ جانکی کو موقع مل گیا۔ اس شرط پر اس نے رتنا کو اپنے ساتھ رکھا تھا کہ رتنا گھر کے سارے کام کرے گی۔ چھوٹے چھوٹے خوبصورت ہاتھوں سے وہ گھر کے برتن دھوتی، اتنے بڑے گھر کی جھاڑو لگاتی، کپڑے دھوتی۔ سیتا جو رتنا سے تھوڑی ہی چھوٹی تھی ماں کی طرح بد دماغ اور بد مزاج تھی۔ اگر دل چاہتا تو رتنا سے بات کرتی ورنہ کچھ نہیں۔ جانکی اب ذرا ذرا سی بات پر رتنا کو پیٹنے لگی تھی۔ رتنا کو اپنے ماتا پتا یاد آتے تو آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے۔ بہت معصوم اور بہت سادہ لوح تھی۔ گاؤں دیہات کی پلی بڑھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا اس کے۔ بس واقعات ہلکی سی یاد بن کر اس کے ذہن کے پردوں سے ٹکراتے رہتے تھے۔ کھانے پینے کو جو روکھا سوکھا مل جاتا وہ کھا لیتی۔ جانکی کبھی جوتے سے، کبھی لکڑی سے اس کی پٹائی کرتی تھی اور رتنا رو پیٹ کر خاموش ہو جاتی تھی۔ جب اس کی پٹائی ہوتی تو سیتا خوب ہنستی اور ماں کو مشورے دیتی تھی۔ کئی بار اس نے رتنا کی شکایتیں بھی لگائی تھیں لیکن رتنا فطرتاً بہت معصوم تھی۔ اس کے دل

میں کسی کے لئے کوئی نفرت نہیں تھی۔ تنہائی میں وہ سوچا کرتی تھی کہ نجانے ماتا پتا کہاں چلے گئے۔ ماتا جی بیچاری ہی تھیں تو اس غار میں مرگئیں۔ پتا جی بھی چلے گئے۔ اب تو کوئی بھی نہیں ہے۔ جانکی چاچی ہی سب کچھ ہے۔ رام راج البتہ اسے کبھی کبھی پیار کرلیا کرتا تھا۔ کئی بار اس نے اس سے اس کے ماتا پتا کے بارے میں پوچھا لیکن رتنا کوئی صحیح بات بتا نہیں سکی تھی.....وقت گزرتا رہا۔ رتنا نے گھر کے بہت سے کام سنبھال لئے تھے۔ جانکی نے اس کے لئے تھوڑے بہت کپڑے بنا لئے تھے جنہیں وہ خود ہی دھوتی اور پہن لیتی تھی۔ سیتا کا بڑا لاڈ پیار ہوتا تھا۔ جانکی نے ایک دن رام راج سے کہا۔ ''اب یہ بتاؤ اس کا کیا ہوگا؟ لے تو آئے ہو تم آج تک یہ بھی نہیں پتہ چلا کہ ماتا پتا کون تھے اور کہاں ہیں۔ کیا اب یہ ہمیشہ ہمارے پاس رہے گی؟''

''تیرے چھتیس کام کرتی ہے جانکی! کون سی مشکل ہے تجھے اس کے یہاں رہنے میں؟''

''ارے میں تو یہ سوچتی ہوں کہ لڑکی ذات ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے جوان ہو جائے گی۔ اپنی بچی کے لئے انتظام کرو گے یا اس کے لئے؟''

''بھگوان سب کا انتظام کرتا ہے جانکی! اگر بھگوان نے ہمیں ایک کی بجائے دو بیٹیاں دے دی ہیں تو، تو کیا سمجھتی ہے کہ وہ خود اس کے لئے بندوبست نہیں کرے گا؟''

''دھرم شالا کھول لو۔ اور بھی لے آؤ چار چھ۔''

''تیرا ستیاناس جانکی! اپنی پھوٹی آنکھوں سے دیکھتی نہیں ہے کیا؟ ننھی سی بچی ہے۔ گھ کے سارے کام کراتی ہے تو اس سے اور خود ملکہ بنی بیٹھی رہتی ہے۔ اس پر بھی وہ تیری آنکھوں میں کھٹکتی ہے۔''

''میری آنکھوں میں کیوں کھٹکے گی؟ تم کلیجے میں بٹھا لو اسے۔''

''بد بخت! اب کوئی بری بات منہ سے مت نکالنا۔ دماغ ٹھیک کردوں گا میں تیرا۔ سمجھ کیا ہے تو خود کو۔ میں لے کر آیا ہوں اسے گھر میں۔ تیرے باپ کا گھر تو نہیں ہے۔ ا خبردار! اگر بچی کے ساتھ کوئی سخت سلوک کیا۔ پوچھوں گا میں اس سے۔''

''ارے میری جوتی کو غرض پڑی ہے جو اس کے ساتھ کوئی سخت یا نرم سلوک کروں، مجھے کیا کرنا ہے اس کا؟''

''ہاں ہاں! بہت شریف زادی ہے تو۔ جانتا ہوں تجھے میں اچھی طرح۔'' رام راج.

جانکی کو ڈانٹ دیا۔ پھر جب وہ چلا گیا تو جانکی کے دل میں رتنا کے لئے نفرت ابھر آئی۔ اس نے کسی چھوٹی سی بات پر رتنا کو خوب مارا پیٹا اور رتنا روتی رہی۔ ''کم بخت ماری۔ نجانے کہاں سے رام راج کے ہاتھ لگ گئی۔ ارے کوئی اور ٹھکانہ نہیں تھا تیرا؟ کہیں اور مرتی جا کر۔ ہمارے سینے پر مونگ دلنے آ گئی ہے۔ کیا کر کے جائے گی یہاں سے۔'' جانکی چیختی چلاتی رہی۔ رتنا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اتفاق سے اس شام رام راج ذرا جلدی آ گیا اور اس نے اپنی آنکھوں سے جانکی کا سلوک رتنا کے ساتھ دیکھا تھا۔ پتی پتنی میں کافی لڑائی ہوئی۔ رام راج نے جانکی کے دو تین تھپڑ بھی مارے اور کہنے لگا۔ ''اس کے بعد اگر تو نے اس بچی پر ہاتھ اٹھایا جانکی! تو سمجھ لے میں تجھے نکال دوں گا۔ تجھے تیرے ماتا پتا کے ہاں بھجوا دوں گا۔ ایک بے سہارا اور لاوارث بچی پر میں یہ ظلم برداشت نہیں کرسکتا۔ نجانے کس کی اولاد ہے۔ ارے میں کہتا ہوں کیوں ہائے لیتی ہے کسی کی تیرے آگے بھی بچی ہے۔ آج تو کسی اور پر ظلم کرے گی تو کل کوئی تیری بچی پر بھی ظلم کرے گا۔ ڈرتی کیوں نہیں ہے تو بھگوان سے؟''

''بھگوان سے تو میں ڈر رہی ہوں مگر تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ آج تم نے ایک لڑکی کے لئے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ کیا سمجھوں میں اسے؟''

''کوئی الٹی سیدھی بات منہ سے نکالی تو زبان کھینچ کر ہاتھ پر رکھ دوں گا۔ تیرے من سے تو بھگوان کا ڈر نکل چکا ہے، پر مجھے بھگوان یاد ہے۔ میں بتائے دے رہا ہوں تجھے۔''

غرض یہ کہ جانکی کے دل میں رتنا کے لئے نفرت بڑھتی چلی گئی اور رتنا بیچاری ان نفرتوں سے ناواقف گھر کے کاموں میں لگی رہی۔ جانکی نے اس کی برائیاں کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اکثر اس کے سلسلے میں رام راج سے لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن جانکی نے کہا۔ ''تم دیکھ لینا رام راج! لڑکی کوئی ایسا کام کر کے اس گھر سے جائے گی کہ تم بھی جیون بھر روؤ گے اور میں بھی۔''

''ہاں! مجھے پتہ ہے۔ وہ گھر سے کیا کام کر کے جائے گی۔ وہ تیرا کلیجہ چبا کر جائے گی اس گھر سے۔ ارے میں کہتا ہوں جانکی! بھگوان سے ڈر۔ میں نے دیکھا ہے کہ تو ہی نہیں، سیتا بھی اس پر ظلم کرتی ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، معصوم بچی کام کر رہی ہوتی ہے تو سیتا اس کے بال نوچ کر چلی جاتی ہے۔ سمجھا اسے جانکی! ورنہ کل تیری آنکھوں

میں جو آنسو ہوں گے انہیں پونچھنے والا کوئی نہیں ہوگا۔''

جانکی منہ ٹیڑھا کر کے خاموش ہو جاتی تھی۔ وقت شاید رام راج کے الفاظ درست ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس دن صبح سے ہی بارش شروع ہوگئی تھی۔ سردیوں کی بارش تھی۔ کسی کا دل بستر سے نکلنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ باہر بھینسیں چیخ رہی تھیں۔ بھینس کی آواز پر جانکی اٹھی تھی اور پھر اس نے زمین پر سکڑی پڑی رتنا کو دیکھا تھا۔ رتنا کے پاس ایک ہلکی سی چادر تھی جو سوتے میں اس کے بدن سے کھسک گئی تھی۔ اس کے دونوں گھٹنے سینے میں جڑے ہوئے تھے اور وہ معصومیت کی نیند سو رہی تھی۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔ جانکی آگ بگولہ ہوگئی۔ اس نے آوازیں دیں۔ لیکن رتنا اتنی گہری نیند سو رہی تھی کہ اس کی آوازوں پر نہیں جاگی۔ جانکی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس کی آوازوں پر رام راج کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا، جانکی رتنا کے پاس پہنچ گئی اور پھر اس نے لاتوں سے رتنا کو مارنا شروع کر دیا۔

''ستیاناس موئی مسٹنڈی! بھگوان تجھے غارت کرے۔ بیل کی طرح بڑھ بڑھ کر جوان ہو رہی ہے۔ چار آدمیوں کا اکٹھا کھا جاتی ہے۔ نیند ہے کہ ٹوٹی پڑ رہی ہے تجھ پر۔ ابھی ذرا سی فتن ہے مگر جوان کی نیند سو رہی ہے۔ بھینس کی صفائی تیرا باپ کرے گا؟ دودھ تیری ماں نکالے گی؟ رسوئی میں جا کر چائے کا پانی کون رکھے گا؟ کتیا کی جنی! اٹھ تیرا ستیاناس۔'' مزید کئی لاتیں اس کے بدن پر پڑیں تو وہ جلدی سے اٹھ کر اپنی جگہ سے بھاگی اور ایک کونے میں سمٹ گئی۔ وہ سردی سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ جانکی آگے بڑھی تو رام راج جلدی سے اٹھ گیا۔ ''کیا کر رہی ہے تو صبح ہی صبح؟ پاگل ہوگئی ہے بالکل؟ یہ تیرا سلوک ہے اس بچی کے ساتھ۔ ارے بھگوان سے ڈر جانکی! بھگوان سے ڈر۔ مجھے بھی سوتے سے جگا دیا۔ ہٹ ادھر سے۔ اب اسے ہاتھ لگایا تو اچھا نہیں ہوگا۔''

جانکی نے رام راج کو گھورا۔ پھر غراتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''کچھ زیادہ نہیں بولنے لگے تم؟ زیادہ نہیں حمایت لے رہے ہو اس کی؟''

''ہاں! حمایت لے رہا ہوں۔ اور ایک بات کان کھول کر سن لے۔ اگر تو نے اپنا سلوک اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا تو میں اسے لے کر کہیں نکل جاؤں گا۔ اپنے بل پر لایا ہوں اس بچی کو۔ کہیں کسی مندر میں رکھوا دوں گا مگر خود بھی نہیں آؤں گا۔ بھگوان تجھے عقل دے۔ ارے کیوں ہائے لے رہی ہے اس کی؟ تیری حرکتوں سے اگر اس کی ہائے ہم پر پڑ گئیں تو

تو مرے گی ہی میں بھی لپیٹ میں آ جاؤں گا۔''

''رام راج، بس! اسے یہاں سے نکال دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''سوچ لے! دس کام کرتی ہے تیرے۔''

''خود کر لوں گی اپنے کام۔''

''بھیا سنا ہی تھا اب تجربہ بھی ہو گیا۔ اس سنسار میں عورت، عورت کی سب سے بڑی دشمن ہوتی ہے۔ ارے عورت کو تو ماتا کا روپ کہا جاتا ہے۔ مرد پتا بن کر وہ نہیں کر سکتا جو عورت ماتا بن کر کر لیتی ہے۔ دنیا والے کہتے ہیں کہ ہر عورت کے اندر ماں چھپی ہوتی ہے۔ میرے اندر تو چھپا ہوا پتا باہر نکل آیا مگر بھگوان تجھے عقل دے تیرے اندر ماں نہیں ہے۔ ٹھیک ہے۔ کر لوں گا کوئی نہ کوئی بندوبست۔ بھگوان کا سنسار بہت بڑا ہے اور اس نے جسے سنسار میں بھیجا ہے اس کی رکھشا کرنا بھی جانتا ہے۔ جا بیٹا! کچھ پہن لے۔ جا! باہر جا کر کام کر۔ بھگوان نے تیرے بھاگ میں یہی لکھ دیا ہے۔ بھاگ تو نہیں بدلے جا سکتے بیٹا! جا شاباش کام کر۔'' لیکن پہننے اوڑھنے کے لئے رتنا کے پاس تھا ہی کیا۔ دونوں ہاتھ سے بال سنوارے اور باہر صحن میں نکل گئی۔ رام راج نے سردی سے کانپتے ہوئے کہا۔ ''ارے دیا رے دیا! پالا پڑ رہا ہے۔ ذرا سیتا کو ٹھیک سے رضائی اوڑھ دے۔ کہیں سردی نہ لگ جائے اسے۔''

جانکی نے اپنی بچی کو دیکھا اور خود بھی اس کے پاس جا کر لیٹ گئی۔ اس نے سیتا کو سینے میں بھینچ لیا تھا۔ باہر رتنا بڑے مزے سے اپنے کام کر رہی تھی۔ یہ اللہ کی قدرت ہوتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس کے لئے اسے کیا کرنا ہے؟ چنانچہ رتنا بڑے مزے میں تھی اور اسے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ وہ آرام سے وقت گزار رہی تھی۔ پھر سورج نکل آیا۔ بارش بند ہوگئی۔ معمولات کے کام جوں کے توں چلنے لگے اور رام راج اپنے کام پر نکل گیا۔ رتنا گھر کے سارے کام کاج کرتی رہی۔ بارش ہونے کی وجہ سے گھر کے کام اور بڑھ گئے تھے۔ دوپہر ڈھل چکی تھی اور ڈھائی تین بجے کا وقت تھا۔ جانکی کہیں پڑوس میں چلی گئی۔ سیتا اپنے کمرے میں سو گئی اور رتنا جسے تھوڑا سا وقت ملا تھا، برآمدے میں بیٹھ کر بھینس کو دیکھتی رہی جو آج بارش کی وجہ سے باہر چرنے نہیں گئی تھی۔ رتنا کے دماغ میں ماضی کی بہت سی باتیں آ رہی تھیں۔ اپنی بستی، ہیرا لال، ماں۔ پھر غار کا منظر۔ اور اس کے بعد خون کی پیاس۔ دفعتہ

ہی اس کے اندر ایک عجیب بے کلی پیدا ہوگئی۔ غار میں رہ کر اس نے ماں کا خون پیا تھا۔ ماں کا گوشت کھایا تھا۔ اس کے بعد جب وہ باہر آئی تھی تو وہ بڑی مشکلوں کا شکار تھی۔ اچانک ہی اس کے دل میں ایک عجیب سی پیاس جاگ اٹھی۔ اس کے پورے وجود میں ہیجان برپا ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اس کی نگاہیں بھینس پر جمی ہوئی تھیں کیا بھینس کی کالی موٹی کھال اس کے کام آسکتی ہے؟ کیا وہ اس کھال کو ادھیڑ سکتی ہے؟ اس کے دانتوں میں کلبلاہٹ ہونے لگی۔ چہرے کے نقوش بگڑنے لگے۔ اس کے پورے بدن میں تشنج پیدا ہوگیا۔ وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ تبھی اس کی نگاہ سامنے سوتی ہوئی سیتا پر پڑی۔ وہ بغور اسے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں خون کی چھینٹیں پڑنے لگیں۔ بدن بے اختیار ہوگیا۔ ایک ایک قدم آگے بڑھ کر وہ سوتی ہوئی سیتا کے پاس پہنچ گئی..... سیتا کا رنگ وروپ سفید تھا۔ گال سرخ جن کے نیچے خون کی روانی۔ گردن کی رگ پھولی ہوئی جس سے خون کا سمندر رواں دواں تھا۔ رتنا کی مٹھیاں کھلنے اور بند ہونے لگیں اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ سیتا کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ اس کے کھلے ہوئے بازو اور گردن دیکھنے لگی۔ بازو۔ یہیں سے تو اس نے آغاز کیا تھا اور پھر اچانک اس کے حلق سے بلیوں جیسی غراہٹ نکلنے لگی۔ وہ آہستہ آہستہ جھکی اور دوسرے ہی لمحے اس نے سیتا کے بازو میں اپنے دانت گاڑھ دیئے..... سیتا گہری نیند سو رہی تھی لیکن بازو میں گڑھنے والے دانت اتنے تکلیف دہ تھے کہ اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی تو رتنا نے اس کی گردن پر ہاتھ جما دیئے۔ وہ دانتوں کی قوت سے سیتا کے بازو کا گوشت ادھیڑ رہی تھی اور ایک لمحے میں اس نے اس گوشت کو نسوں سمیت کھینچ لیا اور اسے چبانے لگی۔ پھر سیتا کے سینے پر حملہ کیا۔ جہاں جہاں سے گوشت ملتا رہا، وہ اسے ادھیڑتی رہی۔ بازو، سینہ اور پھر گردن کی پھولی ہوئی رگ جس میں دانت پیوست کئے تو نمکین خون سے اس کا منہ بھر گیا اور رتنا اس خون کو بڑی چاہت سے چوسنے لگی۔ سیتا اپنی جدوجہد کر کے ہار گئی تھی۔ اب اس کے حلق سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ اب اس کا سارا بدن لہولہان ہو رہا تھا اور رتنا کسی خونخوار بلی کی طرح اسے جگہ جگہ سے بھنبھوڑ رہی تھی۔ اس کے منہ میں سیتا کے گوشت کے ٹکڑے دبے ہوئے تھے اور وہ بڑے مزے سے اس گوشت کو کھا رہی تھی۔ بہت عرصہ گزر گیا تھا انسانی گوشت کھائے ہوئے۔ وہ اپنی تمام ضرورتیں پوری کر لینا چاہتی تھی۔ سیتا ایک اچھی خاصی

تندرست لڑکی تھی۔ بہت سا گوشت تھا اس کے بدن پر اور رتنا اس سارے گوشت کو اپنے اندر اتار لینا چاہتی تھی۔ اس نے اپنے خوفناک دانتوں سے سیتا کا سینہ ادھیڑا اور پسلیوں کے درمیان سے اس کی خوراک کی نالی دانتوں میں دبا کر کلیجی باہر نکال لی۔ کلیجی کے ساتھ اور بھی اعضاء باہر نکل آئے تھے اور رتنا انہیں چبا رہی تھی بالکل کسی بلی کی طرح گھٹنے موڑ کر دونوں ہاتھ سیتا کے بدن پر ٹکا کر۔ اور عین اس وقت بالکل اس وقت جانکی اندر آگئی۔ وہ محلے سے واپس آئی تھی۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی رتنا کو چار چھ گالیاں دی تھیں اس نے کیونکہ رتنا اس کو نظر نہیں آرہی تھی۔ پھر کمرے میں کچھ جدوجہد پا کر وہ اس طرف آ گئی۔ روشنی سے آئی تھی کچھ لمحے تک تو اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آیا۔ لیکن پھر جو منظر اس نے دیکھا اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے اس کے دل کی حرکت ہی بند ہوگئی۔ اوپر کا سانس اوپر، نیچے کا نیچے رہ گیا۔ یہ جاننے کی کوشش کرنے لگی کہ یہ قصہ کیا ہے؟ پھر اس نے خون میں ڈوبی ہوئی لڑکی کو دیکھا اور خون میں ڈوبی ہوئی رتنا کو بھی دیکھا جس کا چہرہ اس وقت سرخ ہو رہا تھا۔ خون اس کے بالوں میں بھی لگا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ سیتا کے سینے پر پھیلے ہوئے تھے..... جانکی یہ جاننے کی کوشش کرنے لگی کہ نیچے والی سیتا ہی ہے یا کوئی اور۔ پھر اس کے حلق سے ایک دہشت بھری چیخ نکلی۔ وہ اچھلی اور دھڑام سے نیچے گری۔ پھر اس کے بعد دوبارہ اچھلی اور اندر کی جانب لپکی۔ اس کے حلق سے آوازیں نکل رہی تھیں۔ ''ہائے رام! میری سیتا۔ ہائے رام میری سیتا!'' اور تو کچھ نہ سوجھا اسے ایک پلنگ کا ٹوٹا ہوا پایا ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ اس نے پایہ دونوں ہاتھوں میں اٹھا لیا۔ عام حالات ہوتے تو شاید وہ خوف سے بے ہوش ہی ہو جاتی لیکن اس وقت ماں اپنی اکلوتی بچی کو دیکھ رہی تھی، جس کا پورا بدن اُدھڑا ہوا تھا۔ گردن لٹک گئی تھی..... سیتا تو نجانے کب کی مر چکی تھی۔ رتنا اپنا کام کر رہی تھی۔ اس نے قریب آکر رتنا پر پائے کا وار کیا۔ لیکن رتنا اس وقت ایک پھرتیلی بلی بنی ہوئی تھی۔ اس نے اس وار سے اپنے بدن کو بچایا اور سیتا کو دانتوں ہی سے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی پلنگ سے نیچے کود گئی۔ جانکی پھر آگے لپکی۔ اس نے دوبارہ پایہ مارا۔ لیکن یہ پایا پلنگ کی پٹی پر پڑا تھا اور رتنا جو دیکھنے میں اتنی طاقتور نہیں لگتی تھی سیتا کو بلی کی طرح گھسیٹتی ہوئی دروازے کی طرف لپکی۔ ایک اتنی سی بچی کے جسم میں اس قدر بے پناہ طاقت دیکھ کر بھی جانکی کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ لیکن اپنی بچی کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید وہ دہشت سے پاگل ہی ہوگئی

ہوتی۔ وہ رتنا کا پیچھا کرنے لگی اور رتنا، سیتا کی لاش کو گھسیٹتی ہوئی اِدھر سے اُدھر بھاگتی رہی۔ بالکل ایک خونخوار بلی لگ رہی تھی وہ۔ اور ایسی خونخوار بلا جانکی نے بھلا اس سے پہلے کہاں دیکھی تھی۔ اس کے کلیجے میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ سیتا سیتا چیخ رہی تھی اور اس زور سے چیخ رہی تھی کہ پڑوس میں بھی اس کے چیخنے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ یہ آوازیں سن کر کچھ پڑوسیوں نے اس کے گھر کا رُخ کیا اور دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ صحن میں انہوں نے سیتا کی لاش دیکھی جسے رتنا بدستور اپنے دانتوں سے اُدھیڑ اُدھیڑ کر کھا رہی تھی اور جانکی اب ہائے ہائے رام چیخ رہی تھی..... ارے! یہ کیا ہوا؟ ارے! یہ کیا ہوا؟ ارے باپ رے باپ! یہ تو ڈائن ہے، ڈائن ہے یہ، یہ بچی ڈائن ہے۔ مارو اسے۔ اور پھر بہت سے لوگ اندر گھس آئے اور رتنا کی جانب لپکے۔ اب مجبوری کے عالم میں رتنا نے سیتا کا بدن چھوڑ دیا۔ ویسے بھی کافی شکم سیر ہو چکی تھی وہ۔ دوڑنے والے اس کی جانب دوڑے تو وہ بھاگ کر ایک درخت کے قریب پہنچی اور پھر پوری قوت سے درخت کے تنے پر چڑھتی چلی گئی۔ لوگ چیخ رہے تھے۔ دوسروں کو مدد کے لئے بلا رہے تھے۔ رتنا نے اس درخت سے دیوار پر چھلانگ لگائی اور دیوار سے باہر اور اس کے بعد ایک گھر کی چھت پر، پھر دوسرے گھر کی چھت پر۔ وہاں سے ایک درخت پر، درخت سے نیچے اترنے کے بعد اس نے سیدھی گلی میں چھلانگ لگا دی۔ باہر والے تو ابھی کچھ نہیں جانتے تھے۔ بہت سوں نے رتنا کو دوڑتے ہوئے دیکھا۔ لیکن انہیں پتہ نہیں تھا کہ خون میں ڈوبی یہ لڑکی کیوں بھاگ رہی ہے؟ البتہ اس کے خون میں ڈوبے ہونے سے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے رتنا بستی سے باہر نکل گئی۔ باہر سرسوں کے کھیت کھڑے تھے۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ سرسوں کے کھیتوں مین گم ہو گئی۔ ادھر جانکی پر نیم غشی طاری ہو گئی۔ وہ سکتے کے عالم میں بیٹھی آنکھیں پھاڑے اپنی بچی کی لاش دیکھ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

رتنا کیف و سرور میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جو کچھ اس نے کیا تھا نہ تو اس پر ندامت تھی، نہ ہی اس بات کا احساس کہ اس نے کوئی جرم کیا ہے۔ اس کے ذہن میں ایسا کوئی خیال ہی نہیں تھا۔ بس..... جانکی اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ اسے مارنا چاہتی تھی۔ اس نے جانکی سے اپنی جان بچائی۔ سیتا کا دل، کلیجی اس کے معدے میں اتر چکا تھا۔ اس کا گوشت بھی اچھا خاصا کھا چکی تھی اور خون بھی پیا تھا۔ اس سے اس کا سارا وجود سیراب ہو گیا تھا۔ اس کے بعد لوگوں نے اسے مارنے پیٹنے کی کوشش کی لیکن وہ اتنی کمزور نہیں تھی کہ ان کے ہاتھ آ جاتی۔ اپنا بچاؤ کرنا جانتی تھی۔ چنانچہ ان کے چنگل سے بچ کر وہ وہاں سے بھاگ نکلی۔ اس کے بدن میں اتنی قوت تھی کہ اگر کوئی آدمی بھی اس کے سامنے آ جاتا تو وہ اسے با آسانی زیر کر لیتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا تھا اور وہ پوری قوت سے دوڑتی ہوئی کھیتوں میں آ گھسی تھی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ بستی کے لوگ اس کا تعاقب کریں گے۔ اگر وہ لاٹھیاں لے کر کھیتوں میں پہنچ گئے تو اسے ان کی لاٹھیوں سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ دور تک دوڑتی چلی گئی۔ ویسے اس کا خیال بالکل ٹھیک تھا۔ پیچھے موجود لوگوں کو صورتحال کا علم ہو چکا تھا اور وہ سمجھ چکے تھے کہ رام راج ایک لڑکی کے روپ میں ایک خوفناک بلا کو بستی میں لے آیا ہے اور اس خوفناک بلا نے سب سے پہلے رام راج کی بیٹی سیتا ہی کو زندگی سے محروم کر دیا ہے۔ بستی والوں نے سیتا کی لاش دیکھی تھی۔ جانکی تو غش کھا کر گر پڑی تھی اور بے ہوش ہو گئی تھی۔ جس قدر برداشت کر سکی کر لیا۔ بیٹی کو بچانے کی کوشش کی لیکن بھلا مُردوں میں بھی کبھی جان پڑتی ہے۔ وہ اپنی بھرپور کوشش سے اس لڑکی سے انتقام لینے کے لئے بھاگ دوڑ کرتی رہی تھی اور اس کے بعد بے ہوش ہو گئی تھی۔ رام راج بیچارے کو پتا بھی نہیں تھا کہ گھر میں کیا ہو گیا ہے لیکن بہرحال بستی کے لوگ ساتھ دے رہے تھے۔ وہ کھیتوں میں دور تک دوڑتے چلے آئے تھے۔ بعض جگہ انہیں خون کے نشانات ملے تھے۔ یہ خون رتنا کا نہیں تھا بلکہ اس بچی سیتا کا تھا جو رتنا کے

بدن سے ٹپکا تھا۔

رتنا اب اتنی دور نکل گئی کہ کھیتوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور ویران جنگل نظر آنے لگے جہاں اونچی اونچی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ قرب و جوار میں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ جب رتنا کو اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ پیچھا کرنے والے اب تھک کر بہت پیچھے رہ گئے ہیں تو وہ خود بھی ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئی۔ اس وقت اس کی کیفیت کسی خونخوار جانور کی سی تھی جو خون کا رسیا ہو۔ وہ بلی کی طرح زبان سے اپنے پاؤں چاٹ رہی تھی اور اس کے اندر بڑی پختگی تھی۔ حالانکہ عمر زیادہ نہیں تھی لیکن انجانے اس غار میں رہ کر غیر انسانی وقت گزار کر قدرت نے اس کے جسم میں کیا جادو بھر دیا تھا۔ بدن بھرپور ہوتا جا رہا تھا اور یہی کیفیت چہرے کی تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس بچی کی عمر اتنی کم ہو گی۔ وہ ایک مست شباب نظر آنے لگی تھی حالانکہ اسے خود اپنے شباب، رعنائیوں کا ذرہ برابر احساس نہیں تھا۔ اس وقت بھی وہ جس انداز میں بیٹھی اپنے بدن کو چاٹ رہی تھی اسے دیکھ کر نجانے کتنے ذہن خراب ہو جائیں۔ لیکن وہ ان تمام باتوں سے بے خبر اپنے کام میں مصروف تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے پورے وجود پر سرشاری کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کا دل چاہا کہ آنکھیں بند کر کے سو جائے۔ چنانچہ اس نے گھٹنے موڑے۔ دونوں ہاتھوں پر رخسار رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ پھر نجانے کتنا وقت اسی طرح گزر گیا۔ آنکھ کھلی تو رات ہو چکی تھی۔ رتنا نے حیران کن آنکھوں سے اپنے اِرد گرد پھیلے اندھیرے کو دیکھا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ آنکھیں صاف کیں۔ نیند تو پوری ہو چکی تھی لیکن اپنی آنکھوں سے کام لے کر اس نے فیصلہ کیا کہ جہاں ہے، وہیں رہے..... یہاں سے آگے بڑھنا کسی طرح مناسب نہیں ہو گا کیونکہ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ گزرے واقعات یاد آنے لگے۔ اتنا عرصہ بے شک گزر گیا تھا لیکن نہ وہ اپنا گھر بھولی تھی، نہ اپنی بستی..... اسے اپنا باپ ہیرا لال بھی یاد تھا اور ماں شانتی بھی..... اسے یہ یاد تھا کہ پتا جی کو لوگوں نے مار ڈالا تھا اور ماں غار میں بند ہو گئی تھی اور پھر وہاں اُس نے اپنی ماں کا گوشت کھایا اور اتنے عرصے غار میں رہی۔ ہاں..... اس کے بعد غار سے باہر نکلی تھی اور پھر..... پھر رام راج چاچا اسے اپنے گھر لے آیا تھا۔ سیتا..... یہ تمام باتیں اب اس کے ذہن میں آ رہی تھیں۔ عقل بھی کم نہیں تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ اندر کی پیاس ایک الگ چیز ہے لیکن سنسار میں لوگ ذرا مختلف

انداز میں جی رہے تھے۔ یقینی بات تھی کہ سیتا کی موت سے چاچی جانگی کو ناراض ہونا ہی چاہئے تھا مگر میں کیا کرتی..... من جو چاہا تھا سیتا کا گوشت کھانے کے لئے۔ ہاں..... کتنی شانتی ملتی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ تو مجبوری ہے۔ کیا، کیا جائے..... جانگی چاچی خود بھی تو مجھ پر کتنے ظلم کرتی تھی۔ اب میں وہاں سے بھاگ آئی ہوں۔ اب وہاں واپس جانا تو موت کو پکارنا ہے۔ نہیں..... میں ایسے تو مرنا نہیں چاہتی۔ میں..... کہیں اور چلی جاؤں گی..... کہیں اور..... بہت غور کیا اس نے..... بہت غور کیا..... لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں جائے..... پھر اس نے سوچا کہ صبح جب سورج نکل آئے گا تو وہ یہاں سے آگے بڑھ جائے گی۔ اور یہ سوچتی ہوئی وہ بہت دیر تک بیٹھی رہی۔ پھر اٹھ کر ایک طرف چل پڑی۔ اس نے کافی فاصلہ طے کر لیا تھا اور اس وقت اسے ایک کچی سڑک نظر آئی جس پر گاڑیوں کے نشانات بھی تھے۔ وہ سڑک کے کنارے کنارے چلنے لگی۔ اس نے سوچا کہ یہ سڑک کہیں نہ کہیں تو جاتی ہو گی۔ لیکن پھر جب صبح کا سورج نکلا تو اچانک ہی اسے بیلوں کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک کر رُک گئی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بہت دور سے ایک دھبہ سا متحرک نظر آ رہا تھا۔ یقینی طور پر وہ کوئی بیل گاڑی ہی تھی جو اسی سمت آ رہی تھی۔ وہ سست رفتاری سے چلے آ رہے تھے۔ اور پھر شاید بیل گاڑی پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے اسے دیکھ لیا۔ ایک دیہاتی قسم کا آدمی بیل گاڑی چلا رہا تھا اور پیچھے ایک سادھو ٹائپ کا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ پنڈت ہری ناتھ تھے۔ پنڈت ہری ناتھ نے دور سے اسے دیکھا اور بیل گاڑی چلانے والے سے بولے۔ ''ارے بابو لال! دیکھو تو سہی، کون ہے یہ؟''

''ہرے رام..... ہرے رام!'' بابو لال خوفزدہ لہجے میں بولا۔

''کیوں کیا ہوا؟''

''ارے کا کا رے! ارے پنڈت جی! چڑیل لگے ہے۔ دیکھو تو سہی دور دور تک کوئی نہیں ہے۔ بھلا اس راستے پر کسی لڑکی کا کیا وجود ہو سکتا ہے؟ پنڈت جی! بھاگو..... ہم تو بھاگ رہے ہیں۔''

''تیرا ستیا ناس جائے پاگل! بکے جا رہے ہے، بکے جا رہے ہے۔ دیکھ تو سہی! ہے کون؟ چل گاڑی روک اس کے برابر جا کر۔''

''تم تو اکیلے ہو۔ ہمارے تو بیوی بچے ہیں۔ تمہارے آگے پیچھے تو کوئی ہے نہیں۔ ارے ہمیں پکڑ لیا تو کیا ہوگا؟''

''شکل دیکھی ہے اپنی؟ کالا کتا لگے ہے۔ اور ادائیں تیری اتنی ہیں۔ ارے کوئی چڑیل بھی تجھے اپنانا پسند نہیں کرے گی۔ تو ہے کیا چیز....؟''

''ارے پنڈت جی! بولو اب کیا کریں؟ گاڑی واپس لے چلیں؟''

''ایک جوتا ماروں گا سر پر، گاڑی واپس لے چلیں۔ ارے میں کہتا ہوں کہ چل تو اس کے پاس روک۔''

''مر جائیں گے پنڈت جی!''

''پنڈت جی تو نہیں مریں گے۔ تو مر جائے گا میرے ہاتھوں۔ چل! آگے بڑھ۔''

پنڈت ہری ناتھ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد بیل گاڑی رتنا کے پاس جا رکی۔ پنڈت جی نے اس کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ رتنا کے لباس پر جگہ جگہ خون لگا ہوا تھا اور رتنا ایک جھوٹی کہانی تیار کر چکی تھی۔ پنڈت جی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کون ہے بٹیا تو؟''

''میرا نام رتنا ہے چاچا جی!'' رتنا نے معصوم لہجے میں کہا۔

''بٹیا! یہاں کیا کر رہی ہے؟''

''چاچا جی! میں اپنے نانو کے پاس جا رہی تھی۔ میرے ماتا پتا جی مر گئے ہیں۔ کوئی نہیں تھا میرا اس سنسار میں۔ نانو جی کبھی کبھی آ جاتے تھے میری بستی میں۔ راستہ بھول گئی۔ چاچا جی! مجھے تو نانو کے گھر کا راستہ بھی نہیں معلوم۔''

''ارے ارے بٹیا.....ارے آجا.....آجا.....بیل گاڑی میں بیٹھ جا۔ ہم تجھے تیرے نانو کا پتا۔ آجا! بیٹھ تو جا بیل گاڑی میں۔''

ادھر بابو لال رتنا کے پیروں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے بدن پر پڑے خون کے دھبے ہی بابو لال کے لئے کم خوفزدہ کرنے کے لئے نہیں تھے۔ لیکن جب اس نے رتنا کے پیروں کو دیکھا تو کم از کم اطمینان ہوا کہ وہ چڑیل نہیں ہے اور اس کے پاؤں پیچھے کی طرف مڑے ہوئے نہیں ہیں۔ رتنا بیل گاڑی میں جا بیٹھی تو پنڈت ہری ناتھ نے کہا۔ ''چل بابو لال چل آگے بڑھ۔''

بابو لال نے بیلوں کو آگے بڑھا دیا۔ اس کے ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ سیانے کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی بری روح سامنے آتی ہے تو جانور اسے انسانوں سے زیادہ جلدی پہچان لیتے ہیں اور خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ بابو لال یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے بیلوں کی کیا کیفیت ہے۔ لیکن بیل اطمینان سے آگے کا سفر کر رہے تھے۔ اور پھر لڑکی کے پاؤں بھی سیدھے تھے۔ چنانچہ بابو لال کو کافی حد تک اطمینان ہو گیا اور اس نے بیل گاڑی آگے بڑھا دی۔

ادھر پنڈت جی، رتنا سے پوچھ رہے تھے۔ ''بٹیا! یہ تیرے لباس اور بدن پر خون کے دھبے کیسے ہیں؟''

''چاچا جی! میری بستی میں میرا کوئی نہیں تھا۔ میرے نانو کبھی کبھی میرے پاس آ جاتے تھے۔ میں ایک گھر میں رہتی تھی۔ ماتا پتا کے مرنے کے بعد اس گھر کے لوگوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ وہاں میں گھر کے سارے کام کیا کرتی تھی۔ نانو نے کئی بار مجھ سے کہا کہ رتنا بٹیا میرے پاس آ جاؤ۔ مگر اس گھر والوں نے مجھے میرے نانو کے گھر جانے ہی نہ دیا۔ پھر میں چپ چاپ وہاں سے نکل آئی اور اپنے نانو کے گھر کی طرف چل پڑی۔ بہت دور سے چلتی ہوئی میں یہاں تک آ گئی تھی۔ تھک گئی تھی۔ ایک درخت کے نیچے لیٹ گئی چاچا جی.....درخت سے ایک زخمی چیل میرے اوپر گری۔ اس کے بدن سے خون نکل رہا تھا۔ میں نے چیل کو اُٹھا کر پھینک دیا۔ میں ڈر گئی تھی یہ چیل کا خون ہے جو میرے بدن پر پڑا ہوا ہے۔''

''اچھا اچھا.....ارے بابو لال! تیرے پاس یہ فالتو چادر پڑی ہوئی ہے۔ بٹیا کو دے دے۔ مندر جا کر تو میں اس کے لئے کپڑوں کا انتظار کر ہی لوں گا۔''

''نہ نہ پنڈت جی.....میرے پاس ایک ہی چادر ہے۔ خون کے دھبوں سے خراب ہو جائے گی یہ۔''

''بڑا ہی کمینہ ہے.....لے بٹیا! یہ اوڑھ لے۔'' پنڈت جی نے اپنے کندھے کا بڑا سا رومال رتنا کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے کہا اور رتنا نے اپنے خون آلود لباس کو اس رومال میں چھپا دیا۔ پنڈت جی اس سے پیار بھری باتیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ ''کیسی سندر بچی ہے۔ بھگوان بھی انوکھے کام کرتا ہے۔ سر سے سایہ چھین لیا۔ جنگلوں میں بھٹک

رہی ہے۔ ارے بھیڑیا ہی لگ جاتا پیچھے تو کیا ہوتا؟'' کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سفر طے ہوتا رہا۔

پنڈت ہری ناتھ مندر میں رہتے تھے۔ مندر کے پجاری تھے۔ وہیں ایک چھوٹی سی جگہ ان کے آرام کے لئے تھی۔ وہاں گھر کے سارے انتظامات کر رکھے تھے۔ دو تین پجاری تھے جو الگ جگہ پر رہتے تھے۔ وہی مل جل کر سارے کام کاج کرلیا کرتے تھے۔ لیکن رتنا کے چلے جانے کے بعد پنڈت جی کو نجانے کیوں یہ احساس ہو رہا تھا کہ بھگوان نے ان کے جیون کے لئے بھی ایک سہارا پیدا کر دیا ہے۔ وہ بہت خوش تھے۔ رتنا سے اس کے نانو کے بارے میں پوچھا تو انہیں اندازہ ہو گیا کہ بیچاری لڑکی بس اتنا جانتی ہے کہ نانو کسی دوسری آبادی میں رہتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم۔ نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتی پھرتی۔ نجانے کہاں کہاں اپنے نانو کا پتہ پوچھتی پھرتی۔ اچھی خاصی بڑی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بھگوان نے معصومیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ پتا نہیں کسی برے کے ہاتھ لگ جاتی تو بیچاری کا کیا حشر ہوتا۔ دل ہی دل میں بھگوان کا شکر بھی ادا کر رہے تھے کہ انہیں بھگوان نے ایک کام کرنے کا موقع دیا۔ پھر بستی آ گئی اور پنڈت جی گاڑی سے اتر گئے۔ سامنے ہی مندر تھا اور پنڈت جی رتنا کے ساتھ مندر میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔

''دیکھ بیٹی رتنا! یہ ہمارا گھر ہے۔ میں تیرے نانو کا پتا معلوم کرنے کی کوشش تو پوری پوری کروں گا پر میں تیرے نانو کی جگہ ہی ہوں۔ تیرا من چاہے تو مجھے ہی نانو کہہ لیا کر۔ میں تجھے تیرے نانو کی طرح پیار کروں گا۔'' رتنا نے خوشی سے گردن ہلا دی۔ ویسے بھی اس کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھی سوائے اس کے کہ جو کچھ کر کے آئی تھی اس کے بارے میں صحیح طور پر پنڈت جی کو نہ بتائے۔ بہر حال وہ مندر کے اس حصے میں مقیم ہو گئی۔ پنڈت جی نے اس کے لئے ہر چیز کا بندوبست کر دیا تھا اور رتنا یہاں بہت خوش تھی۔ مندر میں پوجا پاٹ ہوتی تو پنڈت جی اسے بھی پوجا بھی شریک کرلیا کرتے اور وہ پوجا میں بڑی خوشی سے شریک ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ پنڈت جی کے سارے کام کاج کرتی۔ ان کے پاؤں دباتی، ان کے لئے آسائش مہیا کرتی۔ پنڈت جی کو بڑی خوشی تھی کہ چلو بھگوان نے اس عمر میں ایک بیٹی دے دی ہے۔ چنانچہ رتنا یہاں کے ماحول سے آشنا ہو گئی تھی۔ لوگ پوجا کرنے آتے۔ سبھی کو پتا چل چکا تھا کہ پنڈت جی کو رتنا کہیں راستے میں مل گئی ہے۔ لاوارث لڑکی ہے۔

خیر..... مندروں میں آنے والوں کے دل اگر کالے بھی ہوں تو کم از کم بھگوان کے ڈر سے وہ کوئی ایسا عمل نہیں کرتے جو بھگوان کی مرضی کے خلاف ہو۔ لیکن شیطان کا گزر تو ہر جگہ ہی ہو جاتا ہے اور کسی کے دل میں شیطان کا اتر آنا کوئی مشکل بات نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک شیطان اس مندر میں آ گھسا۔ اس کا نام گنگا دھر تھا۔ ذات کا بنیا تھا۔ بیوی بہت عرصے پہلے مر گئی تھی۔ خود سوکھا سڑا تھا لیکن ہوس کا مارا ہوا تھا۔ مندر میں بھی آتا تو سچے من سے نہیں آتا تھا۔ گنگا دھر نے رتنا کو دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کے دل میں شیطان اتر آیا۔ آنکھوں میں شیطانی چمک..... اسی دن پوجا کے بعد پنڈت جی سے ملا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''نمستے ہری ناتھ مہاراج!''

''کیا بات ہے گنگا دھر؟ ہماری ملاقات مندر میں بھی تو ہو چکی ہے۔ پوجا کے دوران تجھے دیکھا تھا ہم نے۔''

''پنڈت جی..... آپ سے اپنے لئے دُعا کرانے آیا ہوں۔''

''کیوں، کیا بات ہے..... کچھ بیمار ہے؟''

''من بیمار ہو گیا ہے پنڈت جی! سوچتا ہوں کہ کب تک اکیلا رہوں گا۔ جیون میں کسی نہ کسی ساتھی کی ضرورت تو ہوتی ہے۔ آپ سے مشورہ کرنے آیا ہوں۔''

''گنگا دھر! اس بارے میں تو تیرا اپنا ہی فیصلہ ٹھیک ہو گا۔ بھیا! ہم کیا مشورہ دیں گے تجھے؟ شادی کرنا چاہتا ہے دوسری؟''

''ہاں پنڈت جی! آپ بتاؤ کرنی چاہئے کہ نہیں؟''

گنگا دھر نے کئی بار قریب سے رتنا کو دیکھا تھا اور یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ رتنا کی عمر بہت زیادہ نہیں ہے لیکن یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بہت خوبصورت ہے۔ ہر طرح سے مکمل..... اچھی طرح سے دیکھ بھال کر کے اور پنڈت جی سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ وہاں سے چل پڑا۔ پھر اسے شیکھر ملا۔ شیکھر بستی کا لفنگا تھا۔ کوئی کام کاج نہیں کرتا تھا۔ بستی والے اس سے خوش نہیں تھے۔ اکیلا تھا اور ہر طرح کی برائیوں میں نظر آتا تھا۔ گنگا دھر اسے اپنے ساتھ لے گیا اور بولا۔ ''ارے شیکھر! بہت دن سے کہاں مر گیا ہے؟ آتا ہی نہیں ہمارے پاس۔''

''لال جی..... کیا کروں آپ کے پاس آ کر۔ روپے کی چیز دو روپے میں دیتے ہو اور

کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتے۔ بس من ہٹ گیا ہے آپ سے۔"

"ارے نہیں نہیں شیکھر کیسی باتیں کر رہا ہے؟ تو ایک بار منہ سے مانگ کر تو دیکھنا کبھی کوئی چیز..... منع کرتے تو بات تھی۔"

"اچھا! بڑی بات ہے۔" شیکھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "گنگا جی! ایک بات تو بتاؤ۔ کوئی کام ہے ہم سے؟"

"ارے بھیا! سنسار میں کس کو کس سے کام نہیں ہوتا۔ لیکن ایک چیز اور بھی ہوتی ہے۔"

"وہ کیا؟" شیکھر مسکراتا ہوا بولا۔

"وہ ہوتا ہے پریم..... دوستی..... ایک دوسرے کے ساتھی۔ ایک دوسرے کے کام آنا۔"

"پنڈت جی! سچ کہتے ہیں آپ..... ایک دوسرے کے کام آنا تو بڑا ہی ضروری ہوتا ہے۔ فرض کرو میں تمہارے کام آؤ پھر تم میرے کام آؤ۔ جب دونوں ایک دوسرے کے کام آئیں تو سنسار کے سارے کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ ویسے کام کیا ہے؟"

"پہلے ایک بات بتا..... منہ سے جو کہیں گے اپنے من میں رکھے گا۔"

"پچیس روپے ہوں گے۔" شیکھر نے فوراً کہا۔

"کس بات کے؟" گنگا دھر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کہی ہوئی بات کو من میں رکھنے کے۔ بات کہنے سے پہلے حساب بتا رہے ہیں۔" شیکھر بولا۔

"بڑا ہی کمینہ ہے تو..... چل ٹھیک ہے۔ بات من میں رکھنے کے پچیس روپے دے دیں گے تجھے۔ لیکن کام کرنے کا کیا لے گا؟"

"پہلے ایک بات بتاؤ گنگا رام جی..... کام کیا ہے؟"

"یہ پکڑ پچیس روپے اور سوگند کھا بھگوان کی کہ جو کچھ کہیں گے، من میں رکھے گا۔ منہ سے نکالے گا نہیں۔"

شیکھر نے پچیس روپے جیب میں رکھے اور بولا۔ "بھگوان کی سوگند! جو کچھ سنیں گے من میں رکھیں گے۔ کسی سے کچھ نہیں کہیں گے۔"

"چل ٹھیک ہے۔ یہ بتا مندر جاتا ہے کبھی؟"

"ایں؟" شیکھر کا منہ تعجب سے کھل گیا۔

"کبھی پوجا پاٹ کے لئے جاتا ہے؟"

"بس گنگا دھر جی! یہی تو خرابی ہے۔ اپنے ہاتھوں سے کام کر رہے ہیں۔ بھگوان سے اس وقت مانگیں گے جب اپنے ہاتھوں سے وہ کام چھوڑ دیں گے۔ کیا سمجھے؟ بس اسی لئے بھگوان کو پریشان کرنے مندر نہیں جاتے۔"

"پاپی ہے۔ پورا پاپی۔" گنگا دھر ہنس کر بولا۔ پھر کہنے لگا۔ "اگر مندر جاتا تو وہاں عجیب سی چیز کو دیکھتا۔"

"عجیب سی چیز؟"

"ہاں!"

"کون ہے وہ؟"

"رتنا ہے اس کا نام۔"

"ارے وہ جو پنڈت ہری ناتھ کو راستے میں ملی تھی؟"

"جب مندر نہیں جاتا تو تجھے کیسے معلوم؟"

"بابو لال ہمارے دوست ہیں۔ بابو لال کو جانتے ہو نا؟"

"ہاں! وہی بیل گاڑی والا نا؟"

"ہاں ہاں! وہی..... پنڈت جی کو لے کر آ رہا تھا کہ راستے میں ملی تھی رتنا انہیں۔ بابو لال بتا رہا تھا ہمیں کہ کوئی بچی ہے۔"

"وہ بچی نہیں ہے شیکھر! بلکہ یوں سمجھ لے کہ رس بھری ہے۔ رسونتی ہے۔ رس ہی رس ہے اس کے پورے شریر میں اور..... اور..... اور....."

"ارے واہ گنگا دھر جی! ہاتھ پاؤں صحیح کام نہیں کرتے اور رسونتی کے چکر میں پڑے ہو۔ خیر! چاہتے کیا ہو؟"

"اسے یہاں لانا ہے۔ بے ہوش کر کے۔ عقل کے ساتھ۔"

"ہوں..... اچھا! تو یہ کام ہے۔"

"ہاں! بول کیا لے گا؟"

"دو سو روپے گنگا دھر جی!"

"تیرا ستیاناس۔ دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا۔ ارے دو سو روپے میں تو ایک بیل گاڑی

خریدی جاسکتی ہے۔''

''خیال ہے تمہارا گنگا دھر جی! بیل گاڑی کو کیا، تم پیسے بھی نہیں خرید سکتے بیل گاڑی کے دوسو روپے میں۔ پتانہیں کہاں کی بات کر رہے ہو۔''

''ارے بھیا! پچیس تو، تو نے لے لئے ہیں پچھتر اور لے لے۔''

''ٹھیک ہے۔ لاؤ'' شیکھر نے کہا اور گنگا دھر جی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''تیار ہے؟''

''پچھتر لینے کو کون منع کرتا ہے۔ لیکن اگر کام کرانا ہے تو پھر دوسو روپے ہی دینے پڑیں گے تجھے۔''

''نہیں بھیا! دوسو روپے بہت زیادہ ہیں۔''

''تو ٹھیک ہے..... اب یہ الگ بات ہے کہ کسی اور نے اس بارے میں کہہ دیا تو ہم بتا دیں گے کہ گنگا دھر جی ہمیں سو روپے کی پیشکش کر رہے تھے۔''

''اور وہ پچیس روپے جو تو نے لئے ہیں۔''

''اگر کسی نے اس لڑکی کے بارے میں نہ کہا تو نہیں بتائیں گے اور اگر کہا تو بتا دیں گے۔''

''بڑا ہی کمینہ ہے۔ ہمیں پتا تھا کہ تو ہمیں اپنے جال میں پھانس لے گا۔ چل ٹھیک ہے۔ دوسو روپے دیں گے تجھے۔ مگر کب کر دے گا یہ کام؟''

''دو دن تک ذرا مندر کے چکر لگائیں گے، ذرا پوجا پاٹ کریں گے۔ اس کے پیسے آپ کو الگ دینے ہوں گے۔''

''تو یہ پچیس روپے تیری ماتا کی ارتھی اٹھانے کے ہیں؟''

''ماتا جی کی ارتھی تو بہت پہلے اٹھ چکی ہے گنگا دھر جی! دس روپے لگا دو۔ مندر جانے کے لئے پرشاد تو لینی ہی ہو گی۔''

''بھگوان تیرا ستیاناس کرے۔'' اس نے دس روپے کا نوٹ شیکھر کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ دل میں رتنا کا خیال اس طرح جڑ پکڑ چکا تھا کہ کچھ کہا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ بہر حال! پھر یہ ہوا کہ شیکھر وہاں سے چل پڑا اور دوسرے دن وہ پرشاد لے کر پوجا کے لئے مندر پہنچ گیا۔ رتنا اس وقت مندر کی بیٹی تھی۔ سارے پجاری پنڈت ہری ناتھ کی وجہ سے اس کی عزت بھی

کیا کرتے تھے اور وہ خود بھی سب سے بہت محبت سے پیش آتی تھی۔ مندر میں رہ کر چند روز کے اندر اندر اس کا رنگ و روپ ایسا نکھرا تھا کہ دیکھنے والے اسے ایک نگاہ دیکھیں تو دیکھتے ہی رہ جائیں۔ ہاتھ پاؤں تو پہلے ہی بہت خوبصورت تھے۔ بڑی بڑی آنکھیں..... بالکل شفاف چہرہ۔ ابھرے ہوئے خوبصورت ہونٹ۔ پنڈت جی اسے مندر کی پجارن بنا رہے تھے۔ چنانچہ پجارنوں کے لباس میں جب وہ لوگوں کے بیچ آتی تو نگاہیں اسے دیویوں کی طرح دیکھتی تھیں اور جھک جاتی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ شیطان کی نگاہ سے دیکھنے والے بھگوان کو بھی شیطان ہی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن عام لوگ اس کا بڑا احترام کرنے لگے تھے۔ خود رتنا بھی بہت خوش تھی۔ ہنسی مذاق کا ماحول..... پنڈت جی بھی بڑے پیار سے پیش آتے تھے۔ کھانے پینے کو بھی اچھا ملتا تھا اور وہ یہاں سکون سے گزار رہی تھی..... لیکن اس رات اس پر بے چینی کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ حالانکہ وہ آرام سے سوئی تھی۔ مندر میں پوجا پاٹ میں حصہ لیتی رہی تھی۔ پنڈت ہری ناتھ اسے گانا بھی سکھانا چاہتے تھے اور اس بارے میں اس سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ اس نے پنڈت جی کو تھوڑا سا گانا بھی سنایا تھا اور وہ اس کی آواز کی تعریف بھی کرتے رہے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر وہ باقاعدہ گانا سیکھ لے تو بہت خوبصورت گا سکتی ہے۔ چنانچہ وہ درحقیقت سنجیدگی سے گانے کے بارے میں سوچتی رہی تھی اور پھر سو گئی تھی۔ مگر رات کو اس کی آنکھ کھل گئی۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کچھ ایسی عجیب سی خواہش بیدار ہوئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ نمکین خون پیئے جو اس کے وجود کو سیراب کر دیتا ہے۔ جو اس کے بدن کو نشے سے چور کر دیتا ہے۔ اس کی کیفیت اس شرابی جیسی ہو رہی تھی جسے کافی عرصے سے شراب نہ ملی ہو۔ اس کی نگاہیں اپنی طلب کے لئے اِدھر اُدھر بھٹکنے لگیں اور تھوڑے فاصلے پر پنڈت ہری ناتھ ہی سوئے ہوئے نظر آئے۔ کمبل اوڑھے زمین پر کروٹ بدلے آرام کی نیند سو رہے تھے۔

وہ پنڈت جی کو دیکھتی رہی اور اس کا سر چکراتا رہا۔ پنڈت جی کی محبت، ان کا پیار اس کے دل و دماغ میں ایک عجیب سی بے چینی پیدا کرتا رہا۔ بہت دیر تک وہ سوچتی رہی کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن رات میں دو تین بار اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہی کیفیت دل و دماغ پر سوار تھی۔ البتہ صبح کو جب سورج نکلا تو وہ خاصی پر سکون ہو چکی تھی اور پھر باقی دن اسے کوئی الجھن نہیں ہوئی تھی.....

دلہن جیسے ہی سورج ڈوبا۔ ایک بار پھر اس کے دل میں خون کی پیاس جاگ اٹھی۔ اس کی آرزو ہوئی کہ کوئی ملے..... کوئی ایسا ملے جس سے وہ اپنی یہ پیاس بجھا سکے۔ ایک حسین اور خوبرو لڑکی بہت ہی چھوٹی عمر کی مالک لیکن اپنی عمر کے بالکل برعکس جوانی کی لطافتوں سے مالا مال کہ دیکھنے والا دیکھ کر بے ایمان ہو جائے۔ لیکن اگر کوئی اس کے اندر جھانک لے تو پھر خوف سے پاگل ہو جائے۔ بڑی متضاد کیفیت تھی اس کی۔ بہت دیر تک وہ اپنی آرام گاہ میں بیٹھی رہی۔ اس پر کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔ پنڈت جی اگر پوجا پاٹ کے لئے آئیں اور وہ نہ جانا چاہے تو پنڈت جی اُسے مجبور نہیں کرتے تھے۔ بہرحال وہ بہت دیر تک سوچتی رہی اور پھر جب بے کلی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو مندر کی پچھلی سمت سے باہر نکل آئی۔ ادھر ایک چھوٹا سا باغ پھیلا ہوا تھا جس میں آرام کے لئے بنچ پر جا بیٹھی۔ دل و دماغ پر وہی کیفیت طاری تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے..... کیوں نا خاموشی سے بستی میں نکل جائے۔ کسی گھر میں گھس جائے اور اس کے بعد..... اس کے بعد..... ابھی وہ اتنا ہی سوچ پائی تھی کہ اس کے عقب سے دو ہاتھ آگے بڑھے اور بدبو سے بھرا ہوا ایک رومال اس کی ناک پر آ ٹکا۔ وہ ایک دم سے چونکی لیکن رومال سے نکلنے والی بدبو کچھ ایسی تھی کہ ایک لمحے کے اندر اندر اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ اس نے دو چار بار ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن پھر اس کے ذہن میں تاریکیاں دوڑ گئیں۔ یہ تاریکیاں نجانے کب تک اس پر قائم رہیں۔ ہوش میں آئی تو دماغ سائیں سائیں کر رہا۔ قرب و جوار میں اب بھی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بہت دیر تک اپنی جگہ لیٹی غور کرتی رہی کہ وہ کہاں ہے؟ کون کون اس کے پاس موجود ہے۔ اسے سب کچھ یاد آ گیا لیکن یہ یاد نہیں آیا کہ وہ کہاں تھی..... اچانک وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ تو بنچ پر بیٹھی ہوئی تھی اور پھر ایک تیز بدبو محسوس ہوئی۔ بدبو کہاں سے آئی تھی؟ کس کے ہاتھوں کی بدبو تھی؟ وہ سمجھ نہیں پائی اور دیر تک سوچتی رہی۔

اچانک ہی تیز روشنی سے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ چٹ کی آواز ہوئی تھی اور کسی نے روشنی جلا دی تھی۔ کچھ لمحے تک وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے خاموش بیٹھی رہی۔ اس کے بعد احساس ہوا کہ وہ اجنبی جگہ ہے اور جس نے بھی روشنی جلائی ہے وہ کمرے میں موجود ہے۔ چنانچہ اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے اور سامنے دیکھا۔ اسے ایک عجیب سی شخصیت نظر آئی تھی۔ بالکل بڑے سائز کا مکوڑا لگ رہا تھا۔ وہ گنگا دھر تھا جو دروازے پر کھڑا مسکرا

نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوس ناچ رہی تھی۔ جبکہ معصوم رتنا نہیں جانتی تھی کہ انسان کی آنکھوں کی یہ چمک کیا معنی رکھتی ہے۔ اجنبی جگہ تھی۔ تب اس نے گنگا دھر کی طرف دیکھا اور معصوم لہجے میں بولی۔ ''میں کہاں ہوں چاچا جی؟''

گنگا دھر مسکراتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ ''میرے گھر میں ہے۔ اور چاچا نہیں ہوں میں تیرا..... کیا سمجھی؟''

''وہ تو میں نے ایسے ہی کہہ دیا ہے تمہیں چاچا جی۔ ظاہر ہے تم میرے چاچا کہاں سے ہو سکتے ہو۔ مگر یہ جگہ کون سی ہے؟''

''میں نے کہا نا کہ میرا گھر ہے۔''

''چاچا جی! میرا نام رتنا ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''میں مندر میں رہتی ہوں۔''

''یہ بھی جانتا ہوں۔''

''پنڈت ہری ناتھ مجھے.....''

''جانتا ہوں..... سب جانتا ہوں۔ یہ بتا کہ تو میرے بارے میں کیا جانتی ہے؟''

''کیا بتاؤں..... کچھ نہیں جانتی۔ میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا ہے اور مجھے تعجب ہے کہ تم مجھے یہاں کیوں لے آئے ہو؟ میں باغ میں بیٹھی ہوئی تھی، مندر کے پیچھے۔''

''چھوڑ ان باتوں کو..... تو ایک بات تو بتا مجھے۔''

''ہاں! پوچھو چاچا جی۔''

''اونہہ! چاچا جی نہیں کہتے نا۔''

''تو پھر کیا کہوں تمہیں؟''

''اور کچھ کہہ لے۔''

''ایک بات کہوں؟'' اچانک ہی رتنا مسکرا پڑی۔

''ہاں ہاں! بول۔'' گنگا دھر کو اس کی مسکراہٹ بہت حوصلہ افزا محسوس ہوئی تھی۔ ''میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں مکوڑا کہوں۔''

''کیا.....؟''

"مکوڑا!" رتنا بولی اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ایک لمحے کے لئے تو گنگا دھر کا منہ بگڑ گیا تھا مگر ہنستی ہوئی رتنا کو دیکھ کر اس کے اندر کی شیطانی خواہشیں ابھر آئیں۔ وہ آگے بڑھا اور رتنا کے قریب بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ "تیرا جو دل چاہے، کہہ لے۔ تو ہے ہی اتنی سندر کے تیرے منہ سے کوئی بات سن کر بری نہیں لگتی۔ تو نے آئینہ دیکھا ہے کبھی؟"

"ہوں چاچا جی!"

"چاچا جی.....چاچا جی کہہ کر میرا دماغ خراب کر رہی ہے۔ گنگا دھر ہے میرا نام۔ گنگا یا گنگو کہہ لے مجھے.....چاچا جی مت کہہ مجھے۔"

"یہ ٹھیک ہے گنگا دھر مہاراج!"

"ہاں! یہ ہوئی نا بات۔ ہاں! تو میں تجھ سے کہہ رہا تھا کہ تو نے کبھی آئینہ دیکھا ہے؟"

"بہت بار!"

"کبھی اپنے سندر چہرے کو دیکھا ہے؟"

"آئینے میں مجھے اپنا چہرہ ہی نظر آتا ہے۔" رتنا بولی۔

"کبھی اپنے شریر کو دیکھا ہے آئینے میں؟"

"لو! آئینہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے اور شریر اتنا بڑا.....آئینے میں شریر کو کیسے دیکھ سکوں گی میں؟"

"میرے پاس ایک بہت بڑا آئینہ ہے۔ اور اوپر سے نیچے تک تو اپنے آپ کو دیکھ سکتی ہے۔"

"اتنا بڑا آئینہ؟"

"ہاں! آ میں تجھے دکھاؤں۔" گنگا دھر نے شیطانی عمل کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"پر میں اپنے شریر کو دیکھ کر کروں گی کیا؟"

"ارے دیکھ تو سہی! بھگوان نے کتنا سندر بنایا ہے تجھے۔"

"وہ تو چلو سب ٹھیک ہے۔ دیکھ لوں گی میں۔ پر تم یہ بتاؤ گنگا دھر مہاراج! کہ میں یہاں کیسے آ گئی؟ میں مندر میں رہتی ہوں۔ یہ جگہ مندر سے کتنی دور ہے؟"

"زیادہ دور نہیں ہے۔ میں نے سوچا روزانہ تو مندر میں رہتی ہے، مندر میں سوتی ہے۔

آج ذرا الگ جگہ رہ جائے تو کیا ہرج ہے۔"

"مگر پنڈت جی نے مجھے تلاش کیا تو؟"

"تو کیا حرج ہے؟ کہہ دینا ان سے کہ ذرا گھومنے پھرنے گئی تھی۔"

"نہیں نہیں! پنڈت جی سے اجازت لئے بنا کہیں نہیں جاتی۔ وہ ناراض ہوں گے۔ اب تم ایسا کرو کہ مجھے باہر جانے کا راستہ بتا دو۔"

"بتا دیں گے.....بتا دیں گے۔ چلی جانا۔ پریشانی کی کیا بات ہے؟" گنگا دھر نے کہا اور اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "مجھے تو تیرا شریر بڑا ہی پیارا لگتا ہے۔ پر تو میری بات ہی نہیں مان رہی۔" گنگا دھر اس کے بالکل قریب آ بیٹھا اور رتنا کی آنکھیں اس کی گردن پر پڑیں۔ اس کی گردن کی ایک رگ بری طرح پھول رہی تھی اور اس سے خون کی روانی جاری تھی۔ اچانک ہی رتنا کے دل میں وہی کیفیت بیدار ہو گئی۔ وہی عجیب سی کیفیت جو خون کی پیاس ہوتی تھی۔ اس کے اندر یہ کیفیت جڑ پکڑتی گئی اور اب وہ گنگا دھر کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔ "گنگا دھر جی مہاراج!"

"ہاں.....بول بول! کیا کہہ رہی ہے؟" گنگا دھر کو اس کی لرزتی ہوئی آواز پر کچھ اور ہی شبہ ہوا تھا۔

"میرے قریب آئیں گے آپ؟" رتنا اکھڑتے ہوئے لہجے میں بولی اور گنگا دھر کے دانت باہر آ گئے۔ وہ ہنستا ہوا اس کے قریب پہنچا اور بولا۔

"بھئی آ گئے.....تو کہے اور ہم تیرے قریب نہ آئیں؟" گنگا دھر بولا۔

"اور قریب مہاراج!"

"لے! اور قریب آ گئے۔" گنگا دھر اب اس کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ رتنا کی آنکھوں میں خون کی سرخی لہرانے لگی تھی۔ لیکن گنگا دھر اسے کچھ اور ہی سمجھ رہا تھا۔ اچانک رتنا کے دونوں ہاتھ آگے بڑھے تو گنگا دھر نے بھی اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ گنگا دھر کے فرشتوں کے تصور میں بھی نہیں تھا۔ رتنا نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اس کا سر پیچھے سے پکڑ لیا۔ ان کے دونوں کان رتنا کے ہاتھوں میں آ گئے۔ اس نے پوری قوت سے اس کی گردن پیچھے کی طرف موڑی اور گنگا دھر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ارے.....ارے! یہ کیا کر رہی ہے؟ یہ.....یہ.....یہ....."

لیکن دوسرے لمحے رتنا کے دانت گنگا دھر کی ابھری ہوئی رگ میں پیوست ہو گئے تھے۔
گنگا دھر نے چیخنا چاہا۔ اس کے چنگل سے نکلنا چاہا مگر معصوم، نازک، کومل سی لڑکی اس وقت ایک ڈائن بن چکی تھی۔ اس نے گنگا دھر کو زمین پر لٹا دیا اور اس کے بعد اس کی ہر جدوجہد بیکار ہوتی چلی گئی۔ رتنا نے اس کی گردن کی رگ ادھیڑ ڈالی تھی۔ اب وہ اسے اپنے دانتوں میں چبا رہی تھی۔ گردن سے ابلتا ہوا خون غٹ غٹ کر کے پی رہی تھی۔ گنگا دھر نے پوری قوت سے اسے اپنے اوپر سے ہٹانا چاہا لیکن رتنا کو ہٹانا اب اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ رتنا کے بھیانک نوکیلے اور تیز دانت اس کے پورے جسم کو ادھیڑ رہے تھے۔ گردن، بازو، سینہ ہر جگہ سے اس نے اس کا گوشت نوچا اور بلی کی طرح سے چپڑ چپڑ کر کے اسے چبا کر کھانے لگی۔ اس کے ساتھ وہ لمبی زبان سے خون بھی چاٹتی جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اس وقت انتہائی دہشت ناک کیفیت طاری تھی۔ گنگا دھر جیسے دس آدمی بھی اس وقت اس کی قوتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ گنگا دھر کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ اس کی ساری ہوس اس کی آنکھوں سے نکل گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا بے جان جسم پڑا ہوا تھا اور اب رتنا اطمینان سے اس کے جسم کے حصوں سے گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنے آپ کو پرسکون محسوس کیا۔ جو بے کلی، بے چینی اس پر طاری تھی وہ آہستہ آہستہ دور ہوتی چلی گئی۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ گنگا دھر کے خون کے دھبے اس پر نہیں پڑنے پائے تھے کیونکہ اس نے اس کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ پھر بھی اس نے اپنا بھرپور جائزہ لیا۔ یہاں رکنا اب خطرناک ہے۔ اس نے گنگا دھر جی کی لاش کو دیکھا جس پر جگہ جگہ سے گوشت غائب تھا۔ چنانچہ وہ پیچھے ہٹی اور آہستہ سے چلتی ہوئی گھر کے دروازے سے باہر نکل آئی۔ مندر کا راستہ تلاش کرنے میں اسے خاصی دقت پیش آئی تھی لیکن اس وقت وہ بہت ذہین ہو رہی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آخر کار وہ مندر پہنچ گئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے بستر پر تھی۔ پھر اسے ایسی پرسکون نیند آئی تھی کہ ایسی نیند اسے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔

☆.....☆.....☆

دوسری طرف گنگا دھر اپنی زندگی کھو بیٹھا تھا۔ اس کی تمام ہوس ناکیوں کا بدلہ اسے مل گیا تھا۔ یہاں تک کہ دوسرے دن صبح شیکھر جس نے رات کو یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا اپنا بقیہ معاوضہ وصول کرنے کے لئے گنگا دھر کی جانب چل پڑا۔ ویسے تو اس نے کلوروفارم سونگھا کر رتنا کو بے ہوش کیا تھا لیکن پھر بھی اسے اس بات کا خوف تھا کہ کہیں کسی نے اسے دیکھ نہ لیا ہو۔ بہرحال.... دولت کے لئے اس کے اپنے حساب سے سب کچھ کیا جا سکتا تھا اور اس نے ایسا ہی کیا تھا۔ گنگا دھر کے دروازے پر پہنچا۔ یہ پتہ نہیں تھا اسے کہ اس کے بعد گنگا دھر نے کیا، کیا۔ رتنا کو گنگا دھر کے گھر تک پہنچانا شیکھر کا کام تھا اور اس کے بعد باقی تمام ذمہ داری خود گنگا دھر ہی کی تھی۔ غرض یہ کہ وہ گنگا دھر کے دروازے پر پہنچ کر دروازے کی کنڈی بجانے لگا۔ ایک بار، دو بار، تین بار، چار بار..... لیکن اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ اس نے دروازے کو تھوڑا سا دبا کر دیکھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اندر قدم رکھ کر آواز دی۔ ''گنگا دھر جی..... کیا چھپ گئے ہو بھائی! میرے باقی پیسے تو ادا کر دو۔ گنگا دھر..... اے گنگا دھر!'' پھر بھی کوئی آواز سنائی نہ دی تو وہ اندرونی کمرے تک پہنچ گیا۔ یہاں بھی اس نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ اندر جھانکا۔ کمرے کے نیم تاریک ماحول میں اسے گنگا دھر زمین پر پڑا ہوا نظر آیا۔ اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر دو قدم آگے بڑھا۔ جھک کر گنگا دھر کو دیکھا پھر اس کے بعد اس کے حلق سے ایک بھیانک آواز نکل گئی۔ گنگا دھر کی گردن ادھڑی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ سے اس کے بدن کا گوشت غائب تھا۔ رخسار کے سوراخ کے اندر سے دانت جھانکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ شیکھر کے حلق سے ایک وحشت زدہ چیخ نکل گئی تھی اور وہ پلٹ کر باہر کی طرف بھاگا اور گنگا دھر کے دروازے سے نکل کر دور تک دوڑتا چلا گیا۔ اس کے سینے میں سانس نہیں سما رہا تھا۔
یہ کیا ہوا..... گنگا دھر کو تو جیسے کسی بھیڑیئے نے اکھیڑ کر رکھ دیا ہے۔ ایسا کیسے ہو گیا؟ بات

سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہت ہی خوفناک صورتحال تھی۔ وہ کافی دور آنے کے بعد ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ جو کچھ بھی تھا، رتنا مندر کی دیوی تھی۔ مندر میں رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دیوتاؤں نے اس کی نگرانی کی ہو اور گنگا دھر کو اس کی کمینگی کا نقصان پہنچایا ہو۔ ارے باپ رے...... پھر تو میری بھی یہ حالت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بہرحال دیوی کو اغوا کرنے میں میرا ہی ہاتھ تھا۔ مر گیا شیکھر! تو بھاگ جا بیٹا! جتنی جلدی ہو سکتا ہے بھاگ جا یہاں سے۔ اور اس کے بعد شیکھر بستی ہی سے نکل بھاگا تھا۔

رتنا ان تمام باتوں سے بے خبر مندر میں موجود تھی۔ اسے یاد بھی نہ رہا تھا کہ رات کو اس نے کیا، کیا ہے۔ معمول کے مطابق وہ ہری ناتھ کے ساتھ ان کے حجرے میں موجود تھی۔ ہری ناتھ کا کام رات کو شروع ہوتا تھا۔ صبح کی پوجا سے فارغ ہو گئے تھے۔ سو کر جاگے تو رتنا حجرے کی صفائی کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرائے۔ پھر بولے۔ ''رتنا بیٹی!''

رتنا نے چونک کر ہری ناتھ کی طرف دیکھا۔ پھر بولی۔ ''جی مہاراج؟''

''بیٹی! تم کہیں باہر بھی گھوم پھر آیا کرو۔ کبھی کبھی باغ میں جا کر بیٹھ جایا کرو۔ صحت کے لئے اچھی بات ہوتی ہے۔''

''چلی جاتی ہوں مہاراج.....! کبھی کبھی چلی جاتی ہوں۔''

''من تو نہیں گھبراتا یہاں؟''

''نہیں!''

''بیٹیا! آج رات کو شنبھو مہاراج آئیں گے۔ شنبھو مہاراج تمہیں گانا سکھائیں گے۔ بہت مہان گلوکار ہیں وہ۔ مندروں میں گاتے ہیں۔ تمہیں بہت اچھا گانا سکھا دیں گے۔ تم رقص تو سیکھ ہی رہی ہو۔ پھر کسی بہت بڑے مندر میں دیوداسی بن جاؤ گی اور دیوی بن کر انسانوں کے دلوں پر راج کرو گی۔''

''جی مہاراج!'' رتنا نے کہا۔

''بیٹی! اگر دل کبھی گھبرائے تو مجھے بتا دیا کرو۔''

''جی مہاراج!''

پھر شنبھو مہاراج آ گئے۔ سوامی شنبھو بہت مہان گلوکار تھے اور بڑے گیانی دھیانی سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے رتنا کو گانا سکھانا شروع کر دیا۔ اس کی آواز سن کر وہ خود بھی حیران رہ

گئے تھے اور انہوں نے ہری ناتھ جی سے کہا تھا۔ ''ہری ناتھ جی! یہ اپسرا تو راجہ اندر کے اکھاڑے کی تھی۔ تم اسے کہاں سے اٹھا لائے ایک مہان دیوی کو؟ آکاش سے دھرتی پر لے آنا تمہارا ہی کام تھا پنڈت ہری ناتھ! بہت بڑی بات ہے۔ سچ مچ بہت بڑی بات ہے۔ اس کی آواز میں سرسوتی کے سر ہیں۔ اتنا خوبصورت سُر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔''

غرضیکہ شنبھو مہاراج اسے گانا سکھاتے رہے اور رتنا حسن کے ساتھ ساتھ فن میں بھی ماہر ہوتی چلی گئی۔ رقص و موسیقی سے اسے خود بھی بہت دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اور وہ بڑی حسین آواز میں گانے اور ناچنے لگی تھی۔ جسم کی ورزش اس کے لئے اور عظیم ثابت ہوئی اور بلاشبہ وہ عمر کا ہر لمحہ بڑے حسن و خوبی کے ساتھ طے کرتی رہی۔ شنبھو مہاراج اپنا کام تقریباً مکمل کر چکے تھے اور اس دوران رتنا بڑے سکون کے ساتھ اپنے سارے کام طے کرتی رہی تھی۔

پھر ایک دن پڑوس کی آبادی سے مہاراج شیو چرن سارے کاموں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مندر میں پوجا کے لئے پہنچے اور انہوں نے مندر کے لئے ایک بہت بڑی رقم کا اعلان کیا۔ پجاریوں اور پنڈتوں نے ہری راج مہاراج کو بتایا کہ پڑوس کے جاگیردار مہاراج بنسی راج آئے ہیں اور انہوں نے مندر کو بہت بڑی رقم دان کی ہے تو ہری ناتھ نے مہاراج بنسی راج کے استقبال کی تیاریاں کیں اور پوجا کے بعد دیوداسیوں کے رقص میں رتنا بال بال موتی پروئے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ بنسی راج، شیو چرن اور رسیا نے اس دیوداسی کو دیکھا تو اُن کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ایسا حسن..... ایسا بے مثال رقص او اس کے بعد اتنا خوبصورت بھجن پہلے نہ کبھی دیکھا، نہ کبھی سنا تھا۔ بنسی راج کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے رتنا کو دیکھ رہا تھا۔ حالانکہ شیو چرن نے بھی رتنا کو بچپن میں دیکھا تھا۔ رسیا نے دیکھا تھا۔ لیکن اتنے تھوڑے سے وقت میں کوئی شخصیت ایسا عجیب و غریب حسن اختیار کر جائے گی وہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور نہ ان کے ذہن میں ایسا کوئی خیال آیا تھا۔ بس بنسی راج، رتنا کو دیکھے جا رہا تھا۔ پھر وہ سرگوشی کے لہجے میں بولا۔ ''رسیا!''

''جی مہاراج؟''

''رسیا! ہم تو مر گئے۔''

''دیکھ رہا ہوں مہاراج اور آپ کی دولت کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

"تیرا ستیاناس.... دولت کے بارے میں ہی سوچتا رہے گا۔ تو، تو ہمارا وارث بھی نہیں ہے کہ ہماری موت کے بعد تجھے ہماری دولت مل جائے گی۔ بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جو تو ہم سے کما لیتا ہے وہ بھی تیرے ہاتھ سے جائے گا۔ کرن راج تو تجھے بالکل ہی ناپسند کرتا ہے۔ نکال باہر کرے گا۔"

"ارے ارے مہاراج! یہ ساری باتیں کیوں سوچ رہے ہیں آپ؟" رسیا ہنستا ہوا بولا

"اس لئے رسیا کہ ہم تجھے پھانسی دینے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔"

"الٹی سیدھی ہی سوچتے رہتے ہیں ہمیشہ..... کبھی کوئی ڈھنگ کی بات بھی سوچ کرو۔" رسیا اکیلا آدمی تھا جو بنسی راج کا منہ چڑھا رہا تھا اور وجہ سبھی کو معلوم تھی کہ رسیا بھی اسی ذات کا تھا جس ذات کا بنسی مہاراج.....

بنسی راج نے کہا۔ "دیکھ رہے ہو بھگوان نے ساری حسین کنیائیں اپنے حصے کے لئے رکھ چھوڑی ہیں اور ہمیں ملتا ہے گھاس پھونس۔"

"ایسی باتیں مت کرو مہاراج! مندر میں بیٹھے ہوئے ہو۔ بھگوان کی پوجا کرنے آئے ہو اور بھگوان ہی کو برا بھلا کہہ رہے ہو۔"

"بھگوان کو برا بھلا کون کہہ رہا ہے.... برا بھلا تو ہم تجھے کہہ رہے ہیں۔ کہتا ہے کہ بنسی مہاراج! جہان کا سارا حسن تمہارے قدموں میں دان کردوں گا۔ یہ کررہا ہے تو.....؟"

"پہلی بات تو یہ مہاراج کہ اس بستی میں کبھی آنا نہیں ہوا۔ دوسری بات یہ کہ مندر بھگوان کا گھر ہوتا ہے۔"

"بھگوان ہی نے تو منش کو سب کچھ دیا ہے رسیا..... ہمیں یہ لڑکی چاہئے۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں مہاراج جیسے میں اس کا پتا ہوں۔"

"تو اگر اس کا پتا ہوتا تو ہم ساری زمینیں تیرے حوالے کردیتے اس کے بدلے۔"

"بات تو بڑی صحیح کہی ہے مہاراج! اور سچ مچ ایسے موقع سے انسان کو فائدہ ضرور اٹھانا چاہئے۔" رسیا بولا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ کہہ رہے ہیں نا کہ اگر میں اس کا پتا ہوتا تو آپ ساری زمینیں میرے حوالے کر دیتے۔ ساری زمینیں میرے حوالے نہ کریں مہاراج..... مگر اس کے بدلے میں کیا دے گے

مجھے؟ بتایئے۔"

"سودا کررہا ہے مجھ سے؟"

"آپ نے خود ایسی بات کہی ہے مہاراج اس لئے کہہ رہا ہوں۔"

"کیا چاہتا ہے؟"

"آموں کا باغ.... جو ندی کے اس پار ہے۔"

"دیا.... لیکن باقی ساری ذمہ داریاں تیری اپنی ہوں گی۔"

"ارے.... رسیا نے کب اپنی ذمہ داریوں سے منہ موڑا ہے مہاراج۔" رسیا کا سینہ خوشی سے پھول گیا تھا۔ آموں کے جس باغ کو اس نے رتنا کے بدلے میں مانگا تھا وہ بڑا ہی زبردست باغ تھا۔ آموں سے لدے ہوئے ہزاروں درخت اس باغ میں موجود تھے۔ اور اگر خالی اس کی آمدنی کا اندازہ لگا لیا جائے تو رسیا کی نسلیں اس آمدنی سے کھا سکتی تھیں۔ بنسی راج نے ایک لڑکی کے عوض یہ باغ رسیا کو دے دیا اور اس کی وجہ صاف ظاہر تھی کہ اس کے لئے بنسی راج نے خود کوشش نہیں کی تھی۔ پڑی ہوئی چیز مل جائے تو اس کی کون قدر کرتا ہے؟ بہرحال! رسیا نے وعدہ کرلیا وہ ہری ناتھ کے اس مندر کی دیوداسی کو وہ آخر کار بنسی راج کے گھر پہنچا دے گا۔

بنسی راج کافی دیر تک مندر میں رہے، اس کے بعد رسیا اور شیو چرن ان کے ساتھ واپس چل پڑے۔ شیو چرن پر یہ بات ناگوار گزری تھی کہ رسیا نے موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ میدان مار لیا تھا اور اسے کچھ نہیں ملا تھا اور ایسا ہمیشہ ہی ہوتا چلا آیا تھا۔ رسیا چونکہ بنسی راج کا پرانا ساتھی تھی اور بنسی راج کی دکھتی رگ اس کے ہاتھ میں تھی اس لئے وہ بنسی راج سے بہت کچھ لیتا رہتا تھا جبکہ شیو چرن جو کام بہت زیادہ کرتا تھا اور بنسی راج کے سارے بڑے کاموں میں پیش پیش رہتا تھا کچھ پانے میں ناکام رہتا تھا۔ ہمیشہ ہی اس کے دل میں رسیا کے خلاف نفرتوں کے طوفان اٹھتے رہتے تھے۔ اور اس وقت بھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ رسیا کام شیو چرن سے لے گا اور یہ کہہ کرلے گا کہ بہرحال.... یہ کام تو مہاراج بنسی راج کے لئے کررہا ہے لیکن انعام خود مار جائے گا۔ اس بار ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ رسیا کو نقصان پہنچنا چاہئے۔ بس یہ بات اس کے دل میں جڑ پکڑنے لگی اور اس نے سوچنا شروع کردیا۔ بنسی راج مہاراج یہاں جس کام سے بھی آئے تھے رتنا کی وجہ سے وہ اب یہاں رک گئے

تھے اور اس وقت تک واپس نہیں جانا چاہتے تھے جب تک رتنا کے سلسلے میں کوئی مکمل کام
ہو جائے۔ یہ حسین لڑکی انہیں بے حد پسند آئی تھی اور وہ اس کے لئے بہت کچھ خرچ کرنے
کو تیار تھے۔ شیو چرن سوچتا رہا۔

پھر دوسرے دن صبح ہی صبح وہ اپنی رہائش گاہ سے باہر نکل آیا اور کسی کو بتائے بغیر مندر
جانب چل پڑا۔ وہ مندر کے بڑے پجاری سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن اس وقت بڑے پجاری
رہے تھے۔ اس کے بارے میں اسے مندر میں داخل ہوتے ہی اطلاع مل گئی تھی۔ پجاری
نے اس سے کہا۔ ''مہاراج! ساری رات پوجا کرتے ہیں ہمارے مہاراج پنڈت جی۔ د
میں تھوڑی دیر سوتے ہیں۔ آپ شام کو آجائیے۔ اگر ان سے کوئی کام ہے تو.....''

شیو چرن چالاک آدمی تھا اس نے اصل بات نہیں بتائی اور اس تاک میں لگ گیا کہ
پجاری ہری ناتھ ابھی نہیں ملے ہیں تو کم از کم وہ لڑکی تو نظر آ جائے اور یہ خوش قسمتی تھی
جب وہ مندر کے عقبی حصے میں پہنچا تو مندر کے عقبی دروازے میں اسے وہی حسین لڑ
کھڑی ہوئی نظر آ گئی۔ شیو چرن آگے بڑھا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر پیشانی سے
لئے۔ ''پرنام دیوی!''

رتنا نے شیو چرن کو دیکھا اور بولی۔ ''کیا بات ہے بابا جی؟''

''دیوی جی! آپ کو تلاش کرتے ہوئے یہاں آیا ہوں۔ آپ سے کچھ باتیں کرنا
ہوں۔''

رتنا ایک لمحے کے لئے ہچکچائی۔ پھر اس نے کہا۔ ''میں آپ کو اندر تو نہیں بلا سکتی مہار
آئیے وہاں باغ میں سامنے آ جاتے ہیں۔''

''جیتی رہیں دیوی جی..... بھگوان آپ کی عمر لمبی کرے۔'' شیو چرن اس کے ساتھ
میں آ گیا۔ باغ میں ایک گھنے درخت کے نیچے بچھے ہوئے بنچ کی طرف اشارہ کر کے
نے کہا۔ ''بیٹھئے مہاراج!''

''شکریہ دیوی جی..... آپ بیٹھئے۔''

''نہیں! میں آپ سے چھوٹی ہوں..... پہلے آپ بیٹھئے۔''

''بڑی مہربانی!'' شیو چرن بیٹھ گیا۔

''کہئے..... کیا کام ہے آپ کو مجھ سے؟''

''وہ دیوی جی..... میں ذرا آپ سے آپ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ پتا نہیں
کیوں مجھے آپ کی شکل جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔''

رتنا اپنے ذہن پر زور دینے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ ''آپ یقین کریں چاچا جی! مجھے بھی
آپ کی شکل کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔ کہاں دیکھا ہے میں نے آپ کو؟''

''ایں.....؟'' شیو چرن حیرانی سے بولا۔ اس نے تو یہ بات صرف بات شروع کرنے
کے لئے کہی تھی لیکن اس لڑکی کے نقوش ایسے تھے کہ شیو چرن غور سے اسے دیکھنے لگا۔ تب
اسے واقعی احساس ہوا کہ وہ اس لڑکی کو کہیں دیکھ چکا ہے۔ وہ کھو سا گیا۔ اس نے کہا۔
''دیوی جی! اس مندر میں آپ کب سے ہیں؟''

''بہت دن سے چاچا جی! آپ کہاں سے آئے ہیں؟''

جواب میں شیو چرن نے اپنی بستی کا نام بتایا تو رتنا چونک پڑی۔ پھر بولی۔ ''یہی تو ہماری
بستی تھی۔''

''کک..... کیا مطلب؟''

''چاچا جی! آپ کا نام کیا ہے؟''

''شیو چرن!''

''میرے پتا جی کا نام ہیرا لال تھا۔''

''ایں.....؟'' شیو چرن کے پورے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے
رتنا کو دیکھنے لگا۔ ماضی کی ایک داستان اسے یاد آ گئی۔ بات بے شک زیادہ پرانی نہیں تھی
لیکن پھر بھی اب وہ پرانا قصہ بن چکی تھی۔ ''کیا نام بتایا آپ نے اپنے پتا جی کا؟''

''ہیرا لال!''

اور ماتا جی.....؟''

''شانتی۔''

شیو چرن کے پورے بدن میں جیسے زلزلہ سا آ گیا تھا۔ ہیرا لال..... شانتی کو وہ جانتا تھا
کہ وہ بنسی راج کا شکار ہوئے تھے اور اس وقت ایک چھوٹی سی بچی ان کے ساتھ تھی۔ شیو
چرن بری طرح گھبرا گیا۔ دیر تک وہ کچھ نہ بول سکا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ لڑکی
سے کیا بات کرے۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا دیا۔ پھر بولا۔ ''مگر دیوی

جی.....آپ''

''ہاں شیو چرن چاچا! میرے ماتا پتا تو مر گئے۔ پتا جی کو پتا نہیں کس نے مار دیا تھا۔ میں اور ماتا جی غار میں بند رہے اور میں بہت عرصے بعد وہاں سے نکلی۔ ماتا جی بھی وہاں مر گئی تھیں۔ پھر میں یہاں مندر میں آ گئی اور اب یہیں رہتی ہوں۔''

''رام.....رام.....رام.....دیوی جی! آپ تو ہماری اپنی ہیں.....ارے باپ رے باپ.....آپ یہاں مندر میں کیسے رہتی ہیں؟''

''چاچا جی! بس یہیں رہتی ہوں میں۔ پنڈت جی کے ساتھ۔''

''آپ کی اپنی بستی ہے.....اپنا گھر ہے دیوی جی! اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ اپنے گھر چلیں تو.....''

رتنا سوچ میں ڈوب گئی۔ مندر کی ایک مخصوص دنیا تھی۔ باہر کی دنیا دیکھنے کے لئے اس کا دل چاہتا تھا لیکن ہمیشہ ہی دل مسوس کر کے رہ جاتی تھی۔ کس سے کہتی اپنے دل کی بات کو۔ اب جب کسی نے اسے یہاں سے چلنے کی پیشکش کی تھی تو اس کے دل کی بات زبان پر آ گئی اور اس نے کہا۔ ''مگر چاچا جی! آپ مجھے لے چلیں گے؟''

''کہاں.....تمہاری بستی؟''

''چاچا جی.....میں۔''

''ہاں ہاں! بولو۔''

''میرا کوئی بھی نہیں ہے بستی میں۔''

''ہم جو ہیں۔''

''آپ مجھے اپنے ساتھ رکھیں گے؟''

''ہاں! کیوں نہیں۔''

''پھر چاچا جی میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔''

''وعدہ کرتی ہو؟''

''ہاں!''

''تو پھر مجھے بتاؤ کہ پنڈت جی، جو تمہیں یہاں لے کر آئے تھے ان کا نام کیا ہے؟''

''''ہری ناتھ۔''

''انہوں نے تم پر کوئی سختی تو نہیں کی؟''

''نہیں!''

''ہوں.....اچھا.....مگر ایسا کرنا بٹیا! ابھی کسی کو کچھ بتانا نہیں۔ اس کے بارے میں، خود ہی بندوبست کروں گا۔''

''ٹھیک ہے چاچا جی!''

''اور ایک بات سنو! جیسا میں کہوں گا ویسا کرتی رہو گی۔ انکار مت کرنا کسی سے۔''

''ٹھیک ہے چاچا جی! مگر آپ کب لے چلیں گے مجھے یہاں سے؟''

''بہت جلد.....بہت ہی جلد۔''

اور جب شیو چرن وہاں سے لوٹا تو اس کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بیٹا رسیا! میں نے تجھے چت کر دیا ہے۔ پہلی بار میرے داؤ پر لگا ہے اب دیکھوں تو کتنا چالاک ہے۔ وہ داؤ کھیلوں گا جو تو یاد رکھے گا زندگی بھر.....

بہرحال! راستے بھر میں شیو چرن سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا ہے.....اور جب وہ اپنی رہائش گاہ پر پہنچا تو فیصلہ کر چکا تھا کہ کس طرح اب اس مسئلے کو آخری شکل دے گا۔ چنانچہ وہ سیدھا بنسی راج کے پاس پہنچا تھا۔ رسیا اس وقت بنسی راج کے پاس موجود نہیں تھا۔ شیو چرن نے کہا۔ ''مہاراج بنسی راج.....! غضب ہو گیا۔''

''کیوں کیا ہوا؟''

''یہ اپنے رسیا مہاراج جو ہیں جنم کے اندھے ہیں۔ نہ آنکھیں ٹھیک سے کام کرتی ہیں نہ عقل۔ مہاراج! ہم آپ کا نمک کھاتے ہیں کم از کم ہمیں اتنا خیال تو رکھنا چاہئے کہ کوئی ایسا کام نہ ہو جو ہمیں نقصان دے جائے۔''

''ہوا کیا، بتائے گا نہیں؟'' بنسی راج کسی قدر پریشان ہو کر بولا۔

''مہاراج! مندر میں جو دیوداسی دیکھی ہے آپ نے۔''

''ہاں! کیوں کیا ہوا اسے؟''

''اسے تو کچھ نہیں ہوا مہاراج! مگر میری ہوشیاری کام آ گئی۔''

''بتائے گا نہیں کہ کیا بات ہوئی ہے؟''

''کیا مطلب.....؟''

''پہلے یہ بتایئے پہلے کبھی دیکھا ہے اسے؟''

''نہیں.....! کبھی نہیں۔''

''اپنے دماغ پر زور دیجئے۔ رسیا تو بے کار آدمی ہے۔ آپ نے اسے دیکھا ہے اور اچھی طرح دیکھا ہے۔ آپ نے اسے نہیں پہچانا مگر وہ آپ کو پہچان گئی۔''

''کیا مطلب ہے تیرا؟''

''وہ اپنی بستی ہی کی ہے مہاراج!''

''وہ کیسے؟''

''ہیرالال آپ کو یاد ہوگا۔''

''ہاں یاد ہے۔''

''اوراس کی دھرم پتنی شانتی بھی۔''

''ہاں! وہ بھی یاد ہے۔''

''اور یہ بھی یاد ہوگا کہ جب ہیرالال اور شانتی بھاگ گئے تھے وہاں سے تو ان کے ساتھ ان کی بیٹی بھی تھی۔''

''ہاں!''

''یہ وہی لڑکی ہے۔''

''بیٹی؟''

''ہاں!''

''ہیرالال کی؟''

''جی مہاراج!''

''او..... یہ کیا ہوگیا۔ یہ یہاں مندر تک کیسے پہنچ گئی؟ اور تجھے یہ سب باتیں کیسے معلوم ہیں؟''

''مہاراج! میرے دماغ میں کھدبد ہو رہی تھی۔ مجھے مسلسل یہ لگ رہا تھا جیسے میں نے اسے کہیں دیکھا ہے، لیکن یاد نہیں آ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا مہاراج! کہ کہیں کوئی نقصان کی بات نہ ہو جائے۔ بہت دیر تک سوچتا رہا اور آخر کار میں نے یہی فیصلہ کیا کہ ذرا اس لڑکی کے پاس جا کر اس سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ مہاراج! بڑی عقل

مندی کا کام کیا میں نے کہ ایسا کر ڈالا۔ میں بڑی چالاکی سے وہاں پہنچا اور میں نے اُس لڑکی سے ملاقات کی۔''

''اکیلے میں؟''

''ہاں مہاراج!''

''پھر؟''

''پریم سے میں نے اُس سے اُس کے بارے میں پوچھا تو وہ مجھ سے کہنے لگی کہ میں کل ان لوگوں کے ساتھ آیا تھا جو مندر میں پوجا کرنے کے لئے آئے تھے اس نے جو حلیہ بتایا تھا نا مہاراج! وہ رسیا کا تھا۔''

''اچھا..... پھر؟'' بنسی راج نے حیرت سے کہا۔

''بس مہاراج! میرے شبے کی تصدیق ہوگئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ان لوگوں کے بارے میں وہ کیوں پوچھ رہی ہے۔ تو وہ کہنے لگی وہ جو آدمی تھا اس کے ماتا پتا کا قاتل ہے اور وہ لوگوں کو اس کے بارے میں بتائے گی اگر وہ اس کے سامنے دوبارہ آیا۔''

''رسیا کے بارے میں کہہ رہی تھی؟''

''ہاں مہاراج!''

''اور میرے بارے میں؟''

''نہیں! وہ آپ کو نہیں پہچان سکی۔''

''ارے باپ رے باپ! یہ کیا ہوا۔''

''مہاراج! میں نے اس سے پوچھا کہ کیا قصہ تھا۔ بس بتانے لگی کہ وہ جو آدمی تھا اس نے اس کے ماتا پتا کو مار ڈالا مگر وہ بچ گئی۔''

''مگر وہ اتنی جوان ہوگئی؟''

''لڑکی ذات ہے مہاراج! سال دو سال میں ہی درخت کی طرح بڑھ جاتی ہے۔''

''مگر اتنی سندر؟''

''آپ اس کی سندرتا پر غور نہ کریں مہاراج! آپ یہ دیکھیں کہ رسیا نے آپ کے لئے کتنا بڑا خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ اگر لڑکی نے رسیا کے بارے میں زبان کھول دی اور لوگوں سے کہہ دیا تو رسیا تو سسرا یہی کہے گا کہ جی میں مہاراج کا نمک خوار ہوں اور ہر کام ان کے

اشارے پر کرتا ہوں۔''

''گولی مار دیں گے ہم اسے۔''

''وہ الگ بات ہے مہاراج! لیکن گولی کھانے سے پہلے تو وہ سب کچھ کہہ سکتا ہے۔''

''مگر شیو چرن! کیا، کیا جائے؟''

''مہاراج! داس ہوں آپ کا۔ آپ کے لئے ہزار جیون دان کر سکتا ہوں۔ بس آپ دیکھ لیجئے.... رسیا کتنا بڑا خطرہ ہے آپ کے لئے۔''

''ہم ایسا کرتے ہیں، رسیا کو بھگا دیتے ہیں یہاں سے اور دیکھتے ہیں کہ کیا، کیا جا سکتا ہے۔''

''مہاراج! وہ تو آپ سے پتا نہیں کیا کیا لیتا رہتا ہے۔ اسے تو بس اس بات سے غرض ہے کہ آپ اسے انعام دیتے رہیں۔ کبھی ہماری طرف بھی نظر کر لیجئے مہاراج! ہم بھی آپ کے داس ہی ہیں۔''

''ہاں ہاں! کیوں نہیں۔ وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر یہ بتاؤ شیو چرن! اس لڑکی کا کیا ہو گا؟''

''مہاراج! اس نے آپ کو تو نہیں پہچانا۔''

''اور تمہیں بھی نہیں پہچانا؟ حالانکہ تم بھی اس وقت ساتھ تھے۔''

''جی مہاراج!''

''اصل میں رسیا کی شکل ہی ایسی ہے کہ وہ ہر ایک کی نگاہ میں آ جاتا ہے۔''

''مہاراج! اگر آپ اس کے لئے پریشان ہیں کہ وہ آپ تک نہیں پہنچے گی تو آپ یہ کام شیو چرن کے حوالے کر دیجئے۔ شیو چرن یہ کام کرے گا۔''

''ہوں.... تو ٹھیک ہے شیو چرن! پوچھنے کی کیا بات ہے؟ اسے ہر حال میں ہماری حویلی میں پہنچنا چاہئے۔''

''خوشی سے آئے گی مہاراج! خوشی سے آئے گی۔ لیکن جو کام آپ کریں گے سوچ سمجھ کر کریں گے۔''

''بالکل! بالکل! ہمیں بھی کوئی جلدی نہیں ہے۔ وہ اتنی سندر ہے۔ اتنی خوبصورت ہے کہ اس کے بارے میں سوچ کر ہی خیال آتا ہے کہ اسے جیون بھر ساتھ رکھا جائے۔''

''بالکل ٹھیک کہا مہاراج آپ نے۔ آکاش سے اتری ہوئی اپسرا ہے پوری کی پوری۔

''اچھا اب یہ بتاؤ شیو چرن! کہ کرو گے کیا؟''

''مہاراج! جیون دان کر دیں گے آپ پر۔ دیکھ لیجئے ہو سکتا ہے کہ رسیا ہمارے اس کام کی مخالفت کرے۔''

''وہ مخالفت کیوں کرے گا؟''

''اس لئے مہاراج! کہ وہ تو آپ سے آموں والا باغ مانگ چکا ہے۔ مگر آپ یہ دیکھ لیجئے کہ وہ آپ کے لئے مصیبت کا باعث بن جائے گا۔''

''اس کی شکل پر پھٹکار ہے۔ آموں والا باغ اب اس کے بدلے اسے نہیں، تمہیں ملے گا۔''

''مہاراج کی مہربانی ہے۔ یہ کام میں کر لوں گا۔ آپ چنتا نہ کریں۔ وہ خوشی سے آپ کے ساتھ چلے گی۔ بس رسیا کو راستے سے ہٹا دیجئے کیونکہ وہ رسیا کو پہچان چکی ہے۔''

''میں آج ہی اسے واپس بھیج دیتا ہوں۔'' بنسی راج نے کہا اور شیو چرن آنکھیں بند کر کے خاموش ہو گیا۔

پھر بنسی راج نے رسیا سے کہا۔ ''رسیا! اب تو ایسا کر کہ ہماری بستی چھوڑ دے اور کہیں اور چلا جا۔''

''جی.... کیا کہہ رہے ہیں بنسی مہاراج! کیا ہو گیا ایسا رسیا سے؟''

''تیری شکل ہی خراب ہے رسیا!''

''ارے بڑھاپے میں کیا شکل وصورت رہ گئی مہاراج! کبھی تو آپ کہتے تھے رسیا....''

''بکواس بند کر اور جو میں کہہ رہا ہوں وہ کر۔''

''مگر کیوں مہاراج! کوئی بات تو ہو۔''

''رسیا تو جانتا ہے کہ وہ دیوی کنیا کون ہے جسے ہم لے جانے کے لئے آئے ہیں۔''

''دیوی کنیا ہے اور کون ہے مہاراج!''

''بس یہی جاننا چاہتے تھے ہم کہ تیری عقل اب کس حد تک تیرا ساتھ دیتی ہے۔ ارے باؤلے! وہ ہیرا لال کی بیٹی ہے۔ اس بستی کا ہیرا لال! جسے ہم نے مار دیا تھا اور شانتی کہیں پہاڑوں میں جا چھپی تھی۔''

''ہیں؟'' رسیا کا منہ بھی حیرت سے کھل گیا۔

''ہاں! یہ وہی ہے۔اس کی بیٹی۔''

''مجھے بھی یاد آ گیا مہاراج! بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔ پہچان لیا تھا میں نے اسے۔ دونوں ماں بیٹی بھاگ گئی تھیں اور ہم انہیں پہاڑوں میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔''

''بالکل بالکل! یاد آ گیا نا تجھے۔''

''ہاں مہاراج!''

''اور تو نے اسے پہچان لیا۔''

''بالکل پہچان لیا مہاراج!''

''لیکن اس سے پہلے وہ تجھے پہچان چکی ہے رسیا!''

''ایں.....؟'' رسیا کے چہرے پر پھر حیرت کے نقوش بیدار ہو گئے۔

''ہاں! وہ تجھے پہچان چکی ہے۔اس نے مجھے اور شیو چرن کو نہیں پہچانا مگر تجھے پہچاننے کے بعد اسے اپنا ماضی یاد آ گیا ہے۔ بات بھی زیادہ پرانی نہیں ہے رسیا! اگر اس نے تجھے پہچان لیا اور شور مچا دیا کہ یہ وہی شخص ہے تو ہم بھی مارے جائیں گے۔''

''مگر مہاراج!''

مگر وگر کی ایسی تیسی! اب تو ایسا کر ہماری حویلی کا رُخ دوبارہ مت کرنا۔ بہت کچھ دیا ہے ہم نے تجھے۔اب جیون بھی دے رہے ہیں۔ ورنہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ خاموشی سے تیری گردن کاٹ کر کہیں دبا دیتے تا کہ یہ راز ہمیشہ کے لئے راز رہتا۔مگر اب تو یہاں سے کہیں اور چلا جا۔''

رسیا حیرت سے منہ کھولے بنسی راج کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سوچا کہ بات بنسی راج کی نہیں ہے، اس کی ذات کی ہے۔ جس ذات کا وہ آدمی ہے اس سے اس بات کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔کوئی بری بات بھی نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ وہ صاحب اقتدار تھا۔لمحوں میں کھیل بدل سکتا تھا۔ ''یہ بات تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ دوستی میں آ گئے تھے تمہارے پاس۔ ارے! دو روٹیوں کا کیا ہے؟ کہیں بھی مل جائیں گی۔ پیار محبت سے رہ رہے تھے۔ خیر! تمہارا حکم بھلا انکار کر سکتے ہیں ہم؟ جا رہے ہیں ہم! پر یہ بات اچھی طرح سمجھ میں نہیں آئی۔ سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ سمجھ جائیں گے تو تم سے دوبارہ ملیں گے۔'' یہ کہہ کر رسیا

خاموشی سے باہر نکل گیا۔

شیو چرن کے ہونٹوں پر مکاری کی مسکراہٹ تھی۔ کہنے لگا۔''مہاراج! دھمکی دے گیا ہے آپ کو!''

''ہیں! کیا مطلب؟''

''دھمکی دے کر گیا ہے دوبارہ ملنے کی۔ کہہ رہا تھا سمجھ گئے تو دوبارہ ملیں گے۔''

''کیا کرے گا وہ ہمارا؟ تم نے پہلے نہیں یہ بات کہی کہ وہ دھمکی دے رہا ہے۔ ورنہ پھر اس کے لئے یہاں سے جانا ہی مشکل ہو جاتا۔''

''جانے دیجئے مہاراج! کتے بھونکتے رہتے ہیں۔ کارواں چلتا رہتا ہے۔اس کے دھمکی دینے سے ہوتا کیا ہے۔اب مہاراج اتنے کچے بھی نہیں ہیں کہ رسیا جیسے آدمی ان کا کچھ بگاڑ سکیں۔''

''شیو چرن! اب تو بندوبست کر کہ لڑکی ہمارے ہاتھ آ جائے۔''

''شیو چرن کا کھیل دیکھیں مہاراج! آج تک رسیا نے بندر نچائے ہیں۔اب شیو چرن کا کام دیکھئے آپ۔'' شیو چرن نے کہا اور بنسی مہاراج گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

شیو چرن کو کامیابی کی اس قدر امید نہیں تھی۔ اس نے تو رسیا کا پتا ہی کاٹ دیا تھا۔ اپنے اس کام سے وہ اتنا خوش تھا کہ پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اب اسے باقی کام بھی آسانی سے سر انجام دینے تھے۔ چنانچہ اس نے بنسی راج سے کہا۔''مہاراج! آپ اگر چاہیں تو بستی واپس چلے جائیں۔ میں اب اس لڑکی کو لے کر ہی آؤں گا۔ آپ چنتا نہ کریں۔ یہ کام اب میرا ہو گیا ہے۔آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔''

''سوچ لے شیو چرن!''

''مہاراج! میں نے کہا نا آپ چنتا نہ کریں۔ میں اسے لے کر آؤں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں چلا جاتا ہوں اور تیرا انتظار کروں گا۔'' بنسی راج چلا گیا۔ شیو چرن اپنے کام کے لئے آگے فیصلہ کر چکا تھا۔

دوسرے دن وہ پوجا کے وقت مندر پہنچا اور مندر میں رتنا کو دیکھ کر وہ آگے بڑھا اور اس کے پاس پہنچ گیا۔''رتنا! میری بچی! میری روح! میری زندگی! میرا جیون! میرا سنسار!''

بہت سے پجاری ان کے پاس پہنچ گئے۔ پنڈت ہری ناتھ بھی قریب آ گئے تھے۔ شیو

چرن زار و قطار رو رہا تھا اور رتنا حیرانی سے اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔

پنڈت ہری ناتھ نے پوچھا۔ ''کیا ہو گیا؟ بھائی! کیا بات ہے؟''

''یہ میری بھتیجی ہے مہاراج! میری رتنا ہے یہ..... میری رتنا!''

''آپ اندر آ جایئے! رتنا! آؤ تم بھی اندر آ جاؤ۔'' پنڈت ہری ناتھ نرم دل کے آدمی تھے۔ دونوں کو اندر لے گئے۔ رتنا بہرحال شیو چرن سے ہر طرح سے تعاون کر رہی تھی۔

اندر پہنچ کر پنڈت جی نے پوچھا۔ ''کون ہے یہ رتنا؟''

''چاچا ہیں یہ میرے..... شیو چرن ہے ان کا نام۔''

پنڈت ہری ناتھ نے کہا۔ ''او..... کہاں چلے گئے تھے آپ لوگ؟ کتنے عرصے کے بعد آپ کو اپنی بھتیجی کی یاد آئی۔''

''مہاراج! بس چکمہ بستی کے رہنے والے ہیں ہم لوگ۔ بھگوان نے ہم پر مصیبت ڈالی تھی۔ بھائی اور بھاوج چھن گئے۔ بچی غائب ہو گئی۔ بس یوں سمجھ لیں کہ آدھا جیون اسے تلاش کرتے کرتے گزر گیا۔ ارے کہاں کہاں نہیں مارے مارے پھرے ہم..... اب مندر میں اسے ناچتے ہوئے دیکھا تو آپ کے پاس آ گئے مہاراج! ہمارے بھائی کی نشانی ہے یہ۔''

''بھائی! ویسے تو یہ مندر میں بڑے سکون سے جیون گزار رہی ہے۔ ہم نے اسے گانا وغیرہ بھی سکھا دیا ہے اور یہ ایک دیوداسی ہے۔ انسان کا جیون بہرحال بھگوان کی دین ہوتا ہے۔ اگر تم مناسب سمجھو تو اسے مندر میں رہنے دو۔ یہاں آرام سے ہے یہ۔ عزت ہے اس کی۔ بھگوان کے چرنوں میں ہے۔ رہنے دو اسے یہاں۔ جیون بن جائے گا اس کا۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو مہاراج؟ بھائی کی نشانی کس طرح چھوڑ دوں۔ اور بھائی کی آتما تڑپتی رہے کہ میرے زندہ ہوتے ہوئے اس کی بیٹی مندروں میں پروان چڑھے۔ شما چاہتا ہوں مہاراج..... مندر تو بہت بڑی جگہ ہوتی ہے۔ لیکن ہر منش کے لئے مندر نہیں ہوتا۔ آپ کی بڑی مہربانی۔ آپ جس طرح بھی چاہیں، سوچ لیں۔ میں اپنے بھائی کی نشانی کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''نہیں نہیں! زبردستی تو ہم کسی کو کبھی نہیں رکھ سکتے۔ اگر تم چاہتے ہو تو ٹھیک ہے بھائی! ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟''

چونکہ رتنا خود یہاں سے جانا چاہتی تھی اور شیو چرن سے اس سلسلے میں آمادگی کا اظہار کر چکی تھی۔ چنانچہ شیو چرن کو کوئی دقت نہیں ہوئی۔ البتہ پنڈت جی نے روتی ہوئی آنکھوں سے رتنا کو رخصت کیا تھا۔ رتنا جو ابھی تک ایک معصوم کنول کی مانند تھی جو، جوہڑ میں کھلا تھا، اب زندگی کے کچھ اور راستوں کی طرف چل پڑی تھی۔ البتہ یہ بات نہ شیو چرن جانتا تھا اور نہ بنسی راج.... کہ اس حسین لڑکی کا دوسرا روپ کیا ہے۔ اور آنے والے وقت میں یہ ایک حسین ناگن ہے۔ کیسے کیسے نقصان پہنچانے والی ہے۔ اور وقت کس طرح ان آبادیوں کے لئے ایک بھیانک مستقبل لئے کھڑا ہے۔

☆.....☆.....☆

بنسی راج تو چکمہ بستی جا چکا تھا۔ اب شیو چرن کو ایک کامیاب سفر کرنا تھا جس کے۔
اس نے بندوبست کر لیا۔ وہ رسیا سے بھی ہوشیار تھا۔ جانتا تھا کہ رسیا ہزاروں چالاکوں ۔
زیادہ چالاک ہے اور کوئی بھی ایسا عمل کر سکتا ہے جس سے شیو چرن کو نقصان پہنچے۔

بنسی راج تو بستی جا ہی چکے تھے۔ آخر کار شیو چرن بھی اس حسین ناگن کو لے کر چکہ
بستی پہنچ گیا اور یہاں بنسی راج نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں
کہ بنسی راج کو ہر طرح کی آسانیاں حاصل تھیں اور اپنی اس حویلی میں وہ کالے کھیل کھ
رہتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بہرحال کوشلیا اس کی بیوی تھی۔ کرن راج بیٹا تھا اور جوانی
سرحدوں میں داخل ہو چکا تھا۔ چنانچہ تھوڑی بہت دیکھ بھال رکھنا پڑتی تھی۔ ایک رات
مہمان لڑکیاں تو یہاں آتی تھیں اور مستقبل ان کے اپنے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ بنسی راج
شیطانیت کو خاموشی سے برداشت کر لینے کا مطلب زندگی تھا اور اگر کبھی کوئی اس سے انڈ
کرتی تو خاموشی سے نجانے کہاں غائب ہو جاتی۔ اس سلسلے میں تیجومن، بنسی راج کا دسہ
راز تھا۔ لیکن چونکہ رتنا کو خاص طور پر یہاں رکھنا تھا اور اس کے لئے ایک لمبی پلاننگ کر
تھی۔ اس لئے شیو چرن ہی کو یہ ذمہ داری سونپ دی گئی اور بنسی راج نے کہا۔ ''شیو چرن
اسے آسمانوں سے بھی چھپا کر رکھو۔ اگر کوئی دیکھ لے تو یہ کہو کہ تمہاری بھتیجی ہے۔ لاوار
ہو گئی ہے۔ تمہارے سوا اس کا سنسار میں کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ تم اسے اپنے پاس ہی رک
گے۔ بڑی ہوشیاری سے کام کرنا ہے۔''

''آپ چنتا نہ کریں مہاراج! بس یہ بتایئے کہ رسیا کے بارے میں کوئی خبر ہے؟''

''کیوں؟ رسیا کا کیا کرو گے۔''

''کچھ نہیں مہاراج! میں تو رسیا کا کچھ نہیں کروں گا لیکن رسیا ضرور ہمارے خلاف سو
رہا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا کوئی داؤ نہ چلنے پائے۔''

''خیر..... وہ بھی چمار کی اولاد ہے اور مجھ سے زیادہ اسے اور کوئی نہیں جانتا۔ جتنے داؤ
پیچ کھیلے گا، میں ان کا مقابلہ کر لوں گا۔ بہرحال! تم پھل پکنے دو۔ یہ تو امرت جل لگ گیا
ہے ہمارے ساتھ۔ اس امرت کو پی کر تو ہم امر ہو جائیں گے شیو چرن..... لیکن شرط یہی
ہے کہ اس کے لئے تم ہمارا ساتھ دو۔''

''جو حکم مہاراج!'' شیو چرن نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر رتنا کو شیو چرن کے
گھر منتقل کر دیا گیا جو حویلی کے عقبی حصے میں بنا ہوا تھا۔ شیو چرن کو ہر طرح کی آسائشیں
حاصل ہو گئیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ بنسی راج نے وعدے کے مطابق وہ باغ اس کے
حوالے کر دیا جو سونے کا باغ تھا۔ آموں سے لدے ہوئے درخت بڑی اہمیت کے حامل
تھے اور اس سے بڑی زبردست آمدنی ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ اسے حاصل ہو گیا اور شیو چرن
اپنی چالاکی پر ناز کرنے لگا۔ جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا تھا ظاہر ہے اسے کیوں نہ عزت
ملتی۔ چنانچہ رتنا راجکماریوں کی طرح یہاں پرورش پانے لگی۔ بڑھتی عمر اور اکیلا پن سوچنے
کے لئے کافی موقع تھا اور بڑی عمدگی کے ساتھ وہ زندگی گزار رہی تھی۔ لیکن اب اس کی
کیفیت بدلتی جا رہی تھی اور اس کے ذہن میں سوچیں بیدار ہو رہی تھیں۔ خاص طور سے چکمہ
بستی آنے کے بعد یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہو رہا تھا کہ یہی وہ آبادی ہے جہاں وہ
اپنے ماتا پتا کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ اب آگے کیا ہوگا؟ شیو چرن چاچا بہت اچھے
آدمی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود نہ جانے کیوں اسے ایک عجیب سا احساس رہتا تھا۔ تنہائی کا
احساس..... یہ احساس کہ اس کا اپنا کوئی بھی نہیں ہے۔ شیو چرن چاچا کے گھر والے بھی ان
کے ساتھ نہیں رہتے۔ ایک دن اس نے پوچھ ہی لیا۔ ''چاچا جی! آپ کا اور کوئی نہیں ہے؟''

شیو چرن چونک پڑا تھا۔ پہلے اسے دیکھتا رہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ ''کیوں نہیں بٹیا! تو ہے
نا میری۔''

''میرے علاوہ.....''

''ہاں ہیں! مگر یہاں نہیں رہتے۔''

''کیوں شیو چرن چاچا؟''

''اس لئے کہ یہ جگہ بال بچوں کے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہے۔'' شیو چرن کے منہ
سے سچ بات نکل گئی۔

''بال بچوں کے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہے؟ مگر یہاں تو بہت سے بال بچے رہتے ہیں۔'' رتنا اب اس قدر معصوم نہیں رہی تھی۔

''ایں..... ہاں! رہتے تو ہیں۔ پر وہ بس..... کیا بتاؤں تجھے..... سب ٹھیک ہے..... سب ٹھیک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کبھی انہیں بھی جا کر لے آئیں گے۔ بتا تو دیا ہے میں نے انہیں تیرے بارے میں کہ میری ایک سندر سی بھتیجی میرے ساتھ رہتی ہے۔'' شیو چرن پہلے تو بوکھلا گیا تھا۔ پھر بات برابر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن رتنا مطمئن نہیں ہو سکی تھی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ کوئی ایسی بات ہے جو اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔

بہر حال! وقت مزید کچھ اور آگے بڑھا۔ پھر ایک دن رتنا حویلی کے عقبی حصے میں بنے ہوئے پارک میں گھوم رہی تھی۔ یہ چھوٹا سا باغ حویلی کے عقبی حصے کے احاطے کے ساتھ ساتھ تھا۔ یہاں کچھ درخت لگے ہوئے تھے۔ گھاس بھی اگی ہوئی تھی اور اس وقت اس گھاس پر کوئی موجود تھا۔ رتنا نے اسے دور سے دیکھا۔ ایک نوعمر لڑکا تھا لیکن بے حد خوبصورت..... جوانی آ رہی تھی آہستہ آہستہ..... لیکن جوانی کے وزن سے بوجھل ہو رہا تھا وہ..... رتنا کے خیال میں آیا کہ اس سے ذرا سی معلومات حاصل کرے۔ چنانچہ اس نے شی شی کر کے لڑکے کو آواز دی۔ لڑکا حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نظر رتنا پر پڑی اور وہ ایک دم سے چونک کر سیدھا ہو گیا۔ اس کی حیران نگاہیں رتنا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ رتنا کو بھی بہت اچھا محسوس ہوا۔ بڑی بڑی سندر آنکھیں، شفاف چہرہ، ہلکی ہلکی مونچھیں جو ابھی کونپلوں کی طرح اُگ رہی تھیں۔ خوبصورت تراشیدہ ہونٹ، چوڑا سینہ..... پتلی کمر۔ بڑی اچھی شخصیت کا مالک تھا۔

رتنا کی آنکھوں میں پسندیدگی کے آثار اُبھر آئے۔ فطرت خود انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔ رتنا کچھ قدم آگے بڑھی تو وہ ایک دم سنبھل گیا۔ پھر وہ بھی حیران حیران سا چلتا ہوا رتنا کے پاس پہنچ گیا اور اس سے پہلے کہ رتنا اس سے خود سوال کرتی، لڑکے کے منہ سے آواز نکلی۔ ''کون ہو تم؟''

''واہ..... یہی تو میں تم سے پوچھنا چاہتی تھی۔'' رتنا مسکرا کر بولی اور نوجوان لڑکا اس کی مسکراہٹ میں کھو گیا۔

کچھ لمحوں تک اس نے کوئی سوال نہ کیا تو رتنا پھر بولی۔ ''کہاں چلے گئے.....''

''ایں..... کہیں نہیں..... کہیں نہیں۔'' نوجوان نے اپنے آپ کو ایک دم سنبھال لیا۔ پھر بولا۔ ''سوال پہلے میں نے کیا ہے۔ جواب تم دو۔''

''میرا نام رتنا ہے۔ یہاں سامنے والے گھر میں رہتی ہوں۔''

''اُس گھر میں؟''

''ہاں!''

''مگر کب سے؟''

''زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ شیو چرن چاچا کو جانتے ہو نا؟ ان کی بھتیجی ہوں میں۔''

''او..... اچھا! کمال ہے۔ شیو چرن چاچا نے تو مجھے بتایا ہی نہیں کہ وہ اپنی بھتیجی کو لے کر یہاں آئے ہیں۔ رتنا ہے نا تمہارا نام۔''

''ہاں!''

''میرا نام کرن راج ہے۔''

''بڑا اچھا نام ہے۔''

''میں بنسی راج کا بیٹا ہوں۔''

''میں تو نہیں جانتی۔ کون بنسی راج؟''

''میرے پتا نہیں؟ وہ..... اس حویلی کے مالک!''

''اچھا اچھا! تو تم حویلی کے ملک ہو..... یعنی ہمارے بھی مالک ہو تم۔ تب تو ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے ہیں۔'' رتنا نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور نہ جانے کیا ہوا۔ کرن راج بے اختیار ہو گیا۔ اس نے رتنا کی دونوں کلائیاں پکڑیں اور بولا۔ ''نہیں! ایسے نہیں..... تم معاف کرنا..... معاف کرنا۔'' وہ ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن رتنا مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آج پہلی بار اس کے دل میں یہ احساس جاگا تھا کہ وہ خوبصورت ہے اور کوئی بھی اسے دیکھ کر اس طرح بے حواس ہو سکتا ہے۔

وہ کہنے لگی۔ ''بیٹھو!''

''مگر..... کسی نے تمہیں میرے ساتھ دیکھ لیا تو۔''

''تو..... مجھے مار دے گا۔ یہی نا۔''

''ارے نہیں..... یہ بات نہیں ہے۔ چلو! ٹھیک ہے۔ آؤ بیٹھتے ہیں اس درخت کے

پیچھے....اس کا تنا کافی چوڑا ہے اور ہمیں وہاں سے کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

درختوں کے چوڑے تنے اگر دو پریمیوں کے راز دار بن جائیں تو پریم کہانیاں بڑی جلدی پروان چڑھتی ہیں اور یہ پریم کہانی پروان چڑھنے لگی۔ بڑی ہوشیاری کے ساتھ کرن راج چھپ چھپ کر رتنا کے پاس آنے لگا یہ دیکھ کر کہ اس وقت شیو چرن کہاں موجود ہے اور باقی کوئی اس کی تلاش میں یہاں آ سکے گا یا نہیں۔ رتنا محبت کے کھیل سے واقف ہوگئی اور اس واقفیت نے اس کے حسین وجود کو اور دلکش بنا دیا۔

ادھر کبھی کبھی بنسی مہاراج بھی اسے دیکھنے کے لئے آ جاتے تھے۔ شیو چرن سے باتیں ہوتی تھیں۔ بنسی راج نے ایک دن ہنس کر کہا۔ "شیو چرن! ہم نے اتنا عرصہ شاید اپنے آپ پر جوانی آنے کا انتظار بھی نہیں کیا جتنا ہم رتنا کے لئے کر رہے ہیں۔"

"مہاراج! پکے پھل زیادہ میٹھے ہوتے ہیں۔ تھوڑا سا انتظار اور کر لیجئے۔"

"ٹھیک ہے..... لیکن جب بھی اسے دیکھتے ہیں دل میں ایک عجیب سا طوفان جاگ اٹھتا ہے۔"

"تو پھر آپ کی مرضی ہے مہاراج! ویسے پھل تو تیار ہے۔ آپ دیکھ لیجئے۔"

بنسی راج کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر بولا۔ "ایسا کرتے ہیں شیو چرن کہ آج ہم اس کے پاس ہیں۔ دیکھتے ہیں اس کا اپنا انداز کیا ہوتا ہے۔"

"مہاراج! آپ تو پرانے شکاری ہیں۔ بھلا اس شکار کی حیثیت ہی کیا ہے ان شکاروں کے سامنے جنہیں آپ ہڑپ کر چکے ہیں۔"

بنسی راج ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "مگر شیر کچھ بوڑھا ہو گیا ہے شیو چرن..... نجانے کیوں اس لڑکی کے سامنے جاتے ہوئے ہمیں تھوڑا خوف محسوس ہوتا ہے۔ بہت سے احساسات دل میں آ جاتے ہیں۔ ہماری پسند تو اس کی ماں تھی۔ مگر دیکھو! کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا....."

"بات ایک ہے مہاراج! ماں نہ سہی، بیٹی سہی۔" شیطان کا دوست بھی شیطان ہی تھا۔

بہر حال! اسی رات بنسی راج چھپتے چھپاتے چل پڑے۔ شیو چرن نے پہلے ہی منصوبہ بندی کر لی تھی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ پرانی حویلی کے عقبی حصے سے اندر داخل ہو گئے۔ ایک کمرے میں روشنی تھی۔ شیو چرن نے کہہ دیا تھا کہ وہ روشنی جلا کر انتظام کر دے

گا۔ چنانچہ بنسی راج دل میں بہت سے منصوبے بناتے ہوئے آخر کار اس روشن کمرے کے پاس پہنچ گئے لیکن اندر سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ آوازیں سن کر وہ حیران رہ گئے۔ انہوں نے ایک ایسی جگہ تلاش کی جہاں سے دیکھ سکتے۔ اور اندر انہوں نے جو دیکھا، اسے دیکھ کر ان کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ ان کا بیٹا کرن راج، رتنا کے پاس موجود تھا اور دونوں جس انداز میں بیٹھے ہوئے تھے اس سے احساس ہوتا تھا کہ دونوں کے درمیان گہرا ربط ہے۔

بنسی راج بوکھلا کر رہ گئے۔ پھر وہ غصے کے طوفان میں گھر گئے۔ ان کا سارا بدن آگ کی طرح پھونکنے لگا اور اس آگ میں جلتے ہوئے وہ وہاں سے باہر آ گئے۔ اپنے مخصوص کمرے میں پہنچنے کے بعد وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ یہ شیو چرن کا کام ہے یا کوئی اور بات ہے۔ کیا بات ہے؟ کرن راج اور اس لڑکی کے درمیان ایسی گہری دوستی کیسے ہوگئی؟ شیو چرن کو اس بات کا پتا کیوں نہ چلا؟ بہت سے سوالات ان کے دل میں آئے اور وہ جھلس کر راکھ ہوتے چلے گئے۔ ایسا نہیں ہونے دوں گا میں..... ایسا بالکل نہیں ہونے دوں گا۔ وہ لڑکی میری پسند ہے۔ بڑی مشکل سے حاصل کی ہے یہ۔ کرن راج..... لیکن یہ بھی جوان ہو گیا۔

بڑی بری رات گزری تھی ان کی یہ۔ دوسری صبح شیو چرن مسکراتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ لیکن بنسی راج یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ شیو چرن کو اپنی طرف سے کچھ نہیں بتائیں گے بلکہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ شیو چرن ان سے ڈبل کھیل تو نہیں کھیل رہا۔

شیو چرن نے کہا۔ "کہئے مہاراج! مبارکباد دوں آپ کو....."

"تم بتاؤ شیو چرن..... ہمیں مبارکباد ملنی چاہئے کہ نہیں۔"

"ملنی تو چاہئے مہاراج! لیکن ابھی میں نے اسے نہیں دیکھا۔ اس سے مل لوں تو پتا چلے کہ مہاراج نے کیا کام دکھایا ہے....."

"کب سے نہیں ملے اس سے۔"

"رات ہی کو چلا گیا تھا مہاراج..... سارا منصوبہ مکمل کرنے کے بعد رات کو وہاں سے چلا گیا تھا۔ روشنی کر دی تھی میں نے..... کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟"

"اب بتاؤ شیو چرن اس لڑکی کے انداز سے ہمیں اس بات کا احساس ہوا ہے کہ وہاں کوئی اور بھی اس سے ملتا رہتا ہے۔"

"مہاراج! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ کون سی بات سے آپ کو اندازہ ہوا؟"
"بس سمجھ لو شیو چرن..... ہمیں پورا پورا یقین ہے کہ کوئی اس کے پاس آتا ہے۔"
"مگر کون؟"
"یہی تو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔"
"ایک بات بتایئے مہاراج!"
"ہاں پوچھو۔"
"کیا آپ اس کے قریب نہیں گئے؟"
"نہیں..... ہم اس کے قریب پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ وہاں کوئی تھا۔"
"ہیں..... کون تھا وہاں؟"
"شیو چرن! اس کا پتا چلانا پڑے گا۔"
"مہاراج! ایسا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اگر ایسی بات ہے تو اس کا گناہ گار شیو چرن ہی ہو
کیونکہ یہ میری کمی ہو گی کہ میں نے اس کی صحیح دیکھ بھال نہیں کی۔"
"ہے تو یہی بات شیو چرن..... لیکن بہرحال! تم میرے دوست ہو۔ ہم ہر حال میں
سے رعایت کریں گے چاہے تمہاری وجہ سے ہمیں کتنا ہی بڑا نقصان کیوں پہنچ گیا ہو۔"
"مہاراج! اور کوئی بات نہیں کہوں گا آپ سے..... بس ایک بات کہوں گا کہ ایسا نہیں
سکتا۔ آپ کے سوا اگر کوئی اور یہ بات کہتا تو بھگوان کی سوگند..... جیون بھر نہ مانتا اس با
کو۔ مگر آپ کہہ رہے ہیں اس کا مطلب ہے کہ بات صحیح ہے۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو اس
ذمہ داری میں ہی قبول کروں گا پوری پوری..... کیا سمجھے آپ مہاراج!"
"ہوں..... ٹھیک ہے۔ بتاؤں گا میں تمہیں کہ آگے کیا کرنا ہے۔ اپنے طور پر اند
لگانے کی کوشش کرنا۔ جہاں تک میرا خیال ہے کہ جو کوئی بھی اس کو ملتا ہے، رات کو ملتا
کیوں نہ آج رات میں اور تم دونوں اسے دیکھیں۔"
"ٹھیک ہے مہاراج!"
اس کے بعد بنسی راج نے اپنی بیوی کوشلیا سے رابطہ قائم کیا۔ "کوشل..... کرن راج
عمر کتنی ہو گئی ہے؟"
"کیوں؟ کیا بات ہے؟"

"کیا وہ جوان ہو گیا ہے؟"
"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ بچہ ہے ابھی وہ۔"
"کیا ہمیں اس کی شادی کر دینی چاہئے؟"
کوشلیا نے شوہر کو دیکھا اور ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ "خیر! شادی کی جا سکتی ہے اس
کی..... پر ایسی جلدی کیا پڑی ہے آپ کو۔"
"میرا مطلب ہے شادی کے قابل ہو گیا ہے وہ....."
"لو..... اب اتنا بھی بچہ نہیں ہے۔ بھگوان کی دیا ہے۔"
"ہوں!"
"مگر یہ آپ کو سوجھی کیا اس کی شادی کرنے کی؟"
"نہیں نہیں! سوچ رہا تھا کہ بجائے اس کے کہ وہ کسی جال میں پھنس جائے، اس کی
شادی کر دینی چاہئے۔"
"کیسے جال میں؟"
"کسی سندری کے جال میں۔"
"ہاں..... یہ عمر ایسی کچی ہوتی ہے۔ سوچنا تو چاہئے ابھی سے اس کے بارے میں۔ لیکن
ابھی شادی ٹھیک نہیں رہے گی۔ پھر بھی آپ جیسا مناسب سمجھیں۔"
بنسی راج خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں تو آگ سلگ رہی تھی۔ ادھر وہ اپنی ہوس
کی آگ میں سلگ رہا تھا، ادھر رتنا اور کرن راج کا رومانس چل رہا تھا۔ کرن راج، رتنا کا
دیوانہ ہو گیا تھا اور رتنا بھی اسے پسند کرنے لگی تھی۔ اس کے جذبات بھی جوان ہو چکے تھے۔
لیکن اس شام جبکہ شیو چرن اس کے پاس موجود نہیں تھا اور وہ تنہا بیٹھی آنکھیں بند کئے
گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اچانک ہی اس کے اندر کھڑکی سی کھل گئی۔ دماغ کی اس
کھڑکی سے خون کی سرخ دھار بہنے لگی اور یہ سرخ دھار اس کے چاروں طرف پھیل گئی۔
خون کا سمندر..... اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو گئیں۔ چہرہ تمتمانے لگا۔ ہونٹوں پر ایک
عجیب سی پیاس جاگ اٹھی اور اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ آس پاس
کچھ نہیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور پچھلے باغ میں آ گئی۔ باغ میں پرندے چہچہا رہے تھے۔
اس کی پیاس بڑھتی جا رہی تھی اور اس کی وحشت زدہ نگاہیں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔ پھر

اس نے ایک فاختہ دیکھی جو درخت کی ایک نچلی شاخ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں ایک خیال اُبھرا، اور وہ دبے دبے قدموں سے درخت کے عقبی حصے تک پہنچ گئی۔ فاختہ معصومیت سے بیٹھی شاید اپنے نر کا انتظار کر رہی تھی۔ نر تو نہ آیا اچانک ہی عقب سے ایک ہاتھ آیا اور اس نے فاختہ کو دبوچ لیا۔ یہ رتنا ہی کا ہاتھ تھا اور فاختہ اس کے پنجے میں پھڑ پھڑا رہی تھی۔ رتنا نے اسے قریب کر کے دیکھا۔ اس کی چونک پکڑ کر گردن موڑی اور اس کے بعد اس کی گردن میں اپنے دانت پیوست کر دیئے۔

خون کے کچھ قطرے اس کے وجود کو سیراب کر گئے۔ اس نے فاختہ کے پر نوچ کر پھینکے اور اسے جانور کی طرح چبانے لگی۔ بس خوش قسمتی تھی اس حویلی کے رہنے والوں یا ملازموں کی کہ اس وقت کوئی ادھر نہیں آیا تھا ورنہ فاختہ کا یہ حشر دیکھ کر اور ایک خوبصورت لڑکی کا یہ روپ دیکھ کر دل کی حرکت ہی بند ہو جاتی۔ رتنا کی وحشت زدہ آنکھوں میں کسی بھیانک بھیڑیئے کی سی چمک تھی۔ فاختہ کی بساط ہی کیا تھی..... اتنا معمولی سا کام کر کے اس کی پیاس اور بھڑک گئی تھی اور وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ درختوں پر پھڑکنے والے پرندوں نے اپنے ایک ساتھی پرندے کا یہ منظر دیکھ لیا تھا۔ اس کے پر بکھرے پڑے ہوئے تھے اور رتنا نے اس کی ہڈیاں تک چبا ڈالی تھیں البتہ گردن بس ایک طرف پھینک دی تھی۔ پھر وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے کی جانب چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد کمرے کے اندر پہنچ گئی۔ مگر وجود میں شدت کی پیاس اٹھ رہی تھی اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا، کیا جائے.....

وقت گزرتا رہا اور وہ بے چینی سے ٹہلتی رہی۔ اسے اپنے ذہن پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ پھر رات ہوگئی۔ کرن راج تو اب روز ہی آتا تھا چنانچہ ابھی وقت نہیں ہوا تھا کہ وہ آ گیا اور مسکراتا ہوا رتنا کے سامنے پہنچ گیا۔ رتنا نے اسے دیکھا اور ایک عجیب سی کیفیت اس کے دل میں نمودار ہوگئی۔ آج تک کرن راج نے ایک حد سے آگے قدم نہیں بڑھایا تھا، نہ ہی رتنا نے کبھی اس کی پذیرائی کی تھی۔ اس کے دل میں بھی کرن راج کے لئے ایک انسیت ایک محبت سی پیدا ہوگئی تھی۔ وہ کرن راج کو میٹھی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اس وقت اس کی میٹھی نگاہیں کرن راج کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ یہ میٹھی نگاہیں اس کے چہرے سے پھسل کر اس کی گردن تک آئیں۔ کرن راج کا سفید رنگ گردن سے دوڑنے والی رگوں

سے خون چھلکا رہا تھا۔ رتنا کے ہونٹوں پر ایک نشہ آلود مسکراہٹ پھیل گئی۔

''رتنا! کیسی ہو؟'' کرن راج نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''بس..... تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ اس سے اچھی بات میرے لئے سنسار میں اور کیا ہو سکتی ہے؟''

''رتنا! کبھی یہ بھی سوچا کہ ہمارا کیا بنے گا؟''

''نہیں سوچا! سوچوں گی..... سوچوں گی.....''

''ہوں! ویسے رتنا! میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے اب ماتا جی سے یہ بات کہہ دینی چاہئے کہ میں تم سے پریم کرتا ہوں اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''کہہ دینا۔ آؤ! ادھ آؤ!'' رتنا کی نشے میں ڈوبی آواز ابھری۔

''کیا بات ہے؟ آج کچھ زیادہ محبت نہیں آ رہی ہم پر؟''

''ہاں! آ رہی ہے۔'' رتنا نے کہا۔

''تب تو ہمارے بھاگ جاگ اٹھیں گے۔''

''جاگ اٹھیں گے کیا؟ جاگ اٹھے ہیں۔'' رتنا نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور کرن راج کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے رتنا کی نشہ آلود آنکھوں کو دیکھا۔ ان آنکھوں میں جو کیفیت نظر آ رہی تھی اس کا اندازہ کرن راج کو ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحات رتنا کو دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

''رتنا! کیا بات ہے؟'' کرن کی مدھم آواز اُبھری۔

''ایں..... پتہ نہیں کیا بات ہے۔ مجھے خود بھی نہیں معلوم۔'' رتنا بدستور لڑکھڑائے ہوئے لہجے میں بولی۔

کرن راج کا سانس تیز چلنے لگا تھا۔ رتنا کی اتنی قربت اس کے لئے بڑی عجیب کیفیت کا باعث تھی۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن وہ بہت ہی اچھے کردار کا مالک تھا..... زندگی میں آج تک کسی ایسی برائی کی طرف قدم نہیں بڑھائے تھے جو دلوں کی دکھن کا باعث ہوتی ہے اور انسان ضمیر کا مجرم بن جاتا ہے۔ لیکن اس وقت رتنا کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز اور اس کی اس قدر قربت کرن راج کی کنپٹیاں گرم کر رہی تھی اور اس کی سانس بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''رتنا.....''

رتنا نے اس کے دونوں بازو اپنے دونوں بازوؤں کے درمیان لے لئے اور اسے بالکل قریب کرلیا۔ کرن راج کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں اور رتنا کے ہونٹ کھلنے لگے تھے۔ اس کی ہوس ناک نگاہیں کرن کی گردن کی پھولی ہوئی رگ پر جمی ہوئی تھیں۔ کرن راج جذبات کی شدت کا شکار ہو چکا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور وہ رتنا کے ہونٹوں کا لمس اپنی گردن پر محسوس کر رہا تھا۔ لیکن اس وقت اس کی تمام جذباتی کیفیت ہوا ہوگئی جب اچانک ہی اسے اپنی گردن میں شدت سے درد کا احساس ہوا۔ وہ چونک کر آنکھیں کھولنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بازو رتنا کے بازوؤں کی گرفت میں تھے۔ گردن کی تکلیف اس قدر شدت اختیار کرگئی کہ وہ رتنا کے بازوؤں میں مچلنے لگا۔ لیکن ایک قوی ہیکل نوجوان ہونے کے باوجود اس وقت وہ اپنے آپ کو رتنا کے بازوؤں کی گرفت سے آزاد نہیں کرا سکا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نرم و گداز بازو اور پورے بدن کی جسامت پتھر کی چٹان کی مانند ہو اور وہ اس چٹان کو کسی طور ہلانے کی ہمت نہ رکھتا ہو۔ رتنا کے اندر خونخوار کیفیت بیدار ہوگئی تھی۔ وہ غٹ غٹ کر کے کرن راج کا خون پی رہی تھی اور اس نے دانتوں کی پوری قوت سے اس کی گردن کو اکھیڑنا شروع کر دیا تھا۔ کرن راج کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ ایک بار اس نے انتہائی محنت کر کے رتنا کو خود پر سے دھکیلا تو رتنا کے بازوؤں کی گرفت کھل گئی۔ کرن راج نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی تو رتنا ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ پھر اس کے سینے پر جا پڑی۔ اس بار اس نے کرن راج کی گردن کا نرخرہ اپنے دانتوں کی گرفت میں لے لیا اور کرن راج کی دونوں کلائیوں کو پکڑ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے دبا لیا۔ گردن کا نرخرہ رتنا کی گرفت میں تھا اور کرن راج کی سانسوں کی آمد و رفت ختم ہونے لگی تھی۔ اب اس کے اندر بے بسی نظر آنے لگی تھی۔ رتنا اس کا نرخرہ چبانے لگی اور چند ہی لمحوں کے اند کرن راج بے جان ہو گیا کیونکہ نرخرہ ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کی سانسوں کی آمد و رفت کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ رتنا نے اب زیادہ سکون کے ساتھ کرن راج کے گوشت کو جگہ جگہ سے ادھیڑنا شروع کر دیا۔ اب اسے اپنے اس کام میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی اس۔ وہ سکون سے شکم سیر ہوتی رہی۔

اُدھر مہاراج بنسی جذبات میں ڈوبے ہوئے رتنا کے پاس پہنچ گئے۔ اب وہ رتنا کے کمرے کے دروازے پر تھے۔ لیکن کھلے ہوئے دروازے سے جھانک کر انہوں نے جو

یکھا، انہیں اس پر یقین نہیں آیا۔ رتنا کا پورا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ وحشیانہ انداز ں کرن راج کے پورے بدن کو بھنبھوڑ رہی تھی۔ ایک لمحے تک تو بنسی راج مہاراج کو اس ت کا یقین ہی نہیں آیا کہ وہ رتنا کے کمرے میں آئے ہیں۔ یہ خوبصورت بلا اس وقت بانے کیا چیز لگ رہی تھی۔ سرخ چہرہ اور سفید سفید دانت خون میں ڈوبے ہوئے تھے اور رتنا ہیں صاف کر رہی تھی۔ بنسی راج کی سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ وہ دہشت سے آنکھیں پھاڑ کر رتنا کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے غور سے اس لاش کو دیکھا جسے یہ خونخوار ائن بھنبھوڑ رہی تھی اور دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے دہشت بھری چیخ نکلی۔ وہ حلق پھاڑ ر چیختا ہوا اندر پہنچا۔ ''کرن راج...... میرا بیٹا...... میرا بچہ...... کرن راج......'' یہ کہہ کر وہ در داخل ہوا۔ رتنا نے اسے دیکھا اور اچھل کر ایک طرف ہٹ گئی۔ اب وہ بھوکی بلی کی رح بنسی راج کو گھور رہی تھی اور اس کے حلق سے غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ بنسی راج خوفزدہ کر کبھی رتنا کو دیکھتا اور کبھی اپنے بیٹے کرن راج کو جو اپنی زندگی سے محروم ہو چکا تھا۔ پھر وہ ئ چیخ کر بولا۔ ''اے رام..... ہائے رام...... میرا کرن..... میرا کرن..... ہائے رام..... ے دوڑو...... میرے کرن کو مار ڈالا..... ارے دوڑو بھائیو!...... ارے دوڑو!'' اور ازم جو اِدھر اُدھر سو رہے تھے برق رفتاری سے اپنے مہاراج کی آواز سن کر ادھر دوڑنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد بہت سے ملازموں نے کمرے میں داخل ہو کر بنسی راج سے ں کے چیخنے کی وجہ پوچھی۔ پھر رتنا کو دیکھ کر ان کے حواس جواب دے گئے..... اُدھر رتنا کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ مصیبت میں گھر گئی ہے۔ اب اگر ان لوگوں کے درمیان سے نہ نکلی اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے۔ چنانچہ وہ خوف دلانے والے انداز میں غرائی راس نے پھر ان ملازموں کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ملازم اسے دیکھ کر پہلے ہی خوفزدہ ہو ئے تھے۔ رتنا کو اپنی طرف دوڑتے دیکھ کر ان کے حواس جواب دے گئے اور وہ وہاں سے بچتے ہوئے بھاگے۔

رتنا برق رفتاری سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ ادھر بنسی راج بری طرح چیخ رہا تھا۔ پکڑو..... حرام زدو! پکڑو اسے..... ڈائن تھی۔ نجانے کہاں سے آئی..... کہاں بھاگ ئی..... ارے! میں کہتا ہوں پکڑو اسے...... پکڑو اسے۔'' ملازم بھلا رتنا کو کیا پکڑتے یکن مالک کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے دوڑ پڑے۔ لیکن اتنی دیر میں رتنا دیوار کود کر باہر

بھاگ گئی تھی اور ملازم دیوار کے پاس کھڑے چیختے رہے تھے اور کہتے رہے ''پکڑو..... پکڑو..... جانے نہ پائے.... جانے نہ پائے.....'' پھر اتنا وقت دیا انہوں۔ وہ خوفناک بدروح یہاں سے بھاگ جائے اور انہیں اسے پکڑنا نہ پڑے۔ چنانچہ تھوڑ کے بعد رتنا رات کی تاریکیوں میں غائب ہوگئی۔ بنسی راج بری طرح دہشت زدہ تھ واپس پلٹا اور رتنا کے کمرے میں پہنچ گیا۔ پھر وہ کرن راج کی لاش سے لپٹ گیا۔

''ہائے بیٹا! جو کچھ کیا میں نے ہی کیا..... ہائے بیٹا..... ہائے بیٹا.....'' وہ بری دھاڑیں مارنے لگا۔ یہ خبر کوشلیا کو بھی مل گئی اور وہ دوڑتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ اپنے بیٹے راج کا یہ حشر دیکھ کر اس پر غشی طاری ہوگئی۔ بہر حال..... پوری حویلی غم کا گھر بن گ کرن راج کی موت کا اعلان کر دیا گیا۔ بنسی راج پر تو مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے شیو چرن کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ وہاں سے نکل بھاگا۔ اسے پتہ تھا کہ بنسی مہاراج اب اس پر نزلہ اتاریں گے۔

کوشلیا کی حالت بری ہو رہی تھی۔ بیٹے کے غم نے اسے نیم دیوانہ کر دیا تھا اور و ہی بات کہہ رہی تھی۔ ''بنسی راج! تمہارے گناہ اتنے بڑھ گئے تھے کہ تمہیں کچھ نہ کچھ اٹھانا ہی تھا بس بنسی راج! تم نے میرے بیٹے کا جیون لے لیا۔''

ادھر بنسی راج خود بھی اس غم کا شکار تھا اور سوچ رہا تھا کہ واقعی اس نے جو کچھ کیا صلہ ملا۔

☆

رتنا ان تمام چیزوں سے بے نیاز دوڑی چلی جا رہی تھی۔ اور پھر جب وہ تھکی تو ا رُک گئی۔ تھوڑے فاصلے پر ندی بہہ رہی تھی۔ اب اس کا تعاقب کرنے والوں کا کہیں نہیں تھا۔ وہ تھک سی گئی تھی۔ اس نے کوئی ایسی جگہ تلاش کی جہاں وہ بیٹھ کر سانس سکے۔ تھوڑے فاصلے پر ایک درخت نظر آیا۔ وہ اس کے نیچے جا بیٹھی۔ ندی اس سے بیس یا پچیس گز کے فاصلے پر بہہ رہی تھی اور اس کے پانی بہنے کی آواز مسلسل سنائی د تھی۔ رتنا وہاں بیٹھ کر اپنا سانس درست کرنے لگی۔ ویسے انسانی گوشت کھا کر اس میں جو طاقت اور چستی پیدا ہوگئی تھی اس نے اسے پوری طرح خوش کر رکھا تھا اور و سرور کے عالم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ بیٹھے بیٹھے اس نے سوچا زندگی اسی میں ہے۔

جگہوں پر رہتی ہے۔ لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔ اسے کھلاتے پلاتے ہیں۔ اس سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں ہیں لیکن زندگی کا اصل مزہ یہی ہے کہ تازہ تازہ خون پینے کو ملے۔ اس سے دلچسپ اور دلکش بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اب اگر وہ کرن راج کو اپنی محبت کے جال میں نہ پھانستی تو کرن راج اس طرح اس کے قریب کیوں آتا؟ اس سے رتنا کو یہ اندازہ ہوا کہ اس کا حسن و جوانی اس کے مقصد کے حصول میں مدد کر سکتا ہے۔ زندگی کا اور کوئی محور تو تھا نہیں۔ بس یہ سب کچھ ہی تھا جو وہ گزار رہی تھی۔ اب اس کے اندر اتنی عقل پیدا ہوگئی تھی کہ وہ اپنے اس ماحول کے بارے میں سوچ سکے۔ بہر حال! بڑا لطف آیا تھا اسے.....اب بنسی راج چیختا، چلاتا رہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ لیکن ایک بات ہے۔ اسے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے اگر وہ ملازم جو اس کے پیچھے دوڑے تھے، ڈر کر بھاگ نہ نکلتے تو مصیبت بن جاتی۔ وہ اسے پکڑ لیتے اور اس کے بعد.....نہ بابا نہ..... کسی کے چنگل میں نہیں آنا چاہئے اس وقت.....اس نے اپنی عقل سے سوچا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ اور اس کا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس خون کو صاف کر لینا چاہئے۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور ندی کی جانب بڑھ گئی۔ کنارے پر بیٹھ کر اس نے پانی سے اپنا چہرہ دھویا، لباس پر لگے خون کے دھبے صاف کئے اور تقریباً مطمئن ہوگئی۔ اس نیم تاریکی میں وہ بس اتنا ہی کر سکتی تھی۔

اپنے آپ کو صاف ستھرا کر کے اس نے بال سنوارے، رات کے اس ہولناک سناٹے اور ویرانے میں اگر کوئی اس طرح حسین لڑکی کو بے خوفی سے گروش کرتے دیکھ لیتا تو اس کے دل کی دھڑکن بند ہو جاتی۔ لیکن رتنا خود اس ماحول سے خوفزدہ تھی۔ پھر اسے کہیں دور سے روشنی سی نظر آئی۔ یہ متحرک روشنی تھی اور اس طرف سے آ رہی تھی جس طرف سے وہ آئی تھی۔ اسے خوف محسوس ہوا کہ کہیں اس کا تعاقب نہ کیا جا رہا ہو۔

یہاں سے بھاگ جانا بہت ضروری ہے۔ ندی راستہ روکے ہوئے تھی۔ اس لئے وہ ندی کے کنارے کنارے دوڑنے لگی۔ پلٹ کر وہ روشنی کو بھی دیکھ لیتی تھی جو اسی سمت آ رہی تھی۔ رتنا کی رفتار اور تیز ہوگئی۔ اور پھر وہ ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں بہت سارے درخت لگے ہوئے تھے اور ان کے درمیان ایک چار دیواری سی بنی ہوئی تھی۔ رتنا کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ یہ چار دیواری کیوں بنی ہوئی ہے۔ لیکن اس چار دیواری کو کود کر اندر چلے جانا اس

کے لئے کوئی مشکل کام ثابت نہ ہوا۔ پھر اس نے وہاں پھیلی ہوئی لاتعداد قبروں کی دیکھا۔ یہ مسلمانوں کا قبرستان تھا۔ جگہ جگہ جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں درخت رہے تھے۔ ان قبروں کے نیچے لاتعداد انسان گہری نیند سو رہے ہیں۔ رتنا نے سوچا۔ کی ایک لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے اس ماحول کو لگی۔ بہر حال انسان تھی...... زندہ تھی...... معصوم تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ وقت نے اس ساتھ جو بھی سلوک کیا تھا۔ لیکن ان تمام چیزوں کے ساتھ زندگی کی ہر خوشی...... ہر تکلیف، ہر احساس اس کے اندر موجود تھا۔ وہ گھبرائے ہوئے انداز میں سوچنے لگی ک اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس ماحول میں تو وقت نہیں گزارا جا سکتا۔ لیکن اسے یہ بات معا کہ اگر بنسی راج کو اس کا پتہ چل گیا اور اس کے آدمیوں نے اسے پکڑ لیا تو وہ اس کے بہت ہی برا سلوک کریں گے۔ اس خوف سے بچنے کے لئے اس سے اچھی جگہ اور کوئ ہے۔ وہ دیکھتی رہی۔ اِدھر اُدھر کا جائزہ لیتی رہی اور پھر اسے قبرستان کے کافی فاصلے روشنی سی محسوس ہوئی۔ وہ ایک بار پھر سہم گئی۔ یہ وہی روشنی تھی جو اسے دور سے نظر آئی تھ متحرک تھی۔

''ہائے رام! وہ آ گئے...... اب کیا کروں؟ یہاں سے بھاگ کر کہاں جاؤں سوچنے لگی۔ چند گز کے فاصلے پر اسے ایک درخت نظر آیا۔ اس وقت اس کے علاوہ ا چارہ کار نہیں تھا کہ وہ اس درخت پر چڑھ جائے۔ بچپن میں وہ درختوں پر چڑھ کر آ جامن کھایا کرتی تھی۔ جامن کا ایک درخت تو اس کا پسندیدہ درخت تھا۔ یہ درخت ا گھر کے صحن میں تھا اور وہ اس پر چڑھ کر جامن توڑ لیا کرتی تھی۔ وہ مہارت اس وق آئی اور وہ تیزی سے چڑھ کر ایک شاخ پر جا بیٹھی۔ متحرک روشنی اندر داخل ہو گئی تھی رتنا کو حیرت ہوئی۔ وہ بنسی راج کے ملازم نہیں تھے۔ بلکہ بہت سے افراد تھے ج کندھے پر ایک جنازہ اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے بڑا سا لیمپ پکڑا ہوا تھا اور وہ روشنی اسی لیمپ کی تھی۔ وہ لوگ آگے بڑھ کر ایک ایس گئے جہاں ایک نئی قبر کھدی ہوئی تھی۔ گورکن ان لوگوں کو دیکھ کر بہت فاصلے پر بنی ہو جھونپڑی سے باہر آ گیا اور اس نے میت کی تدفین شروع کر دی۔

رتنا خاموشی سے یہ منظر دیکھتی رہی۔ اس سے پہلے اس نے کبھی کسی مردے کو دفن

کا منظر نہیں دیکھا تھا۔ وہ ساری چیزوں کا جائزہ لیتی رہی۔ کافی دیر تک وہ لوگ مصروف رہے اور اس کے بعد وہاں سے چلے گئے۔ رتنا کو ایک بار پھر اپنا ماضی یاد آنے لگا۔ بڑی غم کی کہانی تھی اس کی۔ ماں یاد آئی۔ اس کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات یاد آئے۔ وہ وقت یاد آیا جب ماں نے اس کے ہونٹوں کی پیاس بجھانے کے لئے اپنے خون کے قطرے اس کے منہ میں ٹپکائے تھے اور پھر اپنا گوشت اسے کھلایا تھا۔ یہ بڑے دردانگیز لمحات تھے۔ رتنا نجانے کب تک ان کے بارے میں سوچتی رہی۔ پھر وہ اس وقت چونکی جب اسے درخت کی اونچی شاخ پر ایک سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر اس کے حلق سے ایک تیز چیخ نکل گئی۔ سفید رنگ کی ایک بلی تھی جو درخت کی ایک اونچی شاخ پر بیٹھی اپنی روشن آنکھوں سے اُسے گھور رہی تھی۔ اس سے پہلے بلی یہاں موجود نہیں تھی۔ چیخ کی آواز کے ساتھ ہی بلی نے بھی حلق سے ایک تیز غراہٹ نکالی اور اس شاخ پر کودی جس پر رتنا موجود تھی۔ رتنا اپنے آپ کو نہ سنبھال سکی اور درخت کی شاخ سے نیچے گر پڑی۔ بلی نے بھی اس کے ساتھ ہی چھلانگ لگائی اور پھر اس کے اوپر سے کودی اور وہاں سے برق رفتاری سے بھاگتی چلی گئی۔ رتنا کے پورے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں اور وہ خوف سے بری طرح کانپ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بلی کہاں سے آئی اور کیا چاہتی تھی۔ درخت سے گرنے کی وجہ سے اس کے بدن کو چوٹ بھی لگی تھی۔ بہت دیر تک وہ خوف و دہشت کے عالم میں پڑی رہی۔ بڑا عجیب و غریب ماحول ہو گیا تھا۔ مردے کو دفن کرنے والے اب واپس جا چکے تھے اور روشنی تک نظر نہیں آ رہی تھی۔ رتنا دیر تک اپنی جگہ پڑی رہی۔ پھر وہ اٹھی اور اندازہ لگانے لگی کہ اس کے بدن کے کسی ایسے حصے کو چوٹ تو نہیں لگی جس کی وجہ سے اٹھنا مشکل ہو جائے۔ لیکن ایسی کوئی چوٹ نہیں تھی۔ پھر بھی گھٹنوں میں کافی درد ہو رہا تھا۔

''ہائے رام..... کس مصیبت میں پڑ گئی ہوں میں..... اب کیا کروں..... کہاں جاؤں؟ ویسے میرا یہ اندازہ تو غلط نکلا کہ وہ لوگ میری تلاش میں آئے تھے۔ وہ تو اپنے کسی مردے کا کریا کرم کرنے آئے تھے۔ مگر یہ لوگ شمشان گھاٹ میں اپنے مردے جلاتے کیوں نہیں ہیں؟ ایسے زمین میں رکھ کر کیوں چلے جاتے ہیں؟'' رتنا کے ذہن میں تجسس جاگ اٹھا۔ بس دوہری شخصیت کی مالک تھی وہ۔ جب بچپن کی معصومیت ذہن میں ابھرتی تو ایک معصوم بچی

کے انداز میں سوچتی۔ اور جب ایک خوفناک اور آدم خور کی حیثیت سے اپنی فطرت میں آتی تو ایسی خوفناک بلا بن جاتی جسے دیکھ کر لوگوں کے کلیجے پھٹ جاتے۔ بہرحال اس وقت بھی وہ تمام تر خوف و دہشت اور تکلیف کے باوجود اس کے ذہن اس خیال نے سر ابھارا کہ دیکھوں تو سہی کہ مسلمان اپنے مردے کس طرح زمین میں رکھ جاتے ہیں؟ ان کا ہوتا کیا ہے؟ اور یہ اپنے مردے جلاتے کیوں نہیں ہیں.....؟ حد نظر خوفناک سناٹا طاری تھا۔ اگر یہ تجسّس اس پر اس طرح غالب نہ ہو جاتا کہ وہ اس سروے کا جائزہ لینے کے لئے اس کے قریب نہ پہنچ جاتی تو یقینی طور پر ایسے ماحول میں انسان کا اپنے ذہن پر قابو رکھنا مشکل ہوتا۔ مگر وہ عجیب و غریب فطرت کی مالک تھی......وہ اس قبر کے پاس پہنچ گئی جسے وہ لوگ بنا کر گئے تھے۔ مٹی ہٹانے میں اسے کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی کیونکہ وہ بالکل نرم تھی اور جو لوگ اس لاش کو دفن کر کے گئے تھے وہ بھی شاید جلدی میں تھے۔ رتنا کے دل میں اب یہ احساس جڑ پکڑ گیا تھا کہ ذرا اس مردے کو دیکھے۔ وہ قبر کے نزدیک بیٹھی پوری محنت سے مٹی ہٹا رہی تھی۔ جب قبر کا ایک چوتھائی حصہ خالی ہو گیا تو اسے ایک پتھر نظر آیا۔ یہ پتھر قبر کے کناروں پر رکھا ہوا تھا۔ رتنا نے اتنی جگہ بنا لی تھی کہ وہ آسانی سے اس پتھر کو ہٹا سکے۔ چنانچہ اس نے پتھر پر انگلیاں پھنسائیں اور بڑی مشکل سے اسے ہٹایا۔ اسے نیچے سفید کپڑا نظر آ رہا تھا۔ رتنا نے سوچا کہ جھک کر کپڑے کو ہٹائے اور مرنے والے کو دیکھے۔ چنانچہ وہ گھٹنوں کے بل قبر کے سرہانے بیٹھ گئی۔ اس کے لمبے لمبے گھٹاؤں جیسے بال قبر میں لٹک رہے تھے۔ تھوڑا سا اور نیچے جھک کر اس نے کپڑا اٹھایا۔ اور اچانک ہی اس مردے کی تیز چیخ سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی مردے نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اس کے بال پکڑ لئے تھے۔ رتنا کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی اور اس چیخ کے ساتھ ساتھ ہی مردے کے حلق سے بھی دھاڑنے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ قبرستان کی پر ہول فضا میں ایک دہشت ناک عمل کا آغاز ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

رتنا بہت طاقتور تھی لیکن بالوں کی وجہ سے بے بس ہو گئی تھی۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ماحول اس قدر خوفناک تھا کہ ایک ویران قبرستان میں لیٹا ہوا ایک مردہ کسی کے بال پکڑے تو صورتحال کیا ہو سکتی ہے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ادھر مردہ اس کے بال چھوڑنے کو تیار نہیں تھا اور ادھر رتنا اپنے طور پر طاقت لگا رہی تھی۔ بمشکل تمام وہ تھوڑا سا اوپر اٹھنے پائی تو مردے کی کلائیاں اس کے ہاتھ میں آ گئیں اور اس نے پوری قوت سے ان دونوں کلائیوں کو پکڑ لیا۔ پھر اس کے بعد اس نے مردے کو کلائیوں سے پکڑ کر اٹھایا اور قبر کے نزدیک ہی زمین پر دے مارا۔ سفید کفن سے مردے کا چہرہ جھانکنے لگا۔ ایک بوڑھی عورت تھی۔ لمبا چہرہ، مڑی ہوئی ناک، پھٹے پھٹے ہونٹ، دبلا پتلا بدن، سفید بال لیکن آنکھیں گہری سرخ بجلی کے بلب کی طرح چمکتی ہوئیں۔

رتنا نے اپنا گھٹنا اس کے سینے پر رکھا اور اس کی گردن دبالی۔ پھر جب مردے کی گردن بہت زور سے دبی تو اس نے رتنا کے بال چھوڑ دیئے۔ رتنا بپھری ہوئی اٹھ گئی اور اس نے کئی ٹھوکریں اس کفن پوش مردے کو ماریں جو ایک عورت تھی۔ عورت کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ رتنا کو چونکہ بہت تکلیف پہنچی تھی اور وہ ایک بے خوف شخصیت تھی اس لئے اسے اب مردے پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ آخر کار بوڑھی عورت نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس کے حلق سے پھٹی پھٹی آواز نکلی۔ ''بس بس! رُک جا.....رُک جا.....تو کون ہے؟ تجھے مجھ سے ڈر نہیں لگا؟ کون ہے تو؟ رُک جا! دیکھ! میں کہتی ہوں رُک جا.....اس سے پہلے کہ میرے دل میں تیرے لئے انتقام کا جذبہ پیدا ہو، رُک جا۔ مجھے اس طرح نہ مار۔ ایک مردہ وجود کو ٹھوکریں مارنے سے کچھ نہیں ملتا''

رتنا ہانپ رہی تھی۔ اس نے دانت پیستے ہوئے بوڑھی عورت کو دیکھا اور بولی۔ ''تو نے میرے بال کیوں پکڑے تھے؟''

''میں بھی ایک مشکل کا شکار تھی۔ اگر میں تجھے آواز دیتی، یہ کہتی کہ مجھے قبر سے نکال۔
تو، تو خوفزدہ ہو کر بھاگ جاتی۔ تیرے بال میں نے صرف اس لئے پکڑے تھے کہ تو رُ
جا۔ میری بات سن لے! اگر تجھے تکلیف ہوئی ہے تو میں تجھ سے معافی مانگتی ہوں۔ میں م
نہیں ہوں۔ مجھے زندہ اس قبر میں دفن کر دیا گیا تھا۔ میں اس قبر سے نکلنا چاہتی تھی۔ تو
مجھے اس قبر سے نکالا ہے۔ میں تیرا شکریہ ادا کرتی ہوں اور جو تکلیف تجھے میرے ہاتھ
سے پہنچی ہے اس کے لئے تجھ سے معافی چاہتی ہوں۔''

آہستہ آہستہ رتنا بھی معتدل ہوتی گئی۔ کچھ لمحے اس نے خاموش رہنے کے بعد کہا۔
نے میرے بال بہت زور سے پکڑے تھے۔''

''مجبور تھی...... میں مجبور تھی۔ تو اگر بھاگ جاتی تو مجھے اسی قبر میں دفن رہنا پڑتا۔
لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ آخر کار میرا وجود ختم ہو جاتا۔''

''کون ہو تم؟ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔'' رتنا اب پرسکون ہو گئی تھی۔

''میرا نام شردھاوتی ہے۔ یوں سمجھ لے دنیا میں اگر کسی عورت پر بے انتہا مظالم ہو
ہیں تو وہ بھی مجھ سے زیادہ نہیں ہوں گے۔ اگر پوری کہانی سنانے بیٹھ جاؤں تو کتنا وقت
جائے۔ بات اصل میں یہ ہے...... مگر نہیں! چل یہاں سے آگے بڑھ۔ یہ مسلمانو
قبرستان ہے کون جانے کب کوئی بوڑھا عالم ادھر نکل آئے اور ہمیں مشکلات کا سامنا
پڑے۔ آ...... میرے ساتھ آ!''

رتنا کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ لیکن بہرحال وہ اس عورت کے پیچھے چل پڑی۔ اسے
بنسی راج کا خطرہ تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ یہاں سے جتنی دور نکل جایا جائے بہتر
بنسی راج کے ہرکارے اگر گھوڑوں پر سوار ہو کر نکل گئے اور اس کی تلاش میں دور دو
بکھر گئے تو ان کا یہاں تک پہنچنا مشکل نہیں ہو گا۔ شردھاوتی خاموشی سے آگے کا سفر
کرتی رہی اور رتنا ان بھیانک لمحات کا تصور کرتی رہی جو پیش آئے تھے۔ کرن راج کا
پینے کے بعد رتنا کے وجود میں وہ ساری قوتیں موجود تھیں جو اسے جسمانی طور پر
طاقتور کر دیتی تھیں۔ لیکن بہرحال سینے میں دل وہی تھا۔ جس میں خوف کے سائے
کرتے تھے۔ بہرحال! کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد بوڑھی عورت ایک جگہ رُکی۔ اس
بہت دور اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''دیکھ ادھر! ویرانوں میں...... دور تک دیکھ! کوئی

نظر آ رہی ہے تجھے؟''

رتنا نے اس طرف نگاہیں دوڑائیں تو اسے ایک نہیں، کئی روشنیاں جلتی ہوئی نظر آئیں۔
وہ بولی۔ ''ہاں! میں دیکھ رہی ہوں۔''

''وہ میری بستی ہے اور بستی سے دور ایک جھونپڑی بنا رکھی ہے میں نے۔ اس میں قیام
ہے میرا۔ مگر میں ادھر نہیں جاؤں گی کیونکہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ میں یہاں رہتی تھی اور اب
بھی شمشاد خان کو اس بات کا علم ہے کہ میں مر چکی ہوں اور انہوں نے مجھے دفن کرا دیا ہے۔
مگر وہ بیوقوف.....'' بوڑھی عورت رُکی پھر ہنسنے لگی۔ کچھ لمحے خاموش رہ کر بولی۔ ''اور
اب..... اب اسے..... مگر نہیں! میرے دشمن تو اس سے بھی بڑے ہیں۔'' شردھاوتی نہ
جانے کیا کیا کہہ رہی تھی اور رتنا یہ سوچ رہی تھی کہ بوڑھی عورت کو لات مار کر یہاں سے نکل
پڑے۔ لیکن کہاں؟ ساری باتیں اپنی جگہ۔ اسے اپنے لئے کوئی ٹھکانہ نظر نہیں آتا تھا۔ ایسی
صورت میں بوڑھی عورت اس کے لئے اگر سہارا بن جائے تو اس کے لئے نقصان نہیں
تھا بلکہ فائدہ تھا۔ چنانچہ رتنا خاموش ہو گئی۔ اچانک ہی بوڑھی واپس پلٹی اور بولی۔ ''یہاں
سے کچھ فاصلے پر ایک باغ ہے۔ اس باغ میں ہری سنگھ رہتا ہے اور ہری سنگھ پر میں نے کچھ
احسانات کئے تھے۔ وہ ضرور ہمیں اپنے درمیان جگہ دے گا اور ہمارا ساتھ بھی دے گا۔ ہری
سنگھ اس باغ میں مالی کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ ارے..... یہ ٹھیک ہے! اس کا تو مجھے پہلے
خیال ہی نہیں آیا۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہری سنگھ یہ نہیں جانتا کہ میں شردھاوتی ہوں۔
وہ مجھے بس ماں جی کہتا ہے۔ واہ رے واہ! یہ سمجھ لو کہ زندگی کا صحیح راستہ مل گیا اور جب کسی کو
نقصان پہنچنا ہوتا ہے تو اس طرح راستے بن جاتے ہیں۔ چلو! ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک
ہے..... آ جا!''

پھر، جب شردھاوتی اس باغ تک پہنچی جس کے درختوں پر لگے ہوئے آموں کی مہک
دور دور تک پھیل رہی تھی تو صبح کے اجالے پھوٹ رہے تھے۔ رتنا چلتے چلتے تھک گئی تھی۔ صبح
کی روشنی میں باغ کا مالی سیٹیاں بجا بجا کر پرندوں کو اُڑا رہا تھا۔ درختوں کی چوٹیوں پر مختلف
قسم کے حسین پرندے صبح کے آغاز کی خوشیاں منا رہے تھے۔ اچانک ہی ایک مردانہ آواز
ابھری۔ ''اوہو...... اوہو...... کون ہے.....؟ خبردار! آموں کو ہاتھ مت لگانا۔'' اور پھر رتنا
نے ایک بانکے جوان کو دیکھا۔ لمبا تڑنگا جسم، نوکیلی مونچھیں لیکن چہرے پر معصومیت کی

پرچھائیں۔ ڈنڈا ہاتھ میں لئے اس طرف آرہا تھا۔ شردھاوتی اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ دن کی روشنی میں اس بوڑھی چڑیل کا چہرہ اور نمایاں ہوگیا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں کی سرخی اب سفیدی میں بدل چکی تھی۔ مالی تھوڑا سا آگے آیا۔ اور پھر ایک لمحے کے لئے ٹھٹک گیا۔ پھر زور سے چیخا۔ ''ارے اماں.....تو آگئی؟'' اور اس کے بعد دوڑتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ اس کی نگاہیں بوڑھی عورت کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ''اب کے تو بڑے عرصے کے لئے چلی گئی تھی اماں..... تجھے پتا ہے کہ میں تجھ سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ یاد ہی کرتا رہا تجھے۔ پھر میں نے سوچا کہ تو میری سگی ماں تو نہیں ہے نا۔ سگی ماں ہوتی تو اس طرح چھوڑ کر نہ جاتی۔''

بوڑھی عورت ہنسی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ''اور تو.....تو مجھے برا ہی کہے جانا ہیرا!''

''کتنی بار کہا اماں؟ میرا نام ہیرا نہیں ہے۔''

''تیرا نام کچھ بھی ہے پر جب میں نے تجھے ہیرا کہہ دیا تو تیرا نام ہیرا ہی ہے۔ کیونکہ تو ہیروں کی طرح چمکدار دل کا مالک ہے۔''

''یہ کون ہے اماں؟''

''نواسی ہے میری۔ اس کے لئے تو اس بار اتنی دیر گزر گئی تھی۔'' شردھاوتی نے فوراً ہی کہا۔

''اچھا! اب آجا..... جھونپڑے میں چل! میں تیرے لئے کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتا ہوں۔''

مالی کا جھونپڑا بے مثال تھا۔ بہت کشادہ اور بڑا وسیع گھاس پھونس کا بنا ہوا تھا۔ اتنا اچھا کہ رہنے میں مزہ آئے۔ باہر چوڑا برآمدہ۔ اس کے بعد لمبا چوڑا احاطہ جس میں بکریاں بندھی ہوئی تھیں۔ ہیرا انہیں چھوڑ کر چلا گیا تو شردھاوتی نے رتنا سے کہا۔ ''دیکھ لیا تو نے۔ چل آ..... اب آرام سے آجا اور منہ ہاتھ وغیرہ دھولے۔ تو تو بڑی سندر ہے۔ میں نے پہلے تجھ پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ بالکل میری طرح..... میری جوانی بھی بالکل تیرے جیسی تھی۔ جا! منہ ہاتھ دھولے۔ بیٹھ جا! ہیرا کھانے کے لئے لاتا ہوگا۔''

رتنا نے برآمدے میں آکر پانی کے برتنوں سے پانی نکالا۔ خوب منہ ہاتھ دھویا۔ بال سمیٹے اور اس کے بعد برآمدے ہی کے ایک تخت پر بیٹھ گئی۔ آنکھیں نیند سے جھکی جارہی تھیں مگر بھوک بھی لگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد شردھاوتی خود ہی باہر آگئی۔ اس نے رتنا کو دیکھا۔ پرخیال انداز میں دیکھتی رہی اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیل

گئی۔ نجانے وہ رتنا کے بارے میں کیا سوچ رہی تھی۔ ہیرا کو واپس آنے میں کافی دیر لگی تھی اور اب سورج بلند ہونے لگا تھا۔ ہیرا واپس آیا تو اس کے پاس کھانے پینے کا کافی سامان تھا۔

''ارے! تو نے تو کچھ زیادہ ہی تکلیف کر ڈالی۔'' شردھاوتی بولی۔

''اماں! تو آئی ہے۔ تیرے ساتھ تیری نواسی بھی ہے۔ اب تیرا بیٹا اتنی بھی خدمت نہیں کرسکتا تھا تیری؟ چلو! تم دونوں کھاؤ۔ تیرا نام کیا ہے ری؟'' ہیرا نے براہ راست رتنا سے سوال کیا۔

''رتنا۔'' رتنا بولی اور پوٹلی کھولنے لگی۔

تینوں نے خوب کھایا پیا۔ اس کے بعد شردھاوتی بولی۔ ''جا رتنا! تو اندر جا کر سو جا۔ میں ہیرا سے باتیں کروں گی۔ مجھے نیند نہیں آرہی۔''

''اماں! تو تھوڑی دیر بیٹھ میں ذرا باغ کا چکر لگا کر آتا ہوں۔''

رتنا تو اندر جا کر سو گئی تھی۔ شردھاوتی باہر ہی بیٹھی رہی۔ پھر اس وقت خوب دن چڑھ چکا تھا جب رتنا کی آنکھ کھلی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ جب وہ باہر آئی تو شردھاوتی تخت پر لیٹی ہوئی تھی۔ جاگ رہی تھی۔ رتنا کو دیکھ کر اٹھ گئی اور مسکرا کر بولی۔ ''صبح ہوگئی تیری؟''

''میں بہت دیر تک سوئی ہوں نا..... نانی جی!'' رتنا نے کہا۔

شردھاوتی خوب ہنسی۔ ''یہ تو نے اچھا کیا کہ مجھے نانی جی کہنے لگی۔ چل ٹھیک ہے۔ منہ ہاتھ دھولے۔ وہ کھانا لے آیا ہے ہمارے لئے۔''

''پھر کھانا؟''

''تو اور کیا۔ مگر مس نے اس سے کہہ دیا ہے کہ ہم یہاں کچھ زیادہ دن رہیں گے اور وہ ہمارے لئے کھانا پکانے کا سامان لا دے۔ اکیلا ہے بیچارہ، رشتے ناتوں کو ترسا ہوا۔ بڑا خوش ہے ہم دونوں کے آنے سے۔ کہہ رہا ہے دوپہر کے بعد جائے گا اور سامان لے آئے گا۔ تجھے کھانا پکانا آتا ہے؟''

''نہیں!'' رتنا نے جواب دیا۔

''خیر وہ بھی آجائے گا۔ تو منہ ہاتھ دھولے۔ کھانا کھائیں گے اس کے بعد تو مجھے اپنے بارے میں بتانا۔''

کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد رتنا نے مختصر طور پر شردھاوتی سے کہا۔ ''میں اپنے بارے میں تمہیں کیا بتاؤں نانی جی.....! ماتا پتا مر گئے۔ ایک چھوٹی سی آبادی میں رہتی تھی۔ وہاں سے بھاگے راستے میں زمیندار نے میرے پتا جی کو مروا دیا۔ ماتا جی اور میں ایک غار میں بند ہو گئے۔ اور اس کے بعد بہت عرصہ کے بعد جب میں باہر نکلی تو ماتا جی مر چکی تھیں اور میں بے سہارا رہ گئی تھی۔'' رتنا نے مختصر انداز میں پوری کہانی شردھاوتی کو سنا دی۔

شردھاوتی پر خیال نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔ ''سنسار میں ہلچل مچا سکتی ہے تو..... سنسار میں ہلچل مچا سکتی ہے۔ معصوم ہے۔ اپنے آپ کو نہیں جانتی۔ پر بڑا ہی اچھا ہوا اور بھوانی ماں جو بھی کرتی ہے اچھا ہی کرتی ہے۔ اب دیکھنا تو! ہم کالی کے داس اس سنسار کو اکال کھنڈر نہ بنا دیں تو ہمارا بھی نام نہیں۔ چھ کنبوں سے بدلہ لینا ہے مجھے۔ ان چھ کنبوں نے جو ظلم مجھ پر کیا ہے تو سوچ بھی نہیں سکتی۔ کیا تھی میں۔ کیا بنا دیا ان لوگوں نے مجھے۔ پھر میں نے بہت سے منتر سیکھے۔ ان سے جنگ کرنے کے بارے میں سوچا تو میرے دشمنوں نے مجھے مسلمان عالموں کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے مجھے قید رکھا اور جب مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب ان کی قید سے رہائش مشکل ہے تو میں نے مرنے کا ڈھونگ رچایا۔ سانس روکنا آیا ہے مجھے۔ سانس روک لی میں نے۔ اور جب انہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ میں مر چکی ہوں تو انہوں نے اپنے دھرم کے مطابق مجھے کفن پہنا کر دفن کر دیا۔ لیکن تو نے ایک بار پھر میرا جیون بچا لیا۔ یہ تیرا احسان ہے مجھ پر۔ یہ کہانی پھر تجھے کبھی اطمینان سے سناؤں گی۔ بس تو سمجھ لے ایک سنسار میرا دشمن رہا اور اس دشمنی میں اس نے کیا کیا کر ڈالا میرے ساتھ۔ میرا حلیہ دیکھ رہی ہے تو..... ایسی نہیں تھی میں..... ایسی نہیں تھی۔ مجھے ایسا بنا دیا گیا ہے۔ مجھے ایک بار پھر تیرے روپ میں نیا جیون دیا ہے۔ اب اس جیون سے فائدہ اٹھانا میرا کام ہے۔ چھوڑوں گی نہیں انہیں جن سے بدلے کی بھاونا میرے من میں پروان چڑھ رہی ہے۔ ایک بات بتا رتنا..... کیا تو میرا ساتھ دے گی؟ بول..... میرا ساتھ دے گی تو؟''

رتنا سوچتی رہی۔ ظاہر ہے اس کے پاس قوت فیصلہ نہیں تھی۔ کوئی راستہ ہی نہیں تھا اس کے پاس زندگی گزارنے کا۔ زمانے سے ناواقف، ماحول سے بے خبر۔ اس نے مدھم لہجے میں کہا۔ ''نانی جی..... جیسا آپ کہو گی ویسا ہی کروں گی۔'' پھر وہ خاموش ہو گئی۔

ہیرا بہت اچھا آدمی تھا۔ پہلا دن..... دوسرا دن..... تیسرا دن..... کئی دن گزر گئے اس کی پیشانی پر کوئی شکن بھی نہیں آئی تھی۔ معاملات جوں کے توں چل رہے تھے۔ پھر ایک دن شردھا نے اس سے پوچھا۔ ''ہیرا! کیا حال ہے تیرے جاگیردار کا..... کیسی چل رہی ہے اس کی راجدھانی؟''

''نانی جی! ہم تو دو کوڑی کے غلام ہیں۔ ہماری کیا اوقات ہے..... مہاراج کیسے جیون بتا رہے ہیں ہمیں تو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ بس آپ یوں سمجھ لو کہ چل رہی ہے گاڑی.... اکیلے میں کیا کر سکتے ہیں۔ بہر حال....''

''اچھا! یہ بتا..... آتے ہیں کبھی کبھی؟''

''ہاں ہاں! کیوں نہیں..... اب تو موسم آ رہا ہے۔ مہاراج اس وقت آئیں گے جب آم پک جائیں گے۔ ابھی تو آم پک رہے ہیں۔ تھوڑے دن پہلے دیوان جی آئے تھے اور دیکھ بھال کر کے گئے تھے۔ بس جیون بیت رہا ہے۔''

شردھا خاموش ہو گئی تھی۔ پھر اس نے اسی رات رتنا سے کہا۔ ''رتنا..... جوان ہو گئی ہے تو..... ایک بات بتا مجھے! کیا تیرے من میں جوانی کا احساس نہیں ابھرتا؟''

''سمجھی نہیں نانی جی!''

''میرا مطلب ہے کبھی من یہ نہیں چاہتا کہ کوئی من کا میت ملے؟''

رتنا خاموشی سے کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر بولی۔ ''نانی جی..... کبھی سوچا ہی نہیں اس بارے میں۔ جیون کی ساری کہانی تمہیں سنا چکی ہوں۔ اس کہانی میں کیا ایسا کوئی سمے ہے جو اس طرح کے خیالات من میں پیدا کر دے؟''

''ہاں! یہ تو ہے۔ مگر باؤلی! میں تجھے بتاؤں گی کہ جیون کیا ہے؟ جوانی کیا ہوتی ہے؟ سنسار میں انسان کے من کے میت کیسے ملتے ہیں۔ تو نے اپنی سندرتا کو دیکھا ہے کبھی؟ بھگوان کی سوگند! اگر راجکماریوں کے کپڑے پہن لے تو راجکماری لگے۔ ایسی کہ جو دیکھے من مسوس کر رہ جائے۔ تیرے جیون میں جو صورت حال نکلی ہے، مطلب یہ کہ منش کا خون پینا، گوشت کھانا۔ اس نے تیرے شریر کو ایسا بنا دیا ہے کہ کوئی اسے دیکھے تو دیوانہ ہو جائے۔ دیکھ! منش اگر اپنے آپ کو خلوص اور محبت کے ساتھ کسی کے حوالے کر دے تو بہت مشکل ہوتا ہے ایسا کہ اسے خلوص اور محبت سے چاہنے والے لوگ مل جائیں۔ سنسار اپنے مطلب کی

سوچتا ہے۔ اور اپنے مطلب کے سوچنے والے تجھے لاکھوں مل جائیں گے۔ جوانی اور جوانی کی دین تو تھوڑے ہی عرصہ ساتھ رہتی ہے اس کے بعد بس پھر سمجھ لے کہ پوچھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اگر کوئی چیز سارا جیون ساتھ دے تو وہ ہوتی ہے اپنی عقل اور اپنی عقل سے کام لے کر ساری جوانی اور عمر کے لئے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ میری باتیں سمجھ میں آ رہی ہیں؟'' شردھا نے رتنا کو دیکھا۔

رتنا مسکرا دی۔ بولی۔ ''نانی جی! ہمیشہ ہی من چاہا کہ کوئی مجھے سنسار کی باتیں بتائے۔ بھگوان کی سوگند! مجھے پہلی بار لگ رہا ہے کہ کوئی مجھے میرا اپنا ملا ہے جو صرف اپنا نہیں، میرے بارے میں بھی سوچ رہا ہے۔ آپ..... نانی جی! آپ میری مدد کرو اور مجھے بتاؤ مجھے اس پاپی سنسار کے بارے میں۔ اب جب آپ مجھے ملی ہو تو سنسار کا بہت سا گیان مجھے مل رہا ہے۔ مجھے یاد آ رہا ہے نانی جی کہ کس طرح میرے ماتا پتا کو جیون سے محروم کیا گیا۔ ہاں! نانی جی..... اب ساری باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہیں۔ میری ماتا جی بہت سندر تھیں۔ کنول کے پھولوں کی طرح۔ مجھے یاد ہے..... اچھی طرح یاد ہے۔ اب جبکہ ہوش آیا ہے مجھے تو ساری باتیں من میں آ رہی ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ میری ماتا جی کا منش ہی میرے پتا جی کی موت کا سبب بن گیا تھا اور آخر میں مجھے یہ بھی یاد آ رہا ہے کہ ماتا جی نے مجھے جیتا رکھنے کے لئے اپنا خون پلایا تھا۔ اپنا گوشت کھلایا تھا تا کہ میں زندہ رہوں۔ نانی جی! اب مجھے ساری باتیں یاد آ رہی ہیں اور اس لئے یاد آ رہی ہیں کہ آپ نے میرے من میں پریم جوت جگائی ہے، اس نے مجھے سب کچھ یاد دلا دیا ہے۔ مجھے بتائیے! سنسار کے بارے میں۔''

شردھا نے محبت سے رتنا کو اپنے سینے سے لگا لیا اور بولی۔ ''کھلی کھلی سی بات ہے کہ پاپیوں کو کھا جاؤ۔ انہیں کچا چبا لو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گی تو وہ ایسا کریں گے۔ تم نے اگر انہیں نقصان نہیں پہنچایا تو وہ تمہیں نقصان پہنچا دیں گے۔ یہی ریت ہے اس سنسار کی۔ اس سے پہلے کہ وہ تمہیں نقصان پہنچائیں، تم انہیں نقصان پہنچا دو۔ بس! یہی تمہاری جیت ہے۔''

''میں ایسا ہی کروں گی نانی جی..... میں ایسا ہی کروں گی۔ مجھے بتاتی رہو نانی جی..... سب کچھ بتاتی رہو.....''

''آج سے میں تجھے اصل سنسار کی تصویر دکھاؤں گی۔ بتاؤں گی تجھے کہ سنسار کیا ہے اور اس سے نمٹنے کے لئے تجھے کیا کرنا ہو گا۔''

''میں تمہاری ہر بات کی تعمیل کروں گی نانی جی!'' رتنا نے جواب دیا۔

پتہ نہیں شردھاوتی کا ماضی کیا تھا۔ وہ بڑی پراسرار شخصیت کی مالک تھی۔ جو کچھ اس نے رتنا کو بتایا تھا وہ بھی سنسنی خیز تھا۔ کس نے کیا تھا اس کے ساتھ یہ بات تو رتنا کو معلوم نہیں تھی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ بوڑھی عورت جوانوں سے زیادہ ذہین اور سمجھدار تھی۔ لگتا تھا سینکڑوں سال کا تجربہ اس میں سما گیا ہو۔ اس نے رتنا کو زندگی کے ہر رنگ سے آشنا کر دیا۔ اس نے رتنا کو سکھایا کہ مرد کو لبھانے کے لئے کیا طریقے ہوتے ہیں۔ انسانوں کو اپنے جوتوں پر کیسے سلایا جاتا ہے۔ یہ سارے گر اس نے رتنا کو سکھائے اور رتنا انہیں سیکھتی رہی۔

ادھر ہیرا تھا جو نجانے اپنے دل میں رتنا کے لئے کیا مقام بنا چکا تھا۔ رتنا ساری دنیا سے بے خبر شردھاوتی کے احکامات کی تعمیل کر رہی تھی اور ہیرا ان ساری چیزوں سے بیگانہ اس کے لئے دل میں کیا کیا ارمان سجائے..... بس اس کی پوجا کر رہا تھا۔

یوں وقت آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا تھا۔ ہیرا کی پرستش عروج پر پہنچ گئی تھی۔ ایک رات جب اس سے اپنا دل سنبھالا نہ گیا اور شردھاوتی گہری نیند سو گئی تو ہیرا نے رتنا کو آواز دی جو سونے کے لئے جا رہی تھی۔ رتنا، ہیرا سے کافی بے تکلف ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہ آہستہ سے چلتی ہوئی ہیرا کے پاس پہنچ گئی۔ ''کیا بات ہے ہیرا.....؟''

''رتنا..... ذرا دیکھ! چاند پورا ہو گیا ہے؟''

''وہ تو ہے۔''

''تجھے بڑی عجیب بات بتاؤں؟''

''ہاں! بتا۔''

'وہ جو تین پیڑ سر جوڑے کھڑے ہیں اور ان کے بیچ میں گہرا گڑھا ہے نا..... دیکھا ہے نا تو نے؟ وہ اُدھر.....''

''ہاں ہاں! دیکھا ہے۔ اب تو میں نے سارا باغ ہی دیکھ ڈالا ہے۔''

''رتنا! جب چاند پورا ہوتا ہے نا تو اس گڑھے میں تین پھول کھلتے ہیں۔ ساری رات یہ پھول کھلے رہتے ہیں اور صبح کو ان کا پتہ نہیں ہوتا۔ ہے نا عجیب بات۔'' ہیرا کپکپاتی آواز میں بولا۔

''کیا واقعی ایسا ہے؟''

''اپنی آنکھوں سے دیکھ لے چاہے۔ میں کوئی جھوٹ بول رہا ہوں؟''

''نہیں! ایسی بات نہیں ہے۔ چل! ذرا دیکھوں تو سہی۔''

ہیرا کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ آج جو کچھ وہ کرنے جا رہا تھا، وہ اس کی دیوانگی کی ا
تھی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس جگہ پہنچا۔ گڑھے کے پاس پہنچ کر اس نے کہا۔ ''د
لے جھانک کر!''

رتنا نے جھانک کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ چونک کر رہ گئی اور بولی۔ ''ہیرا!
یہاں تو کوئی پھول نہیں کھلا۔''

''وہ تو مٹی کا گڑھا ہے نا۔''

''تو پھر؟''

''ایک گڑھا میرے من میں بھی ہے۔''

''تیرے من میں؟''

''ہاں!''

''تو پھر؟''

''تینوں پھول اس گڑھے میں کھلے ہوئے ہیں۔ رتنا! میں پریم کرنے لگا ہوں تجھ سے۔
سارا جیون تیرے چرنوں میں وار دینے کے لئے تیار ہوں۔ رتنا! تو یقین کر۔ سارا جیون
تجھے سکھی رکھوں گا۔ ماں جی کبھی میری خواہش سے انکار نہیں کرے گی۔ تو ایک بار میرے من
میں بس جا! رتنا! تو میرے من میں بسی ہوئی ہے۔ ہزار جیون وار دوں گا تیرے جیون پر۔''

رتنا نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وقت خود اپنی آواز ہوتا ہے۔ کہانیاں خود بخود نہیں
بنتیں۔ وقت ان کہانیوں کو آواز دیتا ہے۔ اور اس وقت جو صورت حال تھی وہ بھی بس ایک
کہانی ہی تھی۔ رتنا کی نگاہیں ہیرا کے چہرے پر پڑنے کی بجائے اس کی لمبی گردن پر پڑی
تھیں۔ بائیں سمت ایک رگ پھولی ہوئی تھی اور رتنا کی نگاہیں اس رگ پر جم گئیں۔ اس نے
گہری نگاہوں سے اس رگ میں دوڑتے ہوئے خون کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں نشہ آلود
کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس نے کہا۔ ''ہیرا.... کیا چاہتا ہے تو مجھ سے؟''

''من کی پیاس بجھانا چاہتا ہوں۔ سارا جیون دے دوں گا تجھے۔''

''اگر میں تجھ سے تیرا جیون واقعی مانگوں تو؟''

''مانگ کر دیکھ۔''

''سوچ لے!''

''سوچ لیا۔'' ہیرا نے کہا اور آگے بڑھ آیا۔ رتنا کے دونوں ہاتھ پھیل گئے اور ہیرا سحر
زدہ ہوگیا۔ یہ سحر اس وقت ٹوٹا جب اس کی گردن میں رتنا کے تیز نوکیلے دانت پیوست ہو
گئے اور رگ نے منہ کھول دیا۔ ہیرا بری طرح تڑپا تھا۔ اس کے منہ سے وحشت زدہ آواز
نکلی۔ ''رتنا! یہ کیا..... یہ کیا؟''

لیکن اب وہاں رتنا کہاں تھی؟ ایک خون ریز شیطان ہیرا کی گردن سے لپٹ گیا تھا۔
ایک خوفناک ناگن نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی گردن کی رگ میں پیوست کر دیئے تھے۔
ہیرا نے اپنے مضبوط بدن کی پوری طاقت سے رتنا کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے دور کرنا
چاہا لیکن اسے احساس ہوا کہ پتھر کا ایک وجود، ایک خوفناک فولادی چٹان اس کے سارے
وجود پر حاوی ہے۔ اپنی تمام تر جسمانی قوت، اپنی تمام تر جان سے زور لگا کر اس نے رتنا کو
پیچھے ہٹانا چاہا لیکن رتنا کسی جونک کی طرح اس کے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے ہیرا کی
دونوں ٹانگیں اپنی ٹانگوں میں جکڑ لی تھیں۔ وہ کسی ایسے پہلوان کی طرح چپکی ہوئی تھی جسے لا
تعداد داؤ پیچ آتے ہوں۔ ہیرا کی گردن کا خون اس کے وجود میں منتقل ہو رہا تھا۔ وہ یہ خون
پی رہی تھی اور ہیرا بے سدھ ہوتا جا رہا تھا۔ نجانے کب تک اس نے جدوجہد کی اور اس کے
بعد اس کی جدوجہد سرد پڑ گئی۔ لیکن رتنا اب وہ رتنا نہیں تھی۔ شردھاوتی نے اسے زمانے سے
روشناس کرا دیا تھا۔ یہ بتا دیا تھا اس نے رتنا کو کہ اپنی حفاظت دنیا کا سب سے بڑا کام ہے۔
انسان جو کچھ بھی کرے سب سے پہلے اپنے بچاؤ کا بندوبست کرے۔ اسی میں اس کی زندگی
ہے۔ اور رتنا نے ایسا ہی کیا تھا۔ چنانچہ اب ان تمام چیزوں سے فارغ ہو کر سب سے پہلے
اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ہیرا کی جھونپڑی کے آس پاس جو ساری چیزیں تھیں اس کے
بارے میں اسے ساری معلومات تھیں۔

واپس آ کر اس نے سب سے پہلے شردھاوتی کو دیکھا۔ بوڑھی عورت گہری نیند سو رہی
تھی۔ رتنا نے کچھ بیلچے وغیرہ اٹھائے اور واپس اسی جگہ پہنچ گئی جہاں اب ہیرا کی لاش پڑی
ہوئی تھی۔ وہ گڑھا جس کے بارے میں ہیرا نے بتایا تھا کہ تین پھول کھلتے ہیں اب اس میں
ہیرا کی لاش پڑی ہوئی تھی اور رتنا چاروں طرف سے مٹی سمیٹ کر تین پھولوں والے اس

گڑھے کو بند کر رہی تھی۔ پھر اس نے ٹوٹی ہوئی گھاس اس گڑھے پر لگائی اور اس طرح ا
اوڑھس دیا کہ کسی کو خواب میں بھی خیال نہ ہو کہ اس گڑھے میں کسی انسان کی لاش د
ہے۔ چاند کی روشنی میں تمام چیزوں کا جائزہ لینے کے بعد اس نے اطمینان کی گہری سان
لی، اور ہیرا کی کہانی یہاں ختم ہو گئی۔

دوسری صبح شردھاوتی نے اس سے ہیرا کے بارے میں پوچھا تھا۔ ''وہ کہاں گیا
شاید صبح کا سامان لینے گیا ہو۔''

''پتہ نہیں کہاں گیا ہے۔ کچھ بتا کر نہیں گیا۔ میں تو سو رہی تھی۔'' رتنا نے پرسکون
میں کہا۔ ''آ جائے گا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

مگر ہیرا شام تک واپس نہ آیا۔ رات کو بھی واپس نہ آیا۔ البتہ دوسرے دن کچھ لو
گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں پہنچے۔ وہ ہیرا کو آوازیں دیتے ہوئے وہاں آئے تھے۔ جوا
میں شردھاوتی باہر نکل آئی۔ ''ہاں.... کیا بات ہے بھائی؟''

''ماتا جی..... ہیرا کہاں ہے؟''

''پتہ نہیں! کہیں گیا ہوا ہے۔''

''وہ اصل میں وکرم جی آ رہے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہیرا سے کہیں اچھے اچھے
توڑ کر رکھے۔ وکرم سنگھ مہاراج کسی وقت بھی پہنچ جائیں گے۔''

''ہیرا آ جائے گا تو یہ بات کہہ دوں گی۔''

''ماتا جی! آپ کون ہیں؟''

''ہیرا کی دادی ہوں۔ کافی دن سے یہاں رہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے ماتا جی! آپ یہ بات اس سے کہہ دیں کہ یہ کام وہ فوراً کرے۔ وکرم
مہاراج کسی وقت بھی یہاں آ سکتے ہیں۔''

جب وہ لوگ چلے گئے تو شردھاوتی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔
دروازے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ شردھاوتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور اب پھر امتحا
کا وقت آ گیا ہے رتنا! میں نے جو تجھے اس سنسار کے بارے میں سکھایا ہے، سمجھ لے وہ
انجام دینا ہے۔ کیا سمجھی؟''

''سمجھ گئی نانی جی! مگر بات کیا ہے؟''

''وکرم سنگھ کھنا یہاں آ رہا ہے۔ وکرم کھنا کو اپنے جال میں پھانسنا ہے تجھے۔ سمجھ لے اس کے بعد جاگیرداروں کے محل کے دروازے تجھ پر کھلے ہوں گے اور تیری جگہ باغ کا یہ جھونپڑا نہیں بلکہ کھنا ہوگا۔ تجھے راج کماریوں کی طرح جیون بتانا ہے۔ بعد میں بتاؤں گی کہ تجھے کیا، کیا کرنا ہے۔ کیا سمجھی؟''

''میں تیار ہوں نانی جی!''

''نہیں! تو تیار نہیں ہے۔ میں تجھے تیار کروں گی۔'' اور اس کے بعد شردھاوتی غائب ہو گئی۔ یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ بوڑھی عورت کہاں گئی ہے۔ ویسے کئی بار پہلے بھی وہ غائب ہو گئی تھی۔ پھر جب وہ واپس آئی تو اس کے ساتھ کافی سامان تھا۔ اس نے کہا۔ ''رتنا! میں تیرا سنگھار کروں گی۔''

رتنا کو اس عورت کی صلاحیتوں کا آہستہ آہستہ احساس ہونے لگا۔ شردھاوتی اس کا سنگھار کرنے لگی۔ رتنا کے ڈھیلے ڈھالے بالوں کی اس نے چوٹی گوندھی۔ اس چوٹی میں اس نے گلاب کے پھول پروئے۔ پھر کچھ پھول اس کے بالوں میں لگائے۔ گہرے رنگ کا لباس اسے پہنایا اور اس کے بعد عجیب سی نگاہوں سے اس نے رتنا کی طرف دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ''بھگوان کی سوگند! مرد ہوتی تو اسی جگہ جیون وار دیتی تجھ پر۔ ایسی سندر لگ رہی ہے تو کہ تجھے انسان دیکھے تو مر جائے۔ جینے کی تمنا کھو دے۔''

رتنا مسکرا دی۔ پھر بولی۔ ''نانی جی! اس سے پہلے تو میں نے کبھی اپنے آپ پر غور نہیں کیا تھا آج تم نے مجھے نہ جانے کیا سے کیا بنا دیا۔''

''اس کی ایک وجہ ہے۔''

''کیا وجہ ہے نانی جی؟''

''وکرم کھنا آ چکا ہے۔ چاندنی راتیں ہیں۔ نہ جانے کس سمے ادھر کا رُخ کرے۔ تجھے تیار رہنا ہوگا۔ کیا سمجھی؟''

''ٹھیک ہے۔''

وکرم کھنا رات کو تو نہیں آیا لیکن صبح کو شردھاوتی نے کچھ تحریک دیکھی اور جلدی سے رتنا کو ہوشیار کر دیا۔ موسم بہت خوبصورت تھا لیکن آسمان پر بادل چھائے ہونے کی وجہ سے بھیگا بھیگا تھا۔ شردھاوتی نے رتنا کو اتنا چالاک کر دیا تھا کہ رتنا ہر بات سے پوری واقفیت رکھتی

تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے بہت بڑا کام کرنا ہے۔ شردھا نے اسے بہت کچھ سمجھایا۔ اسے اندازہ تھا کہ اگر آج اس نے وکرم کھنا کو متاثر کرلیا تو اس کا مستقبل بن جائے گا۔

وہ باغ کے ایک خوبصورت گوشے میں پہنچ گئی۔ درختوں پر کوئل کوک رہی تھی۔ وہ خاموش کھڑی اس کوئل کی کوک کو سنتی رہی۔ پرندے اس موسم کے حسن کا پورا پورا لطف لے رہے تھے۔ بادل کچھ اور گہرے ہو گئے تھے۔ اچانک ہی اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے بعد فنکارہ کا فن آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ سہما ہوا حسن۔ اتنا حسین کہ دیکھنے والا دیوانہ ہو جائے۔ خالی آنکھوں میں خوف کے سائے اس حسن میں اضافے کا باعث بنے اور سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے دل تھام لیا۔

رتنا کی سہمی سہمی نگاہیں اسے دیکھ رہی تھیں۔ خوبصورت سلک کے لباس میں ملبوس جو شخص کھڑا تھا اس کا قد بہت لمبا تھا۔ بال بہت خوبصورت جن میں کنپٹیوں کے پاس سفیدی جھلک رہی تھی۔ بارعب چہرہ، حیرت سے سمٹے ہوئے ہونٹ، خوش رنگ۔ دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ واقعی بڑی جاگیر کا مالک ہے۔ شان تھی کہ پورے وجود سے ٹپکتی تھی۔ خود رتنا نے اتنا شاندار مرد زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کی نگاہیں دیکھنے والے کو دیکھ رہی تھیں۔ لگتا تھا کہ اس کا سحر توڑ دیا گیا ہو۔ آہستہ آہستہ اس کے چہرے سے خوف کے آثار ہٹے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''تم نے مجھے ڈرا ہی دیا۔''

وہ بھی چونکا۔ رتنا کی مسکراہٹ نے..... اس کے دلنواز تبسم نے اس سے خوف چھین لیا۔ اس بے تکلفی پر وہ مر مٹا۔ اس کی آنکھوں میں زندگی لوٹ آئی۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔ ''کیا اپسرائیں اس طرح دھرتی پر آتی ہیں؟''

''میرا نام اپسرائیں نہیں، رتناوتی ہے۔'' رتنا نے ہنس کر کہا۔ لگا جیسے جلترنگ بج اٹھا ہو۔ دل کے تار چھڑ گئے ہوں۔ تمام سے واقف تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''میں تو آکاش سے نہیں اتری۔ مگر لگتا ہے تم دھرتی پر اترے ہو۔''

جواب میں ادھر بھی ہنسی ابھری۔ پھر پوچھا گیا۔ ''کیوں؟''

''مجھے تو پتہ نہیں تم یہاں کیسے پہنچے؟''

''تم کوئل کی کوکو میں اُلجھی ہوئی تھی۔ ورنہ میرے آنے کی آواز ضرور سن لیتیں۔''

''کوئل کتنی سندر ہوتی ہے۔ کیسی سندر آواز دی ہے بھگوان نے اسے۔''

''مگر تم کون ہو؟ یہ وکرم کھنا کے باغ میں آموں کی تو تعریف سنی ہی تھی اس کے باغ میں یہ حسن کہاں سے ابھر آیا؟''

''اے..... اے..... اے..... تم وکرم مہاراج کا نام ایسی بے تکلفی سے کیوں لے رہے ہو؟ وہ مہاراج ہیں ہمارے۔''

''اچھا..... تمہارے مہاراج ہیں وہ۔''

''تو اور کیا۔''

''مگر تم ان کی کون ہو؟''

''ہم..... ہم تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ لیکن وہ ہمارے مہاراج ضرور ہیں۔''

''کہاں سے آئی ہو؟''

''لو! آتے کہاں سے.....؟ یہیں رہتے ہیں۔''

''ہیرا کے پاس؟''

''ہاں! تم ہیرا کو جانتے ہو؟''

''ہاں! کبھی کبھی آجاتے ہیں۔ ہیرا ہمارا بڑا اچھا دوست ہے۔ کہاں ہے وہ؟''

''پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے وہ بغیر بتائے۔ نانی جی بھی پریشان ہیں اس کے لئے۔''

''اچھا..... اس لئے ہمیں نہیں ملا۔''

''سنو..... ذرا بات سنو! وہ نہیں ہے تو ہم جو ہیں باغ کی رکھوالی کے لئے۔ یہ باغ ہمارے مہاراج وکرم کھنا کا ہے۔''

''ارے ہوگا..... ہم بھی کسی مہاراج سے کم نہیں۔ ہم وکرم کھنا سے زیادہ دولت مند ہیں۔''

''ہوگے..... ہوگے..... پر وہ ہمارے مہاراج ہیں۔ تم جاؤ یہاں سے۔ ہم تمہیں ایک آم بھی نہیں دیں گے۔''

وہ مڑ کر جانے لگی تو آواز ابھری۔ ''میری بات تو سنو رتناوتی..... میری بات تو سنو!''

''کیا ہے؟''

''کیا میں اتنا برا ہوں کہ تم دو منٹ بھی مجھ سے بات نہیں کر سکتی؟''

''کر تو سکتے ہیں مگر ہمیں..... تم نے ہمارے مہاراج کو برا کہا اس لئے ہم برا مان گئے۔''

جواب میں وہ بھی مسکرا دیا۔ پھر بولا۔ ''بات تو سنو..... جا کہاں رہی ہو؟''

''وہ جھونپڑی ہے نا ہماری۔''

''ہیرا کی جھونپڑی؟''

''ہاں!''

''ہیرا تمہارا کون ہے؟''

''بھائی ہے..... نانی جی ہمارے ساتھ ہیں۔ اس سے پہلے ہم کہیں اور رہتے تھے لیکن اب ہم ہیرا کے پاس آ گئے ہیں۔ یہیں رہتے ہیں۔''

''اچھا! ایک بات بتاؤ۔ کھنا مہاراج سے ملو گی؟''

''کیا وہ بھی آئے ہیں؟'' رتنا نے دلچسپی سے پوچھا۔

''نہیں! وہ تو نہیں آئے۔ لیکن ہم تمہیں ان کے پاس لے جا سکتے ہیں۔''

''ارے جاؤ جاؤ..... تم کیا لے جاؤ گے۔ ہم نہیں جاتے تمہارے ساتھ وہاں۔ ہمارے مہاراج اگر ہمیں کبھی بلائیں تو دوسری بات ہے۔''

''مہاراج تمہیں بلائیں گے تو جاؤ گی ان کے پاس؟''

''اب تمہیں اپنے مہاراج کی باتیں کیوں بتائیں؟ اب چلتے ہیں۔'' یہ کہہ کر رتنا واپسی کے لئے مڑی اور تیز رفتاری سے اپنی جھونپڑی کی طرف بھاگ گئی۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ وکرم کھنا کو زندگی سے محروم کر آئی ہے۔

درحقیقت وکرم کھنا دیوانہ ہو گیا تھا اور جب وہ واپس مڑا تو اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ تجھے کیا معلوم بیوقوف! وکرم تیرا غلام بن گیا ہے۔ نجانے تو اب تک کہاں تھی؟ نجانے اب تیرے بغیر کیسے کریں گے گزارہ۔ وہ عجیب وغریب انداز میں دیر تک کھڑا رہا۔ اور اس کے بعد لڑکھڑاتے قدموں سے واپس پلٹ گیا۔ لیکن اس کے فرشتوں کو بھی یہ بات معلوم نہیں تھی کہ دو پراسرار آنکھیں، دو سرخ آنکھیں جو ایک بھیانک چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں اس کا بغور جائزہ لے رہی ہیں۔ مڑی ہوئی ناک کے نیچے ایک خوفناک مسکراہٹ پھیل گئی ہے۔ وہ واپس چلا گیا۔ لیکن اس کے دل میں بہت سے احساسات، بہت سی خواہشیں جنم لے رہی تھیں۔ پھر اپنی جاگیر پر پہنچ کر اس نے اپنے سب سے قریبی اپنے راز دار تیواڑی لال کو طلب کر لیا۔ تیواڑی لال اس کی برائیوں کا ساتھی تھا

اور دنیا بھر کی نیک نامی کمانے کے بعد وکرم کھنا جب تیواڑی لال کو طلب کرتا تھا تو یقیناً اس کے پیچھے کوئی برا تصور ہوتا تھا۔

تیواڑی لال اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مہاراج! جب مجھے بلاتے ہیں تو میں اپنے چاروں طرف دیکھتا ہوا آتا ہوں۔ یہ سوچتا ہوں کہ وہ کون سی اپسرا ہے جو مہاراج کے من کو بھا گئی ہے اور اسے مہاراج کے لئے حاصل کرنے میں مجھے کیا مشکل پیش آ سکتی ہے۔ کہئے مہاراج! کیسے بلایا؟''

''تم باتیں بہت بناتے ہو تیواڑی! فضول باتوں سے گریز کیا کرو۔ مجھے زیادہ فضول باتیں پسند نہیں ہیں۔''

''تو پتہ بتا دیں مہاراج!''

''سنو.....!'' وکرم کھنا، تیواڑی لال کو ساری تفصیلات بتاتا رہا۔ تیواڑی لال غور سے سنتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی کوئی مشکل کام ہے؟''

''جاؤ! اپنا کام شروع کرو۔''

تیواڑی لال نے اپنا کام شروع کر دیا اور اس کے بعد وہ نجانے کس طرح شردھا تک پہنچا۔ شردھا تو اس کا انتظار ہی کر رہی تھی۔ تیواڑی لال نے بوڑھی عورت سے کہا۔ ''دیکھو بوڑھی عورت! ابھی تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ تم کیسا گوہر نایاب اپنے جھونپڑے میں لئے بیٹھی ہو۔ قسمت بار بار مہربان نہیں ہوتی۔ اگر قسمت مہربانی کرے تو جیون بدل جاتا ہے۔ ایک بوڑھے بدن کے ساتھ تمہیں جھونپڑے میں رہتے ہوئے تکلیف نہیں ہوتی؟''

شردھا نے کہا۔ ''کیوں نہیں ہوتی مہاراج! جوان نواسی رہتی ہے۔''

رتنا نے کہا۔ ''ہمارے پاس نانی ہیں۔ ہمیں اس کی دیکھ بھال بھی کرنا پڑتی ہے۔ پر کیا کریں؟ بس! جو بھوانی ماں کی مرضی۔''

''بھوانی ماں نے تمہارے بھاگ جگا دیئے ہیں۔ چلو اٹھو..... ایک ایسی شخصیت نے تمہیں بلایا ہے سنو گی تو حیران ہو جاؤ گی۔''

''کون ہے وہ؟''

''وکرم کھنا مہاراج..... نام سنا ہے تم نے ان کا؟''

''جھونپڑوں میں رہنے والے، بڑے لوگوں کا کیا نام سنیں گے مہاراج.... پر آپ کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہی ہوگا۔ لیکن انہوں نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟''

''یہ بعد کی باتیں ہیں۔ یہ بتاؤ! چلو گی؟''

''مہاراج.....سنسار سے اس طرح رشتہ ٹوٹ گیا ہے کہ کوئی پوچھنے والا بھی نہیں رہ گیا۔ کوئی پوچھے تو اسے ٹھکرایا کیسے جا سکتا ہے۔''

''تو پھر تیاری کرو۔''

شردھاوتی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پہلی کامیابی اسے حاصل ہوئی تھی۔ وکرم کھنہ کی عظیم الشان حویلی پوری محل کا محل تھی۔ اور اس محل میں ایک ایسی جگہ ان لوگوں کو ملی تھی جہاں سے محل کے آس پاس وکرم کھنہ کی جاگیر کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ بہت بڑے جاگیردار تھے وکرم کھنہ..... اور بہت خوبصورت جگہ تھی ان کی جہاں چاروں طرف زندگی ہی زندگی تھی۔ تانگے، موٹریں، بھرے پرے بازار، بانکے سجیلے لوگ۔

حویلی میں عقبی حصے سے اندر داخل ہو کر ان دونوں کو اس کوارٹر میں پہنچا دیا گیا جو حویلی کے خاص ملازمین کے لئے تھا۔ کوارٹر بھی جاگیردار نے اپنی حیثیت کے مطابق بڑی خوبصورتی سے بنوائے تھے۔

تیواڑی لال جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ چنانچہ اس نے قرب و جوار کے لوگوں کو بتایا کہ اس کی ایک رشتے دار آئی ہے اور یہاں رہے گی۔

شردھاوتی کو جب رہنے کی جگہ ملی تو اس نے رتنا سے کہا۔ ''دیکھ رتنا! تیرا جیون میں نے اپنے کندھوں پر لے لیا ہے۔ جو کچھ تجھ پر بیتی ہے وہ ایک الگ بات ہے۔ اپنا جیون اگر شانت سے گزارنا چاہتی ہے تو بس سمجھ لے کہ شردھاوتی کے کہنے پر ہاں کرنا۔ تجھے ہر آسائش ملے گی۔ میری فکر مت کرنا۔ اور اگر کبھی کوئی ایسی انہونی بات دیکھے جو تیری سمجھ میں نہ آئے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' بات بھی کوئی ایسی نہیں تھی جو باعث پریشانی ہو۔ ابھی تک اس کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ اس نے کیا کھویا ہے، کیا پایا ہے۔ وہ تو بس اپنی معصوم زندگی کو ایک بہتر رنگ دینا چاہتی تھی۔

☆.....☆.....☆

تیواڑی لال نے وکرم کھنہ کو بتا دیا کہ کام ہو گیا ہے۔ لیکن جو کھایا جائے وہ ٹھنڈا کر کے کھایا جائے اسی میں آسانی ہے۔ وکرم کھنہ بھی قرب و جوار کے حالات سے محتاط تھا۔ چنانچہ اس نے بھی مطمئن ہو کر گردن ہلا دی اور کہا کہ ابھی وہ جلد بازی نہیں کرنا چاہتا۔ گوہر نایاب مٹھی میں آ گیا ہے بس اتنا ہی کافی ہے۔

چنانچہ رتنا اب یہاں اس حویلی میں مقیم ہو گئی۔ ایک صبح جب وہ جاگی تو شردھا موجود نہیں تھی۔ شردھا کیا چیز تھی، اس کا ماضی کیا تھا؟ رتنا کو معلوم نہیں تھا لیکن کچھ رتنا نے بھی کبھی شردھا کا ماضی تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ سب کچھ اس کی فطرت میں نہیں تھا۔ بس دو وقت کی روٹی، صاف ستھرا کپڑا۔ ہاں! خون کی طلب فطرت کا ایک حصہ تھی۔ لیکن وہ اتنی جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی۔ بس ایک بار وجود میں انسانی خون اتر جائے تو کافی عرصہ چل جاتا تھا۔ دو دن گزر گئے۔ شردھا بھی واپس نہیں آئی تھی۔ ملازمین اس کے لئے کھانے پینے کی چیزیں لاتے تھے۔

ایک دن وہ اپنے کوارٹر کے دروازے کے پاس آئی اور تھوڑا سا دروازہ کھول کر جھانکا۔ ایک خوبصورت لڑکی سامنے سے گزر رہی تھی۔ رتنا نے اسے آواز دی اور لڑکی رک گئی۔ رتنا نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ لڑکی اپنی جگہ حیران رہ گئی تھی۔ تب رتنا ہنس کر بولی۔

''ارے! وہاں کیا کھڑی ہو..... انسان ہوں۔ تمہیں تو ایسا لگ رہا ہے جیسے بھوت دیکھ لیا ہو۔''

لڑکی آہستہ آہستہ قریب آ گئی۔ پھر اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے رتنا کو دیکھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''بھگوان کی سوگند! راجا اندر کے اکھاڑے کی بات ہی سنی تھی، کوئی اپسرا اوپر سے نیچے آ پڑے گی اور اس گھر میں آ جائے گی کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ کیا تم مہاراج تیواڑی لال کی رشتے دار ہو؟''

''ہاں.....وہ میرے ماما جی لگتے ہیں۔'' رتنا نے کہا اور ہنس پڑی۔ لیکن لڑکی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ گہری نگاہوں سے رتنا کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''ایک بات بتاؤ گی؟''

''تم اندر تو آؤ۔ بیٹھو میرے ساتھ! اکیلی ہوں۔'

''اکیلی رہتی ہو یہاں؟''

''نہیں! نانی جی بھی رہتی ہیں یہاں۔ کہیں چلی گئی ہیں وہ۔''

''تیواڑی لال کے بارے میں تو بتاؤ کہ ان سے تمہارا کیا رشتہ ہے.....؟'

''میں نے کہا ماما جی ہیں۔''

''سگے؟''

''ہوں.....''

''واہ رام! ایک بات کہوں تم سے.....کیا نام ہے تمہارا؟''

''رتنا۔''

''رتنا! تم غلط جگہ آ گئی ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''ہمارے مہاراج بڑے نظر باز ہیں۔ اور.....اور.....مگر اپنے ماما جی سے یہ بات مت کہہ دینا نہیں تو میری گردن ہی کٹ جائے گی۔''

''تم چنتا مت کرو۔ بتاؤ تو سہی کہ کیا بات ہے؟''

''مہاراج وکرم سنگھ نے تمہیں دیکھ لیا تو تمہاری خیر نہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ اس پوری حویلی میں تمہارے جیسی سندر ایک بھی نہیں ہے۔ اگر انہوں نے دیکھ لیا تو دیوانے ہو جائیں گے۔ اور پھر تجھے ان کی داسی بننا پڑے گا اور بڑی مشکل ہو جائے گی مجھے تو۔''

''ہائے رام.....پھر میں کیا کروں.....؟''

''میں کیا بتاؤں تجھے.....نانی جی کب آئیں گی تیری؟''

''پتہ نہیں! ویسے تم کون ہو؟''

''نوکری کرتی ہوں یہاں۔ حویلی کے بہت سے کام کرتی ہوں۔''

''مگر تم جو بات کہہ رہی ہو وہ تو بڑی خوفناک ہے۔ یہ بتاؤ! وکرم کھنا مہاراج کہاں

ہوتے ہیں؟ میں تو ان کے سامنے بھی نہیں جاؤں گی کبھی۔''

''بس! ذرا احتیاط رکھنا۔ اور کیا بتاؤں تجھے؟''

''تم نے تو مجھے ڈرا دیا ہے۔''

''ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ بس تو اتنی سندر ہے کہ لگتا ہے چندرما دھرتی پر اتر آیا ہے۔''

''تو نے نام نہیں بتایا اپنا۔''

''کامنی ہے میرا نام۔''

''کامنی! میری سہیلی بن جاؤ۔ میں بڑا اکیلا محسوس کرتی ہوں یہاں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تیری مدد کروں گی۔'' کامنی باہر نکل گئی اور اس کے بعد کامنی اس سے دن میں کئی بار ملی۔ بڑی اچھی دوستی ہو گئی تھی ان کے بیچ۔ وکرم کھنا اپنی کچھ ایسی مصروفیات میں مبتلا ہو گیا تھا کہ ابھی تک اس نے رتنا پر توجہ نہیں دی تھی۔ ادھر کامنی، رتنا سے بہت بے تکلف ہو گئی تھی۔

ایک دن کامنی نے رتنا سے کہا۔ ''رتنا! تیری نانی جی تو ایسے غائب ہو گئیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ! ویسے ایک بات ہے۔ اگر مہاراج وکرم کھنا تجھے مل جائیں اور تو انہیں اپنے جال میں پھانس لے تو رانی بن سکتی ہے اس راج محل کی۔ تب یہ ساری حویلی تیرے قبضے میں ہو گی۔ وکرم کھنا مہاراج تجھے رانی بنائیں گے۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''میں بتاؤں گی تجھے کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ صبح چھ بجے کھنا مہاراج پچھلے باغ میں سیر کو آتے ہیں۔ اس سمے کسی اور کو باغ میں جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ میں بھی بعد میں جاتی ہوں۔ اگر تو باغ کے کسی کونے میں چھپ جائے اور وہ تجھے دیکھ لیں تو سمجھ لے کام بن سکتا ہے۔''

''تو مجھے وہاں پہنچا دے گی کامنی؟''

''کیوں نہیں؟ تیری سہیلی جو ٹھہری۔''

''مگر میرے پاس تو اچھے کپڑے بھی نہیں ہیں۔''

''تو کیا فرق پڑتا ہے؟ تو ہاں کہہ۔ میں سب کچھ کروں گی۔''

تقدیر کچھ نئی کہانیاں ترتیب دے رہی تھی بنسی راج نے ایک گھرانے کو تباہ کیا تھا۔ وہ

اپنے بیٹے سے محروم ہو گیا تھا۔ رتنا جوں کی توں تھی۔ برائی کرنے والے راستے سے ہٹ رہے تھے۔ پھر شردھا ملی تھی۔ شردھا کیا تھی یہ تو وہ جانتی تھی۔ اس نے صرف ایک بات کہی تھی کہ چھ گھرانوں سے انتقام لینا ہے اور اس انتقام کے لئے اس نے رتنا کو اپنا آلہ کار بنایا تھا۔ مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ رتنا کیا چیز ہے اور آگے کیا ہونے والا ہے۔

بہرحال کامنی اس کے لئے اچھے راستوں کا انتخاب کر رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے کامنی نے وہ خوبصورت لباس تیار کروایا جو تھا تو معمولی سے کپڑے کا لیکن رتنا کے جسم پر جا کر نجانے کیا سے کیا بن گیا تھا۔ کامنی نے یہ لباس پہنے رتنا کو دیکھا۔ پھر مسکرا کر بولی۔

''بھگوان کی سوگند! اگر میں مرد ہوتی تو تجھ پر اپنا جیون وار دیتی چاہے کھنا مہاراج میری گردن ہی کیوں نہ کٹوا دیتے۔ لیکن تیرے لئے ضرور جیون دے دیتی۔''

''چل ہٹ..... تو میری سکھی ہے۔ ایسی بات کیوں کرتی ہے؟''

''بہرحال! اب تجھے جانا ہے۔ ہوشیار رہنا۔ بس یہ سمجھ لے تیرا کام ہو جائے گا۔''

پھر دوسرے دن صبح ہی صبح رتنا تیار ہوئی اور اس کے بعد وہ عقب کی جانب چل پڑی۔ اس نے وہاں وکرم کھنا کو دیکھا اور چھپ کر کھڑی ہو گئی۔ یہ اندازہ تو اسے پہلے ہی ہو چکا تھا کہ وکرم کھنا وہی شخص تھا جس نے اس سے ملاقات کی تھی لیکن یہاں پھر اس نے اداکاری کی اور چونک کر بولی۔ ''تم..... تم یہاں کیسے آ گئے؟''

وکرم کھنا بھی اسے دیکھ کر پہلے ہی دنگ رہ گیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کیوں..... کیا ہم یہاں نہیں آ سکتے؟''

''بھاگ جاؤ..... جلدی بھاگ جاؤ۔ جانتے ہو یہ کون سی جگہ ہے، یہاں وکرم کھنا مہاراج رہتے ہیں۔''

''اگر رہتے بھی ہیں تو ہمارا کیا بگاڑ لیں گے۔''

''دیکھو! تم بھاگ جاؤ۔ وکرم کھنا بہت بڑے آدمی ہیں۔ جان سے مروا دیں گے تمہیں۔''

''تو ٹھیک ہے۔ اگر تمہارے لئے جان بھی چلی جائے تو کم ہے۔'' وکرم کھنا نے کہا۔

''تمہیں جان کی بھی پرواہ نہیں ہے؟''

''تمہارے سامنے بالکل نہیں ہے۔''

''دیکھو..... نکل جاؤ۔ اچھا نہیں ہوگا ورنہ۔''

''بس ٹھیک ہے..... اگر تم کہتی ہو تو چلے جاتے ہیں۔ یہ بتاؤ دوبارہ کب ملو گی ہمیں؟''

''کبھی نہیں..... سمجھے! کبھی نہیں.....''

''وجہ؟''

''وجہ بعد میں بتاؤں گی۔'' اور پھر وہ واپسی کے لئے چل پڑی۔ وکرم کھنا دل پر ہاتھ رکھے رہ گیا۔

دوسرے ہی دن اس نے تیواڑی لال سے کہا۔ ''تیواڑی لال! وقت گزر رہا ہے اور ابھی تک ہمیں رتنا حاصل نہیں ہوئی۔ کیا کر رہے ہو تم؟''

''مہاراج! آپ تو خود مصروف تھے۔ ورنہ اب تک کبھی کا اسے آپ کے پاس پہنچا دیا ہوتا۔''

''تم اسے تیار کر کے آج ہمارے پاس لے آؤ۔'' وکرم کھنا نے کہا اور تیواڑی لال نے وعدہ کر لیا۔

پھر اس رات شردھا، رتنا کے پاس پہنچ گئی۔ اس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی۔ وہ بولی۔ ''رتنا..... تیرا کام بڑی خوبصورتی سے ہو رہا ہے۔ اب تو وکرم کھنا کے پاس جا رہی ہے۔ تو نے بڑی چالاکی سے اس پر قبضہ جما لیا ہے۔ لیکن پھر بھی ہوشیار رہنا۔''

''مگر نانی جی! آپ کہاں رہ جاتی ہیں؟''

''تم سے بالکل دور نہیں ہوں۔ یہاں کے حالات کا جائزہ لے رہی ہوں۔ یہ دیکھ رہی ہوں کہ کون کون تیرے راستے میں آ سکتا ہے۔ بس تو یہ سمجھ لے کہ آنے والا وقت تیرے لئے بڑی حیثیت کا حامل ہے۔ میں بتا چکی ہوں تجھے کہ جو کچھ میں حاصل کرنا چاہتی تھی وہ میں حاصل نہیں کر سکی۔ پھر میں نے اپنے آپ کو تیرے روپ میں ڈھال لیا ہے۔ اور اب رتنا..... رتنا نہیں۔ شردھا وتی ہے۔ اور شردھا وتی، شردھا وتی نہیں ہے۔ اب رتنا ہے۔ جو کچھ میں حاصل کرنا چاہتی ہوں تیرے روپ میں حاصل کر رہی ہوں۔ بڑے لمبے چوڑے کام ہیں میرے۔ لیکن تجھے آہستہ آہستہ ہی ساری باتوں کا علم ہو گا۔ تو واپس آئے گی تو میں تجھے ایک تحفہ پیش کروں گی۔''

''کیسا تحفہ نانی جی؟''

"بس! تو یہ سمجھ لے کہ جس طرح تو اپنے رنگ و روپ کی حفاظت کرتی ہے، میں بھی ای
ہی کروں گی۔"

پھر تیواڑی لال نے اپنا کام شروع کر دیا۔ رتنا سے شاید اسے بات کرنے کی ضرور
پیش نہیں آئی تھی۔ شردھا اس مسئلے پر خود سارے کام کر رہی تھی۔ پھر تیواڑی لال نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کیا بتائیں..... رتنا! اگر تو مہاراج کو پسند نہ ہوتی تو بھگوا
کی سوگند! ہم تجھے اپنے دل کی رانی بنا لیتے۔ پر جس کی تقدیر میں جو ہو، وہی ملتا ہے۔"

چند عورتوں نے رتنا کا سنگھار کیا۔ انہوں نے رتنا کے بال بال میں موتی پروئے۔ اس
کے بانکپن میں مزید اضافہ ہو گیا۔ حسین رنگ کی ساڑھی، پھولوں کے گجرے کلائیوں
سجائے گئے۔ بلا شبہ اس وقت وہ آسمان سے اتری ہوئی کوئی اپسرا ہی معلوم ہو رہی تھی۔ انسانی آنکھوں نے ایسا حسن کہاں دیکھا تھا؟ بیچاری نے کہاں سے آغاز کیا تھا کس طر
اس کی زندگی میں ایک برا وقت آیا تھا اور کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ لیکن اب وہ خو
شردھاوتی کی تربیت میں اس قدر تیز اور چالاک ہو چکی تھی کہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا
چاہتی تھی۔

تیواڑی لال نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا۔ غالباً وہ اپنے ذہن میں شیطان کو جا
نہیں دینا چاہتا تھا۔ البتہ ایک خوبصورت رتھ میں راستہ طے کرتے ہوئے اُس نے کہا
"بھگوان کی سوگند! تجھے دیکھ کر مہاراج سے غداری کرنے کو جی چاہتا ہے۔ پر کیا کریں
ہمت نہیں کر سکتے۔"

پھر وہ ایک جگہ پہنچ گئے۔ وکرم کھنا نے اپنی راتوں کو رنگین بنانے کے لئے بڑ
زبردست انتظامات کر رکھے تھے۔ محل کے عقبی حصے کے پراسرار دروازے سے داخل ہو
کے بعد وہ آگے بڑھنے لگے۔ ایک لمبی سرنگ تھی جو پیچ در پیچ لمبی چلی گئی تھی۔ اس دوران ر
نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ وہ خاموشی سے مشینی انداز میں چل رہی تھی۔ یہ سرنگ
سیڑھیوں پر جا کر ختم ہو گئی اور اس کے بعد جب وہ سامنے پہنچی تو اسے ایک بہت بڑا کمرہ نظ
آیا۔ کمرہ کیا تھا، ایک بہت بڑا ہال تھا جسے دنیا بھر کی آسائشوں سے آراستہ کر دیا گیا تھا
سنگ مرمر کے برہنہ مجسمے، اس کے علاوہ سونے کا ایک پلنگ جو خوبصورت پردوں
آراستہ تھا۔

تیواڑی لال نے کہا۔ "اگر کھنا مہاراج تجھ سے خوش ہو گئے تو پھر سمجھ لے کہ یہ دھرتی
تیرے لئے سورگ بن جائے گی۔ کیا کریں..... بس! کیا، کیا جائے۔" تیواڑی لال کے
لہجے میں بڑی حسرت تھی۔ لگ رہا تھا جیسے وہ سخت محرومی محسوس کر رہا ہو۔ بہر حال..... تھوڑی
دیر کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا اور رتنا یہاں تنہا رہ گئی۔ اور اب اسے وکرم سنگھ کی آمد کا
انتظار تھا۔ وہ ہر طرح کی چالاکیوں سے آراستہ تھی۔ شردھاوتی نے اسے بہت کچھ سکھایا تھا
اور بتا دیا تھا کہ زندگی کیا ہوتی ہے۔ ذرا سی لغزش، ذرا سی کمزوری انسان کو نجانے کیا سے کیا
بنا دیتی ہے اور وہ کبھی اپنی صحیح قیمت وصول نہیں کر پاتا۔ اور اگر تھوڑی سی عقل سے کام لیا
جائے تو یہی زندگی اس کے لئے جنت بن جاتی ہے۔

بہر حال..... ساری باتیں اپنی جگہ۔ رتنا، جس کی زندگی کا آغاز بالکل ایسے ہی ہوا تھا
جیسے معصوم بچے ماں کی آغوش میں پرورش پاتے ہیں۔ اور اس کے بعد وقت اور حالات
انہیں دنیا کا سب سے بڑا مجرم بنا دیتے ہیں۔ پتا نہیں! بیچاری رتنا کے ساتھ یہ سب کچھ
کیوں ہوا تھا۔ وہ تو معصومیت کی آغوش میں پروان چڑھی تھی۔ اور معصوم راستے سے ہی اس
نے اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ یہ بنسی راج تھا..... شیطان بنسی راج..... جس نے اپنی ہوس
کی خاطر نہ صرف معصوم خاندان کو تباہ کر دیا تھا بلکہ دنیا کے لئے ایک ایسے شیطان کو جنم دیا تھا
جو آگے چل کر نجانے کیسے کیسے غضب ڈھانے والا تھا اور آنے والے وقت میں نجانے اس
کے ہاتھوں کیا کیا خوفناک کام سرانجام ہونے تھے۔

بہر حال..... تھوڑی دیر کے بعد وکرم کھنا اندر داخل ہوا۔ رتنا سارے ہتھیاروں سے لیس
موجود تھی۔ وہ جتنی حسین لگ رہی تھی، اسے دیکھ کر بڑے بڑے اپنے دماغ پر قابو نہیں پا سکتے
تھے۔ وہ خوبصورت مسہری کے ایک گوشے پر بیٹھی ہوئی دروازے کی جانب دیکھ رہی تھی۔
کرم کھنا اندر داخل ہوا تو وہ چونک پڑی۔ "کون.....؟"

"ہاں..... ہمیں دیکھ کر تمہیں حیرت کیوں ہوئی ہے؟"

"تم بار بار کیوں میرے سامنے آ جاتے ہو؟ میں پوچھتی ہوں کہ تم یہاں کیوں آ گئے؟
ہیں پتا نہیں کہ یہ ہمارے کھنا مہاراج کی حویلی ہے۔"

"وہ تو پتہ ہے ہمیں۔"

"کھنا مہاراج آ گئے تو تمہیں جان سے مروا دیں گے۔ پہلے بھی تم جھوٹ بول رہے

تھے۔ اب بھی جھوٹ بول رہے ہو۔ تم کوئی اور آدمی ہو۔ وکرم کھنا مہاراج کے روپ میں یہاں آجاتے ہو۔''

''چلو! ٹھیک ہے۔ مان لیا ہم نے.....لیکن ایک بات بتاؤ۔ اگر مہاراج کھنا یہاں آگئے تو زیادہ سے زیادہ کیا کریں گے وہ؟''

''کہا نا! تمہیں جان سے مروا دیں گے۔''

''تمہارے لئے اگر جان بھی چلی جائے تو کیا حرج ہے؟''

''تم نہیں جاؤ گے؟''

''نہیں!''

''تمہیں اپنے جیون کی بھی فکر نہیں ہے؟''

''بالکل نہیں! تم یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنے مہاراج سے پریم ہے کیا؟''

''مہاراج!'' اچانک ہی رتنا کے منہ سے سسکی سی نکل گئی۔ وہ آہستہ سے بولی۔ ''میرے سپنے بکھر گئے ہیں۔ مہاراج وہ نہیں نکلے جو میں سمجھتی تھی۔'' آنسو رتنا کے شفاف رخساروں لڑھکنے لگے اور وکرم سنگھ تڑپ گئے۔

انہوں نے بے تابی سے کہا۔ ''کیا کر دیا مہاراج نے.....؟''

''انہوں نے میری توہین کی ہے..... انہوں نے..... انہوں نے مجھے ایک گھٹیا قسم طوائف بنا ڈالا۔''

''مگر کیسے؟''

''میرے مہاراج اگر مجھے اشارہ کرتے تو میں اپنا جیون ان کے چرنوں میں نثار دیتی۔ لیکن انہوں نے مجھے ایک معمولی لڑکی کی طرح اپنی حویلی میں بلوا لیا ہے اور ان نگاہوں میں، میں صرف ایک نوجوان لڑکی ہوں۔ وہ مجھے کوئی درجہ نہیں دینا چاہتے۔'' سسکیاں لیتی ہوئی بولی اور وکرم کھنا کے چہرے پر عجیب سی پریشانی نظر آئی۔ ''اور میں دیتی ہوں کہ خودکشی کرلوں گی لیکن مہاراج کو یہ بتا دوں گی کہ میں بری لڑکی نہیں ہوں۔ تو انہیں دیکھے بنا ان سے پریم کرنے لگی ہوں۔ بتاؤ! کیا وہ مجھے عزت نہیں دے سکتے کیا وہ مجھے یہاں عزت دار عورتوں کی طرح نہیں لا سکتے تھے؟ بتاؤ..... کیا ان کی پریمیکا مجھ سے زیادہ سندر ہیں؟ بتاؤ!''

''نہیں.....ایسی بات نہیں ہے۔ واقعی انہوں نے برا کیا ہے کہ تمہیں رلایا۔ تم جاؤ یہاں سے بس.....بس میں.....میں..'' یہ کہہ کر وکرم کھنا واپسی کے لئے چل پڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد رتنا نے دانتوں میں زبان لے کر آنکھیں کھینچیں اور مسکرانے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے تمام تیر نشانے پر لگے ہیں اور وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔

بہرحال! یہ اس کی پہلی کامیابی تھی۔ بہت دیر کے بعد وہ وہاں سے واپس نکلی۔ ظاہر ہے کہ وکرم کھنا آکر جا چکا تھا اور اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے باوجود رتنا کے سامنے ظاہر نہیں کر سکا تھا۔ رتنا جب اپنی آرام گاہ میں پہنچی تو شردھاوتی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ بستر پر دراز تھی۔ رتنا کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر محبت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ رتنا تھکی تھکی سی اس کے پاس جا بیٹھی اور شردھاوتی محبت بھری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

''دل چاہے تو اپنے کپڑے تبدیل کرلو رتنا! تم تھک گئی ہوگی۔''

''یہ کھیل میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے نانی جی!''

''رتنا! اتنی بیوقوفی کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ کھیل میں مشکل کیا ہے.....؟ یہ بتاؤ کہ کون سی مشکل ہے تمہیں؟''

''نہیں! مشکل تو نہیں ہے۔ لیکن جو کچھ میں کر رہی ہوں اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟''

''بیوقوف لڑکی! اگر تیری عقل نے تیرا ساتھ چھوڑ دیا ہے تو دوسری بات ہے۔ ورنہ جتنا میں نے تجھے سکھایا پڑھایا ہے، جو کچھ تجھے معلوم ہو چکا ہے اس کے بعد یہ سوال میرے لئے بڑی حیرت کا باعث ہے۔ تجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ جاگیردار وکرم کھنا کس حیثیت کا مالک ہے اور کس طرح وہ تجھے اپنے راج محل کی رانی بنا کر رکھ سکتا ہے۔ کیا تو یہ نہیں چاہتی کہ اس راج محل میں صرف تیرا ہی راج ہو اور راستے کے سارے پتھر ایک ایک کر کے دور ہو جائیں؟''

''راستے کے پتھر؟''

''ہاں!''

''کون سے پتھروں کی بات کر رہی ہو نانی جی؟''

''بعد میں تجھے تیرے راستے بتائیں گے۔ تجھے بھی ان پتھروں سے کھیلنے میں لطف آئے

گا اور میرا ابھی کام پورا ہوگا۔''

''تمہارا کام؟''

''ہاں! میں کہہ چکی ہوں نا کہ چھ کنبوں سے مجھے بدلہ لینا ہے۔ یہ چھ کنبے میرے دشمنوں کے کنبے ہیں اور یہ وہ کنبے ہیں جنہوں نے مجھے برباد کر دیا۔''

رتنا پرخیال انداز میں شردھاوتی کو دیکھنے لگی۔ پھر ایک دم چونک کر بولی۔ ''تم نے یہ نہیں پوچھا نانی جی! کہ وکرم کھنا سے میری ملاقات کیسی رہی ہے۔''

''جواب میں شردھاوتی کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور اس نے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے۔''

''ایں! معلوم ہے تجھے؟''

''ہاں!''

''کیا معلوم ہے؟'' رتنا نے پوچھا۔

''شردھا بولی۔ ''ابھی جلدی نہ کر۔ ٹھنڈی کر کے کھانا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ بہت سی باتیں تجھے میرے بارے میں معلوم ہیں اور بہت سی نہیں معلوم۔ جو باتیں نہیں معلوم انہیں معلوم کرنے کے لئے جلدی نہ کر۔ آنے والا وقت تجھے سب کچھ بتا دے گا۔''

''چلو! ٹھیک ہے۔ مجھے خود بھی جلدی نہیں ہے نانی جی..... میں ذرا کپڑے بدل لوں۔''

رتنا کپڑے بدلنے کے لئے چلی گئی۔ یہاں انہیں جو رہائش گاہ دی گئی تھی وہ بڑی ہی خوبصورت تھی۔ کافی وسعتوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ واپس آئی تو شردھاوتی وہاں موجود نہیں تھی۔ رتنا نے اسے چاروں طرف آوازیں دیں لیکن شردھا کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

کچھ لمحوں کے بعد کامنی اندر داخل ہوگئی اور اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''نانی جی کہاں چلی گئیں؟''

''میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ میں کپڑے بدلنے گئی تھی۔ باہر آئی تو نانی موجود نہیں تھی۔''

''ارے دیکھ..... کہیں غسل خانے میں نہ ہوں۔'' کامنی بولی اور خود ہی غسل خانے کی طرف بڑھ گئی۔ لیکن شردھا کا غسل خانے میں پتہ تھا، نہ اس رہائش گاہ کے کسی حصے میں۔

کامنی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ ''ہائے رام..... میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو انہیں دیکھا تھا۔ اندر داخل ہونے کا ایک ہی دروازہ ہے۔ میں دروازے سے گئی بھی نہیں۔ وہ کہاں چلی گئیں ایک دم؟''

''پتہ نہیں!'' رتنا بھی کسی قدر حیرت بھرے انداز میں بولی۔

کافی دیر تک وہ دونوں حیرت زدہ رہیں۔ پھر کامنی نے کہا۔ ''رتنا! کھنا جی سے ملاقات ہوئی تیری؟''

''تو یہ بتا کامنی! کہ تو کب سے کھڑی ہے؟''

''رتنا! معاف کرنا۔ میں بہت دیر سے کھڑی ہوں۔ تیری اور نانی جی کی باتیں سن لی تھیں میں نے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔ کچھ عجیب سی باتیں کر رہی تھیں نانی جی، تیری رانی بننے کی اور کسی بدلے کی۔ رتنا! تو نے خود مجھے کہا ہے کہ میں تیری داسی تو ہوں ہی لیکن تیری دوست بھی ہوں۔ مجھے بتائے گی کیسی بدلے کی بات ہے؟ نانی جی کیا کہہ رہی تھیں تجھ سے اس سلسلے میں؟''

''اصل میں تو خود دیکھ رہی ہے کامنی کہ نانی جی کے بارے میں کوئی صحیح بات نہیں کہی جا سکتی۔ بڑی عجیب سی ہیں وہ۔ کبھی کبھی ایسی باتیں کر دیتی ہیں کہ خود میری سمجھ میں بھی نہیں آتیں۔''

''خیر! تو مجھے یہ بتا کہ کھنا مہاراج سے ملاقات ہوئی تیری؟''

''ہاں!''

''کیا باتیں کی تو نے؟''

''بس! کچھ خاص نہیں..... اچھا! تم یہ بتاؤ کہ وکرم کھنا شادی شدہ ہیں؟''

''ارے! کیسی باتیں کرتی ہے تو؟ شادی شدہ کی بات کر رہی ہے، کئی بیویاں ہیں ان کی جو یہیں، اسی جگہ رہتی ہیں۔''

''کئی؟''

''ہاں! کئی..... پاروتی ہے جو شاید سب سے پہلی ہے۔ اور بھی کئی ہیں۔ یہ تجھے آہستہ آہستہ ہی معلوم ہوں گی۔''

''اچھا..... خود کھنا جی ان میں سے کسی کو چاہتے ہیں؟'' رتنا نے پوچھا۔ اب وہ دیا سے

اچھی طرح شناسا ہوگئی تھی۔

کامنی بولی۔ ''ان کی بات نہ کر! وہ تو سندرتا کے پجاری ہیں۔ بس! کسی کی سندرتا ان کے من کو بھا جائے، دیوانے ہو جاتے ہیں۔''

''تعجب کی بات ہے..... چل ٹھیک ہے۔ چھوڑ! کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔''

کامنی اس سے بہت سی باتیں پوچھتی رہی۔ جب وہ چلی گئی تو رتنا آرام کرنے کے لئے لیٹ گئی۔ اسے تھوڑی دیر کے بعد نیند آگئی تھی۔ جاگی تو گہری رات چھائی ہوئی تھی لیکن کمرے کی روشنی جل رہی تھی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر شردھاوتی ایک دوسری مسہری پر پاؤں لٹکائے بیٹھی رتنا کو دیکھ رہی تھی۔ رتنا کو سب یاد آگیا۔ اس نے کہا۔ ''ارے شردھا جی..... نانی جی! کہاں چلی گئی تھیں آپ؟ کامنی کہہ رہی تھی کہ آپ دروازے سے نہیں نکلیں۔''

''کامنی کہہ رہی تھی؟'' شردھا چونک کر بولی۔

''تو اور کیا؟''

''اسے کیسے معلوم.....؟'' شردھاوتی نے متجسس انداز میں پوچھا۔ رتنا نے ہنس کر اسے ساری بات بتا دی۔ شردھاوتی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس نے کہا۔

''یہ کامنی ہماری کھوج میں کیوں پڑ گئی؟''

''نہیں بس..... آئی ہوگی کسی کام سے۔ اس نے ہماری بات سن لی۔''

''ہوں!'' شردھاوتی کے ہونٹوں پر ایک خاص مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے اپنے ذہن میں کوئی خاص بات سوچی ہو اور یہ خاص بات کسی خاص ارادے کی طرف اشارہ کرتی تھی۔

رتنا تو خیر ایک حادثے کے تحت خون آشام بنی تھی اس کی معصومیت اب بھی داغدار نہیں ہوئی تھی اور شردھاوتی نے اسے جس طرح تربیت دی تھی اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ مستقبل میں رتنا ایک خطرناک شخصیت کے طور پر ابھرے گی اور اس وقت نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کیا چیز بن جائے گی۔ بہرحال! شردھاوتی نے کامنی کے بارے میں جس انداز سے اپنی سوچ کا اظہار کیا تھا اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ کامنی کے دل میں اس سلسلے میں کوئی منصوبہ ہو تو ہو۔ لیکن بظاہر اس کے دل میں ایسی کوئی بات نہیں ابھری تھی جس سے شردھا کو خطرہ ہوتا۔ لیکن شاید وہ خطرناک عورت جس کا ماضی تاریکی میں گم تھا اپنے طور

پر اپنا ہر پہلو محتاط رکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس وقت جب کامنی اپنے کسی کام میں مصروف تھی، شردھا خود اس کے پاس پہنچی۔ کامنی تو پہچانتی تھی۔ اس نے اسے رتنا کے ساتھ کئی بار دیکھا تھا۔ بزرگ عورت کا احترام کامنی نے بہت محبت سے کیا۔ شردھا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کامنی بٹیا! کوئی خاص کام کر رہی ہو؟''

''نہیں نانی جی..... کہئے! کیا بات ہے؟''

''بٹیا..... تھوڑی دیر کے بعد رتنا کے پاس پہنچ جانا۔ اس نے کہا ہے کہ کامنی سے کہہ دینا نانی جی! رتنا کو اس سے بہت ضروری کام ہے۔ کسی اور کام سے کہیں نہ جائے۔''

''ٹھیک ہے نانی جی!'' کامنی نے کہا۔ شردھا کے چلے جانے کے بعد اس نے ان باتوں پر غور کیا جو شردھا، رتنا سے کر رہی تھی۔ اسے یہ بھی یاد آیا کہ اس کے بعد نانی پتہ نہیں کہاں غائب ہوگئی تھی۔ وہ معصوم سی لڑکی تھی اس نے زیادہ غور نہیں کیا اور اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی۔

اُدھر شردھا اپنا اور بھی کام کر رہی تھی۔ اس پراسرار عورت نے رتنا کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''رتنا..... کیا بات ہے.....؟ چہرہ کچھ پیلا پیلا ہو رہا ہے۔ آنکھوں میں کچھ حلقے بھی پڑ رہے ہیں۔ کہیں کوئی تکلیف ہے تمہیں؟''

''نہیں تو نانی جی! کیوں کیا بات ہے؟''

''بس پتا نہیں کیوں مجھے تمہارا چہرہ کچھ اُترا اُترا سا لگ رہا ہے۔ ایک بات کہوں تم سے رتنا.....''

''جی نانی جی!''

''دیکھو! تمہارے شریر کو انسانی خون کی عادت پڑ گئی ہے۔ اگر تم نے ضرورت پڑنے پر اس عادت سے بچنے کی کوشش کی تو تمہارے چہرے پر جھریاں پڑ جائیں گی۔ آنکھوں کی روشنی کم ہو جائے گی۔ رنگ پیلا اور مٹیالا ہو جائے گا۔ ہاتھ پاؤں کی کھال لٹک جائے گی۔ اور اس کے بعد سنسار میں تمہیں کوئی نہیں پوچھے گا۔ یہ حسن، یہ جوانی قائم رکھنے کے لئے تمہیں انسانی خون کی ضرورت ہوگی۔ کیا سمجھیں؟''

''جی نانی جی!'' رتنا بڑے دکھ سے بولی۔

''اور اس کے لئے تمہیں بھولنا پڑے گا کہ کون تمہارے پاس ہے۔ کون تمہارے ساتھ

ہے۔اب سے تھوڑی دیر کے بعد کامنی تمہارے پاس آئے گی اور تم اپنا کام پورا کرو گی۔''

''کامنی؟'' رتنا کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئیں۔

''ہاں! اور یہ بھی سن لو رتنا! کہ اس سنسار میں مجھ سے بڑا تمہارا ہمدرد اور کوئی نہیں ہے۔ اگر میری بات سے ہٹی تو یہ سمجھ لو کہ تمہارے لئے سب کچھ بہت مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ کامنی کو واپس نہیں جانا چاہئے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ ٹھہرو! میں تمہارے سکون کے لئے کوئی چیز لاتی ہوں۔'' یہ کہنے کے بعد بوڑھی شردھا باہر نکل گئی۔

رتنا کے دل پر عجیب سی کیفیت گزر رہی تھی۔ ابھی پوری طرح شیطانیت اس پر سوار نہیں ہوئی تھی۔ محبت اور انسانیت کے جذبے ابھی دل میں زندہ تھے۔ کامنی ہی تو اس کی اکیلی سکھی تھی یہاں۔ کسی اور سے تو اتنی دوستی یا جان پہچان نہیں ہوئی تھی۔ رہ گئے بیچارے وکرم کھنا، سو سچی بات یہ ہے کہ رتنا سے عمر میں بہت بڑے تھے اور رتنا ابھی دنیا کی اس لذت سے آشنا نہیں ہوئی تھی جس کے بعد انسانی وجود ایک دوسرے سے اس طرح ہم آہنگ ہو جاتے ہیں کہ علیحدگی کا احساس ہی مٹ جاتا ہے۔

شردھا نے اسے سوچنے کا زیادہ موقع نہیں دیا۔ ایک گلاس میں وہ ایک سیال لے کر آئی تھی۔ رتنا نے اسے دیکھا تو شردھا بولی۔ ''کیا تم اسے پینے سے انکار کرو گی؟''

''نہیں نانی جی..... مگر یہ کیا ہے؟''

''پی لو..... یہ ایک ایسی دوا ہے جو انسان کو پریشانیوں سے بچا لیتی ہے اور دماغ کی خرابی اگر اسے پریشان کرتی ہے تو وہ خرابی اس دوا سے دور ہو جاتی ہے پیو اسے میرے سامنے!'' اور رتنا نے گلاس خالی کر دیا۔ بدمزہ سیال اس کے وجود میں آگ لگاتا ہوا اُترتا گیا۔ کچھ لمحے تک وہ منہ کی کڑواہٹوں کا شکار رہی۔ شردھا اسے مسکراتے ہوئے دیکھتی رہی اور اس کے بعد گلاس اٹھا کر باہر نکل گئی۔

رتنا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے اپنی آنکھیں بوجھل محسوس ہوئیں۔ طبیعت میں ایک سرور اُبھرتا آ رہا تھا۔ بدن میں ہلکی ہلکی کپکپاہٹ پیدا ہو گئی تھی اور وہ ایک عجیب سے احساس کا شکار ہو گئی تھی۔ اسی وقت کامنی دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ پھولی پھولی سی، گول مول سی، موہنی شکل وصورت کی کامنی اس کے پاس پہنچی تو رتنا نے محبت

بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''بلایا تھا رتنا جی؟''

''ایں...... ہاں! کامنی آؤ، بیٹھو! کام نمٹا لئے تم نے اپنے سارے؟''

''ہاں.....'' کامنی نے جواب دیا اور چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے دروازے پر کوئی ہو لیکن اندر نہیں آیا تھا۔ بس ہلکی سی آواز تھی جو اصل میں باہر کا دروازہ بند کرنے سے پیدا ہوئی تھی۔

شردھا اس بات سے غافل تو نہیں رہ سکتی تھی۔ کامنی کو راستے سے ہٹانا اس کے لئے ضروری ہو گیا تھا کیونکہ وہ ان دونوں کے منصوبے سن چکی تھی۔ عورت ذات تھی۔ کہیں بھی زبان کھل جاتی تو وکرم کھنا ہوشیار ہو جاتا اور شاید شردھا یہ نہیں چاہتی تھی کہ وکرم کھنا ہوشیار ہو جائے۔ اس کے منصوبے کا واحد ذریعہ رتنا تھی اور رتنا کو آگے بڑھا کر وہ اپنے سارے کام مکمل کرنا چاہتی تھی۔ بے شک اس کی تربیت میں رتنا بھی بہت زیادہ شاطر ہوتی جا رہی تھی لیکن پھر بھی شردھا اسے اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتی تھی۔ اور یہ بھی جانتی تھی کہ نوجوان لڑکی کسی بھی لمحے بہک سکتی ہے۔ بہت سی حفاظتیں کرنا تھی اسے رتنا کی۔ کیونکہ انہی حفاظتوں میں اس کے منصوبے کی تکمیل کا راز چھپا ہوا تھا۔

کامنی نے کہا۔ ''ہاں...... رتنا! کہو؟ کیا بات ہے؟'' رتنا اسے عجیب سے انداز میں دیکھ رہی تھی۔ کامنی مسکرا دی اور بولی۔ ''رتنا جی! کتنی سندر ہو تم کہ من چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے کلیجے میں بھر لیا جائے۔''

''کلیجہ!'' رتنا نشہ آلود لہجے میں بولی۔ اور اس کے منہ میں نمکین لذت پیدا ہو گئی۔ کلیجہ انسانی جسم میں خون کا لوتھڑا ہوتا ہے اور کچی کلیجی میں جو لذت ہوتی ہے وہ بدن کے کسی اور گوشت میں نہیں ہوتی۔ خون کا مرکز...... خون ہی خون..... اور رتنا کی آنکھوں میں خون کی سرخی پھیل گئی۔ اسے ہر چیز سرخ نظر آنے لگی۔

تھوڑے فاصلے پر ایک روشندان سے بڑی سی مکھی اندر داخل ہوئی۔ اس کا حجم تتلی کے برابر تھا۔ اتنی بڑی مکھی کا وجود کہیں بھی نظر نہیں آ سکتا تھا۔ مکھی مسہری کے ایک حصے پر بیٹھ گئی۔ صرف رتنا نے اسے دیکھا۔ آنکھیں پھاڑ کر اسے غور سے دیکھا تو ایک عجیب سی چیز نظر آئی۔ مکھی کا پورا جسم مکھیوں جیسا تھا، پر بھی اسی کی مانند تھے۔ لیکن چہرہ شردھا وتی کا تھا....

شردھاوتی نے آنکھ کے اشارے سے اسے کامنی کی گردن کی طرف متوجہ کیا اور رتنا نے نشہ آلود نگاہوں سے کامنی کی طرف دیکھا۔ گردن کی پھولی ہوئی رگ.....اس میں دوڑتا ہوا سرخ خون.....اور کلیجی کا تذکرہ خود کامنی نے کیا تھا۔

رتنا مسکرا کر بولی۔ ''کامنی! تم مجھے کلیجے میں بھر لینا چاہتی ہو؟''

''بھگوان کی سوگند.....عورت ذات ہوں۔ لیکن من چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے بازوؤں میں بھینچ لوں۔''

کامنی نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ ''تو آؤ نا.....اگر من چاہتا ہے تو پھر من کی باتوں سے انکار کیوں کرتی ہو؟''

کامنی ہنستی ہوئی آگے بڑھی اور رتنا کے پھیلے ہوئے ہاتھ اس کے بدن کے گرد حلقہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ کامنی نے تو اپنے طور پر رتنا کو سینے سے لگانا چاہا تھا مگر رتنا نے خود اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ کامنی اس کے سینے سے لپٹ گئی۔ رتنا کا نرم وگداز وجود کامنی کے وجود میں ضم ہو گیا۔ لیکن اس طرح وہ رتنا کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ رتنا کے چہرے پر اس وقت ایک بھیانک سرخی پھیل چکی تھی۔ اس کے دانت عجیب سے انداز میں باہر نکل آئے تھے۔ آنکھیں وحشت زدہ انداز میں کھلی ہوئی تھیں۔ عقب سے اگر کوئی اس کے چہرے کو دیکھ لیتا جو کچھ لمحات پہلے بے مثال تھا لیکن اس وقت اس کے چہرے کو دیکھ کر ہوش وحواس قائم رکھنا مشکل ہو جاتا۔ یہ ایک ڈائن کا چہرہ تھا۔ ایسے وامن کا چہرہ تھا جو انسانی خون کا رسیا تھا۔ کامنی تو اس وقت بدحواس ہوئی جب اسے اپنی گردن میں ایک تیز چبھن کا احساس ہوا۔ کامنی نے گردن ہٹا کر اس چبھن کے بارے میں جاننا چاہا تو رتنا کے حلق سے بلی جیسی غراہٹ نکلی اور اس نے برق رفتاری سے کامنی کی گردن کو اپنے دانتوں میں بھینچ لیا۔ کامنی کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی تھی لیکن رتنا اس وقت ہر چیز سے بے نیاز اپنی زندگی کے سب سے انوکھے سرور سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اسے کوئی احساس نہیں رہ گیا تھا۔ وہ جدوجہد کرتی ہوئی کامنی کو قابو میں کئے ہوئے تھی اور اس کے نوکیلے دانت کامنی کی رگوں میں اتنے گہرے گڑ چکے تھے کہ اب اگر کامنی انہیں ہٹانے کی کوشش کرتی تو اس کی شہ رگ، رتنا کے دانتوں میں پھنسی ہوئی اوپر تک آتی۔ کامنی بھی تندرست تھی۔ شدید جدوجہد کر رہی تھی۔ لیکن یہ لمحات ایسے ہوا کرتے تھے کہ جب رتنا کے اندر کا شیطان پوری طاقت سے

مصروف عمل ہوتا تھا اور شیطانی قوت کے سامنے کامنی تو کیا بڑے سے بڑے توانا مرد کچھ نہ کر پاتے تھے۔ چند ہی لمحوں کے بعد کامنی بے سدھ ہو گئی۔ رتنا نے اسے نیچے گرا لیا اور گرانے کے بعد وہ پوری طرح اس پر حاوی ہو گئی۔ اب اسے یاد نہیں تھا کہ وہ کون ہے؟ ماحول کیا ہے؟ وہ کیا کر رہی ہے.....؟ بس وہ مصروف عمل تھی۔

گردن سے خون پینے کے بعد اس نے بڑے اطمینان سے اپنے لمبے ناخنوں سے کامنی کا سینہ کھولا اور اس کے بعد اس نے کسی خونخوار گدھ کی طرح کامنی کے بدن کے اندر کے حصے باہر نکال لئے۔ خاص طور پر کلیجی.....سرخ سرخ کلیجی جس سے خون ٹپک رہا تھا۔ رتنا کا پرسرور جسم اس لذت آمیز چیز سے سرشار ہونے لگا۔ دور بیٹھی ہوئی مکھی کچھ اور قریب آ گئی۔ وہ اس دلچسپ منظر کو دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ سے کامنی کے کھلے ہوئے بدن کے اندر داخل ہو گئی۔ رتنا نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اس مکھی کو دیکھا اور مسکرا دی۔ اس پر کیف و سرور کی کیفیت بے انتہا چھا گئی تھی۔ وہ شکم سیر ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ اعتدال پر آتا جا رہا تھا۔ لیکن دیکھنے والا اگر رتنا کو دیکھ لیتا تو شاید اپنی آنکھیں ہی پھوڑ لیتا۔ اس منظر پر وہ کبھی یقین ہی نہیں کر سکتا تھا۔ حسین لڑکی کا شفاف چہرہ جگہ جگہ سے خون سے اٹا ہوا تھا۔ پیشانی، ناک، ہونٹ، دانت.....سب خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ خون کے دھبے اس کے بقیہ بدن پر بھی پڑے ہوئے تھے اور کامنی کی لاش تھوڑے ہی فاصلے پر بے جان نگاہوں سے اس وقت کی گردش کو دیکھ رہی تھی۔

اچانک ہی وہ مکھی اس کے پیٹ سے باہر نکلی۔ وہ بھی خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔ باہر نکل کر اس نے ایک بھنبھناہٹ کے ساتھ فضا میں چکر لگانا شروع کر دیئے۔ رتنا کی آنکھیں بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد مکھی زمین پر بیٹھی اور اٹھتی ہی چلی گئی۔ جب وہ اپنے اصلی وجود میں آئی تو وہ بوڑھی خوفناک چڑیل شردھا سامنے کھڑی تھی اور پرتفکر نگاہوں سے کامنی کی لاش کا جائزہ لے رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ سوچتی رہی۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک لمحے کے اندر اندر دوبارہ مکھی کی شکل اختیار کر گئی۔ پھر وہاں سے اڑتی ہوئی ایک روشندان سے باہر نکل گئی۔

باہر جانے کے بعد وہ دور تک اُڑتی چلی گئی۔ اس کے بعد ایک ایسی جگہ رُکی جہاں اس حویلی کا کباڑ خانہ تھا۔ اس کباڑ خانے سے اس نے بڑی بڑی دو بوریاں نکالیں اور انہیں

لئے ہوئے انسانی شکل میں چلتی ہوئی وہاں سے باہر نکل آئی۔ تھوڑی دیر کے بعد کمرے کا
دروازہ کھولا۔ اندر رتنا بے سدھ سو رہی تھی۔ بوڑھی نے دروازہ اندر سے بند کیا۔ کامنی کی
لاش کو بوریوں می ٹھونسا اور اس کے بعد بوریوں کو اوپر سے باندھ دیا۔ بظاہر شردھا ایک
بوڑھی عورت تھی لیکن جس انداز میں وہ یہ کام کر رہی تھی اسے دیکھ کر کوئی خواب میں بھی نہیں
سوچ سکتا تھا کہ وہ ایک بوڑھی عورت ہے۔ جوانوں کا سا انداز اختیار کیا ہوا تھا اس نے اور
بڑے اطمینان سے اپنا کام سرانجام دے کر وہ اس سے فارغ ہو گئی تھی۔

پھر اس نے رتنا کی طرف دیکھا۔ اپنی جگہ سے ہٹی، ایک کپڑا لا کر رتنا کا چہرہ پوری طرح
صاف کیا۔ خون کے دھبے اس کے چہرے سے دور کئے۔ اور ان تمام کاموں سے فراغت
حاصل کر کے اس نے بوری میں بند لاش اٹھائی اور وہاں سے چل پڑی۔ اس نے ایسے
راستے اختیار کئے جو پرسکون تھے اور وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ ان راستوں سے گزر کر وہ
باغ کے عقبی حصے میں آئی اور یہاں اس نے لاش کو ایک طرف بنے ہوئے پھولوں کے جھنڈ
میں ڈال دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ بیچاری
کامنی.... چاہے کسی بھی طرح وہ اس سلسلے میں کسی کو بتاتی یا نہ بتاتی، لیکن اپنے ایک بہت
چھوٹے سے جرم کا شکار ہو گئی تھی۔ اس کا جرم صرف اتنا سا تھا کہ اس نے ان دونوں کی
باتیں سن لی تھیں۔

☆.....☆.....☆

وکرم کھنا کی کھوپڑی اُس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ جتنی بار بھی وہ رتنا کو دیکھتا تھا، اس کے
اوپر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی رتنا سے مل کر آنے کے بعد وہ
بہت پریشان ہو گیا تھا۔ رتنا کا حسن، اس کا بے مثال وجود وکرم کھنا کے لئے ایک عجیب و
ریب حیثیت کا حامل بن گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ پرانا شکاری تھا۔ بہت بڑا
اگیردار تھا۔ کسی مشکل، کسی تکلیف کا اسے کوئی احساس نہیں تھا۔ ایسے لوگ وہ ہوتے ہیں جو
ونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں اور اسے منہ میں لئے ہی اس دنیا سے رخصت ہو
اتے ہیں۔ کبھی کوئی مشکل، کوئی تکلیف ان تک نہیں پہنچتی۔ ہاں...... یہ الگ بات ہے کہ
نا کے بزرگ ان کے لئے جو کانٹے بو جاتے ہیں وہ کانٹے ان کو لہولہان کر دیتے ہیں۔

بہرحال! رتنا نے اپنی آرزو کا اظہار کیا تھا اور وکرم جی نے سوچا تھا کہ اس حسین سے
ود کی یہ حسین آرزو کیوں نہ پوری کر دی جائے۔ یہ تو بہت بری بات تھی کہ ایک لڑکی
ت کے رنگ میں رنگنے کی بجائے اپنے آپ کو عزت کے طور پر رکھنا چاہے۔ بہرحال! وہ
ت دیر تک سوچتے رہے۔ تیواڑی لال ہر مرض کی دوا تھا۔ چنانچہ اسے طلب کر لیا۔ تھوڑی
کے بعد تیواڑی لال نے اندر داخل ہونے کی اجازت لی اور اجازت طلب ہونے پر
ر داخل ہو گیا۔ اس نے وکرم کھنا کے چہرے پر غور و فکر کی پرچھائیاں دیکھیں اور اس کے
ُں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وکرم کھنا کی مسکراہٹ ہی تیواڑی لال کی دولت
اضافہ کرتی تھی۔

وکرم نے گردن اٹھا کر تیواڑی لال کو دیکھا اور کہا۔ ''بیٹھو تیواڑی!''

''مہاراج کی مہربانی!''

''تیواڑی! اس لڑکی نے ہمیں انگلیوں پر نچا کر رکھ دیا ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہیں مہاراج! آپ جیسا مہاراج اپنے منہ سے ایسی بات کہے۔ حیرت

سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں۔ آپ بتائیں مجھے! کیا کہہ رہے ہیں مہاراج!"

"وہ معمولی لڑکی نہیں ہے۔ اس نے جتنا حسن پایا ہے، اتنی ہی عزت دار بھی ہے۔ مجھے تو تعجب ہے کہ وہ اس چڑیل صورت عورت کی نواسی ہے۔"

"نواسی ہے مہاراج..... بیٹی تو نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" ذ

"مطلب یہ ہے مہاراج! کہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ چڑیل کی بیٹی ایسی ہوگی۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک کہتے ہو تم۔ بہرحال! اب یہ بتاؤ ہم اس کے لئے کیا کریں؟ بڑا محبت کرتی ہے وہ ہم سے۔ شروع ہی سے ہم سے محبت کرتی ہے۔ حالانکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ ہم کون ہیں۔ اب جب اسے ہمارے بارے میں معلوم ہو گیا ہے تو وہ بہت اداس ہو گئی ہے۔ کہتی ہے کہ اسے ایک ایسی لڑکی کا درجہ نہ دیا جائے جو سڑک والی ہو۔ اسے عزت مقام درکار ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ اس کی خواہش کیا ہے۔"

تیواڑی لال یہ بھی جانتا تھا کہ رتنا کی خواہش کیا ہو سکتی ہے اور یہ بھی جانتا تھا کہ مہارا وکرم کھنا سے کچھ نکالنے کے لئے کون سا موقع اچھا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا بیوقوفی کی بات تھی۔ مشکل ہوتی نہیں ہے، بنائی جاتی ہے۔ اور پھر اس مشکل کا حل کیا جاتا ہے اور پھر اس کی قیمت ذرا مختلف انداز میں ہی وصول کی جاتی ہے۔ چنانچہ تیوا لال نے چہرے پر غور و فکر کے آثار پیدا کئے اور پھر کسی قدر الجھے ہوئے لہجے میں بو

"سب سے بڑی بات یہ ہے مہاراج..... کہ کہنے کو تو وہ ملازموں کے کوارٹر میں آ کر رہ تھی۔ لیکن سب سے بری بات یہ ہے کہ برادری کا کیا ہوگا۔ لوگ پوچھیں گے کہ یہ لڑکی ہے جس سے وکرم کھنا جی نے پھیرے لئے ہیں تو ہمارے لئے جواب دینا مشکل ہو ج گا۔"

"میرے من میں بھی یہ بات اتنی ہی بار آئی ہے۔ واقعی بہت پریشانی کی بات ہوگی ہمارے لئے جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔"

تیواڑی ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گیا تو وکرم کھنا نے کہا۔ "لیکن ایک بات ضرو تیواڑی! ہم اس کے بنا جی نہیں سکتے۔ جو بھی کرنا ہے، تو نے کرنا ہے۔ اور ہم تم پر پو بھروسہ کرتے ہیں۔"

"مہاراج! آپ یہ بات تو جانتے ہیں کہ تیواڑی اپنے جیون کی قیمت پر بھی مہاراج کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار رہتا ہے۔"

"ہمیں تمہارے جیون کی قیمت نہیں چاہئے تیواڑی! تمہارا شاندار دماغ چاہئے۔ کچھ سوچو! کوئی ترکیب کرو۔"

"تیواڑی اگر ترکیب نہ کر پائے مہاراج! تو آپ کے چرنوں میں جگہ حاصل کرنے کے قابل کیسے رہے گا؟ آپ فکر نہ کریں۔ میرے دماغ میں ایک خیال آیا ہے۔ میں اس کی تکمیل کروں گا۔"

"کیا.....؟ مجھے بتاؤ!" وکرم کھنا نے دلچسپی سے پوچھا۔

"رتنا کو بہت کم لوگ جانتے ہیں مہاراج..... یہاں تک کہ مہاراج کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ اور پھر اس کی چڑیل جیسی نانی کو دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ اس کی نواسی ہے۔ ہو سکتا ہے مہاراج! کہ رتنا اس بوڑھی عورت کی نواسی نہ ہو اور بوڑھی عورت بلاوجہ ہی اسے اپنی نواسی کہتی ہو۔ ہمیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بوڑھی عورت کی زبان بند کر دی جائے گی کہ وہ کبھی رتنا کو اپنی نواسی نہ کہے۔ وہ یہی کہے کہ رتنا راجکماری ہے اور وہ صرف اس کی داس۔ ہم یہ کام کر لیں گے اور اس کے لئے مہاراج! میرا ایک دوست ہے۔ آپ اسے جانتے ہیں۔ اس کا نام پرکاش چندر ہے۔ میں اسے رتنا کے بارے میں تفصیل سے نہیں بتاؤں گا مہاراج..... لیکن دوستی کے نام پر اس سے کہوں گا کہ رتنا کو اپنی بھتیجی بنا کر سنسار کے سامنے پیش کرے۔ مہاراج! ویسے تو وہ کھاتا پیتا آدمی ہے لیکن ایک راجکماری کو پروان چڑھانے کے لئے اسے اتنا دے دیں گے کہ وہ دل سے ہمارے لئے کام کرے۔ ہم اس سے کہیں گے کہ وہ دنیا کو یہ بتائے کہ رتنا اس کی بھتیجی ہے اور دوسرے شہر سے آئی ہے۔ پرکاش چندر کے ذریعے ہم اسے بڑے لوگوں کے ادب و آداب سکھائیں گے اور جب وہ صحیح ہو جائے گی تو مہاراج اس سے پھیرے کر لیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے مہاراج! کہ پرکاش چندر جی بات کے کھرے برہمن ہیں اور باقی ان کی حیثیت بنا دینا آپ کا کام ہے۔ مطلب یہ کہ برادری کو دکھانے کے لئے آپ جس گھر کی لڑکی کو لائیں گے اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔"

تیواڑی لال بول رہا تھا اور وکرم کھنا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ

خوشی سے تیواڑی لال سے لپٹ گئے۔ ''تیواڑی.....تو نہ ہوتا تو بھگوان کی سوگند! ہمارا جیون ادھورا رہتا۔ بڑا کام کیا ہے تونے تیواڑی لال! ہم تیرے لئے بڑی ہی بات رکھتے ہیں من میں۔'' تیواڑی دونوں ہاتھ جوڑ کر جھک گیا۔

☆

شردھاوتی کون تھی؟ اس بارے میں تو شاید کبھی طویل عرصہ تک کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ وہ پراسرار وجود جو قبر میں دفن تھا۔ وہ جس کے جوہر آہستہ آہستہ کھلتے جا رہے تھے۔ جس کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ زندہ ہے یا آوارہ بھٹکتی ہوئی روح۔ بے شک بچپن کے اس حادثے نے رتنا کو ڈائن بنا دیا تھا۔ انسانوں کا کلیجہ اس کی مرغوب غذا تھی۔ انسانی خون اس کے جسم میں نئی زندگی دوڑاتا تھا۔ لیکن حقیقت ہے کہ اس کی تکمیل شردھاوتی کر رہی تھی اور شردھا اسے جو کچھ سکھا رہی تھی آنے والے وقت میں نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ دنیا کے لئے کس قدر خوفناک ہو۔ رتنا وہ سب کچھ سیکھتی جا رہی تھی جو اس سے پہلے وہ نہیں جانتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اسے مزید باتیں بتاتی تھی۔ کامنی کو ٹھکانے لگانے کے بعد شردھاوتی بہت مطمئن تھی۔

ادھر رتنا دیکھ رہی تھی کہ ایک تندرست انسان کا خون پینے کے بعد اس کا حسن کئی گنا زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اس کا آگ کی طرح دہکتا ہوا چہرہ اس کے حسین وجود کی بے مثال تشریح کر رہا تھا۔ پھر اس نے شردھاوتی کو دیکھا اور بولی۔ ''نانی جی! جو کچھ آپ کہہ رہی ہیں، وہ کر رہی ہیں۔ اب ذرا ایک بات بتایئے کہ آگے مجھے کیا کرنا ہے؟''

''کسی ماہر شکاری کی طرح شکار کے پھنسنے کا انتظار۔ اب تک میرے اشاروں پر تو نے جو کچھ کیا ہے اس سے جاگیردار کو کوئی شبہ نہیں ہوا۔ تو کیا چاہتی ہے۔ بھولی بھالی چاند سی صورت والی لڑکی بھلا کوئی ایسی ویسی بات سوچتی ہے جوانی کی امنگوں میں بجی ہوئی۔ لیکن یہ بات میں جانتی ہوں کہ جوانی ایک بہت بڑا ہتھیار ہے۔ اور ہتھیار استعمال کے لئے ہوتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ہتھیار کا کوئی بھی وار خالی نہ جائے۔ اور پھر تیر نشانے پر بیٹھے تو یہ سمجھنا کہ وکرم کھنا تیرا پہلا اور آخری شکار ہے بلکہ میں نے تجھ سے چھ گھرانوں کی بات کی ہے۔ چھ گھرانے... جو میری اور میری روح کا ناسور ہیں۔ اس ناسور کا علاج کرنا ہوگا اور اس کی معالج تو ہے۔''

''میں تو..... جو کچھ تم کہہ رہی ہو نانی جی...... وہی کر رہی ہوں۔''

''ہاں! بوڑھا جاگیردار اس قابل نہیں ہے کہ کوئی نوجوان لڑکی اس کے نام کے گیت گائے۔ لیکن ایسی ایک لڑکی بڑی خوبصورتی سے اسے اپنے جال میں پھانس سکتی ہے۔ کیا سمجھی؟''

''سمجھ رہی ہوں۔''

بڑی آسانیاں فراہم کر دی تھیں ان دونوں کو مہاراج وکرم کھنا نے۔ اور جس انداز میں اس کو رکھا جا رہا تھا اسے دیکھتے ہوئے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ معمولی حیثیت کی لڑکی ہوگی۔

اس وقت وہ بیٹھی ہوئی تھی کہ تیواڑی لال اس سے ملنے آ گیا اور مسکرا کر بولا۔ ''کیسی ہو رتنا؟''

''مہاراج! احسان مانتی ہوں آپ کا۔ کوئی تکلیف نہیں ہے ہم دونوں کو۔''

''ہونہہ..... میں تجھے ایک بات بتاؤں رتنا! ابھی تو میں تجھ سے ایک بڑے کی طرح بول رہا ہوں۔ لیکن کل میں تیرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوں گا۔ کیا تجھے اس بات کا اندازہ ہے؟''

''میں سمجھی نہیں مہاراج!''

''تو اس حویلی کی مالک بن جائے گی۔ یہ کام میں تیرے لئے کر رہا ہوں۔ کیا سمجھی؟ اور اس کے لئے تجھے میرا ساتھ دینا ہوگا۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ تیری یہ نانی یہیں رہے اور تجھے میں کہیں اور بھیج دوں؟''

''مگر کہاں مہاراج تیواڑی لال؟''

''میرا دوست ہے پرکاش چندر..... تفصیل میں تجھے بعد میں بتاؤں گا بلکہ تفصیل میں تیری نانی جان کو بتائے دیتا ہوں۔ کہاں ہے وہ؟''

''میں بلاتی ہوں۔''

اور تھوڑی دیر بعد تیواڑی لال نے بوڑھی عورت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو ماتا جی! مجھے لگتا ہے کہ تم اپنی نواسی سے بہت محبت کرتی ہو۔ جان چھڑکتی ہو اس پر۔ لیکن تمہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ تمہاری موت کے بعد اس کا کیا ہوگا؟''

''اسی کے لئے تو تڑپ رہی ہوں بیٹا! چاہتی ہوں کہ بھگوان..... بھوانی ماں اس کے لئے کوئی راستہ منتخب کر دے۔''

''اگر یہ بات ہے تو سمجھ لو کہ بھوانی ماں نے اس کے اچھے مستقبل کا فیصلہ کر دیا ہے۔ دیکھو ماتا جی! مہاراج وکرم کھنا کی عمر رتنا سے بے شک زیادہ ہے لیکن دولت مند آدمی کبھی بوڑھا نہیں ہوتا یا یہ کہو کہ دولت اسے بوڑھا نہیں ہونے دیتی۔ اس حویلی میں وکرم کھنا کی کئی بیویاں ہیں۔ آرام سے رہتی ہیں۔ لیکن وکرم کی منظور نظر ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔ اگر میں یہ کام کروں کہ تمہاری اس نواسی کو اس حویلی کی مالکن بنا دوں تو کیا تم پسند کرو گی؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو بیٹا! پسند کی بات کرتے ہو، میں تو اس کام کے لئے اپنا جیون دینے کو تیار ہوں۔ سنسار میں اس نواسی کے سوا میرا ہے کون؟ میری بیٹی کی نشانی ہے یہ...... بھلا اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی کہ بھگوان اسے سارے جیون کا سکھ دے۔ بیٹا! تڑپا دیا ہے تم نے یہ ساری بات کہہ کر۔ بھگوان کی سوگند! میرا جیون لے لو اور اگر ایسا ہو جائے تو بات ہی کیا ہے۔''

''بات اصل میں یہ ہے ماں جی کہ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ تمہیں قربانی دینا ہوگی مگر کچھ عرصے کے لئے۔''

''کیسی قربانی بیٹا؟''

''ماں جی! تھوڑی پریشانیاں ہوتی ہیں۔ وکرم کھنا بہت بڑے جاگیر دار ہیں۔ بہت بڑ پریوار ہے ان کا۔ برادری ہے، ذات پات ہے۔ بے شک وہ کئی شادیاں کر چکے ہیں لیکن ان کی ساری کی ساری بیویاں اونچی ذات کی ہیں۔ اور برابری والے صرف اس لئے ان پر انگلی نہیں اٹھا سکتے کہ انہیں ان عورتوں کے خاندان کے بارے میں اندازہ ہے۔ معاف کرنا تمہارے خاندان کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ کیا سمجھی؟''

''جانتی ہوں۔''

''مگر اس کے باوجود میرے پاس ایک ایسی ترکیب ہے کہ رتنا، وکرم کھنا کی بیوی بن جائے۔''

''کیا ترکیب ہے؟''

''میں اسے پرکاش چندر کے پاس بھیج رہا ہوں جو میرا دوست ہے اور جو اسے اپنی بھتیجی

ظاہر کر کے رکھے گا۔ پرکاش چندر ایک عزت دار آدمی ہے اور کوئی بھی اس پر انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔ لیکن ماں جی! اس دوران تمہیں یہیں رہنا ہوگا کیونکہ تمہیں اس کے ساتھ وہاں نہیں بھیجا جا سکتا۔ پھر جب یہ پھیرے کر کے واپس آ جائے گی تو تمہیں بھی اندر حویلی میں بلوا لیا جائے گا۔ تم بے شک اس کی داس کی حیثیت سے رہو گی۔ یہ سوچو کہ تمہاری نواسی کو کتنا بڑا نام ملے گا۔''

''بھوانی ماں کی قسم.... خلوص دل کے ساتھ تیار ہوں۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ یہ اعتراض رتنا کو بھی نہیں ہوا۔ اور آخر کار اسے پرکاش چندر کے ہاں بھیج دیا گیا۔

پرکاش چندر اچھا خاصا کھاتا پیتا آدمی تھا۔ اونچی ذات کا برہمن تھا اور زبردست پہنچ تھی اس کی۔ ایک عرصے سے وہ وکرم کھنا کے خاص وفاداروں میں سے تھا۔ اس کے رہن سہن بھی اونچے تھے۔ آبادی کے خوبصورت علاقے میں اس کی بہت بڑی حویلی تھی جس کا ایک حصہ مردانہ اور ایک زنانہ تھا۔ درمیان میں ایک باغ تھا جسے کافی خوبصورت بنایا گیا تھا۔ بہت سے ملازم اور ملازمائیں یہاں موجود تھیں۔ اور پھر اب تو صورت حال ہی بدل گئی تھی کیونکہ تیواڑی لال نے مہاراج وکرم کھنا کے ایک کام کے بارے میں بتا دیا تھا۔ البتہ تیواڑی نے اصل بات پرکاش چندر کو بھی نہیں بتائی تھی۔ بس! اتنا بتایا تھا کہ لڑکی ہے جسے وکرم جی مہاراج آنے والے سے اپنی دھرم پتنی بنانے والے ہیں اور یہاں رکھ کر اسے بڑے لوگوں کے ادب و آداب سکھائے جائیں گے اور وہ محل کی مالکن کا کردار ادا کرے گی۔

بہر حال! اس سلسلے میں تمام پروگرام ترتیب دے دیئے گئے اور وکرم کھنا کے اس وفادار نے اپنا ڈرامہ بھی کیا۔ یعنی اس نے بتایا کہ اس کا دور کا رشتہ دار مر گیا ہے اور وہ اس کی لاوارث بیٹی کو لینے جا رہا ہے۔ پھر جب رتنا، پرکاش چندر کے گھر آئی تو سب اس کے حسن کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ سب سے بری حالت پرکاش چندر کے بیٹے جے سنگھ کی تھی۔ جے سنگھ سرخ و سفید رنگ، بلند و بالا قد اور حسین نقوش کا مالک تھا۔ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ شکل و صورت میں بے مثال تھا۔ اس نے رتنا کو دیکھا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ رتنا کے بارے میں نجانے کیسے کیسے خواب دیکھنے لگا تھا۔

دوسری طرف رتنا کو اس گھر کے ماحول سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سب

اس کے غلام ہیں اور اس نے کسی کو نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ گھر تو اس کے لئے تربیت گاہ تھا۔ چنانچہ وہ کسی کو اہمیت نہیں دیتی تھی۔ حالانکہ پرکاش کے لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی تھیں لیکن رتنا انہیں قریب نہیں آنے دیتی تھی اور سوچتی تھی کہ یہ سب اس کے معیار کے لوگ نہیں ہے۔ انہیں میں جے سنگھ بھی شامل تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ رتنا کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ وہ وکرم کھنا جیسے بڑے جاگیردار کی بیوی بننے والی ہے جو پرکاش چندر جیسے گھرانے کو خرید کر پھینک سکتے تھے۔ اس لئے وہ کسی کو اہمیت نہیں دیتی تھی۔ لڑکے لڑکیاں تو خیر بات کو صحیح طور پر سمجھ بھی نہیں پائے تھے لیکن پرکاش چندر کی دھرم پتنی جے شری نے پرکاش سے کہا۔ ''یہ لڑکی تو بڑی عجیب ہے۔ ماتا پتا کی موت کا اس پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اپنے آپ میں مست رہتی ہے۔ تم اسے اتنی محبت سے لے کر آئے ہو لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ یہ تو بڑی ہی مغرور ہے۔ کسی کو منہ بھی نہیں لگاتی۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہم نے اس کے ماتا پتا کو مارا ہے۔ ہمارا کھائے گی اور......''

''ارے ارے! کیوں موت آئی ہے تیری؟ اگر وہ ناراض ہوگئی تو گھر کا گھر جل جائے گا۔ جوتے مار کر ہمارے بھیجے نکال دیئے جائیں گے۔ ایک بات تجھ سے کہوں جے شری! سارے بچوں کو سمجھا دینا کہ اگر زندگی چاہتے ہو تو اسے ناراض نہ کریں۔ اس کے ایک اشارے پر بے موت مر جائیں گے سارے کے سارے۔ بڑی نازک صورت حال ہے یہ۔ سوچ لینا اپنے پریوار کی تباہی کی ذمہ دار تو خود ہوگی۔'' ''مت پوچھ..... بس تجھے بھگوان کا واسطہ! مت پوچھ۔ سوتے جاگتے بس یہی دعا کر کہ بھگوان نے ہمیں جس امتحان میں ڈال دیا ہے اس میں کامیاب کرے۔ ذرا سی غلطی ہمیں جہنم میں پہنچا دے گی۔''

''ایک بات بتاؤ.... قصہ کیا ہے؟ میں کوئی کسی سے کچھ کہے جا رہی ہوں؟''

''تو سوچ لے جے شری..... کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے ہی ہاتھوں ماری جائے۔''

''تمہیں مجھ پر وشواس نہیں ہے؟''

''تو سن لے! بھلا تجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے کہ میرے کتنے دوست تھے، کتنے ساتھی تھے۔ ساری باتیں تو تجھے معلوم ہیں۔ کوئی بھی نہیں تھا میرا..... نہ یہ میرے کسی بھائی کی بیٹی ہے۔ اری باؤلی! میرا بھائی تھا ہی کون..... بس یوں سمجھ لے کہ یہ ہمارے مہاراج وکرم کھنا کی ہونے والی دھرم پتنی ہے۔''

''ہیں..... مگر وکرم سنگھ مہاراج تو پہلے ہی بے شمار پتنیاں پالے ہوئے ہیں۔''

''سارے کے سارے پرکاش چندر کی طرح بیوقوف تھوڑے ہی ہیں جو ایک پال کر اس کے ساتھ سارا جیون بتا دیتے ہیں۔ بہرحال! تو یہ سمجھ لے کہ اگر وہ خوش رہی تو ہمارے گھر میں لکشمی آ جائے گی اور اگر بگڑ گئی تو جھاڑو پھر جائے گی۔''

''کمال ہے..... یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''

''سمجھ لے جے شری! تجھے اب اس طرح سے کرنا ہے۔''

جے شری بہرحال اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس کے لئے تیار کرنے لگی اور سارے معاملات ٹھیک ٹھاک چلتے رہے۔

اُدھر حویلی میں بھی کام ہو رہا تھا۔ وکرم کھنا کی سب سے بیوی اس کے معاملات میں پوری طرح مداخلت کرتی تھی۔ باقی ساری بیویاں تو بعد میں آئی تھیں اور بس ایسے ہی وکرم کھنا کی عیاشیوں کا نتیجہ تھیں۔ لیکن پاروتی خود ایک بہت بڑے جاگیردار کی بیٹی تھی اور سب سے بڑا مسئلہ اسی کا تھا۔ چنانچہ وکرم کھنا نے اس بارے میں سوچا۔ یہ بات ایسی تھی جسے وہ تیواڑی سے بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بہرحال! تیواڑی انسان تھا۔ بہک گیا تو مصیبت بن جائے گی۔ پاروتی بھی معمولی جاگیردار کی بیٹی نہیں تھی۔ دشمنی بڑھ جائے گی۔

ادھر رتنا ایک نئی زندگی سے روشناس تھی۔ آنے والے وقت کا خیال اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچائے ہوئے تھا۔ نہ جانے اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔ نجانے حالات کیا رُخ اختیار کریں۔ ابھی تک تو زندگی جس طرح گزر رہی تھی، گزر رہی تھی۔ سینے میں جوار بھاٹے اٹھتے تھے۔ جوانی بہرحال بہتے پانی کی مانند ہوتی ہے۔ بند باندھو تو کہیں نہ کہیں سے ایسی ہی نکلتی ہے۔ اکثر تنہا راتوں میں اس کے بدن میں بھی کھچاؤ پیدا ہوتا تھا اور ایک بے نام سی آرزو جو کئی بار مختلف شکلوں میں اس کے سامنے آ چکی تھی، خود اس کے اپنے وجود میں جنم لینے لگی تھی۔ ایسے موقعوں پر عجیب سی بے کلی طاری ہو جاتی تھی۔ کتنے دنوں سے وہ شردھا سے نہیں ملی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ شردھا بہت گیانی ہے۔ لیکن یہ اس کا خیال تھا۔ جس وقت وہ بیٹھی یہ سوچ رہی تھی کہ شردھا وتی سے اس کا فاصلہ ہے تو اس کی نگاہ دیوار پر لگی ایک تصویر پر جا پڑی۔ تصویر کے فریم کے اوپری حصے پر ایک بڑی سی مکھی بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اور اب رتنا کو کوئی شبہ نہیں رہا۔ پہلے تو وہ اسے اپنا وہم سمجھی تھی۔ لیکن اب اس نے غور سے دیکھا تو

مکھی اپنی جگہ چھوڑ کر اتر کر سامنے آ گئی اور پھر اس کے پاؤں بلند ہوتے چلے گئے۔ اوپری حصے پر شردھا کا چہرہ مسکرا رہا تھا۔ یہ مسکراہٹ بھی اس قدر مکروہ ہوتی تھی کہ دیکھنے والے کو کراہت محسوس ہو۔ لیکن بہرحال رتنا کا اور اس کا کافی ساتھ رہ چکا تھا۔ رتنا حیرت سے بولی۔ ''نانی جی! آپ.....؟''

''ہاں! میں تجھ سے دور کب ہوتی ہوں۔''

''یعنی آپ ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں۔''

''نہیں! ہمیشہ تو نہیں ہوتی لیکن دن میں ایک آدھ چکر ضرور لگا لیتی ہوں تیرے پاس۔ وہاں حویلی میں بھی تو رہنا پڑتا ہے مجھے۔''

''نانی جی! میں کیسی جا رہی ہوں؟''

''بالکل ٹھیک۔ تو یہ سمجھ لے کہ میرے سارے سپنے پورے ہو رہے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ آج کل ادھر کیا ہو رہا ہے۔''

''کدھر؟''

''حویلی میں۔''

''لو! میں تو یہاں ہوں۔ میں کیا جانوں۔ مگر میں بھول جاؤں گی۔ نانی! ایک بات تو بتاؤ۔''

''ہاں، بول!''

''نانی جی! تم یہ مکھی بن کر کیسے ہر جگہ پہنچ جاتی ہو۔ کیا تم جادو، منتر جانتی ہو؟''

جواب میں شردھا مسکرا دی۔ پھر اس نے کہا۔ ''میرا نام شردھا، علم کا سمندر۔ اگر تو نے میری ساری آرزوئیں پوری کر دیں تو میں تجھے ایک تحفہ دوں گی، جو تجھے امر کر دے گا۔ بس! اس سے زیادہ نہ پوچھ۔'' اور رتنا خاموش ہو گئی۔

☆

جے چند کوئی اوباش نوجوان نہیں تھا۔ ایک عزت دار باپ کا عزت دار بیٹا تھا۔ لیکن اس نے پہلی بار زندگی میں چوٹ کھائی تھی۔ ایک نگاہ رتنا کو دیکھا تھا اور اس کے دل میں ایک سوراخ ہو گیا تھا۔ اس سوراخ سے محبت کی نمی رسنے لگی تھی۔ سینے میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ دل کا یہ زخم رتنا کی بے نیازی نے اور گہرا کر دیا تھا اور اس کی تڑپ دن رات بڑھتی جا رہی

تھی۔ وہ چوروں کی طرح کسی بھی کونے سے رتنا کو دیکھتا رہتا تھا اور اس کے دل میں یہ آرزو شدید ہو گئی تھی کہ وہ اس کی جانب متوجہ ہو۔ اس سے بات کرے۔ اس سے محبت کرے۔ اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ لیکن بہرحال! وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔ وہ رتنا کا جائزہ لے رہا تھا۔ اور ابھی کسی پر اپنی کیفیت کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پرکاش چندر نے جیسا کہ سب کو بتا دیا تھا سوائے اپنی بیوی جے شری کے کہ رتنا اس کی بھتیجی ہے۔ ایک ایسے بھائی کی بیٹی جو زندگی میں کبھی اس سے نہیں ملتا تھا مگر موت کے بعد یہ مجبوری ہو گئی کہ وہ رتنا کو اپنے گھر لے آیا۔

ادھر رتنا تھی کہ اس نے اپنی ذات کے گرد ایک آہنی حصار قائم کر رکھا تھا آج تک وہ گھر کے کسی فرد سے گھلی ملی ہی نہیں تھی۔ ان کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی بھی نہیں تھی۔ کتنی ہی بار جے چند کو یہ احساس ہوا کہ یہ انوکھا مہمان اپنے میزبانوں کو اپنا غلام سمجھتا ہے۔ اور حیرت کی بات یہ تھی کہ میزبان بھی اس کی پذیرائی کرتے تھے۔ بہرحال! یہ پراسرار لڑکی جے چند کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

وقت گزرتا رہا اور جے چند کے دل کی آگ بھڑکتی رہی۔ پھر اس رات تو وہ انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اس کا دل اس سے باغی ہو گیا تھا۔ وہ اسے خوفناک مشورے دے رہا تھا۔ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ محبوب کے وصل کے لئے دنیا کے اقتدار ٹھکرا دیئے جائیں۔ دل کی چیخیں برداشت سے باہر ہو گئیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور رتنا کی خواب گاہ کی جانب چل پڑا۔ خیال یار کے سوا کوئی احساس اس کے دل میں نہیں تھا۔ کائنات سو رہی تھی۔ رات جاگ رہی تھی اور ماحول اس خوفناک روشنی میں بڑا دلکش لگ رہا تھا یا پھر یہ دلکشی اس حسین وجود کی تھی جو ایک کچی کلی کی طرح محو خواب تھی۔ مسہری کے گرد پڑے گلابی رنگ کے پردے لرز رہے تھے اور آسمانی رنگ کے باریک لبادے سے جوانی کی شراب جھلک رہی تھی۔ بال گھٹاؤں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ گلاب کی پتیاں آدھ کھلی ان سچے موتیوں کی نمائش کر رہی تھیں جو پتیوں کے درمیان غلاف میں رکھے ہوئے چمک رہے تھے۔ سارا وجود ایک حسین آبشار بنا ہوا تھا جو دھیمے دھیمے بہہ رہا ہو۔ اس حسین منظر کو دیکھ کر جے چند پتھرا گیا۔ اس نے اپنے آپ کو نیم غشی کے عالم میں پایا۔ اس وقت رتنا نے کروٹ بدلی۔ آنکھیں کھول کر جے چند کو دیکھا او ایک دم حیران سی ہو گئی۔ انسان تھی، نازک تھی، ساری باتیں

اپنی جگہ۔ قدرت نے اس کی تقدیر میں جو تحریر کر دیا تھا اس تحریر کو کوئی نہیں مٹا سکتا تھا۔ جہاں وہ ایک خوفناک ناگن کے روپ میں جھلکتی، وہیں ایک نوجوان اور اکھڑ دوشیزہ بھی تھی اور جس وقت ناگن نہ ہوتی تو ایسی معصوم ہوتی کہ دیکھنے والا اس کی معصومیت پر قربان ہو جائے۔ اس وقت وہ اسی کیفیت میں تھی۔ چنانچہ اس کا بدن ہولے ہولے کانپنے لگا۔ پیشانی پسینے سے تر ہوگئی۔ جھیل جیسی آنکھوں میں خوف کی سیاہی پھیل گئی اور نازک پتیاں کھل گئیں۔ موتی بکھر گئے اس کی لرزتی آواز ابھری۔ ''کون.....کون ہو تم.....؟''

''جے چند۔''

''ہاں! میں جانتی ہوں۔ کیا بات ہے؟''

''میں.....میں.....'' جے چند کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا۔ قد و قامت، رنگ و روپ جو کچھ بھی تھا، ایسا نہیں تھا کہ دیکھنے والا دیکھے اور نظر انداز کر دے۔

کچھ لمحے کے لئے وہ بھول گئی کہ شردھا نے اسے کیا سکھایا ہے یا یہاں وہ کس مقصد کے تحت آئی ہے۔ اس وقت وہ ایک معصوم اور الہڑ لڑکی کی زبان بول رہی تھی۔ اس نے کہا۔

''بیٹھو نا!''

جے چند کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ آج تک اس نے رتنا کی جو فطرت دیکھی تھی اس میں غرور تھا، تکبر تھا۔ ایک برتری کا احساس تھا۔ لیکن اس لہجے میں فرق تھا۔ جے چند کی بھلا کیا ہمت ہو سکتی تھی کہ اس کے برابر اس کی مسہری پر بیٹھ جائے۔

وہ نہ بیٹھا تو رتنا پھر بولی۔ ''بیٹھو نا!''

جے چند کو یوں لگا جیسے اس کے اعضاء اس کے حکم کی تعمیل کر رہے ہوں۔ وہ بیٹھ گیا اور اس کے دل میں کنول کھلنے لگے۔

''کیسے آنا ہوا؟ بولو!''

''دل کی تڑپ نے مجبور کیا۔ برا مانا ہو تو معاف کر دینا۔''

''پہلے تو تم نے کبھی میری طرف رُخ نہیں کیا تھا۔''

''بس! نہ جانے کب سے ہمت باندھ رہا تھا۔ ہمت تو نہ ہو سکی۔ اور اس سے یہ سوچ کر نکلا تھا کہ بس! آج میں تمہاری توجہ حاصل نہ کر سکا تو جان دے دوں گا۔''

رتنا نے چونک کر اسے دیکھا۔ واقعی اس کا ذہن کچھ اور کہہ رہا تھا۔ کچھ اور چاہ رہا تھا۔

سامنے جو نظر آ رہا تھا وہ حسین تھا۔ چوڑے چکلے بدن کا مالک، نرم نرم خوبصورت آنکھیں۔ یہ تو بڑا ہی انوکھا ہے۔

لیکن پھر شردھا اس کے دماغ میں کلبلائی۔ اس کے الفاظ یاد آئے۔ جوانی کو سستے داموں فروخت کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اگر وہ جذبات کے دھارے میں بہہ گئی تو کچھ نہ پا سکے گی اور ایک معمولی سی عورت کی طرح زندگی گزار دے گی۔ چنانچہ اس نے خود کو سنبھالا۔ اور اب اس کا لہجہ بدل گیا۔ ''تمہارا نام جے چند ہے شاید۔''

''ہاں!''

''جے چند! یہ میرے سونے کا کمرہ ہے اور پرکاش چندر جی نے مجھے یہ کہہ کر یہاں بلایا تھا کہ میں یہاں محفوظ ہوں۔ کیا تمہیں اس طرح میرے کمرے میں آنا چاہئے تھا؟''

جے چند کے وجود میں جتنے پھول کھلے تھے سب کی پتیاں ٹیڑھی ہو گئیں۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ انوکھی ہے..... بڑی انوکھی ہے۔ یہی تو خوبی ہے اس کی۔ کبھی دل کو کنول کی طرح کھلا دیتی ہے اور کبھی ایسے جلا دیتی ہے کہ منوں کوئلہ ہو۔ وہ پھر بولی۔

''تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں۔''

''اپسرا ہو۔ آکاش سے اتری ہو۔ ورنہ اتنی پتھر دل نہ ہوتیں۔''

''سنو! میں تمہیں صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ اگر کسی کو علم ہو جائے کہ تم اس طرح چوری چوری میرے کمرے میں آئے ہو تو تمہیں پتھروں سے کچل کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ ایسا ہو۔ اس لئے خاموشی سے واپس لوٹ جاؤ۔ میں اسے تمہاری پہلی بھول سمجھ کر معاف کر سکتی ہوں۔''

جے چندر کے پورے وجود میں اندھیرے سے پھیل گئے۔ ساری روشنیاں بجھ گئیں۔ تاریکیاں اُمنڈ آئیں۔ پھر بھی اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''رتنا.....''

''بس! کچھ نہیں۔ نکل جاؤ میرے کمرے سے۔ اس سے پہلے کہ یہ راز چھپانا میرے لئے ناممکن ہو ہو۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

جے چند مشینی انداز میں کھڑا ہو گیا۔ پھر لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اور رتنا اُسے جاتے دیکھتی رہی۔ بڑی اداس ہو گئی تھی وہ۔ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر مدھم سی سانس لے کر اس نے گردن گھمائی تو کارنس پر وہی بڑی مکھی بیٹھی نظر آئی

جس کا چہرہ شردھا کا چہرہ تھا۔ شردھا نے روپ نہ بدلا لیکن اس کا چہرہ بہت بڑا ہو گیا۔ اتنا بڑا کہ حیرت ہو۔ پتلے پتلے باریک پاؤں دیوار سے چمٹے ہوئے تھے اور مکروہ چہرے پر ایک بھیانک مسکراہٹ تھی۔ اس کے ہونٹ ہلے اور اس کی آواز ابھری۔ ''تجھے کہنا چاہئے تھا اس سے کہ پگلے! نراش نہ ہو۔ تیرا بھی وقت آئے گا۔ رتنا! میں یہ تجھ سے کہہ رہی ہوں۔ تیرے من میں اگر کسی کا پریم جاگے تو یہ نہ سوچنا کہ تو مجبور ہے اور اپنے پریمی کا حاصل کبھی نہیں کر پائے گی۔ اس کا بھی سمے آئے گا۔ اگر اس نے تیرے من میں جگہ حاصل کر لی ہے تو میں تجھ سے وعدہ کرتی ہوں کہ تجھے اس کی قربت دوں گی۔ وہ دوں گی جو تو نے کبھی نہ حاصل کیا ہو گا۔ کیا سمجھیں......؟ شردھا سے اپنا من لگائے رکھنا۔ شردھا کبھی تجھے نراش نہیں کرے گی۔ شردھا تو شردھا ہوتی ہے۔ صرف دینے کے لئے، لینے کے لئے نہیں۔ اور دیکھ لے! ایک ایسی حویلی تیرا انتظار کر رہی ہے جسے اندر سے دیکھنے کے صرف خواب دیکھے جاتے ہیں اور یہ خواب پورے کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ کیا سمجھیں؟'' شردھا کا منحوس چہرہ چھوٹا ہوتا گیا اور اس کے بعد اس نے دیوار پر پاؤں جمائے اور بھنبھناتی ہوئی اپنی جگہ سے اڑی اور ایک کھلی کھڑکی سے باہر نکل گئی۔

رتنا نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اور بند آنکھوں میں جے چند کا چہرہ۔ اس کی لڑکھڑاتی چال کی تصویر ابھر آئی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے ایک مدھم سی آواز نکلی۔ ''بھگوان! کیا میں انسان ہوں......؟''

☆.....☆.....☆

ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ رتنا بہر حال انسان تھی۔ انسان کے سینے میں دل ہوتا ہے، دل میں ارمان ہوتے ہیں۔ ہر طرح کے احساسات بھی ہوتے ہیں۔ اور پھر رتنا کا ماضی تو روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ غور کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اس کا ان معاملات میں کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ تو بالکل بے گناہ تھی۔ ایک بد بخت نے اسے زندگی کے غلط راستوں پر ڈالا۔ ماں باپ چھین لئے اس سے۔ بڑی بے بسی کی موت کا شکار ہوئے تھے وہ لوگ۔ لیکن اس بد بخت کی وجہ سے ایک ایسے شیطان نے جنم لیا جس کی مثال ممکن نہیں ہوتی۔ رتنا درحقیقت ایک معصوم درندہ تھی۔ اپنی کیفیتوں سے بے نیاز۔ جو عادت اس کی فطرت میں شامل ہو گئی تھی اس میں اس کا قصور نہیں تھا۔ بس حالات نے اسے اس رُخ پر ڈال دیا تھا۔ کیا کرتی بیچاری۔ اور اب کبھی کبھی وہ اپنے بارے میں سوچتی تو اسے احساس ہوتا کہ وہ بڑی مشکل کا شکار ہو گئی ہے۔ لیکن برائیاں اسے سہارا دے رہی تھیں اور یہ مثال اب سچ ثابت ہو رہی تھی کہ برائی بہت آسان ہوتی ہے۔ بہت دلکش۔ سوچنے کا موقع نہیں دیتی۔ جے چند کے لئے اس کے دل میں درحقیقت کچھ نرم گوشے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن شردھا اس کی استاد تھی اور شردھا نے اسے بتا دیا تھا کہ بہت بڑی جاگیر پر قبضہ جما لینا آسان کام نہیں ہو گا۔ رانیوں کی طرح وکرم کھنا کی جائیداد پر حکمرانی کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وکرم کھنا کو اپنے جال میں گرفتار رکھا جائے اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ رتنا پر صحیح معنوں میں اب جوانی آ رہی تھی اور اس کی دلکشی بے پناہ ہوتی جا رہی تھی۔ جے چند جیسے لوگ جس قدر بھی متاثر ہوتے، کم تھا۔

اُدھر وکرم کھنا اپنے طور پر دن رات انتظار کر رہا تھا۔ اس کی راتیں تڑپتے ہوئے گزر رہی تھیں۔ پورا ایک مہینہ گزر گیا تھا اور یہ ایک مہینہ وکرم کھنا نے جس انداز میں گزارا تھا،

اس کا دل ہی جانتا تھا۔ تیواڑی لال، پرکاش چندر سے ملتا رہتا تھا۔ ایک آدھ بار وہ رات کی تاریکیوں میں رتنا سے ملنے بھی آیا، یہ جائزہ لینے کے لئے کہ جس کام کا اس نے آغاز کیا ہے وہ صحیح انداز میں ہو بھی رہا ہے یا نہیں۔ ہر شخص کے اپنے مفادات ہوتے ہیں اور وہ اپنے مفادات کے لئے کام کرتا ہے۔ تیواڑی لال بھی وکرم کھنا سے اپنی کاوشوں کا جو صلہ لینا چاہتا تھا وہ ایسا تھا کہ وہ دنیا کا ہر کام کرسکتا تھا۔ وہ جب بھی رتنا سے ملتا، اسے یہ احساس ہوتا کہ بات بڑی خوبصورتی سے بن رہی ہے۔ رتنا کے اندر ایک ایسی تمکنت پیدا ہوگئی ہے جو ہر طرح سے اسے کسی بڑے گھر کی بیٹی ظاہر کرتی ہے۔ بہرحال! تیواڑی لال بہت مطمئن تھا۔

پھر ایک شام وکرم کھنا نے اسے طلب کرلیا۔ وکرم کھنا کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے بے قراری سے کہا۔ ”ہمارے صبر کا کب تک امتحان لو گے تیواڑی لال جی! ہم اس کے لئے پاگل ہوئے جا رہے ہیں۔ بتاؤ! ہمارے من کو شانت کب کرو گے؟“

تیواڑی لال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ ”آپ کو تو یاد ہوگا مہاراج! آج سے صرف چند روز کے بعد آپ کا جنم دن آ رہا ہے۔ آپ ہمیشہ ہی بھول جاتے ہیں۔ مگر ہم نہیں بھولتے۔ وہ آپ کے جنم دن پر آپ کے پاس آئے گی۔ کیسا رہے گا؟“

وکرم کھنا فرطِ مسرت سے اچھل پڑا۔ اس نے کہا۔ ”تیواڑی لال! حقیقت تو یہ ہے کہ تم جیسے دوستوں پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔“

تیواڑی لال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ ”مہاراج! بس جیون کی سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ آپ خوش رہیں، زندہ رہیں۔ آپ کی خوشی ہی ہمارا جیون ہے۔“

”اگر رتنا جیسی اپسرائیں ہمارے جیون میں آتی رہیں تو مرنے کا نام کون پاپی لے گا؟“

تیواڑی لال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وکرم کھنا یہ سمجھا تھا کہ یہ مسکراہٹ اس کی بات کے جواب میں ہے۔ لیکن تیواڑی لال کچھ اور سوچ رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔ ”بوڑھے بیوقوف! جیون کی جتنی خوشی مل جائے، اسے غنیمت جان۔ زندہ رہنا تیرے بس کی بات نہیں۔ زندگی تو بھگوان کی دی ہوئی ہوتی ہے۔“

بہرحال! جنم دن آ گیا۔ حویلی روشنیوں میں نہا گئی۔ طرح طرح کے کھیل تماشے ہونے لگے اور ایک بہت بڑے ہال میں شہر بھر کے لوگ جمع ہو گئے۔ نوجوان داسیاں مہمانوں کی

خدمت کر رہی تھیں۔ محفل رقص و سرود جمی ہوئی تھی۔ رقاصاؤں نے اپنا کمال دکھا رکھا تھا کہ اچانک ساز رُک گئے۔ ہر طرف ایک سکوت سا طاری ہو گیا۔ آسمان سے اپسرا اُتری تھی۔ تماشائیوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دلوں کی دھڑکنیں رُک گئیں۔ وکرم کھنا تصویر حیرت بن گیا۔ سرخ لہنگا، سرخ چنری موتیوں سے جڑی ہوئی، سنگ مرمر کا بدن، آتشیں لباس، کنول کی طرح کھلا ہوا چہرہ، یاقوت کی طرح سرخ ہونٹ، آنکھوں میں کاجل کی لکیریں، انگ انگ موتی سجائے، پیروں میں چاندی کی پازیب جن کے چھوٹے چھوٹے گھنگرو چھن چھن کر رہے تھے۔ سارے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے۔ اور وہ آ گئی۔ محفل پر سحر طاری ہو گیا تھا۔ دلوں کی دھڑکنیں بند ہو گئی تھیں۔ حسن تھا کہ قیامت۔ یہ حسن کہاں پوشیدہ تھا۔

دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ بھی باادب بیٹھ گئی۔ پرکاش چندر کو بتا دیا گیا تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ تیواڑی لال نے ڈرامہ شروع کر دیا۔ ”یہ بچی کون ہے پرکاش چندر جی؟“

”میری بھتیجی ہے سرکار! کہہ رہی تھی کہ اس نے راج محل نہیں دیکھا۔ سو لے آیا۔“

”ذرا اسے ہمارے مہاراج سے ملاؤ۔“ تیواڑی لال نے کہا اور پرکاش چندر نے جھک کر رتنا کے کان میں کچھ کہا۔ رتنا اُٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وکرم کھنا کے پاس پہنچی..... دونوں ہاتھ جوڑ کر انہیں پرنام کیا.....

وکرم کھنا نے اپنے گلے سے قیمتی مالا اُتار کر اُسے دی اور تھوڑے سے الٹ پھیر کے بعد اس مالا کو ور مالا تسلیم کر لیا گیا۔ بہرحال! رتنا اس انداز سے محفل میں آئی تھی کہ لوگوں نے وکرم کھنا کی قسمت پر رشک کیا اور بہت سے دلوں میں یہ احساس ابھرا کہ دولت بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ ہر قیمتی اور خوبصورت شے کو حاصل کر لینے کے لئے دولت ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ پرکاش چندر بھی ذات کا کھرا تھا۔ چنانچہ جن لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی کہ بہت جلد ہی رتناوتی، وکرم کھنا کی دھرم پتنی بن جائے گی، انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ کچھ بھی تھا، لیکن لڑکی ذات کی کھری تھی۔ البتہ جے چند کے دل کو بڑے دھکے لگ رہے تھے۔ اس رات کے بعد اس نے آج تک رتنا کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے رتنا کے کہنے پر اس کے گرد دیواریں تنگ کر دی گئی ہوں لیکن جے چند کا دل ان پابندیوں کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ باقی باتیں بھی اس کی سمجھ سے باہر تھیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اُسے پرکاش چندر جی

کے کسی رشتہ دار کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو۔ بہرحال! وہ اس راز کو جاننے کے لئے بے چین تھا۔لیکن کس سے معلوم کرتا؟ کون اسے بتاتا؟

یہ بات اس کے علم میں آ چکی تھی کہ وکرم کھنا نے رتنا کے لئے رشتہ مانگا ہے اور بھلا پرکاش چندر کی کیا مجال تھی کہ وہ اس رشتے سے انکار کر سکے۔ چنانچہ رتنا کو وکرم کھنا کے حوالے کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اور خود جے چند کو بھی اس سلسلے میں کام کرنا پڑ رہا تھا۔ آخر کار اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ ماں ہر حال میں ماں ہوتی ہے۔ اگر ماں سے وہ اپنا درد دل بیان کرے تو شاید کوئی حل نکل آئے۔ ویسے وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ دولت ہر چیز پر حکمران ہوتی ہے۔ وکرم کھنا، رتنا پر اپنا حق جما چکے ہیں۔ اب کس کی مجال ہے کہ کوئی رتنا کی طرف نگاہ بھر کر بھی دیکھ سکے۔لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ سب کچھ اس کے باپ کا کیا دھرا ہے۔ یقیناً اس کے باپ نے اپنے کسی مفاد کے لئے یہ چکر چلایا ہے۔ جے چند کے دل میں بغاوت کی لہریں دوڑنے لگیں۔ لالچی باپ کو دولت اکٹھی کرنے کا اتنا شوق ہو گیا کہ وہ ایسی حرکتوں پر اتر آیا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ماں کو صاف صاف بتا دے گا کہ وہ رتنا کو چاہنے لگا ہے اور کچھ بھی ہو جائے وہ رتنا کو حاصل کر کے رہے گا چاہے اس کا نتیجہ اس کے خاندان کی تباہی کی شکل میں کیوں نہ نکلے۔

وہ ماں کے کمرے میں پہنچا تو ایک بہن اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ جے چند نے بہن سے کہا۔ ''جاؤ، تم باہر جاؤ۔''

''کیا بات ہے بھیا جی؟''

''سنا نہیں تم نے؟ باہر جاؤ!'' وہ بولا اور بہن ڈر گئی۔

ماں حیرانی سے بیٹے کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ ''کیا بات ہے جے چند؟''

''ماں! رتنا کون ہے؟'' جے چند نے سرد لہجے میں سوال کیا اور ماں کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا۔ وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔ ''کیوں پوچھ رہا ہے رے؟ کیا بات ہے؟''

''مجھے میرے سوال کا جواب دو۔'' جے چند کی آواز میں آگ کی تپش تھی۔ لیکن پھر بھی ماں نے خود کو سنبھالا۔ اور بولی۔

''پہلے تو میری بات کا جواب دے۔''

''سنو ماں! میں یہ راز ضرور معلوم کر لوں گا کہ رتنا کون ہے اور اسے یہاں کیوں لایا گیا تھا۔ ماں! میں کوئی نیچ ذات کا لڑکا نہیں ہوں۔ ہماری بھی کوئی عزت ہے۔ پتا جی اگر دولت کے لالچ میں عزت گنوانے پر تیار ہو گئے ہیں تو میں بھی عزت پر جان دے دوں گا۔ آگے چل کر مجھے بھی اپنا جیون گزارنا ہے۔ اور یہ جیون میں گردن جھکا کر نہیں گزارنا چاہتا۔''

''تیری گردن کیوں جھک رہی ہے رے؟''

''دنیا یہی کہے گی نا ماں! کہ پرکاش چندر جی نے دولت حاصل کرنے کے لئے اپنے دوست کی بیٹی وکرم کھنا کو پیش کر دی۔ مجھے بتاؤ! کون سے تعلقات ہیں وکرم کھنا کے گھر سے ہمارے؟ آخر رتنا کو وہاں کیوں بھیجا گیا ہے؟ اس لئے ماں کہ وکرم کھنا اس پر لٹو ہو جائیں اور پتا جی اس کے دلال بن کر.....''

''کیا تو پاگل ہو گیا ہے...... بکے جا رہا ہے..... بکے جا رہا ہے۔''

''دیکھو ماں! میں بچہ نہیں ہوں۔ اگر تم نے مجھے یہ بات نہیں بتائی تو رتنا سے پوچھوں گا اور اگر رتنا بھی اس بات پر تیار ہوئی کہ محلوں کی رانی بنے تو میں اسے جان سے مار دوں گا۔ میں اس سے پریم کرتا ہوں۔ ہمارے پاس بہت کچھ ہے ماں! تم پتا جی سے کہو کہ وہ مزید دولت حاصل کرنے کی بجائے میرے من کا سکون مجھے دے دیں۔'' جے چند کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے۔ ماں کا دل سینے میں لرزنے لگا۔ بیٹے کی ناکام آرزوئیں ماں کے سامنے کھڑی تھیں۔ وہ اُس کی حالت پر تڑپنے لگی۔ لیکن بات کہیں اور آگے کی تھی۔

قصور تو پرکاش چندر کا بھی نہیں تھا۔ وہ دولت کی بھوک میں یہ سب نہیں کر رہا تھا۔ اگر رتنا کا حصول ممکن ہوتا تو وہ سب کچھ اپنے بیٹے کو دے دیتیں۔ پر اس وقت بات بالکل مختلف تھی۔ بے عزتی کی موت سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرتی رہیں۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔ ''ایک بات کہوں جے! اگر تو چاہتا ہے کہ تیری بہنوں کو سرعام ننگا کر دیا جائے، اگر تو چاہتا ہے کہ تیری ماں کو زندہ جلا دیا جائے، اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے پتا جی کو ہاتھی کے پاؤں سے روند کر مار ڈالا جائے تو تیرا جو دل چاہے کر۔ ہم تیری خوشی کے لئے مر جائیں گے۔ اور اگر تو چاہتا ہے کہ یہ سب کچھ نہ ہو تو اپنے دل پر پتھر رکھ لے۔ رتنا تیرے لئے نہیں ہے، وہ ہمارے پاس وکرم کھنا کی امانت ہے۔ وکرم کھنا ہی نے اسے ہمارے پاس بھجوایا تھا اور اب ہم اسے وکرم کھنا

جی کو واپس کر رہے ہیں۔ ہماری کیا مجال ہے کہ ہم ان کی کسی دی ہوئی چیز پر قبضہ کر سکیں۔"

"مگر وہ کون ہے؟ کیا وہ پتا جی کے دوست کی بیٹی نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں!"

"تو یہ ناٹک کیوں رچایا گیا؟"

"وکرم کھنا مہاراج کے حکم سے۔ یقین کر لے ہم تجھے سنسار کے سارے سکھ دینے کے لئے تیار ہیں۔ مگر وہ تیری نہیں ہو سکتی۔ سمجھ رہا ہے نا؟"

"سمجھ رہا ہوں ماں! پر....."

"نہیں جے چند! اس گھر کی تباہی مت لا۔ سب مارے جائیں گے۔" جے چند خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

بہر حال وقت جاری رہا۔ اُدھر رتنا عجیب کیفیت کا شکار تھی۔ وکرم کھنا تو اسے ذرہ برابر بھی پسند نہیں تھا۔ ہاں! محل کی آن بان شان دیکھ کر وہ ضرور متاثر ہوئی تھی۔ شادی کے دن قریب آتے جا رہے تھے اور اس کا تردد بڑھتا جا رہا تھا۔ لیکن شردھا بھلا اس سے دور کب تھی۔ اپنے بھیانک روپ میں اس کے پاس پہنچ گئی۔ "کیا بات ہے؟ میں تیرے چہرے پر خوشی کے سائے نہیں دیکھ رہی رتنا!"

"میں بڑی پریشان ہوں۔"

"ایک تو مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ کسی کو کچھ سمجھاؤ۔ کسی کو کچھ دینا چاہو تو خاموشی سے کچھ لینے کی بجائے وہ اِدھر اُدھر کی باتوں میں گم ہو جاتا ہے۔ اری باؤلی! کہہ دیا ہے تجھ سے کہ اقتدار کا سرا ہاتھ میں آ جانے دے۔ اقتدار کی ڈور ہاتھ میں آ جائے تو سنسار مل جاتا ہے۔ کیا تو یہی نہیں کہنا چاہتی کہ وکرم کھنا پکی عمر کا ایک مرد ہے اور تیرے من میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے؟ دیوانی! سب سے پہلے من کے لئے ایک سڑک بنا جس پر آسانی سے دوڑ سکے۔ اور پھر من کی منوکامنا پوری کرنے کے لئے تیرے پاس راستے ہی راستے ہوں گے۔ کون روکے گا تجھے؟ اور جہاں تک بات رہی مرد کی تو مرد کو رجھانا عورت کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ تیری ایک میٹھی نظر سے وکرم کھنا گہری نیند سو جائے گا، نشے میں ڈوب جائے گا۔ اور نیند میں ڈوبا ہوا انسان کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تیرے سامنے پریم

کے راستے کھلے ہوں گے۔ چنتا کیوں کرتی ہے؟ اب میں تجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھاؤں گی۔"

"میرا من اندر سے ڈرتا ہے۔"

"تو اس کی بھی چنتا نہ کر! میرے لئے تیرے من میں اتر جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ میں تو سوچتی تھی کہ تجھے تنہائی دے دوں۔ پر تیری مرضی ہے۔ تو تنہائی نہیں چاہتی تو نہ سہی۔ آج سے میں تیرے اندر رہوں گی اور تو میرے اشاروں پر چلے گی۔"

"یہ زیادہ اچھا ہوگا شردھاوتی! بھگوان کے لئے تم ایسا ہی کرو۔" شردھا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے انسانی روپ اختیار کر لیا۔ چڑیل سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کوئی منتر پڑھ کر پھونکا، دونوں ہاتھ سامنے کئے اور اس کے بعد آہستہ آہستہ چکر کاٹنے لگی۔ وہ گھوم رہی تھی اور اس کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اتنی برق رفتاری سے گھومنے لگی جیسے بجلی سے چلنے والی کوئی مشین ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کا پورا وجود ایک سفید لکیر کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا۔ یہ سفید لکیر دھوئیں میں تبدیل ہوئی۔ اور پھر اس میں لچک پیدا ہونے لگی۔ رتنا خاموشی سے کھڑی یہ بھیانک منظر دیکھ رہی تھی۔ لکیر کا پہلا سرا اس کی ناک کے قریب پہنچا اور پھر دھوئیں کی یہ لکیر اس کی ناک میں سمٹنے لگی۔ رتنا کو اپنا سر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ دھواں اس کے پورے وجود میں اتر گیا۔ وہ لہرانے لگی اور تھوڑی دیر کے لئے گہری نیند سو گئی۔

پھر کسی کے نرم ہاتھوں نے اسے جگایا۔ ہاتھ نرم نہیں تھے لیکن اس طرح اسے چھو رہے تھے جیسے وہ موم کی بنی ہو اور ٹوٹ جانے کا خطرہ ہو۔ ایک جوان، خوبصورت اور حسین چہرہ۔ جس پر ایک سوگوار سی کیفیت تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ یہ چہرہ جے چند کا تھا۔ جے چند افسردہ سا اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے شرمندہ لہجے میں کہا۔ "کبھی ایسا نہ کرتا میں۔ کبھی تمہارے پاس نہ آتا رتنا! پر یہ من جو ہوتا ہے، اندر سے یہ اپنے بس میں نہیں ہوتا۔ انسان ہونے کے ناطے اتنا تو کم از کم بتا دو کہ من ایسے بے قابو ہو جائے تو اسے قابو میں کیسے کیا جا سکتا ہے؟"

اس سے پہلے کہ رتنا کچھ بولنے کی کوشش کرتی، اس کے اندر سے شردھا بول پڑی۔ آواز رتنا کی تھی، جنبش رتنا کی تھی۔ لیکن سوچ شردھا کی تھی۔ رتنا کی مسکراتی نگاہیں جو رتنا کی نہیں

بلکہ شردھا کی تھیں جے چند پر پڑیں اور اس نے کہا۔ ''جے چند! گرم کھانے سے ہونٹ جل جاتے ہیں۔ بہت سے نقصانات ہوتے ہیں۔ جبکہ ٹھنڈا کر کے کھاؤ تو کھانے کی لذت کا احساس بھی ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ کھانے میں کیا لذت ہے۔ سو یوں کرو کہ من کو شانت کرو۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہی ہوں کہ میرے من میں تمہارے لئے بڑی جگہ ہے۔ کم از کم مجھے وہ تو کرنے دو جس سے راستے ہموار ہو جائیں۔''

''مگر میں اپنے من کو کیا کروں؟ تم مجھ سے دور ہو جاؤ گی رتنا! میرا من چاہتا ہے کہ میں آتما ہتھیا کرلوں۔''

''اگر تمہارا دل یہ چاہتا ہے تو تم ایسا ضرور کرلو۔ دل کی بات ماننی چاہئے۔ دل کی بات مان کر تم آتما ہتھیا کرلو۔ دنیا کے جھگڑوں سے آزاد ہو جاؤ گے اور اگر میری بات ماننا چاہتے ہو تو حقیقتوں کو سمجھو۔ حقیقتوں کو سوچو! ہوسکتا ہے کہ آنے والا وقت تمہارے لئے بہت سے چراغ روشن کر رہا ہو۔''

جے چند نے گردن جھکا لی۔ لیکن دوسرے لمحے جو کچھ ہوا، وہ شاید خود اس کے تصور میں بھی نہیں تھا۔ اچانک ہی رتنا آگے بڑھی تھی اور اس نے جے چند کی گردن میں بانہیں ڈال کر اسے اپنے بالکل نزدیک سمیٹ لیا تھا۔ جے چند کانپ کر رہ گیا۔ رتنا نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہاں جے چند! میں نے تم سے کہہ دیا ہے۔ میں تمہاری ہوں۔ لیکن اس سے پہلے مجھے وکرم کھنا کی ہونا پڑے گا۔ ورنہ، نہ تم مجھے حاصل کر پاؤ گے، نہ میں تمہیں۔''

جے چند چلا گیا تو شردھا نے رتنا کے وجود میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اگر تو ایسا نہ کرتی رتنا! یا میں ایسا نہ کرتی تو واقعی یہ سب کچھ نہ ہو پاتا۔''

رتنا نے کہا۔ ''میں نہیں جانتی تم کون ہو شردھا! پر ایک بات کہے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تمہاری وجہ سے مجھے بہت آسانی ہوگئی ہے اور اب مجھے جینے سے ڈر نہیں لگتا۔''

''بس! جو میں کہتی ہوں، خاموشی سے وہ کرتی رہو۔ اس میں ذرا بھی کوئی حرکت نہ کرنا۔''

☆

رتنا، وکرم کھنا کی پتنی بن کر حویلی پہنچ گئی اور وکرم کھنا نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر

ایسا جشن منایا کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے۔ پاروتی جل کر خاکستر ہوگئی۔ سندھیا اور پورن ماشی کی آنکھیں آنسوؤں سے جل تھل ہوگئیں۔ یہ کون تھیں؟ ان کا کردار کیا تھا؟ یہ بات تو آگے چل کر ہی کھل سکے گی۔ لیکن پاروتی، وکرم کھنا کی وہ بیوی تھی جس کے بارے میں سب کو معلوم تھا۔ بے عزتی تو اسی کی ہوئی تھی۔ لیکن دنیا یہ بات نہیں جانتی کہ ہر عمل کا ردعمل ضرور ہوتا ہے۔ وکرم کھنا سوچتا تھا کہ وہ زمانے بھر کا عیاش ہے۔ حسن و جمال کی دیویاں اس کے سامنے ناک رگڑتی ہیں۔ لیکن کچھ اور بھی تھا۔ پاروتی کو بہت چاہا جاتا تھا۔ وہ ایک زمانے میں وکرم کھنا کی من پسند عورت تھی۔ لیکن خود اس کے من کا موہن کوئی اور ہی تھا۔ اس کے دل پر کسی اور کا راج تھا اور جس کا راج تھا۔ اس کا نام سوریہ مکھٹ تھا۔ سوریہ مکھٹ پوری طرح پاروتی کے دل و دماغ میں رچا بسا ہوا تھا اور پاروتی نے ایک لمحے کے لئے اسے اپنے دل سے نہیں نکالا تھا۔ وکرم کھنا اپنی رنگ رلیوں میں مصروف رہتا تھا تو پاروتی بھی اپنے من موہن کو مختلف طریقوں سے اپنے پاس بلا لیتی تھی۔

آج جب وکرم کھنا نئی نویلی تنا کے ساتھ حجلہ عروسی میں موجود تھا تو رہائش گاہ کے خفیہ دروازے سے سوریہ مکھٹ بھی پاروتی کے پاس پہنچ گیا تھا۔ سوریہ مکھٹ کو آج یہ محسوس ہوا کہ پاروتی کے چہرے پر اس کے استقبال کے لئے وہ تاثر نہیں ہے جو ہوا کرتا تھا۔ اس نے کہا۔ ''کیا بات ہے؟ آج تمہارا من کچھ پریشان لگتا ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں۔ آخر وہ تمہارا پتی ہے۔ دولت مند ہے۔ بیچارہ سوریہ مکھٹ کیا چیز ہے؟''

''یہ بات نہیں ہے سوریہ مکھٹ! اس لڑکی نے میرے من کے کنول مرجھا دیئے ہیں۔ میں کانٹوں کے بستر پر لوٹ رہی ہوں۔''

''اور جب میں کانٹوں کے بستر پر لوٹتا تھا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اب تمہیں خوش ہونا چاہئے۔ بوڑھا گدھ اس حسین لڑکی کے بدن کو نوچے گا اور اس کی آبرو میری آغوش میں ہوگی۔''

''آہ! تم نہیں سمجھے۔ سارا اقتدار چھن جائے گا مجھ سے۔ میری کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔ یہاں یہ بات تمہیں نہیں معلوم لیکن میں جانتی ہوں کہ اس سے پہلے بھی وکرم کھنا اپنی دو بیویوں کو یہاں سے نکال چکا ہے۔''

''یہ تو اور بھی اچھا ہو جائے گا پارو! میرا چھوٹا سا گھر تم سے آباد ہو جائے گا۔ یہ تو میری

سب سے بڑی آرزو ہے کہ وہ تمہیں گھر سے نکال دے۔''

''تب تم عورت کو جانتے ہی نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وکرم کھنا کو صرف اور صرف میرے چرنوں میں ہونا چاہئے۔''

''ایسا تو پہلے بھی نہیں ہوا۔ آخر سندھیا اور پورن ماشی بھی تو اسی حویلی میں رہ رہی ہیں۔''

''ہاں! لیکن انہیں وہ مقام حاصل نہیں ہوا جو مجھے حاصل ہے۔ لیکن یہ لڑکی اپنی سندرتا کی وجہ سے وکرم کھنا کو اس قدر متاثر کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے کہ اس نے اس سے پھیرے کر لئے ہیں اور اب محل پر اس کا راج ہوگا۔''

سوریہ مکھٹ نے واقعی پہلی بار اس عورت کو دیکھا تھا۔ یہ لڑکی جو اس سے کہتی تھی کہ یہ قیمتی حویلی اور اس میں موجود اعلیٰ درجے کا فرنیچر، یہ سب بیکار چیزیں ہیں۔ اسے سوریہ مکھٹ کی محبت حاصل ہو جائے۔ ایک چھوٹا سا کچا گھر اسے مل جائے تو سوریہ مکھٹ اس کے لئے سنسار کا سب سے قیمتی انسان ہے واقعی وہ سچ ہی کہہ رہی تھی۔ سوریہ مکھٹ عورت کو نہیں سمجھتا۔ جبکہ سوریہ مکھٹ کی اپنی کہانی، اپنا ماضی محبت سے بھرپور تھا۔ ایک ایسی انوکھی حیثیت کا مالک جسے ایک مخصوص روایت بھی کہا جاسکتا ہے۔ وہ ایک غریب آدمی کا بیٹا تھا اور پاروتی ایک دولت مند جاگیردار کی بیٹی۔ دونوں کے راستوں میں دولت حائل تھی۔ پھر پاورتی، وکرم کھنا کی نگاہوں میں آگئی اور وکرم کھنا نے اسے بھی اپنی دھرم پتنی بنا لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاروتی کا حسن بھی بے مثال تھا لیکن وکرم کھنا اس سے پہلے بھی ایسے بہت سے کھیل، کھیل چکا تھا اور سب ہی جانتے تھے کہ پاروتی کا اقتدار بھی آخر کار ایک دن ختم ہو جائے گا۔ سوریہ مکھٹ ہر قیمت پر پاروتی کا قرب چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پاروتی دولت کی تلوار سے قتل ہوگئی ہے۔ وہ مقام اسے کسی طور نہیں حاصل ہو سکتا تھا جس کا وہ خواہش مند تھا۔ لیکن بہر حال! اس نے پاروتی کا پیچھا نہیں چھوڑا اور اِدھر اُدھر کی کوششیں کر کے وہ ایک مضبوط حیثیت سے وکرم کھنا کی حویلی میں داخل ہوگیا۔ یہاں اس نے حویلی کے نگران کی حیثیت سے نوکری کر لی تھی اور ایک باصلاحیت آدمی بن کر وکرم کھنا کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ ایسی صورت میں اسے اندر آنے جانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی اور پاروتی تک پہنچنے کے تمام راستے کھل گئے۔ لیکن پاروتی نے ہمیشہ اس سے یہی کہا کہ وہ سونے کی اس دیوار میں قید ہے اور روایات کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔

وکرم کھنا کے بارے میں اب خود سوریہ مکھٹ کو بھی معلوم تھا کہ وہ عیاش طبع آدمی ہے۔ آج پاروتی اس کی منظور نظر ہے تو کل کوئی دوسری بھی ہو سکتی ہے، بلکہ وکرم کھنا کی فطرت کے مطابق سوریہ مکھٹ تو اس بات کا منتظر تھا کہ کب پاروتی کا بھوت وکرم کھنا کے سر سے اترتا اور کب اس کی تقدیر کے ستارے جاگتے ہیں۔ لیکن اب صورت حال بڑی عجیب سی ہو گئی تھی۔ پاروتی، رتنا سے رقابت کا شکار ہوگئی تھی۔ یہ بات سوریہ مکھٹ کے لئے حیرت کا باعث تھی۔ ایک طرف اس کے دل میں یہ احساس بھی تھا کہ پاروتی جو کہتی رہی ہے کہ اسے وکرم کھنا سے کوئی لگاؤ نہیں ہے اور وہ صرف سوریہ مکھٹ کو چاہتی ہے تو اب ایک اور عورت کے آجانے سے یہ رقابت کیسی؟ اب وہ ان ہی تمام سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ پاروتی نے کہا۔ ''سنو سوریہ! میرا ایک کام کر دو۔ جیون بھر تمہارا احسان مانوں گی۔''

''کیا کام کرانا چاہتی ہو تم؟''

''رتنا کو موت کے گھاٹ اتار دو تاکہ میرا راستہ صاف ہو جائے۔''

سوریہ مکھٹ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پاروتی کو دیکھا اور بولا۔ ''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''تم یہی کہتے رہے ہو سوریہ! کہ تم مجھے چاہتے ہو۔ میرے لئے تمہیں یہ کرنا ہوگا۔ اگر تمہارے من میں یہ بات ہے کہ میں وکرم کھنا کو چاہتی ہوں تو اپنے من سے یہ بات کھرچ کر پھینک دو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں عورت ہوں۔ یہاں راج حویلی میں دوسری عورتوں کے ساتھ جو کچھ ہو چکا ہے، وہی اگر میرے ساتھ بھی ہوا تو بھلا مجھ میں اور دوسری عورتوں میں کیا فرق رہے گا؟ میں کیسے یہ بات محسوس کروں گی کہ ایک شخص مجھ سے اتنا پریم کرتا ہے کہ میرے لئے سنسار کا ہر کام کر سکتا ہے۔ میں اقتدار چاہتی ہوں۔ مجھے پرنام لال سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ لیکن عورت ہمیشہ اپنی برتری کی خواہش مند ہوتی ہے۔ میں کسی اور کی برتری نہیں دیکھ سکتی۔ آج میں تم سے اپنی محبت کی قیمت مانگتی ہوں۔ سوریہ بولو! یہ قیمت مجھے دو گے؟''

''لیکن پاروتی! ذرا غور تو کرو۔ کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''صرف میری بات کا جواب دو! کیا تم میرے لئے یہ کر سکتے ہو؟''

''میں اپنی جان دے سکتا ہوں تمہارے لئے۔ لیکن کسی اور کی جان نہیں لی جائے گی۔''

''مجھے تمہاری جان کی ضرورت نہیں ہے۔ سنو سوریہ! میرے، تمہارے پریم کا بندھن اسی طرح بندھا رہ سکتا ہے۔ اگر تم میرا کام کر سکتے ہو تو آئندہ میرے پاس آنا ورنہ خاموشی سے یہ حویلی چھوڑ کر نکل جانا۔ کیونکہ اس کے بعد یہاں کی فضا تمہارے لئے سازگار نہیں ہو گی۔''

عورت بپھری ہوئی ناگن بن گئی تھی۔ اور سوریہ مکھٹ سوچ رہا تھا کہ زندگی دینے کی چیز ہے، لینے کی نہیں۔ شاید کوئی ایسا موقع آ جاتا کہ پاروتی کے لئے جان کی بازی لگانا پڑتی تو وہ ایسا کر ڈالتا۔ لیکن کسی اور کی جان لینا کسی محبت کرنے والے کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' پاروتی پھر پھنکاری۔

''ممکن نہیں ہے پاروتی! جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ ممکن نہیں ہے۔''

''تو پھر جاؤ! بس اتنا ہی کر سکتی ہوں تمہارے لئے کہ خاموشی سے تمہیں یہاں سے نکل جانے دوں۔ جاؤ! چلے جاؤ۔''

سوریہ مکھٹ نے سوچا کہ اس وقت یہاں سے نکل جائے۔ عورت، ناگن سے زیادہ زہریلی ہوتی ہے۔ ڈس لیا تو بل بھی نہ کھا سکے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بات صرف پاروتی ہی کی نہیں، سندھیا بھی وکرم کھنا کی منظور نظر تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ سندھیا کو آگ کے گرد پھیرے نہیں لگانے پڑے تھے۔ لیکن اسے راج رانیوں جیسا ہی مان حاصل تھا اور وکرم کھنا نے اس سے وعدے کئے تھے کہ من کی میت تو وہی ہے۔ یہی کیفیت پورن ماشی کی بھی تھی۔ ان دونوں کو بھی اسی جگہ، جگہ ملی تھی اور بڑا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ وکرم کھنا سمجھا تھا کہ صرف وہی اپنی من مانی کر رہا ہے لیکن ایسی بات نہیں تھی۔ یہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔ اور اب وہ یہاں آ گئی تھی جو ان سب سے اقتدار چھین لے گی۔ پورن ماشی اپنے حسن میں بے مثال تھی اور اس نے بھی اپنے لئے بندوبست کر رکھا تھا۔ حالانکہ وہ اب بھی بے پناہ خوبصورت تھی۔ اب بھی اس کا وجود گلاب کے پھول کی طرح کھلا ہوا تھا جس کی ایک مہک دیکھنے والے کو مسحور کر دیتی تھی۔ وکرم کھنا نے خود اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ پورن ماشی درحقیقت پورن ماشی کا چاند ہے اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے ثبوت بھی ملے تھے۔ مگر رتنا نے سارے چراغ بجھا دیئے تھے۔

پورن ماشی کا ماضی ذرا مختلف تھا۔ حسن و جمال میں یکتا مضبوط بدن کی مالک یہ لڑکی ایک

ایسے جوتشی کی بیٹی تھی جس کا تعلق براہ راست ستاروں سے تھا اور جو پیشین گوئی وہ کر دیتا تھا وہ بے مثال ہوتی تھی۔ اسی جوتشی کے ذریعے دھرما مہاراج نے اس کی جان پہچان ہوئی تھی۔ دھرما سنگھ مہاراج بڑی پراسرار شخصیت کے مالک تھے۔ گھنی داڑھی، چڑھی ہوئی مونچھیں، انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی سرخ آنکھیں..... جنہیں جب پورن ماشی نے پہلی بار دیکھا تھا تو ان کا تصور کر کے لرز جاتی تھی۔

دھرما سنگھ مہاراج نے ایک بار کہا تھا۔ ''پورن ماشی! تیرا پتا جوتشی ہے۔ ستاروں کا حال جانتا ہے۔ مگر ہم وہ ہیں جس کی مٹھی میں ستارے ہوتے ہیں۔ ہم ستاروں کی ترتیب بدل سکتے ہیں۔ اور سن! کبھی ہماری ضرورت پیش آئی تو ہمیں پکار لینا۔ تیری ایک آواز پر آ جائیں گے۔ ہم بے غرض نہیں ہیں۔ اگر تو ہم سے کوئی کام لے گی تو اس کا معاوضہ لیں گے تجھ سے۔ معاوضہ کیا ہو گا یہ اس سمے بتائیں گے جب تیرے کسی کام آئے۔''

دھرما سنگھ مہاراج کو یاد کر کے پورن ماشی ایک عجیب سے احساس کا شکار ہو گئی تھی۔ پہلے تو دھرما سنگھ مہاراج اسے بہت بڑے دھرم داس لگے تھے۔ لیکن اب جب وہ زمانے سے آشنا ہو گئی تھی تو دھرما سنگھ کی آنکھوں کا مفہوم بھی اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ البتہ وہ جتنے بھیانک تھے اسے یاد کر کے پورن ماشی ہمیشہ ہی لرز جاتی تھی۔ اس کے پتا نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ دھرما سنگھ بڑے گیانی ہیں۔ سینکڑوں بیران کے قبضے میں ہیں اور وہ اپنے بیروں سے جو کام چاہے لے سکتے ہیں۔ جب وہ زندگی کی حقیقتوں سے آشنا ہوئی تھی تو دھرما سنگھ مہاراج کی آنکھوں کا بھی اس نے جائزہ لیا تھا اور عالم تصور میں ان آنکھوں کا انداز اسے معلوم ہو گیا تھا۔ وہ آنکھیں اس سے کچھ طلب کر رہی تھیں۔ وہ عورت تھی اور ان آنکھوں کا مطلب اب سمجھ گئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں خیال آیا کہ اگر وہ دھرما سنگھ مہاراج سے رابطہ قائم کرے اور انہیں اپنی مشکل بتائے تو ہو سکتا ہے وہ اس کی مدد کریں۔ لیکن یہ بھی وہ جانتی تھی کہ دھرما سنگھ اس سے کیا طلب کر سکتے ہیں۔ فیصلہ یہ کرنا تھا کہ کیا عزت آبرو کی قیمت پر اپنا اقتدار دوبارہ حاصل کیا جا سکتا تھا؟ دل کے اندر چھپے ہوئے شیطان نے اسے مشورہ دیا کہ اقتدار ہی سب سے قیمتی چیز ہے۔ اسے تو اس سے پہلے ہی دھرما سنگھ مہاراج سے رابطہ قائم کر کے سارے چراغ بجھا دینے چاہئیں تھے۔ باقی کیا ہے۔ ایک حق صرف وکرم کھنا ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ بہرحال! اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب کچھ بھی

ہو جائے، دھرما سنگھ مہاراج کو یہاں لانا ہی ہوگا۔ اور اس کے لئے اس نے اپنے طور پر فیصلے کر لئے۔ مگر بدنصیب اس بات سے ناواقف تھی کہ بات ایک ایسی لڑکی ہی کی نہیں ہے جو وکرم کھنا جیسے جاگیردار کی جاگیر پر قبضہ جمانے کے لئے یہاں پہنچ چکی ہے بلکہ اس لڑکی کے وجود میں ایک ایسا شیطان موجود ہے جسے شکست دینا آسان کام نہیں ہوگا۔ اگر وہ اس شیطان کے مقابل آئے گی تو اسے بہت خوفناک قوتوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ان خوفناک قوتوں پر قابو پا سکے گی یا نہیں۔ لیکن بہر حال! عورت تھی۔ فیصلے کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ اپنے میکے جائے گی اور دھرما سنگھ سے رابطہ قائم کرے گی۔ عورت جب انتقام پر آ جاتی ہے تو پھر اسے اپنے آپ پر قابو نہیں ہوتا اور کبھی کبھی اس انتقام کی تکمیل کے لئے وہ اپنا سب کچھ لٹانے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ پورن ماشی نے بھی آخری فیصلہ یہی کیا تھا۔

اُدھر وکرم کھنا، رتنا میں گم ہو کر دنیا کی ہر شے کو بھول گیا تھا۔ رتنا زندگی کی ان حقیقتوں سے آشنا ہوئی تھی جن سے پہلے اس کا واسطہ نہیں پڑا تھا۔ لیکن اب اس کے وجود میں ایک شیطان سمایا ہوا تھا۔ شردھا اس کی استاد تھی اور اسے بڑے بڑے مشورے دیتی رہتی تھی۔ اس نے رتنا کے وجود میں کہا تھا۔ ''یہ بوڑھا کھوسٹ تیرے جذبات کی پذیرائی نہیں کر سکتا۔ جوان خون کو جوان خون درکار ہوتا ہے۔ اس وقت تیرے لئے جے چند جیون کی بازی لگانے کے لئے تیار ہے۔ اس کے من کو میلا نہ کر۔ ذرا سی عقل سے کام لے۔ وکرم کھنا کو بے وقوف بنانا آسان کام ہے۔ اسے اپنی سندرتا کے جال میں اس طرح پھانس لے کہ وہ عقل وخرد سے عاری ہو جائے۔ تیرے علاوہ کسی اور کے بارے میں نہ سوچ سکے۔ اور جب وہ تیری مٹھی میں آ جائے تو تیرا فرض ہوگا کہ جے چند کے لئے راستہ صاف کر دے۔ یہ راستہ تو کیسے صاف کرے گی یہ میں بتاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے شردھا! اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

''وکرم سنگھ کو یہ احساس دلا دے کہ تو اس کی دیوانی ہے۔ تو پھر وہ تیرا دیوانہ ہو جائے گا۔'' شردھا نے کہا اور رتنا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ماضی کی بہت سی کہانیاں اس کے ذہن میں آ گئی تھیں۔ کبھی کبھی دل ودماغ پر کوئی تاثر ابھرتا تھا لیکن وہ اس وقت اتنی الھڑ تھی کہ اس تاثر کو صحیح طور پر سمجھ بھی نہیں پاتی تھی۔ البتہ اب وہ دنیا ساز ہو گئی تھی۔ اسے پتہ

چل گیا تھا کہ زندگی کے نشیب وفراز کیا ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رتنا بذات خود تو کچھ بھی نہیں تھی۔ وقت نے اسے ڈائن بنا دیا تھا۔ انسانی خون اس کی ضرورت بن گیا تھا اور بھلا اسے آپ گناہ گار کیا کہیں گے جس نے ماں کے دودھ کی بجائے ماں کا خون پیا ہو۔ رتنا اس قدر گناہ گار نہیں تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ جس کیفیت کا وہ شکار ہو گئی تھی اس کے بعد انسانی خون اس کی ضرورت بن گیا تھا۔ نجانے زندگی میں کیسے کیسے انوکھے اور پراسرار واقعات کا اسے سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ بھی تقدیر ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

وکرم کھنا نے اس سے کہا۔ ''رتنا! یہاں آ کر تم خوش تو ہو نا؟''

شردھا نے یہ محاذ سنبھال لیا اور رتنا کی آواز میں بولی۔ ''مہاراج! ہزار جیون وار دوں آپ پر۔ آپ نے مجھے جو مان دیا ہے وہ بے مثال ہے۔ شکر گزار ہوں آپ کی۔''

''نہیں رتنا! شکر گزار تو ہم تمہارے ہیں کہ تم نے ہمیں قبول کر لیا۔''

''مہاراج! آپ جو کچھ بھی کہیں پر.....''

''نہیں رتنا! ہمیں اپنے دل کی بات کہنے دو۔''

''جی مہاراج!''

''رتنا! یہاں تمہارے دشمن بھی ہیں۔ ہم تم سے یہ بات کبھی بھی نہیں چھپائیں گے کہ ہمارے جیون میں بہت سی عورتیں آئیں۔ وہ آج بھی یہاں موجود ہیں۔ ہماری دھرم پتنی پاروتی ہے۔ اس کے علاوہ سندھیا، پورن ماشی وغیرہ۔ لیکن ہم سچے من سے کہہ رہے ہیں کہ تمہارا جو مقام ہمارے دل میں ہے وہ کسی اور کا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

''محبت ہے مہاراج کی۔''

''یقین کر لو گی ہم پر؟''

''کیوں نہیں!''

''ہم جیون بھر تمہیں اپنے سر کا تاج بنائے رہیں گے۔''

''پیر کی جوتی ہوں مہاراج کی۔''

''نہیں رتنا! ایسا نہ کہو۔ اچھا رتنا! تیار ہو جاؤ۔ ہم ذرا سیر وسیاحت کرنے جا رہے ہیں۔''

''کہاں مہاراج؟''

‘‘ابھی نہ پوچھو۔ جب ہم تمہیں اپنی من پسند جگہ لے جائیں گے، تب تمہیں پتہ چلے گا۔’’

‘‘جی مہاراج!’’ رتنا نے جواب دیا۔

وکرم کھنا اس کے پاس سے چلا گیا تو شردھا نے رتنا کے وجود میں کہا۔ ‘‘خوب! تو، تو بڑی سیانی نکلی ری! میری ساری باتوں پر عمل کر رہی ہے۔ بہت سمجھدار ہے تو۔ کچھ دنوں کے لئے یہاں سے نکل جانا زیادہ اچھا ہوگا۔ کیونکہ یہاں جو کھچڑی پک رہی ہے، پک جائے۔’’

‘‘کیسی کھچڑی؟’’

‘‘بس تو یہ سمجھ لے کہ میں ہزار آنکھوں سے تیری حفاظت کر رہی ہوں۔ تو کسی بات کی فکر نہ کرنا۔’’ شردھا بولی اور رتنا خاموش ہوگئی۔

وکرم کھنا نے سفر کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ وہ راج نواس جا رہا تھا۔ راج نواس ایک بہت ہی خوبصورت علاقہ تھا اور وکرم کھنا نے وہاں ایک مندر بنوایا تھا جو راج مندر کے نام سے مشہور تھا۔ راج مندر میں سوامی امر پال رہتے تھے اور سوامی امر پال سے وکرم کھنا کو بڑی عقیدت تھی۔ سال میں ایک یا دو بار وہاں ضرور جاتا تھا۔ سوامی اس کے پرکھوں کے ساتھی تھے۔ لمبی عمر لیکن صحت قابل رشک۔ پھر راج نواس ایسی حسین جگہ تھی کہ ایک بار وہاں جا کر انسان کا واپس آنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ رتنا جب راج نواس پہنچی تو اس کا رواں رواں خوش ہوگیا۔ اب وہ زندگی کی ساری چیزوں میں دلچسپی لینے لگی تھی اور اسے یہ ماحول بے حد حسین لگ رہا تھا۔

راج نواس میں وکرم کھنا کا اپنا ایک خوبصورت مکان تھا جس میں درجنوں ملازم کرتے تھے۔ بہرحال! یہاں آ کر رتنا بہت ہی خوش ہوئی۔ وکرم کھنا نے اسے راج نواس کی سیر کرائی اور پھر ایک دن وہ اسے مندر لے گیا۔ وہ راج مندر کے عقبی دروازے سے داخل ہوا تھا اور رتنا کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ رتنا خاموشی سے اندر داخل ہوگئی تو اچانک اس کے اندر موجود شردھا نے گھبراتے ہوئے کہا۔ ‘‘ارے رتنا! یہ تو کہاں آ گئی؟’’

‘‘کیوں؟ یہ تو بہت خوبصورت جگہ ہے۔’’

راج نواس کی بات نہیں کر رہی ہوں۔’’

‘‘تو پھر؟’’

‘‘راج مندر کی بات کر رہی ہوں۔ یہ مندر ہے رتنا!’’

‘‘مندر ہے تو کیا ہوا؟ پریشانی کی کیا بات ہے۔ یہاں آنے میں؟’’

‘‘پاگل! تو نہیں جانتی۔ پریشانی ہی پریشانی ہے یہاں۔’’

‘‘مگر میری بات تو سنو شردھا!’’

‘‘خاموش ہو جا! خاموش ہو جا! دیکھ! وہ پجاری آ رہے ہیں۔ ارے! میں تو مر گئی۔’’

رتنا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ شردھا پر کیا قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ لیکن بہرحال! اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ ادھر پجاریوں نے شاید وکرم کھنا کو پہچان لیا تھا۔ بڑے ادب و احترام سے پیش آ رہے تھے وہ۔ پھر ایک پجاری نے کہا۔ ‘‘مہاراج! امر پال مہاراج کو تو آپ کے آنے سے پہلے ہی آپ کے بارے میں معلوم ہوگیا تھا۔ چار بار پوچھ چکے ہیں کہ وکرم کھنا نہیں آئے راج مندر؟’’

‘‘ہاں! سوامی جی سے ملنے کے لئے بڑا من تڑپ رہا تھا۔ لیکن بہرحال! تھوڑی سی دیر ہوگئی ہمیں۔ معافی مانگ لیں گے سوامی جی سے۔’’ پھر وکرم کھنا، رتنا کو لئے ہوئے سوامی امر پال کے پاس پہنچا۔ لمبا قد، خوب تندرست بدن، شخصیت دیکھنے کے قابل۔ سرخ و سفید رنگت بے مثال۔ لیکن رتنا کو دیکھ کر امر پال جی اس طرح چونکے تھے کہ خود وکرم کھنا بھی حیران رہ گیا تھا۔ اس نے رتنا سے کہا۔ ‘‘رتنا! سوامی جی کے پاؤں چھوؤ۔’’

‘‘نہیں نہیں! رتنا ہماری بیٹی ہے۔ ہم بیٹیوں کو پاؤں نہیں چھونے دیتے۔ آؤ بیٹھو!’’ سوامی امر پال اس طرح رتنا کی طرف دیکھ رہے تھے کہ خود وکرم کھنا کو حیرت ہو رہی تھی۔ امر پال نے کہا۔ ‘‘ہمیں پتہ چل گیا تھا کہ تم آئے ہو۔ انتظار کر رہے تھے ہم تمہارا۔’’

‘‘جی مہاراج! رتنا میری دھرم پتنی ہے۔ میں اسے راج نواس کی سیر کرا رہا ہوں۔ معافی چاہتا ہوں آپ کے پاس آنے میں دیر ہوگئی۔’’

‘‘نہیں! کوئی بات نہیں۔’’

‘‘رتنا بیٹی! تم ٹھیک تو ہو؟’’

‘‘جی مہاراج!’’ رتنا نے جواب دیا۔

‘‘ہم تمہارے پتا جیسے ہیں۔ مانتی ہو یہ بات؟’’

‘‘کیوں نہیں مہاراج!’’

''یہاں آئی ہو۔ ذرا تم سے اکیلے میں بھی ملنا چاہتے ہیں۔''

''رتنا آپ کے حکم کا پالن کرے گی مہاراج!''

''شکریہ، وکرم! رتنا بیٹی کو تھوڑے سمے کے لئے یہاں چھوڑ جاؤ۔ ہم اس پر دعا کریں گے۔''

''ٹھیک ہے۔''

اور پھر ان دونوں کو مندر ہی کے ایک گوشے میں ایک کمرہ دے دیا گیا۔ رتنا نے بے چینی سے کہا۔ ''سوامی مہاراج مجھے کیوں رکھنا چاہتے ہیں؟''

''رتنا! وہ ہمارے دادا سمان ہیں۔ بڑی عمر ہے ان کی۔ وہ تمہیں جب تک یہاں رکھنا چاہیں، میں انکار نہیں کرسکتا۔ اس میں دونوں کا ہی فائدہ ہے۔ تم چنتا مت کرو۔ یہاں تمہیں کوئی ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا۔ اول تو سوامی مہاراج موجود ہیں۔ دوسرے میں جو ہوں۔ راج نواس یوں سمجھو اپنا ہی علاقہ ہے۔ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے! جیسا آپ کہیں مہاراج!'' رتنا نے مدھم لہجے میں کہا۔

بہرحال وہ دونوں یہاں رُک گئے۔ پھر سوامی مہاراج امر پال وہاں پہنچے اور انہوں نے کہا۔ ''نہیں وکرم کھنہ! رتنا بیٹی کو یہاں تنہا چھوڑ دو۔''

''ٹھیک ہے مہاراج! میں چلتا ہوں۔ میں نے رتنا کو سمجھا دیا ہے۔''

اصل میں چھوٹی عمر کی ہے۔ کبھی اکیلی نہیں رہی۔ اس لئے تم اطمینان رکھو۔ اسے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

پھر وکرم کھنہ چلا گیا۔ سوامی امر پال بھی چلے گئے تو رتنا کے اندر چھپی ہوئی شردھا کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''رتنا! بہت برا ہوا ہے۔''

''کیا ہوا ہے آخر؟''

''میں بھی دھوکے میں ماری گئی۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ وکرم کھنہ مندر آرہا ہے۔''

تم مجھے یہ سمجھا دو کہ اس میں حرج کیا ہے؟'' رتنا بولی۔

''پاگل ہے تو! تجھے کیا سمجھاؤں؟ عقل ہی نہیں ہے تجھ میں۔ ہائے رام! میں تو پھنس گئی۔'' شردھا نے کہا۔ پھر بولی۔ ''دیکھ! جب وہ سوامی امر پال تیرے سامنے آئے تو میں تیرے شریر سے نکل کر کہیں اور چھپ جاؤں گی۔ میں اس کا سامنا نہیں کرسکتی۔ تو نے نہیں

دیکھا کہ وہ کس طرح چونک کر مجھے دیکھ رہا تھا۔''

''ہاں! یہ تو تھا۔ مگر وہ تمہیں کہاں دیکھ رہا تھا۔ وہ تو مجھے دیکھ رہا تھا۔''

''پاگل ہے تو! وہ تجھے نہیں، مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں جو تیرے اندر چھپی ہوئی تھی۔''

''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔''

اوہو! دیکھو، شاید سوامی جی آرہے ہیں۔ میں جارہی ہوں۔'' پھر رتنا کا وجود ہلکا ہوگیا اور یہ اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ شردھا اُس کے وجود سے نکل گئی ہے۔ اب تو رتنا اس کی پوری پوری عادی ہوگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

سوامی امر پال اندر داخل ہو گئے۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اپنے بلند و بالا قد و قامت کے ساتھ وہ بہت سندر لگ رہے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر رتنا کے سر پر ہاتھ رکھ اور بولے۔ ''بیٹی ہے تو میری۔ کبھی میرے بارے میں من میں میل مت لانا۔ اولاد کی نظر سے دیکھتا ہوں میں تجھے۔ یہ بات میں خاص طور سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کبھی کبھی مندروں کے پجاری، مندروں ہی کو بدنام کر دیتے ہیں۔ میرا مندر ایسا نہیں ہے۔ راج مندر میں بھگوان کی پوجا ہوتی ہے بس۔''

''آپ واقعی میرے پتا سمان ہیں مہاراج!''

''بٹیا! تو ٹھیک ہے نا؟''

''جی مہاراج!''

''کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں تجھ سے۔''

''ضرور کریں مہاراج!'' رتنا نے جواب دیا۔

امر پال اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے رتنا کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ بولے۔ ''بٹیا! میں تیرے سامنے کوئی دھرماتما بننے کی کوشش نہیں کر رہا۔ نہ ہی تجھ پر کوئی اثر ڈالنا چاہتا ہوں۔ اصل میں بات صرف اتنی سی ہے کہ وکرم کھنہ کے دادا، پر سے میری دوستی تھی۔ وکرم کھنہ کے دادا نے ایک بار مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں خاندان کا تحفظ کرتا رہوں۔ بہت اچھے انسان تھے وہ۔ میں نے ان سے وعدہ کر لیا۔ و خود بھی بہت اچھا آدمی ہے لیکن بھٹک گیا ہے۔ کوئی نہ کوئی برائی انسان میں ہوتی ہے حسن پرست ہے اور حسین لڑکیوں کو بہت پسند کرتا ہے۔ ان کے حصول کے لئے وہ ظلم کی میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن ان ساری باتوں کے بعد یہ بھی سچ ہے کہ میری بڑی عز کرتا ہے وہ۔ یہ بات میں اس کے لئے نہیں بلکہ تیرے لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ اب تو

کھنہ کی دھرم پتنی بھی ہے اور مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے تیرے لئے بھی اچھے ہی انداز میں سوچوں۔''

''جی مہاراج! آپ کی مہربانی ہے۔''

''میں تجھ پر اثر نہیں ڈالنا چاہتا۔ تو بذات خود بہت اچھی لڑکی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ ظالموں نے تیرے ماتا پتا کو تجھ سے چھین لیا اور اس کے بعد ایک حادثے کے تحت تیرے اندر جو گندی برائی پیدا ہوئی وہ تیری مجبوری تھی، نا سمجھی کی عمر سے جو عادت پڑ گئی تھی تجھے، تو اس عادت کو ختم نہیں کر سکتی تھی۔ پھر خوفناک طاقتیں تیرے پیچھے لگ گئیں اور انہوں نے تجھے اپنے جال میں پھانس لیا۔ تو نے جو کچھ کیا، نادانستگی میں کیا۔ کیونکہ تو بہت سی حقیقتوں سے واقف نہیں تھی۔ لیکن اب تو جس جال میں پھنسی ہوئی ہے وہ بہت ہی برا جال ہے۔ میں اس وجود کی بات کر رہا ہوں جو تجھ پر مسلط ہو گیا ہے اور اُس نے تجھے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو شردھا کہتی ہے۔ لیکن درحقیقت وہ ایک خونی ناگن ہے۔ وہ ایک گندی دھوبن کی آتما ہے۔ میں تجھے اس کا ماضی نہیں بتاؤں گا کیونکہ ہم پر بھی کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ پر میں تجھے اس کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ تیرے اندر بہت خوش ہے کیونکہ تیرے وجود میں اسے گندہ خون پینے والی چڑیل ملتی ہے۔ لیکن اب جو میں تمہیں سب سے اہم بات بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ ساری زندگی کسی کو تیرا نہیں ہونے دے گی۔ تو ہمیشہ اس کی غلام رہے گی۔ اور یہ سمجھ لے کہ تیری اپنی زندگی کچھ بھی نہیں ہوگی۔ جو بھی تیری زندگی میں آئے گا، وہ تیرا نہیں، اس کا ہوگا۔ تو اسے اچھی طرح جانتی ہے۔ وہ ایک بھیانک چڑیل ہے۔ کوئی اسے دیکھے گا تو صرف اس سے نفرت کرے گا۔ وہ سب کچھ کر سکتی ہے کیونکہ کالے روپ کی مالک ہے۔ لیکن اپنا چہرہ نہیں بدل سکتی۔ اپنا روپ نہیں بدل سکتی۔ تو اس بات کو دماغ میں رکھنا کہ کبھی تیرا اپنا کوئی مقام تجھے نہیں حاصل ہوگا۔ صرف وہ کرے گی جو وہ چاہے گی۔ اور اب تک تو وہی کرتی رہی ہے۔''

رتنا، امر پال کی صورت دیکھتی رہی۔ امر پال جو کچھ کہہ رہا تھا وہ واقعی لگ تو سچ رہا تھا اس وقت بھی رتنا یہ سوچ رہی تھی کہ اگر ایسی ہی صورت حال ہے تو اسے کیا کرنا چاہئے؟ کس طرح اس مصیبت سے نجات پا سکتی ہے؟ اُسے بڑا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ سوچتی رہی۔ اور اس کے بعد اس نے کہا۔ ''لیکن امر پال جی! میں اب کیسے بچ سکتی

ہوں اس سارے معاملے سے؟''

''تجھے بہت محنت کرنا ہوگی۔ بہت مشکل ہوگا تجھے اس مصیبت سے نکلنا۔ تو نہیں جانتی، تیرے ساتھ آگے چل کر کیا ہونے والا ہے۔ بس ایک بات دل میں رکھنا کہ جو کچھ بھی ہوگا وہ اتنا غلط ہوگا کہ پھر تیرے لئے اس سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ وہ میٹھا زہر ہے اور یہ زہر تیرے وجود میں اترتا رہے گا سمجھی؟ یہ زہر تیرے وجود میں بہت گہرائیوں تک جائے گا اور آخر ایک دن تو وہ نہ رہے گی جو اب ہے۔ دنیا تجھے صرف ایک خوفناک ڈائن کے نام سے یاد کرے گی۔ تو صرف ایک ڈائن رہ جائے گی۔''

امر پال کے الفاظ نے رتنا کو لرزا دیا تھا۔ جو کچھ امر پال کہہ رہا تھا وہ اتنا بھیانک تھا کہ وہ سوچ کر ہی رتنا کو دہشت کا احساس ہوتا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''لیکن مہاراج! میں کیا کروں؟ کیا کرنا چاہئے مجھے؟''

''نکلنا چاہتی ہے اس مشکل سے؟''

''ہاں مہاراج!''

''تو سن! ابھی وکرم کھنہ سے کہنا کہ تو یہاں سے جانا نہیں چاہتی۔ تو یہاں رہ کر وکرم کھنہ کی زندگی، اس کی صحت اور خوشحالی کے لئے ایک جاپ کرنا چاہتی ہے۔ اور اس کے لئے تجھے سات دن یہاں رہنا ہوگا۔''

''مگر مہاراج! ان سات دنوں میں مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''جاپ کرنا ہوگا تجھے..... ایک منتر پڑھے گی تو..... بات غلط نہیں ہوگی۔ اگر وکرم کھنہ خود بھی یہاں رہنا چاہے تو رہ سکتا ہے۔ جاپ ہی بتاؤں گا میں تجھے اور جب تو یہ جاپ پڑھ لے گی اور اپنے من کو شانت کر لے گی تو وہ دوبارہ تیرے پاس نہیں آسکے گی۔ بلکہ اگر بھگوان نے چاہا تو وہ جل کر راکھ ہو جائے گی۔ وہ صرف ایک گندی آتما ہے۔ اس کے پاس کالی شکتی ہے۔ کالی طاقت اس وقت ختم کر دینی چاہئے جب اسے پتہ بھی نہ ہو۔ اگر وہ تیری طرف سے ہوشیار ہو گئی تو سمجھ لے پھر تو کچھ نہیں کر سکے گی۔''

''ٹھیک ہے مہاراج! میں وکرم مہاراج سے بات کروں گی۔''

پھر امر پال چلا گیا اور رتنا پریشانی میں ڈوب گئی۔ یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔ اگر ا ہوا تو پھر میں کیا کروں گی؟ وکرم کھنہ سے وہ پوری بات بھی نہیں کر سکتی تھی۔

وہ کسی کام سے مندر کے اس عقبی حصے سے نکل کر باہر آئی تھی کہ ایک مکھی آ کر اس کی ناک پر بیٹھ گئی۔ اس وقت رتنا کو ماضی یاد آ رہا تھا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار وہ مندر گئی تھی اور اسے وہاں عجیب وغریب واقعات پیش آئے تھے۔ وہ سوچتی رہی۔ لیکن پھر اچانک ہی اسے ایک باریک سی بھنبھناہٹ سی سنائی دی۔ ''رتنا! سیدھ میں چلی جا۔ وہ جو سامنے گلی نظر آ رہی ہے نا، اس گلی کے دوسرے سرے پر ایک ٹوٹے مکان کا دروازہ ہے۔ وہ ایک پرانا کھنڈر ہے۔ جلدی جلدی تیز تیز چل کر اس کھنڈر میں پہنچ جا۔ میں وہیں تیرا انتظار کر رہی ہوں۔ بہت ضروری باتیں کرنی ہیں تجھ سے۔ جلدی کر۔ ورنہ تھوڑی دیر کے بعد وکرم کھنہ وہاں تک پہنچنے والا ہے۔''

رتنا ایک دم چونک پڑی۔ یہ آواز مکھی جیسی بھنبھناہٹ کی شکل میں ہی تھی۔ چنانچہ وہ سمجھ گئی کہ یہ کون ہو سکتا تھا۔ شردھا کے علاوہ اور کون تھا۔ رتنا کو تھوڑی دیر پہلے امر پال کی باتیں یاد آ گئیں۔ وہ عجیب سی اُلجھن کا شکار ہو گئی تھی۔ بہرحال! گلی کا راستہ طے کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ ماتا جی نے اسے اپنا خون پلا کر اس کی زندگی بچانے کی جو کوشش کی تھی۔ وہ اس کے لئے ساری زندگی کا عذاب بن گئی۔ اب اگر خون نہیں پیتی تو جینا مشکل ہو جاتا ہے اور خون پیتی ہے تو ایسی بلاؤں کا شکار ہونا پڑے گا۔ ہائے رام! کیا کروں؟ کیسی مشکل میں پڑ گئی ہوں۔ کوئی ہے مجھے سنبھالنے والا؟

بہرحال! تھوڑی دیر کے بعد وہ کھنڈر پہنچ گئی اور یہاں اس نے پتھر کی ایک سل پر شردھا کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ شردھا اس وقت اپنی اصل حالت میں تھی اور بلاشبہ دیکھنے ہی سے چڑیل معلوم ہوتی تھی۔ بکھرے بال، بھیانک آنکھیں، کالا بھجنگ چہرہ، عجیب ہولناک شکل تھی اس کی۔ رتنا کو ایک لمحے کے لئے خوف کا احساس ہوا تو شردھا نے کہا۔ ''یہ جگہ محفوظ ہے۔ یہاں شیطانوں کا بسیرا ہے۔ چنانچہ وہ دھرماتما یہاں نہیں آسکتے۔ میں نے باہر پہرہ لگا دیا ہے۔''

''کیا بات ہے شردھا جی؟''

''بدل گیا نا دل تیرا! کیوں، آ گئی نا اس چالاک سادھو کی باتوں میں۔''

رتنا کا دل لرز کر رہ گیا۔ اس نے دل میں سوچا شردھا سب کچھ جانتی ہے۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ بولی۔ ''میں سمجھی نہیں شردھا جی!''

''رتنا! یہ انسان زندہ ہو کر اتنے بے ایمان کیوں ہوتے ہیں؟ موت کے بعد تو یہ بے ایمانی کسی کے کام نہیں آتی۔''

''شردھا جی! نہیں۔ میرے من میں تیرے لئے پریم ہے۔''

''رتنا! تو کیا سمجھتی ہے؟ تیری جگہ میں کسی کو بھی اپنے چرنوں میں لا کر ڈال سکتی ہے۔ بڑی شکتی ہے میری۔ بہت بڑی شکتی ہے۔ لیکن نجانے کیوں تجھ سے من مل گیا اور میں نے سوچا کہ تجھے جیون کے سارے سکھ دے دوں جو کسی کو نہیں ملتے۔ تو سوچ! ایک بار پھر اپنا ماضی دوہرا۔ ماتا پتا مر گئے تھے تیرے۔ کہاں کہاں ماری ماری پھری۔ ہر شخص تیری سندرتا کو ہوس کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ ایک ویشیا بن جاتی تو، ایک کوٹھے پر جا بیٹھتی۔ بس! لوگ آتے۔ دو کوڑی دے کر تیرا بدن نوچتے۔ کیا اوقات رہ جاتی تیری۔ جب تک تیری سندرتا باقی رہتی، تیرا پیٹ بھرتا رہتا۔ اور اس کے بعد کسی سڑک کے فٹ پاتھ پر پڑی ہاتھ پھیلا کر کسی سے بھیک مانگ رہی ہوتی۔ اس کے علاوہ تیرا اور کوئی مقام نہ ہوتا۔ پر یہ پریم ہی تھا میرے من میں تیرے لئے کہ میں نے تجھے ذرے سے آفتاب بنا دیا۔ آج تو ان دور دور کے علاقوں کے سب سے بڑے جاگیردار کی دھرم پتنی ہے اور وہ تیرے پاؤں کے تلوے چاٹتا ہے۔ کیا یہ تیرا اپنا کام ہے؟''

''نہیں شردھا جی!''

''پھر کس کا ہے؟''

''آپ کا۔''

''مانتی ہے اس بات کو؟''

''کیوں نہیں۔''

''تو پھر امر پال کی باتوں پر اتنی سنجیدگی سے غور کیوں کر رہی تھی؟''

''آپ کو معلوم ہیں اس کی کہی ہوئی باتیں؟''

''کیا سمجھتی ہے تو مجھے؟ وہ خود بھی میری شکتی سے خوفزدہ ہے۔ چھپ سکتی تھی میں۔ وہ نہیں جانتا کہ مکھی بن کر میں اپنی جون ہی بدل لیتی ہوں اور وہ سب کچھ مجھے معلوم ہوتا جاتا ہے جو میرے خلاف ہو۔'' شردھا نے کہا اور رتنا کی آنکھیں خوف سے بند ہو گئیں۔ اس سے زیادہ خطرناک بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ اس کے دل میں سچ مچ برائی آ گئی تھی۔ امر پال نے

اسے شردھا کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اسے جاننے کے بعد رتنا کو یہ احساس ہوا تھا کہ شردھا سے پیچھا چھڑانا ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شردھا کی وجہ سے وہ بھی ماری جائے۔ لیکن اب اسے یہ احساس ہوا تھا کہ شردھا کے خلاف سوچنے کا مطلب ہے کہ موت کو اپنے قریب کر لیا جائے۔ رتنا اب بچپن کی حدود سے گزر چکی تھی اور بھرپور جوان تھی۔ کبھی کبھی تو سچ مچ اس کے دل میں وکرم کھنہ کے لئے محبت سی پیدا ہو جاتی۔ وکرم کھنہ اس کی خلوتوں کا راز دار تھا اور اس کی زندگی کا پہلا مرد بھی۔ یہ الگ بات ہے کہ شردھا کی قربت میں رتنا بہت سی ایسی باتیں سیکھ گئی تھی جو عام حالات میں شاید اس کے دل میں نہ آتیں۔ بہرحال! وہ سوچ میں ڈوب گئی کہ کہیں شردھا کو اس کے دل کی باتیں نہ معلوم ہو جائیں۔ زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو شردھا سن سکتی تھی لیکن اگر اسے دل کی باتیں بھی معلوم ہو گئیں تب تو بہت برا ہو گا۔ اس وقت شردھا بولی۔ ''اور اب اگر تو کچھ سوچ رہی ہے تو صرف ایک ہی بات کہوں گی میں۔''

''کیا؟'' رتنا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''یہ کہ بھاڑ میں جا!''

''نہیں شردھا جی! آپ میری گرو ہیں۔''

''مانے تب نا۔''

''مانتی تو ہوں۔''

''خاک مانتی ہے۔''

''نہیں شردھا جی! سچ کہہ رہی ہوں۔ آپ کو بہت بڑا مانتی ہوں اور ہمیشہ میں نے یہی سوچا ہے جو کچھ آپ کہیں گی، وہی کروں گی۔''

شردھا نے اپنی بھیانک شکل سے رتنا کو دیکھا اور بولی۔ ''سچ کہہ رہی ہے تو؟''

''ایک بات پوچھوں شردھا جی؟''

''ہاں پوچھ!''

''آپ من کے اندر نہیں جھانک سکتیں؟''

''کیا مطلب؟''

''آپ کو ساری باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ وہ باتیں جو زبان سے کہی جائیں۔ من میں

جھانک کر نہیں دیکھ سکتی ہیں آپ۔''

''فائدہ؟''

''آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرے من میں آپ کے لئے کتنا پریم ہے۔ کتنا بڑا مانتی ہوں میں آپ کو۔''

''ایسی باتیں تو اظہار سے ہوتی ہیں۔ کھل کر کام ہو تو پتہ چلتا ہے کہ کون کسے مانتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ بتائیے کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ امر پال جی آپ کے بارے میں جو کچھ جانتے ہیں یا انہوں نے جو کچھ مجھے بتایا، اسے اپنی جگہ رہنے دیں۔ آپ یہ بتائیے میں کیا کروں؟''

''جو کچھ میں کہوں گی، وہی کرے گی تو؟''

''ہاں! آزما کر دیکھ لیجئے۔'' رتنا نے پوری سمجھداری سے کہا۔

وہ جانتی تھی کہ جب تک شردھا مطمئن نہیں ہو جائے گی اس کا کام مشکل رہے گا۔ چنانچہ شردھا بولی۔ ''ٹھیک ہے۔ اب میں تجھے گرو بن کر ہدایت دیتی ہوں۔ جا! وہ کر جو امر پال کہتا ہے۔'' رتنا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

☆

وکرم کھنہ بری طرح رتنا کے جال میں پھنسا تھا۔ گرو امر پال سے اُسے بڑی عقیدت تھی اور گرو امر پال نے رتنا کو روک لیا تھا۔ بڑے گیانی آدمی تھے۔ یہ بات آج سے نہیں بلکہ بہت عرصے سے وکرم کھنہ کو معلوم تھی۔ اس وقت بھی وہ امر پال کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ امر پال نے کہا۔ ''میں جانتا ہوں وکرم کھنہ جی! کہ تم اس لڑکی کو سچے من سے چاہتے ہو۔ پر جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے بھی غور سے سن لو۔ اس کے جیون کو خطرہ ہے۔ وہ ایک بہت بڑی مشکل میں پھنسی ہوئی ہے اور اس مشکل سے نکالنے کے لئے میں کوشش کر رہا ہوں۔ اسے ایک جاپ کرنا ہے اور جب اس کا جاپ پورا ہو جائے گا تو جو روگ اس سے چمٹا ہوا ہے وہ دم توڑ دے گا۔ کہو! کیا کہتے ہو؟''

''گرو مہاراج! آپ جو کچھ کہیں اسے میں ٹال جاؤں یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''اس کے لئے اسے مجھے یہیں راج مندر میں رکھنا ہو گا۔''

''کیا میں بھی یہاں رہ سکتا ہوں؟''

''نہیں! تمہیں یہاں سے فاصلہ اختیار کرنا ہو گا۔ اور ویسے بھی وکرم کھنہ! تم جاگیردار ہو اور بہت بڑے آدمی ہو، یہاں بھلا کیسے رہ سکو گے؟ یہ تو مندر ہے۔''

''ٹھیک ہے گرو مہاراج! آپ جیسا حکم دیں گے میں بھلا ان سے انکار کر سکتا ہوں؟''

''چنتا مت کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' امر پال نے کہا اور وکرم کھنہ خاموش ہو گیا۔

بہر حال چونکہ شردھا کہہ چکی تھی کہ رتنا وہی کرے جو گرو امر پال چاہتا ہے۔ چنانچہ گرو امر پال نے رتنا کو وہ جاپ بتا دیا اور رتنا ایک گوشے میں جاپ پڑھنے کے لئے بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔ ''گرو جی! کیا مجھے یہ جاپ پڑھنے سے کوئی ڈر لگے گا؟''

''ہو سکتا ہے لگے لیکن تو چنتا نہ کر۔ میں تیرے سامنے ہی ہوں۔ میں ادھر سوتا ہوا ملوں گا تجھے۔ پریشانی کی کوئی بات ہو تو مجھے جگا لینا۔'' رتنا نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی تھی۔

گرو امر پال نے رتنا سے کافی فاصلے پر اپنا بستر بچھایا اور زمین پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ رتنا جو جاپ کر رہی تھی امر پال پوری طرح اس میں ملوث تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ رتنا کسی طرح ڈر جائے اور جاپ ادھورا رہ جائے، اس لئے وہ ہوشیار سو رہا تھا۔ پھر دفعتاً ہی اس کے کانوں میں مکھیوں جیسی ایک بھنبھناہٹ ابھری اور وہ چونک کر جاگ اٹھا۔ دروازے، کھڑکیاں سب بند تھے۔ یہ مکھی کی آواز کہاں سے آئی؟ رتنا کی طرف دیکھا تو وہ آنکھیں بند کئے جاپ کر رہی تھی۔ امر پال کو ایسا محسوس ہوا جیسے دو باریک مدھم مدھم روشنیاں اس پر پڑ رہی ہوں، کوئی اُسے دیکھ رہا ہو۔ لیکن کون؟ چاروں طرف دیکھنے کے بعد اس نے اس بھنبھناہٹ کو اپنا وہم سمجھا اور ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔ بھنبھناہٹ بند ہو گئی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ بھنبھناہٹ پھر اس کے کانوں کے پاس سے گزری اور اس نے پھر آنکھیں کھول دیں۔ آنکھیں کھولتے ہی اسے یوں لگا جیسے کوئی ہنس پڑا ہو۔ امر پال کے منہ سے آواز نکل گئی۔ ''ہے بھگوان...... ہے بھگوان۔'' پھر اچانک ہی اسے یاد آیا کہ رتنا جو جاپ کر رہی ہے اس کے بیر رتنا کے بجائے اسے ڈرا رہے ہیں۔ امر پال نے مدھم سی آواز میں کہا۔ ''بے وقوفو! تم مجھے بھلا کیا ڈرا سکو گے؟'' یہ کہہ کر وہ پھر لیٹ گیا۔

اُدھر شردھا اپنا کام کر رہی تھی۔ گرو امر پال نہیں دیکھ سکا تھا کہ ایک گوشے میں ایک

دیوار سے ایک مکھی چمٹی ہوئی ہے اور اس کی گول گول آنکھیں چاروں طرف دیکھ رہی ہیں۔ پھر وہ آنکھیں رتنا پر مرکوز ہو گئیں۔ رتنا آنکھیں بند کئے جاپ پڑھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ بھول گئی تھی کہ یہ جاپ شردھا کے خلاف ہے اور شردھا کوئی چال چل رہی ہے۔ بھلا وہ چڑیل کیوں چاہے گی کہ جاپ پورا ہو اور اس کے لئے مصیبت بن جائے۔ رتنا بہت تیز ہو گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ابھی اس قدر ہوشیار نہیں ہوئی تھی کہ ان باریک باریک باتوں کو سمجھ سکے۔ وہ آنکھیں بند کئے جاپ کر رہی تھی اور جاپ کے بول ہولے ہولے اس کے منہ سے نکل رہے تھے کہ اچانک اسے اپنے دماغ میں روشنی سی محسوس ہوئی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے دماغ کے اندر کوئی بلب جلا دیا ہو۔

وہ حیرانی سے اس بارے میں سوچ رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اس کے بدن کے اندر انگڑائیاں ٹوٹنے لگیں، ہونٹ خشک ہونے لگے..... دل میں ایک پیاس سی جاگ اٹھی..... یہ پیاس خون کی پیاس تھی..... اس نے آنکھیں کھول دیں۔ خون کی طلب نے جاپ بھلا دیا تھا اور اب اس کے اندر بالکل ایسی ہی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جیسے کسی نشے باز کو نشے کی کوئی چیز نہ ملی ہو اور اس کی دلی آرزو ہو کہ اسے اس کا مطلوب مل جائے۔ رتنا کی پیاسی نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے لگیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر گرو امر پال لیٹا ہوا سو رہا تھا۔ حالانکہ اچھا خاصا عمر رسیدہ تھا لیکن تندرست و توانا۔ رنگ بھی سرخ و سفید تھا۔ کیونکہ بدن پر اس نے کوئی لباس نہیں پہنا ہوا تھا۔ روشنی بھی نہیں بجھائی گئی تھی اس کی وجہ سے اس کی گردن کی پھولی ہوئی رگ صاف نظر آ رہی تھی۔ اس کے علاوہ بدن کا اوپری حصہ۔

رتنا کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر آ گئیں اور ان میں ایک خونی چمک پیدا ہو گئی۔ ہونٹ ٹیڑھے ہو گئے، دانت بالکل باہر نکل آئے۔ اگر وکرم کھنہ اسے اس حالت میں دیکھ لیتا تو شاید اپنی جاگیر ہی چھوڑ کر بھاگ جاتا۔ اب رتنا، رتنا نہیں رہی تھی۔ اس نے دروازے کی جانب دیکھا۔ دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ چنانچہ وہ چاروں ہاتھ پاؤں سے بلی کی طرح چلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ اس کی چال میں ایک ایسی بات تھی جو کسی جنگلی درندے کی چال میں ہوتی ہے۔ جنگلی درندہ بھی وہ جو آہستہ آہستہ اپنے شکار کی طرف بڑھ رہا ہو اور چاہتا ہو کہ شکار کو اس کی آہٹ نہ ملے۔ امر پال بڑا گیانی تھا لیکن جب موت اپنا سایہ ڈالتی ہے تو سارا گیان دھیان ہوا ہو جاتا ہے۔ وہ آرام سے سو

رہا تھا اس بات سے بے نیاز کہ موت اس کی شہ رگ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ ایک حسین اور سندر لڑکی جو اس کی رہائش گاہ میں موجود تھی اور اگر وہ بری نیت کا مالک ہوتا تو اس سے اچھا موقع اور کوئی نہیں تھا اس کے لئے۔ لیکن درحقیقت یہ موقع تو رتنا کو ملا تھا۔

پھر اس وقت امر پال چونکا تھا جب اسے اپنے اوپر ایک نرم و نازک بوجھ کا احساس ہوا تھا۔ لیکن یہ احساس بعد از وقت تھا۔ رتنا کا خوفناک چہرہ اس کی گردن سے لپٹ گیا تھا اور اس کے دانت امر پال کی شہ رگ میں اُتر چکے تھے۔ امر پال نے دونوں ہاتھ سمیٹ کر اس خوفناک وجود کو اپنے اوپر سے جھٹکنے کی کوشش کی لیکن اس کے ہاتھوں کی کلائیاں رتنا کے ہاتھوں کی گرفت میں آ گئیں اور تندرست و توانا سادھو انہیں جنبش تک نہ دے سکا۔ ایسے عالم میں رتنا ایک طاقتور گینڈے کی سی قوت رکھتی تھی۔ گرو امر پال اپنی تمام تر کوششوں میں ناکام رہا تھا۔ اس نے اپنے بدن کی تمام تر طاقت استعمال کی اور اپنے حلق کی پوری قوت سے چیخا۔ لیکن رتنا نے اس طرح اس کی گردن دبوچی ہوئی تھی کہ اس کی آواز زور سے نکل ہی نہ سکی۔ اس کا بدن پھڑ پھڑاتا رہا۔ سارا وجود چیختا رہا۔ اور اس کی گردن سے خون رتنا کے وجود میں منتقل ہوتا رہا۔ رتنا بری طرح اسے چوس رہی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد امر پال کے پاؤں ڈھیلے پڑنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد رتنا نے اسے چھوڑ دیا۔ اب امر پال بے جان ہو چکا تھا۔ رتنا نے اسے میٹھی نگاہوں سے دیکھا۔ پھر اپنا ایک انگوٹھا سیدھا کیا۔ حالانکہ اس انگوٹھے کا ناخن بہت زیادہ بڑھا ہوا نہیں تھا لیکن وہ اس وقت شیر کے پنجے کی طرح تھا۔ اس نے امر پال کی گردن کے نیچے انگوٹھے کو پوری قوت سے مارا اور انگوٹھا اس کے گوشت میں داخل ہو گیا۔ پھر وہ حیرت انگیز منظر دیکھنے کے لئے کوئی اس کے پاس ہوتا تو یقیناً خوف سے اس کے دل کی دھڑکنیں بند ہو جاتیں۔ رتنا کا انگوٹھا کسی ایسے چھرے کی مانند امر پال کی پسلیوں کے سرے کو توڑتا ہوا نیچے تک اترتا چلا گیا جو انتہائی تیز دھار اور تیز رفتار ہو۔ امر پال کا سینہ کھل گیا تھا۔ رتنا نے اس کی پسلیوں میں انگلیاں پھنسائیں اور طاقت لگا کر اس کے سینے کو پھاڑ دیا۔ دل کی دھڑکن بند ہو چکی تھی۔ بدن کے اعضاء نگاہوں کے سامنے تھے۔ رتنا کا ہاتھ اس غار میں داخل ہوا اور اس نے پوری قوت سے دبوچ کر کلیجی کھینچ لی۔ اور پھر وہ امر پال کا کلیجہ چبانے لگی۔ ایک خونخوار درندے کی طرح اس نے امر پال کے جسم کے مختلف حصے چبا ڈالے اور پوری طرح سیر ہو گئی..... اس کے بعد اس پر ایک نشہ سا طاری ہونے لگا۔

لڑکھڑاتے قدموں سے وہ اپنی جگہ سے ہٹی اور اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں اسے جاپ کرنا تھا۔ لیکن اب نہ اسے جاپ یاد تھا، نہ کچھ اور۔ اس پر نیند طاری ہو رہی تھی۔ وہ وہیں لیٹے لیٹے سو گئی تھی۔

دوسری صبح سب سے پہلے پجاری گوونِد لال نے یہ بھیانک منظر دیکھا تھا۔ اس نے دروازہ بڑی مشکل سے کھولا تھا۔ صرف وہی تھا جسے اندر سے بند دروازہ کھولنا آتا تھا۔ ایک چھوٹے شیشے کو ہٹا کر اس نے ہاتھ ڈال کر کنڈی کھولی تھی کیونکہ گرو امر پال کبھی اتنی دیر نہیں سوتے تھے۔ پھر جب وہ اندر داخل ہوا اور اس نے یہ دہشت ناک منظر دیکھا تو وہ گرتے گرتے بچا تھا۔ سمجھدار آدمی تھا۔ ساری باتیں جانتا تھا۔ یہ بھی پتہ تھا کہ راج نواس میں وکرم کھنہ کے کتنے اثوق تھے۔ چنانچہ اس نے وکرم کھنہ ہی کو سب سے پہلے اس بارے میں اطلاع دی۔ اگر باقی پجاریوں کو بتا دیتا تو بڑی گڑبڑ ہو جاتی۔

وکرم کھنہ نے یہ خبر سنی تو بدحواس ہو گیا اور اس کے ساتھ چلا آیا۔ پھر اس نے بھی یہ دہشت ناک منظر دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ رتنا کا ایک پنجا خون میں ڈوبا ہوا ہے اور رخسار اور چاند کی طرح چمکتے ہوئے چہرے کے دوسرے حصوں پر بھی خون لگا ہوا ہے۔ وہ دہشت زدہ رہ گیا۔ پجاری کو اس نے سونے کے کئی زیورات دیئے اور کہا۔ ''سنو! ابھی اس سلسلے میں مکمل خاموشی اختیار کرنا۔ بس یہی بتانا کہ گرو امر پال کا کوئی دشمن انہیں ہلاک کر کے بھاگ گیا۔ یہ سونے کے زیورات تمہارے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ دوں گا تمہیں۔ بات سامنے نہیں آنی چاہئے۔ سمجھ گئے تم؟''

''ایک بات کہوں مہاراج؟''

''ہاں! بولو۔''

''دھنی رام نے گرو امر پال کو دھمکی دی تھی کہ وہ انہیں جیتا نہیں چھوڑے گا۔ دھنی رام ایک بنیا ہے۔ اسے کسی کاروبار میں نقصان ہو گیا تھا اور اس نے گرو امر پال کو ایک غلط کام پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی جس کے لئے گرو جی نے اسے منع کر دیا تھا۔ آپ چنتا نہ کریں مہاراج! میں یہ سارے کام سنبھال لوں گا۔'' پجاری نے کہا اور وکرم کھنہ خاموشی سے نیم غنودگی کے عالم میں رتنا کو باہر لے آیا تھا۔

رتنا کے پاس جواز تیار تھا۔ وہ رتنا نہیں، شردھا تھی جو رتنا کے وجود میں بولی تھی۔ ''ملا کیا بتاؤں کھنہ جی! رات کو میں گرو جی کے کہنے پر جاپ کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ دو چھوٹے چھوٹے بیر آئے۔ ہائے رام! کیسی بھیانک شکلیں تھیں ان کی۔ انہوں نے گرو جی سے کہا کہ انہوں نے مجھے یہ جاپ کیوں بتایا وہ گرو جی کو جیتا نہیں چھوڑیں گے۔ اور پھر گرو جی کی حالت انہوں نے ایسی بنا دی کہ میں تو خوف سے بے ہوش ہی ہو گئی تھی۔ مجھے نہیں پتہ اس کے بعد کیا ہوا.....''

''ہوں! تو یہ قصہ تھا۔'' وکرم کھنہ نے پرخیال انداز میں کہا اور پھر بولا۔ ''چلو! بیچارے گرو جی اس سنسار سے چلے گئے۔ ہمیں بھی یہاں سے چلنا چاہئے۔'' وکرم کھنہ، رتنا کو وہاں سے لے کر چل پڑا۔

اُدھر راج نواس میں دھنی رام کا کیا ہوا؟ یا پجاری نے کس کس طرح گرو جی کی لاش کو ٹھکانے لگایا یہ بعد کی بات ہے۔ رتنا نے تو اپنا کام کر لیا تھا.....

ہر داستان کی ایک بنیاد ہوتی ہے۔ خوف، محبت، پریشانی، خوشی۔ ہر چیز کا ایک پس منظر بھی ہوتا ہے۔ انسانی زندگی کی الجھنیں مختلف صورتیں رکھتی ہیں۔ کبھی کبھی بے مقصد اور بے مزہ۔ لیکن بہرحال! ہر کہانی میں ایک ربط ہونا چاہئے۔ کوئی بھی کام بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔ اب بیچاری رتنا جو رفتہ رفتہ ایک خون آشام چڑیل بنتی جا رہی تھی۔ جسے انسانی کلیجے چبانے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ جو بڑی آسانی سے ڈائن کہلا سکتی تھی۔ اس کے ماضی کے بارے میں آپ کو معلوم ہے۔ اپنی بستی میں جوان ہوئی ہوتی، اپنے ماتا پتا کے زیر سایہ زندگی گزارتی تو صورت حال ہی بہت مختلف ہوتی۔ ایک ایسی حسین لڑکی وجود میں آتی جو کسی چھوٹے سے گھر کو آباد کر دیتی۔ لیکن اب وہ بربادیوں کا نشان بنی ہوئی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اسے ایک ایسی اصلی ڈائن مل گئی تھی جو ہر طرح سے اسے اپنے شکنجے میں جکڑنے کے بعد استعمال کر رہی تھی۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ ڈائن کہاں سے کہاں تک رتنا کو اپنے قبضے میں رکھ سکتی ہے کیونکہ بہرحال! ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ رتنا خود بھی ایسا مقام حاصل کرتی جا رہی تھی جو اسے سوچنے سمجھنے کی قوتیں بخش رہا تھا اور جسمانی طور پر بھی اپنے حسن و جمال سے کام لے کر اس نے ایک ایسے جاگیردار کو اپنے قابو میں کیا تھا جس کی دولت بے پناہ تھی۔ لیکن یہ بھی ایک بڑی سچائی تھی کہ وکرم کھنہ ایک عیاش طبع آدمی تھا اور مستقبل میں نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کتنے عرصے تک رتنا اسے اپنے قابو میں رکھ سکتی ہے۔ بہرحال! فی الحال تو رتنا نے

جاگیردار وکرم کھنہ کی ان منظور نظر بیویوں کو مشکل میں گرفتار کر رکھا تھا۔

ایک طرف سوریہ مکھٹ کا معاملہ تھا اور پاروتی اسے اپنے مقصد کے لئے استعمال کر رہی تھی تو دوسری طرف پورن ماشی اپنے طور پر بہت سے فیصلے کر رہی تھی۔ دھرما سنگھ کے بارے میں اسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ اس کے دل میں آگ سلگ رہی تھی۔ وہ اب تک وکرم کھنہ کی وفادار رہی تھی۔ لیکن اب اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر مہاراج دھرما سنگھ اس پر مہربان ہو گئے تو پہلے رتناوتی اور اس کے بعد پاروتی دونوں کو دیکھ لے گی۔ اسے دھرما سنگھ کی پراسرار قوتوں پر پورا یقین تھا اور اس یقین کی وجہ اس کے پتا جی تھے۔ انہوں نے اسے دھرما سنگھ مہاراج کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ اس نے دھرما سنگھ مہاراج کی پراسرار قوتوں کے بہت سے قصے سن رکھے تھے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ ان کی شکتی اس کے کس کام آ سکتی تھی۔ وہ وکرم کھنہ سے اجازت لے کر اپنے میکے چل پڑی تھی۔ راستے بھر میں اس کا ذہن سوچ میں ڈوبا رہا تھا۔ اس نے کچھ فیصلے کئے تھے۔ پہلا فیصلہ تو یہ تھا کہ وہ اپنے ماتا پتا کو حقیقت نہیں بتائے گی کیونکہ یہ بات بھی سب لوگ جانتے تھے کہ وکرم کھنہ اگر کسی کے خلاف ہو جائے تو ان علاقوں میں اس کا جینا مشکل ہو جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ اس کے پتا وکرم کھنہ کے احسان مند تھے اور وکرم کھنہ کے خلاف کوئی کام کرنا ان کے لئے ممکن نہیں تھا اور اگر یہ کہ پتا جی کچھ کرنے پر راضی بھی ہو گئے تو ممکن ہے کہ خود دھرما سنگھ ان کی بات پر توجہ نہ دے سکیں جتنی توجہ وہ پورن ماشی کی بات پر دے سکتے تھے۔ اس کے پتا جی کا وہ خیال ضرور کرتے تھے۔ لیکن اگر ایک طاقتور آدمی کو اس کی پسند کی چیز دے دی جائے تو وہ زیادہ دلچسپی دے سکتا ہے اور پورن ماشی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اس راز کو اپنے اور دھرما سنگھ کے درمیان رکھے گی۔

طویل سفر طے کر کے آخر کار ایک دوسرے علاقے میں داخل ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے گھر پہنچ گئی۔ اچانک ہی آئی تھی اس لئے سب حیران رہ گئے تھے۔ لیکن بہرحال اسے بڑی خوشی سے خوش آمدید کہا گیا۔ اندر سب اس بارے میں جاننے کے لئے بے چین تھے کہ وہ اچانک کیسے آ گئی اور اس سلسلے میں اس کے پتا نے اس سے سوال کیا تو پورن ماشی نے کہا۔ ''بس پتا جی! میں نے سپنے میں آپ کو اور ماتا جی کو دیکھا تھا، بس! من مچل اٹھا۔''

''لیکن وکرم کھنہ کی اجازت لے کر آئی ہو نا تم؟''

''تو اور کیا؟''

''یہ ٹھیک ہے۔ کیا دیکھا تھا سپنے میں؟'' اس کے پتا نے خوش ہو کر پوچھا۔

''بھگوان آپ کو جیتا رکھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ دونوں ایک ویران جنگل میں جا رہے ہیں۔ ماتا جی کے پیروں میں چل چل کر چھالے پڑ گئے ہیں۔ تب آپ نے انہیں گود میں اٹھا لیا ہے۔ آپ کو پیاس لگ رہی ہے لیکن دور دور تک پانی نہیں ہے۔ پھر آپ نے ماتا جی کو نیچے اتار دیا اور آسمان سے جل مانگا تو بارش ہو گئی۔ آپ کے پیچھے میں نے ایک ایسے مہان انسان کو دیکھا جس نے آپ کے لئے بارش کی پراتھنا کی تھی۔''

''ارے کون تھے وہ؟'' اس کے پتا نے مسکرا کر پوچھا۔

''دھرما سنگھ مہاراج!''

''ارے واہ! یہ سچ ہے۔ دھرما سنگھ مہاراج ہمیشہ ہماری رکھشا کرتے رہے ہیں۔''

''ویسے پتا جی! کیا آپ ان کے درشن کرتے رہتے ہیں؟''

''ہاں ہاں! کیوں نہیں؟ میں ان سے ملنے جاتا رہتا ہوں۔''

''اسی مندر میں رہتے ہیں وہ؟''

''تو اور کیا۔''

''پتا جی! میں ان سے ملنے جاؤں گی۔''

''لو دیکھو! پہلے تو ان کے نام سے بھاگتی تھی، اب ان کے درشن کو جائے گی۔''

''پہلے کی بات اور تھی۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔ چلنا میرے ساتھ۔''

''نہیں پتا جی! میں اکیلی جاؤں گی ان کے پاس۔''

''ٹھیک ہے! میں انتظام کر دوں گا۔'' اس کے پتا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں دو ایک دن ان کے چرنوں میں رہوں گی۔ اس کے لئے کسی خاص انتظام کی ضرورت نہیں ہے۔ بس ایک بیل گاڑی اور ایک کوچوان دے دیں۔ کسی باندی کو بھی ساتھ نہیں لے جاؤں گی۔ دو دن ان کے پاس ایک داسی بن کر رہوں گی۔''

''بھگوان تجھے سکھی رکھے۔ گیانیوں کا ایسے ہی بھرم رکھنا چاہئے۔ جو تو کہے، میں کر دوں گا۔'' اس کے بعد اپنے ماتا پتا کے ساتھ ایک خوشگوار وقت گزار کر پورن ماشی اپنے اصل کام

کے لئے چل پڑی اور ایک رتھ بان اسے لے کر ویرانوں کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ دھرما سنگ
کا مندر ایک ویران علاقے میں تھا۔ ایسے علاقے میں جہاں زندگی گزارنے کا تصور بھی نہ
کیا جا سکتا تھا۔ لیکن دھرما سنگھ کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ بہت سے بیران کی سیوا کر
ہیں۔ یہ ساری باتیں سوچتی ہوئی پورن ماشی مندر جا رہی تھی۔ اس کے ذہن پر ان خوفنا
آنکھوں کا تصور تھا۔ بہت پرانی بات ہے۔ ایک بار وہ ان کی آنکھوں کو دیکھ کر سہم گئی تھ
لیکن وہ ناتجربہ کاری کی عمر تھی۔ اب بہت کچھ سیکھ لیا تھا اس نے۔ ان آنکھوں نے ج
انداز میں اس کے بارے میں بدن کو ٹٹولا تھا، پہلے وہ اس سے خوفزدہ ہوئی تھی۔ لیکن اب
ان آنکھوں کو اپنے جسم کے مختلف حصوں پر محسوس کر رہی تھی۔

جس رتھ میں بیٹھ کر وہ سفر کر رہی تھی اس کے بیلوں کے گلے میں چاندی کی گھنٹ
بندھی ہوئی تھیں اور گھنٹیوں کی آواز اس کی سوچ کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ
دیر کے بعد ویرانوں میں نظر آنے والا وہ مندر آ گیا جس کے چوبی دروازے میں پیتل
بڑی بڑی کیلیں جڑی ہوئی تھیں۔ دروازے کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ پورن ما
رتھ سے نیچے اتر آئی اور اس نے کوچوان سے کہا۔ ''تم رتھ کو دور پیپل کے درخت کے
لے جاؤ اور وہیں بیل کھول دو۔ تمہیں اسی جگہ آرام کرنا ہے۔ جب تک میں تمہیں نہ بلاؤ
نہ آنا۔ مجھے مندر میں کافی وقت تک پوجا پاٹ کرنی ہے۔ خبردار! میری آواز کے بغیر
آنے کی کوشش مت کرنا۔''

''ٹھیک ہے چھوٹی رانی!'' کوچوان نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا اور بیلوں کو واپس
لیا۔ پیپل کا ایک بڑا سا درخت کوئی ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ کوچوان اس طرف
گیا تو پورن ماشی دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ مندر ویرانے میں تھا۔ دور
تک کوئی آبادی نہیں تھی اس لئے یہ ویران ہی رہتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بے حد پرا
ماحول پیش کر رہا تھا۔ اس کے صحن میں درختوں کے پتے مٹی میں لپٹے ہوئے تھے۔ ہوا
ان خشک پتوں کو اِدھر سے اُدھر منتشر کرتیں تو کھڑکھڑاہٹ پیدا ہوتی۔ ایسا لگتا جیسے خوفنا
روحیں دبے پاؤں صحن میں رقص کر رہی ہوں۔ وہ ان پتوں کے درمیان سے گزرتی
اندر کے دروازے کے پاس پہنچی۔ چونکہ اس کے پتا، دھرما سنگھ مہاراج کے غلام تھے
لئے پہلے بھی وہ اپنے پتا کے ساتھ یہاں آ چکی تھی اور مندر کے اندرونی حصوں کے با

یں بھی جانتی تھی، یہاں تک کہ وہ اس دروازے تک پہنچ گئی جس سے گزر کر پوجا کے ہال
یں جایا جاتا تھا۔

دروازے سے اندر قدم رکھتے ہوئے اس کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ نیم تاریک
ل میں اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ سامنے ہی بھوانی کا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ ہال
ے مختلف گوشوں میں پتھر کے انسان خاموش کھڑے تھے لیکن ان کے درمیان کسی جیتے
اگتے انسان کا وجود نہیں تھا۔ البتہ یوں لگ رہا تھا جیسے بہت سے لوگ خاموشی سے شکار کی
اک میں لگے ہوں۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر پتھر کے ایک مجسمے کے
س پہنچی۔ یہاں پہنچ کر اس نے سامنے نگاہیں دوڑائیں۔ پہلے جب وہ اپنے پتا جی کے
اتھ یہاں آئی تھی تو اس سامنے والے دروازے کے دوسری طرف دھرما سنگھ مہاراج سے
قات ہوئی تھی۔ اس کے قدم اسی دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے دروازے کے
ریب کھڑے ہو کر کچھ لمحوں کے لئے سوچا۔ پتا جی کی باتوں سے اسے یہ اندازہ ہوا تھا کہ
ھرما سنگھ جی ہٹے کٹے ہیں اور آرام سے رہ رہے ہیں۔ کوئی خطرے کی بات نہیں ہے۔
ان کی لرزتی ہوئی آواز گونجی۔ ''دھرما سنگھ مہاراج!''

اس کی آواز سنسان مندر کی دیواروں سے ٹکرا کر گونج پیدا کرتی ہوئی لوٹ آئی۔ اس
نے دوسری بار آواز دی، اور ابھی اس کی آواز کی بازگشت ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ سامنے
لے دروازے کی پراسرار چرچراہٹ گونجی اور پھر روشنی کی ایک لکیر باہر رینگ آئی۔ لکیر
ے عقب میں دیوقامت دھرما سنگھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی داڑھی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ خشک بال
اؤں کی طرح پھیل گئے تھے۔ آنکھوں سے سرخ روشنی پھوٹ رہی تھی۔ جب پورن ماشی
ت سی کیفیتوں سے ناآشنا تھی تو دھرما سنگھ کا یہ چوڑا چکلا بدن اسے بہت خوفناک محسوس ہوا
ا۔ لیکن آج جب اس نے اس بدن کو دیکھا تو اس کے سارے وجود میں ایک سرسراہٹ سی
ڑ گئی۔

دھرما سنگھ کو دیکھ کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور ان کے سامنے سر جھکا دیا۔
انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پاٹ دار آواز میں کہا۔ ''سیدھی ہو جا سندری کیا
نگے آئی ہے؟''

پورن ماشی سیدھی ہو گئی۔ پھر اس نے نگاہیں اٹھا کر دھرما سنگھ کی طرف دیکھا۔ سرخ

آنکھیں اس کے چہرے پر گڑھی ہوئی تھیں اور ان میں عجیب سی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ تب وہ
لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''دھرما مہاراج! آپ مجھے بھول گئے شاید۔''

''سنسار میں بھول جانے کی چیزیں اور ہوتی ہیں۔ تو کوئی بھولنے والی چیز نہیں ہے
پورن ماشی! چندر ما جب آسمان پر پورا ہوتا ہے تو سمٹ کر تیرا وجود اختیار کر جاتا ہے۔ کیا
سمجھی؟ ہم تجھے جانتے ہیں۔''

''جے ہو مہاراج کی!''

''پتی کہاں ہے تیرا؟''

''میں اکیلی آئی ہوں مہاراج!''

''ہم جانتے ہیں۔ پر وہ کہاں ہے؟''

''وہ اپنے گھر میں ہے۔''

''اور پتا؟''

''وہ بھی گھر میں ہی ہیں۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ میں مہاراج کے پاس اکیلی جاؤں
گی۔''

''تو نے اچھا کیا۔ آرزوئیں انسانوں کی بھیڑ میں پوری نہیں ہوتیں۔ تیرے ساتھ کوا
کون آیا ہے؟''

''صرف کوچوان''

''کہاں ہے وہ؟''

''بہت دور پیپل کے درخت کے نیچے ہے۔''

''آ جا میرے ساتھ۔'' دھرما سنگھ مہاراج بولے اور دروازے کے دوسری طرف
گئے۔ پورن ماشی ان کے پیچھے پیچھے دروازے سے اندر داخل ہو گئی تھی۔ اور پھر اس کے بعد
اس نے اندر کا منظر دیکھا۔ اندر کا ماحول اس ویران مندر کے ماحول سے بالکل مختلف تھا
ایک طرف آرام دہ مسہری بچھی ہوئی تھی۔ فرش پر موٹا قالین، چھت پر فانوس جس میں
شمعیں روشن تھیں اور یہاں تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

''بیٹھ جا!''

''آپ کے چرنوں میں بیٹھوں گی مہاراج۔'' پورن ماشی نے کہا۔

''من میں بیٹھنے والے چرنوں میں نہیں بیٹھتے۔ تیری جگہ ہمارے من میں ہے۔ اس کرسی
پر بیٹھ جا۔'' دھرما سنگھ مہاراج کی نگاہیں پورن ماشی پر جمی ہوئی تھیں اور پورن ماشی کو وہی
احساس ہو رہا تھا جو بہت پہلے ایک بار ہوا تھا۔

دھرما سنگھ مہاراج جیسے اس کے بدن کی جنبشوں سے..... اُس کے چہرے کی لکیروں
ے اندازہ لگا رہے تھے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ پورن ماشی کے بارے میں انہیں پوری طرح
ہ بات معلوم تھی کہ اس کی شادی ہو گئی ہے اور وہ ایک بہت بڑے جاگیردار وکرم کھنہ کی
ویلی میں گئی ہے۔ اب یہ شادی کیسے ہوئی تھی، پھیرے ہوئے تھے یا نہیں ہوئے تھے یہ
ت تو وکرم کھنہ یا پورن ماشی کا باپ ہی جانتا تھا۔

بہر حال دھرما سنگھ مہاراج نے پوچھا۔ ''ہوں! تو بات تیرے پتی کی ہے۔''

''ہیں؟'' پورن ماشی چونک پڑی۔ پھر اسے اپنے پتا کے الفاظ یاد آ گئے جس نے کہا تھا
ہ دھرما سنگھ مہاراج بڑے گیانی ہیں۔ وہ آہستہ سے بولی۔ ''مہاراج آپ......''

''ہاں! ہمیں سب معلوم ہے۔ سنسار کی کون سی بات ہم سے چھپی ہوئی ہے۔ مگر تو ہمیں
نی زبان سے بتا اور یہ بھی بتا کہ تو کیا چاہتی ہے؟ ہم سب کچھ کریں گے تیرے لئے۔
ل! کیا بات ہے؟''

''ہمیں نہیں معلوم تھا مہاراج کہ ہمیں جس شخص کے حوالے کیا جا رہا ہے، وہ کیسا ہے۔
م کھنہ ایک عیاش آدمی ہے۔ سب سے پہلی رانی کو اس نے نکال دیا تھا۔ اس کی دوسری
ی سر جھکائے خاموشی سے زندگی گزار رہی ہے۔ میرے ساتھ اس نے پھیرے بھی نہیں
۔ بس ایسے ہی گھر میں ڈال رکھا ہے۔ میں ہی نہیں، اور بھی ہیں۔ کچھ دنوں تک وہ میری
ر کرتا رہا۔ پھر ایک اور آ گئی۔ وہ بہت سندر ہے۔ اس کے آنے سے میری حیثیت بالکل
ا ہو گئی ہے اور اب وکرم کھنہ اس میں کھوئے ہوئے ہیں۔ بتائیے مہاراج! کیا کروں؟
ے گزاروں؟ میں تو صبر کر رہی تھی کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے لیکن اب تو میں وکرم کھنہ کی
رت بھی نہیں دیکھ پاتی۔''

''اب ایسا کر، اپنے کوچوان سے کچھ کہنا تو نہیں ہے تجھے؟ اسے واپس تو نہیں بھیجنا؟''

''نہیں مہاراج! میں خود پتا جی سے کہہ کر آئی ہوں کہ دو تین دن دھرما سنگھ مہاراج کے
ل میں گزاروں گی۔''

''جیتی رہ!''

دھرما جی نے کھانے کا سارا بندوبست کیا۔ پورن ماشی تہیہ کر چکی تھی کہ چاہے سر پر دان پڑے لیکن اگر رتنا کو شکست نہ دی تو کیا کیا.....؟

رات کو بارہ بجے دھرما سنگھ مہاراج اسے لے کر بھوانی کے چرنوں میں پہنچ گئے اور انہوں نے کہا۔ ''بھوانی ماں کے سامنے ایسے نہیں جاتے۔ اس کے لئے گنگا جل سے نہانا پڑتا ہے۔ ہم خود تیرا نہان کریں گے۔'' پھر جو کچھ ہوا وہ پورن ماشی کے لئے بڑا بھیانک تھا۔ دھرما سنگھ مہاراج بڑی خطرناک شخصیت کے مالک تھے اور انہوں نے پورن ماشی کی سادگی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور بے وقوف پورن ماشی سوچ رہی تھی کہ بس! اب اس نے رتنا کا تیا پانچا کیا۔

☆.....☆.....☆

ایسا ہی نہیں تھا بلکہ باقی سب بھی اپنے اپنے چکروں میں لگے ہوئے تھے۔ ایک طرف پاروتی، سوریہ مکھٹ کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہی تھی تو دوسری طرف سندھیا بھی پریشان تھی۔ اس کی خاص ملازمہ نرما اس وقت بھی اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور اس سے کہہ رہی تھی۔ ''دیوی جی! ایک بات کہوں آپ سے؟''

''ہاں بولو! کیا بات ہے؟''

''آپ پریشان ہیں سندھیا مہارانی!''

''ہاں! میں بہت پریشان ہوں۔''

''اصل میں ہم تو داسیاں ہیں۔ مالکوں کے دکھ کو جانتے ہیں۔ لیکن بول نہیں سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارا من چاہتا ہے کہ ہم آپ کے کام آئیں۔''

سندھیا نے گردن اٹھا کر نرما کو دیکھا۔ پھر بولی۔ ''جو کہنا چاہتی ہے، صاف کہہ۔''

اصل میں کبھی کبھی سامنے کی چیزیں انسان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ صحیح جگہ ہاتھ رکھ دیا جائے تو بہت سے کام بن جاتے ہیں۔''

''نرما! ہمیں کہانیاں نہ سنا! یہ بتا ہمیں کرنا کیا چاہئے؟''

''اگر میں زبان کھول دوں تو آپ برا تو نہیں مان جائیں گی دیوی جی؟''

''خاک دیوی ہوں۔ سندھو کہہ مجھے، جیسا کہ میرے گھر والے کہا کرتے تھے۔ اب تو یہ لفظ سننے کے لئے میرے کان ترس گئے ہیں۔

''آپ مجھے اتنا بڑا مان دے رہی ہیں۔''

''ہاں ہاں! کہا نا، سندھو کہا کر، مجھے خوشی ہو گی۔'' سندھیا نے روتی ہوئی آواز ہوئی آواز میں کہا۔

''جب آپ مجھے اتنا بڑا مان دے رہی ہیں تو ہزار جیون دے سکتی ہوں آپ کے لئے۔

سندھو رانی! آپ کا دکھ جانتی ہوں میں۔''

''کیا جانتی ہے؟''

''یہی کہ حویلی میں ایک اپسرا آ گئی ہے۔ اِندر کے اکھاڑے کی تو نہیں ہے پر اس نے مہاراج کو اپنی مٹھی میں آسانی سے جکڑ لیا ہے اور سب تڑپ رہے ہیں۔''

سندھیا اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے نرما کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تو یہ سب کیسے جانتی ہے نرما؟''

''دیوی جی! کیسی باتیں کرتی ہیں۔ داسیاں آپ کے چرنوں میں رہتی ہے۔ آپ کا مزاج سمجھتی ہیں، آپ کے دکھ، درد جانتی ہیں۔ مگر بات بھی ویسی ہے۔''

''کیا؟''

''داسیاں، داسیاں ہوتی ہیں۔'' نرما نے سندھیا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

سندھیا اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر بولی۔ ''میرا من زخمی ہے نرما! اس لمحے جو میرے زخموں پر مرہم رکھے گا وہ میرے لئے میرا سب سے بڑا دوست ہو گا۔ کیا تو میرے کام آ سکتی ہے؟''

''میں آپ کے کام آنا چاہتی ہوں دیوی جی! آپ کے دکھ کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ شروع سے جانتی ہوں اور میں نے اس بارے میں بہت کچھ سہا بھی ہے، سوچا بھی ہے۔''

''کیا سوچا ہے؟''

''کبھی کبھی بہت چھوٹے لوگ بھی بہت بڑی باتیں سوچ لیتے ہیں۔ بات چھوٹے بڑے کی نہیں ہوتی۔ اصل بات یہ ہے کہ صحیح بات من میں آ جائے۔ آپ مہاراج کی وجہ سے دکھی ہیں نا؟'' نرما نے کہا اور سندھیا اُسے غور سے دیکھنے لگی۔

پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''اگر ایسا ہو تو؟''

''ایسا ہے دیوی جی! ایسا ہی ہے۔''

''یقین کے ساتھ کہہ رہی ہے؟''

''ہاں!''

''چل! ٹھیک ہے۔ آگے بول۔''

''اور اس وقت آپ خاص طور سے رتنا کی وجہ سے پریشان ہیں۔''

''ہاں! سب اس کی وجہ سے ہی پریشان ہیں۔''

''ابھی اصل کھونٹے کی طرف کسی نے ہاتھ نہیں بڑھائے۔''

''اصل کھونٹا؟'' سندھیا نے پوچھا۔

''ہاں! اصل کھونٹا! کسی نے اس پر غور ہی نہیں کیا۔''

''پہیلیاں نہ بجھا! صاف بات کر۔''

''وکرم کھنہ مہاراج کی ناک کا بال کون ہے آپ جانتی ہیں؟''

''ان کی ناک میں تو بہت سے بال ہیں۔ تو کون سے بال کی بات کر رہی ہے۔'' سندھیا نے کہا اور ہنس پڑی۔

نرما بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ ''میں تیواڑی لال کی بات کر رہی ہوں۔''

''تیواڑی لال کی؟'' سندھیا نے حیران لہجے میں کہا۔

''ہاں!'' نرما مسکرا کر بولی۔

''مگر تیواڑی لال....''

''اصل میں رانی جی! آپ بڑے لوگ جو ہوتے ہو نا، انہیں سنسار کی کچھ ہی باتیں معلوم ہوتی ہیں مثلاً یہ کہ سونا کیا بھاؤ ہے؟ یا زیور کون سے اچھے بنتے ہیں؟ کپڑے کون کون سے اچھے ہوتے ہیں؟ پر ہم جیسے لوگوں کو تو سنسار میں بڑے تجربے کرنا پڑتے ہیں۔ بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے ہمیں۔ میں بھی انہی میں سے ایک ہوں اور ظاہر ہے جیون گزارنے کے لئے مجھے بھی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے رانی جی! یہ مرد جو ہوتے ہیں نا، یہ مت سوچنا کہ کسی بھی عمر میں یہ مکمل انسان بن جاتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ یہ باپ، بھائی نہیں ہوتے، ہوتے ہیں۔ لیکن صرف اپنی بیٹیوں کے باپ، اپنی بہنوں کے بھائی۔ کبھی کبھی یہ بہت اچھے انسان بھی نکل آتے ہیں۔ لیکن اس بات کو بھلایا نہیں جا سکتا کہ ان کے اندر مرد زیادہ ہوتا ہے۔ دیوی جی! تیواڑی لال بھی ایک مرد ہے اور آپ جانتی ہیں کہ ہمارے مہاراج تیواڑی لال کے کندھوں پر بیٹھ کر سنسار کے سارے کام کرتے ہیں۔ تیواڑی لال ایک طرح سے ان کی ناک کا بال ہے۔ میں نے اس طرح ناک کے بال کی بات کی تھی۔''

''تو ٹھیک کہتی ہے نرما! مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ تیرے پاس اتنا زیادہ تجربہ ہے۔''

''سنسار خود تجربہ دیتا ہے۔ پھر ہم جیسے لوگوں کو تجربہ ہو ہی جاتا ہے۔ ہم راج حویلی کی داسیاں ہیں۔ داسیوں کو مالکوں کے بارے میں جاننا ہی چاہئے۔ خیر! میں آپ سے یہ کہہ رہی تھی کہ اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے کی بجائے تیواڑی لال پر ہی ہاتھ ڈالا جائے۔''

''مگر کیسے؟''

''ایک بات کہوں! بھگوان کی سوگند! برا مت مانئے اور نہ یہ سمجھئے کہ کچھ پانے کے لئے آپ سے غلط باتیں کر رہی ہوں۔ کچھ مانگوں تو سولی چڑھوا دیجئے گا۔''

''نہیں نرما! تو بہت اچھی ہے۔ میں تجھے جانتی ہوں۔ میری وفادار ہے تو اس لئے تو دل کی بات تجھ سے کہہ رہی ہوں۔''

''اصل میں ہمارے مہاراج سوجھ بوجھ کھو بیٹھے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ سندرتا کیا چیز ہوتی ہے۔ بس یوں سمجھ لیجئے ایک ہوس ہے ان کے اندر جو نجانے کہاں کہاں ڈولتی پھرتی ہے۔ اگر کوئی سا قدردان ہو تو قسم کھا کر کہتی ہوں مہاراج کی ساری منظورِ نظر عورتوں کو ایک طرف بٹھا دو اور میری سندھیا دیوی کو دوسری طرف۔ اندھیرے میں روشنی نہ ہو جائے تو میرا نام نرما نہ لینا۔''

سندھیا کو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے تھا۔ ایک سسکی سی لے کر بولی۔ ''میری بہن! تقدیر بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔''

''آپ نراش نہ ہوں۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ اگر آپ تیواڑی لال پر اپنا پنجہ ڈالیں تو مجال ہے کہ تیواڑی لال جی اس سے نکل سکیں۔''

''پھر؟''

''تیواڑی لال کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا جو آپ کی مدد کر سکے۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ وہی رتناوتی کا تیا پانچا کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے آپ کو اسے اپنے جال میں پھانسنا ہوگا۔''

سندھیا حیران نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ ''سچ مچ! اگر تیواڑی لال ہمارے پھیر میں آ جائے تو واقعی بڑا کام بن جائے۔''

''آئیں گے۔ ایسے آئیں گے کہ دیکھنے والے دیکھیں گے۔ بس! آپ کو ذرا محنت کرنی ہوگی ان پر۔ یہ مرد جتنے چالاک ہوتے ہیں نا، عورت کے معاملے میں اتنی ہی آسانی سے قابو میں بھی آ جاتے ہیں۔'' پھر نرما اور سندھیا کچھ دیر تک باتیں کرتی رہی تھیں لیکن انہوں نے اس مکھی پر غور ہی نہیں کیا تھا جو ان سے تھوڑے فاصلے پر فرنیچر پر ایک گوشے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ دور سے وہ ایک مکھی ہی لگتی تھی لیکن اگر وہ اسے غور سے دیکھ لیتیں تو یا تو خوف سے بے ہوش ہو جاتیں یا پھر حیرانی کی انتہا کو پہنچ جاتیں۔ کیونکہ اس مکھی کے چہرے کے نقوش انسانوں جیسے تھے۔ مڑی ہوئی ناک، چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ لیکن یہ سب اتنی چھوٹی تھیں کہ بہت قریب سے ہی نظر آ سکتی تھیں۔

نرما نے خود سندھیا کا پیغام تیواڑی لال جی کو پہنچایا تھا اور اس وقت جب تیواڑی لال جی نرما کے کہنے پر سندھیا کی رہائش گاہ پر پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ سندھیا خوبصورت لباس میں ملبوس حسین چہرہ بنائے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ تیواڑی لال جی اندر داخل ہوئے تو سندھیا نے بڑے پیار سے ان کا استقبال کیا۔ جو لباس اس نے اس وقت پہن رکھا تھا اس کی اپنی ایک الگ ہی کہانی ہوتی ہے۔ ایک لمحے تک انہوں نے سندھیا پر غور کیا۔ پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر جھک گئے اور بولے۔ ''بہت عرصے کے بعد دیوی جی کو تیواڑی یاد آیا۔ تیواڑی کے تو جیسے بھاگ کھل گئے۔ بڑی بات ہے کہ اسے یاد کیا گیا۔''

سندھیا نے ایک گہری سانس لی اور آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی مسہری پر جا بیٹھی۔ ''آیئے تیواڑی لال جی! ایسا لگتا ہے جیسے آپ ہم پر طنز کر رہے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ آپ کو ہم پر طنز کرنا ہی چاہئے۔ اب تو یہ آپ کا ہی نہیں، سب کا ہی حق ہے۔ آیئے بیٹھئے۔''

سندھیا خود اس انداز میں بیٹھی ہوئی تھی کہ تیواڑی لال کے حواس خراب ہوئے جا رہے تھے۔ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولے۔ ''بھگوان کی سوگند! آپ پر طنز کروں تو زبان سوکھ کر نیچے نہ گر جائے بھلا۔ میں اور آپ پر طنز کروں، آپ نے ایسا سوچا ہی کیوں؟''

''اس لئے تیواڑی لال جی کہ ہمارے برے دن ہیں۔ ہماری عزت، ہماری حیثیت ختم ہو گئی ہے۔ اس لئے اب ہر ایک کو حق ہے کہ جو چاہے ہمیں کہہ دے۔'' سندھیا کی آواز بھرا گئی۔

''بھگوان کی سوگند! نہ تو میں نے خود طنز کیا ہے اور جب تک جیتا ہوں اس حویلی میں کسی

کی کیا مجال ہے کہ دیوی کی جی طرف ہلکی نگاہ سے دیکھے۔ زبان کٹوا کر پھینک دوں گا۔ پھر بھی اگر میرے الفاظ سے آپ کو کہیں یہ احساس ہوا ہے تو تیواڑی لال معافی چاہتا ہے۔''

''دل دکھا ہوا ہے ہمارا تیواڑی لال جی! جذبات میں آ کر اگر کوئی غلط بات ہماری زبان سے نکل جائے تو آپ محسوس نہ کریں۔'' سندھیا کے آنسو گالوں پر لڑھک آئے۔

تیواڑی لال جی بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھے اور انہوں نے سندھیا کے قریب پہنچ کر نیچے زمین پر گھٹنے ٹکا کر بیٹھتے ہوئے اس کے آنسو خشک کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں وہ اس قدر قریب ہو گئے تھے کہ خود ان کی سانسیں بے قابو ہو گئیں لیکن ان بے قابو سانسوں کو دیوانگی کی حدود میں سندھیا نے خود داخل کر دیا۔ وہ خود سسکی لے کر تیواڑی لال سے لپٹ گئی تھی۔ اس کے منہ سے آوازیں نکل رہی تھیں۔'' ''تیواڑی لال! ہم...... ہم لٹ گئے ہیں۔ ہمارا سہاگ لٹ گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ رتنا نے ہم سب کو نیچا دکھا دیا ہے۔ مہاراج ہم سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ اب ہم تنہا رہتے ہیں۔ یہ حویلی، جو کبھی ہمارے چرنوں کی دھول تھی اب ہمیں کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ ایسے کیسے جیون بتائیں گے ہم.... ایسے جینے سے تو بہتر ہے کہ ہم زہر کھا لیں۔''

تیواڑی لال جی سندھیا کی اس خود سپردگی سے بالکل بے قابو ہو چکے تھے۔ لرزتی ہوئی آواز میں بولے۔ ''زہر تمہارے دشمن کھائیں گے سندھیا جی..... تمہاری یہ راتیں سونی رہنے کے لئے نہیں ہیں۔ لیکن رتنا نے وکرم کھنہ جی پر ایسا جادو چلایا ہے کہ وہ اس کی گرفت سے مشکل ہی سے نکلیں گے لیکن...... لیکن ہم کچھ کریں گے..... ضرور کچھ کریں گے۔''

تیواڑی لال ایک قدم آگے بڑھ رہے تھے تو سندھیا انہیں چھ قدم آگے بڑھنے کی دعوت دے رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''رتنا کو قتل کر دو مہاراج! یہ حویلی اس سے صاف کر دیں اور ہمارے راستے کھول دیں۔ ہم مہاراج کے لئے مرتے نہیں ہیں مگر ہمارا اقتدار خطرے میں پڑ جائے یہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا۔ آپ ہمارے لئے ایسا ہی کریں مہاراج!''

''آپ کو پتہ ہے اگر ایسا ہو جائے دیوی جی! تو وکرم کھنہ مہاراج زمین آسمان ایک کر دیں گے۔ ان کے جاسوس یہ پتہ چلائیں گے کہ ایسا کس نے کیا ہے؟ اور پھر جس نے ایسا کیا ہو گا اس کے خاندان کا کوئی بھی فرد جیتا نہیں بچے گا۔''

''پھر..... پھر کیا ہو گا؟''

''ہو جائے گا۔ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں ہم جس سے ہماری سندھیا رانی کو ان کا اقتدار واپس مل جائے۔''

''مگر کیسے؟''

''تیواڑی لال ایک ایک قدم بڑھتے ہوئے آخر کار تمام حدود کو پھلانگ گئے۔ انہوں نے کہا۔'' ایک سازش..... ایک ایسی سازش کریں گے ہم رتنا کے خلاف کہ وہ مہاراج کی نظروں سے گر جائے گی۔ اس کے لئے ہمیں کوئی ایسا فرد پیدا کرنا پڑے گا جس پر یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ رتنا کا پرانا پریمی ہے اور اس پریمی کو مہاراج کے سامنے لے آیا جائے۔ مرد سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اپنا رقیب برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ کام ہم کر لیں گے لیکن.....''

''لیکن کیا.....؟'' سندھیا نے چمکتے چہرے کے ساتھ پوچھا اور پھر تیواڑی لال کو الفاظ میں کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ معاوضہ بتا دیا گیا اور ایک گھنٹے بعد جب تیواڑی لال سندھیا کے کمرے سے باہر نکلے تو سندھیا کے ہونٹوں پر کامیابی کی مسکراہٹ تھی اور یہ مسکراہٹ تیواڑی لال کے ہونٹوں پر بھی تھی۔ پتہ نہیں ان دونوں میں سے کون اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔

☆

رتنا پریشان نہیں تھی۔ یہاں اس شاندار حویلی میں جو عزت اور جو مقام اسے حاصل تھا اس سے زیادہ اس نے اور کسی شے کی خواہش نہیں کی تھی۔ وہ سب کچھ اسے مل گیا تھا جس کی کسی ذی روح کو خواہش ہو سکتی ہے اور رتنا نے کبھی ایسی خواہشوں کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ زندگی جہاں سے شروع ہوئی تھی اسے وہ آغاز بھی یاد تھا اور جہاں تک پہنچی تھی یہ لمحات بھی اس کے لئے دلکش تھے۔ وہ تمام لطافتیں اسے حاصل ہو گئی تھیں جو کسی انسان کی طلب ہو سکتی ہیں۔ ہاں! اگر ایک غیر حقیقی طلب اس کے دل میں تھی تو وہ انسانی خون کی خواہش تھی۔ وہ عورت تھی۔ عورت فطری طور پر کبھی ڈائن نہیں ہو سکتی۔ لیکن کچھ لمحات..... زندگی کے ایسے لمحات جو پیدا کر دیئے گئے تھے انہوں نے بے شمار انسانوں کو ایک عذاب سے دوچار کیا تھا۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔ حکمران سیاست کرتے ہیں، سیاسی اختلافات ہوتے ہیں، سرحدی اختلافات ہوتے ہیں۔ فوجیں جنگ کرتی ہیں۔ عوام مرتے ہیں۔ اقتصادی بحران آتا ہے۔

یہ کام کہیں اور سے شروع ہوتا ہے اور اثرات نجانے کس کس پر پڑتے ہیں۔ کائنات کی تاریخ میں بے شمار المیہ کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ یہی کیفیت ایک معصوم لڑکی کی تھی جسے وقت اور حالات نے ڈائن بنا دیا تھا۔ جب خوف کے لمحات ہوتے تو بالکل مختلف ہو جاتی۔ عام حالات ہو جاتے تو خلوتوں میں ایک حسین نوجوان لڑکی کے گہرے گہرے سانسوں کی آواز اور اس کے وجود کی خوشبو ایسا ماحول پیدا کر دیتی کہ دل و دماغ پر قابو پانا مشکل ہو جائے۔

یہ الگ بات ہے کہ اب رتنا بہت سمجھدار ہو چکی تھی۔ اسے جوڑ توڑ آتے جا رہے تھے۔ پہلے وہ صرف اپنی معصومیت کی بنیاد پر ہر اس شخص کا خون پی لیتی تھی جو وقت پر اس کے سامنے آ جائے۔ لیکن اب جب سے شردھا کا ساتھ ہوا تھا اس کا یہ انداز بدل گیا تھا۔ پچھلے دنوں امر پال زندگی سے موت کے سفر پر روانہ ہوا تھا۔ مگر رتنا کو ایسے لمحات کا کوئی احساس نہیں رہتا تھا۔ شردھا کے بارے میں کبھی کبھی اس کے دل میں تشویش پیدا ہو جاتی تھی لیکن اس وقت جب شردھا اس کے وجود میں اتری نہ ہوتی ورنہ کمبخت جادوگرنی نے اس طرح رتنا پر قابو پا لیا تھا کہ اس کا پیچھا ہی نہیں چھوٹتا تھا۔ بے چارہ امر پال اسے یہ بتا چکا تھا کہ وہ خوفناک جادوگرنی، رتنا کے وجود میں اپنے آپ کو ضم کر کے خود اپنی ہوس کی آرزو پوری کرتی ہے لیکن رتنا ابھی ان گہرائیوں کا سفر نہیں کر سکتی تھی۔

بہر طور اس وقت وہ اپنی مسہری پر بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اس حویلی میں تین عورتیں ایسی ہیں جو اس وقت اس کی سب سے بڑی دشمن ہیں۔ پاروتی، سندھیا اور پورن ماشی۔ یہ تینوں ایک طرح سے کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ وکرم کھنہ کی منظور نظر تھیں لیکن اب اس وقت اس گھر پر رتنا کا راج تھا۔ بستر پر بیٹھی وہ یہی تمام باتیں سوچ رہی تھی کہ اس نے ایک روشن دان سے ایک مکھی کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا اور کوئی جانے یا نہ جانے رتنا اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ مگر اس وقت شردھا نے اپنے آپ کو چھپایا نہیں۔ اس کے پاؤں زمین سے لگے اور کچھ لمحوں کے بعد وہ اصلی شکل میں آ کر رتنا کے سامنے آ بیٹھی۔ رتنا اسے دیکھ کر مسکرا دی تھی۔ شردھا نے رتنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے لئے میں کتنی محنت کرتی ہوں رتنا! کبھی اس بارے میں سوچا؟''

''کیا سوچتی آخر اور کیوں سوچتی؟ تم میری اپنی ہو۔ جو کچھ کرتی ہو میرے لئے اس کے بارے میں تم نے خود مجھ سے کہا ہے کہ وہ تم میرے لئے نہیں، اپنے لئے کرتی ہو کیونکہ مجھے

اپنا دوسرا روپ سمجھتی ہو۔''

شردھا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ ''ہاں! میں تمہیں اپنا دوسرا روپ سمجھتی ہوں۔ لیکن کچا روپ۔''

''کچا روپ؟'' رتنا نے شردھا کو دیکھا۔

''اس لئے کہ ابھی تم آسانی سے میرے خلاف دوسروں کے قبضے میں آ سکتی ہو۔ وہ بڑائی نہیں پیدا ہوئی ہے تمہارے اندر جو ہونی چاہئے۔ کوئی کہے کہ رتنا! شردھا کیا ہے؟ تو تم یہ کہو کہ نہیں، شردھا نہیں، میری بات کرو۔ مجھے پوچھو کہ میں کیا ہوں؟ جو میں ہوں، وہ شردھا ہے۔''

''دیکھو شردھا! میرے اندر ابھی کچھ کمزوریاں ہیں۔ تمہاری رہنمائی میں سنسار کو جاننے کی بہت سی کوششیں کر رہی ہوں۔ آہستہ آہستہ ہی سب کچھ سمجھ میں آئے گا اور تم نے کہا ہے کہ یہاں اس گھر میں تم اپنے انتقام لے رہی ہو۔ تمہیں سات گھر تباہ کرنے ہیں اور یہ تباہی تم میرے ذریعے مکمل کرو گی۔ میں نے اس سے انکار تو نہیں کیا۔''

شردھا مسکرا دی۔ پھر بولی۔ ''چلو! ٹھیک ہے۔ اتنا تو ہے کہ تمہیں میرا مقصد یاد ہے۔ گرایسی بات ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تم میرے بارے میں سوچتی ہو۔ اچھا، سنو! ابھی لیں یہاں بہت سے کام کرنے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں یہاں کے اقتدار پر مکمل لور پر قابض کر کے میں ان گھرانوں کو اسی جگہ تباہ کروں جو میرا نشانہ ہیں۔ مگر یہ اس وقت دسکتا ہے جب تمہارے قدم یہاں مضبوط ہو جائیں۔ دیکھو رتنا! میں تو ہر جگہ گھوم پھر کر ہارے مفادات کی نگرانی کرتی ہوں۔ ہر شخص سے ہوشیار رہتی ہوں۔ لیکن تمہیں بھی اپنے ں پاس سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ میں نے ایک ایسی لڑکی تلاش کی ہے یہاں جو تمہارے ے کام آ سکتی ہے۔ اس کا نام کرناوتی ہے۔ ویسے بھی تمہیں ایک دوست کی ضرورت ہو ا۔ کرناوتی پورے محل میں ماری ماری پھرتی ہے اور اس راج حویلی کی ایک ایک چیز سے تف ہے۔ وہ تمہارے لئے جاسوسی کرے گی۔ سارے کام کرے گی۔ یہ میں اس لئے کہہ ںا ہوں کہ واسطہ کسی ایک دشمن سے نہیں ہے اور پھر میرے لئے بھی یہ بہت مشکل ہے کہ لیے تمہارے ساتھ رہوں۔ یہاں وکرم کھنہ کی تین بیویاں تمہارے خلاف سازش میں راف ہیں اور ہمیں ان سب کی سازشوں کو ناکام بنانا ہے۔ کرناوتی کے سلسلے میں جو کچھ

میں تم سے کہہ رہی ہوں اسے غور سے سنو.....'' اور پھر شردھا اسے بہت کچھ بتاتی رہی تھی۔ اور آخر میں اس نے کہا تھا۔ ''باقی سارے انتظامات بھی میں ہی کرلوں گی۔ تم ان کی فکر نہ کرو.....''

شردھا کے ان الفاظ پر رتنا ہنس پڑی تھی۔ اس نے کہا۔ ''جب سارے انتظامات تم خود ہی کر لیتی ہو تو ایسی باتیں مجھے بتانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''پاگل ہے تو۔ تیری یہی معصوم باتیں تو مجھے دیوانہ کر دیتی ہیں۔ اری باؤلی! ساری باتیں تیرے علم میں آ جانا ضروری ہیں ورنہ ہم کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔'' رتنا پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی تھی۔

درحقیقت کرناوتی کی تو زندگی ہی بن گئی تھی۔ اچانک ہی اس کی تقدیر کھلی تھی۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت ہی چالاک لڑکی تھی۔ اس حویلی کے سارے ہی لوگوں سے اس کی گہری واقفیت تھی۔ ہر ایک اس کے سامنے زبان کھول دیتا تھا۔ شوخ اور شریر سی لڑکی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ رتنا کی راز دار بنتی جا رہی تھی۔ رتنا نے اسے مالا مال کر دیا تھا اور چونکہ وہ رتنا وتی کی خاص سہیلی بن گئی تھی اس لئے اب حویلی کے لوگ اس کی عزت بھی کرنے لگے تھے۔

جوگندر سنگھ تو اس سے کہتا تھا۔ ''کرنا! سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ بات بہت پہلے میرے دل میں تھی کہ ایک نہ ایک دن تو یہاں بہت بڑی حیثیت کی مالک بن جائے گی۔ اور ایسا ہوا۔ لیکن ایک بات کہوں، ہمیں مت بھولنا۔''

''ٹھیک ہے جوگندر ماما! میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔'' کرنا خوشی سے بولی اور جوگندر جل کر رہ گیا۔

''ماما ہو گا تیرا دادا۔ ارے ہاں..... زبان قابو میں ہی نہیں رہی ہے۔ میں ماما کی عمر کا ہوں۔'' کرنا ہنس کر چلی گئی تھی۔

یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ لیکن شردھا بے انتہا چالاک تھی۔ کرناوتی سے اسے چونکہ کوئی خاص کام لینا تھا اس لئے وہ اس کا پورا پورا امتحان لے لینا چاہتی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اپنے جو راز رتنا نے اسے سونپے ہیں اور خاص طور سے شردھا کے اشارے پر کچھ کہانیاں کرناوتی کے کانوں تک پہنچائی گئی ہیں اور اسے یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ یہ کہانیاں کبھی باہر نہ جائیں تو کیا کرنا ان داستانوں کی اور اس راز کی حفاظت کر سکتی ہے؟ شردھا یہ

جاننا چاہتی تھی۔ ویسے بھی کرنا کو اب بہت بڑا مقام مل گیا تھا۔ اس وقت رتنا اس حویلی کی تقدیر بنی ہوئی تھی اور ایسی کسی شخصیت کا دوست ہونا بھی بہت بڑی بات تھی۔ چنانچہ کرناوتی کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے اور ساری داسیاں اسے رشک کی نگاہ سے دیکھ رہی تھیں۔ دن بھر وہ رتنا کے ساتھ رہتی، رات کو اپنی رہائش گاہ پر واپس آ جاتی۔

اس وقت بھی رات ہو چکی تھی اور وہ رتنا کے پاس سے واپس آ رہی تھی۔ حویلی میں آج کل ذرا سناٹا سا تھا کیونکہ وکرم کھنہ مہاراج کسی بڑے سرکاری کام میں الجھے ہوئے تھے۔ رتنا بھی ان دنوں تنہا ہی تھی۔ کرناوتی کافی دیر تک رتنا کے پاس رہی تھی اور اب واپس اپنے گھر کی طرف چل پڑی تھی۔ حویلی سنسان ہو گئی تھی۔ پہرے دار دور دور دروازوں پر تھے۔ جن راستوں سے کرنا کو گزرنا تھا وہ تاریک تھے۔ اس کا روزانہ ہی ادھر سے آنا جانا تھا۔ وہ ملازموں کے کوارٹروں کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اس وقت حویلی کے ایک سنسان گوشے سے گزر رہی تھی کہ اچانک ہی اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی، کئی افراد اس پر ٹوٹ پڑے۔ ایک نے زور سے اس کا منہ بھینچ لیا، دوسرے نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور پھر کسی نے اسے آسانی سے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور چل پڑے۔ ان طاقتور مردوں کے سامنے کرنا کی ایک بھی نہ چلی تھی۔ نجانے وہ اسے کہاں لے جا رہے تھے۔ وہ ہوش و حواس میں تھی۔ شروع میں اس نے جدوجہد کی تھی لیکن پھر اسے یکدم احساس ہو گیا تھا کہ یہ جدوجہد اسے زندگی سے محروم بھی کر سکتی ہے۔

اسے ایک آواز اپنے کانوں کے نزدیک سنائی دی تھی۔ ''اگر تو نے منہ سے آواز نکالی تو تیری گردن مروڑ کر پھینک دیں گے۔'' یہ آواز اس قدر خوفناک تھی کہ کرنا کے ہوش و حواس جواب دے گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کسی جگہ پہنچے اور اس شخص نے اسے کندھے سے اتار کر زمین پر بٹھا دیا جس نے اسے کندھے پر اٹھا کر یہاں تک کا سفر کرایا تھا۔ پھر کرنا کی آنکھوں کی پٹی بھی کھول دی گئی۔ تیز روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں لیکن پھر وہ روشنی میں دیکھنے کی عادی ہوئی اور اس نے ماحول پر نگاہ ڈالی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اسے جس جگہ لایا گیا تھا، وہ بڑی خوفناک تھی۔ ایک بڑا سا ہال، جس کی دیواریں ننگی تھیں۔ ایک طرف لوہے کا ایک بڑا سا شکنجہ رکھا ہوا تھا۔ چھت کے کنڈے سے بڑا سا آرا لٹک رہا تھا جس کی تیز دھار، آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ ایک رسی اور ایک

ستون نظر آ رہا تھا۔ اس کے نیچے لکڑی کا ایک اونچا سا سٹول رکھا ہوا تھا۔ کرنا نے اپنے سامنے کئی لوگوں کو دیکھا۔ ان کے جسموں پر سیاہ لباس تھے اور چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔ نقابوں کے پیچھے سے ان کی خطرناک آنکھیں جھانک رہی تھیں۔

کرنا کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ پھر ان میں سے ایک نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''تیرا نام کرناوتی ہے نا؟''

''ہاں.....!'' کرناوتی نے کہا۔

''اسے ستون سے باندھ دو۔''

تھوڑی دیر بعد اسے ستون سے باندھ دیا گیا۔ کرنا رونے لگی تھی۔ جب وہ روئی تو سامنے کھڑے ہوئے ایک شخص نے ایک لمبا چاقو کھولا اور اس کی دھار کرنا کی طرف بڑھا کر بولا۔ ''آواز بند کرو! ورنہ آنتیں باہر نکال لی جائیں گی۔'' کرنا سہم کر خاموش ہو گئی۔ تب اس شخص نے کہا۔ ''اور اب کان کھول کر سن! جو کچھ تجھ سے پوچھا جائے، اس کا صحیح جواب دے۔ لیکن ایک بات اور بھی سن لے! اگر ذرا بھی جھوٹ بولا یا غلط جواب دیا تو تیرے اس سندر شریر کے اتنے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے کہ انہیں گنا بھی نہیں جا سکے گا۔''

کرنا سہی ہوئی آواز میں بولی۔ ''نہیں مہاراج! بھگوان کے لئے..... بھگوان کے لئے.....''

''تو پھر یہ بتا کہ یہ رتنا کون ہے؟''

''رتنا.....؟''

''ہاں! رتنا.....'' اس آدمی نے خوفناک لہجے میں کہا اور کرناوتی کے اندر ایک عجیب سی کیفیت ابھر آئی۔ جو پراسرار راز رتنا نے اسے بتائے تھے ان کے بارے میں اس نے کہا تھا۔ ''میری سکھی! اگر میرے بارے میں تو نے کسی کو بتا دیا تو سمجھ لے کہ میں ماری جاؤں گی۔''

وہ من ہی من میں لرزنے لگی۔ اب کیا، کیا جائے۔ کیا اس کا راز کھول دوں جس نے اسے اپنی سب سے قریبی سکھی بنایا ہے؟ یا پھر ان رازوں کو چھپائے رکھوں جو اس نے میرے سپرد کئے ہیں؟''

''جواب دے! رتنا کون ہے؟''

''مہاراج! آپ جانتے ہیں کہ میں حویلی کی ایک معمولی سی داسی ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رانی رتنا جی نے مجھے چرنوں میں جگہ دی ہے لیکن اس سے زیادہ تو میں اور کچھ نہیں جانتی۔''

''تو اس کی رازدار سہیلی ہے۔ تجھے اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوگا۔''

''آپ خود سوچیں مہاراج! رانیاں اگر کسی داسی کو سہیلی کہہ دیں تو داسی، سہیلی تو نہیں بن سکتی۔ ذاتی باتیں تو کوئی بھی کسی کو نہیں بتاتا۔ میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ وہ ہمارے مہاراج وکرم کھنہ کی چہیتی ہے۔'' کرنا اب سنبھلتی جا رہی تھی۔ یہ فیصلہ تو اس نے کر ہی لیا تھا کہ چاہے یہ لوگ اس کے ساتھ کوئی بھی سلوک کریں، وہ راز نہیں کھولے گی جو رتنا نے اسے بتائے ہیں۔

اس شخص نے گھورتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو ہمیں بھی معلوم ہے۔ لیکن اس سے آگے کیا ہے؟''

''میں نے کہا نا آگے پیچھے کچھ ہے بھی تو کم از کم مجھے اس کے بارے میں نہیں معلوم۔''

''غلط! ہمیں اطلاع ملی ہے کہ رتنا نے تجھے اپنا اتنا رازدار بنا لیا ہے کہ اس نے اپنے اضی کے بارے میں بھی تجھے تفصیلات بتا دی ہیں۔ مگر لگتا ہے تو ایسے نہیں بتائے گی۔ چلو! تم گ سلاخیں گرم کرو۔'' اس آدمی نے کہا اور دو آدمی انگیٹھی میں کوئلے سلگانے لگے۔ پھر ب کوئلے دھک گئے تو ان کے اوپر لوہے کی دو گول نوکدار سلاخیں رکھ دی گئیں۔ اس شخص ے کہا۔ ''ابھی چند منٹ کے بعد تیری یہ خوبصورت آنکھیں اندھی کر دی جائیں گی۔ پھر تو یا میں کسی کو نہیں دیکھ سکے گی۔ اگر تو جیون بچانا چاہتی ہے تو ٹھیک جواب دے۔''

''اگر تم لوگ میرے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی ہے۔ لیکن میرے علم ا جو باتیں ہیں وہ صرف اتنی ہی ہیں کہ پرکاش چندر مہاراج کی بھتیجی ہے وہ اور ہمارے م کھنہ مہاراج نے اس سے شادی کی ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی۔''

''میں کہہ رہا ہوں نا کہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تو اس سے زیادہ جانتی ہے۔''

''اور میں کہہ رہی ہوں کہ اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں معلوم۔ تم جس سے چاہو، ہ لو۔''

''تو ہی بتائے گی!'' اس شخص نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد سلاخیں

گرم ہوگئیں اور ایک آدمی ان کے دستے پکڑے انہیں کرنا کی آنکھوں کی سیدھ میں کئے آگے بڑھنے لگا۔ کرنا کے پورے بدن سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ اس نے خوفزدہ ہوکر سوچا۔ اب سارا سنسار اس کے لئے تاریک ہو جائے گا۔ لیکن ٹھیک ہے۔ ہو جائے جب بات کہ ہے تو بات ہی سہی۔ سلاخوں کی تپش اب اسے چہرے کے قریب محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے خوفزدہ ہوکر آنکھیں بند کرلیں۔

''دیکھ! اب بھی سچ بول دے۔''

''کچھ نہیں جانتی..... میں کچھ نہیں جانتی۔'' کرنا نے کہا اور دانت بھینچ لئے۔

وہ منتظر تھی کہ اب اس کی آنکھوں میں گرم سلاخیں اتر جائیں گی۔ لیکن اسے اسی شخص کی آواز سنائی دی۔ ''میرا خیال ہے اسے کھول دو اور اس کی گردن اُڑا دو۔ اگر یہ کچھ نہیں بولے گی تو بھی ہمیں اس سے خطرہ ہے۔''

''ٹھیک ہے!'' دوسرے نقاب پوش نے کہا۔ پھر کرنا کو کھول دیا گیا اور وہ لوگ اسے لئے ہوئے لکڑی کے اس ٹکڑے کی جانب چل پڑے جو آری کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ کرنا کے دونوں ہاتھ باندھ کر اسے لکڑی کے ٹکڑے پر لٹا دیا گیا۔ گردن کے عین اوپر وہ چمکدار آرا جگمگا رہا تھا جو ایک رسی کھول دینے سے نیچے گرتا اور کرنا کی گردن بھٹے کی طرح کٹ کر جا گرتی۔ پھر ایک سیاہ پوش اس رسی کے قریب پہنچ گیا۔ کرنا نے خوفزدہ نگاہوں سے آرے کو دیکھا تو وہ شخص بولا۔ ''ایک آخری موقع اور دے رہا ہوں تجھے لڑکی! اب بھی سچ بول دے۔''

''کتے ہو تم..... کتے ہو..... بھاڑ میں جاؤ..... چولہے میں جاؤ..... ختم کر دو گے نا۔ کچھ نہیں معلوم۔ میں کہہ چکی ہوں تم سے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ بالکل نہیں جانتی۔'' وہ جذباتی انداز میں چیخی اور اس کا ذہن تاریک ہو گیا۔ بے ہوشی نے اسے موت کے خوف سے نجات دلا دی تھی۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ تب ہی سامنے کھڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک نے کہا۔ ''وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔''

اسی وقت رتنا، شردھا کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ شردھا اس وقت انسانی شکل میں تھی اور رتنا کے ساتھ چل رہی تھی۔ پھر دونوں اندر آ گئیں۔ شردھا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''شکریہ جوانو! بس، ٹھیک ہے۔ اب اسے اس کے کوارٹر میں چھوڑ دو لیکن احتیاط کے ساتھ۔''

رتنا خاموش کھڑی شردھا کو دیکھ رہی تھی۔ جب وہ لوگ کرنا کو لے کر وہاں سے چلے گئے تو شردھا نے کہا۔ ''میرا یہی اندازہ تھا اس لڑکی کے بارے میں کہ وہ جیون کی قیمت پر بھی تیرا راز نہیں کھولے گی۔ اصل میں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمیں ایک ایسے راز دار کی ضرورت تھی جو ہمارے سارے راز، راز رکھ سکے۔ جس لڑکی نے جان کی قیمت پر بھی تیرا راز نہیں کھولا، اس پر مکمل بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔''

''میں واقعی اس سے بہت متاثر ہوں۔'' رتنا نے کہا۔ اس کے بعد وہ واپس چل پڑیں۔ شردھا کیا کرنا چاہتی تھی؟ رتنا کو معلوم نہیں تھا لیکن بہرحال اس کا پروگرام معمول کے مطابق چل رہا تھا۔ ویسے شردھا، رتنا سے اپنے دل کی بات اکثر کرتی رہا کرتی تھی اور رتنا یہ سوچتی تھی کہ امر پال نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، وہ ٹھیک ہے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ شردھا کے خلاف کسی قدم کے اٹھانے کا مطلب ہے جو کچھ اس کے پاس ہے اس سے چھن جائے گا اور وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ اب بھی سب کچھ اسی طرح تھا۔ اتنی عقل تو آ چکی تھی اسے کہ یہ جان لے کہ جو کچھ اسے حاصل ہوا ہے وہ صرف اور صرف بوڑھی شیطان کا دیا ہوا ہے۔ ذاتی طور پر وہ اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ بہتر طریقہ یہی ہے کہ اس حالت میں شردھا سے بنا کر رکھی جائے۔ اس سے بگاڑنے کا مطلب یہ ہے کہ سارا کھیل ختم ہو جائے گا۔

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ خود بوڑھی شردھا کرناوتی سے بہت متاثر ہوئی تھی اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ وہ ایک بہترین ساتھی ثابت ہوگی۔ یہ سارے کام بے شک دوسروں کی دانست میں رتنا کے لئے ہی کر رہی تھی لیکن بہ حقیقت رتنا بھی تھوڑی بہت سمجھ گئی تھی کہ شردھا کے ہر عمل میں اس کا اپنا مفاد بھی چھپا ہوا ہے اور رتنا اب کسی طور اس بات سے ناواقف نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے دوسرا قدم اٹھایا۔

کرناوتی بے ہوشی کی حالت میں اپنی رہائش گاہ پر پہنچی تھی اور اس کے بعد کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ اسے اس بات کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ جو واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا تھا درحقیقت عالم ہوش میں تھا یا بے ہوشی کے عالم میں۔ وہ یہ فیصلہ کرنے سے ہی قاصر تھی۔ حالانکہ گزرے ہوئے وقت نے اس کے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا تھا لیکن جب وہ دوبارہ رتنا سے ملی تو اس نے سارا واقعہ سناتے ہوئے کہا۔ ''پتہ ہی نہیں چلتا کہ

خواب دیکھا تھا یا جو کچھ دیکھا تھا وہ سب حقیقت تھی۔''

اس بات کے جواب میں رتنا کے اندر سے شردھا کی آواز ابھری۔''تو کیا سمجھتی ہے کرنا! اصل کام پاروتی، سندھیا اور پورن ماشی کا ہے۔ یہ تینوں مجھ سے خوش تو نہیں ہوں گی اور میرے خلاف نجانے کیا کیا کر رہی ہوں گی۔ ہو سکتا ہے میری بہن! کہ وہ تجھ سے بھی جلنے لگی ہوں اور انہوں نے تیرے خلاف بھی محاذ بنا لیا ہو۔ جادو ٹونے کر رہی ہوں اور وہ سب جادو ٹونے ہی کا اثر ہو۔''

''یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں رتناوتی جی! پر اب آپ بتائیے کہ اب کیا ہو؟''

''دیکھ! میں تیرے اوپر بہت ساری ذمہ داریاں ڈالنا چاہتی ہوں۔ بات یہیں پر بس نہیں ہے۔ یہاں راج حویلی میں تجھے ایک پوری فوج تیار کرنی ہے جو ہمارے لئے کام کرے۔ میں چاہتی ہوں کہ چپے چپے پر ہماری دوست موجود ہوں۔ پاروتی، سندھیا اور پورن ماشی جو کچھ بھی کریں وہ ہمارے علم میں آنا چاہئے اور اس کے لئے ان عورتوں سے بات کر جو ان تینوں کی خاص داسیوں میں سے ہیں۔''

کرناوتی نے دلچسپی سے آنکھیں جھپکائیں اور بولی۔''ان کو تو میں جانتی ہوں جو پاروتی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ان کے بارے میں بھی مجھے معلوم ہے جو سندھیا کے ساتھ ہوتی ہیں انہیں بھی میں جانتی ہوں۔ اور اسی طرح پورن ماشی۔ ارے ہاں! یہ بات تو میں آپ کو بتا بھول گئی کہ پورن ماشی ان دنوں اپنے میکے گئی ہوئی ہے۔''

''خیر! وہ گئی ہے تو واپس بھی آ جائے گی۔ لیکن کرنا! تجھے یہ کام کرنا ہے۔''

''تم فکر ہی مت کرو۔ جیسا تم چاہتی ہو، ویسا ہی کروں گی۔''

جب وہ چلی گئی تو شردھا نے رتنا سے کہا۔''جو باتیں میں نے اس سے کی ہیں اس پر تجھے اعتراض تو نہیں ہے؟''

''نہیں شردھا جی! مجھے کیا اعتراض ہو گا۔''

''بس! تو اپنا کام کرتی رہ اور میں تیرے لئے کام کرتی رہوں گی۔'' اس کے بعد جب شردھا مکھی بن کر اُڑ گئی رتنا نے محسوس کر لیا کہ اس کے وجود میں شردھا نہیں ہے تو اس نے کسی قدر افسردگی سے سوچا کہ کیا واقعی اب میں اسی طرح ان دونوں کے درمیان رہوں گی یا پھر اپنا بھی کوئی مقام حاصل ہو گا مجھے۔ کوئی ایسا ملے جو مجھے شردھا کے طلسم سے

آزاد کرا دے۔ اپنے طور پر کوئی بھی کام کیا جائے تو اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

بہرحال! ایک خوفناک ڈائن عالم ظہور میں آ چکی تھی اور اپنے اپنے کام کئے جا رہے تھے۔ ابھی تک تو شردھا ہی رتنا پر حاوی تھی۔ آگے چل کر یہ دیکھنا تھا کہ رتنا اپنے وجود کو کیسے منواتی ہے۔

☆.....☆.....☆

رتنا کے ماضی کو اگر کوئی گہری نگاہ سے دیکھتا تو سیدھی سی بات تھی کہ اسے بے قصور قرار دے دیتا۔ ایک شیطان نے شیطان تخلیق کیا تھا۔ وہ تو ایک معصوم سی بچی تھی جو اپنے ماں باپ کے زیر سایہ پرورش پا رہی تھی اور پھر وہ بھی ایک حادثہ تھا جس نے اسے گوشت اور خون کھانے پر مجبور کر دیا تھا اور اس کے بعد زمانے کے ہاتھ نہ جانے اسے کہاں سے کہاں لے جا رہے تھے۔ بے شک عرف عام میں ڈائن کہا جا سکتا تھا۔ وہ ایک ڈائن تھی جو انسانی کلیجے کھا جاتی تھی..... انسانی خون پی جاتی تھی..... لیکن اس کا پس منظر بڑا ہی دردناک تھا جسے جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور پھر یہ تو انسانی فطرت ہے کہ وقت اسے جس بھٹی میں ڈال دے وہ اسی سے تپ کر نکلتا ہے۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ اسے شردھا مل گئی۔ ایک بدروح..... ایک چڑیل..... جس نے نہ جانے کیسے کیسے جال ڈال کر رتنا کو ان ہنگاموں میں پھنسا دیا تھا۔ ایک طرف وکرم کھنہ اس کے جال میں گرفتار تھا تو دوسری طرف اس کی بیویوں نے اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے نجانے کیسے کیسے کھیل، کھیل رکھے تھے۔ وہ اپنا سب کچھ گنوائے دے رہی تھیں۔ دنیا کے رنگ ہی نرالے ہوتے ہیں۔ پاروتی، سوریہ مکھٹ کے کھیل میں پھنسی ہوئی تھی اور پورن ماشی مہاراج دھرما سنگھ کے جال میں گرفتار تھی۔

دھرما سنگھ ایک شیطان صفت سادھو تھا جس نے اپنے آپ کو سادھو کا رنگ دے کر روپ بدل رکھا تھا۔ پورن ماشی نے آخر کار عورت ہونے کا ثبوت دیا تھا اور اپنا سب کچھ گنوا بیٹھی تھی۔ گزری ہوئی رات کی صبح اس کے لئے عجیب حیثیت رکھتی تھی۔ اسے دھرما کبھی بھیڑیا نظر آتا اور کبھی مہان سادھو۔ لیکن جس آگ میں وہ جل رہی تھی اس میں اسے سب کچھ گوارہ تھا۔

اُدھر دھرما شیطان اتنی حسین عورت کو پا کر بے حد خوش تھا۔ اس نے ناشتے وغیرہ کا

بندوبست کر رکھا تھا اور اس وقت بھی اپنے چہرے پر بڑا جلال لائے ہوئے تھا۔ اس نے پورن ماشی کو دیکھا اور بھاری لہجے میں بولا۔ ''کیا بات ہے پورن ماشی؟ اداس کیوں ہے؟''

''نہیں مہاراج! بس، کسی سے اس کا گھر چھن جائے تو آپ خود سمجھتے ہیں کہ وہ خوش تو نہیں ہوتا۔''

''کس نے چھینا ہے تیرا گھر اور کون چھین سکے گا تیرا گھر ہمارے ہوتے ہوئے؟ کیا تجھے ہمارے قدموں میں سکون نہیں ملا؟''

''کیوں نہیں مہاراج! آپ کے قدموں میں تو سکون ہی سکون ہے۔''

''پورے تین دن گزارنے ہوں گے تجھے یہاں۔ میں تین دن تک ایک منتر پڑھوں گا۔ اپنے کوچوان کو واپس بھیج دے اور اس سے کہہ کہ تیسرے دن آ جائے۔'' دھرما سنگھ اس گوہر نایاب سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اتنی حسین لڑکی ہاتھ آئی تھی تو ایسے تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اسے پورن ماشی کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آئے تو دھرما سنگھ نے فوراً کہا۔

''اگر تو چاہتی ہے پورن ماشی! کہ وکرم کھنہ صرف تیرے جوتے اٹھائے۔ تیرے سوا اسے دنیا میں اور کچھ نظر نہ آئے تو سمجھ لے! یہ تین دن کا جاپ ضروری ہے اور ان تین دنوں میں تجھے ہماری سیوا کرنا ہوگی۔''

''ٹھیک ہے مہاراج!'' اور پھر پورن ماشی گردن ہلا کر ایک طرف چل پڑی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے کچھ کھویا ہے یا پایا ہے۔ لیکن یہ بات اس کے دل میں بیٹھی ہوئی تھی کہ جو کچھ بھی ہے، دھرما سنگھ بہت بڑا سادھو ہے۔ جو کچھ بھی کرے گا اس کے حق میں بہتر ہوگا۔ دنیا میں کس کو پتہ چلے گا۔ اس کے ماں باپ تو کسی کو بتانے سے رہے کہ پورن ماشی تین دن تک ایک سادھو نما شیطان کے پاس رہی ہے اور اس نے اس شیطان کو اپنا سب کچھ دے ڈالا ہے۔ بہرحال! عورت تھی اور عورت اپنے اقتدار کے لئے زندگی کے ہر مرحلے سے گزر جاتی ہے۔ وہ دھرما سنگھ کے اشاروں پر چلتی رہی۔

اس وقت بھی وہ دھرما سنگھ کے پاس پہنچی تو شام کے سناٹے فضاؤں میں اتر رہے تھے۔ ایک عجیب سا ہولناک ماحول مندر کا ہو رہا تھا۔ مندر تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ مندروں میں تو پوجا ہوتی ہے۔ بھگوان کا نام لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ سنسان مندر، پتہ نہیں اس کے بھگوان کہاں تھے؟ ہاں! جب وہ اندر پہنچی تو دھرما سنگھ ایک مورتی کے قدموں میں سر

جھکائے بیٹھا تھا۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر اس نے گردن اٹھائی اور پورن ماشی کو دیکھ کر بولا۔ ''جو کچھ ہم تیرے لئے کر رہے ہیں، سنسار میں کبھی کسی نے کسی کے لئے نہیں کیا ہوگا۔ ہاں! ذرا وہاں کے قصے تو سنا جہاں تو زندگی گزار رہی ہے۔''

''کیا بتاؤں مہاراج! بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وکرم کھنہ میرے چرنوں میں رہتے تھے۔ میرے پاؤں دھو دھو کر پیتے تھے۔ لیکن وقت بگڑتا چلا گیا اور اب رتنا نام ایک لڑکی نے تو سب کچھ ہی چھین لیا۔ اب تو کچھ بھی نہیں رہا ہے ہمارا۔ پاروتی ہے، سندھیا ہے، میں ہوں۔ لیکن سب اب وکرم کھنہ کو ترس رہی ہیں۔''

دھرما سنگھ کے دل میں لالچ ابھر آیا۔ اس نے یہ ساری کہانی سنی اور پھر دل میں سوچا کہ ایک ایسی جگہ تو اس کے لئے بڑی کارآمد ہو سکتی ہے۔ دولت کی ذولت اور دنیا کا بہترین حسن۔ وہ اپنی چالاکیوں سے وہاں ایک ایسا جال بچھا سکتا ہے جس سے اس کے عیش ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے کہا۔ ''تو بالکل فکر نہ کر پورن ماشی! ہم تجھے اتنی طاقت دیں گے کہ وہاں پر صرف تیرا نام لیا جائے گا۔ باقی سب کے چراغ بجھ جائیں گے۔ لیکن لگتا ہے کہ ہمیں خود وکرم کھنہ کے گھر میں آنا پڑے گا۔ اس حویلی میں آ کر ہی ہم کچھ کر سکتے ہیں۔ خیر! تو فکر مت کر۔ تیرے دشمنوں کو جو نقصان پہنچے گا، اس کے بارے میں تو سوچ بھی نہیں سکتی۔''

''میں زندگی بھر آپ کی غلام رہوں گی۔''

''غلام نہیں، ہماری من موہنی رہے گی۔ تو کیا سمجھے؟'' دھرما سنگھ کی آنکھوں میں شیطان ناچنے لگا۔

☆

یہ کہانی پورن ماشی کی تھی اور دوسری کہانیاں بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ تیواڑی لال ایک کمینہ صفت انسان تھا۔ باقی سارے کھیل تو اپنی جگہ۔ خود اس کی اپنی زندگی میں جو کچھ بھی تھا وہ بھی الگ نوعیت کا تھا۔ لیکن یہ اچانک ہی جو اسے دولت مل گئی تھی اس کا تو کوئی خواب بھی نہیں تھا۔ یہ دولت اسے سندھیا کی شکل میں ملی تھی اور سندھیا نے اپنے طور پر تیواڑی لال کو اپنے قبضے میں کر کے جیسے سب کچھ حاصل کر لیا تھا۔ لیکن تیواڑی لال بیوقوف نہیں تھا۔ اسے بہت جلدی اندازہ ہو گیا تھا کہ سندھیا اصل میں اس سے کیا چاہتی ہے۔ وہ

جانتا تھا کہ ایک عورت اپنے طور پر کتنا کھیل، کھیل سکتی ہے۔ وہ ایک چالاک آدمی تھا۔ اور اسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ سندھیا اب آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو ہے جو کبھی آنکھ میں واپس نہیں جا سکتا۔ وکرم کھنہ ان دنوں رتنا کے جال میں ہے اور اس جیسے شخص کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ کب وہ رتنا کی مشکل سے نکل آئے گا اور اس کے بعد رتنا کی جگہ کوئی اور ہو گی اور رتنا بھی اسی طرح تڑپ رہی ہو گی جیسے اب وہ تینوں..... وہ وکرم کھنہ کی نگاہ میں جو حیثیت رکھتا تھا، ایک عورت کے لئے اسے گنوانے کو تیار نہیں تھا۔ ویسے اس بات کا اعتراف خود تیواڑی لال نے بھی کیا تھا کہ رتنا بذات خود ایک حسین لڑکی ہی نہیں بلکہ ایک چالاک لڑکی بھی ہے۔

رات کو جب وہ سندھیا کے پاس پہنچا تو اس کے ساتھ ایک اور خوبصورت جوان بھی تھا۔ جسے نہ جانے وہ کہاں سے سکھا پڑھا کر لایا تھا۔ تیواڑی لال نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرا بھتیجا ہے۔ چندو نام ہے اس کا۔ ویسے تو چندن لال ہے لیکن ہم پیار سے اس کو چندو کہتے ہیں۔ تم یوں کرو کہ اسے اپنے پاس رکھو۔ یہ تمہارے لئے سب کچھ کرے گا۔''

''مگر کرے گا کیا مہاراج؟'' سندھیا نے پوچھا۔

''ٹھہرو! میں ابھی تمہیں بتاتا ہوں۔'' پھر اس نے چندو سے کہا۔ ''چندو! تم رتنا کو پہچانتے ہو؟''

''کیوں نہیں مہاراج!''

''تو پھر سن لو! تمہیں اپنا کام کرنا ہے۔ اگر تم کسی مشکل کا شکار ہوئے تو سندھیا تمہاری بھرپور مدد کریں گی۔''

''ٹھیک ہے مہاراج!''

''مگر یہ کرے گا کیا تیواڑی مہاراج؟''

''تم اس کی سندرتا کو دیکھ رہی ہو سندھیا؟ تمہیں اس بات سے انکار تو نہیں ہے کہ یہ ایک خوبصورت جوان ہے۔''

''ہاں!''

''میں اسے خاص طور سے رتنا کے محل میں مالی بنوا رہا ہوں۔ یہ بہت سمجھ دار آدمی ہے۔''

رتنا روزانہ باغ میں جاتی ہے۔ یہ روز اسے ملے گا اور پھر اپنی کوششوں سے رتنا کو اپنی طرف متوجہ کر لے گا۔ اگر ایسا نہ بھی کر سکا تو آہستہ آہستہ دوسروں پر یہ ظاہر کرے گا کہ رتنا اس سے پریم کرتی ہے اور ایک دن ہم ایک ڈرامہ کریں گے۔ میں یہ بات وکرم کھنہ کے کانوں تک پہنچا دوں گا۔ اور پھر رتنا کو نشے کی دوا پلا کر اس کی آغوش میں ڈال دیا جائے گا۔ اور وہ دن یہاں اس حویلی میں رتنا کا آخری دن ہوگا۔ یا تو وہ ماردی جائے گی یا نکال دی جائے گی اور چندو ہی بیان دے گا کہ رتنا اسے ڈرا دھمکا کر اپنے جال میں پھانسے ہوئے تھی۔ اس کے لئے ہم گنجائش نکال لیں گے اور اگر اس کی زندگی بچنے کا امکان نہ رہا تو اسے خاموشی سے کسی دوسری ریاست میں پہنچا دوں گا۔''

سندھیا کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ اس کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ ایسی کوئی عظیم الشان سازش کی جا سکتی ہے۔ واقعی اس نے تیواڑی لال کا سہارا لے کر بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ تیواڑی لال اسے سمجھا بجھا کر وہاں سے نکل آیا۔ لیکن جب وہ باہر نکلا تو چندو کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ وہ بے حد خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ تیواڑی لال اسے ساتھ لئے ہوئے اپنے گھر آ گیا اور پھر اندرونی کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے چندو کو دیکھا اور بولا۔ ''کیا بات ہے چندو؟ پریشان کیوں نظر آ رہے ہو؟''

''تیواڑی لال جی......! مم...... میں..... میں کیا بتاؤں؟ آپ نے تو مجھے یہ سب کچھ نہیں بتایا تھا۔ تیواڑی لال جی......! مم..... میں تو...... میں تو.....''

''ہاں! بولو۔''

''جو کچھ آپ نے کہا تھا اگر وہ کھل گیا تو میری تو زندگی ہی چلی جائے گی۔''

تیواڑی لال ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ ''اور اگر میں تم سے کہوں کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا تو؟''

''آپ بہت بڑے ہیں۔ جو آپ کہیں گے، غلط تو نہیں کہیں گے۔''

''مگر سنو! ایک بات تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس وقت وکرم کھنہ میری مٹھی میں ہیں۔ وہ صرف وہ کرتے ہیں جو میں چاہتا ہوں۔ جانتے ہو یہ بات اچھی طرح؟''

''جانتا ہوں۔''

''سندھیا کے ساتھ جو بات چیت ہوئی ہے اسے بھول جاؤ۔''

''میں سمجھا نہیں مہاراج!''

''تمہیں وہ کچھ نہیں کرنا ہے جو کہا گیا ہے۔''

''تو پھر؟''

''کچھ سمجھنے کی کوشش مت کرو۔ جیسا میں کہوں، ویسا کرتے جاؤ۔''

''مگر مجھے کرنا کیا ہوگا؟ بتا تو دیجئے آپ مجھے۔''

''تمہیں صرف وہاں رہنا ہوگا جہاں رتنا موجود ہوتی ہے۔ تم باغ میں مالی کی حیثیت سے کام کرو گے۔ رتنا کے سامنے آنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ نہ ہی تم اس کے بارے میں کوئی خبر اُڑاؤ گے۔ بس! مالی کا کام کرتے رہو۔ تمہیں جو انعام ملے گا تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ اور اگر کبھی تمہاری ملاقات سندھیا سے ہو جائے تو اس سے وہی کہنا جو ہم نے اس کے سامنے کہا ہے۔ تمہیں یہ کام خوش اسلوبی سے کرنا ہے۔ خیال رکھنا کہ اس میں کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے اور اس کے علاوہ اس راز کو تم اپنے سینے میں رکھو گے۔ ہاں! اگر یہ راز کبھی تمہارے سینے سے نکلنے کی کوشش کرے گا تو تمہاری جان بھی اس کے ساتھ ہی نکل جائے گی۔ اس بات کا ذرا خیال رکھنا۔''

''ٹھیک ہے مہاراج! خیال رکھوں گا۔'' چندو نے کہا۔

''بس! یہی کہنا تھا تم سے۔ اب جاؤ! کل صبح میرے پاس آنا۔''

چندو کے جانے کے بعد تیواڑی لال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس کے منہ سے بڑبڑاہٹ نکلی۔ ''ان بڑے لوگوں کے بھی کیا کھیل ہوتے ہیں۔ کیسے مزے کے کھیل ہو رہے ہیں اس حویلی میں۔ جبکہ بے شمار افراد ایسے ہیں جو صرف مختلف کھیل روٹی کمانے کے لئے کرتے ہیں تاکہ ان کا اور ان کے بچوں کا پیٹ بھر جائے۔ اور یہاں روٹی کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ واہ بھگوان! تیرا سنسار.....''

☆

آخر کار پورن ماشی واپس آ گئی۔ اسے اندازہ تھا کہ جب وہ گئی تھی تب بھی وکرم کھنہ نے اس سے جانے کے بارے میں نہیں پوچھا تھا اور اب وہ آ گئی تھی اور اس نے آنے کی اطلاع وکرم کھنہ کو بھجوا دی تھی۔ لیکن انہوں نے اس کی طرف رُخ بھی نہیں کیا تھا۔ پورن ماشی کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ رتنا کی بوٹیاں چبا لے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی وجہ صرف رتنا ہے۔ اس

کے سوا وکرم کھنہ کو اور کوئی یاد نہیں رہا ہے۔ پھر اسی شام باغ میں اس کی ملاقات سندھیا سے ہوگئی اور سندھیا اس کے قریب پہنچ گئی۔ ''کیسی ہو پورن ماشی؟''

''جیسی تم ہو۔'' پورن ماشی نے جواب دیا۔

سندھیا نے اس کی بات کا برا مانے بغیر ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''ہاں! تقدیر نے ہم دونوں کو دکھی کر دیا ہے۔ ہمارا انصاف کون کرے گا؟ بھگوان ہی جانے۔'' دونوں دیر تک اس صورتحال کا جائزہ لیتی رہیں۔

سامنے حویلی کا بڑا گیٹ تھا اور اچانک ہی انہوں نے اس گیٹ سے ایک دیو قامت سادھو کو دیکھا۔ پورن ماشی کا دل تو خوشی سے اُچھل پڑا تھا۔ وہ ان سرخ آنکھوں سے بخوبی واقف تھی۔ لیکن اس وقت جو خاص چیز اس کے لئے حیران کن تھی وہ دھرما سنگھ کے گلے میں پڑا ہوا ایک خوفناک اژدھا تھا۔ دھرما سنگھ کا لباس صرف نچلے بدن پر تھا۔ اژدھے کا سر دھرما سنگھ کے سر پر رکھا ہوا تھا اور دھرما سنگھ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اژدھے کی وجہ سے دربانوں نے بھی دھرما سنگھ کو اندر آنے کی اجازت دے دی تھی۔

پھر دوسرے لوگوں نے بھی دھرما سنگھ کو دیکھ لیا۔ یہاں تک کہ شور شرابے کی آواز سن کر وکرم کھنہ بھی باہر نکل آیا۔ دھرما سنگھ کے چہرے پر ایک عجیب سا جلال تھا اور پورن ماشی محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سندھیا خوفزدہ ہوگئی تھی، اس نے آہستہ سے کہا۔ ''یہ تو کوئی بہت ہی بڑے مہان سادھو لگتے ہیں۔''

''ہاں!''

وکرم کھنہ، دھرما سنگھ کو دیکھتا رہا۔ دھرما سنگھ اس کے پاس پہنچ گیا۔ ''کیا تجھے اس بات کا خیال نہیں کہ سادھوؤں کے سامنے سر جھکائے جاتے ہیں۔ تیرا سر ہمارے سامنے کیسے اٹھا ہوا ہے؟''

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں سادھو جی مہاراج! آپ جانتے ہیں یہ کون ہیں؟ ایک صاحب نے کہا۔

''اور تو جانتا ہے کہ ہم کون ہیں؟'' دھرما نے ایک ہاتھ اونچا کیا اور اژدھا اپنا بل کھولنے لگا۔ پھر اس نے اپنا پھن نیچے کیا اور زمین پر آ گیا۔ بہت سے لوگ گھبرا کر دور ہٹ گئے تھے۔ خود وکرم کھنہ کے چہرے پر بھی خوف کے آثار پھیل گئے تھے۔ لیکن اس سے پہلے

کہ وہ پیچھے ہٹتا، دھرما سنگھ نے کہا۔ ''اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش مت کرنا وکرم!''

وکرم سنگھ پتھر کا بت بن کر رہ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اژدھے کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اژدھے نے پھن سکوڑا اور اس کے بعد اس نے اپنے منہ سے ایک پھنکار سی نکالی۔ اور دوسرے لمحے وہ وکرم کھنہ پر لپکا اور اس نے وکرم کھنہ کے لباس میں منہ ڈال دیا۔ وکرم کھنہ کے منہ سے دہشت بھری چیخیں نکل گئیں۔ بہت سے لوگ دہشت سے چیخ پڑے۔ پہرے داروں نے بندوقیں سنبھال لیں۔ لیکن جب اژدھے کا پھن پیچھے آیا تو اس کے منہ میں کالے رنگ کا ایک خوفناک سانپ دبا ہوا تھا جو بری طرح مچل رہا تھا اور پھنکاریں مار رہا تھا۔ ہر پھنکار کے بعد آگ کی چنگاریاں اس کے منہ سے نکل پڑتی تھیں۔ آس پاس میں بری طرح بھاگ دوڑ مچ گئی۔ لوگ اچھل اچھل کر اونچی جگہوں پر چڑھ گئے۔ درحقیقت اگر یہ سانپ اژدھے کے منہ سے آزاد ہو جاتا تو بڑی تباہی پھیلا دیتا۔ وکرم کھنہ تو خوف سے زرد ہو گیا تھا۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ سانپ اسی کے لباس سے نمودار ہوا ہے۔

اژدھے نے سانپ کو بری طرح پکڑ رکھا تھا۔ پھر ایک جھٹکے سے اس نے سیاہ رنگ کے ناگ کو نگل لیا اور دھرما کے ہونٹوں پر پراسراری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اژدھا آہستہ آہستہ اس کے جسم کی طرف بڑھا۔ جسم پر چڑھا اور پھر اس نے اپنا چوڑا پھن پہلے کی طرح دھرما کے سر پر پھیلا دیا۔

''بس وکرم! اتنی سی دیر کے لئے اور اس کام کے لئے ہم تیرے اس محل میں آئے تھے۔ اب ہم جا رہے ہیں۔ اگر یہ سانپ چند منٹ اور نہ پکڑا جاتا تو یہ تیرے لباس میں چھپ چکا تھا۔ تو نہیں جانتا کہ ایسے بہت سے سانپ تیرے گرد پھیلے ہوئے ہیں۔ مگر سادھوؤں کو اس سے کیا۔ ہاں! جب تجھے کبھی پریشانی ہو تو ہمیں آواز دے لینا۔ ہم ان سانپوں سے تجھے نجات دلا دیں گے۔'' دھرما واپسی کے لئے مڑا تو اچانک ہی وکرم کھنہ تیزی سے آگے بڑھ کر دھرما کے پاس پہنچ گیا۔

''جیون بچایا ہے مہاراج نے میرا تو تھوڑی سی مہربانی اور کیجئے۔ تھوڑی عزت اور دیجئے۔''

''ہم جنگلوں کے باسی ہیں وکرم! بھلا تیری اس حویلی میں ہمارا کیا دل لگے؟ تو ہمیں کیا

عزت دے سکے گا؟''

''آپ کا داس ہوں اور آپ اگر یہ جانتے ہیں کہ میرے گرد سانپ پھیلے ہوئے ہیں تو مجھے اکیلا نہ چھوڑیئے۔''

''ہمیں مجبور نہ کرو وکرم کھنہ! ہم تیری جان بچانے کے لئے آئے تھے سو ہم نے اپنا کام کر دیا۔ اب بھلا ہمارا یہاں کیا کام؟''

''نہیں! آپ کو میں ایسے نہیں جانے دوں گا۔''

بہرحال! دھرما سنگھ نے یہاں اپنا اثر جما لیا تھا۔ سندھیا کا چہرہ تو خوف سے زرد پڑا ہوا تھا لیکن پورن ماشی کے چہرے پر پھول کھلے ہوئے تھے۔ وہ مسلسل اس ڈرامے کو دیکھ رہی تھی اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ بدن کی رشوت پیش کرنے کا پورا پورا صلہ مل رہا ہے۔ واقعی اس کے برے دن ختم ہو گئے ہیں۔ اب اس کے سامنے کسی کا چراغ نہیں چل سکے گا۔ ساری باتیں اپنی جگہ، اس سے پہلے بلکہ بہت پہلے جب اس کی ملاقات دھرما سنگھ سے ہوئی تھی تو اسے یہ احساس ہوا تھا کہ سادھو جی مہاراج اپنی آنکھوں سے شیطان نظر آتے ہیں اور اس نے ان سے بچنے کی کوشش کی تھی اور بچ گئی تھی کیونکہ اس وقت اس کی آنکھوں میں وکرم کھنہ سجے ہوئے تھے۔ لیکن اب دھرما سنگھ کی قربت سے دوچار ہونے کے بعد اسے دھرما سنگھ سنسار کے سب سے حسین مرد معلوم ہو رہے تھے۔

اُدھر وکرم کھنہ نے اپنی جان بچ جانے کی خوشی میں دھرما سنگھ کے لئے اپنی آنکھیں بچھا دی تھیں۔ ان کے قیام کا بہترین انتظام کیا گیا تھا اور ادھر پورن ماشی اپنی آرام گاہ میں سوچ رہی تھی کہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تیسری طرف رتنا جو درحقیقت ذہنی طور پر اتنی عیار نہیں تھی اپنی معصومیت کے ساتھ اپنی آرام گاہ میں موجود تھی۔ ان تمام باتوں سے بے نیاز۔ البتہ اس کا ذہن کبھی کبھی بری طرح بھٹکنے لگتا تھا۔ وہ سوچتی تھی کہ کیا زندگی اسی کا نام ہے؟ بلا وجہ اتنے سارے لوگوں میں گھر گئی ہے۔ وہ تو سکون سے زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ بڑے آرام کے ساتھ اپنا وقت گزارنے کی خواہش مند تھی۔ لیکن یہ سب کیا تھا؟ وہ طبیعت کی بری نہیں تھی۔ لیکن بس! وقت نے اسے کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ شردھا نے اس کے وجود کو بدلنے کی کوشش کی تھی۔ ایک شیطان چڑیل نے اس کے اندر شیطان جگا دیا تھا۔ لیکن جب کبھی یہ شیطان اس کے وجود سے دور ہوتی تو اس کے دل میں بڑے عجیب عجیب خیالات آنے لگتے

تھے۔ وہ سمجھتی تھی کہ سنسار میں لوگ اس طرح تو زندگی نہیں گزارتے۔ ہر شخص اپنی اپنی پسند کے مطابق جیتا ہے۔ ایک گھر، ایک محبت کرنے والا وجود۔ کچھ بچے ہی زندگی کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اپنی اس کیفیت سے وہ بے نیاز تھی جو اسے کچھ لمحوں کے لئے خون آشام بنا دیتی تھی اور وہ انسانی گوشت اور خون کے بغیر نہیں جی سکتی تھی۔ ورنہ دوسری صورت میں وہ ایک محبت کرنے والی شخصیت تھی جس کے دل میں بہت سے لوگوں کے لئے محبت ہوتی تھی۔ اپنے اطراف سے وہ کسی بھی طرح نہ تو بے خبر رہتی تھی اور نہ حالات سے نفرت کرنا اس کی فطرت تھی۔ شردھا اسے نجانے کیا کیا سکھاتی رہتی تھی۔ وہ شردھا کے کہنے میں بے شک آ جاتی تھی لیکن بات وہیں آ جاتی تھی۔ یعنی جب بھی شردھا اس کے وجود سے باہر ہوتی، وہ پرسکون ہوتی اور اس وقت اس کے ذہن میں یہی سوچیں آتی رہتی تھیں۔ لیکن ابھی شاید دور دور تک وہ شردھا سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی تھی۔ جہاں تک وکرم کھنہ کا تعلق تھا تو شردھا کے کہنے سے وہ وکرم کھنہ کے ساتھ جو رویہ اختیار کئے ہوئے تھی، اس پر اس کا دل نہیں مانتا تھا۔ ایک ایسا شخص جو بہت سی نگاہوں کا مرکز ہو، جس کے دل میں بہت سوں کے لئے محبتیں ہوں، وہ کسی ایک کا کیسے ہو سکتا ہے؟ کوئی ایک محبت کرنے والا، کوئی ایک ایسا چاہنے والا انسانی زندگی کے لئے ضروری ہوتا ہے جو صرف اس کی ذات میں مرکوز ہو۔

اس وقت بھی وہ بیٹھی ہوئی سامنے کی کھڑکی سے باہر کے مناظر دیکھ رہی تھی۔ باہر کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہوتا ہے؟ اس کا اسے کوئی علم نہیں تھا۔ وہ بس اپنی سوچوں میں گم تھی کہ شردھا باقاعدہ انسانی روپ میں اس کے سامنے آ گئی۔ اس نے رتنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا ہو رہا ہے رتنا؟ کیا کر رہی ہے تو؟''

''کچھ نہیں شردھا جی! بیٹھی ہوئی ہوں۔ سوچ رہی ہوں کہ کیا کروں، کیا نہ کروں۔''

''تو سکون سے رہا کر۔ ایسی باتیں مت سوچا کر۔ میں جو ہوں تیرے سوچنے کے لئے۔'' شردھا نے کہا اور بری طرح ہنس پڑی۔ رتنا اسے دیکھنے لگی۔ پھر شردھا بولی۔ ''جانتی ہے یہاں کیا ہو رہا ہے؟''

''میں تو کچھ بھی نہیں جانتی۔''

''خیر! میں تجھے کہہ دیتی ہوں کہ ہاتھ پاؤں ہلا۔ خود بھی کچھ کر۔ لیکن تو اتنی اچھی ہے اور میری باتیں اس طرح مانتی ہے کہ پھر میرا دل نہیں چاہتا کہ میں تجھے کسی مشکل میں

پھنساؤں۔ یہ خوف بھی رہتا ہے مجھے کہ کہیں تو اپنی سادگی میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھا بیٹھے ج
میرے مقصد کے لئے نقصان دہ ہو۔ پتہ ہے تجھے یہاں کیا ہو رہا ہے؟''

''میں نے کہا نا شردھا جی! مجھے نہیں معلوم۔''

''ایک بڑے ہی مہان سادھو آئے ہیں۔ دھرما سنگھ نام ہے ان کا۔ انہوں نے آتے ہ
کھیل تماشے شروع کر دئے ہیں۔ ایک اور مہان سادھو کے پاس وکرم کھنہ جی تجھے لے ک
گئے تھے۔ مہان امر پال جی اور میں نے ان کا کریہ کرم کر دیا تھا۔ اب پورن ماشی اپنے گر
دیو مہاراج کو لے کر آئی ہے۔''

''پورن ماشی؟''

''ہاں!''

''یہ تو بیوی ہیں وکرم کھنہ جی کی۔''

''ہاں! وکرم کھنہ کی بیوی ہے وہ۔ تو تو ایسے انجان ہو جاتی ہے جیسے تجھے سنسار ک
بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں۔ مجھے یہ معلومات کہاں سے ملیں تجھے بھی تو نظر رکھنی چا
نا۔''

''ہاں! یہ بات تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں شردھا جی!''

''مہان سادھو مہاراج جن کا نام دھرما سنگھ ہے، اس بستی سے آئے ہیں جو بستی پور
ماشی کا میکہ ہے۔''

''اچھا؟''

''میں نے ساری کھوج نکال لی ہے۔ یہ دھرما سنگھ جو ہیں نا، یہ بس ایسے ہی سادھو بن
ہوئے ہیں۔ زمانے بھر کا بدمعاش ہے پاپی کہیں کا..... جوان لڑکیوں کو خراب کرنا اس کا کا
ہے اور یہ اسی طرح اپنا جیون گزار رہا ہے۔ چھوٹے موٹے جادو منتر سیکھ لئے ہیں۔ د
سانپ لے کر آیا تھا۔ ایک سانپ اس نے وکرم کھنہ کے لباس میں چھپا دیا اور دوسرے س
اسے پکڑا دیا۔ جانتی ہے کس لئے؟''

''میں کیا جانوں!''

''صرف اس لئے کہ وکرم کھنہ اس کے جال میں آ جائے۔ اور وہ بے وقوف آ گیا۔''

''مگر مقصد کیا تھا؟''

''پورن ماشی لائی ہے اسے۔''

''کیوں؟''

''تیرا کریہ کرم کرنے کے لئے۔''

''میرا؟''

''ہاں!''

''مگر کیوں؟''

''سب جلتی ہیں تجھ سے۔ ادھر سندھیا کو جانتی ہے؟''

''وہ بھی تو وکرم کھنہ جی کی.....''

''ہاں! وہ بھی... سندھیا نے اور بھی غلط کام کیا ہے اور اس سلسلے میں ایک بہت چالاک
دی کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔''

''کون؟''

''تیواڑی لال۔''

''کیا مطلب؟'' رتنا نے پوچھا۔

شردھا قہقہے لگاتے ہوئے بولی۔ ''بڑے مزے کا کھیل شروع ہو گیا ہے رتنا! تینوں
نیاں، میرا مطلب ہے وکرم کھنہ کی بیویاں تیرے خلاف کام کرنے پر آمادہ ہو گئی ہیں۔
دھیا نے تیواڑی لال کو اپنے جال میں پھانسا ہے۔ مگر وہ بہت چالاک ہے۔ سندھیا نے
سے اپنی خلوتوں میں بلانا شروع کر دیا ہے۔ میں جب چاہوں اس کا اور تیواڑی لال کا تیل
ل سکتی ہوں مگر تیواڑی لال خود اپنی جان بچا گیا اور میں نے اسے اپنے حساب میں رکھ لیا
ہے۔ تیواڑی لال نے سندھیا کی بے وقوفی سے فائدہ تو اٹھایا ہے لیکن بس! باقی کچھ نہیں۔
اس بات میں سندھیا کا بالکل ساتھ نہیں دے رہا۔ حالانکہ پہلے میں نے اسے دیکھا تھا اور
چا تھا کہ بہت جلد تیواڑی لال کو راستے سے ہٹا دوں۔ سندھیا بھی اس کے ساتھ ماری
ئے گی لیکن اب محسوس کر رہی ہوں کہ جلدی نہیں ہے۔ بعد میں یہ سب دیکھ لوں گی۔''

''ہائے رام! میں تو بلاوجہ مشکل میں پڑ گئی ہوں۔''

''کیا؟'' شردھا نے آنکھیں نکالیں۔ تو رتنا جلدی سے سنبھل گئی۔ ''میرا مطلب ہے کہ
لا تو کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ رہی۔ یہ تو بلاوجہ میری دشمن بن گئی ہیں۔''

''لے! بلا وجہ کیسے دشمن بن گئیں تیری۔ تجھے پتہ نہیں ہے کہ تو نے ان سب سے ان کا
مان چھین لیا ہے۔ ان کا پتی چھین لیا ہے۔ وہ جو کچھ بھی کریں تیرے خلاف، کم ہے۔ سمجھ
لے کہ تیرے لئے ہر طرح کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ مگر میں جو ہوں۔ شردھا۔ سات گھر تباہ
کرنے ہیں مجھے۔ سات گھر۔ جس میں پہلا گھر وکرم کھنہ کا ہے۔ اس حویلی کی اینٹ سے
اینٹ نہ بجا دوں تو میرا نام شردھا نہیں ہے۔''

رتنا نے آنکھیں اٹھا کر شردھا کو دیکھا۔ پھر بولی۔ ''شردھا! آپ کہتی ہیں کہ میرے اوپر
پورا پورا بھروسہ رکھتی ہیں۔''

''ہاں! رکھتی ہوں۔ کیوں؟''

''شردھا جی! مجھے آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ سات گھر آپ کس لئے اور کیوں
تباہ کرنا چاہتی ہیں؟''

''معلوم ہو جائے گا۔ بتا دوں گی تجھے۔ بس! یوں سمجھ لے کہ انہوں نے میرے خلاف
وہ سب کچھ کیا ہے، جس کے نتیجے میں آج میری یہ حالت ہے۔ میں چڑیل بنی ہوں۔ انہوں
نے مجھے زمین میں دفن کر دیا تھا۔ یہ سات ملے ہوئے تھے۔ پورے سات۔ بتاؤں گی تجھے
ایک ایک کر کے۔ سب کا کریہ کرم تیرے ہی ہاتھوں ہوگا۔ میں ان ساتوں کو تباہ کئے بغیر
چین سے نہیں بیٹھوں گی..... بالکل نہیں بیٹھوں گی۔''

''بتائیں گی نہیں مجھے کہ ہوا کیا تھا؟''

''نہیں! ابھی نہیں۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے رتنا! بہر حال ابھی تو میں ذرا ان لوگوں
کا کھیل دیکھ رہی ہوں اور مجھے خود اس کھیل میں مزہ آ رہا ہے۔'' شردھا نے کہا اور رتنا مر
نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگی۔

☆

وکرم کھنہ درحقیقت ہل کر رہ گیا تھا۔ ہر عیش کوش آدمی بزدل ہوتا ہے اور اسے اپنی زندگی
کی زیادہ فکر ہوتی ہے۔ وکرم کھنہ کی عیاشیاں انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ دولت کے بل پر ہر چیز
کا حصول اس کے لئے بالکل آسان تھا اور اسے کبھی کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ بہر حال! سب
کچھ اسے حاصل تھا۔ دولت کے انبار، پسند کی بیوی بلکہ بیویاں، ہر قسم کے خطرے سے بے
نیازی۔ ایسے شخص کو اگر کبھی خطرے سے دوچار ہونا پڑے تو اس کی اپنی کیفیت جس قدر بھی

خراب ہو جائے کم ہے۔ دھرما سنگھ نے اس طرح اس پر اپنا اثر ڈالا تھا کہ وہ ششدر رہ گیا
تھا اور اس کے دل میں ایک خوف آ بسا تھا۔ دھرما سنگھ کو تو خیر یہاں حویلی کے ایک ایسے
گوشے میں جگہ دے دی گئی تھی جو الگ تھلگ بھی تھا اور دھرما سنگھ کی پسند کے مطابق بھی۔
لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وکرم کھنہ کے دل میں ایک خوف مسلسل تھا اور اس خوف کو دور
کرنے کے لئے اس نے تیواڑی لال سے مشورہ کیا۔ تیواڑی لال اس کے خیال میں اس
کے ہر مرض کی دوا تھا۔

جب تیواڑی لال اس کے پاس پہنچ گیا تو اس نے کہا۔ ''تیواڑی! کیا تمہیں کوئی پریشانی
نہیں ہے؟''

''کیسی پریشانی مہاراج؟''

''بات اصل میں یہ ہے تیواڑی کہ ویسے تو مجھے سنسار میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ من کی ہر
بات پوری کر لیتا ہوں۔ ہر کام ہو جاتا ہے میرا۔ لیکن اس دن جو واقعہ پیش آیا ہے اس نے
مجھے حیران کر دیا ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ سانپ میرے لباس تک کیسے پہنچا؟''

تیواڑی لال نے گہری نگاہوں سے وکرم کھنہ کو دیکھا اور بولا۔ ''مہاراج! آپ کیا سمجھتے
ہیں کیا میں اس سلسلے میں کام نہیں کر رہا؟''

''کیا مطلب؟''

''اُس دن سے میرا جینا حرام ہو گیا ہے۔ ہر کوشش کر رہا ہوں۔ ایک بات کہوں
مہاراج! آپ برا تو نہیں مانیں گے؟''

''کیا مطلب؟''

''مہاراج! چھوٹا منہ اور بڑی بات ہو گی۔ آپ ناراض ہو جائیں گے۔''

''تیواڑی! سنسار میں تمہیں میں اپنا سب سے بڑا دوست سمجھتا ہوں۔ دل کی ہر بات تم
سے ہی کہتا ہوں۔ تمہاری کسی بات پر ناراض ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''تو پھر سنئے مہاراج! آپ نے اپنا سارا پریم، ساری توجہ رتنا دیوی پر نچھاور کر دی ہے
اور آپ یہ بھول گئے ہیں کہ آپ کی تین بیویاں اور بھی ہیں۔ سندھیا دیوی، پورن ماشی اور
پاروتی جی۔''

''مگر انہیں یہاں کیا تکلیف ہے؟''

''عورت، عورت کی سب سے بڑی تکلیف ہوتی ہے مہاراج! کیا آپ اس بات کو بھول گئے ہیں؟''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن.....''

''نہیں مہاراج! ذرا سا غور کیجئے اس بات پر کہ کیا آپ کی تینوں بیویاں اس بات سے خوش ہوں گی؟''

''نہیں.....''

''میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ان میں سے کسی نے سانپ آپ تک پہنچایا ہوگا۔ اصل بات یہ ہوئی ہے مہاراج! کہ ایک بار کسی سے کہو، تھوڑے سے پیسے اسے دکھا دو، وہ وفاداری میں اس حد سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ مگر آج یہ بھی دیکھئے کہ بھگوان کی کتنی دیا ہے آپ پر کہ اس نے آپ کا جیون بچالیا۔''

''ہاں! یہی تو میں سوچتا ہوں۔ دھرما سنگھ مہاراج تو بڑے گیانی ہیں۔ انہیں ہمارے ہاتھ سے نہیں نکلنا چاہئے۔''

''جی مہاراج! اس کے لئے آپ مجھے جو بھی حکم دیں، ویسے ایک بات میں آپ کو بتا دوں مہاراج! ضرور غور کیجئے گا میری بات پر اور آپ نے مجھے اس بات کی اجازت دی ہے تو میرا جو جی چاہتا ہے وہ کہہ ڈالوں اور کہنے میں کسر نہ چھوڑوں۔''

''ہاں ہاں! بالکل۔''

''نظر تو ہمیں دھرما سنگھ مہاراج پر بھی رکھنا ہوگی۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ آخر وہ اچانک کیسے پہنچ گئے یہاں؟''

''ارے ارے! کیسی باتیں کرتے ہو؟ گیانی دھیانی تو بڑے مہان ہوتے ہیں۔ سب کچھ پتہ چل جاتا ہے انہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مہاراج! لیکن جب تک اس بات کی پوری پوری تصدیق نہ ہو جائے آپ کسی کے اوپر بھی بھروسہ نہ کیجئے۔ میرے اوپر بھی نہیں۔ آپ کو معلوم نہیں مہاراج! جب سے یہ سانپ والا واقعہ پیش آیا ہے، میری راتوں کی نیندیں حرام ہوگئی ہیں اور میں نے ایک کام بھی شروع کر دیا ہے۔''

''کیا بھلا؟''

''میں آپ کی تینوں بیویوں کے پاس جاتا ہوں اور انہیں ٹٹولتا ہوں کہ ان کے من میں کیا ہے۔ سندھیا جی، پورن ماشی اور پاروتی جی۔ میں تو سبھی کا داس ہوں نا۔ ایک داس کی حیثیت سے میں ان کے چرنوں میں جاتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ میرے لئے کوئی خدمت ہو تو بتایئے۔ میں پوری کوشش کر رہا ہوں اور جیسے ہی کوئی پتہ چلے گا میں آپ کو اس بارے میں اطلاع دوں گا۔''

''بس! ایک بات کہنا چاہتا ہوں میں تم سے تیواڑی لال!''

''حکم دیں مہاراج!''

''ذرا آنکھیں کھلی رکھنا۔''

''میں تو راتوں کو جاگ رہا ہوں مہاراج! آپ صرف آنکھ کھلی رکھنے کی بات کر رہے ہیں۔''

''مجھے تم پر بھروسہ ہے۔''

تیواڑی لال وہاں سے بہت خوش خوش نکلا تھا یہ سوچ کر کہ چلو اگر سندھیا کا اور اس کا معاملہ کبھی سامنے آ بھی جاتا ہے یا کبھی مشکوک انداز میں اسے دیکھ بھی لیا جاتا ہے تو اس کی بچت ہو جائے گی۔ لیکن وکرم کھنہ کو ابھی سکون نہیں ملا تھا۔ وہ ابھی تک اس سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ وہ سانپ آخر کہاں سے آیا؟ کون سے دشمن نے یہ سازش کی ہے؟

بہرحال! سازش کسی نے بھی کی ہو۔ اسے بچانے والا سادھو، دھرما سنگھ اس وقت بھی آسن جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ وکرم کھنہ اس کے سامنے جا کر بیٹھ گیا تو دھرما نے نگاہیں اٹھائیں۔ وکرم کو دیکھتا رہا اور پھر آہستہ سے بولا۔ ''تیرے ماتھے پر ستاروں کا بسیرا ہے کھنہ! لیکن ایک کالا دھبہ۔ یہ کالا دھبہ کون سا ہے؟ اس کے بارے میں تو کیوں نہیں جانتا؟''

''مہاراج! آپ گیانی ہیں۔ آپ نے جس طرح میرا جیون بچایا ہے میں اس کے لئے آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ مگر میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ سانپ میرے پاس کیسے آیا؟''

دھرما سنگھ نے ایک لمحے کے لئے خاموشی اختیار کی۔ پھر بولا۔ ''تو چنتا مت کر وکرم کھنہ! اب تو نے ہمیں یہاں روک ہی لیا ہے تو پھر ہم بھی تیرے لئے بہت کچھ کرنے پر مجبور ہیں۔

تیرے دشمن تیرے آس پاس ہی ہیں۔ وہ تیرے اوپر اور بھی بہت سے وار کریں گے مگر کامیاب نہیں ہوں گے۔ یہ ہم تجھے بتائے دے رہے ہیں کہ وہ تیرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور ہوسکتا ہے کہ ہم تجھے بہت جلد تیرے دشمنوں کی صورت بھی دکھا دیں۔''

''مہاراج! آپ بہت بڑے انسان ہیں۔ میں زندگی بھر آپ کا یہ احسان مانوں گا۔ ایک کام اور کر دیجئے میرا، اگر ہو سکے تو۔''

''ہاں ہاں! بول''

''مہاراج! میں اولاد چاہتا ہوں۔ تین بیویاں پہلے سے ہیں۔ ایک کے ہاں بھی اولاد نہ ہوئی۔ ایک بیٹا! بس ایک بیٹا مل جائے۔ آپ سمجھ لیجئے کہ میرا جیون بن جائے گا۔''

''اس کے لئے ہمیں بہت سے جنتر منتر کرنا ہوں گے۔ ہو جائے گا۔ جو کچھ بھی چاہتا ہے وہ ہو جائے گا۔ تو چنتا مت کر۔'' وکرم کھنہ گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

حویلی کا انوکھا کھیل جاری تھا۔ پتہ نہیں، کون کیا چاہتا تھا؟ دھرما سنگھ اپنے مسئلے میں مصروف تھا اور تیواڑی لال اپنا کھیل، کھیل رہا تھا اور باقی تمام لوگ بھی۔ شردھا ان لوگوں سے اپنا انتقام لینے کے لئے مصروف عمل تھی۔ پتہ نہیں کون کہاں تک کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

رتنا کو اب یہاں بڑا الجھن کا شکار ہونا پڑ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے تمام لوگ شدید ہنگامہ آرائی میں مصروف ہوں۔ ادھر اور معاملات بھی تھے جو اس کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ جہاں تک وکرم کھنہ کا معاملہ تھا تو بے شک وکرم کھنہ اسے بہت چاہتا تھا۔ وہ ہر طرح سے اس کا دل رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن بات وہیں آ جاتی ہے۔ وکرم کھنہ نہ تو اس کی عمر کا تھا اور نہ ہی اس سے اس کا دل لگتا تھا۔ بڑی عجیب سی صورتحال تھی۔ اُدھر شردھا اس کا پیچھا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھی۔

وقت اسی طرح گزرتا رہا۔ تیواڑی لال سندھیا کو دھوکے دیتا رہا۔ کرناوتی، شردھا کے کہنے پر ایک ایک کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی۔ دھرما سنگھ جو گندے علوم کا ماہر تھا اپنا رنگ جماتا رہا اور تھوڑے ہی عرصے میں اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ اس کے لئے بہترین شکار گاہ ہے۔ حسن ہی حسن بکھرا ہوا ہے۔ اس نے رتنا کو بھی دیکھ لیا تھا اور اس کے منہ میں پانی آ گیا تھا۔ بالی سی عمر کی یہ رس بھری اس کی آنکھوں کی ہوس بن گئی تھی۔ پاروتی، سندھیا، پورن ماشی سچ مچ کچھ بھی نہیں تھیں اس کے آگے۔

پورن ماشی سے اس نے وعدہ بھی کر لیا تھا کہ وہ اسے اس کا مقام دلائے گا۔ لیکن اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کا اصل شکار تو رتنا ہے، کیونکہ وہ وکرم کھنہ کی منہ چڑھی بھی ہے۔ اگر وہ کسی طرح قابو میں آ جائے تو سب سے اچھا ہو۔ ویسے جتنا اس نے یہاں اپنا مقام بنا لیا تھا اس کے تحت اگر وہ رتنا کے پاس چلا بھی جاتا تو وکرم کھنہ اس بات کا ذرا بھی برا نہیں مناتا

اور اسے کوئی دقت نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ تاک میں لگا رہا۔

پھر اس دن رتنا باغ میں نکلی تھی۔ دو چار داسیاں اس کے ساتھ تھیں۔ دھرما سنگھ اس کے سامنے پہنچ گیا۔ رتنا خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ دھرما سنگھ نے داسیوں کو وہاں سے چلے جانے کے لئے کہا اور پھر رتنا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ''دیوی! تم نے ہمیں پرنام نہیں کیا۔''

''پرنام مہاراج!'' رتنا نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگا لئے۔

''سر سے پاؤں تک سندر رتنا کی صورت۔ لیکن تمہارے من میں یہ جلن کیسی ہے؟ اگر تم چاہو تو میں تمہاری کنڈلی بنا سکتا ہوں۔''

''مہاراج! جو گزر چکی ہے وہ تو میں بھی جانتی ہوں۔ آگے جیون کیسا گزرے گا؟ اس کے بارے میں کچھ بتاؤ تو مانوں۔''

''اتنا بتاؤں گا اس کے بارے میں کہ تم سوچ بھی نہ سکو گی دیوی جی! مجھے جانتی ہو؟''

''ہاں! کیوں نہیں؟ آپ دھرما سنگھ مہاراج ہیں۔ میں نے آپ کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ مگر درشن نہیں ہوئے تھے۔''

''تو پھر تین دن کے بعد ملیں گے اور میں تمہیں تمہارے بارے میں سب کچھ بتاؤں گا۔'' دھرما سنگھ نے کہا اور وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ شکار کو قابو میں لانے کے لئے اس کے سامنے لیٹ جانا ممکن نہیں ہوتا بلکہ اسے اپنے طور پر پہلے جال میں لانا پڑتا ہے۔

دھرما سنگھ نے پہلی بار رتنا کو قریب سے دیکھا تھا اور درحقیقت وہ دل و جان سے اس پر عاشق ہو گیا تھا۔ اب اگر رتنا نہ ملی تو پھر سارا جیون اس گندے علم میں گزارنے کا فائدہ ہی کیا؟

اپنے ٹھکانے پر واپس آ جانے کے بعد رات کو اس نے اپنے انہی گندے علوم کو آواز دی جن کی وجہ سے وہ اژدھا اس کی گردن میں آ چڑھا تھا اور اس نے سانپ والا ڈرامہ کیا تھا جس کی وجہ سے آج تک وکرم کھنہ اس کے پاؤں دھو دھو کر پی رہا تھا۔ سب سے پہلے دھرما سنگھ نے اپنی رہائش گاہ کے سارے دروازے بند کئے۔ اس کے بعد اس نے اپنے سامان میں سے کسی جانور کی ایک خاص ہڈی نکالی۔ اس ہڈی سے اس نے زمین پر ایک چوکور نشان بنایا اور پھر چھوٹی چھوٹی دو کھوپڑیاں نکال کر سامنے رکھ لیں۔ یہ کھوپڑیاں اس نے ایک اونچی جگہ رکھی تھیں اور اس کے بعد وہ وہیں بیٹھ گیا اور کالے منتر پڑھنے لگا۔ اس کی بھیانک آواز

گونج رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد کھوپڑیوں کی آنکھیں روشن ہونے لگیں۔ دو انسانی ہڈیوں سے دھرما سنگھ اس چوکور دائرے پر آوازیں پیدا کر رہا تھا۔ چوکور دائرہ روشن ہونا شروع ہو گیا اور اس کے بعد اس سے ہلکے ہلکے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ جادو اپنے پورے جوبن پر تھا۔ اس میں تھوڑی دیر تک اسی طرح شعلے اُبلتے رہے۔ پھر ایک بھیانک چہرہ نمودار ہوا۔ اور آہستہ آہستہ سے خوفناک انسانی چہرہ آگ سے بلند ہوتا گیا۔ پھر ایک پورا انسانی جسم اس آگ میں نمودار ہو گیا اور دھرما سنگھ کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ ''جے ہو میرے گرو!''

''بیرو! جو کچھ پوچھ رہا ہوں وہ بتا۔ یہ دیکھ! میرے ہاتھ میں کس کی تصویر ہے؟''

''لڑکی کی۔''

''کیسی ہے یہ؟''

''بڑی سندر ہے۔''

''مجھے اس کا ماضی بتا۔''

بیرو نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ لمحوں کے بعد آنکھیں کھول کر بولا۔ ''یہ پاگ ہے''

''کیا ہے؟''

''پاگ ہے۔''

''پاگ تو بڑے کام کی چیز ہوتی ہے۔''

''ہاں مہاراج! یہ پاگ ہے۔ بچپن میں اس کے ماتا پتا مر گئے تھے۔ اس کی ماتا نے اُسے خون پلا کر نیا جیون دیا اور پھر یہ اپنی ماتا کو کھا گئی۔ اب اس کے من میں پاگ پلتا ہے۔ وہ تو اسے کسی نے استعمال نہیں کیا۔ ورنہ مہاراج! یہ تو سنسار کی سب سے بڑی جادوگرنی بن سکتی ہے۔ یہ ڈائن ہے مہاراج! اور انسانوں کے کلیجے شوق سے کھاتی ہے۔ لیکن اپنے آپ سے ناواقف ہے۔ عام حالات میں بڑی معصوم ہے۔ مگر مہاراج! ایک بہت بڑی خرابی ہے اس کے ساتھ۔''

''وہ کیا؟''

''ایک چڑیل اس سے چمٹی ہوئی ہے اور اس چڑیل نے اس کو اپنے قابو میں کیا ہوا ہے۔ مہاراج! آپ اگر اس چڑیل کو اپنے قبضے میں کر لیں تو اس پاگ کا ساتھ لے کر سنسار کو

اپنے چرنوں میں سمیٹ سکتے ہیں۔"

"وہ چڑیل کہاں ہے؟"

"کبھی کبھی وہ اس کے شریر میں اتر جاتی ہے۔ کبھی کبھی مکھی بن کر فضا میں پرواز کرتی رہتی ہے۔ مہاراج! آپ کو جو کام کرنا ہے وہ بڑی چالاکی سے کرنا ہے۔"

"میرے پیارے بیرو! یہ تو، تو نے بڑے کام کی باتیں بتا دی ہیں۔ مجھے بتا! میں ان ساری چیزوں کو کیسے اپنے قبضے میں کرسکتا ہوں؟"

"مہاراج! اگر آپ اس پاگ کو اپنے قبضے میں کر لیں تو یہ سمجھ لیجئے کہ سنسار کے سب سے بڑے جادوگر بن سکتے ہیں۔ پاگ بڑی مشکل سے ملتی ہے اور اگر مل جائے تو آپ بڑے بڑے جادوگروں سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ دوسری چیز شردھا ہے۔ آپ جب اسے اپنے قابو میں کر لیں گے تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ سنسار کے سب سے بڑے راجہ بن سکتے ہیں۔"

"مگر یہ بتا! اس کے لئے ہم کیا کریں؟"

"سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ رتنا سب کچھ ہونے کے باوجود معصوم ہے۔ وہ اپنے آپ کو نہیں جانتی۔ اس کے دل پر پہلا گھاؤ لگا ہے۔ اور یہ گھاؤ جے چند کا ہے۔"

"کس کا؟"

"جے چند کا!"

"جے چند کون؟"

"جے چند، پرکاش چندر کا بیٹا ہے اور رتنا پرکاش چندر کے ہاں رہی ہے مہاراج! آپ مجھے چھوٹا کر کے اپنے ساتھ رکھ لیجئے۔ میں آپ کو ساری باتیں بتاتا رہوں گا۔ ایک مہینے کا وقت لے لیجئے۔ آپ کے لئے کافی ہوگا۔"

"یہ تو، تو نے بہت اچھی بات بتائی بیرو! میں تجھے ایک مہینے کی تکلیف دے رہا ہوں۔"

"بس مہاراج! میری خوراک مجھے دیتے رہیے۔ باقی سب ٹھیک ہے۔"

"وہ میں تجھے دیتا رہوں گا۔ اس کی تو چنتا مت کر۔"

"تو پھر اس وقت یہ کھیل ختم کیجئے اور مجھے اپنے ساتھ لے چلئے۔" بھیانک شکل کا بیرو مسلسل باتیں کر رہا تھا اور دھرما سنگھ کے چہرے پر روشنی کے چراغ جلتے جا رہے تھے۔ اسے

اندازہ نہیں تھا کہ ایک چھوٹے سے کام کے لئے اس نے جو عمل کیا ہے اس کا نتیجہ اتنا شاندار نکلے گا۔ بیرو اسے ترکیبیں بتاتا رہا اور دھرما سنگھ ان کے مطابق عمل کرتا رہا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بیرو کو آگ سے باہر نکال لیا اور اس کے بعد دونوں کھوپڑیوں کو ہاتھ میں پکڑ کر اس کے گرد گھوماتا رہا۔ کھوپڑیوں کی آنکھوں سے آگ نکل رہی تھی اور بیرو کے جسم کو چھوٹا ہونے میں مدد دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ ایک چھوٹی سی گڑیا کے برابر رہ گیا۔ بھیانک شکل کا آتشی پتلا اب چھوٹی سی گڑیا کی شکل میں دھرما سنگھ کے پاس موجود تھا۔ دھرما سنگھ نے اسے احتیاط سے اٹھا کر اپنے لباس میں رکھا اور اس کے بعد اس نے اسی ہڈی سے عمل شروع کر دیا جس سے اس نے اپنے جادو منتر کا آغاز کیا تھا۔

بیرو نے کہا۔ "میری خوراک کہاں ہے مہابلی؟"

دھرما نے گردن ہلا دی اور اس کے بعد دھرما اپنی جگہ سے ہٹا اور ایک جگہ آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے یہاں بھی ایک منتر پڑھنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنی دونوں مٹھیاں زمین پر کھولیں تو لمبے لمبے کیڑے پیدا ہو گئے اور بری طرح کلبلانے لگے۔ دھرما نے بیرو کو نکال کر ان کیڑیوں پر چھوڑ دیا اور گڑیا کی شکل کا بیرو کیڑوں کو اُٹھا اُٹھا کر اپنے منہ میں رکھنے لگا۔ یہ اُس کی خوراک تھی۔ جب اُس نے سارے کیڑے کھا لئے تو ایک ڈکار لی اور آنکھیں بند کر کے مسکرانے لگا۔ "بس! اب مجھے نیند آ رہی ہے۔"

دھرما نے اسے پھر اٹھا کر اپنے لباس میں رکھا اور اس کے بعد خود بھی بستر پر جا لیٹا۔ وہ بہت خوش تھا۔ بس یہ کہنا چاہئے کہ اسے ایک بہت بڑا انعام مل گیا تھا۔ اس نے تو بس تھوڑی سی معلومات حاصل کرنے کے لئے جادو کا یہ عمل کیا تھا لیکن اس عمل کے نتیجے میں اُسے اتنی بڑی قوت مل گئی تھی۔ بیرو ویسے بھی اس کا بیر تھا۔ لیکن اس مشکل میں اسے پہلی بار ملا تھا۔ پتہ نہیں کون سی شکتی تھی۔

بستر پر لیٹ کر دھرما ایک بار پھر بیرو کی بتائی ہوئی ساری باتوں پر غور کرنے لگا۔ اسے اندازہ ہوا کہ حالات کس طرح ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ ساری کہانیاں ہی اس کے ساتھ آ گئی تھیں۔ شردھا سب سے خطرناک چیز تھی۔ اور اب دو طاقتور ہستیوں کا آپس میں ٹکراؤ تھا۔ ایک طرف شردھا، جو یہ طے کر چکی تھی کہ سات گھرانوں کو تباہ کر دے گی، دوسرا دھرما سنگھ جسے اب اقتدار کا نشہ ہو گیا تھا۔ اور بیرو نے یہ بتا کر اس کی دنیا ہی بدل دی تھی کہ

وہ سنسار کا سب سے بڑا جادوگر بن سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر تو بات ہی کیا ہے۔ زندگی کا مزہ ہی آ جائے گا۔ دھرما نے سوچا۔

دوسرے دن اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے یہاں کے حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا۔ چنانچہ اس نے بیرو کو اپنے لباس سے نکالا اور ہتھیلی پر رکھا۔ ''کہو بیرو! کیسے حال ہیں تمہارے؟''

''ٹھیک ہوں مہابلی! کہئے! کیا چاہتے ہیں؟''

''بیرو! اب مجھے یہ بتاؤ کہ میں کیا کروں؟''

''مہابلی! سب سے پہلے آپ رتنا سے ملیں اور اسے اس کے ماضی کے بارے میں بتائیں۔ وہ آپ سے متاثر ہو جائے گی۔ مہابلی! ابھی آپ اسے آگے کے بارے میں نہ بتائیں کہ آگے آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ بس! وہ ساری باتیں بتا دیں اسے۔''

''اور اگر شردھا آس پاس ہوئی تو؟''

''کوئی پرواہ نہیں! شردھا کو بھی آپ کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے۔ لیکن اتنا نہیں۔ یہ آپ ظاہر نہ کریں کہ آپ شردھا کے بارے میں جانتے ہیں۔''

''چلو! ٹھیک ہے۔ ویسے پاگ کو اپنے قبضے میں کرنے کا طریقہ بتاؤ۔''

''آپ کو صرف اتنا کرنا پڑے گا مہاراج! کہ ابھی سے اسے اپنا دوست بنائیں۔ ایسا کر دیں کہ وہ آپ سے مدد مانگے۔ اگر اس کا دل شردھا سے کھٹا ہو گیا اور اسے یہ پتہ چل گیا کہ آپ شردھا کیخلاف اس کی مدد کر سکتے ہیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ سارا کام بن جائے گا۔ شردھا کو اس ناکامی کا احساس ہوا تو وہ بپھر جائے گی اور پھر جو مزہ آئے گا وہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔''

دھرما سنگھ کے لئے یہ کام مشکل نہیں تھا کہ وہ رتنا کے پاس پہنچ جائے۔ باغ میں رتنا سے ملاقات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ رتنا کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ اتفاق سے پہلی ملاقات وکرم کھنہ سے ہوئی جو رتنا کے کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ دھرما سنگھ کو دیکھ کر وکرم کھنہ خوش ہو گیا اور بولا۔ ''مہاراج! کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ آپ سے درخواست کروں کہ ذرا رتنا سے مل لیجئے۔ پتہ نہیں کیوں یہ اداس رہتی ہے۔ حالانکہ میں نے اسے سنسار کی ہر

چیز دے دی ہے۔ لیکن پھر بھی یہ اپنے من کا بھید نہیں کھولتی۔ یہ نہیں بتاتی کہ اس کے من میں کیا ہے۔ مہاراج! اس سلسلے میں آپ میری مدد کریں۔''

''دیکھو وکرم کھنہ! اس وقت جب تمہارے دشمنوں نے ایک سانپ تمہارے لباس میں چھپا دیا تھا اور جیسے ہی تم تنہائی میں جاتے وہ سانپ اندر ہی اندر تمہیں ڈس لیتا اور پھر غائب ہو جاتا اور تم مر جاتے۔ لیکن ہم صحیح وقت پر پہنچ گئے اور ہم نے تمہیں اس موت سے بچا لیا۔ اسی طرح ہم آج رتنا کے پاس بغیر کسی سے پوچھے ہوئے آئے ہیں۔ جاؤ! تم اپنا کام کرو۔ ہم دیکھیں گے کہ اس کے من کی شانتی کہاں ہے؟ اسے شانتی ملے گی۔ تم جاؤ، اپنا کام کرو۔''

وکرم کھنہ ادب سے گردن جھکا کر آگے بڑھ گیا تھا اور دھرما سنگھ، رتنا کے کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔ رتنا مسہری پر بیٹھی ہوئی تھی۔ دھرما نے دروازہ بند کیا تو رتنا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ لیکن پھر دھرما کو پہچان کر اس نے گردن ہلائی اور مسہری سے نیچے اتر آئی۔ ''جے ہو مہاراج کی! ابھی آپ ہی کا خیال تھا کہ آپ آ گئے۔''

''رتنا وتی! ہمارا خیال تھا تو ہم کیوں نہ آتے؟ من سے کوئی ہمیں پکارتا ہے تو ہم اسے مایوس نہیں کرتے۔ کہو! کیسے یاد کیا ہمیں؟''

''مہاراج! کل جب سے آپ سے ملاقات ہوئی ہے میں آپ ہی کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔''

''کیا؟''

''یہی کہ آپ بہت بڑے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ آپ کے پاس میرے من کی شانتی ہو۔''

''ہو سکتا نہیں بلکہ ہے۔ سنسار میں ہم نے بہت سوں کے من شانت کئے ہیں۔ لیکن یہ کوئی بات نہ ہوئی کہ تو ہمیں اپنے بارے میں بتائے اور ہم یہ ظاہر کریں گے ہم مہان ہیں۔ اری پگلی! مزہ تو جب ہے کہ ہم تجھے تیرے بارے میں بتائیں۔''

''آپ مہاراج؟''

''ہاں!''

''تو بتائیے....؟'' رتنا بچوں جیسی معصومیت کے ساتھ بولی۔

''برا ہوا ہے تیرے ساتھ.... تجھ سے پہلے تیرے ماتا پتا کے ساتھ۔ وہ کمینہ چمار تیری

ماں کے حسن کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ تیرے پتا کو اس نے اپنے ہاتھوں سے مارا اور ماں پتھروں کے غار میں مرگئی۔ اس کے بعد تو سنسار میں دربدر ہوگئی۔ بول! یہی ہے نا تیری کہانی؟''

رتنا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دھرما کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مہاراج! آپ تو بڑے گیانی ہیں۔''

''رتنا! ایک بات کہیں تجھ سے، برا تو نہیں مانے گی؟''

''نہیں مہاراج! آپ کی کسی بات کا برا کیسے مانوں گی میں؟''

''تیرا من وکرم کھنہ کو قبول نہیں کرتا نا؟''

رتنا نے گردن جھکالی۔ کچھ لمحے سوچتی رہی اور پھر آہستہ سے بولی۔ ''وہ میرے پتا کی عمر کے ہیں۔ میں کیسے انہیں من سے قبول کرسکتی ہوں؟''

''ہاں! اور جے چند؟'' دھرما نے وار کیا۔

رتنا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ ''ہائے رام! آپ جے چند کو بھی جانتے ہیں؟''

''سنسار میں کوئی چیز ہم سے چھپی ہوئی نہیں ہے رتنا! ہم تو شردھا کو بھی جانتے ہیں جس نے تجھے اپنے جال میں جکڑا ہوا ہے۔''

رتنا نے آنکھیں بند کر کے زور سے گردن ہلائی اور بولی۔ ''تب تو آپ سنسار میں سب سے مہان ہیں مہاراج!''

''لیکن شردھا تیری دشمن نہیں ہے۔ وہ تو تجھے مہان بنانا چاہتی ہے۔ اور دیکھ لے! اس نے تجھے کس طرح زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ہے۔''

''یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں مہاراج!''

''دیوی! اس سنسار میں کوئی بلاوجہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔''

''کیا مطلب؟''

''شردھا کی بات کر رہا ہوں میں۔''

''مگر میں سمجھی نہیں۔''

''ویسے تو میں نے تجھے سمجھا دیا ہے۔'' دھرما نے کہا اور رتنا اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ دھرما سنگھ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ''میں تجھ سے کہہ رہا ہوں کہ سنسار میں کوئی بھی اپنی غرض

سے خالی نہیں ہوتا۔ ہر شخص اپنی کوئی نہ کوئی غرض رکھتا ہے۔ اگر شردھا بھی سات گھروں کو تباہ کرنا چاہتی ہے تو تجھے کیا معلوم کہ اس کے من میں کون سی چتا جل رہی ہے۔ وہ بھی تو کسی نہ کسی وجہ سے ہی ان لوگوں سے بدلہ لینے پر آمادہ ہوئی ہوگی۔ اب اگر اس نے تجھے اپنے بدلہ لینے کا ذریعہ بنالیا ہے تو یہ بھی دیکھ لے کہ اس نے تیرے لئے کیا نہیں کیا ہے۔ دیکھ رتنا! اس سنسار میں ہر شخص اپنا کام نکالنا چاہتا ہے اور کسی کے لئے کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ اگر کوئی کسی کے لئے کچھ کر دیتا ہے اور اس کا کام بھی نکل جاتا ہے تو لینے اور دینے کا کھیل جاری رہنا چاہئے۔ میں تجھے یہی سمجھانا چاہتا تھا۔ شردھا نے تجھے مہان بنا دیا ہے اور اب تجھ پر فرض ہے کہ تو شردھا کے کام آ۔''

''مہاراج! میں کام آ ہی تو رہی ہوں۔ لیکن میں آپ کو کیا بتاؤں؟''

''کچھ نہیں۔ جو تیرے من میں ہے اس کو اپنے من میں ہی رکھ۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے آنکھیں چرانا پڑتی ہیں۔ یہ نصیحت تیری سمجھ میں آئے تو مان لینا۔ نہ سمجھنے والے ہمیشہ نقصان میں رہتے ہیں۔''

''جی مہاراج!''

''اب میں چلتا ہوں۔''

دھرما سنگھ چلا گیا تو رتنا سوچ میں ڈوب گئی۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ شردھا نے اسے بہت بڑا مان دے دیا تھا۔ مگر رتنا کے اندر کی عورت جب بیدار ہوتی تھی تو وہ سوچتی تھی کہ کیا میرا جیون اسی بوڑھے وکرم کھنہ کے ساتھ گزرے گا؟ یہ تو مناسب نہیں ہے۔

بہت دیر تک وہ سوچتی رہی۔ اور پھر اچانک اسے فضا میں ایک بھنبھناہٹ سی محسوس ہوئی۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہ اس بات کو اچھی طرح پہچاننے لگی تھی کہ شردھا جب بھی اس کے پاس آتی ہے اسے مکھی کی بھنبھناہٹ سنائی دیتی ہے۔ پھر اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر مکھی زمین پر بیٹھی اور اس کے بعد سیدھی کھڑی ہوتی چلی گئی۔ یہ شردھا تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا۔ شردھا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

رتنا اسے دیکھنے لگی۔ شردھا اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ''آپ کہیں دور سے آ رہی ہیں شردھا جی؟'' رتنا نے کہا۔

شردھا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''نہیں! دور سے تو نہیں آ رہی۔ لیکن میں بڑی

پریشان ہوگئی ہوں ایک دم۔''

''آپ اور پریشان ہوگئی ہیں؟''

''ہاں!''

''بھلا وہ کیوں؟''

''اس دھرما سنگھ نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔''

''دھرما سنگھ سادھو نے؟''

''ہاں!''

''وہ کیوں شردھا جی؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے دھرما سنگھ یہاں سے گئے ہیں۔ انہوں نے تو آپ کے بارے میں جو کچھ مجھ سے کہا ہے وہ بہت اچھا ہے۔''

''کیا کہا ہے؟''

''بس! کہوں گی تو آپ یقین نہیں کریں گی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ آپ میری بہت بڑی دوست ہیں اور آپ نے سنسار میں مجھے جو کچھ دیا ہے وہ آسان نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ.....''

''ہاں! میں جانتی ہوں۔ اصل میں تھوڑی سی الجھن مجھے ایک بات سے ہوگئی ہے۔''

''بھلا وہ کیا؟'' رتنا نے پوچھا۔

''میں نے تجھے بتایا تھا کہ اس وقت وکرم کھنہ کی تینوں بیویاں صرف تیرے خلاف سازش میں مصروف ہیں۔ وہ تجھے نیچا دکھانے کے لئے طرح طرح کے انتظامات کر رہی ہیں۔ انہوں نے بہت سے ایسے کام کئے ہیں جو تجھے اور مجھے نقصان پہنچا دیں۔ اب یہ بات میں تجھے بتا چکی ہوں کہ پاروتی ان میں سب سے زیادہ بے وقوف ہے جس نے اپنے ایک پرانے دوست سے کام لینے کی کوشش کی لیکن وہ بالکل نکما ثابت ہوا۔ سندھیا نے تیواڑی لال پر جال ڈالا لیکن وہ ایک شیطان بھلا سندھیا کے جال میں کیسے آتا؟ پورن ماشی دھرما سنگھ کو اپنا دھرم دے کر یہاں لے آئی۔ میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ دھرما سنگھ، پورن ماشی کے لئے تیرے خلاف کام کرے گا۔ لیکن میں اس بوڑھے اور چالاک سادھو پر غور کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ یا تو وہ تیرے پریم کے جال میں پھنس گیا ہے اور اب تیری طرف بڑھنا چاہتا ہے یا پھر ہوسکتا ہے کہ پاپی سچ ہی کہہ رہا ہو۔''

رتنا عجیب سے انداز میں شردھا کو دیکھ رہی تھی۔ جب شردھا اس کے وجود میں اُتر رہی ہوتی تو رتنا کو کوئی بات سوچتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا تھا کہ جو کچھ بھی وہ سوچے گی، شردھا اس سے واقف ہو جائے گی۔ لیکن جب شردھا اس کے وجود سے باہر ہوتی تو کوئی بات سوچنے میں دقت نہیں ہوتی تھی اور رتنا اس وقت یہ سوچ رہی تھی کہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ وہ خود کیا ہے، اسے کہیں شردھا نے بانٹ لیا ہے تو کہیں دھرما سنگھ اس پر قابو پانے کے چکر میں ہے۔ آخر وہ دوسروں کے لئے اتنی مشکلوں میں کیوں گرفتار ہے؟ ایک طرف وکرم کھنہ جی اسے اپنی ملکیت سمجھتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں اس سے اظہار عشق کر ڈالتے ہیں۔ حالانکہ اس کے دل میں وکرم کھنہ کے لئے ذرا برابر جگہ نہیں تھی۔ وہ تو بس شردھا اسے مجبور کئے ہوئے تھی۔ جہاں تک جے چند کا تعلق تھا تو سچی بات یہ ہے کہ جے چند بھی ایک بے کار شخصیت تھی اس کے لئے اور اُسے جے چند سے بھی کوئی رغبت نہیں تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

شردھا خاموشی سے اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''بات کرنی پڑے گی اُس دھرما سنگھ سے۔ اگر یہ واقعی جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے تو ہم دونوں مل کر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ میں ایک بات اور بھی سوچ رہی ہوں رتنا! کیا تو یہ بات پسند کرے گی؟''

''کیا؟''

''وہ یہ کہ وکرم کھنہ کی زندگی کا اب خاتمہ کر دیا جائے۔''

''ہاں!''

''تو نے بھی بہت عرصے سے کسی انسان کا خون نہیں پیا ہے۔ وکرم کھنہ اگر تیرا شکار بن جائے تو کیا حرج ہے؟''

''مگر.....''

''اور جے چند کو ہم وکرم کھنہ کی ساری جائیداد دے دیں۔ وہ تیرا بن جائے۔ کیسا رہے گا؟''

''مگر وکرم کھنہ.....''

''کیوں پریم ہو گیا ہے اس سے؟''

رتنا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

اُدھر دھرما سنگھ اپنی رہائش گاہ میں آ گیا تھا اور اس کا جادوئی مشیر بیرو اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ بیرو! تجھے تو اتنا پتہ ہی ہے کہ اس سنسار میں ہر چالاک آدمی کو دھوکہ دیئے بغیر کام نہیں بنتا۔ شردھا کے بارے میں تو بھی ہمیں بتا چکا ہے اور ہم بھی اندازہ لگا چکے ہیں کہ وہ ایک خوفناک چڑیل ہے اور یہ خوفناک چڑیل مکھی کی صورت میں ہر جگہ چکراتی پھرتی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا لیکن اس بات کا خیال رکھا ہم نے کہ رتنا سے جو باتیں کر رہے ہیں، وہ یقینی طور پر شردھا کہیں نہ کہیں سے ضرور سن رہی ہوگی۔ چنانچہ ہم نے اس سے ایسی باتیں کیں کہ جس سے اندازہ ہوا کہ ہم شردھا کے مخالف نہیں بلکہ اس سے دوستی اور دلچسپی رکھتے ہیں اور رتنا کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ شردھا کے لئے کام کرتی رہے۔ اصل میں ہم شردھا کو اپنے قابو میں کرنا چاہتے ہیں بیرو! اور تجھے اس وقت ہم نے اسی لئے بلایا ہے کہ شردھا کو قابو کرنے کے لئے ہمیں کوئی بہتر مشورہ دے۔ بول! کیا کہتا ہے؟''

''میں اس بارے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں مہاراج!''

''کر سکتا ہے نا؟''

''ہاں!''

''تو پھر بتا! کیا کر سکتا ہے؟''

''آپ تھوڑا سا انتظار کریں۔'' بیرو نے کہا اور دھرما سنگھ کی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ پھر اس نے تھوڑی دیر کے بعد نمودار ہو کر ایک چھوٹا سا خوبصورت چوکور ڈبہ دھرما کو دیتے ہوئے کہا۔ ''اس کو دیکھئے مہاراج! یہ شیشے کا بنا ہوا ہے اور جتنا یہ خوبصورت ہے، آپ بتائیے کہ اسے دیکھ کر آپ کے من میں کیا خیال پیدا ہوتا ہے؟''

دھرما سنگھ نے اسے دیکھا اور مسکراتا ہوا بولا۔ ''یہ ایک گھر کی شکل کا ہے اور اسے دیکھ کر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسان ایسا گھر بنوا لے تو اس میں رہ کر کتنا اچھا لگے گا۔''

''آپ اس میں نہیں رہ سکتے مہاراج!''

''کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔''

''کیونکہ یہ بہت چھوٹا ہے۔''

''ہاں! یہ تو میں بھی کہہ رہا تھا کہ اگر یہ بڑا ہوتو ایسے گھر میں رہا جا سکتا ہے۔''

''اور اگر کوئی اتنا چھوٹا جاندار ہو کہ اس گھر میں رہ سکے تو؟''

''کیا مطلب؟''

''جیسے مکھی!''

''ہاں! مکھی تو اس میں جا سکتی ہے۔''

''جیسے شردھا۔'' بیرو نے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''یہ گھر آپ اس جگہ رکھ دیں اور شردھا یہاں مکھی بن کر آئے اور یہ سوچے کہ کیسا بصورت گھر ہے تو وہ ضرور اس گھر میں آئے گی مہاراج! اور یہ اس گھر کی خوبی ہے کہ جیسے وہ اس میں داخل ہوگی، اس کا دروازہ بند ہو جائے گا اور پھر شردھا اسے کھول نہیں سکے ی۔''

دھرما سنگھ کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کیا واقعی ا ہو سکتا ہے؟''

''مہاراج! آپ کا داس یہ آپ کے لئے لایا ہے۔ ایسا ضرور ہو سکتا ہے۔''

بیرو کے مشورے پر یہ گھر ایک طرف رکھ دیا گیا اور بیرو نے بالکل ہی سچ کہا تھا۔ واقعی بڑی عجیب و غریب چیز تھی۔

''شردھا جو دھرما سنگھ کے سلسلے میں اس سوچ میں ڈوب گئی تھی کہ اگر یہ کالے جادو کا ماہر ص شردھا کا دوست بن جائے اور اس کے قابو میں آ جائے تو شردھا جو اپنے دل میں انے کیا کیا خیال رکھتی تھی، اپنے مقصد میں آسانی سے کامیاب ہو جائے گی۔ یہ بہت بڑی ہانی تھی جس کا ایک بڑا پس منظر بھی تھا۔ لیکن اس وقت تو دھرما سنگھ نے اس کے لئے ایک ل لگایا تھا اور شردھا اسی جال کی طرف بڑھ رہی تھی۔

وہ مکھی بن کر دھرما سنگھ کے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اصل میں وہ دھرما سنگھ کی یقت سے مکمل طور پر واقف ہونا چاہتی تھی اور بار بار یہ سوچ رہی تھی کہ اگر دھرما سنگھ اس کا ست بن گیا تو پھر اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لئے وہ اس سادھو کی خدمات بھی صل کر سکتی ہے جو اپنے کالے علم کا ماہر تھا اور اسے اپنے کالے علم کے ذریعے بہت سے ورے بھی دے سکتا تھا۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ دھرما سنگھ کتنا چالاک آدمی ہے اور اس کے ے کیا کیا منصوبے بنا چکا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ دھرما سنگھ کے کمرے میں داخل ہوگئی۔ دھرما سنگھ زمین پر بیٹھا آنکھیں بند کئے منتر پڑھ رہا تھا۔ شردھا نے اِدھر اُدھر اپنے بیٹھنے کے لئے جگہ تلاش کی۔ اس کی نظر اس خوبصورت ڈیکوریشن پیس پر پڑی۔ دور ہی سے اسے دیکھ کر شردھا کی آنکھوں میں پسندیدگی کے آثار اُبھر آئے۔ کتنی خوبصورت جگہ ہے۔ وہ اس کے قریب پہنچی اور اس نے اس کی بناوٹ دیکھی اور دل میں سوچا کہ پورا گھر کا گھر لگتی ہے۔ ایسا گھر رہنے کے لئے بنا لیا جائے تو کتنا حسین لگے گا۔ آہستہ آہستہ وہ اس کے قریب پہنچی اور پھر شیشے کے اس حسین گھر میں داخل ہوگئی۔ سامنے کی سمت سے ہلکا سا دھواں بلند ہوا۔ ایک لطیف اور خوشگوار دھویں کا شردھا کو احساس بھی نہ ہوا۔ لیکن اس دھویں سے اندر داخل ہونے کا وہ راستہ بند ہوگیا اور وہ گھر سامنے کی سمت سے بھی بند ہو کر صرف ایک ڈیکوریشن پیس رہ گیا۔ ایک ایسا ڈیکوریشن پیس جس میں ایک مکھی بند تھی۔ سوئی کے ناکے کے برابر چند سوراخ اوپر کی سمت موجود تھے جن سے ہوا اندر جا کر کسی بھی جاندار چیز کو دم گھٹنے سے محفوظ رکھ سکتی تھی۔ شردھا نے اس گھر کو دیکھا۔ ابھی تک اسے احساس نہیں ہوا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔

بہر حال اپنی پسند کی چیز کا جائزہ لینے کے بعد وہ واپس پلٹی اور پھر باہر نکلنے کے لئے اس نے پر تولے۔ لیکن یہ کیا.....؟ وہ شیشے کی دیوار سے ٹکرائی اور گھبرا کر رُک گئی۔ غالباً راستہ ادھر نہیں ہے۔ دائیں، بائیں، آگے، پیچھے..... ہر طرف اس نے ٹکریں ماریں۔ لیکن شیشے کا یہ خول تو کہیں سے بھی ایسا نہ تھا کہ کھل جائے اور وہ اس سے باہر نکل جائے۔ شردھا کے پورے وجود میں سنسناہٹ دوڑ گئی تھی۔ یہ کیا ہوا؟ اس نے دل میں سوچا اور دہشت زدہ نگاہوں سے سامنے بیٹھے ہوئے دھرما سنگھ کو دیکھنے لگی۔ دھرما سنگھ آنکھیں ضرور بند کئے ہوئے تھا لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

اس نے چند لمحات کے بعد آنکھیں کھولیں اور شیشے کے خول میں بند مکھی کو دیکھنے لگا۔ پھر بے اختیار اس کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ نکل گیا۔ شردھا کو یونہی محسوس ہو رہا تھا کہ دھرما سنگھ اس پر ہنس رہا ہے۔ وہ ساری جان سے کانپ گئی۔ ایک دم اسے یہ احساس ہوا تھا کہ دھرما سنگھ کی اس ہنسی میں ایک ایسا انداز چھپا ہوا ہے کہ جس سے یہ پتہ چلے کہ وہ شردھا کی یہاں موجودگی سے واقف ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا جان بوجھ کر اس کے لئے یہ مکان

یہاں رکھا گیا تھا؟

دھرما سنگھ اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا کارنس کے پاس آ گیا جہاں یہ ڈیکوریشن پیس رکھا ہوا تھا۔ اس کی خوفناک، بڑی بڑی آنکھیں شردھا کو بہت بھیانک لگ رہی تھیں۔ شیشے کی بناوٹ ایسی تھی کہ اس کے دانت بھی شردھا کو کئی کئی فٹ کے معلوم ہو رہے تھے۔ اس وقت ایک انتہائی بھیانک شکل اس کے سامنے موجود تھی۔ پھر دھرما سنگھ کی آواز ابھری۔ ''ہاں شردھا! میں تجھ سے واقف تھا اور میں نے ہی تیرے لئے یہ جال بچھایا تھا۔ دیکھ! کتنی آسانی سے تو میرے جال میں پھنس گئی۔ باؤلی! مرد، مرد ہی ہوتا ہے۔ تو اپنے آپ کو کتنا ہی چالاک سمجھ لیتی۔ بہت خطرناک سمجھتی تھی نا تو اپنے آپ کو؟ چڑیل بن کر تو نے جو کچھ بھی سوچا تھا، وہ اتنا آسان نہیں تھا۔ تھوڑی سی دقت تو تجھے ضرور ہونی چاہئے تھی اپنے اس کام میں۔ لیکن تو نے یہ سمجھا کہ تو نے ایک لڑکی پر قابو پا لیا ہے اور اس کے ذریعے تو اپنے سارے کام کرے گی۔ شردھا! اصل میں بات یہ ہے کہ اس سنسار میں سب اپنا اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ کام میرے بھی ہیں اس سنسار میں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنے کام خود کرنے چاہئیں..... وہ سات گھر..... جن میں ایک گھر یہ بھی ہے میری دلچسپی کا باعث ہیں۔ مجھ سے ایک سودا کر سکتی ہے تو؟''

''وہ کیا؟'' شردھا نے پوچھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ دھرما سنگھ اس کی آواز سن رہا ہو گا۔ ویسے بھی شردھا کا جسم مکھی کا ہوا کرتا تھا لیکن اگر کوئی بہت ہی گہری نگاہ سے دیکھتا تو اس مکھی کا چہرہ شردھا ہی کا ہوا کرتا تھا۔

دھرما سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''مجھے ان سات گھروں کی کہانی سنا۔ یہ بتا! تیرا اور ان کا جھگڑا کیا تھا؟''

شردھا کے چہرے پر غصے کے آثار پھیل گئے۔ اس نے نفرت بھری آواز میں کہا۔ ''دھرما سنگھ! میری اور ان سات گھروں کی کہانی ایسی ہے جسے مرتے وقت بھی میں نے اپنے سینے میں رکھا تھا۔ اور اتنی بات تجھے ضرور بتا دوں کہ میں بھی ایک شریف زادی تھی۔ میرے ساتھ جو ظلم ہوا، اس ظلم نے مجھے بدلہ لینے پر آمادہ کر دیا۔ مجھے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ لیکن میں نے اسی وقت قسم کھائی تھی کہ اگر میں مر بھی گئی تو چڑیل بن جاؤں گی اور میری آتما اسی سنسار میں بھٹکتی رہے گی اور اگر میں ان پاپیوں سے بدلہ نہ لے سکی تو چڑیل بن کر ان کا

جیون ختم کر دوں گی۔ لیکن جب میں نے اپنی آتما کو آزاد چھوڑ دیا تو مجھے پتہ چلا کہ جیون میں انسان کا شریر، اس کا بدن جس طرح کام کرتا ہے موت کے بعد یہ ممکن نہیں ہوتا، وہ صرف ایک ہوا بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ ہوا دوسروں سے اپنا کام تو لے سکتی ہے خود وہ سب کچھ نہیں کر سکتی جو وہ کرنا چاہتی ہے۔ اور اس شکل میں مجھے مجبوری محسوس ہوئی۔ میرے دشمنوں نے مجھے زمین میں گڑھا کھود کر بند کر دیا تھا۔ اس لڑکی نے مجھے اس گڑھے سے نکالا اور پھر میں نے اسے آلہ کار بنا لیا۔ وہ پاگ ہے۔ اور ایک پاگ سارے کام کر سکتی ہے۔ اسے انسانوں کا خون پینے کا شوق ہے اور اس کے اندر کسی نہ کسی شکل میں ایک شیطان چھپا ہوا ہے۔ مجھے اس شیطان سے دلچسپی تھی اور وہ میرا کام کر رہی تھی۔ لیکن دھرما سنگھ! تو بیچ میں کیوں آن مرا ہے؟''

جواب میں دھرما سنگھ نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''یہ سب کچھ تیرا ہی کیا دھرا ہے شردھا! چل، تو نے یہاں تک تو بتا دیا۔ اب یہ بتا اس سے آگے کی کہانی کیا ہے؟''

''اس کہانی سے تیرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔'' شردھا نے کہا۔

''اری پاگل! یہی تو تیری بیوقوفی ہے۔ اب میں ان سات گھروں سے رابطہ کروں اور ان سے پوچھوں گا کہ جینا چاہتے ہیں یا مرنا۔ تو، تو اب میرے قبضے میں آ ہی چکی ہے شردھا! اب آگے کا تماشہ دیکھنا۔ میں کیا کرتا ہوں۔'' دھرما سنگھ قہقہے لگانے لگا اور شردھا اسے خونی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

درحقیقت جو کچھ ہوا تھا وہ اس کی توقع کے خلاف تھا۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوا تھا کہ ایسی کوئی بپتا اس پر پڑ سکتی ہے۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔

''دھرما! ان سات گھروں سے بدلہ لینا میرے جیون کا سب سے بڑا کام ہے۔ تو مجھے آزاد کر دے۔ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ جہاں تک رتنا کا تعلق ہے، اگر تو رتنا سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو میں اس سے تجھے نہیں روکوں گی۔ اپنے اور میرے بیچ ایک معاہدہ کر لے۔''

دھرما پھر بہت زور سے ہنسا تھا۔ اس نے کہا۔ ''شردھا! میرا داؤ مجھ پر ہی آزما رہی ہے۔ اس وقت جب میں رتنا سے باتیں کر رہا تھا تو، تو وہاں موجود تھی۔ میرے بیرو نے یہی بتایا تھا اور میں نے اسی لئے ایسی باتیں کی تھیں جن سے تو میرے چنگل میں آ جائے اور فوراً ہی میرے بارے میں برے انداز میں نہ سوچے۔ یہ ساری باتیں بیکار ہیں شردھا! ہاں، اگر

کہیں تیری ضرورت پیش آئی تو میں تجھے باہر بھی نکال لوں گا۔ اس بات کی تو چنتا مت کر۔''

شردھا خاموش ہو گئی۔ پھر دھرما سنگھ نے کہا۔ ''تو اب یہ سمجھ لے کہ میں اپنے کام شروع کرنے جا رہا ہوں اور کم از کم تجھ سے مجھے نجات مل گئی ہے۔'' اس کے بعد دھرما سنگھ، شردھا کے قید خانے یعنی اس چھوٹے سے شیشے کے جال کو اپنے لباس میں چھپا کر وہاں سے باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ رتنا کے پاس پہنچ گیا۔

رتنا خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ دھرما سنگھ نے کہا۔ ''ہاں رتنا! کیا سوچا تو نے آگے کے بارے میں؟''

''میں سمجھی نہیں مہاراج!''

''فرض کر! اگر میں تجھے شردھا سے نجات دلا دوں تو، تو میرے لئے کیا کر سکے گی؟''

''مہاراج! میں نے تو کبھی سوچا ہی نہیں۔''

''سوچنا بڑا ضروری ہوتا ہے۔ ویسے کیا تو شردھا سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے؟''

''ہاں مہاراج! میں خوشی سے تو اس کے چنگل میں نہیں پھنسی تھی۔'' رتنا نے کہا۔

''مگر تو نے اس کے کہنے پر سب کچھ کیا تو سہی نا۔''

''مجبوری بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو کیا کرتی؟ آپ خود بتائیے مجھے مہاراج!''

''اچھا خیر! اس بات کو چھوڑ۔ اب یہ بتا کہ وکرم کھنہ کے بارے میں تیرے دل میں کیا خیال ہے؟ فرض کر، اگر میں تجھے اس بات کا موقع دوں کہ تو وکرم کھنہ کو راستے سے ہٹا کر مجھے اس حویلی کا، ان زمینوں کا مالک بنا دے تو کیا تو یہ بات پسند کرے گی؟''

''یہ تو میں نہیں جانتی۔ کیونکہ جے چند سے کبھی میری ایسی بات ہوئی بھی نہیں۔''

''تو بات کر اس سے۔ ہمارا نام بالکل مت لینا۔ تو اس سے یہ بات کر کہ اگر وہ تجھ سے پریم کرتا ہے تو آخر چاہتا کیا ہے؟''

''مگر مہاراج! آپ مجھے ایک بات تو بتائیے۔ اگر میں ایسا کوئی کام کروں اور وہ شردھا کی مرضی کے خلاف ہو تو میں کیا کر سکوں گی؟''

''شردھا کو قتل کر دینا۔ اسے واپس اسی قبر میں بند کر دینا جہاں سے تو نے اسے نکالا تھا۔''

''لو! ایسا میں کیسے کر سکتی ہوں؟''

''کیوں؟ تو نے کوشش کی تو تھی۔''

''میں نے ایسی کوشش کب کی تھی مہاراج؟''

''امر پال کا کیا قصہ ہے؟''

''وہ تو مہاراج امر پال خود ہی کچھ کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے اور پھر شردھا کو پتہ چل گیا تھا مہاراج! میں آپ سے ایک بات کہوں۔ آپ بھگوان کے لئے ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ اگر شردھا کو پتہ چل گیا تو مجھ پر بھی مصیبت آ جائے گی اور پھر.....''

''اری باؤلی! شردھا میرے سامنے ہے کیا چیز؟ جب چاہوں گا اسے راستے سے ہٹا دوں گا۔ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گی وہ میرا۔ اگر تو کہے تو میں اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قبر میں دفن کر دوں؟''

''اگر آپ ایسا کر سکیں مہاراج تو اس سے زیادہ خوشی کی بات کوئی اور نہیں ہو گی میرے لئے۔''

دھرما سنگھ ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ ''اچھا خیر چل، یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ میں تجھے بتاؤں کہ اب میں کوئی ایسی چال چلتا ہوں کہ وکرم کھنہ کچھ دن کے لئے یہاں سے باہر چلا جائے۔ اس دوران تو جے چند سے بات کرنا اور اسے آمادہ کرنا کہ وہ تیرا ساتھی بن جائے۔ یہ زمینیں، یہ حویلی سب کچھ ہم اسے دے دیں گے اور اس سے یہ کام لینا ہو گا ہمیں کہ ہم جو کچھ کہیں گے وہ آنکھیں بند کر کے کرے گا۔ کبھی اس سے گردن نہیں ہٹائے گا۔ اگر وہ یہ بات منظور کرتا ہے تو وکرم کھنہ واپس نہیں آئے گا۔ یا آیا بھی تو اپنا سب کچھ جے چند کے حوالے کر کے کہیں روپوش ہو جائے گا۔ اور یہ کام میں کروں گا۔''

''مگر ایک بات بتایئے مہاراج!''

''ہاں!''

''میں جے چند سے یہ بات کہوں گی کیسے؟''

''سیدھی سیدھی بات کرنا۔ اس سے اپنا پریم ظاہر کرنا۔''

''اور شردھا؟''

''تو شردھا سے بہت ڈرتی ہے نا؟''

''لو! ڈروں گی نہیں تو اور کیا کروں گی۔ وہ تو ڈائن ہے، چڑیل ہے۔ مجھ پر قابو پائے ہوئے ہے۔''

''تو پھر لے! تھوڑی دیر اس سے بھی باتیں کر لے۔ مجھے اچھا لگے گا۔'' دھرما سنگھ نے اپنے لباس میں سے وہ خوبصورت بکس نکالا جو شیشے کا تھا اور بکس کے بالکل آخری حصے میں شردھا اب انسانی روپ میں نظر آ رہی تھی لیکن ایک ننھے سے کیڑے کی مانند۔ جسے غور سے ہی دیکھا جاتا تو پتہ چلتا کہ کوئی جاندار کیڑا اس بکس میں موجود ہے۔ دھرما سنگھ نے کہا۔

''اسے احتیاط سے رکھنا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں یہ تجھ سے مل کر واپس لے لوں گا۔ اور خبردار! یہ کچھ بھی کہے، اس کے کسی جال میں مت آنا ورنہ نتیجے کی ذمہ دار تو خود ہو گی۔''

رتنا حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر شیشے کے خول میں بند شردھا کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا قصہ ہے۔ لیکن تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اسے اندازہ ہوا کہ دو گیانی ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہیں اور یہ سارا کھیل ہو رہا ہے۔

دھرما سنگھ باہر چلا گیا۔ شردھا شیشے کے خول کے اندر سے اپنا ننھا سا ہاتھ ہلا کر اسے اپنی جانب متوجہ کر رہی تھی۔ رتنا خول کو چہرے کے قریب کر کے دیکھنے لگی تو اسے شردھا کی آواز سنائی دی۔ ''رتنا! مجھے تجھ سے یہ امید نہیں تھی۔''

''شردھا جی! کیا واقعی یہ آپ ہی ہیں؟''

''ہاں! میں ہی ہوں یہ۔''

''لیکن شردھا جی آپ.....''

''میں اس جادوگر کے جال میں پھنس گئی۔''

''دھرما سنگھ کے؟''

''ہاں!''

''مگر آپ.....''

''آپ.....آپ کئے جا رہی ہے۔ میں مصیبت میں گرفتار ہوں۔''

''تو میں کیا کروں؟''

''اس مصیبت سے مجھے نکالنے کی کوئی ترکیب کر۔''

''یہی کرتی رہوں میں؟ سچی بات یہ ہے کہ میں تو اس چکر میں پڑنا بھی نہیں چاہتی

ہوں۔''

''میں تیری باتیں سن چکی ہوں کمینی!''

''تو میں کیا کروں؟'' رتنا بھی اب سنبھل گئی تھی۔

''کیا نہیں کیا میں نے تیرے لئے۔''

''جو کچھ تم نے کیا ہے وہ سب کچھ جہنم میں جائے۔ مجھے نہ راج محل سے کوئی دلچسپی ہے، نہ حویلیوں سے۔ تھوکتی ہوں میں ایسی جگہوں پر جہاں میرے من کا کوئی میت ہی نہ ہو۔''

''کمینی! غدار! تیرے من کے میت تو ہزاروں مل جاتے تجھے۔ میرے ساتھ تعاون تو کرتی تو۔ پہلے تو نے امر پال کے ساتھ مل کر میرے خلاف کام کرنے کی سازش کی اور اس کے بعد تو نے دھرما سنگھ سے ان ساری باتوں کا اظہار کیا۔ تیرا ستیا ناس! تو کیا سمجھتی ہے میں جیون بھر اس جادوگر کے قبضے میں رہوں گی؟ موت تو مجھے آ چکی ہے۔ انسان جیون میں ایک ہی بار مرتا ہے۔ سو میں تو مر چکی ہوں۔ یہ تو میری آتما ہے جسے اس نے اس شیشے میں بند کر لیا ہے۔ کوئی نہ کوئی ترکیب نکال ہی لوں گی۔ مگر تجھے جیتا نہیں چھوڑوں گی۔ تجھے وہی کرنا پڑے گا جو میں چاہوں گی۔''

''شردھا! یہ بات نہ کر۔ میں بھی اتنی مجبور نہیں ہوں۔ جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے تجھے اس کا اندازہ نہیں ہے۔ جان بوجھ کر تو میں نے یہ سب کچھ نہیں کیا ہے۔ یہ تو میری تقدیر کی خرابی تھی کہ یہ سب کچھ ہوا۔''

''تیری تقدیر تو میں بناؤں گی۔ تو دیکھنا تو سہی۔''

''چھوڑ شردھا چھوڑ! میں بھی اتنی ضدی ہوں کہ اگر اس بات پر تل جاؤں کہ جو کام تو کہہ رہی ہے وہ کبھی نہ کروں تو پھر مجھے اس سنسار کا کوئی بھی انسان مجبور نہیں کر سکے گا۔''

''یہ بات ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ تو دیکھ میں کیا کرتی ہوں تیرے ساتھ۔''

''ارے چھوڑ چھوڑ! کیا کرے گی میرے ساتھ؟ تو، تو خود قیدی بنی ہوئی ہے۔''

شردھا شدید غصے سے خاموش ہوگئی تو دھرما سنگھ ہنستا ہوا اندر آ گیا۔ اس نے کہا۔ ''رتنا! میں نے تیری اور شردھا کی باتیں سنی ہیں۔ بالکل ٹھیک کیا تو نے اس چڑیل کے ساتھ۔ یہ اسی قابل ہے۔ اپنے مطلب کے لئے اس نے تجھے استعمال کیا۔ تو اس کے جال میں پھنس گئی تھی۔ مگر میں نے تجھے اس کے جال سے نکال دیا ہے۔'' یہ کہہ کر دھرما سنگھ نے شیشے کا وہ

ھر اُٹھایا، اپنے لباس میں رکھا اور پھر وہاں سے باہر نکل گیا۔

رتنا خاموشی سے ساری صورتحال کا جائزہ لے رہی تھی۔ ایک بار پھر اس کے ذہن میں یب سے سناٹے اُبھر آئے تھے۔ کیا ہے یہ سب کچھ بھگوان..... کیا ہے یہ سب کچھ..... ہر خص کیسی کیسی چال چل رہا ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے من کی کر رہا ہے۔ یہ تو کوئی اچھی بات ہیں ہے۔ کیا کرنا چاہئے مجھے؟ کیا کروں اور کیا نہ کروں؟ بہت دیر تک وہ اسی طرح بیٹھی وچتی رہی کہ وہ بھی تو سنسار کی ایک فرد ہے۔ جب یہاں سارے کے سارے ایسے ہی ال پھیلائے رہتے ہیں تو میں خود بھی کیوں نا ایک جال پھیلاؤں اور اس میں ان لوگوں کو کڑ لوں۔ اچھا رہے گا یہ۔ مجھے ایسا ہی کرنا چاہئے۔

وہ بہت دیر خاموش بیٹھی رہی۔ اب اُسے انتظار تھا کہ آگے کیا ہونا ہے۔

☆.....☆.....☆

بظاہر تو یوں لگ رہا تھا جیسے دھرما سنگھ، شردھا پر قابو پا چکا ہے۔ وکرم کھنہ اس کے پاس آیا۔ معمول کے مطابق اس سے محبت کی باتیں کیں، پھر چلا گیا۔

دوسرے دن دھرما سنگھ، رتنا کے پاس پہنچا اور اس نے کہا۔ ''کہو رتنا وتی! ٹھیک ہو؟ کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں مہاراج!''

''کیا سوچا جو میں نے کہا تھا۔''

''میں نے اس وقت بھی آپ کو منع نہیں کیا تھا۔ میں ہوں ہی کیا مہاراج! لوگوں کے اشاروں پر چلنے والی۔ لوگوں کے ہاتھوں میں کھیلنے والی۔ بس! کیا بتاؤں آپ کو۔ خیر چھوڑیئے ان باتوں کو۔ آپ جو کچھ کہیں گے، وہی تو کروں گی میں۔ میری بھلا اتنی کہاں مجال کہ میں آپ سے انکار کروں۔''

''ہم بھی تیرا جیون، تیری پسند کے مطابق بنا دیں گے۔ کسی کو تجھ سے کھیلنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ وکرم کھنہ کو کام سے لگا دیتے ہیں۔ وہ مصروف ہو جائے گا اور تم جے چند سے بات کر لینا۔''

''ٹھیک ہے مہاراج!'' رتنا نے جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

وکرم کھنہ کو اس کے ایک دوست نے آ کر بتایا کہ اس کی زمینوں پر کوئی قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اسے وہاں جا کر صورتحال کا جائزہ لینا چاہئے۔ وکرم کھنہ نے فوراً تیواڑی لال کو بلایا اور کہا۔ ''تیواڑی لال جی! آپ نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں کیا؟'' وکرم کھنہ غصے سے بولا۔

تیواڑی لال نے سہم کر کہا۔ ''میں سمجھا نہیں مہاراج!''

''ہماری زمینوں پر کوئی دوسرا قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور ہم خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''کون سی زمینوں پر؟''

''اودھے پور والی زمینوں پر۔''

''آپ کو کیسے پتہ چلا مہاراج!''

''ہم تو آنکھیں بند نہیں رکھ سکتے نا تیواڑی لال جی!''

''وہ تو میں جانتا ہوں۔ لیکن مہاراج.....''

''ہاں کہو!''

''اطلاع غلط بھی تو ہو سکتی ہے۔''

''کیوں، یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''اس لئے مہاراج! کہ وہاں ہمارے آدمی بڑی مضبوطی سے اپنا کام کر رہے ہیں۔''

''خاک کر رہے ہیں۔''

''تو مہاراج! چلتے ہیں وہاں۔''

''تیاری کرو۔ ہمارا جانا بہت ضروری ہے۔''

دھرما سنگھ نے اپنا کام پورا کر دکھایا۔ وکرم کھنہ ایک لمبے سفر کے لئے روانہ ہو گیا تھا اور یہ بات دھرما سنگھ اچھی طرح جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے یہ خبر رتنا کو دی۔ رتنا کو ویسے بھی کرناوتی نے تفصیل بتا دی تھی۔ دھرما سنگھ نے رتنا سے کہا۔ ''شردھا کا کھیل ختم ہو گیا ہے اور اب اس کی کہی ہوئی بات پر میرا مطلب ہے وہ باتیں جو وہ ماضی میں کر چکی ہے، تجھے عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ عمل تیرے لئے نقصان کا باعث بنے گا۔ ایسا بالکل نہ کرنا۔ بلکہ میں تجھ سے جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ تیرے حق میں ہر حال میں بہتر رہے گا۔ میری بات تیری سمجھ میں آ رہی ہے نا؟''

''کیوں نہیں مہاراج!''

''تو اب تو ایسا کر کہ جے چند کو بلا لے اور اس سے بات کر۔ وہ بات جو میں تجھ سے کہہ رہا ہوں۔'' اس کے بعد دھرما سنگھ نے ساری تفصیل اسے بتائی جو وہ چاہتا تھا۔ پھر اس کے بعد اس نے کہا۔ ''جے چند کو یہ پیغام پہنچانا میرا کام ہے۔ میں کسی کو اس کام پر لگا دیتا

ہوں۔'' رتنا نے بھی اس پر حامی بھر لی تھی۔

اس کے بعد نجانے کب تک وہ سوچتی رہی تھی۔ اس نے دردبھرے انداز میں سوچا تھا۔

''بھگوان! میں نے تو سنسار میں نہ کسی کو دھوکا دینے کے بارے میں سوچا اور نہ ہی مجھے یہ اچھا لگا کہ میں کسی کو دھوکہ دوں، کوئی نقصان پہنچاؤں۔ لیکن کیا کروں؟ ایک کے بعد ایک میرے اوپر حاوی ہوتا چلا جاتا ہے اور مجھ سے وہ سب کچھ کرواتا ہے جو میں نہیں کرنا چاہتی۔ میں کیا کروں بھگوان...... میں کیا کروں؟'' شردھا کے بارے میں وہ سوچتی تھی تو اسے ایک عجیب سا احساس ہوتا تھا۔ بہرحال اتنا وہ ضرور جانتی تھی کہ شردھا جو کچھ کر رہی ہے اچھا نہیں ہے۔ اور کبھی بھی اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ شردھا تو بدروح ہے۔ وہ تو بچ جائے گی، پھنسے گی وہ خود۔ اور اس کام میں ہوسکتا ہے کہ زیادہ وقت ہ نہ لگے۔ وہ بہت کچھ سوچتی رہی تھی۔

پرکاش چندر کے ہاں سے جے چند کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ ذہنی طور پر معذور ہو گیا ہے۔ کہیں کسی باغ میں یا جنگل میں بیٹھا رہتا ہے اور اپنے آپ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ بہرحال اس کے بارے میں بھی دھرما سنگھ نے کہا۔ ''یہ پتہ لگ جائے گا کہ وہ کہاں ہے اور تو یہ جانتی ہے کہ اس پر یہ دیوانگی تیری جدائی میں ہی طاری ہوئی ہے۔ میں اسے تیرے پاس بلا لیتا ہوں۔ یہ میری ذمہ داری ہے کہ اسے میں تجھ تک پہنچا دوں۔ اس کے بعد باقی کام تیرا ہے۔'' رتنا نے گردن ہلا دی تھی۔

پھر جے چند، رتنا کے پاس پہنچ گیا۔ بری طرح شیو بڑھا ہوا تھا، بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے سے دیوانگی ظاہر ہوتی تھی۔ اس نے رتنا کو دیکھا تو دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔ رتنا گھبرا گئی تھی۔ جے چند نے کہا۔ ''میری رتنا..... میرا جیون..... کہاں چلی گئی تھی تو؟ دیکھ! تیرے بنا میرا کیا حشر ہو گیا۔ رتنا! تیرے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا میں۔''

رتنا خوفزدہ ہو گئی تھی۔ لیکن شکر تھا کہ کوئی آس پاس موجود نہیں تھا۔ جے چند کی کیفیت سے بھی وہ متاثر ہوئی تھی۔ بمشکل تمام اس نے جے چند سے پیچھا چھڑایا اور پھر بولی۔ ''جے چند! تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں میں۔''

''بول رتنا بول! سنسار لٹا دوں گا تیرے لئے۔ مجھے بتا! تو کیا چاہتی ہے؟ رتنا! مجھے چھوڑنا نہیں۔ اب میں تیرے بنا ایک پل نہیں جینا چاہتا۔''

''ایک بات تو سنو! دیوانگی کی باتیں مت کرو۔ ہوش میں آؤ۔''

''دیوانہ تو تیرے لئے ہی تھا۔ تجھے دیکھ لیا ہے تو اب ہوش ہی ہوش ہے۔''

''میں نہیں چاہتی کہ اس وقت میں کس حال میں ہوں۔ لیکن تمہارے لئے میں یہ خطرہ لے رہی ہوں۔ ہوسکتا ہے دھرما سنگھ کسی طریقے سے ہماری بات سن رہا ہو۔ مگر کب چھپاؤں۔ اور کوئی ترکیب بھی تو نہیں ہے میرے پاس۔ کیا کروں؟''

''تو بول تو سہی۔ سارے سنسار کو اجاڑ دوں گا تیرے لئے۔ تو نے تو خود مجھے چھوڑ دیا ارے! مجھ سے کہتی تو سہی۔ بغاوت کر دیتا۔ مار دیتا وکرم کھنہ کو۔ میرے لئے مشکل نہیں رے پریم میں یہ سب کچھ کرنا۔ رتنا..... میرے جیون! مجھے چھوڑنا مت اب۔''

''میری بات تو سن لو جے چند! اس کے بعد اپنی بات کرنا۔ کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ ن چندر جی نے کس طرح وکرم کھنہ کے کہنے پر مجھے اپنی بھتیجی بنا کر رکھا اور اس کے بعد کھنہ کے حوالے کر دیا۔ میں اپنی مرضی، اپنی پسند سے یہاں نہیں آئی جے چند! زبردستی یہ مجھے یہاں لائے ہیں اور اب بھی میں ایسی پھنسی ہوئی ہوں کہ اگر کسی نے میری مدد نہ نجانے میرا کیا حشر ہو گا۔''

جے چند نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بھگوان کی سوگند! ایک بار کہہ دو۔ سر کاٹ کر ے سامنے رکھ دوں۔''

''جے چند! تم میرے لئے کچھ چھوڑ سکتے ہو؟''

''سنسار چھوڑنے کو تیار ہوں۔''

''تو تمہیں بھگوان کا واسطہ! مجھے یہاں سے نکال لے جاؤ۔ میں ایسے ایسے چکروں میں ا ہوئی ہوں کہ تمہیں بتا نہیں سکتی۔ مجھے نہ یہ حویلی چاہئے، نہ اقتدار اور نہ میں کسی کا لینا چاہتی ہوں۔ وہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں اور کر رہے ہیں اس میں میرا تو کہیں بھی ئیں رہا۔ میں تو نردوش ہوں۔ لیکن کیا کروں۔ مصیبت میں پھنسی ہوئی ہوں میں۔ جے میری مدد کرو۔ مجھے یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔ میں نہیں جانتی کہ دھرما سنگھ اس وقت ا باتیں سن رہا ہے یا نہیں لیکن میں...... میں... جے چند....!'' رتنا رونے لگی۔

جے چند نے ایک بار پھر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ ''نہیں رتنا! میں تمہیں رونے نہیں اگا۔ کون ہے یہ دھرما سنگھ؟ مجھے بتاؤ۔''

رتنا نے جے چند کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیئے تھے۔ ''اب کچھ نہ کہو۔ دیکھو! جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اسے غور سے سنو۔ میں اگر چاہوں تو تمہیں وکرم کھنہ کی جگہ دے سکتی ہوں۔ دولت، جائیداد، یہ زمینیں..... یہ سب کچھ تمہیں مل سکتا ہے۔ بولو! کیا چاہتے ہو؟''

''کچھ نہیں..... کچھ نہیں چاہئے مجھے۔ بس! تم مل جاؤ۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ کل رات مجھے یہاں سے نکال لے جاؤ۔ بولو! کہاں پہنچ جاؤں؟''

''ٹھیک ہے۔ وہ کنویں والا باغ دیکھا ہے؟''

''نہیں! مجھے بتا دو۔''

''حویلی سے نکل کر پیچھے کی طرف سیدھی چلی جاؤ گی تو کنویں والا باغ نظر آ جائے گا۔ باغ میں ایک بڑا سا کنواں ہے جو پتھر سے بنا ہوا ہے۔ کل رات کو میں تمہیں وہاں ملوں گا۔ نکل چلنا میرے ساتھ۔ کوئی چیز لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سارے انتظام میں خود کرلوں گا۔''

''تو ٹھیک ہے۔ اب سنو! جو باتیں میں تم سے کر رہی ہوں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بس کسی کو اطمینان دلانے والی بات ہے۔ اگر کوئی تم سے بھی سوال کرے، میر مطلب ہے دھرما سنگھ تو تم اُسے یہی بتانا کہ تمہاری اور میری بات چیت ہو چکی ہے اور تم میرے ساتھ ہر تعاون کرنے پر آمادہ ہو گئے ہو۔'' اس کے بعد مختصر الفاظ میں رتنا، جے چند کو دھرما سنگھ اور شردھا کے بارے میں بتاتی رہی۔

جے چند کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ ''رتنا! اگر یہ بات ہے تو کیا یہ دونوں ہمارے لئے خطرناک ثابت نہیں ہوں گے؟''

''ڈر گئے جے چند؟ مجھے دیکھو! میں کتنی ہمت کر رہی ہوں۔ میں بھی تو آخر ان سے ٹکر لے رہی ہوں۔''

''نہیں! میں بالکل نہیں ڈرتا ہوں۔ اس کی تم چنتا ہی مت کرو۔ جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔''

معاملہ طے ہو گیا۔ رتنا نے بھی سوچا تھا کہ کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔ جس زندگی کو گزارنا پڑ رہا ہے، اس سے تو نجات ملے گی۔ شردھا دھرما سنگھ کے قبضے میں جا چکی ہے فی الحال کم از کم اس کا خطرہ تو نہیں ہے۔ باقی ساری باتیں بعد

ہیں۔

بہر حال مقررہ وقت پر وہ اس جگہ پہنچ گئی جہاں جے چند اس سے پہلے پہنچا ہوا تھا۔ رات تاریکی میں دونوں نے وہ جگہ چھوڑ دی اور کسی نامعلوم منزل کی طرف چل پڑے۔

دھرما پر سکون تھا۔ اس نے اپنے طور پر تمام کام مکمل کر لیا تھا۔ وکرم کھنہ کو باہر بھیجنے کے اس نے سوچا تھا کہ بس اطمینان سے باقی سارے کام بھی ہو جائیں گے۔ رتنا اس کے ہیں آ جائے گی۔ سب سے پہلے تو وہ رتنا کے حسین وجود سے کھیلنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی ت میں ذرا الگ قسم کا آدمی تھا۔ زندگی میں اونچ نیچ تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ ایک حسین کی قربت حاصل کرنا اس کے نزدیک سنسار کی سب سے بڑی خوشی تھی۔ سادھو کے بھیس شیطان کی ایک عمر ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنی عمر پوری کر رہا تھا اور یہ دیکھنا تھا کہ اسے کب زندگی میں یہ کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اپنے طور پر اسے اطمینان تھا کہ اب وہ پاگ اس کے قبضے سے نہیں نکل سکے گی۔

دوسرے دن وہ اسی اعتماد کے ساتھ رتنا کی رہائش گاہ پر پہنچا تھا کہ آج اسے روشن ئوں کے بارے میں بتا کر اس سے اس کی قربت مانگے گا۔ اس نے بہت سے فیصلے کئے ۔ جے چند سے رتنا کی ملاقات ہو چکی تھی اور یہ بات اس کے علم میں تھی کیونکہ جے چند کو نے رتنا تک پہنچایا تھا۔ اب وہ رتنا سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جے چند سے اس کی کیا ہوئی اور جے چند نے کس حد تک اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ اچھا عمل تھا۔ کھنہ کو راستے سے ہٹانے کے بعد وہ بڑے آرام سے جے چند کو یہ تمام چیزیں دے سکتا جے چند اور رتنا اس کے غلام ہی ہوتے۔ رتنا کو جے چند تک پہنچنے کے لئے دھرما سنگھ کی ں سے گزرنا ہوتا اور بہر حال اس کے بعد پوری حویلی پڑی ہوئی تھی جس میں بہت سے نا چہروں نے دھرما سنگھ کو متاثر کیا تھا۔ جب وہ رتنا کی رہائش گاہ پر پہنچا تو سب سے ں کی ملاقات کرناوتی سے ہوئی۔ کرناوتی حیران، پریشان رتنا کے کمرے سے باہر نکل لی۔ دھرما کو دیکھ کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور دھرما نے ذرا غور سے کرناوتی کو

''کون ہے تو؟''

''کرناوتی ہے میرا نام مہاراج!''

''یہیں حویلی میں رہتی ہے؟''

''تو اور کیا! داسی ہوں رتنا دیوی کی۔''

''اچھا.....اچھا.....میرا مطلب ہے رتنا دیوی کہاں ہے؟ اندر ہے کیا؟''

''نہیں مہاراج! پتہ نہیں کہاں چلی گئی ہیں۔ رات کو میں نے جاتے ہوئے دیکھا تھا اس کے بعد جب میں دودھ لے کر آئی تو تب بھی وہ موجود نہیں تھی اور اس کے بعد سے ا تک ان کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔''

''رات کو تو نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا؟''

''ہاں! وکرم کھنہ مہاراج تو گئے ہوئے ہیں باہر۔ رتنا دیوی رات کو حویلی کے پچھ دروازے سے باہر نکلی تو میں نے اتفاق سے دیکھ لیا تھا۔ پچھلے دروازے پر چوکیدار مو نہیں تھا۔ رتنا دیوی دروازے سے باہر نکلیں اور اس کے بعد میں بہت دیر تک درواز سے آنکھیں ٹکائے بیٹھی رہی لیکن وہ واپس نہیں آئیں۔ میرے من میں شبہ تو جاگا تھا کہ آ پچھلے دروازے سے وہ کہاں گئی ہیں، مگر ہمت نہیں پڑی۔ کیونکہ جب تک وہ مجھے بلاتی نہ ہیں، میں ان کے پاس نہیں جاتی۔ پتہ نہیں! کہاں چلی گئیں۔''

دھرما سنگھ کی چھٹی حس نے اسے بتایا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی وہ تیزی سے واپس پلٹا اور اپنے کمرے میں پہنچ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ پھر اس اپنے بیرو کو طلب کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بیرو اس کے سامنے پہنچ گیا۔

''بیرو! رتنا کہاں گئی ہے؟''

بیرو نے اس کی صورت دیکھی اور بولا۔ ''یہ تو پتا لگانا پڑے گا مہاراج! کیا وہ موجود نہیں ہے؟''

''نہیں! ہو سکتا ہے تھوڑی دیر کے لئے کہیں چلی گئی ہو۔ لیکن اس کے باوجود ذرا معلوم کر کہ آخر وہ گئی کہاں ہے۔ اتنی دیر تک اس کا غائب رہنا بڑی پریشانی کی بات ہے۔ ہمیں پتہ چلنا چاہئے کہ وہ کہاں گئی ہے۔''

''میں معلوم کرتا ہوں مہاراج!''

''بیرو! پہلے اسے حویلی میں دیکھ۔ بعد میں دیکھ کہ کہاں نکل گئی ہے وہ۔ نجانے کیوا ہمارے من میں ایک پریشانی سی پیدا ہو گئی ہے۔ ہمیں یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی گڑبڑ ہے۔''

بیرو چلا گیا اور دھرما سنگھ پریشانی سے رخسار کھجاتا رہا۔ اس وقت بہت سی ایسی باتی

تھیں جو اس کے ذہن میں آ رہی تھیں۔ رتنا اگر کہیں نکل گئی ہے تب بھی دھرما سنگھ کو تو کوئی نقصان نہیں تھا۔ پورن ماشی جو ہے۔ وہ پورن ماشی سے کہے گا کہ دیکھ! میں نے رتنا کو تیرے راستے سے ہٹا دیا اور اب مجھے دھرماتما مان لے۔ وہ کام جو رتنا کے ذریعے لینا تھا، پورن ماشی سے بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن بات رتنا کے پاگ ہونے کی تھی۔ اگر رتنا اس کے قبضے میں آ جاتی تو وہ جادو منتر پڑھ کے ایک ایسی قوت حاصل کر لیتا جو بڑی اہمیت کی حامل ہوتی اور یہ قوت حاصل کرنے کے بعد ایسی سینکڑوں حویلیاں اس کے قدموں تلے ہوتیں۔

بہرطور جادو منتر کا یہ کھیل چلتا رہا۔ بیرو خاصی دیر کے بعد واپس آیا تھا۔ اس دوران دھرما سنگھ انگاروں پر لوٹتا رہا۔ بیرو کو دیکھ کر بولا۔ ''ہاں بیرو! کیا پتہ چلا؟''

''مہاراج! رتنا، جے چند کے ساتھ یہ حویلی چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔''

''نکل گئی ہے؟''

''ہاں! شردھا تو اس کے راستے میں تھی نہیں۔ آپ آرام کر رہے تھے۔ جے چند سے اس کی بات ہوئی اور پریم پجارن، پریمی کے ساتھ بھاگ گئی۔''

دھرما سنگھ کے چہرے پر پریشانی کے آثار پھیل گئے تھے۔ وہ دیر تک سوچتا رہا اور اس کے بعد اس نے کہا۔ ''یہ بہت برا ہوا بیرو! بہت برا ہوا۔ کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ وہ کہاں گئی ہے؟''

''نہیں معلوم مہاراج! لیکن معلوم کیا جا سکتا ہے۔''

''بیرو! کیا تو اسے تلاش کر کے لا سکتا ہے؟''

''لا نہیں سکتا مہاراج! بس اس کا پتہ چلا سکتا ہوں۔''

''ہوں! یہ تو بڑی پریشانی ہو گئی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا فیصلہ کروں۔ رتنا کو جہنم میں جھونکوں یا پھر اسے تلاش کروں۔ اصل میں بیرو! وہ پاگ ہے اور کسی پاگ کا قبضے میں آ جانا اس بات کی نشانی ہے کہ سنسار میں ہر وہ چیز حاصل کر لی جائے جو من میں ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں مہاراج! پاگ قابو میں آ جائے تو بڑے اچھے کاموں کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔''

''ہوں! بس پھر ٹھیک ہے۔ ہمارا یہاں سے نکل جانا ہی بہتر ہوگا۔ ویسے بھی اب اس حویلی کے حالات اتنے خطرناک ہو گئے ہیں کہ یہاں رہنے میں کوئی مشکل بھی پیش آ سکتی

ہے۔"

"جی مہاراج!"

"آج رات کو ہم یہ جگہ چھوڑ دیں گے۔ لیکن بیرو! اس دوران تجھے یہ پتہ لگانا پڑے گا کہ جے چند، رتنا کو لے کر کس طرف گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے مہاراج! اس بات کا پتہ چل جائے گا۔" بیرو نے جواب دیا۔

ساری باتیں اپنی جگہ۔ دھرما سنگھ واقعی پریشانی کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کو کیا کرنا چاہئے۔ اگر رتنا وتی پاگ نہ ہوتی تو وہ اس پر لعنت بھیج دیتا۔ یہاں اسے وکرم کھنہ کی وجہ سے بڑی عزت ملی تھی اور وکرم کھنہ پوری طرح اس کے جال میں تھا۔ پورن ماشی کے نام پر دھرما سنگھ یہاں رہ سکتا تھا اور اگر پورن ماشی کے ہاں اولاد ہو جاتی تو پھر تو وکرم کھنہ، دھرما سنگھ کو دیوتاؤں کی طرح پوجتا۔ لیکن یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ دھرما سنگھ اپنے کالے علم کی بناء پر ایسا مقام حاصل کر سکتا تھا۔ ہاں اگر رتنا اس کے چنگل میں آ جاتی اور وہ پاگ لڑکی کو اپنے جال میں پھانس لیتا تو آگے چل کر بہت سے بڑے کام ہو سکتے تھے۔ بہر حال وہ انتظار کرنے لگا۔

☆

جے چند نے ابھی تک دنیا کے سرد گرم نہیں دیکھے تھے۔ وہ رتنا کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا اور جب اس کے آگے کوئی سہارا نہ رہا اور اسے پتہ چل گیا کہ رتنا، وکرم کھنہ کی ملکیت ہے اور اس کے لئے پرکاش چندر کے گھر پل رہی ہے تو وہ بے قابو ہو گیا۔ ہو سکتا تھا کہ جنون کی آگ اسے باقی سارے خطروں سے بے نیاز کر دیتی۔ اس وقت رتنا نے شردھا کے اثر میں آ کر اسے سمجھایا اور بہر حال جے چند نے صبر کر لیا۔ لیکن یہ صبر عارضی تھا۔ اس کے دل میں دھویں کے بادل اٹھتے رہتے تھے۔ رتنا یاد آتی تو دنیا بہت بری محسوس ہوتی تھی۔ وہ بے چین ہو جاتا تھا۔ کسی کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس نے کتنی ہی بار وکرم کھنہ کی حویلی میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ ذہن میں یہی بات ہوتی تھی کہ اگر رتنا کہیں نظر آ گئی تو اسے لے کر نکل جائے گا لیکن شاید اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اگر کامیاب ہو جاتا تو نجانے اس کی کیا کیفیت ہوتی۔ ممکن ہے کہ پکڑا جاتا اور پکڑے جانے کے بعد ہو سکتا ہے بچنا ہی مشکل ہو جاتا۔

لیکن اب بات بہت آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ رتنا کو اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے لے کر اتنی دور نکل جائے کہ نہ تو پرکاش چندر کو اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں، نہ ہی وکرم کھنہ اس کا پتہ چلا سکے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں وہ دونوں ایک سمت بڑھتے جا رہے تھے۔ اس وقت چاروں طرف مکمل سناٹا طاری تھا۔ بہت سا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے دوسرے شہروں کو جانے کے لئے بسیں چلتی تھیں۔ لیکن یہ وقت ایسا تھا کہ بسوں کا اڈہ بھی سنسار پڑا ہوا تھا۔ بہت سی بسیں خاموش کھڑی تھیں۔ کچھ لوگ آگ کے الاؤ جلائے بیٹھے آگ تاپ رہے تھے۔ جے چند نے رتنا سے کہا۔ "رتنا! شروع میں ہمیں تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی۔ لیکن ہماری محبت ان ساری تکلیفوں سے ڈرنے والی نہیں ہے۔ کہیں تمہیں یہ احساس تو نہیں ہو گا کہ تم نے غلطی کی ہے؟"

"اب ایسی باتوں کو چھوڑو جے چند! مجھ سے یہ سوال کر کے تم میری توہین کر رہے ہو۔ تم جانتے ہو کہ میں نے کیا حیثیت چھوڑی ہے۔ کوئی مجبوری تو نہیں تھی میری۔"

"مجھے معاف کرنا رتنا! اصل میں سارا جیون میں نے بھی آرام چین سے گزارا ہے۔ سنسار کے دکھ نہیں جانتا۔ اس لئے تم سے یہ سوال کر ڈالا تھا۔ تم یہاں رکو، میں ذرا معلومات حاصل کر کے آتا ہوں کہ ہمیں کسی اور شہر جانے کے لئے بس کہاں سے مل سکتی ہے۔"

رتنا کو ایک جگہ تاریکی میں کھڑا کر کے جے چند چلا گیا اور رتنا خاموشی سے تاریک خلاؤں میں گھورتی رہی۔ ان خلاؤں میں اس کا ماضی چھپا ہوا تھا لیکن اس وقت اس نے ماضی میں جانا پسند نہیں کیا اور جے چند کا انتظار کرنے لگی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ آگے اس کا مستقبل کیا ہے۔ لیکن بہر حال بعد کی باتیں تو بعد میں ہی دیکھی جائیں گی۔

وہ جے چند کا انتظار کرتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد جے چند واپس آ گیا۔ "رتنا! ہمیں یہاں کافی وقت گزارنا پڑے گا۔ اب تو صبح اجالا پھیلتے ہی ایک بس چلے گی۔ ہم اسی سے نکل جائیں گے۔"

"لیکن اس وقت تک ہم کہاں رہیں گے جے چند؟"

"آؤ! کہیں نہ کہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ پریشانی کی کیا بات ہے۔" جے چند نے کہا اور بسوں کے اڈے سے تھوڑے فاصلے پر ایک درخت کے نیچے ان دونوں نے آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ رتنا درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ جے چند

کہنے لگا۔ ''تمہیں میرے پریم کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا پڑی رتنا! کہاں تمہارا راج محل اور کہاں اس درخت کا سایہ۔''

''میں نے کہا نا جو بھی فیصلہ میں نے کیا ہے، سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ لیکن ایک بات میں تم سے کہوں گی۔ میری اور تمہاری تلاش میں بہت سے لوگ لگ جائیں گے۔ پرکاش چندر جی کو تو یہ بات معلوم ہوگی کہ تم غائب ہو گئے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وکرم کھنہ کو بھی اس کا پتہ چل جائے کہ میرے ساتھ تم بھی غائب ہو۔ اور پھر ایک اور برا آدمی وہاں موجود ہے۔''

''کون؟'' جے چند نے پوچھا۔

''دھرما سنگھ۔ وہ اتنی آسانی سے ہمیں نظرانداز نہیں کرے گا۔ وہ کمبخت کالے جادو کا ماہر بھی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے علم سے اس بات کا پتہ چلا لے کہ میں تمہارے ساتھ فرار ہوئی ہوں اور کہاں ہوں۔ ویسے بھی تمہیں ساری کہانی میں نے بتا دی ہے۔ جو وہ چاہتا تھا، وہ کچھ اور تھا اور اس کی وجہ سے وہ تمہیں میرے پاس لایا تھا۔ لیکن ہم نے کچھ اور ہی کر ڈالا۔''

''دیکھو رتنا! بات صرف ہمارے پریم کی ہے۔ اب جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔ صبح چلنے والی بس جہاں بھی ہمیں پہنچا دے گی، ہم وہاں جا کر اپنا ٹھکانہ بنانے کی کوشش کریں گے اور اس کے بعد جیون کے دوسرے سہارے تلاش کریں گے۔''

وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ رات سوتے، جاگتے گزری۔ صبح وہ تیار ہو گئے۔ اڈے پر لوگ آنا شروع ہو گئے تھے۔ جے چند اپنے ساتھ تھوڑا سا سامان لایا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک موٹی سی چادر رتنا کو اوڑھا دی اور اس سے کہا کہ اپنے آپ کو اس میں چھپا لے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنا بھی حلیہ تھوڑا سا تبدیل کر لیا تھا۔ ایک بڑی سی پگڑی باندھ کر وہ کوئی دیہاتی لگنے لگا تھا۔ ساتھ ہی کچھ اور سامان بھی اس کے ساتھ تھا۔

بہرحال دونوں بس میں بیٹھ گئے اور بس سفر کرنے لگی۔ رتنا نے زندگی کے بہت سے سرد وگرم دیکھ لئے تھے لیکن اب ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا تھا اور اسے اندازہ نہیں تھا کہ اب حالات اسے کون سے رُخ پر لے جا رہے ہیں۔ جے چند کے ساتھ زندگی کیسے گزرے گی؟ بظاہر تو وہ اس کی محبت میں دیوانہ تھا۔ اگر زندگی کے کچھ سال اس کی محبت کے سہارے گزر جائیں تو اچھا ہے۔ کم از کم یہ تو ہوگا کہ اسے عورت بننے کا موقع ملے گا۔ وہ اپنی ذات میں

بری نہیں تھی۔ جو کچھ بھی ہوا تھا، ایک حادثہ تھا۔ اس حادثے نے اسے حقیقی زندگی سے دور کر کے نجانے کیا بنا دیا تھا۔ مگر اسے وہ سب کچھ خود بھی پسند نہیں تھا۔ سفر جاری رہا۔ کھیتوں کے سلسلے ختم ہو گئے۔ بنجر زمین بس کے ساتھ ساتھ دوڑ رہی تھی۔ کبھی کوئی چھوٹی سی آبادی نظر آ جاتی اور اس کے بعد پھر وہی ویران سلسلے۔ دن کے کوئی گیارہ بجے کے قریب بس کا یہ سفر ختم ہو گیا۔ جس بستی میں وہ آ کر اترے تھے اس کا نام نئی بستی تھی۔ اچھا خاصا شہر آباد تھا لیکن اس کے بارے میں نہ جے چند کچھ جانتا تھا اور رتنا کے تو کچھ جاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ البتہ راستے میں جے چند اپنے برابر بیٹھے ہوئے ایک دیہاتی سے باتیں کرتا رہا تھا۔ نیچے اتر کر اس نے تانگہ لیا تو رتنا نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔ ''کسی خاص جگہ جا رہے ہو؟''

''ہاں! ہمیں کہیں نہ کہیں تو قدم جمانے ہی ہیں۔ میرے ساتھ جو دیہاتی بیٹھا تھا، میں نے اس سے اس بستی کے بارے میں پوچھا تھا۔ بستی میں کئی سرائے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں قیام کے لئے جگہ مل جاتی ہے۔ مجھے ایسی ہی ایک جگہ کا پتہ چلا ہے۔ وہ دیہاتی جو تھا، اس کا نام چمن سنگھ تھا۔ اس نے مجھے ایک عورت کا پتہ بتایا ہے۔ اس کا نام ہیرا ہے۔ ہیرا اپنے ہاں تھوڑے بہت عرصے کے لئے قیام کرنے والوں کو پناہ دیتی ہے۔ تھوڑے سے پیسے اسے دینے پڑیں گے۔ ہمارے عارضی قیام کے لئے وہ ایک اچھی جگہ ہو گی۔ لیکن ہم وہاں رکیں گے نہیں بلکہ تھوڑے عرصے کے بعد یہاں سے ایک اور آبادی چلیں گے۔ لیکن اس آبادی کے بارے میں معلومات حاصل کرنی پڑیں گی۔''

''بڑا لمبا سفر ہو گا یہ۔''

''بس! میری تم سے بنتی ہے کہ گھبرانا نہیں۔ اگر تم گھبرا گئیں تو سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔''

''نہیں! تم میری چنتا مت کرو۔ میں جیسے بھی ہو گا گزارہ کر لوں گی۔'' رتنا نے کہا۔

تانگہ اپنا سفر ختم کر کے کچے پکے مکانوں کی ایک بستی میں جا کر رُک گیا۔ مکانوں کی چھتوں پر پھونس کے چھپر پڑے ہوئے تھے۔ تانگے والے نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہیراوتی کا گھر وہ ہے۔''

جے چند، رتنا کے ساتھ نیچے اتر آیا اور پھر اس نے تانگے والے کو پیسے دیئے اور ہیراوتی

کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے دروازہ بجایا تو ایک نوجوان عورت نے دروازہ کھول دیا۔

''تم ہیراوتی ہو؟'' جے چند نے پوچھا۔

''نہیں! ماسی اندر ہے۔'' عورت بولی۔

پیچھے سے آواز آئی۔ ''کون ہے، رجنی! کون آیا ہے؟''

''ماسی! مہمان ہیں۔''

''تو اندر بلا لو۔ آؤ بیٹا! آؤ..... بھگوان سکھی رکھے۔ نئی نئی شادی ہوئی ہے تم لوگوں کی۔ آؤ! اندر آجاؤ۔ رہنے کی جگہ چاہئے کیا؟''

''ہاں ماسی جی! تھوڑے دن تمہارے ہاں رہنا چاہتے ہیں۔ چمن سنگھ نے تمہارے گھر کا پتہ بتایا ہے۔''

''آؤ..... آؤ..... بھگوان سکھی رکھے، آجاؤ! وہ سامنے والا کمرہ تم جیسے نئے شادی شدہ جوڑوں کے لئے ہی ہے۔'' بوڑھی عورت نے کہا اور وہ دونوں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ چھوٹا سا صحن، چھوٹا سا برآمدہ اور چاروں طرف چھوٹے چھوٹے کمرے۔ یہ مکان چھپر سے ڈھکا ہوا تھا۔ ٹھنڈا لیکن پرسکون۔ برآمدے میں پڑے ہوئے لکڑی کے ایک تخت پر ہیراوتی نے جلدی سے ایک چادر بچھائی اور ان دونوں کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ پھر بولی۔ ''دو، تین کمرے بنا رکھے ہیں۔ ان میں سے تین کمرے کرائے پر دیتی ہوں۔ تھوڑے، بہت پیسے مل جاتے ہیں۔ میرا پوتا پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔ اس کی دھرم پتنی اور بیٹا جو سات سال کا ہے یہاں رہتے ہیں۔ بس! یہی ہمارا جیون ہے۔ تم لوگوں کے آجانے سے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ مہمان تھوڑے سے پیسے دے دیتے ہیں جس سے ہمارا خرچ چل جاتا ہے لیکن آنے جانے والوں سے جو ملتا ہے، وہ بڑا ضروری ہوتا ہے ہمارے لئے۔''

''یہ لیجئے ماسی جی! آپ پیسے رکھ لیجئے اور ہم لوگوں کے لئے ذرا انتظامات کر دیجئے۔''

''تم پرواہ ہی نہ کرو۔ رجنی سارے انتظام کر دے گی تمہارے لئے۔''

تھوڑا سا سکون حاصل ہوا تھا۔ تھوڑی سی من کو شانتی ملی تھی اور یہ دونوں یہاں آنے کے بعد بڑی عجیب سی کیفیت محسوس کر رہے تھے۔ ایک بڑی سی چارپائی اس کمرے میں بچھا دی گئی تھی اور بوڑھی عورت حسب توفیق اُن کی خاطر مدارت کر رہی تھی۔ جے چند نے اسے جو

دے دیا تھا وہ بھی اچھا خاصا تھا اور بے چاری رجنی، جو ایک نوجوان عورت تھی ان دونوں کا بھرپور خیال رکھ رہی تھی۔

جے چند نے رتنا سے کہا۔ ''جگہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں بستی کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ اگر تمہیں کوئی مشکل پیش نہ آئے تو ذرا باہر گھوم آؤں؟''

''ہاں! کیوں نہیں۔''

''تو پھر میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' جے چند بولا اور وہاں سے چل پڑا۔

رتنا اپنے بارے میں سوچنے لگی۔ زندگی میں یہ تنہائی تو بہت پہلے سے پیدا ہو گئی تھی لیکن کئی ساری باتیں اب سامنے آ رہی تھیں۔ ہلکے سے خوف کا احساس بھی تھا۔ اپنے پیچھے اچھے خاصے دشمن لگے ہوئے تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دشمن اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ایسی صورت میں کیا، کیا جا سکتا ہے۔ رتنا اس وقت تنہائی میں اپنے آپ پر بہت غور کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ ابھی تو زندگی بڑی بے مقصد اور بے سہارا ہو کر رہ گئی ہے۔ آگے ہو سکتا ہے کہ زندگی کو کوئی سہارا حاصل ہو جائے۔ سچی بات تو یہ تھی کہ جے چند بھی اس کے من کا میت نہیں تھا۔ وہ تو بس ایک مجبوری تھی۔ کوئی سوچتا تو رتنا کو پاگل ہی سمجھتا۔ ایک بار سی زندگی کو اتنے سہارے مل گئے تھے۔ وکرم کھنہ پاؤں دھو دھو کر پیتا تھا۔ لیکن انسان کے دل میں ایک خواہش چھپی ہوتی ہے، ایک آرزو ہوتی ہے اس کے وجود میں۔ جسے وہ کبھی کبھی خود نہیں سمجھ پاتا اور اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ برسوں وہ اپنی ہی تلاش میں رہتا اور اپنے آپ کو نہیں پا سکتا۔ رتنا بھی شاید اسی کیفیت کا شکار تھی۔ وکرم کھنہ کی دوسری بیویوں نے اپنے من کے میت تلاش کر رکھے تھے اور ان کے ساتھ زندگی گزارتی تھیں۔ جہاں تک وکرم کھنہ کا تعلق تھا، ایک برا آدمی اتنی ہمت ہی نہیں رکھتا کہ کسی کی برائی کے خلاف کوئی ٹھوس قدم اٹھا سکے۔ وکرم کھنہ نے بھی اپنی تینوں بیویوں کو آزاد چھوڑ رکھا تھا اور کبھی اس طرف توجہ نہیں دیتا تھا کہ کون کیا رنگ رلیاں منا رہی ہے۔ یہ برے آدمی کا انداز تھا۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ رات ہو گئی۔ جے چند واپس نہیں آیا تھا۔ پتہ نہیں کہاں رُک گیا تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے ہیراوتی سے بھی تشویش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ کیا کہتی، کیا نہ کہتی۔ ہیراوتی بہت سی باتیں سوچتی۔ شاید اسے بھی اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ

مہمان آئے ہیں تو ان کا کیا ہوگا۔ سب سو گئے تھے۔ رتنا جاگ رہی تھی۔ بہت سے وسوسے، بہت سے خیالات اس کے دل میں تھے۔ کیا جے چند حالات سے گھبرا کر اسے چھوڑ کر چلا گیا؟ کیا اب وہ نہیں آئے گا؟ نہیں آتا تو بھاڑ میں جائے۔ میں اس منحوس حویلی سے باہر نکل آئی۔ اپنے لئے جگہ تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جے چند آخر مر کہاں گیا۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اس طرح سے تو اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ غرض یہ کہ بہت وقت گزر گیا۔ رات گہری سے گہری ہوتی چلی گئی تھی۔

اچانک ہی اس کے دل میں ایک عجیب سی خلش جاگ اُٹھی۔ اسے ایسا لگا جیسے کوئی اندر سے اس کا کلیجہ نوچ رہا ہو۔ اس کیفیت سے وہ گھبرا سی گئی۔ ایک نشہ سا طاری ہو گیا تھا اس پر اور وہ بدمست سی ہو گئی تھی۔ یہ خون کی طلب تھی..... یہ ایک انوکھا احساس ہوتا تھا۔ مگر اس وقت جب پورا چاند چمک رہا ہوتا تھا۔ چاند کی چمک اس کے حواس چھین لیتی تھی۔ بے حواسی کے عالم میں وہ باہر نکل آئی۔ اس کی بے چین نگاہیں چاروں طرف کچھ تلاش کر رہی تھیں اور پھر اس کی نگاہ اس سات سال کے بچے پر پڑی جو رجنی کا بیٹا تھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ رتنا کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ چاند کی بھیانک روشنی میں وہ آگے بڑھی اور بچے کی پھولی ہوئی رگ پر اُس کی نگاہیں جم گئیں۔ رفتہ رفتہ اُس کے چہرے پر حیوانی تاثر اُبھرنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی نگاہیں صرف اُس معصوم سے بچے کی گردن پر تھیں جس سے سانس کی آمد و رفت اور خون کی روانی جھلک رہی تھی۔ گلابی گلابی بدن اور اس میں متحرک خون..... ہاں..... یہ خون ہی تو رتنا کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

اس کے قدم آہستہ آہستہ بچے کی طرف بڑھے۔ پیار بھری نگاہوں سے اس نے اس معصوم سے کومل سے بچے کو دیکھا۔ پھر اس طرح جھکی جیسے بہت ہی خوبصورت چیز پر نگاہیں جم جاتی ہیں۔ اور پھر معصوم بچے تو قسمت کے پھول ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت وہ کسی پھول کی محبت میں نیچے نہیں جھکی تھی، بلکہ شہد کی مکھی کی طرح اس پھول کا رس چوسنے کے لئے جھکی تھی۔ اس کے نوکیلے، لمبے، بھیانک دانت بچے کی گردن تک پہنچ گئے۔ بچے کے منہ سے معصوم سی سسکاری نکلی۔ اس کے ننھے ننھے گلابی ہونٹ بھسورنے کے انداز میں جھکے اور اس کے بعد اس نے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیئے۔ لیکن رتنا کے طاقتور جسم کے آگے بچے کی کچھ نہ چلی۔ دو چار بار ہاتھ پاؤں مار کر وہ ساکت ہو گیا اور رتنا اس کی گردن کا خون چوسنے لگی۔ خون تھا ہی کتنا معصوم سے بچے کے بدن میں۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ سفید کاغذ کی مانند ہو گیا۔ تب رتنا نے اپنے بھیانک ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن اس کی گردن کے پاس رکھا اور اسے پوری قوت سے اندر دبا دیا۔ پھر وہ اس ناخن کو نیچے تک کھینچتی چلی گئی۔ بچے کا نازک سا وجود کھل گیا۔ اس کے اندر سے خون کے چند قطرے نمودار ہوئے۔ رتنا نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اس کی پسلیوں میں پھنسا کر دونوں ہاتھوں کی قوت صرف کی۔ بچے کی پسلیاں ٹوٹ کر اِدھر اُدھر ہو گئیں اور اس کے اندر کا نظام نمودار ہو گیا۔ رتنا نے خون آلود ہاتھ اندر ڈالا اور بچے کا ننھا سا کلیجہ کھینچ لیا۔ وہ کسی خونخوار بھیڑیئے کی طرح اس کے سارے وجود کو کھینچ رہی تھی۔ بچے کا کلیجہ نکال کر اس نے چبانا شروع کر دیا۔ اب وہ ایک ایسی بلی کی طرح چپ چپ کر کے اس کے کلیجے کو کھا رہی تھی جو بھوکی ہو اور چھیچھڑے کھا رہی ہو۔

اسی وقت رجنی وہاں پہنچ گئی۔ ایک لمحے تک تو وہ یہ نہ سمجھ پائی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن
باقی کچھ تھا یا نہیں تھا لیکن بچے کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ باقی وجود کہیں بھی نہیں تھا۔ اب و
زیادہ تر رتنا کے معدے میں اتر چکا تھا۔ رجنی کی دلخراش چیخ فضا میں گونجی اور اس کے بعد و
ایک بھیانک ناگن کی طرح رتنا پر ٹوٹ پڑی۔ اس نے رتنا کے بال پکڑ لئے اور چیخنے لگی۔
''تیرا ستیا ناس..... تیرا ستیا ناس..... اے بھگوان! یہ کیا کر ڈالا تو نے؟''

رتنا نے اسے گردن اٹھا کر دیکھا۔ لیکن اس وقت کوئی انسان رجنی کے سامنے نہیں تھا بلکہ ایک بھوکا بھیڑیا اس کی نگاہوں کے سامنے تھا جو کہ انسان تھا ہی نہیں۔ اس نے پوری قوت سے رجنی کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا اور رجنی کئی فٹ اونچی اچھل کر دور جا گری۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگی۔ اس کی چیخوں کی آوازیں دور دور تک گونج رہی تھیں اور چاروں طرف روشنی ہوتی جا رہی تھی۔ پھر یہ آوازیں ابھرنے لگیں۔ ''کون ہے؟..... کیا ہے؟''

''ہے بھگوان! جلدی آؤ..... ہے بھگوان! جلدی آؤ'' رجنی نے کہا اور بہت سے لوگ اس طرف دوڑ پڑے۔ رتنا اس وقت جس کیفیت میں تھی لیکن اس صورت میں اس کے اندر خاصی چالاکی پیدا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس نے صورت حال کی نزاکت کو سمجھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے ایک لمبی دوڑ لگا دی۔ رجنی چیخ رہی تھی۔ لوگ صورت حال کو سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ لیکن کچھ دیر بعد کچھ لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ کیا قصہ ہے۔

رجنی مسلسل چیخ رہی تھی۔ ''ہائے رام میرا بچہ..... ہائے رام میرا بچہ..... وہ گئی.... پکڑو اسے..... پکڑو.....''

بہت سے لوگ رتنا کی جانب دوڑ پڑے۔ لیکن رتنا اس وقت دوڑنے میں بھی با کمال ہوا کرتی تھی۔ وہ کسی ہرنی کی طرح چھلانگیں لگاتی ہوئی دوڑ رہی تھی۔ لوگ اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ لیکن یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکیں گے۔ بہت دور تک انہوں نے اس کا پیچھا کیا۔

ادھر رجنی تھی جو پچھاڑیں کھا رہی تھی اور سب سے بری حالت بیچارے جے چند کی تھی جو آنکھیں پھاڑے ہر ایک کو دیکھ رہا تھا۔ رجنی بہرحال ایک مضبوط اعصاب کی مالک عورت معلوم ہوتی تھی۔ اپنے بچے کی ایسی حالت دیکھ کر کوئی اور ماں ہوتی تو اس کا کلیجہ پھٹ جاتا

اور وہیں چیخ کر گر پڑتی اور جان دے دیتی۔ لیکن رجنی نے اپنے آپ کو سنبھالا ہوا تھا۔ پھر
س نے لوگوں کو بتایا کہ کس طرح رتنا نے اس کے بچے کا جیون لے لیا۔ لوگوں نے حیرت
ے بچے کی لاش دیکھی۔ اور جب لاش دیکھی تو کانپ گئے۔ ادھر جے چند حیران پریشان
کھڑا ہوا صورت حال معلوم کر رہا تھا۔ دفعتاً ہی رجنی کی نگاہ جے چند پر پڑی اور اس نے
ونی لہجے میں کہا۔ ''نہیں چھوڑوں گی پاپی..... نہیں چھوڑوں گی۔ میرا بچہ..... میرا بچہ.....
ئے میرا بچہ.....'' یہ کہہ کر اس نے قریب ہی ایک لکڑی کا کنڈا اٹھا لیا اور اسے دونوں
تھوں سے پکڑ کر جے چند کے سر پر دے مارا۔ اس نے یہ کنڈا اس قوت سے مارا تھا کہ
ے چند کا بھیجہ باہر نکل پڑا۔ اس کے منہ سے چیخ بھی نہیں نکل سکی تھی۔ اتنی دیر میں کہ لوگ
نی کو روکتے، رجنی نے مزید کئی وار جے چند پر کئے۔ لیکن جے چند پر تو پہلا ہی وار کامیاب
گیا تھا۔ اس طرح وہ بیچارہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ایک عجیب حادثہ رونما ہوا تھا۔
جے چند بدبخت کی موت اسی طرح لکھی ہوئی تھی۔ لیکن وہ جو اس موت کا کارن تھی،
ڑتی چلی جا رہی تھی۔ لوگ اب بھی اس کے پیچھے تھے۔ لیکن اب وہ اس کی گرد کو بھی نہیں پا
ہے تھے۔ وہ کسی ایسے گھوڑے کی مانند دوڑ رہی تھی جس کے سوار نے اسے بے لگام چھوڑ
ہو۔ اس کی رفتار بے پناہ تیز تھی۔ وہ تھکے بغیر دوڑے چلی جا رہی تھی۔ نہ راستے کا کوئی
ازہ تھا، نہ سمت کی کوئی پرواہ۔ اونچی اونچی چٹانیں آتیں تو وہ ان کو اس طرح پھلانگ
ی جیسے کوئی گھوڑا چھلانگیں لگا رہا ہو۔ کئی گھنٹے اسی طرح گزر گئے۔ کچھ وقت کے بعد اس
، اپنے سامنے ایک انوکھی عمارت دیکھی۔ ٹوٹا پھوٹا کھنڈر، ویرانہ سا تھا۔ قرب و جوار میں
ریلی چٹانوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا تھا بلکہ یہ کھنڈر نما عمارت جو تھی وہ بھی انہی پتھر
چٹانوں سے بنی ہوئی تھی۔ آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ رتنا نے سوچا کہ یہاں کچھ دیر
ام کر لیا جائے۔ اس کے بدن میں بے پناہ توانائی تھی اور وہ خوب طاقت محسوس کر رہی
۔ اپنی من پسند چیز کھانے کے بعد اس کے اندر جو قوت پیدا ہو جاتی تھی اس وقت اگر
اس قوت سے ٹکرانے کی کوشش کرتا تو اسے اپنی زندگی کا سب سے بھیانک تجربہ ہو سکتا

بہرحال یہ ویرانہ رتنا کے لئے بڑی دلکشی کا باعث تھا۔ یہاں وہ بڑے سکون سے آرام
کتی تھی۔ اس کا تعاقب کرنے والوں کا تو اب کوئی نام و نشان ہی نہیں تھا۔ کون مائی کا

لال تھا جو اتنا فاصلہ طے کر کے اس کے پیچھے آتا۔ پرسکون جگہ تھی۔ رتنا نے اپنے لئے ایک ایسی صاف ستھری چٹان منتخب کی جہاں وہ آرام سے لیٹ سکتی تھی اور اس کے بعد وہ گہری نیند سو گئی۔ نجانے کب تک سوتی رہی۔ اس وقت جاگی جب بارش کے قطرے اس کے چہرے پر پڑے۔ آسمان ابر آلود ہو رہا تھا بلکہ کالا ہو رہا تھا اور مدہم مدہم بوندوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ رتنا نے آنکھیں کھول کر قرب و جوار کے ماحول کو دیکھا اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا یہ کیا ہوا.....؟ اجے چند کہاں گیا اور..... اور...... وہ..... وہ کہاں ہے؟ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس چٹان پر کھڑے ہو کر چاروں طرف کے ویرانے کو دیکھا اور پھر اس کا ذہن آہستہ آہستہ کام کرنے لگا۔ رات کے گزرے ہوئے واقعات اس کے ذہن میں اتر رہے تھے اور وہ ایک ایک لمحہ یاد کر رہی تھی۔

ہائے رام! یہ تو برا ہوا۔ جے چند وہاں پھنس گیا ہوگا۔ یہ میں نے کیا، کیا۔ بہت دیر تک وہ جے چند کے بارے میں سوچتی رہی اور پھر اداس سی ہو کر اسی چٹان پر بیٹھ گئی۔ یہ تو بہت ہی برا ہوا۔ ایک جے چند ہی کو تو جیون کا ساتھی چنا تھا، وہ بھی جدا ہو گیا۔ بستی والوں نے ظاہر ہے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا ہوگا۔ لیکن میں کیا کرتی؟ اس بچے کو دیکھ کر مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا۔ آہ! چاند بھی تو نکلا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ تھا۔

وہ بہت دیر تک سوچتی رہی۔ اس کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر اس نے سوچا کہ چلو اور کچھ ہوا نہ ہوا، کم از کم اس خوفناک ماحول سے تو نجات ملی جس میں وہ پھنسی ہوئی تھی یعنی وکرم کھنہ کے گھر سے۔ اُسے اُس محل یا حویلی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بھلا دولت کا مجھے کیا کرنا ہے۔ لیکن میرے جیون میں تو کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ تنہا..... ویران..... اکیلی زندگی۔ یہ ماحول تو ایسا لگتا ہے جیسے میرے جیون کی طرح سے ہو۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا اور اس کے بعد نگاہیں دوڑانے لگی۔ عجیب سا کھنڈر تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے جگہ جگہ پتھروں نے ہوا کی تراش سے متاثر ہو کر یہ عمارت تخلیق کی ہو۔ انسانی ہاتھوں کا کارنامہ تو لگتا ہی نہیں تھا۔ دیکھوں تو سہی، اندر سے کیسا ہے؟ رتنا نے سوچا اور پھر جو کچھ گزری تھی، اسے بھول کر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور اس عمارت کے اندرونی حصے میں داخل ہو گئی۔ بہت بڑی عمارت نہیں تھی۔ بس ایک بڑا سا دالان اور ایک بڑا سا کمرہ بنا ہوا تھا۔ کمرے کا ماحول نیم تاریک سا تھا۔ اور جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو ایک دم چونک پڑی۔ ایک شخص اسے نظر آیا جو

کھڑا ہوا اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ یہاں اس ویران ماحول میں اس شخص کو دیکھ کر رتنا کو حیرت کا احساس ہوا۔ پھر وہ سمجھ گئی۔ تب ہی اس آدمی نے کہا۔ ''کون ہو تم؟ آگے آؤ.....''

رتنا کچھ لمحے سوچتی رہی۔ پتہ نہیں کون ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ لیکن کیا بگاڑ لے گا اس کا؟ اس وقت رتنا جس کیفیت میں تھی، اس میں اس کے دل میں خوف کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ نیا نیا انسانی خون پیا تھا۔ وہ آگے بڑھتی چلی گئی اور اس شخص کے پاس پہنچ گئی۔

وہ ایک جوان آدمی تھا۔ اچھی شکل و صورت کا مالک تھا۔ لیکن وہ پتھر کی ایک چٹان میں آدھا گھسا ہوا تھا۔ ''کون ہو تم؟ یہاں کہاں سے آ گئیں؟'' اس نے سوال کیا۔

''یہی سوال میں تم سے کر سکتی ہوں۔''

''کیا؟''

''یہی کہ تم اس پتھر میں گھسے کیا کر رہے ہو؟''

''میں پتھر میں گھسا ہوا نہیں ہوں، بلکہ میرا آدھا جسم پتھر کا ہے۔''

''کیا.....؟'' رتنا حیرت سے بولی۔

''تم یقین کرو۔ چھو کر دیکھ لو۔ میرا آدھا جسم پتھر کا ہے۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن تم کون ہو؟''

''رتنا ہے میرا نام۔''

''یہاں کیسے آ گئیں؟''

''بس! جیسے بھی آ گئی۔ مگر تم جو کچھ کہہ رہے ہو، وہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''ہاں! بہت عرصے کے بعد مجھے کسی انسان سے بات کرنے کا موقع ملا ہے۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں، تمہیں واقعی سمجھ نہیں آئے گا۔''

''تم زندہ کیسے ہو؟''

''بس! میں نہیں جانتا، میں کیسے زندہ ہوں۔''

''کتنے عرصے سے اس حالت میں ہو؟''

''بہت زیادہ دن نہیں ہوئے۔''

''کھاتے پیتے کیا ہو؟''

''کچھ نہیں.....''

''یہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ پھر زندہ کیسے ہو؟''

''بس! یہ میں نہیں جانتا۔ تم یہ سمجھ لو میں ایک ایسے جادو کے پھیر میں پھنس گیا ہوں جس سے نکلنا اب میرے لئے ممکن نہیں رہا۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ مجھے کھانے پینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی۔''

''جھوٹ بول رہے ہو۔''

''دیکھو لڑکی! تم جو کوئی بھی ہو، مجھے تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ بس انسانیت کے نام پر میں تم سے تھوڑی سی ہمدردی چاہتا ہوں۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم مجھ سے تھوڑی سی باتیں ہی کرلو۔''

''سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے تمہاری بات پر یقین ہی نہیں ہے۔''

''تو تم یوں کرو۔ وہ سامنے دیکھو! لکڑی کا موٹا سے ٹکڑا پڑا ہوا ہے۔ اسے اٹھا کر میرے نچلے بدن پر جتنی قوت سے مار سکتی ہو مارو۔ اگر تم اس پتھر کو توڑ دو تو بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ میرا بدن ہے۔''

''تعجب کی بات ہے۔'' رتنا نے تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر بولی۔ ''کسی جادوگر کے پھیر میں پھنس گئے ہو؟''

''ہاں.....''

''کون ہے وہ؟''

''رندھیرا۔''

''رندھیرا کون؟''

''رندھیرا کی کہانی بڑی عجیب ہے۔''

''اگر بتانا چاہو تو مجھے بتاؤ۔''

''ہاں! میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ بہت عرصہ سے میرے سینے میں یہ ایک کہانی پک رہی ہے اور میں سوچ رہا تھا کہ کاش کوئی اسے سننے والا ملے۔''

''بتاؤ۔ تم مجھے بتاؤ۔''

''بہت پرانی بات ہے۔ میں ایک اچھی خاصی زندگی گزار رہا تھا۔ میرا نام ممدو ہے۔ ریلوے سٹیشن پر قلی کا کام کرتا تھا۔ اچھے خاصے بدن کا مالک تھا۔ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں

لیکن میرے دل میں ایک خواہش تھی۔ کہیں سے دولت کماؤ مسافر گاڑیوں سے اترتے تھے تو میں ان کا سامان لے کر باہر جاتا تھا۔ اس وقت بھی میرے دل میں برائی ہی رہتی تھی۔ میں سوچتا تھا کہ مجھے کوئی ایسا بوڑھا مسافر ملے جس کے پاس نوٹوں سے بھرا ہوا بیگ ہو۔ وہ بیمار ہو۔ بیگ مجھے دے اور کہے کہ فلاں جگہ پہنچا دو۔ اور پھر راستے میں مر جائے۔ کبھی میں سوچتا کہ ریل کے کسی ڈبے میں سیٹ کے نیچے زیورات سے بھرا ہوا صندوق مل جائے۔ بس یہی میرے دل میں خواہش رہا کرتی تھی۔ ایک دن صبح کا وقت تھا۔ ٹرین آکر رکی تھی۔ ایک بیگم صاحبہ مجھے ملیں۔ ان کے پاس ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس اور معمولی سا سامان تھا۔ مجھے لے کر باہر آئیں اور پھر انہوں نے کہا۔ ''قلی! میرے ساتھ چلے گا؟''

''جی، بیگم صاحبہ! میں سمجھا نہیں۔''

''یہ سامان لے کر میرے ساتھ چلے گا؟''

''کہاں.....؟''

''جہاں میں لے جاؤں گی۔''

''مگر ہماری تو یہاں ڈیوٹی ہے جی۔''

''یہ ڈیوٹی تو کیوں کر رہا ہے؟''

''ڈیوٹی تو ڈیوٹی ہوتی ہے بیگم صاحبہ جی!''

''وہ تو ہوتی ہے۔ مگر پیسوں کے لئے کام کرتا ہے نا تو؟ پیٹ کے لئے کرتا ہے نا یہ کام؟''

''ہاں جی!''

''اگر میں تجھے نوٹوں کے اتنے ڈھیر دے دوں کہ تجھے ساری زندگی کچھ کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے تو کیا تجھے یہ بات پسند نہیں آئے گی؟''

''کیوں پسند نہیں آئے گی بیگم جی! بھلا کس انسان کی خواہش نہیں ہوتی کہ اسے بڑی سے بڑی رقم مل جائے۔''

''تو پھر چل میرے ساتھ۔''

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ بیگم صاحبہ کوئی سر پھری معلوم ہوتی ہیں۔ دے رہی ہیں تو کیوں نہ لے لیا جائے۔ چنانچہ میں نے ان سے وعدہ کرلیا۔ ہم باہر نکل آئے۔ باہر آ

کر ایک کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ بس! میں کیا بتاؤں، کیا لگ رہا تھا مجھے۔ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ یہ کار بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ بیٹھ کر ہی انسان کو مزہ آتا ہے۔ ہم سفر کرتے رہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ فاصلہ کتنا طے ہو گیا ہے۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ اگر بیگم صاحب جی نے واقعی کوئی بڑی رقم دے دی تو میری آئندہ زندگی کیسی گزرے گی؟ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ کار جن کھنڈرات میں داخل ہو رہی تھی وہ تو بہت ہی پرانے تھے اور میں اس طرف کبھی نہیں آیا تھا۔ لیکن یہ اندازہ مجھے اچھی طرح ہو گیا تھا کہ بستی بہت پیچھے رہ گئی ہے اور یہ کھنڈرات بستی سے بہت دور ہیں۔ لیکن بہرحال بڑے لوگوں کی باتیں بڑی ہی ہوتی ہیں۔ جہاں ان کا دل چاہے رہیں، کون انہیں روک سکتا ہے؟ کار کھنڈرات میں داخل ہو گئی۔ اور یہاں پہنچنے کے بعد میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ سامنے کے حصے بے شک ٹوٹے ہوئے تھے لیکن اندر جو کالی کالی عمارت نظر آ رہی تھی وہ تو بالکل مضبوط تھی۔ میں نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن حیرانی سے اس راستے کو دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ کار ایک ایسے دروازے کے سامنے آ کر رک گئی جہاں لکڑی کا ایک بہت بڑا پھاٹک لگا ہوا تھا اور اس میں پیتل کی کیلیں جڑی ہوئی تھیں۔ پھاٹک کے نیچے ایک کھڑکی سی تھی۔ اور جب بیگم صاحبہ نے مجھے نیچے اترنے کے لئے کہا تو میں حیران حیران سا نیچے اترا اور سامان اٹھا کر اندر چل پڑا۔ وہاں بڑی ٹھنڈک تھی۔ زمین صاف شفاف۔ راستہ ایسا کہ دیکھیں تو دل خوش ہو جائے۔ لیکن مجھے بہت عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ اندر کا ماحول واقعی بڑا صاف ستھرا تھا۔ لیکن مجھے یہ حیرت ہو رہی تھی کہ یہ اتنی اچھی بیگم صاحبہ یہاں کیسے رہتی ہیں۔ یہاں تو کوئی اور نظر بھی نہیں آ رہا۔ بالکل خاموشی اور سنسان سی کیفیت یہاں پھیلی ہوئی تھی۔

آخر کار بیگم صاحبہ ایک دروازے کے پاس رکیں اور انہوں نے مجھ سے کہا۔ ''آؤ! سامان لے کر اندر آ جاؤ۔'' یہ کہہ کر انہوں نے دروازہ کھولا اور آگے بڑھ گئیں۔ اس کے بعد مجھے جو راستہ طے کرنا پڑا وہ ایسی جگہ سے گزرتا تھا جو نیچے ڈھلان میں تھا۔ میں نے حیرت سے بیگم صاحبہ کو دیکھا اور بولا۔ ''کتنی دور اور جانا ہو گا جی؟''

''کیا سامان بہت وزنی ہے؟ چلا آ میرے ساتھ۔'' بیگم صاحبہ نے کسی قدر ناگواری سے کہا اور میں خاموشی سے آگے بڑھتا رہا۔ ڈھلان تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی

لیکن نجانے کیوں اب میرے حواس خراب ہوتے جا رہے تھے۔ یہ کیسا گھر ہے؟ کیا بڑے لوگ ایسے گھروں میں رہتے ہیں؟ یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ڈھلان ختم ہوئی اور میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جو بہت بڑی جگہ تھی۔ میں نے کسی ایسے کمرے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ یہاں عجیب و غریب چیزیں رکھی ہوئی تھیں لیکن ایک دیوار کے ساتھ کچھ کچھ نظر آیا، اسے دیکھ کر میری روح ہی فنا ہو گئی۔ یہ انسانی ڈھانچے تھے..... چمکدار انسانی ڈھانچے..... جو دیوار کے ساتھ اس طرح لگے ہوئے کھڑے تھے جیسے زندہ انسان ہوں۔ میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ کیسی جگہ ہے بیگم جی؟''

''بکواس مت کر! ادھر آ۔'' اب بیگم صاحبہ کا لہجہ بدل گیا تھا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے جی!''

''تو پھر مر جا.....''

''وہ جی مگر..... یہ جگہ ہی عجیب ہے۔''

''سن! تجھے اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ دولت چاہئے یا نہیں؟''

''نہیں جی! ایسی دولت نہیں چاہئے۔ جو دینا ہے دے دو مجھے۔ آگے نہیں جاؤں گا۔''

''بکواس کر رہا ہے۔''

''یہ..... یہ کیا ہے جی! یہ تو انسانی ڈھانچے ہیں۔''

''ہاں ہیں..... تو پھر؟''

''مم..... مگر یہ.....''

''دیکھ میری بات سن! میں تجھے کچھ دینا چاہتی ہوں۔ چل! ادھر آ! اس پتھر پر بیٹھ جا۔ تجھے جو کچھ دینا ہے نکال کر دے رہی ہوں۔''

''بیٹھوں گا نہیں جی! کھڑا ہوا ہوں۔ جو کچھ دینا ہے، دے دو'' میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

بیگم صاحبہ مجھے گھورنے لگیں۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''نام کیا ہے تیرا؟''

''ممدو.....''

''ہونہہ..... ممدو! میری بات سن۔ اگر تو نے میری باتیں مان لیں تو یوں سمجھ لے کہ تجھے زندگی کی ایسی شاندار چیزیں ملیں گی کہ تو حیران رہ جائے گا۔''

''دیکھو بیگم صاحبہ جی! ہم نجانے کیوں آپ کے دھوکے میں آ گئے۔ ہمیں تو بس اتنا چاہئے جی کہ ہماری زندگی آرام سے گزر سکے۔''

''جھوٹ بولتا ہے تو۔ ساری زندگی تو دوسروں کے مال پر نگاہیں جمائے رہا ہے۔ تو نے دل میں سوچا ہے کہ کوئی نوٹوں سے بھرا ہوا صندوق بھول کر چلا جائے۔ تو نے دل میں سوچا ہے کہ مجھے ریل کی سیٹوں کے نیچے سے زیورات سے بھرا ہوا کوئی صندوق مل جائے۔ تو ہمیشہ امیر بننے کے خواب دیکھتا رہا ہے اور اب میرے سامنے جھوٹ بول رہا ہے۔''

میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ میں نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔ ''بیگم صاحبہ جی! آپ کو یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہیں؟''

''مجھے جو کچھ معلوم ہے تیرے بارے میں وہ غلط نہیں ہے۔ اور تو ایک بات سن! بس! میں تجھے کچھ دینا چاہتی ہوں۔ کیا تو یہ نہیں جانتا کہ کچھ حاصل کرنے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے؟''

''وہ تو ساری باتیں ٹھیک ہے بیگم صاحبہ جی! مگر آپ کون ہو؟ یہ جگہ بڑی عجیب ہے۔ ہمیں بس اس سے ڈر لگ رہا ہے۔''

''اس پتھر پر بیٹھ جا! میں ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتی ہوں۔'' انہوں نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گئیں۔ میں تو حیرت سے پریشان کھڑا ہوا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ میرے دل کی بات بیگم صاحبہ کو کیسے معلوم ہوئی؟ بہت بڑا دماغ نہیں تھا میرا بی بی! بہر حال، وہ تو واپس چلی گئیں اور میں پریشانی کے عالم میں اس پتھر پر جا بیٹھا۔ میرے دل میں بہت برے برے خیالات آ رہے تھے۔ لگ رہا تھا کسی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ بہر حال! ایک بار پھر میری نظر ڈھانچوں پر پڑی تو خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ساری ہی باتیں عجیب وغریب تھیں۔ آخر یہ ڈھانچے یہاں کیوں رکھے ہوئے ہیں؟ پتہ نہیں بیگم صاحبہ کوئی جادوگرنی ہے۔

پانچ منٹ..... دس منٹ..... اور پھر ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اب میری حالت بہت بری ہو رہی تھی۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کی طرف بھاگا۔ اب کچھ ملے یا نہ ملے یہاں سے نکل بھاگنا بہت ضروری ہے۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی مصیبت میرے سر پر آن پڑی ہے۔ میں آگے بڑھ کر اس جگہ پہنچا جہاں سے گزر کر یہاں تک آیا تھا۔ لیکن شاید

غلط جگہ آ گیا تھا۔ یہاں تو صرف ایک دیوار تھی اور اس دیوار میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ مگر بیگم صاحبہ تو ادھر سے ہی گئی ہیں۔ مجھے کوئی غلطی تو نہیں ہوئی؟ میں نے سوچا اور دیوار کو ٹٹول ٹٹول کر دروازہ تلاش کرنے لگا۔ اب تو میرا دل چاہ رہا تھا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگوں۔ کوئی دروازہ یہاں موجود نہیں تھا۔ میں نے چیخ کر کہا۔ ''بیگم صاحبہ جی.....! مجھے نکالو یہاں سے..... میں مر جاؤں گا..... بیگم صاحبہ جی! مجھے نکالو یہاں سے..... تمہیں اللہ کا واسطہ۔''

اچانک ہی مجھے ہنسی کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز پیچھے سے آئی تھی۔ میں چونک کر پلٹا۔ میں نے سوچا شاید کوئی دروازہ ادھر ہے۔ لیکن پھر یہ دیکھ کر مجھ پر غشی سی طاری ہونے لگی کہ ہنسنے والا ان ڈھانچوں میں سے ایک تھا۔ وہ منہ کھول کھول کر ہنس رہا تھا۔ کسی ڈھانچے کو میں نے پہلی بار ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور میں خوف سے دیوار سے لگ گیا۔ ڈھانچہ ہنس رہا تھا۔ پھر دوسرے ڈھانچے نے بھی ہنسنا شروع کر دیا۔ اور اس کے بعد سارے ڈھانچے ہنسنے لگے۔ ان کے ہنسنے کی آوازیں بڑے ہال نما کمرے سے ٹکرا ٹکرا کر اُبھر رہی تھیں اور خوف سے میرا خون خشک ہو رہا تھا۔ میں نے حلق پھاڑتے ہوئے کہا۔

''جانے دو مجھے.....''

ڈھانچے اور زور زور سے ہنسنے لگے۔ پھر اچانک ہی خاموش ہو گئے۔ میں اپنی جگہ سمٹا کھڑا رہا۔ اچانک ہی مجھے محسوس ہوا جیسے کمرے میں دھند سی ہو رہی ہے۔ سفید سفید دھند..... آہستہ آہستہ یہ دھند پورے کمرے میں پھیل گئی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا دم گھٹ رہا ہو۔ میں نے اپنے ہاتھ گردن پر رکھ لئے۔ میری آنکھیں حلقوں سے باہر نکلنے لگیں۔ پتہ نہیں کیا ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ میرے پیروں کی جان نکلنے لگی اور اس کے بعد میں زمین پر بیٹھ گیا۔ مجھے کوئی ہوش نہیں رہا تھا۔ پھر نجانے کب ہوش آیا تھا۔ پورا بدن اس طرح اینٹھ رہا تھا جیسے شدید سردی میں پڑا رہا ہو۔ کافی دیر تک میں اسی عالم میں پڑا رہا۔ پھر میں نے اٹھنے کی کوشش کی، مگر بدن ایک طرف لڑھک گیا۔ میرا سارا بدن اکڑ گیا تھا۔ رفتہ رفتہ میں نے ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کر دیئے اور تھوڑی دیر کے بعد میری کیفیت بحال ہو گئی۔ پھر میں نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں اور یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اب میں اس جگہ نہیں تھا جہاں وہ خوفناک ڈھانچے موجود تھے بلکہ یہ کوئی دوسری ہی جگہ تھی۔ بڑا اچھا کمرہ تھا۔ چھت اونچی تھی۔ کمرے کی دیواروں میں لائٹیں لگی ہوئی تھیں۔ سامنے کی سمت ایک دروازہ بھی نظر آ رہا

تھا۔ میرے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات گھومنے لگے۔ میں دل ہی دل میں اپنے آپ پر لعنت بھیجنے لگا۔ سچی بات یہ ہے کہ دولت کا لالچ انسان کو پاگل بنا دیتا ہے۔ کاش میں صرف ایک قلی رہتا۔ عزت سے جو روٹی ملتی، اسی پر گزارہ کرتا۔ وہ روٹی جو عزت اور محنت سے کمائی جائے، دنیا کی سب سے اچھی اور سب سے ہلکی روٹی ہوتی ہے۔ کم از کم انسان اس کے حصول کے لئے کسی مصیبت کا شکار نہیں ہوتا۔ جبکہ دولت کا لالچ اسے ہمیشہ ذلیل و خوار کرتا ہے۔ نہ صرف ذلیل و خوار کرتا ہے بلکہ کبھی کبھی زندگی کی مشکل بھی آن پڑتی ہے۔ بہت دیر تک میں انہی خیالات میں ڈوبا رہا۔ اپنے ساتھی قلی یاد آئے۔ نجانے کتنا وقت گزر چکا تھا۔ وہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ ہمارا ٹھیکیدار جو ہمیں تنخواہ دیا کرتا تھا اور جس کے پاس ہمیں حاضری لگانی پڑتی تھی، بڑا ہی سخت مزاج تھا۔ کوئی بغیر کہے سنے غائب ہو جاتا تو بس ٹھیکیدار مصیبت ہی ڈال دیتا تھا۔ اتنی بری طرح ڈانٹ ڈپٹ کرتا کہ بندے کا دم نکل کر رہ جائے۔ اب میں کیا کروں؟

میں نے دل میں سوچا۔ بہرحال اپنی جگہ سے اٹھا اور اس دروازے کی طرف چلا جو مجھے نظر آ رہا تھا۔ یہ کسی اچھے درخت کی لکڑی کا دروازہ تھا جس پر عجیب و غریب نقش و نگار بنے ہوئے تھے لیکن وہ باہر سے بند تھا۔ میں نے اسے خوب ہلایا جلایا لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ دروازہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ اس دروازے کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں سے باہر نکلا جا سکے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے اس بات کا احساس ہو گیا کہ میں یہاں ایک قیدی کی حیثیت رکھتا ہوں۔ بہرحال یہ سارا معاملہ بڑا ہی سنسنی خیز تھا۔ اچانک ہی میری نگاہیں دیواروں پر پڑیں۔ دیواروں پر کچھ تصویریں آویزاں نظر آئیں۔ یہ سب عجیب و غریب تصویریں تھیں اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ زندہ ہوں۔ بھیانک تصویریں جو دیوار پر لگی ہوئی تھیں کسی ایسے رنگ سے بنائی گئی تھیں جو چمکتا تھا لیکن حیرانی کی بات یہ تھی کہ جو تصویر میری نگاہوں کے سامنے تھی اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور چند لمحوں کے بعد جب میں نے ان پر غور کیا تو مجھے وہ آنکھیں بند محسوس ہوئیں۔ میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان تصویروں کو دیکھا اور دوسرے لمحے میرے سارے جسم میں دہشت کی شدید لہر دوڑ گئی۔ میں نے صاف دیکھا تھا کہ وہ تصویریں ایک دوسرے کو اشارہ کر رہی تھیں اور مسکرا رہی تھیں۔ ان کا انداز الکل ایسا تھا جیسے زندہ افراد ہوں اور

ب دوسرے سے باقاعدگی کے ساتھ توجہ ہو رہی ہوں۔ دیواروں پر سرسراہٹیں بھی محسوس ہو ہی تھیں۔ میرے خدا! میرا دل خوف و دہشت سے بند ہوتا جا رہا تھا۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اچانک ہی دروازے پر آہٹ سی ہوئی۔ اس کے بعد دروازہ ھلا اور میں نے دیکھا کہ چار افراد اپنے کندھے پر ایک تابوت اُٹھائے اندر آئے۔ میں وف و دہشت سے ایک طرف کھڑا آنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سیاہ رنگ کے لمبے بادے اوڑھے ہوئے تھے اور ان کے چہرے ان لبادوں میں ڈھکے ہوئے تھے۔ سارے کا سارا ماحول سنسنی خیز تھا۔ میرے دل میں صرف ایک ہی احساس ابھر رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ کاش میں بھی دوسرے قلیوں کی مانند زندگی گزارتا اور کوشش کرتا کہ جو کچھ مجھے محنت سے مل جائے وہی میری زندگی کا مقصد بن جائے۔ لیکن دولت کے حصول کی کوشش نے آخر کار مجھے زندہ درگور کر دیا تھا۔

تابوت کا ڈھکن کھول دیا گیا۔ میری نگاہیں بے اختیار اس تابوت پر پڑیں اور میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ یہ میری آنکھوں کی خرابی ہے یا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، وہی حقیقت ہے۔ آہ، میرے خدا! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ تابوت میں تو میں لیٹا ہوا تھا۔ ہاں..... یہ میں ہی تھا۔ وہ میرا ہی جسم تھا۔ میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتی تھیں۔ یہ میرا اپنا وجود تھا۔ میں نے دہشت زدہ انداز میں اپنے بدن کو ٹٹول کر دیکھا۔ اگر میں اس تابوت میں لیٹا ہوا ہوں تو یہ کیا ہے جو میرے وجود میں موجود تھا؟ لیکن میرا اپنا جسم میرا تھا۔ لازمی بات تھی کہ تابوت میں جو انسانی جسم لیٹا ہوا ہے وہ کسی اور کا ہی ہے۔ البتہ مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔ وہ چاروں جو اس تابوت کو لے کر آئے تھے خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ نجانے ان کے ذہنوں میں کیا سوچ تھی؟ ان کے نقوش تو میری آنکھوں کے سامنے تھے نہیں کہ میں ان کی حقیقت کو سمجھتا۔

پھر اچانک ہی اس کمرے کی اندرونی دیوار میں ایک خلا پیدا ہوا۔ اس کی آواز اتنی زور دار تھی کہ مجھے چونک کر اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ پھر میں نے انہی بیگم صاحبہ کو دیکھا جو مجھے یہاں لے کر آئی تھیں۔ وہ اس خلا سے اندر آ رہی تھیں۔ لیکن ان کا چہرہ..... اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ اس چہرے پر کوئی بہت ہی خاص بات ہے۔ ہاں..... خاص بات تو تھی۔ چہرہ بالکل وہی تھا لیکن ان کی آنکھوں کی سیاہ پتلیاں غائب تھیں اور وہ جس طرح چل

رہی تھیں وہ بھی حیرت انگیز بات تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے اس کے قدم نہ اٹھ رہے ہوں بلکہ وہ کسی مشینی انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ میرے خدا! کیا ہے یہ سب کچھ؟ میں کس جال میں پھنس گیا ہوں؟ میں نے سوچا۔

بہرحال! وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھیں اور تھوڑی دیر کے بعد اس تابوت کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔ چاروں لبادہ پوش بھی اسی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ بیگم صاحبہ نے ایک لبادہ پوش کی جانب دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ اس شخص نے اپنے لمبے سے لباس میں سے ایک لمبی سی نوکیلی چھری نکال کر بیگم صاحبہ کو دے دی۔ یہ چھری خنجر نما تھی۔ یعنی عجیب و غریب انداز کی بنی ہوئی تھی۔ اس پر لگا ہوا دستہ بے حد چمکدار تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس میں ہیرے جڑے ہوں۔ بیگم صاحبہ نے دونوں ہاتھوں سے وہ چھری یا خنجر پکڑا اور تابوت کے سامنے کھڑی ہوگئیں۔

نجانے کیوں مجھے یہ خوف محسوس ہونے لگا کہ کہیں مجھے قتل نہ کر دیا جائے۔ لیکن میں تابوت میں تھا ہی کہاں۔ میں تو اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ تابوت میں تو میرے جیسا ایک بدن لیٹا ہوا تھا۔ خدا کی پناہ! کوئی بہت ہی بڑا طلسمی چکر تھا جس میں، میں پھنسا ہوا تھا۔ بیگم صاحبہ سیدھی کھڑی ہوگئیں۔ وہ بڑے اچھے نقوش کی مالک تھیں۔ پھر اچانک ہی انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے اور پھر پوری قوت صرف کر کے انہوں نے وہ لمبا خنجر تابوت میں لیٹے ہوئے میرے بدن کی گردن میں داخل کر دیا۔ مجھے اچانک ہی اپنی گردن میں شدید تکلیف کا احساس ہوا۔ میرے حلق سے دہشت بھری آواز نکل گئی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن پکڑ لی۔ لیکن نہ تو ان میں سے کوئی میری دہشت بھری آواز پر متوجہ ہوا اور نہ ہی کسی نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ مجھ پر کیا گزری ہے۔ میری گردن میں شدید تکلیف ہو رہی تھی اور مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ نوکیلا خنجر میری گردن میں ہی پیوست ہوا ہو۔

بیگم صاحبہ نے دوسرے آدمی کی طرف رُخ کر کے اُسے دیکھا اور اس شخص نے دوسرا خنجر ان کے حوالے کر دیا۔ بیگم صاحبہ نے دوسرا خنجر میرے عین سینے میں ترازو کر دیا تھا۔ اور پھر اچانک ہی میرا سر چکرانے لگا۔ میری آنکھیں خوف سے بند ہوئی جا رہی تھیں۔ مجھے اپنے سینے میں بھی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ بہت دیر تک میں نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ پھر اچانک ہی میرے شانوں، پیشانی، دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور پیروں میں سخت تکلیف

ہونے لگی اور میں درد و کرب سے کراہنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں زمین پر لیٹ گیا۔ مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے پورے بدن کا خون زمین پر بہہ رہا ہو۔ حالانکہ تابوت میں لیٹے ہوئے جسم سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ البتہ میری آنکھیں سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ اسی جگہ خلا دوبارہ نمودار ہوا اور وہ بیگم صاحبہ اس میں داخل ہوگئیں۔ کچھ دیر کے بعد وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ دیوار بالکل اپنی پہلے جیسی کیفیت میں واپس آ گئی تھی۔ ان چاروں افراد نے وہ تابوت اٹھایا اور کندھے پر رکھ کر باہر چلے گئے۔ دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔ جیسے ہی وہ دروازے سے باہر گئے، میرے جسم کی تمام تکلیف ختم ہوگئی۔

پے در پے خوفناک واقعات نے مجھ سے میری دماغی صلاحیتیں چھین لی تھیں۔ میں خوف و ہراس کے عالم میں اپنی جگہ کافی دیر تک اسی طرح لیٹا رہا تھا۔ دل و دماغ کی بڑی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔ کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ نجانے وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب میں ریلوے اسٹیشن پر اس جادوگر عورت کے جال میں پھنسا تھا۔ کاش! میں اس کا سامان باہر رکھ کر اس سے اپنی مزدوری مانگتا اور اگر وہ کچھ اور کہتی تو میں لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیتا اور کہتا لوگو! یہ جادوگر عورت مجھے اپنے ساتھ کہاں لئے جا رہی ہے۔ صورت حال سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ پھر اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ میں نجانے کب سے بھوکا ہوں۔ بھوک کے احساس نے جیسے میرے دل و دماغ پر عجیب سی نقاہت پیدا کر دی۔ میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور میں ایک بے ہوشی کی سی کیفیت کا شکار ہو گیا۔

اچانک ہی کسی نے میرا شانہ جھنجوڑ کر کہا۔ ''ممدو..... او ممدو! اٹھے گا نہیں کیا؟ دیکھ رہا ہے کیا ٹائم ہو گیا ہے اور تو ابھی تک سو رہا ہے۔ دو گاڑیاں نکل چکی ہیں۔ رمضان چاچا کہہ رہے تھے کہ شاید تیری طبیعت خراب ہے۔''

یہ الفاظ میرے ساتھی قلی حکیم خان کے تھے۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ حکیم خان میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس کے جسم پر سرخ وردی تھی اور اس پر 62 نمبر کا بیج لگا ہوا تھا۔ میرا دل خوشی سے اُچھل پڑا۔ حکیم خان بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا لیکن مجھے بڑی زور کا چکر آیا تھا۔ میں نے اس سے کچھ نہ کہا اور اپنی جگہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''آہ..... میرے خدا! کتنی خوشی کی بات ہے کہ میں ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آ گیا

ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ سب کچھ ایک خواب تھا۔ لیکن خواب..... کیسا خواب.....؟ اور یہ سب کچھ.....؟'' البتہ ان تمام باتوں کو سوچنے سے دماغ دکھنے لگا تھا۔

میں نے سوچا کہ پہلے کچھ کھانے پینے کی بات کروں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر چائے کا سٹال کھلا ہوا تھا۔ حکیم خان مجھے جگا کر چلا گیا تھا۔ میں نے اپنی جیب میں دیکھا، کچھ نوٹ رکھے ہوئے تھے۔ یہ نوٹ پہلے بھی میری جیب میں موجود تھے۔ میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ میں جن سارے واقعات سے گزرا تھا، پھر اس کے بعد اچانک ہی میری جان اس جادوگرنی سے کیسے چھوٹ گئی؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہرحال! کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا سٹال تک پہنچا اور سٹال والے سے کہا۔ ''لاؤ بھائی! جلدی سے چائے دے دو اور تھوڑے سے بسکٹ نکال دو۔''

میرے لئے اس وقت چونکہ کوئی ٹرین نہیں آئی تھی اور پلیٹ فارم کا ماحول سنسان تھا۔ چائے والے نے جس کا نام شیر خان تھا چائے کی پیالی میں چائے انڈیلی اور تین چار بسکٹ نکال کر پلیٹ میں رکھ کر میرے سامنے کر دیئے۔ میں نے چائے کی پیالی اُٹھا کر چہرے کے قریب کی۔ اس سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔ لیکن اس کا رنگ دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں..... یہ بالکل خون کا رنگ تھا۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس خونی رنگ کی چائے کو دیکھا اور حیرانی سے شیر خان کی دیکھا۔ پھر میں نے اس سے کہا۔

''شیر خان.....!''

''ہاں! کیوں، کیا بات ہے مدو بھیا؟''

''یہ چائے ہے؟''

''کہاں.....''

''یہ پیالی میں؟''

''ہاں! چائے ہے۔''

''ذرا دیکھ تو اسے.....'' میں نے کہا اور چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھا دی۔

اس نے چائے کی پیالی کو دیکھا اور بولا۔ ''کیوں! کیا بات ہے؟''

''یہ سرخ رنگ.....''

''سرخ رنگ؟''

''تو اور کیا؟.....''

''نہیں بھیا! سرخ رنگ کہاں ہے اس میں؟'' شیر خان نے کہا۔

''کیا کہہ رہا ہے یار! ذرا اسے سونگھ کر تو دیکھ!'' میں نے اسے کہا۔

''کیا ہو گیا ہے تجھے؟'' شیر خان حیرانی سے بولا۔

''یار کمال کرتا ہے۔ یا تو تیری آنکھیں خراب ہو گئی ہیں یا میری۔ یہ تو بالکل خون کے نگ جیسی چائے ہے اور..... اور اس میں سے اٹھنے والی بدبو.....'' میں نے چائے میں سے ٹھنے والی بھاپ کو سونگھتے ہوئے کہا۔

''یار تیری کھوپڑی کچھ الٹ گئی ہے۔'' شیر خان نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

''تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ذرا اسے چکھ کر دیکھ۔'' میں نے کہا۔

شیر خان نے چائے کی پیالی اٹھا لی اور چائے کا ایک گھونٹ لیا۔ اور پھر وہ بولا۔ ''لے! ب تو بھی چکھ لے۔''

میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس خون کے رنگ والی چائے کو دیکھا۔ شیر خان اسے یکھ کر بالکل حیران نہیں تھا۔ میں نے اسے چہرے کے قریب کیا۔ بدبو اٹھ رہی تھی لیکن اس کے باوجود میں نے اس بدبو کو برداشت کرتے ہوئے اس کا ایک گھونٹ لیا۔ نمکین اور بدبو ار خون..... خون اور صرف خون..... مجھے ایک دم اُلٹی سی آنے لگی۔ میں نے چائے کی یالی رکھ دی اور اُلٹی کرنے کے لئے وہاں سے دوڑ گیا۔ شیر خان حیرانی سے میری صورت یکھ رہا تھا۔ مجھے بڑی سی اُلٹی آئی اور اس نے مجھے بری طرح نڈھال کر دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد پلیٹ فارم کے تمام قلیوں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ میں بیمار ہوں۔ یکن میں بیمار نہیں تھا۔ میں تو بھوکا تھا۔ اچانک ہی میری نگاہ سامنے پھل والے پر پڑی اور ں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک ساتھی قلی سے کہا۔ ''بھیا! یہ پیسے لو اور میرے لئے چھ کیلے لے آؤ۔ میں سخت بھوکا ہوں۔ کیا بتاؤں تمہیں میرے اوپر اس وقت کیا گزر رہی ہے۔''

''کوئی بات نہیں! میں لے کر آتا ہوں۔'' اس نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ کیلے لے آیا۔

بمشکل تمام میں نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے کیلے کو چھیلا اور پھر اسے منہ کے قریب

کرنے ہی والا تھا کہ اچانک کیلے کا سامنے کا حصہ سانپ کے پھن کی طرح لہرانے لگا۔ ا
کی ننھی ننھی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور زبان بار بار باہر نکل رہی تھی۔ میں نے دہش
زدہ چیخ مار کر کیلا دور پھینک دیا اور میرے ساتھ بیٹھا ہوا قلی چونک کر اسے دیکھنے لگا

''کیوں! کیا ہوا؟''

''سانپ......سانپ ہے یہ.....کہاں سے اٹھا لایا تو؟''

''ممدو! شیرو کہہ رہا تھا کہ تیری طبیعت کچھ خراب ہے۔ کہاں ہے سانپ میرے
بھائی؟''

''یہ.....یہ.....یہ.....سب کیا ہے۔'' میں نے کیلوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اگر یہ سانپ ہے تو ہم اسے کھائے جاتے ہیں۔'' اس نے ایک کیلا اٹھایا اور اسے
چھیل کر کھا گیا۔ میں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ پھر میں نے دوسرا کیلا اٹھایا۔ اسے چھیلا
اس کی بھی زبان لہراتی ہوئی نظر آئی تھی۔ میں چیختا ہوا وہاں سے دوڑ گیا تھا۔ بہت سے قلی
افسوس بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے اور میں ریل کی پٹڑی پر دوڑا چلا جا رہا تھا۔

''میرے خدا! کیا کروں.....میں کیا کروں.....''

نجانے کتنی دیر تک میں دوڑتا رہا اور اس کے بعد ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ پہلے تو شاید کچھ قلی
میرے پیچھے دوڑے تھے لیکن جب میں بہت دور نکل آیا تو انہوں نے بھی میرا پیچھا چھوڑ
دیا۔ میں گرا تو ریل کی پٹڑی میرے ماتھے پر لگی اور پھر شاید میں بے ہوش ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

ہوش آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ واقعات میرے ذہن میں تھے۔ میری آنکھیں بند
ہو رہی تھیں۔ بھوک سے میرا دم نکلا جا رہا تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں اپنے بدن
کے کسی حصے کو جنبش بھی نہیں دے سکتا۔ ''آہ! کیا کروں میں اپنی اس حالت کا؟'' میرے
ہونٹوں سے ایک بڑبڑاہٹ سی نکلی اور میں نے آنکھیں کھول کر افسردہ نگاہوں سے چاروں
طرف دیکھا۔ ہاتھ سے ٹٹول کر ریل کی پٹڑی تلاش کی۔ مگر یہ کیا؟ میرے ہاتھ تو کسی نرم
گدے سے ٹکرائے تھے اور ماحول بھی ریلوے سٹیشن کا نہیں تھا۔ دور دور تک نہ تو ریل کی
پٹڑی کا پتہ تھا اور نہ ہی کچھ اور۔ ''میرے خدا! کیا ہے یہ سب کچھ؟'' میں نے دیوانہ وار
چاروں طرف دیکھا۔ بڑا خوبصورت ماحول تھا۔ بڑی ہی حسین سی کیفیت تھی اس ماحول کی۔
میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بھوک اب بھی اسی شدت کے ساتھ لگ رہی تھی۔

دفعتاً سامنے والے کمرے کے دروازے کا پردہ ہٹا اور اس کے بعد وہی بیگم صاحبہ اندر
داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے دو لڑکیاں تھیں جو ہاتھوں میں کھانے پینے کی اشیاء اٹھائے
ہوئے تھیں۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور للچائی ہوئی نگاہوں سے ان چیزوں کو دیکھنے لگا۔ بیگم صاحبہ
کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے مدھم آواز میں کہا۔ ''میرا نام رندھیرا ہے۔
لوگ مجھے مہامتی رندھیرا کہتے ہیں۔''

''بیگم صاحبہ جی! یہ سب کیا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ میں بھوک سے مر جاؤں
گا۔''

''نہیں! ایسے نہیں.....تم مسلمان ہونا؟''

''ہاں جی! میرا نام ممدو ہے۔''

''ممدو، چلو! میں تمہارے ساتھ بڑا رحم کا سلوک کر رہی ہوں۔ اس وقت تم اس قدر
بھوکے ہو کہ اگر میں چاہوں تو تمہیں کھانے کی شکل میں زہر بھی دے سکتی ہوں۔ تم اسے

آسانی سے کھا لو گے۔ لیکن میں وہ نہیں کر رہی جو میں کرنا چاہتی ہوں۔ ایک بات کہوں تم سے؟''

''جی بیگم صاحبہ!''

''بیگم صاحبہ نہیں، مہامتی رندھیرا کہو مجھے۔''

''جی مہامتی رندھیرا!'' میں نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے۔ پہلے اپنا پیٹ بھر لو۔'' اس نے اپنے پیچھے آنے والی داسیوں کو اشارہ کیا اور داسیوں نے کھانے پینے کی چیزیں میرے سامنے رکھ دیں۔ اس کے بعد تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ مجھ جیسا بھوکا ان چیزوں پر کیسے ٹوٹ سکتا ہے۔

بہرحال میں خوب کھا پی کر شکم سیر ہو گیا۔ رندھیرا نے ہاتھ سے اشارہ کر کے ان دونوں داسیوں کو جانے کے لئے کہا۔ وہ برتن اٹھا کر چلی گئیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دنیا کی ہر نعمت میرے لئے بے مقصد ہو۔ اس سے اچھی زندگی بھلا اور کون سی ہو سکتی ہے۔

وہ میری صورت دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ''میں تم سے ایک بہت بڑا کام لینا چاہتی ہوں ممدو! لیکن اس کے لئے تمہیں بہت کچھ کھونا پڑے گا۔ تم ریلوے سٹیشن پر قلی کا کام کرتے ہو۔ جو کچھ تمہیں حاصل ہوتا ہے، تم جانتے ہو پولیس کی ٹھوکریں، جوتے، گولیاں اور اس کے بعد زندگی کا خاتمہ۔ لیکن اگر میں تمہیں مہاراجہ بنا دوں تو کیسا رہے گا؟''

میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔ ''جی مہامتی رندھیرا! بات تو بڑی خوبصورت ہے۔ لیکن اس دور میں مہاراجہ کہاں ہوتے ہیں؟''

''ہوتے ہیں۔ تمہاری چھوٹی آنکھیں انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔ راج کرتے ہیں وہ۔ حکومتیں ان کے نام پر چلتی ہیں۔ اصل حکومت ان کی ہوتی ہے۔ شاندار کاریں، عزت۔ ہر شخص ان کے سامنے جھکتا ہے۔ کیا تمہیں ایسے لوگ یاد نہیں؟''

''ہاں! وہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

''دیکھو! تمہیں دین، دھرم کے چکر سے نکلنا ہو گا۔ نہ ہندو کچھ ہوتا ہے، نہ مسلمان۔ سنسار میں شکتی جس کے پاس ہو، وہی مہان ہوتا ہے۔ اگر تم مہان بننا چاہتے ہو تو دین، دھرم کے چکر سے نکلنا ہو گا۔

بات اصل میں یہ ہے دیوی رتنا جی! کہ میں جانتا ہوں کہ ہم مسلمان چاہے دین، دھرم

سے دور ہی کیوں نہ ہو جائیں، اپنا دین کبھی نہیں بیچتے۔ وہ بڑے ہی بدنصیب ہوتے ہیں اور خدا جانے کیا ہوتا ہے ان کے اندر کہ وہ اپنے مذہب بیچ دیتے ہیں۔ ہم ماں، بہن، باپ، بیٹی سب کے لئے سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر دین دھرم کا معاملہ ہو تو سینہ تان کر نہیں، ہم اپنی گردن ہتھیلی پر رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور زندگی ہمارے لئے بے حقیقت ہوتی ہے۔

بہرحال رندھیرا کہنے لگی۔ ''اگر تم ان جھگڑوں سے نکل کر میرے کہنے پر عمل کرو تو میں تمہیں اتنی ہی طاقت بخش سکتی ہوں۔''

''مگر کیسے؟''

''جو کچھ میں کہوں گی، تمہیں وہ کرنا ہو گا؟''

''مثلاً.....'' میں نے سوال کیا۔

اس نے اپنے لباس میں سے ایک چیز نکالی۔ یہ خوبصورت سی چھوٹی سی مورتی تھی جو شاید سونے کی بنی ہوئی تھی۔ اس مورتی کی لمبائی، چوڑائی تین انچ سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن مورتی بہت خوبصورت تھی۔ اس عورت نے کہا۔ ''یہ مورتی تمہیں اپنے قبضے میں کرنے کے لئے ایک جاپ کرنا ہو گا، کیا سمجھے؟ اور جب تم یہ جاپ پورا کر لو گے تو اس مورتی میں زندگی دوڑ جائے گی اور اس کے بعد اسے سامنے رکھ کر جو کچھ تم چاہو گے، کر سکو گے۔ یہ مورتی تمہیں راجہ بنا دے گی۔''

میں نے حامی بھر لی۔ اس بدبخت عورت نے مجھے وہ جاپ بتایا جسے پورا کر کے میں اس مورتی کا مالک بن سکتا تھا۔ اس نے مجھے اس جاپ کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ یہ ایک منتر تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ جادو منتر پڑھنے سے دین، دھرم پر کیا اثر پڑتا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں نے تو دولت حاصل کرنے کے لئے یہ جاپ کرنا قبول کر لیا تھا۔ اس عورت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق میں نے ہر کام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے کہا۔ ''یہ جاپ کرتے ہوئے تمہیں بہت مشکل ہو گی۔''

''کیوں؟''

''جاپ کے بیر تمہیں ڈرائیں گے۔ لیکن اس عمارت کے ایک بڑے درخت کے سائے

میں بیٹھ کر تم یہ جاپ کرنا، تمہیں آسانی رہے گی۔''

میں نے اس سے وعدہ کر لیا اور پھر وہاں جانے کے بعد میں نے اس عظیم الشان مورتی کو سامنے رکھ کر ایک جگہ کو اچھی طرح صاف کیا اور پھر وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد آنکھیں بند کر کے میں نے منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ تمام احساسات سے بے نیاز ہو کر نجانے کب تک وہ منتر پڑھتا رہا..... پھر اچانک ہی میں نے آنکھیں کھول دیں اور گردن گھما کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ منتر کے الفاظ اب بھی میرے ہونٹوں پر تھے مگر اپنے اس غیر دانستہ عمل پر مجھے خود تعجب ہوا تھا۔ پھر مجھے ایک جگہ کھانا رکھا ہوا نظر آ گیا..... یہ کھانا یہاں کون لایا؟ مجھے رندھیرا کے الفاظ یاد آئے۔ ''زندگی گزارنے کے لئے ضرورت کی چیزیں خود بخود مل جائیں گی.....'' جو کچھ ہوتا، کم تھا۔ بہرحال! کھانے کو دیکھ کر بھوک چمک اٹھی تھی۔ جاپ کے پھیر کے آخری الفاظ میرے لبوں پر تھے۔ پھر وہ بھی ختم ہو گئے اور میں اطمینان سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا..... کھانا انتہائی مزیدار تھا۔ پانی بھی موجود تھا۔ چنانچہ سیر ہو کر کھانا کھایا۔ دو تین گلاس پانی پیا اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔ میں نے دوبارہ جاپ شروع کر دیا..... اس بار آنکھیں کھلی ہی رکھی تھیں..... جاپ کرتے کرتے اچانک ہی میں نے گردن اٹھا کر اس جانب دیکھا جہاں کھانے کے برتن رکھے تھے اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ برتن اب وہاں موجود نہیں تھے۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں آیا تھا پھر یہ برتن یہاں سے کون لے گیا؟ اس حیرانی کے باوجود میرے منہ سے مسلسل جاپ کے الفاظ نکلتے رہے۔ کیونکہ اس تسلسل کو قابو رکھنا ضروری تھا ورنہ سب کچھ ختم ہو جاتا.....

وقت گزرتا رہا۔ شام ہوئی، پھر رات ہو گئی۔ اس مخصوص جگہ پر رات کا کھانا مجھے مل گیا تھا۔ بڑی عجیب بات تھی۔ بیٹھے بیٹھے اس طرح کھانا مل جانا، دور دور تک کسی آدم زاد کا نام و نشان نہ ہو..... بہرحال کھانا کھایا، پانی وغیرہ پیا اور اپنی مخصوص جگہ آ کر بیٹھ گیا۔ جاپ کا تسلسل برقرار تھا۔ ہاں کبھی کبھی غنودگی آ جاتی تھی لیکن نیند نہیں آئی تھی۔ ایک خاص بات جو میں نے محسوس کی تھی وہ یہ تھی کہ ساری رات ایک مخصوص روشنی پورے ماحول پر چھائی رہی تھی اور اتنی تھی کہ میں اپنے آپ کو اور آس پاس کی چیزوں کو دیکھ سکتا تھا۔

پھر صبح ہو گئی۔ میں نے جاپ جاری رکھا تھا۔ میرے غیر مرئی دوستوں نے صبح کے ناشتے کا انتظام کر دیا تھا۔ اس کو اور میں کیا کہتا؟ یا تو کوئی ایسا وجود، جو نظر نہ آتا ہو..... یا پھر.....

بہرحال! وقت گزرتا رہا۔ دوسرا دن..... تیسرا دن..... اور پھر چوتھا دن بھی سکون سے گزر گیا۔ ہاں البتہ چوتھے دن کے بعد کی رات میرے لئے انتہائی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ رات کے کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد مجھے ایک بلی کی آواز سنائی۔ میں چونک گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک بلی میری جانب بڑھ رہی ہے۔ بڑی ہی عجیب و غریب بلی تھی۔ اس کا حجم بھی عام بلیوں کے مقابلے میں بڑا تھا۔ وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر آ کر رُک گئی تھی۔ اس کے بعد ایک دوسری بلی کسی کونے سے نمودار ہوئی۔ اس کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ پھر وہ بلی بھی اس پہلے والی بلی کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔ پھر دو اور بلیاں ایک تیسری جگہ سے نمودار ہوئی تھیں اور وہ بھی عین اسی جگہ آ کر بیٹھ گئیں..... اور پھر..... اور پھر ان کی باچھیں کھل گئیں اور ان کے منہ سے آوازیں خارج ہونے لگیں۔ خدا کی پناہ..... یہ ہنسی کی آوازیں تھیں۔ انسانی ہنسی کی آوازیں۔ ان کی کھلی باچھوں سے دانت باہر نکل رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک بلی نے میری جانب چھلانگ لگائی۔ ایک لمحے کے لئے میرے ہاتھ پاؤں لرز گئے تھے اور میں بری طرح خوفزدہ ہو گیا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے خود کو سنبھال لیا۔ اس منتر کے لفظ مسلسل میرے لبوں پر تھے۔ بلی اچھلتی ہوئی میرے قریب آئی اور میرے سر پر سے ہوتی ہوئی پیچھے چلی گئی۔ میں نے مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور پھر ایک عجیب کھیل شروع ہو گیا۔ وہ بلیاں میرے دائیں، بائیں..... آگے پیچھے چکرانے لگیں۔ میرے سر کے اوپر مخصوص اونچائی تک وہ چھلانگیں لگاتی رہیں لیکن ایک دفعہ بھی ان کا جسم مجھ سے نہیں ٹکرایا۔ اب میں یہ سمجھ چکا تھا کہ وہ بلیاں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں اور اگر میں مسلسل یہ عمل جاری رکھوں گا تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہ سب اس عمل کا اثر تھا۔ مجھے روکا جا رہا تھا، خوفزدہ کیا جا رہا تھا۔ لیکن اگر میں ہمت سے کام لوں اور بجائے ڈرنے کے چالیس دن تک مسلسل یہ عمل کروں تو کامیاب ہو جاؤں گا۔ ایسا ہی تھا..... یقیناً ایسا ہی تھا۔

چنانچہ میں نے اسے جاری رکھا۔ بلیاں تھک ہار کر اپنی جگہ جا بیٹھی تھیں۔ میں اطمینان سے منتر پڑھتا رہا۔ پھر ان میں سے ایک نے دوبارہ یہی حرکت کی اور میرے سر پر سے گزرتی ہوئی دوسری جانب چلی گئی۔ میرا دھیان ہٹانے کی بھرپور کوشش ایک بار پھر کی گئی تھی۔ اور پھر یہ بلیاں ایک بار پھر تھک ہار کر بیٹھ گئیں۔ پھر وہ چاروں جھٹکے سے اٹھیں اور

ایک سمت بھاگ گئیں اور میری نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ میں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔

پھر وہی معمول شروع ہو گیا۔ یعنی صبح کا ناشتہ مقررہ جگہ پر مجھے مل گیا۔ اس کے بعد تین چار دن پرسکون گزرے تھے۔ اب تو میں اس ماحول کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔ وقت پر کھانا مل جاتا تھا۔ کھانے وغیرہ سے فراغت ہوتی تو پھر اپنے عمل میں لگ جاتا..... لیکن ابھی تو شاید مشکلوں کا آغاز ہوا تھا۔ یہ غالباً آٹھویں رات تھی۔ آدھی سے زیادہ رات بیت چکی تھی کہ چیخوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ یہ کسی مرد کے چیخنے کی آوازیں تھیں جو مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ پھر میں نے ایک آدمی دیکھا جو شدید زخمی تھا اور خوفزدہ انداز میں بھاگ رہا تھا۔

''بچاؤ..... بچاؤ..... بھگوان کے لئے مجھے بچاؤ.....'' اس کے منہ سے مسلسل آوازیں نکل رہی تھیں اور اس کے پیچھے ایک عورت تھی۔ شاید وہ شدید ڈر گیا تھا لیکن خود کو سنبھالے رکھنا ضروری تھا۔ پھر وہ آدمی چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے اس نے پہلے مجھے دیکھا ہو۔ وہ میرے بالکل قریب آ گیا۔ اس کا چہرہ انتہائی مکروہ اور بھیانک تھا۔ گھنگھریالے بال جو گرد میں اٹے ہوئے تھے، اس کے شانوں تک جھول رہے تھے۔ چہرے پر زخم کے نشان تھے۔ اوپری ہونٹ کٹا ہوا تھا جس میں سے دانت باہر جھانک رہے تھے۔

''بچالے..... بچالے رے..... مار ڈالے گی..... مار ڈالے گی رے..... اوپری ہونٹ کٹا ہونے کی وجہ سے اس کے منہ سے الفاظ صحیح طرح سے نہیں نکل پا رہے تھے۔

میں مصروف عمل رہا..... ''اے لڑکے! سنا نہیں تو نے میں کیا کہہ رہا ہوں..... وہ مجھے کھانے پر تلی ہے اور تو..... تو اپنے ہی کام پر لگا ہے۔ بچائے گا نہیں مجھے؟''

وہ عورت بھی اب میرے قریب آ گئی تھی۔ کالی بھجنگ صورت..... بال بکھرے ہوئے..... آنکھیں پھٹی ہوئیں..... ہندوانہ طرز کی ساڑھی باندھے ہوئے۔ اس کے دانت بھی عجیب سے انداز میں باہر نکلے ہوئے تھے۔ لیکن..... لیکن ایک بڑی عجیب چیز جس نے میرے بدن کی لرزشیں تیز کر دی تھیں اس کے دانتوں پر لگا ہوا خون تھا۔ پھر اس کے منہ سے کراری سی آواز نکلی۔ ''ہی ہی ہی..... مل گیا..... مل گیا..... کہاں تک بھاگے گا..... ارے کہاں جائے گا بچ کر..... چل! آ جا..... آ جا.....''

''خبردار جو آگے بڑھی کتیا! کیا مجھے کچا چبا جائے گی؟''

''تو اور کیا۔ تجھے ہی تو کھاؤں گی اور کون ہے یہاں.....''

''یہ بھی تو ہے۔ اسے کھا جا.....'' اس شخص نے میری طرف اشارہ کر کے کہا اور میں بری لرح سہم گیا۔ اس عورت نے میری طرف دیکھا۔ وہ بالکل اس طرح مجھے گھور رہی تھی جیسے کوئی بھوکا شیر اپنے شکار کو دیکھتا ہو۔ پھر بولی۔ ''کیوں؟ اسے کیوں کھاؤں؟ میں تجھے کھاؤں گی۔ آج تو ہی میرا شکار ہے۔ آج میں تجھے کھاؤں گی۔ آج تیری باری ہے.....''

''اری بدبخت! کیا ہو گیا ہے تجھے؟ اپنے مرد کو کھائے گی؟''

''میں بھوکی ہوں.....''

''ارے بھوکی ہو تو کسی اور کو کھا..... مجھے کیوں کھاتی ہے؟ پتہ نہیں کون سی منحوس گھڑی تھی ب تجھے لایا تھا.....''

''میں کیا کروں؟ مجبور ہوں۔ منش کا گوشت میری کمزوری ہے..... میری مجبوری ہے۔ بری بھوک اتنی شدید ہو رہی ہے کہ کیا کہوں تجھ سے..... چل آ..... آ جا.....''

''ارے بابو.....! بچا لو رے.....''

''یہ کیا بچائے گا؟ یہ تو خود اپنے پھیر میں الجھا ہے، تجھے کیا بچائے گا؟''

''بچا لو نا مانو..... چھوڑ دے اپنا پھیر..... میرا جیون بچا لے رے..... کھا جائے گی یہ ائن..... یہ ڈائن مجھے کھا جائے گی..... جیون نشٹ کر دیا ہے میرا۔ اب مار ڈالے گی۔ میں رنا نہیں چاہتا میں ابھی مرنا نہیں چاہتا.....''

''کیا کرے گا جیون کا؟ پھر گناہ کرے گا..... پھر لوگوں کو تنگ کرے گا۔ ارے تجھے تو ش ہونا چاہئے کہ مکتی مل رہی ہے۔ تجھے گناہوں سے مکتی مل رہی ہے.....''

یہ کہہ کر وہ عورت تیزی سے آگے بڑھی اور پھر اس نے جو عمل کیا وہ میرا خون خشک کر ینے کے لئے کافی تھا۔ اس نے اس آدمی کا دایاں ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور اپنے دانت ں کے شانے میں پیوست کر دیئے۔ وہ آدمی تکلیف سے تڑپنے لگا اور نیچے گر پڑا۔ لیکن اس رت نے اپنے دانت وہاں سے نہیں ہٹائے تھے۔ پھر وہ بری طرح شانے کو جھنجوڑنے لگی رساتھ ہی ساتھ اس نے ہاتھ کو مروڑنا شروع کر دیا۔ وہ پوری قوت سے ہاتھ کو جھٹکے دے ی تھی اور دانتوں سے مسلسل گوشت کاٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر اس نے اس کا بازو لگ کر دیا۔ ہاں..... اب اس آدمی کا بازو اس عورت کے ہاتھ میں تھا اور وہ مزے لے لے

کر اسے کھا رہی تھی۔ وہ آدمی شدت کرب سے زمین پر تڑپ رہا تھا۔ میرا یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہ ملے..... اتنا خوفناک منظر..... اتنی وحشت خیزی...... وہ عورت اتنی تیزی سے بازو کا گوشت صاف کر گئی تھی کہ جیسے مشین ہو۔ اس نے انگلیوں تک کی کھال نوچ لی تھی اور اب ہاتھ کی ہڈیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ اس عورت نے اطمینان سے اس شخص کا بایاں ہاتھ بھی شانے کے پاس سے جدا کر لیا۔ لیکن اس بار سیدھی میری جانب آئی تھی اور پھر اس نے وہ ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ ''لے مانو! کھا لے۔ تجھے بھوک لگی ہو گی۔ تو بھی کھا لے۔ بڑا سوادشت ہے یہ۔ بڑا مزہ آ رہا ہے اسے کھانے میں۔ بھگوان کی سوگند! اس سے پہلے کسی منش کو کھانے میں اتنا مزہ نہیں آیا۔ ارے! ڈر کیوں رہا ہے؟ کیوں گھورے جا رہے ہے مجھے؟ نہیں کھانا تو نہ کھا۔ میں کوئی زبردستی تو نہیں کر رہی تیرے ساتھ۔'' پھر وہ ایک جگہ جا کر بیٹھ گئی اور پھر اسی طرح دوسرا ہاتھ بھی صاف کر گئی۔

ادھر اس شخص کا یہ عالم تھا کہ وہ زمین سے تین تین فٹ اونچا اچھل رہا تھا۔ اس کے حلق سے مسلسل بھیانک چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ ''مر گیا..... مر گیا..... ارے مر گیا...... کھا گئی..... کھا گئی...... کمبخت کھا گئی..... اے مانو! تو اٹھ...... اٹھ جا! میں کہتا ہوں بھگوان تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ تو نے..... تو نے..... میرا جیون نہ بچایا تو کبھی اپنے عمل میں کامیاب نہیں ہو گا۔ یہ میرا شراپ ہے تجھے۔ مانو! یاد رکھنا...... یاد رکھنا...... آہ.....''

میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ یہ منظر..... یہ منظر کسی انسان کے ہوش اڑا دینے کے لئے کافی تھا۔ لیکن میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو رکھا تھا...... پھر اس عورت نے اس آدمی کی ٹانگ نوچنا شروع کر دی۔ وہ بڑی مہارت سے ٹانگ کا گوشت صاف کر گئی تھی۔ اس بار اس نے ٹانگ الگ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پھر وہ دوسری ٹانگ بھی چٹ کر گئی۔ مجھے صبر آتا جا رہا تھا۔ نجانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ لیکن میں اس آدمی کو بچا بھی نہیں سکتا۔ میرا جاپ ٹوٹ جائے گا اور پھر..... اور پھر سب ختم ہو جائے گا۔ میں یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ لیکن میری جاپ کرنے کی رفتار وہی تھی اور تسلسل اسی طرح تھا جس پر مجھے حیرانی ہوئی تھی۔ واقعی..... اگر میں دھیان کے ساتھ عمل کرتا رہوں تو ضرور کامیاب ہو جاؤں گا اور..... اور یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی......

پھر اس عورت نے بقیہ بچے ہوئے جسم کو بھنبھوڑنا شروع کر دیا۔ وہ آدمی آخر حد تک

شدت سے چیخ رہا تھا۔ اس کی چیخیں پورے مندر میں گونج رہی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی چیخیں مدھم پڑنے لگیں اور پھر اس کی آواز بند ہو گئی۔ وہ عورت چپ چپ کر کے اسے کھاتی رہی۔ اس نے آدمی کا بدن خالی کر دیا تھا۔ پھر وہ اس کی گردن کی طرف بڑھی اور اس نے آدمی کی گردن میں دانت پیوست کر دیئے۔ ''آہ..... بچا لے...... بچا لے..... نہیں بچے گا..... نہیں بچے گا.... تو بھی نہیں بچے گا...... یہ ڈائن تجھے بھی کھا جائے گی۔ لڑکے! تو بڑا بہادر بنا ہے...... اب دیکھ! تیری باری ہے۔ تو گیا..... تو گیا رے..... اری کم بخت! چھوڑ...... چھوڑ دے مجھے! آہ.....''

اتنی بھیانک آواز تھی کہ میرے ہوش و حواس رخصت ہوئے جا رہے تھے۔ واقعی یہ ماحول اتنا ہی بھیانک تھا۔ پھر اس عورت نے اس کی گردن کی کھال ادھیڑی۔ مضبوط ناخنوں سے اس کی آنکھیں نوچ کر حلق میں ڈالیں۔ دانتوں سے ناک اور کان کاٹ کر انہیں چباتی رہی.....

''ارے بیر! بچا لے...... ارے بچا لے!'' خدا کی پناہ! اس شخص کی زبان ابھی تک چل رہی تھی۔ پھر اس کی زبان رُک گئی۔ اس کے حلق سے آواز نکلنا بھی بند ہو گئی تھی۔

پھر اس عورت نے سر اٹھایا۔ اس کے ناک اور منہ پر جا بجا خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ دانتوں سے بری طرح خون ٹپک رہا تھا۔ اس نے خونخوار نظروں سے مجھے دیکھا پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور میری طرف بڑھنے لگی۔ اس کے حلق سے غراہٹ نکلی۔ ''ارے بیرا...... میں بھوکی ہوں رے...... ارے او بیرا..... میری بھوک ویسی ہی ہے۔ اس کمبخت کی ایک ایک بوٹی نوچ لی میں نے..... لیکن...... لیکن میری بھوک ہی ختم نہ ہوئی۔ لگتا ہے کچھ کھایا ہی نہیں۔ ارے بیرا! اب میں تجھے کھاؤں گی۔ کھا جاؤں گی تجھے۔'' یہ کہہ کر وہ یری طرف بڑھی۔ اس کے نوکیلے دانتوں اور ناخنوں کو دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ بہر حال ب وہ میری ہی طرف آ رہی تھی۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ بالکل میرے قریب آ گئی۔ وف کے مارے میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ پھر نجانے لیا ہوا۔ اس نے ابھی تک مجھے چھوا کیوں نہیں۔ اپنے دانت کیوں نہیں گاڑھے مجھ پر؟ کیا وگیا ہے اسے؟ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے دیکھ کر آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ میں یہی مجھا تھا کہ میری آنکھوں کو کوئی دھوکہ ہوا ہے۔ وہ ہڈیوں کا پنجر اپنی جگہ نہیں تھا، نہ ہی فرش

پر خون تھا جبکہ کچھ دیر پہلے خون کے بے پناہ دھبے اس فرش پر موجود تھے۔ بات اب میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ یہ سب میرے اس عمل کو توڑنے کی کوشش تھی۔ یہ لوگ یہی چاہتے تھے کہ میرا جاپ کسی طرح ٹوٹ جائے۔ میں اس خوفناک منظر سے ڈر جاؤں۔ اپنی جگہ سے کھڑا ہو جاؤں، بھاگ جاؤں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ عورت بھی غائب تھی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ رات بھر کے واقعات دل و دماغ سے چپک کر رہ گئے تھے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ ان منظروں میں صرف مجھے ڈرانا مقصود ہے یہ مجھے کوئی جانی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ پھر میں اپنی جگہ لیٹ گیا۔ میرے ذہن پر غنودگی سی چھانے لگی۔ نیند کا تو خیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں اس نیم غنودہ کیفیت میں کافی دیر تک لیٹا رہا۔ پھر جب ذرا دل کی کیفیت بحال ہوئی تو اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا..... ایک بار پھر خود کو مضبوط کیا اور پوری تندہی کے ساتھ اس عمل میں مصروف ہو گیا۔ اس ماحول کی عادت پڑتی جا رہی تھی۔ شکر تھا کہ ان واقعات کے بعد اور کوئی واقعہ دوبارہ پیش نہیں آیا تھا۔ اب تو بس ایک ہی لگن تھی کہ کب چالیس دن پورے ہوں اور کب میرا عمل ختم ہو۔ اس انتظار میں پوری لگن کے ساتھ جاپ کرتا رہا اور دن گزرتے رہے۔ لیکن شاید میرے کئی امتحان باقی تھے۔

ٹھیک چوبیسویں دن سورج ڈھلنے کے بعد ہی عجیب و غریب واقعات کا آغاز ہو گیا تھا۔ میں اپنے جاپ میں مصروف تھا اور بڑے اطمینان سے عمل پڑھ رہا تھا کہ کہیں سے ایک چیز اُڑتی ہوئی آئی اور مجھ سے کچھ فاصلے پر زمین پر گر پڑی۔ اس کے گرنے سے کچھ چھینٹیں میرے اوپر پڑی تھیں۔ میں نے نظر اٹھا کر اس چیز کو دیکھا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یہ بکرے کا کٹا ہوا سر تھا..... خون میں لت پت۔ خون کی چھینٹیں فرش پر بکھر گئیں اور میرے اوپر بھی پڑی تھیں۔ ابھی میں اس کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ ایک اور سر اُڑتا ہوا آیا اور پھر وقفے وقفے سے بکروں کے سر مجھ سے کچھ فاصلے پر گرتے رہے۔ میں نے دھیان لگانے کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ ان سروں سے اُڑنے والی چھینٹیں میرے کپڑوں پر پڑتی رہی تھیں لیکن میں صبر سے بیٹھا رہا۔ کافی دیر تک دھم دھم کی آوازیں آتی رہیں۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر کے بعد وہ سر خود بخود غائب ہو گئے۔

بہت دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر نجانے کہاں سے کسی بچے کے رونے کی آواز آئی۔ پھر

ونے کی آواز کان پھاڑ دینے کی حد تک تیز ہو گئی۔ پھر ایک آواز آئی۔ ''مارو..... مار دو ے..... ارے جلدی کرو! یہ مروائے گا ہمیں۔''

''نادان ہے بالک.....''

''ارے کاہے کا نادان! ہماری آزادی ختم کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ نہیں چھوڑیں ..... نہیں چھوڑیں گے.....''

میں اب پرسکون ہو گیا تھا۔ دل میں سوچا کہ اب ان تمام باتوں سے ڈرنا بیکار ہے۔ صبح ، یہ مشغلہ جاری رہا۔ اس کے بعد ماحول پرسکون ہو گیا..... میرے خیر خواہوں نے میری ی کے لئے بہت سے سامان کر رکھے تھے۔ چنانچہ بتیسویں رات میں جاپ میں مصروف کہ اچانک ہی زمین پھٹنی شروع ہو گئی۔ اس میں ایک بہت بڑا سوراخ ہو گیا تھا۔ پھر اس راخ میں سے ایک چیز نے سر ابھارا۔ انتہائی خوفناک شکل تھی یہ..... اوپر کو اُٹھے ہوئے ن، بھیڑیوں جیسے جبڑے جن سے دانت باہر جھانک رہے تھے۔ انگاروں جیسی دہکتی ہوئی ھیں۔ اُس نے دونوں ہاتھ اُوپر رکھے تھے اور ہاتھوں پر وزن ڈال کر اوپر آ گیا۔ اس ہاتھ پیر بالکل انسانوں جیسے تھے لیکن اس کا قد صرف ایک فٹ تھا۔ اتنا ہیبت ناک بونا نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ پھر اس کے پیچھے پیچھے ایک اور بونا نکلا۔ اس کا بدن ویسا ہی تھا۔ البتہ چہرہ شیر کی مانند تھا۔ یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ دو اور بونے ان دونوں کے ، باہر نکلے اور ان کی حالت بھی مختلف نہیں تھی۔ پھر سب سے آخر میں ایک اور بونا نکلا۔ کا بدن بھی ویسا ہی تھا۔ اس کا چہرہ انتہائی خوفناک تھا۔ اس کا قد بھی ان تینوں سے تھوڑا تھا۔ اس کے چہرے پر جا بجا بال اُگے ہوئے تھے۔ جبڑوں سے نوکیلے دانت باہر جھانک ے تھے۔ پھر وہ پانچوں ایک ساتھ چلتے ہوئے میرے قریب آ گئے۔ لمبا بونا سب سے ئے تھا۔ پھر اس کے منہ سے ممناتی ہوئی آواز نکلی۔ ''جمبورنا.....!''

''جی مالک!'' ایک دوسرے بونے نے کہا۔

''ارے! یہ کون ہے رے؟''

''یہ بیرا بڑا کھٹور ہے۔''

''ارے میں نے پوچھا یہ کون ہے؟''

''یوں تو مسلا ہے لیکن سمپوانی کے لئے جاپ کر رہا ہے۔''

''ہونہہ یہ چہ پدی اور چہ پدی کا شوربہ۔ یہ کرے گا جاپ؟''

''کرے گا مالک.....کر رہا ہے۔آپ دیکھ نہیں رہے کیسے پڑھ رہا ہے.....''

''پڑھنے دے..... پڑھنے دے.....لیکن سوچ لے نہ صرف تو بلکہ ہم سب اس کے یہ آ جائیں گے۔ دیکھ جمبورنا! ایک تو یہ ٹھہرا منش، پھر مسلا.....نہ بھئی نہ.....میں تو نہ آؤں اس کے پھیر میں.....''

''پھر کیا کریں مالک''

''تم میں سے ایک اسے مارے گا۔''

''ہم میں سے؟''

''ہاں! تم لوگوں میں سے.....''

''پر..... پر مالک.....''

''یہ کیا پر، پر لگا رکھی ہے۔ طے کر لو۔ کون مارے گا اسے؟''

''میں ماروں گا اسے۔'' وہ بونا جسے جمبورنا کہا گیا تھا بولا۔

''نہیں.....اسے میں ماروں گا۔'' ایک دوسرے بونے نے کہا۔''

''نہیں! تم دونوں میں سے کوئی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اس کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہے.....'' تیسرے بونے نے کہا۔ اور پھر عجیب ہی کھیل شروع ہو گیا۔ یہ سب آپس میں لڑنے لگے تھے۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ میری موت اس کے ہاتھوں ہو۔ پھر میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے اپنے لباسوں میں سے چھوٹی چھوٹی تلواریں نکال لیں۔ وہ تلواریں لہرانے لگے۔ ان کے انداز اگر عام حالات میں کوئی شخص دیکھتا تو مارے ہنسی کے اس کا برا حال ہو جاتا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ یہ بونے بھی مجھے اس عمل سے روکنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ میں خاموش رہا۔

پھر ان بونوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ وہ چاروں آپس میں انتہائی ماہرانہ انداز میں لڑ رہے تھے۔ پھر ان میں سے دو بونے زخمی ہو گئے اور زمین پر گر کر کراہنے لگے۔ پھر اچانک ہی وہ دونوں غائب ہو گئے۔ اس کے بعد باقی دونوں بونوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ اس دوران وہ پانچواں بونا اُچھل اُچھل کر دونوں کو جوش دلا رہا تھا۔ ''شاباش جمبورنا شاباش.....'' اس بڑے بونے نے کہا اور جمبورنا نے ادب سے گردن جھکا دی۔ اس بڑے

نے نے پھرتی سے اپنے لباس سے تلوار نکالی اور جمبورنا کی گردن اُڑا دی۔ اور پھر میں نے ظر دیکھا وہ ناقابل یقین حد تک ہیبت ناک تھا۔ بونا آرام سے اس طرف مڑا جہاں اس ردن جا پڑی تھی۔ اس نے اطمینان سے تلوار زمین پر رکھی، جھک کر اپنی گردا اٹھائی اور یہ اپنے شانوں کے درمیان رکھ لی۔ پھر دوبارہ تلوار زمین سے اٹھائی اور جھٹکے سے اس بونے کی طرف مڑا۔

''مالک..... یہ کیا..... یہ کیا حرکت کی تھی.....؟''

''جمبورنا! میں ماروں گا اسے۔ تو ہٹ جا۔ میرا ارادہ بدل گیا ہے۔ اب میں خود ہی ماروں گا.....''

''تو مالک آپ مجھے ایسے ہی منع کر دیتے۔''

''بس! میری مرضی! یہ بھی تو منع کرنا ہی ہوا نا۔''

''اچھا..... پھر ٹھیک ہے۔ دیکھتے ہیں کون اسے مارتا ہے۔'' یہ کہہ کر بونا اس بڑے کی طرف لپکا اور ان دونوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ پھر لڑتے لڑتے یہ دونوں زخمی ہو گئے تھے۔

ن کے بعد ایک اور عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو بیچ میں دھا آدھا کاٹ دیا تھا۔ دونوں کے آدھے آدھے حصے زمین پر آ پڑے تھے اور پھر یہ بھی غائب ہو گئے۔

ی میں اس منظر کے سحر میں کھویا ہوا تھا اور سوچ رہا تھا کہ عجیب تماشے دکھائے ہیں میزبانوں نے۔ اتنے ہیبت ناک منظر..... یہ خوفناک چہرے، ان کا انداز۔ لیکن میں س کر لیا تھا کہ ان سب کے پیچھے مقصد وہی ہے یعنی کسی بھی طرح میرا یہ جاپ ٹوٹ ور اس کے بعد میں بھول جاؤں۔ لیکن اب شاید یہ ممکن نہ تھا۔

مندر کی زمین لرزنے لگی اور میں چونک پڑا۔ اب کیا ہوا؟ شاید زلزلہ آ رہا ہے۔ حریف شاید ان تمام حربوں سے ناکام ہو کر مجھے زمین میں دفن کرنے پر تل گئے ہیں لئے زلزلے کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں زمین کے لرزنے کی یں آ گئی۔ آٹھ دس جنگلی بھینسے میری جانب دوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ اس بار میں فزدہ نہیں ہوا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول رکھی تھیں۔ کیا ہو گا زیادہ سے زیادہ..... یہ

بھینسے مجھے اپنے طاقتور کھروں سے کچل دیں گے..... مجھے اپنے سینگوں پر اُچھالیں گے۔ میں مر ہی جاؤں گا۔ لیکن اب میں مرتے دم تک جاپ کے الفاظ دہرانا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ میرے دل کی حرکت بند بھی ہو جائے تو اپنے مقصد کی تکمیل کرتے ہوئے..... اپنا مقصد حاصل کرتے ہوئے۔

بہرحال! یہ جنگلی بھینسے میری جانب بڑھے اور پھر بڑی عجیب بات ہوئی۔ ان جنگلی بھینسوں کا فاصلہ مجھ سے کوئی ایک گز رہ گیا تو اچانک ہی وہ کسی چیز سے ٹکرائے۔ وہ کیا چیز تھی؟ کیونکہ میری نظروں کے سامنے تو شفاف منظر نظر آ رہا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ بھینسے ٹوٹ پھوٹ گئے۔ کسی کے سر سے خون بہنے لگا، کسی کے سینگ ٹوٹ گئے۔ بہرحال یہ تماشہ کافی دیر تک جاری رہا۔ یہ بھینسے ٹوٹی پھوٹی ہوئی حالت میں میری طرف بڑھتے اور کسی چیز سے ٹکرا کر پلٹ جاتے۔ پھر تھک ہار کر وہ بھی غائب ہو گئے۔ بڑی اذیت ناک رات تھی یہ۔ اس کے بعد کوئی خوفناک واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ اب تو صرف ایک ہی لگن تھی کہ بقیہ دن بھی پورے ہوں اور میں اس مورتی کا مالک بن جاؤں۔

پھر چالیسواں دن بھی آ گیا۔ شکر تھا کہ اس کے بعد کوئی مجھے تنگ کرنے نہیں آیا۔ دل میں ایک خوف کا احساس بھی تھا کہ دیکھو، آگے کیا ہوتا ہے۔ لیکن یہ خوشی بھی تھی کہ چلو یہ جاپ تو ختم ہو گیا......

چالیسواں دن بھی آہستہ آہستہ اپنا وقت پورا کر رہا تھا۔ میں بھی انتہائی توجہ کے ساتھ جاپ میں مصروف تھا اور ساتھ ساتھ آگے پیش آنے والے ایسے واقعات کا منتظر تھا۔ اس دوران مجھے بہت سے اندازے ہوئے تھے۔ جاپ کے ان دنوں میں مجھے ڈرانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تھی لیکن میری تقدیر نے میرا ساتھ دیا تھا۔ دن اور رات کی تمیز کئے بغیر میں نے اس کا پھیر کیا تھا۔ نجانے کتنی بار یہ عمل دہرایا تھا۔ اب تو مجھے یہ الفاظ ایسے ازبر ہو گئے تھے کہ شاید انہیں زندگی بھر نہ بھول پاتا۔ ویسے ایک بہت اچھا تجربہ ہوا تھا۔ عام دنیا میں لوگ کہتے ہیں کہ جو لوگ نئے نئے لوگوں سے ملتے ہیں، ان سے خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں، ان کے کام آتے ہیں اور ان سے کام بھی لیتے ہیں، وہ دنیا میں کامیاب کہلاتے ہیں۔ لیکن میرا تو کسی انسان سے پالا ہی نہیں پڑا تھا۔ ہر لمحہ، ہر دن زبردست تحفے میرے منتظر رہتے جو میرے خیر خواہوں نے مجھے ڈرانے کے لئے، میرا جاپ توڑنے کے لئے بھیجے

تھے۔ اپنے ان محسنوں کے تحفوں کو بھی نہیں بھول سکتا تھا۔ وہ مکروہ شکل کی بلیاں جن کی غراہٹ آدمی کے بدن کو لرزا دے۔ وہ انسانی آوازوں میں ہنسی تھیں۔ انہوں نے میرا مذاق اڑایا تھا۔ مجھے روکنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بعد وہ مرد اور عورت..... آہ! وہ منظر..... وہ منظر تو جیسے میرے دماغ پر نقش ہو گیا تھا۔ وہ عورت جس طرح سے اس آدمی کو کھا رہی تھی، اس کا انداز جانوروں سے بھی بدتر تھا۔ کس طرح اس نے اس شخص کی آنکھیں نوچی تھیں۔ کان چبائے تھے۔ اور وہ شخص..... اس کی زبان بالکل صحیح کام کر رہی تھی۔ حالانکہ شروع میں اس کے الفاظ میری سمجھ میں نہیں آئے تو میں یہی سمجھا تھا کہ شاید ہونٹ کٹا ہونے کی وجہ سے ایسا ہے۔ لیکن آخری وقت میں..... اس آخری وقت میں وہ صحیح الفاظ ادا کر رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دونوں بھی بدروح تھے۔ پھر وہ بکرے کے کٹے ہوئے سر جو میری توجہ ہٹانے کے لئے پھینکے گئے تھے۔ پھر بچوں کے رونے کی آوازیں۔ اس کے بعد وہ ہیبت ناک بونے جو مجھے مارنے کے لئے بے چین تھے۔ اور اس کے بعد وہ بھینسے جن کی آنکھوں میں خون کی جھلک تھی..... اس طرح نمودار ہوئے تھے جیسے مجھے ختم ہی کر دیں گے۔ لیکن میں خوفزدہ ہوئے بغیر ان تحفوں کو قبول کرتا رہا تھا۔ انہیں برداشت کرتا رہا تھا۔ اور اب..... اب اس جاپ کے اختتام کا وقت آن پہنچا تھا۔

☆.....☆.....☆

پھر سورج ڈھل گیا اور یہی وقت تھا جب میرا جاپ مکمل ہو گیا۔ ہاں..... چالیسویں دن سورج ڈھلنے تک کا وقت بتایا گیا تھا مجھے۔ پھر اچانک میں نے کسی کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا اور اپنی جگہ سہم گیا۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی میرے محسنوں کا کوئی تحفہ ہو۔ چنانچہ میں اس تحفے کے استقبال کے لئے تیار ہو گیا۔

غالباً وہ کوئی عورت ہی تھی۔ اس کے پیروں میں گھنگھرو بندھے ہوئے تھے اور اس کے قدموں کی دھمک کے ساتھ ساتھ آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ میرے قریب آ گئی۔ اور میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ بالکل قریب آ گئی اور اس کی شکل دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

آنے والی رندھیرا تھی۔ چہرے پر وہی مسکراہٹ کا انداز لئے۔ آنکھوں میں وہی روشنی تھی۔ لیکن..... لیکن مجھے محتاط رہنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے یہ بھی فریب ہو اور اگر میں اپنی جگہ چھوڑ دوں تو سب ختم ہو جائے۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔ ''مدو!''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''مدو..... ! میں ہوں، رندھیرا۔ تمہاری ساتھی..... تمہاری دوست۔''

جواب میں، میں نے خاموشی ہی اختیار کئے رکھی۔

''مدو! تمہارا جاپ ختم ہو گیا ہے۔ اب تم آزاد ہو۔ تم بول سکتے ہو۔ تم اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر جا سکتے ہو۔ باہر کی فضاؤں میں سانس لے سکتے ہو۔ کچھ تو بولو۔''

''مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ واقعی میرا جاپ تو ختم ہو گیا ہے اور میں کسی کو کم از کم مخاطب کر سکتا ہوں۔ چنانچہ میں نے کہا۔ ''میں کیسے مان لوں کہ تم رندھیرا ہو.....؟''

جواب میں رندھیرا کا قہقہہ بلند ہو گیا۔ اب میرے پاس کوئی نشانی تو ہے نہیں جو تمہیں دکھاؤں اور یقین دلاؤں۔''

''پھر بھی..... یہ میری نظر کا دھوکہ بھی ہو سکتا ہے۔''

''اور میری آواز.....؟''

''ان چالیس دنوں میں، میں نے یہاں جو کچھ دیکھا ہے اس کے سامنے تمہاری آواز کا
برا جیسی ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔''

''نہیں مدو! میرا یقین کرو۔ میں رندھیرا ہوں۔ اچھا اچھا یہ دیکھو.....'' یہ کہہ کر وہ میری
ب بڑھی اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں اس سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتا رہا
اس کی گرفت اور مضبوط ہو رہی تھی۔ مجھے مجبوراً کھڑا ہونا پڑا۔ اس نے پھر کہا۔ ''دیکھو
! مجھ سے پہلے تم نے جو کچھ یہاں دیکھا یا جن چیزوں سے تمہارا واسطہ پڑا انہوں نے
ں چھوا تک نہیں اور چھو بھی کیسے سکتے تھے۔ جاپ کے دوران تمہارے اردگرد ایک دیوار
۔ ایک ایسی دیوار جو نہ تمہیں نظر آ سکتی تھی اور نہ کسی اور کو۔ اور تم تک پہنچنے والی ہر چیز
دیوار سے رُک جاتی تھی۔ اور جہاں تک اس بکرے کے خون کی چھینٹوں کا تعلق ہے تو
کے لئے دیوار کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایک بے ضرر سی چیز تھی۔ لیکن تم دیکھ لو ایک بھی
سے ٹکرا نہ سکا۔ میں تمہیں ہاتھ لگا سکتی ہوں۔ میں نے تمہیں ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا ہے۔
ا بات کا ثبوت ہے کہ میں ان میں سے نہیں ہوں۔ میں صرف اور صرف رندھیرا ہوں۔
ی میڈم..... تمہاری دوست..... اور اب تم آزاد ہو۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ واقعی یہ سب کچھ درست ہی لگ رہا تھا۔ اگر یہ رندھیرا نہ ہوتی تو
چھو نہیں سکتی تھی کیونکہ اس سے پہلے جتنے بھی لوگ یا بدہیئت چیزیں میرے پاس مجھے
نے کے لئے آئی تھیں ان سب نے مجھے چھوا نہیں تھا۔

رندھیرا نے پھر کہا۔ ''اب جبکہ تم آزاد ہو تو تم اپنے انعام کے حق دار بھی ہو۔ آؤ میرے
.....'' رندھیرا نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لئے ہوئے سمپورنی کے مجسمے کے قریب پہنچ
۔ پھر اُس نے سمپورنی کے پیروں کو چھوا اور میں نے دیکھا کہ اس کے پیروں کے پاس
زمین سرکنی شروع ہو گئی۔ غالباً اس کے پیروں میں کوئی بٹا تھا جس کے دبانے سے زمین
خلا نمودار ہو گیا تھا۔ پھر وہاں اتنی جگہ بن گئی کہ ایک آدمی وہاں سے بہ آسانی اندر جا سکتا
رندھیرا نے میرا ہاتھ پکڑا اور پھر نیچے قدم رکھ دیا۔ نیچے کئی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جو
کسی تہہ خانے میں جا کر ختم ہوتی تھیں۔ ہم نے ان سیڑھیوں سے نیچے اترنا شروع کر

دیا۔ ابھی ہم نے اٹھ دس سیڑھیاں طے کی ہوں گی کہ ایک جانب سے آواز آئی۔ ''بچا لو..... ہمیں بچالو.....''

میں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ وہ ایک سرکٹا شخص تھا۔ ہاں..... میں نے پورے ہوش وحواس کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔ وہ سرکٹا ہی تھا۔ لیکن یہ سرکٹا بول رہا تھا۔ میں خوف سے کانپنے لگا۔

''نہیں ممدو! ڈرو نہیں۔ یہ ہمیں کچھ نہیں کہے گا۔'' رندھیرا نے کہا۔

ہم کچھ اور نیچے اُترے تو ایک اور شخص کو دیکھا۔ اس کے پورے بدن پر کانٹے تھے اور دونوں آنکھیں غائب تھیں۔ ''ارے لڑکے! بچالے..... بڑا انیائے ہوا ہے ہمارے ساتھ بلکہ ظلم کیا ہے ہم نے اپنے جیون کے ساتھ۔ بھگوان کے لئے بچالے ہمارا جیون.....''

میں بہرحال انسان تھا ڈر تو لگ رہا تھا لیکن اتنا یقین تھا مجھے کہ رندھیرا کے ہوتے ہوئے اب مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ نیچے اترنے کے دوران اسی طرح کے لوگ مجھ سے ٹکراتے رہے۔ کسی کا سر نہیں تو کسی کے جسم پر کانٹے تھے، کوئی کوڑھ کا مریض تھا تو کوئی ہاتھ سے محروم تھا۔ لیکن سب کی زبان پر ایک ہی پکار تھی کہ انہیں بچالیا جائے۔

پھر ہم نیچے تہہ خانے میں پہنچ گئے۔ یہاں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور ہر چیز واضح نظر آ رہی تھی۔ بالکل غار جیسی جگہ تھی۔ جیسے کسی غار کا اندرونی حصہ ہو۔ رندھیرا بولی۔ ''جانتے ہو یہ لوگ کون تھے؟''

جواب میں، میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''یہ اس مورتی کے حصول کے خواہش مند تھے۔''

''کیا؟''

''ہاں! تم سے پہلے ان لوگوں نے مجھ سے مورتی کے حصول کی خواہش ظاہر کی اور میں انہیں یہاں لے آئی۔ لیکن یہ سب کمزور دل کے مالک تھے۔ ان کا دل تمہاری طرح مضبوط نہیں تھا۔ ان کے اندر اعتماد کی کمی تھی۔ یہ سب ان چیزوں سے ڈر گئے تھے جو صرف نظر کا دھوکہ تھیں۔ انہیں ڈرانے کے لئے تھیں۔ جاپ سے روکنے کے لئے تھیں۔ اس جاپ کا اصول ہے کہ جب جاپ الٹا ہوتا ہے تو اس کے لئے بیدیکا سزا تجویز کرتا ہے۔ سمپوانی کا دلارا۔ بیدیکا اپنے من پسند شراپ میں اس بھگت کو ڈال دیتا ہے اور پھر وہ بھگت ساری

زندگی یہیں گزارتا ہے۔ آؤ! میں تمہیں بیدیکا سے ملواؤں۔'' وہ مجھے پھر ایک جانب لے چلی۔ سامنے دیوار ہی تھی اور میں حیران تھا کہ یہ مجھے کہاں لے جانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن جلد ہی بات سمجھ میں آ گئی۔ اس سامنے والی دیوار میں ایک خلا نمودار ہو گیا۔ رندھیرا نے مڑ کر مجھے دیکھا۔ پھر بولی۔ ''آؤ ممدو! میرے پیچھے چلے آؤ۔''

میں اس کے پیچھے پیچھے اس خلا میں داخل ہو گیا۔ یہاں نسبتاً زیادہ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں، میں نے سامنے ایک بہت بڑا مجسمہ دیکھا جو زمین سے تقریباً پانچ فٹ اونچا تھا۔ اس کا پھیلاؤ کوئی آٹھ فٹ تھا۔ عجیب سے بے ڈھنگے ہاتھ پاؤں دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ چہرہ انتہائی بھیانک۔ بدن پر لبادہ تراشا گیا تھا جس میں سے ہاتھ پاؤں باہر نکل کر پھیلتے چلے گئے تھے۔

رندھیرا نے کہا۔ ''یہ بیدیکا ہے۔ سمپورنی کا چھیتا۔ میرے من کا میت..... ہاں..... میرے من کا میت.....''

میں نے دیکھا کہ رندھیرا کی آنکھوں میں خمار بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔ پھر رندھیرا نے تھرکنا شروع کر دیا۔ کہیں سے طبلے کی آواز آ رہی تھی۔ لیکن اس طبلے کا اس کمرے میں نام نشان نہیں تھا۔ بس آواز ہی آ رہی تھی۔ وہ کسی ماہر رقاصہ کی طرح رقص کر رہی تھی اور میں حیرانی سے اس کی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ بڑا ہیجان خیز رقص تھا۔ میں نے اس سے پہلے رندھیرا کو اتنے جوش میں نہیں دیکھا تھا۔ رندھیرا ایک اچھے خاصے بدن کی مالک عورت تھی۔ لیکن اس وجود کے باوجود اُس کی یہ مہارت دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔ کافی دیر تک وہ رقص کرتی رہی۔ طبلے کی آواز کے ساتھ گھنگھروؤں کی جھنکار ایک عجیب سماں پیدا کر رہی تھی۔ رندھیرا کا چہرہ شدت جوش سے سرخ ہو گیا تھا۔ لیکن..... لیکن یہ کیا۔ اس کے چہرے کی کھال پھٹنی شروع ہو گئی تھی۔ پھر اس کے ہاتھوں، پیروں کی کھال بھی پھٹنے لگی۔ اس کا بدن نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ پھر اس کی زبان اس کے سینے پر لٹک آئی۔ آنکھیں لال انگارہ ہو گئیں۔ جبڑے کھنچ گئے۔

میں خوفزدہ بھی تھا اور حیران بھی کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ پھر اس کے رقص کرنے کی رفتار کم ہونے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ طبلے کی آواز بھی مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ پھر وہ بھی ختم ہو گئی اور رندھیرا بھی رُک گئی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ آہ! وہ آنکھیں..... ان آنکھوں میں

انگارے روشن تھے۔

پھر طبلے کی تھاپ دوبارہ شروع ہوئی اور وہ اس کے ساتھ دوبارہ رقص کرنے لگی۔ اس بار میں نے عجیب وغریب منظر دیکھا.....اُس کے بدن میں ہاتھوں کی جگہ سے مزید دو ہاتھ نکلنا شروع ہو گئے پھر اس کی لمبائی اصلی ہاتھوں جتنی ہوگئی۔ پھر اس کے بدن سے اس کی ٹانگیں بھی دو سے چار ہوئیں۔ پھر مزید نکلنے لگیں۔ اور اب وہ اپنی اصلی ٹانگوں کے علاوہ اپنی اضافی ٹانگوں پر بھی ناچ رہی تھی جس کی وجہ سے اس کا باقی جسم کبھی دائیں طرف جھک جاتا اور کبھی بائیں طرف۔ بڑا پراسرار اور ہولناک منظر تھا۔ رندھیرا خود کسی چڑیل سے کم نہ تھی۔ بکھرے بال، لٹکی ہوئی زبان۔ اس کے سارے ہاتھ پاؤں، پھٹا ہوا گوشت.....پھر رقص کرتے کرتے اچانک وہ رُک گئی اور تیزی سے میری طرف مڑی۔ ''ممدو!'' بڑی عجیب سی آواز تھی اس کی۔ ''جی.....جی.....''

''ممدو! تجھے مورتی چاہئے نا؟''

''جی!'' میں شدید خوفزدہ تھا۔

''آؤ.....میرے پاس آؤ۔''

''کیا.....؟''

''میرے پاس آؤ ممدو!'' اس نے نرم لہجے میں کہا لیکن میں اس کے حلیئے سے شدید خوفزدہ تھا۔

''میں آج خوش ہوں ممدو! بہت خوش ہوں۔ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہو۔ تم نے وہ حاصل کرلیا ہے جس کے لئے کئی لوگ اپنا جیون گنوا بیٹھے۔ کیا تم خوش ہو؟''

''جی.....''

''بہت خوش؟''

''جی بالکل!''

''اچھا! تو پہلے یہ مورتی لے لو۔'' اس نے اپنے لباس سے ایک مورتی نکالی۔ یہ وہی مورتی تھی جو اس نے پہلے مجھے دی تھی۔ میں ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا اور پھر میں نے وہ مورتی اس کے ہاتھ سے لے لی۔ اس نے پھر کہا۔ ''ممدو! تم نے یہ مورتی بے شک حاصل کر لی ہے اور تم اس کے حق دار ہو۔ لیکن یہ کام تم نے صرف اپنے لئے کیا ہے نا؟''

''جی!''

''اور اس کام کے بدلے میں مورتی کسے ملی؟ تمہیں ہی ملی نا!''

''جی، بالکل!''

''تو اس میں تو سارا فائدہ تمہارا ہی ہوا۔ اس میں مجھے کیا ملا؟''

''آپ میری جان لے سکتی ہیں۔''

''ارے نہیں! ایک اتنی ہمت والا لڑکا، جس نے بڑے بڑوں سے ادھورا رہ جانے والا عمل کر دکھایا اس کی زندگی تو میرے لئے انتہائی قیمتی ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ تم میرے دوست ہو اور اس دوستی کے صلے میں، میں تم سے ایک کام لینا چاہتی ہوں۔''

''مجھے بتایئے۔ کیا کام لینا چاہتی ہیں آپ مجھ سے..... میں وعدہ کرتا ہوں، آپ کا ہر کام کروں گا۔'' میں نے سہمے سہمے انداز میں کہا۔ میری اب بھی وہی کیفیت تھی۔

''نہیں ممدو! ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اب سپوانی کا مجسمہ تمہارے پاس ہے۔ اب تم خود ڈرانے والی چیز ہو۔ ایک طاقت کے مالک ہو۔ اب تم اس طاقت کو استعمال کرتے ہوئے میرا وہ کام کرو گے۔''

''جی..... میں نے پھر اسی انداز میں کہا۔

''اس دنیا میں ہر شخص کے کچھ ایسے دوست ہوتے ہیں جیسے تم میرے دوست ہو۔ لیکن زندگی کے ہر موڑ پر اس کے دشمن بھی اس کے منتظر ہوتے ہیں اور ان کا ایک ہی کام ہوتا ہے اپنے حریف کا نقصان یا پھر اس کی موت۔ اس جیون پھیر میں میرے بھی پانچ دشمن ہیں جو میری جان لینے کے خواہش مند ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میں ہی انہیں ان کے جیون سے آزاد کر دوں۔ انہیں اس تکلیف سے ہمیشہ کے لئے مکتی مل جائے کہ میں ابھی تک زندہ کیوں ہوں۔ تم سمجھ رہے ہو نا میری بات؟''

''جی میڈم!''

''اور اس کام میں تم میرا ساتھ دو گے۔ بلکہ ان پانچوں دشمنوں کو تلاش کر کے تم ہی ان کا خاتمہ کرو گے۔''

''جی میں.....؟'' میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''ہاں! تمہیں میرا یہ کام کرنا ہوگا۔ مجھے اپنے پانچوں دشمنوں کا خون چاہئے۔''

''لیکن میں.....کس طرح.....؟'' میں مسلسل گھبرایا ہوا تھا۔

''سمپورنی کی مورتی ہے تمہارے پاس۔ یہ بہت بڑی شکتی ہے اور اس شکتی کا مظاہرہ تم دیکھ چکے ہو۔ ترتیب وار ان دشمنوں کا خیال کرنا۔ یہ مورتی ان تک پہنچنے میں تمہاری معاون و مددگار ہوگی۔ اس کے بعد کیا کرنا ہے، تمہیں خود ہی سوچنا ہوگا۔ مجھے بس ان کا خون چاہئے اور جب تم ان پانچوں کا خون میرے پاس لے آؤ گے تو پتہ ہے کیا ہوگا؟''

''کیا؟''

''یہ سمپورنی کی شکتی کچھ معاملات میں محدود ہے۔ لیکن ان پانچوں کے خون لانے کے بعد تم امرشکتی کے مالک بن جاؤ گے۔ میں تمہیں وہ شکتی دوں گی کہ پھر شاید تم سے بڑا شکتی مان کوئی نہ ہو۔'' پھر اس نے بیدیکا کے مجسمے کے نیچے رکھا ہوا ایک پیالہ اٹھایا۔ اس پیالے میں ایک عجیب سا سیال تھا۔ اس کا رنگ بالکل سفید تھا۔ یہ بالکل پانی کی طرح تھا لیکن پانی سے گاڑھا تھا۔ اُس نے یہ سیال میرے منہ پر ڈال دیا..... ''جا بالک! وجے ہو تیری.... تیری وجے ہو..... سمپورنی کی شکتی تیرے ساتھ ہے۔ رندھیرا کا آشیرباد تیرے ساتھ ہے۔ وجے تیرا مقدر ہے..... تیری وجے اوش ہے.... تیری وجے ہوگی۔''

رندھیرا بلند آواز میں کہتی رہی لیکن میں خاموش رہا تھا اور اس خاموشی کی وجہ آنکھوں میں ہونے والی شدید جلن تھی جس نے مجھے بے چین کر دیا تھا۔ میں اپنی بے چینی کا اظہار رندھیرا کے سامنے کرنا چاہتا تھا۔ لیکن پھر یہ جلن شدید تر ہوگئی اور میں نے دونوں ہتھیلیاں آنکھوں پر رکھ لیں۔ مورتی میرے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں دبی ہوئی تھی۔ کافی دیر تک میں اپنی آنکھیں ملتا رہا۔ یہ شاید اسی پانی کا اثر تھا جو رندھیرا نے میرے چہرے پر ڈالا تھا۔ اس پانی میں مرچیں یا ایسی ہی کوئی چیز شامل تھی کہ کچھ دیر کے لئے میری آنکھیں بالکل بند سی ہوگئی تھیں۔ پھر یہ جلن ختم ہونا شروع ہوگئی۔ لیکن میں اب بھی آنکھیں مل رہا تھا۔ اور پھر آہستہ آہستہ یہ جلن ختم ہوگئی تھی۔ میں نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔

لیکن..... لیکن... یہ کون سی جگہ تھی؟ سارا منظر ہی تبدیل ہو گیا تھا۔ اب نہ وہ مندر تھا، نہ بیدیکا کا مجسمہ اور نہ رندھیرا میرے سامنے تھی بلکہ میں میدانی ڈھلوان میں کھڑا تھا۔ ایک ایسا میدانی ڈھلان جس میں مختلف قسم کے خودرو پودے اگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں لمبی گھاس ان پودوں کے درمیان جھانک رہی تھی۔ دور دور تک کھلا میدان نظر آتا تھا۔ کافی دور ایک

سڑک نظر آ رہی تھی۔ میں اس سڑک کی طرف چل پڑا۔

دل میں یہی خیال تھا کہ کسی طرح اس سڑک تک پہنچ جاؤں اور کسی ایسے شخص کو تلاش کروں جو مجھے کسی آباد علاقے کا راستہ بتائے یا مجھے وہاں لے جائے۔ چنانچہ میں چلتا رہا اور پھر اوپر پہنچ گیا۔ یہ ایک شفاف سڑک تھی۔ دور دور تک کسی آدم زاد کا نام و نشان نہ تھا۔ سڑک کے دوسری طرف بھی ایسے ہی ڈھلان تھے۔ کافی دیر تک میں اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر ایک جانب سے دھول اُڑتی ہوئی نظر آئی۔ غالباً کوئی گاڑی اس طرف آ رہی تھی۔ میرا اندازہ درست نکلا کیونکہ اس دھول میں سے ایک گاڑی برآمد ہوئی۔ دراصل یہ وہ مٹی اور دھول تھی جو اس سڑک کے کناروں پر موجود تھی اور تیزی سے گزرنے والی گاڑیاں اس دھول کو اڑاتی ہوئی گزرتی ہوں گی۔

بہرحال میں اس بات کے لئے تیار ہو گیا کہ اس گاڑی کو ضرور روکوں گا۔ چنانچہ میں سڑک کے درمیان میں آ گیا۔ البتہ اتنی جگہ میں نے ضرور چھوڑ دی تھی کہ اگر گاڑی والا مجھے نہ دیکھ پائے تو میں ایک طرف ہو جاؤں تاکہ محفوظ رہوں۔ پھر میں نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے اور زور زور سے اس انداز میں ہلانے شروع کر دیئے جیسے میں مدد چاہتا ہوں۔ پھر اس گاڑی والے نے شاید مجھے دیکھ لیا تھا کیونکہ اس کی گاڑی کی رفتار کم ہونا شروع ہوگئی۔ گاڑی میرے قریب آ کر رُک گئی۔ یہ بالکل نئی چمکتی ہوئی گاڑی تھی۔ پھر اس میں سے ایک آدمی باہر نکلا۔ اچھا خوش شکل آدمی تھا۔ رنگ گورا، خوبصورت لمبے بال جو شانوں تک چلے گئے تھے۔ آنکھوں میں سنہری فریم کی عینک، ہاتھوں میں انگشتریاں، گلے میں چین پڑی تھی، جدید تراش خراش کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ دیکھنے دکھانے والی چیز تھی۔ اس نے کہا۔ ''آپ یہاں تنہا اس ویرانے میں کیا کر رہے ہیں؟''

''کچھ نہیں..... ایک مسافر ہوں۔''

''راستہ بھول گئے ہیں کیا؟''

''جی.....''

''لیکن آپ کے پاس کوئی سواری نہیں ہے۔''

''نہیں جی! میں شہر جانے والی بس میں سوار ہوا تھا پھر بس ایک جگہ رکی۔ سب نیچے اتر کر ادھر اُدھر گھومنے لگے۔ میں بھی ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور میری آنکھ لگ گئی۔ آنکھ

کھلی تو بس جا چکی تھی۔''

''اوہو..... یہ تو بہت برا ہوا۔''

''ہاں جی! شہر جانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ میری مدد کریں گے؟''

''ہاں! کیوں نہیں؟ میں شہر ہی کی طرف جا رہا ہوں۔ میرے ساتھ چلیں۔ شہر میں آپ جہاں کہیں بھی کہیں گے، میں آپ کو اُتار دوں گا۔'' اس نے کہا اور ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والا دروازہ کھول دیا۔ میں اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ پھر اچانک اس نے کہا۔

''آپ کا سامان وغیرہ.....؟''

''وہ بس میں ہی تھا۔'' سامان کے ذکر سے مجھے مورتی یاد آ گئی جو میں نے اندرونی لباس میں چھپا لی تھی۔

''اوہ.....! یہ تو بہت برا ہوا۔ آپ کا پرس وغیرہ تو ہے آپ کے پاس؟''

''جی نہیں!''

''تو کیا وہ بھی اس سامان کے ساتھ.....''

''جی ہاں! بالکل.....''

''پھر تو اس بس کو تلاش کرنا ہوگا۔ اگر سامان نہ ملا تو اس کی رپورٹ کرنا ہوگی۔''

''چھوڑیں صاحب! اب جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔''

''لیکن پھر بھی کوئی اہم کاغذ، کوئی ایسی دستاویز جو اہم ہو اور جس کے لئے رپورٹ کرنی پڑے۔''

''نہیں صاحب! اس سامان میں صرف میرے کپڑے اور کچھ پیسے تھے۔''

''چلو! یہ بھی غنیمت ہے۔ بہر حال برا ہوا ہے۔ بہت برا ہوا۔ تم کہو تو اس سامان کے حصول کے لئے میں کوشش کروں؟''

''نہیں صاحب! آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں؟ جانے والی چیز تھی چلی گئی۔ اب اس کا غم کیا کرنا؟''

''تمہارا نام نہیں پوچھا میں نے ابھی تک۔ تمہارا نام کیا ہے.....؟''

''ممدو..... ممدو ہے جی میرا نام۔''

''مجھے دلاور خان کہتے ہیں۔''

''ممدو! تم رہتے کہاں ہو؟ کیا اسی شہر میں.....؟''

''نہیں جی! اس شہر میں تو میں ایک اجنبی کی حیثیت سے جا رہا ہوں۔ میں تو جمال پور کے ایک علاقے شاہ بستی میں رہتا ہوں۔''

''اچھا آپ کے والد کیا کرتے ہیں؟''

''والد نہیں ہیں.....''

''اور والدہ؟''

''وہ بھی نہیں ہیں۔''

''بڑا افسوس ہوا سن کر۔ آئی ایم سوری..... آئی ایم ویری سوری.....''

جواب میں، میں خاموش ہی رہا۔

''آپ پڑھتے ہیں؟''

''نہیں جی!''

''پھر کوئی کام وغیرہ کرتے ہیں؟''

''جی ہاں! ایک دکان پر ملازم ہوں۔''

''اچھا اچھا.....'' پھر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ کافی دیر تک اسی طرح خاموشی چھائی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ''فیروز آباد میں کہاں قیام کریں گے؟''

اس کے پوچھنے پر پہلی بار مجھے اس شہر کا نام پتہ چلا جہاں ہم جا رہے تھے۔ میں نے کہا۔

''وہاں میرا کوئی جاننے والا نہیں ہے۔''

''پھر..... آپ کے پاس تو اب پیسے بھی نہیں ہیں۔''

''جی.....'' میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔

''آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ میرے ہاں قیام کریں؟ بلکہ یہی مناسب رہے گا۔''

''جی آپ کا یہ احسان ہی بہت ہے کہ آپ مجھے شہر تک لے جا رہے ہیں۔ ورنہ میں تو ان بیابانوں میں ہی سر ٹکراتا پھرتا۔''

''اس میں احسان کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ بحیثیت انسان یہ میرا فرض ہے اور اگر کوئی شخص یہ سب نہیں کرتا تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ انسانیت سے خارج ہے۔ چنانچہ آپ کے لئے بہتر یہی ہے کہ آپ کچھ روز میرے ہاں قیام کریں۔ جس مقصد کے لئے آپ یہاں

آئے ہیں، اسے پورا کیجئے اور پھر اپنے شہر روانہ ہو جائیے۔''

''جی..... میرے خیال میں.....''

''خیال وغیرہ آپ چھوڑ دیں۔ آپ کو اب میرے گھر رہنا ہوگا۔ اللہ کا دیا میرے پاس بہت کچھ ہے۔ آپ کو وہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اور ہاں..... رقم وغیرہ کی پرواہ بھی بالکل نہ کیجئے گا۔''

میں اُس کو کیا جواب دیتا؟ خاموش ہی رہا۔ پھر کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد گاڑی شہر میں داخل ہوگئی۔ گاڑی کچھ دیر مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ راستے میں مجھے اندازہ ہوا کہ یہ چھوٹا سا شہر ہے لیکن صاف ستھرا ماحول ہے۔ سڑکیں خوبصورت ہیں۔ چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی چھائی ہوئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بازار ہیں۔ بڑا ہی پرسکون ماحول ہے۔ اتنی بڑی تبدیلی....... بہرحال اس تبدیلی سے میں اب تک پریشان رہا تھا لیکن اب کچھ سکون محسوس ہو رہا تھا۔ اب مجھے ایک مقصد مل گیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ طاقت بھی دی گئی تھی۔ ایک ایسی طاقت جو بہرحال ایک حیثیت رکھتی تھی اور یہ شخص..... یہ شخص تو میرے لئے فرشتہ ہی ثابت ہوا تھا۔

پھر گاڑی مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی ایک کوٹھی کے سامنے جا کر رُک گئی۔ پھر اس آدمی نے ہارن بجایا۔ ایک ملازم نے دروازہ اندر سے کھول دیا اور دلاور خان گاڑی اندر لیتا چلا گیا۔ اس نے گاڑی ایک جگہ روک دی۔ ''آؤ!'' اس نے کہا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

میں بھی نیچے اتر آیا تھا۔ میں نے دلاور خان کو دیکھا۔ اچھا خاصا لمبا چوڑا تھا یہ شخص۔ انتہائی شاندار شخصیت تھی اس کی۔ پھر میں نے کوٹھی پر نظر دوڑائی۔ انتہائی خوبصورت کوٹھی تھی۔ ایک طرف وسیع لان تھا جس میں مختلف قسم کے پھول لگے ہوئے تھے۔ دیوار کے ساتھ ساتھ ناریل کے درخت بھی تھے۔ کوٹھی کی شان وشوکت سے مجھے دلاور خان کی حیثیت کا اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ شخص انتہائی دولت مند ہے۔ بڑی آن بان ہے اس کی۔

دلاور خان مجھے لئے ہوئے آگے بڑھا اور سامنے کی سمت جانے کی بجائے دائیں سمت چلا گیا۔ آگے جا کر میں نے دیکھا کہ دیوار کے ساتھ ساتھ چار پانچ کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کے آگے چھوٹی چھوٹی کیاریاں بنی ہوئی تھیں جن میں پودے لگے ہوئے تھے۔ پھر

دلاور خان ان کمروں میں سے ایک کے دروازے کے پاس آیا اور زور سے کسی کو آواز دی۔ ''بادشاہ! او بادشاہ خان!''

جواب میں اندر سے آواز سنائی دی۔ ''او آتا ہے خاناں! ابی آتا ہے.....'' دو منٹ کے بعد دروازہ کھلا اور اندر سے ایک آدمی برآمد ہوا۔ مضبوط ہاتھوں پیروں والا پٹھان تھا۔ معمولی لباس پہنے ہوئے تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ ''سلام صاحب! تم آ گیا صاحب!''

''تو کیا نہیں آتا.....؟''

''نہیں صاحب! کیا بات کرتا ہے۔ ہم تو انتظار کرتا تھا آپ کا.....''

''چلو! انتظار ختم ہو گیا تمہارا۔ اب خوش ہو نا؟''

''جی ہاں! بہت خوش ہوں۔''

''اچھا سنو! یہ ہمارے مہمان ہیں۔ یہ کچھ دن یہیں قیام کریں گے۔''

''جی اچھا صاحب!''

''بھئی یہ تمہارے ساتھ قیام کریں گے۔ ان میں سے ایک کمرہ انہیں دے دو۔ کھانے وغیرہ کا خیال رکھنا..... ان کو کوئی پریشانی اور تکلیف نہ ہو۔''

''جی صاحب! انہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگا۔ آپ فکر مت کرو۔''

''رشید آ گیا ہے.....؟''

''جی صاحب! وہ اندر کوٹھی میں ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' دلاور خان نے کہا اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ ''دیکھو ممدو! تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تم یہاں رہو، اپنا کام کرو، اور یہ کچھ پیسے ہیں، انہیں رکھو.....'' اس نے جیب میں سے سو سو کے چند نوٹ نکال کر میری جانب بڑھا دیئے۔

''جی.....''

''ارے اس میں جھجکنے کی کیا بات ہے۔ مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھو۔ اور کھانے پینے یا دوسری چیزوں میں بھی تکلف نہ کرنا۔ جو چاہئے ہو، بلا جھجک کہنا۔ ٹھیک ہے؟''

''جی.....''

''اور یہ.....'' اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پیسوں کی جانب اشارہ کر کے کہا۔ ''یہ

آپ رکھیں۔''

''نہیں! اگر مجھے ضرورت ہوئی تو آپ سے مانگ لوں گا۔''

''ارے نہیں!'' رکھو یہ..... رکھ لو۔'' اس نے زبردستی نوٹ میری جیب میں ٹھونس دیئے تھے۔

بادشاہ خان نے مجھ سے کہا۔'' آؤ صاحب!'' اور میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ کمرہ اچھا خاصا تھا۔ صاف ستھرا۔ ایک جانب مسہری رکھی ہوئی تھی۔ درمیان میں ایک میز رکھی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کمرے میں کوئی سامان نہیں تھا۔ بہر حال! سر چھپانے کا بہتر ٹھکانہ مل گیا تھا۔ میں نے سوچا کچھ دن یہاں رہوں گا اور اس کے بعد یہاں سے نکل کر کوئی اور جگہ تلاش کر لوں گا۔ ابھی تو رندھیرا کا کام بھی کرنا تھا۔

''صاحب! یہ آپ کے رہنے کا کمرہ ہے۔ اگر کوئی چیز چاہئے ہو، کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو آپ بلا جھجک کہو۔ ہم آپ کا خدمت کے لئے تیار ہیں۔''

''جی اچھا.....''

''او صاحب! آپ ہم کو بولتا ہے جی اچھا۔ اب حکم کرو۔''

''مجھے بھوک لگ رہی ہے.....''

''صاحب..... ہم ابھی آپ کے لئے کھانا بھجواتا ہے۔ آپ منہ ہاتھ وغیرہ دھو لو۔ وہ دیکھو..... وہ باتھ روم ہے۔'' اس نے ایک جانب اشارہ کیا۔ کمرے کے ساتھ ہی باتھ روم بنا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے.....'' میں نے کہا۔ پھر باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ اچھی طرح ہاتھ منہ دھویا۔ مجھے مورتی کا خیال آیا اور میں نے اپنے لباس میں سے مورتی نکال لی۔ مورتی بالکل صحیح سلامت تھی۔ میں نے اسے واپس اپنے لباس میں رکھ لیا۔ پھر میں باہر آ گیا۔ کچھ دیر کے لئے مسہری پر لیٹ گیا تھا۔ آرام دہ مسہری تھی اور لیٹنے میں لطف آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔'' کون ہے.....؟''

''میں ہوں..... ملازمہ..... آپ کے لئے کھانا لائی ہوں۔''

میں نے دروازہ کھول دیا۔ پندرہ سول سال کی ایک پیاری سی لڑکی کھانے کی ٹرے ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ میں ٹرے اس کے ہاتھ سے لینے لگا تو وہ بولی۔'' ارے! آپ کیوں

تکلیف کر رہے ہیں؟ میں کھانا میز پر لگا دیتی ہوں۔ اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ میں نے سے اندر آنے کے لئے راستہ دے دیا تھا۔ پھر اس نے کھانا میز پر لگا دیا۔ ساتھ پانی کا جگ بھی تھا۔ کہنے لگی۔'' کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجئے۔ میں ابھی دوبارہ چکر لگاؤں گی۔''

''نہیں..... تم جاؤ..... بس اتنا ہی کافی ہے۔'' میں نے کہا اور وہ چلی گئی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کے انداز میں عجیب سی بے چینی ہے جیسے کچھ کہنا چاہ رہی ہو لیکن کہہ نہ پا رہی ہو۔ بہر حال وہ بہت اچھی لگی تھی۔ میں نے میز مسہری کے قریب ہی کھسکا لی اور کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ انتہائی مزیدار کھانا تھا۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور پھر برتن میز پر ہی سمیٹ دیئے تھے۔ اس کے بعد میں مسہری پر جا لیٹا۔

کچھ دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔'' آ جاؤ! دروازہ کھلا ہے۔'' میں نے کہا اور وہی لڑکی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے خاموشی سے برتن سمیٹ کر ٹرے میں رکھے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوئی۔'' کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟''

''نہیں، شکریہ!'' میں نے کہا اور وہ واپسی کے لئے مڑ گئی۔ میں اسے دروازے سے باہر جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

پھر میں آرام کرتا رہا۔ میں نے تمام خیالات کو اب ذہن سے جھٹک دیا تھا اور کافی حد تک پرسکون ہو گیا تھا۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ ''کون ہے؟ اندر آ جاؤ!'' میں نے کہا اور بادشاہ خان اندر داخل ہو گیا۔ میں ایک بار پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''او لیٹے رہو..... لیٹے رہو صاحب! ہم تو یہ پوچھنے کو آیا کہ تم نے کھانا کھا لیا؟''

''ہاں بادشاہ خان.....'' میں نے جواب دیا۔

''اور چائے؟''

''نہیں! چائے نہیں پی۔''

''او صاحب! تم بہت شرماتا ہے۔ اس بی بی سے چائے کا بول دیتا، دو منٹ میں آ جاتا۔ اچھا..... ہم خود چائے لے کر آتا ہے۔'' بادشاہ خان نے کہا اور باہر چلا گیا۔ بہت اچھا

روبہ تھا ان لوگوں کا میرے ساتھ۔ ایک تو کھانا ہی اتنا شاندار تھا اس کے بعد چائے اور
دوسری چیزیں۔ میں بہر حال ان لوگوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ خان چائے لے کر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی۔
جس میں چائے کی کیتلی رکھی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی دو پیالیاں بھی تھیں۔ یہ برتن بھی انتہائی
خوبصورت تھے۔ بادشاہ خان بولا۔ ''صاحب! تم کو برا نہ لگے تو ہم بھی آپ کے
ساتھ.....؟''

''ہاں بادشاہ خان.... اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟'' میں نے کہا اور بادشاہ خان
نے دونوں پیالیوں میں چائے انڈیلی۔ پھر ایک کپ میری جانب بڑھا دیا اور دوسرا کپ
لے کر زمین پر بیٹھ گیا۔

میں نے محسوس کیا کہ بادشاہ خان کے چہرے پر کچھ ہچکچاہٹ کے آثار ہیں۔ میں نے
اس سے پوچھ ہی لیا۔ ''کچھ کہنا چاہئے ہو بادشاہ خان؟''

''ہاں صاحب! ہم جانتے ہیں، جو کچھ ہم کہیں گے اس سے ہماری زندگی خطرے میں پڑ
جائے گی لیکن ہمارا دل چاہتا ہے کہ.....''

''کہو بادشاہ خان!'' میں نے کہا۔ لیکن اسی وقت ایک عجیب سی آہٹ ہوئی اور بادشاہ
خان کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ ایسا لگا جیسے اس کا دم گھٹ گیا ہو۔ نہ جانے کیوں.....

☆.....☆.....☆

بادشاہ خان خوفزدہ نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھتا رہا، جیسے کسی کی آمد کا منتظر
ہو۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد آہٹیں ختم ہو گئیں۔ اس کا مطلب تھا کہ کوئی دروازے کے پاس
سے گزر رہا تھا اور اب وہاں سے چلا گیا تھا۔ پھر بھی احتیاطاً بادشاہ خان اپنی جگہ سے اٹھا۔
اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ دور دور تک دیکھتا رہا۔

میں اس کا جائزہ لے رہا تھا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ بادشاہ خان کس
سے خوفزدہ ہو رہا ہے یا جو کچھ وہ مجھ سے کہنا چاہتا ہے وہ کیا ہے؟ صورتحال جو کچھ بھی تھی،
میرے علم میں تھی لیکن دلاور خان وغیرہ کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ بادشاہ خان
پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد واپس پلٹا اور پھر میرے پاس آ گیا۔ اس نے بھاری آواز
میں کہا۔

''صاحب! بات کو جلدی ختم کرتا ہوں۔ اصل میں آپ کا شکل میرے چھوٹے بھائی
سے بہت ملتا جلتا ہے۔ میرا یہ چھوٹا بھائی میری بستی میں دشمنی میں مارا گیا۔ ہمارے
خاندانوں میں دشمنی چلتی رہتی ہے صاحب! بس آپ یہ سمجھ لو آج تک مجھے اپنا بھائی نہیں
بھولا۔ میں اپنے بھائی کے قاتلوں میں سے چار کو ختم کر چکا ہوں مگر ابھی تک میرے سینے
میں انتقام کی آگ روشن ہے۔ خیر! چھوڑو صاحب۔ میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ آپ
میرے بھائی کے ہم شکل ہو اس لئے میں نہیں چاہتا کہ آپ ان لوگوں کے جال میں پھنسو۔
جب میں نے پہلی بار آپ کو دیکھا تو اسی وقت میں نے دل میں سوچ لیا تھا کہ اگر میرے
سے ممکن ہو سکا تو میں آپ کی جان بچانے کی کوشش کروں گا۔ صاحب! ادھر سے نکل جاؤ۔
یہ خطرناک لوگوں کا اڈہ ہے۔ ہم لوگ ادھر ہیروئن بیچتے ہیں۔ ڈاکے ڈالتے ہیں۔ سمگلنگ
کرتے ہیں۔ سارے کام ادھر ہوتے ہیں صاحب! کسی بھی وقت ہماری زندگی خطرے میں
پڑ سکتی ہے۔ آپ کو یہ لوگ ادھر لائے ہیں۔ ابھی آپ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں

گے۔ پھر آپ کے ہاتھوں کوئی قتل کرا دیں گے اور اس کے بعد آپ کو اپنے جال میں پھانس لیں گے۔ بس یوں سمجھ لو صاحب! آپ زندگی بھر ان لوگوں کے جال سے نہیں نکل سکتے۔ پھر آپ یہ سارے کام کرنے پر مجبور ہوں گے۔ ابھی آپ آزاد ہو۔ ادھر سے نکل جاؤ.....''

بادشاہ خان کے منہ سے ابھی اتنی ہی آواز نکلی تھی کہ اچانک باہر سے گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میرے ساتھ بادشاہ خان بھی چونک پڑا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''پناہ خدایا!'' اور اس کے بعد دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ گولیاں بڑے زور وشور سے چل رہی تھیں۔

اس کے بعد ایک آواز سنائی دی۔ وہ غالباً لاؤڈ سپیکر پر سنائی دے رہی تھی۔ آواز نے کہا۔ ''خبردار! خبردار! پولیس نے تم لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اگر ایک بھی گولی اندر سے چلائی گئی تو ساری عمارت کو بموں سے اڑا دیا جائے گا۔ پولیس کی بہت بڑی تعداد نے تم لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ سامنے کے دروازے سے ایک ایک کر کے ہاتھ اٹھا کر باہر نکل آؤ تو تمہاری زندگی بچ جائے گی۔ خیال رکھنا! اگر پتھر بھی پھینکا گیا تو اس کا جواب گولی سے ملے گا۔''

پولیس بار بار یہ اعلان کرتی رہی اور میں بدحواسی اور پریشانی کے عالم میں سوچتا رہا کہ پولیس نے بھی چھاپہ مارنے کے لئے یہی وقت مقرر کیا تھا۔ بادشاہ خان کی تفصیل بتانے کے بعد ممکن تھا کہ میں فوری طور پر یہاں سے نکل جاتا۔ بادشاہ خان ضرور میری مدد کرتا۔ لیکن تقدیر نے اس کا موقع نہیں دیا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ میں کیا کروں؟ پریشانی کی لہر میرے پورے وجود میں دوڑ رہی تھی اور میرا ذہن کوئی فیصلہ کرنے سے معذور تھا۔ آخرکار یہ فیصلہ کیا کہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا رہوں۔ باقی لوگ کیا کریں گے یہ ان کا معاملہ ہے۔ اگر میں پولیس کے ہاتھ آ گیا تو اس پر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

باہر ہنگامہ آرائی ہوتی رہی۔ لیکن فائرنگ نہیں ہوئی تھی۔ یا تو ان لوگوں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ پولیس نے جو کچھ کیا ہے وہ ایسا کرنے کی پوزیشن میں ہے اور ایسا کر ڈالا جائے گا چنانچہ جان بچانا ضروری ہے۔ اور میرا یہی خیال درست ثابت ہوا۔ بھاری بوٹوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد میرے کمرے کے

وازے پر لات ماری گئی۔ اور اس کے بعد چند طاقت ور پولیس والے اندر گھس آئے۔ وہ طرح مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے جیسے جانور پکڑ رہے ہوں۔ ایک لمحے کے اندر اندر میری ائیوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ میرے منہ سے ایک مدھم سے آواز نکلی تھی۔ ''سنو .....میری بات تو سنو.....''

لیکن میری بات سننے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ مجھے دھکیلتے ہوئے عمارت سے باہر لے آئے رپھر ایک ٹرک میں اٹھا کر پھینک دیا۔ بند ٹرک میں بہت سے لوگ تھے۔ ان میں بادشاہ ان بھی تھا جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ عمارت کی صفائی کی جا رہی تھی۔ رہ افراد پکڑے گئے تھے۔ دلاور خان اُن میں نہیں تھا۔ ابھی اندر تلاشی ہو رہی تھی۔ کیاں بھی تھیں۔ ان میں وہ لڑکی بھی تھیں جس نے مجھے کھانا دیا تھا۔ سب سہمے ہوئے نظر آ ہے تھے۔

بہت دیر تک یہ ہنگامہ آرائی ہوتی رہی اور اس کے بعد پولیس کا یہ ٹرک سٹارٹ ہو کر چل ڑا۔ اس کی منزل پولیس ہیڈکوارٹر تھی۔ جس کا بورڈ مجھے نظر آ گیا تھا۔ پولیس کی ایک جیپ ھی ہمارے پیچھے آ رہی تھی اور میں دل میں سوچ رہا تھا کہ منشیات کے اڈے سے پکڑا گیا وں۔ دیکھو آگے کیا ہوتا ہے۔ پولیس ہیڈکوارٹر میں ہمیں بہت بڑے ہال میں پہنچا دیا گیا۔ ال خوب روشن تھا۔ ہتھکڑیاں پڑے ہوئے لوگ زمین پر بیٹھ گئے۔ پولیس والے ان میں سے بعض کو ٹھوکریں بھی مار رہے تھے۔ لیکن شکر تھا کہ میری طرف کوئی متوجہ نہیں ہوا تھا۔ رات آدھی کے قریب گزر گئی۔ اندر کے ماحول سے اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ اتنی رات ہو گئی ہے۔

پھر ایک ایس پی تین انسپکٹروں اور کچھ سب انسپکٹروں کے ساتھ اندر آیا۔ وہ ایک ایک کر کے ان لوگوں کا جائزہ لیتا رہا۔ ان میں سے کچھ کو اس نے نام لے کر آواز دی تھی اور بڑے طنزیہ الفاظ استعمال کئے تھے۔ پھر وہ میرے پاس پہنچا اور اچانک ہی اس کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ اُس نے ایڑیاں بجا کر مجھے سلوٹ کیا اور بدحواسی سے بولا۔ ''ارے سر..... آپ..... آپ کو..... آپ کو..... سر..... او..... سوری سر..... بیوقوفو! جلدی کرو۔ چابی منگوا کر ہتھکڑی کھولو۔ تمہیں معلوم نہیں یہ کون ہیں؟'' ایس پی کے چہرے پر ایسے بدحواسی کے آثار نظر آ رہے تھے جیسے اس نے بہت ہی بڑی اور معزز شخصیت کو دیکھ لیا ہو۔

انسپکٹر بھاگ دوڑ کرنے لگے۔ ایس پی نہایت معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ ''سر آپ یقین کریں ان گدھوں سے غلطی ہوئی ہے سر.... سر اصل میں اس آپریشن کا انچارج میں ہی ہوں سر.... پلیز سر.... آپ مجھے معاف کر دیجئے گا۔ کانسٹیبل احمق ہوتے ہیں۔ اور پھر سر آپ۔''

میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ پولیس آفیسر کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہے۔ لیکن یہ میری خوش قسمتی تھی اور میری آرزو بھی تھی کہ یہ غلط فہمی کسی حد تک ایسے رہے تا کہ میری جان بچ جائے۔ ویسے بھی میں اس پورے کھیل میں کوئی کردار نہیں رکھتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہتھکڑیوں کی چابی آ گئی۔ میری ہتھکڑیاں کھول دی گئیں اور اس کے بعد ایس پی نے گرج کر ایک انسپکٹر سے کہا۔ ''صاحب کو اپنے ساتھ لے جا کر میرے گھر پہنچا دو۔ میں گھر ٹیلی فون کئے دیتا ہوں۔ جاؤ۔ سر! پلیز..... آپ اس وقت مجھ سے کچھ مت پوچھیں۔ بس آپ چلے جائیں۔ سر پلیز.... جس طرح سے بھی آپ کہیں، میں آپ سے معذرت کے لئے تیار ہوں۔''

میں نے دل میں سوچا کہ بھائی تیری غلط فہمی قائم رہے اور میری زندگی بچ جائے۔ ورنہ نجانے کیا سلوک ہو میرے ساتھ.....

بہرحال میں وہاں سے چل پڑا۔ انسپکٹر بڑے پُر احترام انداز میں میرے ساتھ باہر آیا۔ باہر پولیس کی جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے جیپ میں بیٹھنے کی پیشکش کی اور جب میں بیٹھ گیا تو وہ خود ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ راستے بھر اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ ایس پی کے گھر والے نجانے میرے ساتھ کس طرح پیش آئیں۔

بہرحال! ابھی تو وہ عالم بدحواسی میں تھا۔ یقینی طور پر ایس پی نے اپنے گھر والوں کو میرے بارے میں ہدایت کر دی ہوگی ورنہ اتنی رات گئے کوئی خوبصورت کوٹھی اس طرح روشن نہیں ہو سکتی تھی جتنی ایس پی کی کوٹھی روشن تھی۔

برآمدے ہی میں ایک عورت ساڑھی باندھے ہوئے کھڑی تھی اور اس کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی اور ایک نوجوان لڑکا بھی موجود تھے۔ ان کے پاس دو ملازم بھی تھے۔ عورت نے آگے بڑھ کر میرا استقبال کرتے ہوئے کہا۔ ''سر! میرا نام روپ متی ہے اور میں ایس پی

اجندر کمار کی بیوی ہوں۔ یہ ہمارے بچے ہیں۔ بیٹی کا نام سدھا ہے اور بیٹے کا نام درشن۔ ر! راجندر کمار نے ہمیں آپ کے بارے میں بتا دیا ہے۔ آیئے پلیز! یہ گھر آپ کے قابل تو ہیں ہے لیکن ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ یہاں آئے۔''

میں نے دل میں سوچا کہ یہی میری خوش قسمتی ہے کہ میں تھانے کے لاک اپ کی بجائے پھر کانسٹیبلوں کے ہاتھوں مار کھانے کی بجائے یہاں تک آیا ہوں۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ خوش قسمتی کب تک قائم رہتی ہے۔ بہرحال! وہ لوگ مجھے اندر لے گئے۔ روپ متی نے کہا۔ ''سر! آپ لباس تبدیل کر لیجئے گا۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کے جسم پر فٹ آ جائے۔ راجندر کمار کا جسم آپ کے جسم سے بہت زیادہ ملتا جلتا ہے۔ سر... کوئی ایسی ویسی بات ہو تو معاف کر دیجئے گا۔ ہم لوگ اصل میں نیند سے جاگے ہیں۔ راجندر تو اپنی ڈیوٹی پر چوبیس گھنٹے مصروف رہتے ہیں۔ ہم ان کا انتظار نہیں کرتے، سو جاتے ہیں۔ آیئے پلیز!''

میں نے بھی دل میں یہی سوچا تھا کہ جتنی آسانیاں مجھے یہاں حاصل ہو رہی ہیں انہیں حاصل کرنے سے گریز نہ کروں کیونکہ اس کے بعد جو ہونا ہے اس کا مجھے اچھی طرح پتہ تھا۔ بہرحال! غسل خانے میں گیا۔ جو لباس مجھے دیا گیا تھا وہ پہنا۔ راجندر کمار پر تو میں نے غور نہیں کیا تھا لیکن اس کا لباس میرے بدن پر پوری طرح فٹ تھا۔ میں اسے پہن کر باہر آیا تو نوجوان لڑکی میرا انتظار کر رہی تھی۔ کہنے لگی۔ ''آیئے سر! اب ایک کپ کافی تو ہمارے ساتھ ہی ہو جائے۔ نیند تو آپ کی خراب ہو ہی گئی ہے۔''

کافی کا نام سن کر میرے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ چنانچہ میں سدھا کے ساتھ اس بڑے سے ہال میں پہنچ گیا جہاں ایک ڈائننگ ٹیبل لگی ہوئی تھی۔ یہاں درشن بھی تھا، روپ متی بھی تھی۔ سدھا مجھے لئے ہوئے ڈائننگ ٹیبل پر پہنچی۔ میرے لئے کرسی گھسیٹی اور میرے سامنے مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔ میز پر بہت سی چیزیں سجی ہوئی تھیں۔ یہ وقت کا کھیل تھا۔ لیکن بات یہی تھی میں اس کھیل کو عارضی سمجھ رہا تھا۔ ظاہر ہے اس کے بعد میری جو حجامت ہو گی، وہ دیکھنے کے قابل ہو گی۔

میں کھانے پینے سے فراغت حاصل کر چکا تو روپ متی نے کہا۔ ''سر! اب آپ کچھ دیر آرام کرنا پسند کریں گے۔ آیئے میں آپ کو بیڈ روم تک پہنچا دوں۔''

''ہاں ضرور!'' میں نے کہا اور روپ متی مجھے ایک خوبصورت بیڈ روم تک لے آئی۔

سنگل بیڈ بچھا ہوا تھا۔ بہت ہی کشادہ کمرہ تھا۔ ایئر کنڈیشنر چل رہا تھا۔ کمرے کا ماحول بڑا رومانی تھا۔ میں نے روپ متی کا شکریہ ادا کیا اور وہ مجھے گڈ نائٹ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ میں نے ہنستے ہوئے دل میں سوچا کہ بی بی تھوڑی دیر تک تو نائٹ گڈ ہے اس کے بعد کیا ہوگا اس کا مجھے علم نہیں۔

میں ایئر کنڈیشنر کی خوشگوار ہواؤں میں مستانہ چال چلتا ہوا بیڈ پر جا بیٹھا۔ سمپورنی کی مورتی میں نے اپنے لباس سے نکال کر سرہانے رکھ لی۔ بہرحال! ابھی تک اس کے نفع نقصان کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ میں تو جن حالات میں سے گزر رہا تھا وہ میرے لئے انتہائی دلچسپی کا باعث تھے۔ میں بیڈ پر لیٹ گیا۔ نیلا مدھم بلب جل رہا تھا۔

لیٹنے کے بعد میں نے اس کمرے کے خوشگوار ماحول پر نظر ڈالی اور اچانک ہی اچھل کر بیٹھ گیا۔ دیوار پر ایک خوبصورت فریم آویزاں تھا۔ اور اس میں ایک عورت کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ لیکن یہ عورت...... میرے خدا! اس عورت کو تو میں لاکھوں کیا، کروڑوں میں پہچان سکتا تھا۔ یہ رندھیرا تھی...... جو گہری آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں مسہری پر پاؤں لٹکا کر بیٹھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے رندھیرا کا جائزہ لیتا رہا۔ ایس پی راجندر کمار کی غلط فہمی کا راز مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ مجھے سر، سر کیوں کہہ رہا تھا۔ لیکن ایک بار بھی اس نے نام لے کر نہیں پکارا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو کم از کم مجھے یہ تو پتہ چل جاتا کہ اس کی غلط فہمی کی وجہ کیا ہے۔ لیکن ایس پی کا تعلق کسی طور رندھیرا سے ہوگا۔ یہ بات میرے علم میں نہیں تھی۔

اوہ، میرے خدا! یہ تو بڑی خوفناک بات ہے۔ ایس پی بھی میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کرے گا۔ مگر یہ رندھیرا...... کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اب تو میں بہت زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔

اسی وقت باہر آوازیں سنائی دیں اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر پولیس کی گاڑی آ کر رکی تھی۔ میں نے ایک کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ ایس پی غالباً اپنی ڈیوٹی سے واپس آ گیا تھا۔ ملازم اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ پھر وہ اندر چلا گیا۔ میرے لئے اس کے پاس جانے یا اس سے ملنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں وہاں سے ہٹا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا رندھیرا کی تصویر کے پاس آ گیا۔ اسی وقت مجھے رندھیرا کی آواز سنائی دی۔ ''کہو! لطف آ رہا ہے نا زندگی کا؟''

میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔ کوئی موجود نہیں تھا۔ ایک بار پھر میری نگاہیں اس نیم تاریک ماحول میں تصویر کا جائزہ لینے لگیں تو میں نے رندھیرا کی تصویر کو مسکراتے ہوئے دیکھا اور میرا دل دھک سے رہ گیا۔ تو کیا یہ تصویر بولی ہے؟''

''بتایا نہیں تم نے.....'' اس بار رندھیرا کی تصویر کے ہونٹ ہلے اور میں نے ایک گہری سانس لی۔

''مہامتی رندھیرا! تم.....؟''

''تم نے مجھے بہت پیار سے مخاطب کیا ہے۔ میں خوش ہوئی۔ ہاں..... یہ میں ہی ہوں۔ سمپورنی کے کمالات نہیں دیکھ رہے تم.....؟''

''سمپورنی؟''

''تو اور کیا۔ بادشاہ خان یا اس سے بھی پہلے چلے جاؤ۔ تمہیں جس محبت سے وہ لوگ شہر تک لے کر آئے، اس کے بارے میں تم کیا سمجھتے ہو؟ پھر بادشاہ خان نے تمہیں اپنے بھائی کا ہم شکل پایا۔ یہ بھی سمپورنی کا کمال تھا۔ اس کے بعد اتفاقیہ طور پر پولیس نے اسی وقت ریڈ کر دیا تھا۔ تم پکڑے گئے لیکن ایس پی راجندر کمار نے تمہیں دیکھا اور تمہیں کوئی بہت بڑا آفیسر سمجھ لیا۔ یقینی طور پر وہ یہ سوچ رہا ہے کہ تم اس گروہ کا سراغ لگانے کے لئے اس میں داخل ہوئے تھے۔ ان ساری باتوں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟''

''میں نہیں جانتا مہامتی۔''

''سب میری کوششوں کا نتیجہ ہے۔ سمپورنی کے حصول کے بعد تم جتنے بڑے انسان بن گئے ہو، خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے۔ لیکن جو وعدہ تم نے مجھ سے کیا ہے، اس کی تکمیل کے بعد ہی تم مکمل ہو سکو گے۔''

''وعدہ؟''

''ہاں..... پانچ شکار..... میرے پانچ شکار..... یاد نہیں ہے وہ وعدہ تمہیں؟''

''یاد ہے۔''

''اور جانتے ہو کہ پہلا شکار کون ہے؟''

''کون؟'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ایس پی راجندر کمار۔'' وہ بولی اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے تصویر کو تکتا رہ گیا۔

میرے دل میں اچانک ہی ایک بغاوت کا احساس اُبھرا تھا۔ ایس پی راجندر کمار نے غلط فہمی ہی کی بنیاد پر سہی، لیکن اب تک جو میرے ساتھ سلوک کیا تھا، میرا رواں رواں اس کا احسان مند ہو گیا تھا اور یہ عورت کہہ رہی تھی کہ ایس پی راجندر کمار اس کا شکار ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا اس نے یہ بات کہی تھی مجھ سے کہ اسے پانچ آدمیوں کا خون درکار ہے۔ اگر ان پانچوں میں راجندر کمار بھی شامل ہے تو کیا مجھ سے زیادہ کمینہ انسان روئے زمین پر دوسرا بھی ہوگا؟ وہ میرا محسن ہے اور میں اسے نقصان پہنچاؤں؟

اچانک ہی رندھیرا کی آواز ابھری۔ ''کس سوچ میں پڑ گئے؟ خاموش کیوں ہو گئے؟''

''مہامتی! میں ایس پی راجندر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''میرا دشمن ہے وہ۔ اس دشمنی کی وجہ تمہیں نہیں بتاؤں گی۔ لیکن مجھے اس کا خون درکار ہے۔ جانتے ہو، وہ پائیل ہے۔''

''پائیل؟''

''ہاں!''

''پائیل کیا ہوتا ہے؟''

''جو شکم مادر سے پیروں کے بل عالم وجود میں آیا ہو، وہ پائیل کہلاتا ہے اور اس میں ایسی خصوصیات ہوتی ہیں کہ ہم کالے جادو والے ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ایسے پانچ افراد کا خون جب میں اپنے بدن پر ڈال کر پورن ماشی کی رات کو اس سے نہاؤں گی تو مجھے امر شکتی حاصل ہو جائے گی۔ میں اپنے جیون کو ہزاروں سال لمبا کر سکتی ہوں۔ سن رہے ہو اب؟''

''ہاں!''

''وہ تمہاری مسہری ہے نا؟''

''جی۔''

''اس کے پیچھے ایک خنجر اور ایک برتن رکھا ہوا ہے۔ وہ تھکا ہوا آیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سو جائے گا۔ تم جاؤ گے، اس کی شہ رگ کاٹو گے اور خون پیالے میں بھر کر لے آؤ گے۔ میں تمہیں اس کے بعد بتاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ اس عمارت سے سیدھے باہر نکل جانا۔ کوئی تمہارا راستہ نہیں روکے گا۔ یہ میرا پہلا کام ہے اور مجھے امید ہے کہ تم اپنا وعدہ پورا

و گے۔ سمپورنی تمہیں دے کر میں نے تمہیں بھی امر شکتی دے دی ہے۔ سمپورنی تمہارے ے وہ کچھ کرے گی کہ آگے آگے دیکھنا تم کیا سے کیا بن جاتے ہو..... لیکن پانچ آدمیوں کا ن مجھے دینے کے بعد۔''

میرے ہاتھوں میں لرزش شروع ہو گئی تھی۔ ساری زندگی امن و امان سے گزاری تھی۔ ی کا خون کبھی نہیں کیا تھا۔ میں تو کسی جانور تک کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ میرے ہوش و اس رخصت ہوتے جا رہے تھے۔ میں نے ایک بار پھر تصویر کی طرف دیکھا۔ رندھیرا کی سویر نے آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے پھر کہا۔ ''اب میں خاموش ہو رہی ہوں۔ جاؤ! اپنا ام کرو۔''

میں آہستہ آہستہ مسہری کی جانب بڑھ گیا۔ میرے ہاتھ لرز رہے تھے۔ مسہری کے رہانے سمپورنی کی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ کیا اسے اٹھا کر باہر پھینک دوں اور ان ساری صیبتوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ یا پھر..... یا پھر.....

اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے ہاتھ پیروں میں کھنچاوٹ سی ہو رہی ہو۔ میں سہری کے عقبی حصے میں جھکا۔ یہاں مجھے ایک چمکدار خنجر رکھا ہوا نظر آ گیا اور اس کے ساتھ ی ایک پیالہ بھی جو پلاسٹک سے بنا ہوا تھا۔ آہ! مجھے وہی کرنا ہے جو اس نے کہا ہے۔ میں جادو کے جال میں پھنسا ہوا ہوں۔ اس جادو سے نکلنا میرے لئے کسی طور ممکن نہیں ہے۔ جو کچھ بھی کرنا ہے، مجھے اسی کے احکامات کے تحت کرنا ہے۔ میرے لرزتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھے۔ میں نے خنجر اپنی مٹھی میں دبایا اور اس کے بعد پلاسٹک کا پیالہ بھی اٹھا لیا۔ اب میں پنی جگہ کھڑا ہوا کانپ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔

پھر آہستہ آہستہ حواس قابو میں آنے لگے۔ ایک بات میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر میں نے رندھیرا کی ہدایت پر عمل نہیں کیا تو پھر ایسے طلسمی جال میں پھنس جاؤں گا جس سے نکلنا میرے لئے ممکن نہیں ہوگا۔ یہ بات تو طے تھی کہ وہ شیطان زادی میری ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہوتی ہے اور..... اور کچھ حاصل کرنے کے لئے مجھے اس کے احکامات پر عمل کرنا پڑے گا۔ دل کو سمجھانے لگا..... مسہری پر بیٹھ کر اپنے ہوش و حواس پر قابو پانے لگا۔ میں نے دل میں سوچا، جو کچھ اس نے کہا ہے میرے لئے وہ کرنا ضروری ہے اور اسی میں نجات کا راستہ ملتا ہے۔ ورنہ میں اس کے چنگل سے نجات حاصل نہیں کر سکوں گا اور وہ

جادوگر عورت نجانے مجھے کیا نقصان پہنچا دے گی۔

تم میری باتیں سن کر پریشان تو نہیں ہو رہی ہو دیوی جی؟ میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور یہاں اس کھنڈر میں کیسے آ گئی ہو۔ پتھر کے اس آدھے انسان سے باتیں کر کے تم جس بھلائی کا ثبوت دے رہی ہو، میں تمہارا یہ احسان جیون بھر نہیں بھول سکوں گا۔ سمجھ رہی ہو نا؟'' اس نے کہا اور رتنا چونک پڑی۔

اسے احساس ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ایک کھنڈر میں کھڑی کسی ایسے شخص کی باتیں سن رہی ہے جس کا آدھا بدن پتھر کا ہے۔ ایک لمحے کے لئے وہ خاموش کھڑی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ''نہیں! ایسی بات نہیں ہے۔ تم مجھے باقی کہانی سناؤ۔ میں دیکھوں گی کہ میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟''

وہ تھوڑی دیر تک رتنا کی صورت دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر غم کے تاثرات تھے۔ پھر اس نے کہانی کا سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سے ختم کیا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ ''ایس پی راجندر کمار بہت اچھا انسان تھا۔ میرے دل پر اس کے اخلاق، اس کی شرافت کے گہرے تاثرات تھے۔ اور پھر نجانے کس چکر میں اس نے مجھے اتنی عزت اور اتنا احترام دیا تھا۔ اگر اس خیال میں ڈوب جاتا کہ اس عزت اور احترام کا مقصد کیا ہے تو پھر تو انسان کسی کے لئے اچھے انداز میں سوچ ہی نہیں سکتا۔ دیکھنا تو یہ ہوتا ہے کہ کون کس کے ساتھ کیا کر رہا ہے؟ لیکن بس! بے بسی اور مجبوری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اس کمبخت رندھیرا کے کہنے پر مجھے وہ کام کرنا ہی تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ برتن اور خنجر اب میرے پاس موجود تھا۔ خنجر کو اپنے لباس میں احتیاط کے ساتھ چھپا کر میں برتن لے کر کمرے سے باہر نکل آیا اور میرے قدم ایس پی کے کمرے کی تلاش میں آگے بڑھنے لگے۔ یہاں کے ماحول کے بارے میں، میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایس پی کون سے کمرے میں سوتا ہے۔ یہ پتہ چل گیا تھا کہ وہ آ چکا ہے۔ بہرحال میں اسے اس کے گھر میں تلاش کرنے لگا۔ اور پھر ایک کمرے میں، میں نے اسے بیٹھے ہوئے پایا۔ کمرے میں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ ایک ٹیبل لیمپ جل رہا تھا اور اس کی محدود روشنی میں ایس پی کچھ کاغذات دیکھ رہا تھا۔

اب کیا کروں؟ میں نے دل میں سوچا۔ یہ صورتحال تو خطرناک ہوگئی ہے۔ کیا میں ہوش وحواس کے عالم میں اس سے جنگ کروں اور اسے قتل کر دوں؟ یہی ہو سکتا ہے..... اور کچھ

نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ میں دبے قدموں سے آگے بڑھ کر اس کے دروازے تک پہنچا۔ دروازے کو تھوڑا سا دھکیل کر دیکھا تو وہ بند نہیں تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دیا اور اس کے بعد اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ اور میرے قدموں کی چاپ..... بہرحال وہ ایک پولیس والا تھا۔ ایک لمحے میں چونک پڑا تھا اور اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا تھا۔ پھر اچانک ہی اس کے چہرے پر نیازمندی کے آثار پھیل گئے اور اس نے جلدی سے کھڑے ہو کر کہا۔ ''ارے سر! آپ..... خیریت..... اوہو! معافی چاہتا ہوں سر..... آپ کے ہاتھ میں یہ برتن بتاتا ہے کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے۔ سر! میں انتہائی شرمندہ ہوں۔ اصل میں مصروفیت کی وجہ سے میں آپ کے لئے مکمل انتظام نہیں کر سکا سر..... بس! پہلی اور آخری غلطی سمجھئے اسے۔ مجھے بتایئے! کیا چیز درکار ہے آپ کو؟'' اس نے جھک کر برتن میرے ہاتھ سے لے لیا اور میں اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''مجھے کچھ نہیں چاہئے۔''

''پلیز!''

''ہاں..... راجندر کمار جی! مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔''

''ہاں..... ہاں..... فرمایئے..... اس کرسی پر بیٹھ جایئے۔ اوہو! اب میں سمجھا، شاید آپ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ لیکن آپ کے ہاتھ میں یہ برتن کیسا ہے؟''

''ایس پی راجندر کمار! آپ کے کمرے میں ایک تصویر ہے۔''

''میرے کمرے میں؟''

''میں اس کمرے کی بات کر رہا ہوں جہاں آپ نے میرے لئے آرام کی جگہ بنائی ہے۔''

''جی..... جی..... کوئی خاص بات ہو گئی ہے کیا؟''

''ہاں!''

''کیا خاص بات؟ میں سمجھا نہیں سر۔'' اس نے کہا۔

''ایس پی صاحب! آپ ایک بات بتایئے مجھے۔ کیا ماضی میں کسی سے آپ کی کوئی ایسی دشمنی رہ چکی ہے کہ وہ آپ کے خلاف جادوٹونے کرا کر آپ کو کسی کے ہاتھوں قتل کرانے کی کوشش کرے؟'' میرا دماغ بالکل ہی بھر گیا تھا۔ مین رندھیرا کے بارے میں تو

کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا لیکن ایس پی راجندر کمار کو قتل کرنے کا ارادہ بالکل ترک کر چکا تھا اور فیصلہ کر لیا تھا کہ رندھیرا کی بات بالکل نہیں مانوں گا۔

ایس پی کے چہرے پر حیرت کے نقوش پھیل گئے۔ پھر اس نے کہا۔ ''سر پلیز... آپ براہ کرم مجھے ذہنی الجھن میں مبتلا نہ کریں۔ آپ مجھے بتائیے تو سہی کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ کیا ہو گیا تھا؟ اور آپ .....''

''وہی میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں راجندر کمار! تمہارے کمرے میں ایک تصویر لگی ہوئی ہے۔ ایک خوبصورت عورت کی تصویر۔ اس خوبصورت عورت نے مجھے سوتے سے جگایا اور مجھ سے کہا کہ مسہری کے عقبی حصے میں ایک خنجر اور برتن رکھا ہوا ہے میں اسے لے کر راجندر کمار کے کمرے میں جاؤں، اس کی گردن کاٹوں اور اس کا خون اس برتن میں جمع کر کے اپنے کمرے میں لے آؤں۔''

''کیا؟'' راجندر کمار حیرت سے اچھل پڑا۔

''ہاں..... یہ برتن اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور یہ ہے وہ خنجر جو مجھے اس مسہری کے عقب سے ملا ہے۔'' میں نے اپنے لباس سے وہ خنجر نکال کر ایس پی کے سامنے کر دیا۔

ایس پی کو شاید چکر آ گیا تھا۔ اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سر! آپ جیسی عظیم شخصیت سے میں کسی بھی جھوٹ کی توقع نہیں رکھتا۔ لیکن یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''میری سمجھ میں بھی نہیں آیا ہے راجندر کمار! میں آیا تو اسی تصویر کے حکم کے تحت تھا لیکن یہاں آنے کے بعد میرا ارادہ بدل گیا اور میں نے تمہیں بتا دیا اور اب میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد میرے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔''

''سر! کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ کہیں آپ نے خواب دیکھا ہو۔''

''نہیں! ایسا نہیں ہے۔ اور اگر خواب میں نے دیکھا بھی ہے تو اس خنجر اور برتن کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ یہ بات تو تم جانتے ہو ایس پی کہ مجھے اس ڈیرے سے گرفتار کیا گیا تھا۔ کیا گرفتاری کے وقت میرے لباس میں یہ خنجر چھوڑ دیا جاتا؟ اور کیا تم اس برتن کو پہچانتے ہو؟ اس سے میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ میرے علم میں آیا، وہ خواب نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔''

''سر! یہ میری زندگی کا سب سے حیرت ناک واقعہ ہے اور پھر آپ ..... سر! ایک عرض کروں؟''

''ہاں بولو!''

''میں وہ تصویر دیکھنا چاہتا ہوں جس نے آپ کو یہ ہدایت کی ہے۔''

''دیکھ سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔ اب میں رندھیرا کے حکم سے آزاد تھا۔ ایک انسانی زندگی لینا کوئی آسان کام تو نہیں ہوتا اور میں یہ نہیں کر سکتا تھا۔ رندھیرا مجھے کوئی اور حکم دیتی تو شاید میں اس کی تعمیل کر لیتا لیکن کسی انسان کی زندگی لینا بہر حال میرے لئے ممکن نہیں تھا۔

میں ایس پی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے کوئی سایہ سا وہاں سے ہٹ گیا ہو۔ لیکن بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ۔ میں ایس پی کو لے کر اسی تصویر کے سامنے پہنچ گیا۔ لیکن ایک بار پھر میرے ہوش و حواس رخصت ہونے لگے۔ تصویر میں اب رندھیرا نظر نہیں آ رہی تھی بلکہ ایک خوبصورت منظر پھیلا ہوا تھا۔ آہ..... یہی تصویر تھی۔ سو فیصد یہی تصویر تھی اور اس میں رندھیرا کے نقوش تھے۔ لیکن اب تصویر بدل گئی تھی۔ میں شدت حیرت سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ میں نے کہا۔

''ایس پی صاحب! یہی تصویر تھی۔''

''لیکن سر! یہ تو ایک سینری ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

''اگر یہ خنجر اور برتن آپ کے پاس نہ ہوتا سر! تو میں سو فیصدی یہی بات کہتا کہ آپ نے صرف خواب دیکھا ہے۔ میری کسی سے ایسی کوئی دشمنی نہیں ہے۔''

''یقین کرو ایس پی.....''

''سر..... پلیز! میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ اگر آپ مجھے حکم دیں کہ میں آپ کی بات پر یقین کر لوں تو سر! میں انکار نہیں کروں گا اور خاموش ہو جاؤں گا۔ لیکن جو حقیقت نگاہوں کے سامنے آئی ہے سر..... آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کے لئے دوسرے کمرے کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔ ہو سکتا ہے اس کمرے میں آپ کو پسند کے مطابق ماحول نہ ملا ہو۔ سر پلیز! آپ میرے ساتھ آ جائیے۔ آئیے پلیز!'' اور اس کے بعد ایس پی مجھے لے کر ایک اور کمرے میں پہنچ گیا۔ یہ بھی ایک بیڈ روم تھا۔ اس نے کہا۔ ''آپ آرام سے یہاں سو

جائیے۔ اب آپ کی میری صبح ملاقات ہوگی۔''

کیا کہتا، کیا کرتا۔ یہ شریف آدمی مجھے کوئی شریف آدمی ہی سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ اس کی بنیاد ہی غلط فہمی سے ہوئی تھی۔ جب حقیقتوں کا پتہ چلے گا تو میری ساری شرافت داغ دار ہو جائے گی اور یہی ایس پی میری مرمت کرے گا۔ ایسی مرمت جس میں احساس شرمندگی بھی شامل ہوگا۔ چنانچہ مزہ آ جائے گا۔ اب کیا کرنا چاہئے؟ میں نے دل میں سوچا۔ ایس پی جس کمرے میں مجھے لے کر آیا تھا، وہ بھی بڑی اچھی حیثیت کا مالک تھا۔ خوش بختی یہ تھی کہ یہاں کوئی تصویر نہیں لگی ہوئی تھی۔ میں بستر پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ آہ! ابھی تقدیر کے ستارے گردش سے نہیں نکلے تھے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے؟ اور جو ہونا تھا اس کا اندازہ تو تھوڑا بہت پہلے ہی سے تھا۔ ابھی پوری طرح صبح بھی نہیں ہوئی تھی کہ دروازے پر آہٹیں سنائی دیں۔

دروازہ جس قوت سے کھلا تھا اس سے ہی میری آنکھ کھلی تھی۔ میں نے ہڑبڑا کر دروازہ کھولنے والے کو دیکھا۔ وہ ایس پی راجندر کمار تھا جس کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا اور عقب میں کچھ پولیس کے افراد تھے۔ ایس پی راجندر نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''کون ہو تم؟''

میرا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ رجندر نے ایک ٹھوکر مار کر مجھے اٹھایا اور بولا۔ ''کیا تم شکلا ہو؟ ڈی جی شکلا؟''

''نہیں جناب! میرا نام تو ممدو ہے اور میں ریلوے سٹیشن کا قلی ہوں۔''

'اور بے وقوف بنا رہے تھے ہم سب کو تمہیں اگر پھانسی نہ دلوائی تو میرا نام بھی راجندر کمار نہیں ہے۔ چلو! اسے باہر نکالو۔'' اس نے ساتھ آنے والے سپاہیوں سے کہا۔

میں جانتا تھا کہ مصیبت تو آنی ہی ہے اور میرے اندازے کے مطابق یہ مصیبت بڑی خوبصورتی سے آ گئی تھی۔ چنانچہ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیا کرنا چاہئے؟ جان بچانے کی کوشش یا خاموشی سے تقدیر کے فیصلے کا انتظار؟ اور پھر یہی فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی بن پڑے، یہاں سے نکل بھاگوں۔ ڈھیلے ڈھالے انداز میں باہر آیا تھا اور جب میں نے دیکھا کہ راجندر کمار میری طرف سے کسی حد تک غافل ہوا ہے تو میں نے برابر کے کھلے راستے پر چھلانگ لگا دی اور دوڑتا ہوا اس جیپ کی جانب بڑھا جو سامنے تھوڑے فاصلے پر نظر آ رہی

تھی۔ اس کے برابر ایک کانسٹیبل کھڑا تھا۔ یہ جیپ کا ڈرائیور تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ میں چابی دبی ہوئی دیکھی تھی۔ ایک زوردار گھونسہ اس کانسٹیبل کی گردن پر رسید کر کے میں نے اس سے چابی چھینی اور لات مار کر دور پھینک دیا۔ پھر دوسرے لمحے میں وہ جیپ سٹارٹ کر کے وہاں سے چل پڑا۔ پیچھے شور ہنگامہ ہو رہا تھا لیکن خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ کوئی اور گاڑی اس وقت وہاں موجود نہیں تھی۔ پتہ نہیں پھر ایس پی کی گاڑی بھی کہاں چلی گئی تھی۔ مجھے موقع مل گیا تھا اور میں اندھا دھند جیپ دوڑاتا ہوا وہاں سے نکل بھاگا۔ اتنی عقل تھی کہ شہری آبادی میں رہ کر اپنی گرفتاری کا موقع نہیں دے سکتا تھا اور اس کوشش میں تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے دور سے دور نکل جاؤں تا کہ مجھے دوبارہ گرفتار نہ کیا جا سکے۔ راجندر کمار بری طرح چڑ گیا تھا۔ چنانچہ وہ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا۔ پتہ نہیں یہ ڈی جی شکلا کون تھا جو میرا ہم شکل تھا۔ بہر حال! یہ ساری باتیں اپنی جگہ۔ میں جیپ دوڑائے جا رہا تھا اور شہری آبادی بہت پیچھے رہ گئی تھی۔

پھر مجھے اچانک ہی یہ احساس ہوا کہ اس طرح میں کہاں جا رہا ہوں؟ آخر کار وہ جیپ کو تلاش کر لیں گے۔ کیا کرنا چاہئے؟ چنانچہ میں نے اب جیپ چھوڑ دینا مناسب سمجھا تھا۔ میں نے اس کا رخ ایسے کھیتوں کی جانب کر دیا جہاں قد آدم پودے کھڑے ہوئے لہرا رہے تھے۔ اب اگر وہ جیپ کو تلاش بھی کریں گے تو انہیں کافی دقت ہوگی۔ میں یہاں سے پیدل ہی کا راستہ اختیار کروں گا۔ بہت فاصلے پر جا کر میں نے جیپ کھڑی کی اور نیچے اتر آیا۔ میں نے ایک کھنڈر نما عمارت دیکھی۔ میرا اندازہ تھا کہ یہ بوسیدہ عمارت میرے لئے ایک اچھی پناہ گاہ ثابت ہو سکتی ہے اور عارضی طور پر میں اس میں پناہ لے سکتا ہوں۔ چنانچہ میں وہاں چل پڑا۔ پیدل راستہ بہت طویل ثابت ہوا۔ جب میں عمارت میں داخل ہوا تو سورج خوب چڑھ آیا تھا۔ باہر شدید گرمی تھی لیکن عمارت اندر سے ٹھنڈی تھی۔ مجھے یہاں آ کر بہت سکون محسوس ہوا تھا۔ میں چلتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کمرے میں آ گیا۔ یہاں میں تھکے ہارے انسان کی مانند زمین پر بیٹھ گیا اور سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بہت دیر تک میں اسی سوچ میں ڈوبا رہا اور پھر میں نے سوچا کہ کم از کم قرب و جوار میں گھوم کر یہاں کے ماحول کا تو جائزہ لوں۔ چنانچہ اس فیصلے کے تحت میں نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن...... لیکن......'' ممدو خاموش ہو گیا اور رتنا اس کے آگے بولنے کا

انتظار کرتی رہی۔ پھر جب وہ کچھ نہ بولا تو رتنا نے کہا۔ ''ہاں..... آگے تو بتاؤ پھر کیا ہوا؟''

''میں اٹھ نہیں سکا۔ میرے نیچے کا بدن پتھر کا ہو گیا۔''

''ارے! وہ کیسے؟'' رتنا تعجب سے بولی اور ممدو ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہنے لگا۔

''تھوڑی دیر کے بعد مجھے رندھیرا وہاں نظر آئی۔ وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''غدار..... ذلیل..... کمینے انسان! تم اس قدر قابل نفرت ہو کہ تم سے جتنی نفرت کی جائے، کم ہے۔ کیا ہو تم؟ غور کیا ہے تم نے اپنے آپ پر؟ گندی نالی کے کیڑے! ریلوے سٹیشن پر کام کرنے والے قلی! میں نے تمہیں عزت کا وہ مقام دیا بے شک جس کے قابل تم نہیں تھے۔ تم تو ایک ناپاک وجود ہو۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ رندھیرا ایک طاقت ہے، ایک شکتی ہے۔ اور اس سے فریب کر کے تم کچھ نہیں پا سکو گے۔ میں نے تمہیں کیا سے کیا بنا دیا اور تم..... تم پہلے ہی مرحلے پر میرے غدار بن گئے۔ میرے دشمن ایس پی راجندر کمار کو تم نے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ کیا سمجھتے ہو تم اپنے آپ کو؟ میں نے تمہیں کیا سے کیا بنا دیا۔ لیکن اب تم کچھ بھی نہیں ہو۔ جاؤ! پتھر بن کر زندگی گزارو۔'' وہ واپسی کے لئے پلٹی اور میں درد بھری آواز میں اسے پکارتا رہ گیا۔ میں نے اسے دُہائیاں دیں۔ میں نے اس سے کہا کہ میں آئندہ اس کی ہر بات مانوں گا۔ لیکن وہ چلی گئی اور میں آج تک پتھر بنا ہوا ہوں۔ آہ..... میں پتھر بنا ہوا ہوں.....'' وہ رونے لگا۔ پھر روتے روتے بولا۔ ''قصور میرا ہی ہے..... سارا قصور میرا ہی ہے۔ اللہ نے انسان کو ہاتھ پاؤں دیئے ہیں۔ عقل دی ہے۔ محنت کرنے کا حکم دیا ہے اسے اور وہ آسان راستے تلاش کرتا ہے۔ ایک لمحے میں اللہ کی ذات سے بھٹک جاتا ہے۔ سوچنے لگتا ہے کہ شیطان کے راستوں کو اپنا کر زندگی کے ہر عیش حاصل کر لے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ بھٹکنے کا ایک لمحہ زندگی بھر کا روگ بن جاتا ہے۔ آہ! کاش مجھے کوئی میری اصل زندگی واپس دے دے۔ اس کے بدلے مجھ سے وہ سب کچھ مانگ لے جو میں اسے دے سکتا ہوں۔''

اچانک ہی رتنا کے دل میں ایک خیال آیا۔ اس نے کہا۔ ''سنو..... تم نے تو سمپورنی کے لئے جاپ کیا تھا۔''

''ہاں! اس شیطان عورت کے جال میں گرفتار ہو کر میں نے یہ گندہ کام بھی کیا تھا جو میرے دین، دھرم کے خلاف ہے۔''

''اور سمپورنی تمہارے قبضے میں آ گئی تھی؟''

''ہاں! وہ مورتی میرے ہی پاس تھی، بلکہ ہے۔''

''تو کیا سمپورنی کی قوت رندھیرا کی قوت سے زیادہ تھی؟''

''میں سمجھا نہیں۔''

''اب تک کی جو کہانی تم نے مجھے سنائی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سمپورنی کا جاپ کر کے اسے اپنے قبضے میں کرنے کے باوجود تم نے کبھی اس سے کوئی کام نہیں لیا۔''

رتنا کے ان الفاظ پر وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر کسی قدر حیرت بھرے انداز میں بولا۔

''ہاں! یہ تو ہے۔ ایسا میں نے کبھی نہیں کیا۔''

''شاید تم نے یہ غلطی کی ہے یا پھر اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ تم اس دھرم کے نہیں ہو اور گندے علوم کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتے۔ جو بیر جس کا ہوتا ہے اسی کا ہوتا ہے۔ دوسرا چاہے کتنا بڑا ہی شکتی مان کیوں نہ ہو لیکن بیر صرف اسی کا حکم مانتا ہے جس نے اس کے لئے جاپ کیا ہو۔ تم اگر سمپورنی سے مدد مانگتے تو وہ ضرور تمہاری مدد کرتی۔''

''اب تو میں لعنت بھیجتا ہوں ان تمام چیزوں پر۔ یہ دیکھو! یہ سمپورنی کی مورتی میرے پاس ہے۔ تھوکتا ہوں میں اس کے چہرے پر جو میرا ایمان خراب کر دے۔ تھوکتا ہوں میں۔'' یہ کہہ کر اس نے مجسمہ نکالا اور ایک طرف اچھال دیا۔

رتنا نے جلدی سے اسے پکڑ لیا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک عجیب عمل ہوا۔ اچانک ہی ممدو کا نچلا بدن متحرک ہو گیا اور وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ ''ٹھیک ہو گیا..... میں ٹھیک ہو گیا..... آہ! میں ٹھیک ہو گیا۔'' وہ خوشی سے چھلانگیں لگانے لگا اور پھر اسی طرح چھلانگیں لگاتا ہوا اس کھنڈر سے باہر نکل گیا۔ اس کے قہقہے دیر تک رتنا کو سنائی دیئے اور رتنا مسکراتی نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے ان قہقہوں کو سنتی رہی۔

ممدو دور نکل گیا تھا اور رتنا سوچ رہی تھی کہ اب کیا کرے؟ دفعتاً ہی اسے اپنے ہاتھوں میں دبی ہوئی مورتی کا خیال آیا اور اس نے مورتی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب میں تیری مالک ہوں۔ وہ تجھے میرے ہاتھوں میں دے گیا ہے۔ اس بات کی تصدیق یا ترجیح پر کہ میں تیری مالک ہوں یا نہیں؟ تو میرے احکامات پر عمل کرے گی یا نہیں؟''

ان الفاظ کے ساتھ ہی مورتی متحرک ہو گئی۔ ایک خوبصورت سا چھوٹا سا وجود جو سمپورنی

کا تھا، انگڑائیاں لینے لگا۔ اور پھر ایک مدھم سی باریک سی آواز نکلی۔ ''ہاں! اس نے خود مجھے نکال کر تجھ پر پھینک دیا۔ میری بے عزتی کی اس نے۔ چنانچہ تو نے مجھے زمین پر گرنے سے بچایا۔ اب میں تیری ملکیت ہوں۔ تجھے نہ میرے لئے جاپ کرنے کی ضرورت ہے نہ کوئی اور کام کرنے کی۔ میں تیری ہر بات مانوں گی۔ ہر جگہ تیری حفاظت کروں گی۔ اس پاپی نے تو ایک بار بھی مجھے میرا امان نہیں دیا۔ کچھ سمجھا ہی نہیں اس نے مجھے تو بھلا مجھے کیا غرض تھی کہ میں اس کے کسی کام آتی۔ پاپی! جائے بھاڑ چولہے میں۔ تم نے عزت سے مجھے اپنے ہاتھوں میں لیا ہے اب تم میری مالک ہو۔ اب میں تمہارے ہر کام آؤں گی۔'' رتنا کا دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اسے شردھا یاد آئی تھی۔

☆.....☆.....☆

ہولناک اور پراسرار ماحول میں جنم لینے والی یہ کہانی ابھی جاری ہے، بقیہ واقعات کے لئے ''ڈائن'' کی جلد دوئم کا مطالعہ کریں۔

ڈائن
ایم اے راحت
2
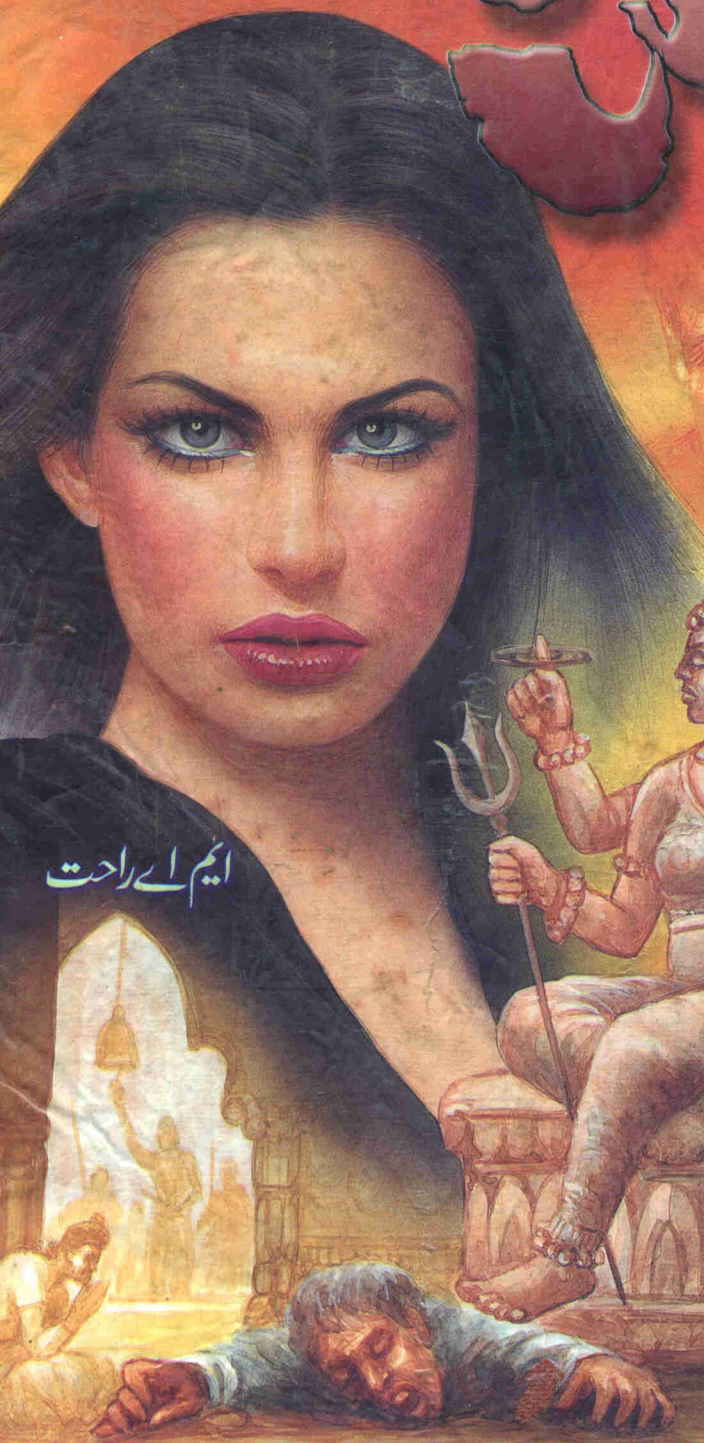
شردھا، دھرما سنگھ کی قیدی بن چکی تھی اور اپنی زندگی کے بدترین دور سے گزر رہی تھی۔ پتہ نہیں اس کمبخت چڑیل کا ماضی کیا تھا لیکن وہ اس وقت بڑے پریشان کن حالات سے گزر رہی تھی۔ دھرما سنگھ نے جس چالاکی سے اُسے شیشے کے گھر میں بند کیا تھا، اس کی مثال نہیں ملتی تھی اور ویسے بھی واقعی اگر وہ اس چالاکی کا مظاہرہ نہ کرتا تو شردھا کو قابو میں کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ شردھا اس سے زیادہ طاقت ور تھی۔ اس کی شکتی کا جال زیدہ مضبوط تھا۔ ایک طرف وہ رتنا کے لئے بے چین تھی کیونکہ رتنا کے ساتھ اس نے اپنی زندگی کی بہت سی داستانیں وابستہ کر لی تھیں اور اس سے بڑے فائدے اٹھانا چاہتی تھی لیکن اسے اس بات پر شدید غصہ تھا کہ رتنا نے چالاکی سے کام لیا تھا اور اتنا طویل ساتھ ہونے کے باوجود وہ دل سے شردھا کی طرف مائل نہیں تھی جبکہ شردھا سمجھتی تھی کہ رتنا کو اس نے جو مقام دے دیا ہے، وہ بہت بڑا ہے اور اس کے حصول کے لئے لاکھوں لڑکیاں شردھا کے قدم چوم سکتی تھیں۔ لیکن رتنا غدار نکلی۔ اب رتنا کے لئے اس کے دل میں بھی انتقام کی آگ تھی اور وہ رتنا کو حاصل کر کے اپنے انتقام کا نشانہ بنانا چاہتی تھی۔

دھرما سنگھ الگ رتنا کے چکر میں تھا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نکل آیا تھا۔ وہ سفر کر رہا تھا۔ اس کا ساز و سامان اس کے کندھے پر ہوتا تھا۔ حالانکہ اپنے مندر میں وہ آرام کی زندگی گزار رہا تھا اور اس کے لئے کیا مشکل تھا کہ اپنی جادوگری کی چالوں سے کام لے کر خوبصورت، حسین اور نوجوان لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسا لے اور ان کا کریا کرم کر ڈالے۔ لیکن بات رتنا کی تھی۔ وہ رتنا کے پریم میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک رتنا اسے دوبارہ نہیں مل جائے گی اور وہ اس سے اپنی ہوس کی آگ پوری نہیں کرے گا، چین سے نہیں بیٹھے گا۔ کبھی کبھی وہ شردھا کو شیشے کے گھر میں دیکھ لیا کرتا تھا اور اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل جاتی تھی۔

اس شام بھی اس نے ایک جنگل میں بسیرا کیا تھا۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ کہیں کہیں درخت نظر آ رہے تھے۔ گھاس بکھری ہوئی تھی۔ ماحول اچھا تھا۔ جگہ جگہ چٹانیں تھیں۔ ایسی ہی ایک چٹان کے پاس اس نے اپنا ڈیرہ ڈالا تھا اور اس کے بعد وہ آرام کرنے لیٹ گیا تھا۔ پھر اسے شردھا یاد آئی۔ اُس نے شیشے کا گھر نکال لیا۔ شردھا اُس کے اندر موجود تھی۔

دھرما سنگھ نے کہا۔ ''کہو شردھا! نئے گھر میں کیسی گزر رہی ہے؟''

''بات یہ ہے دھرما سنگھ! نہ تو مجھے مار سکتا ہے اور نہ میں تجھے مار سکتی ہوں۔ ہماری شکتی نے ہمیں اس خوف سے تو نکال دیا ہے۔ لیکن ایک بات تو اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر تیری چالاکی ختم ہوگئی تو پھر تیرا مجھ سے بڑا دشمن اور کوئی نہیں ہوگا۔''

دھرما سنگھ نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''سچ کہہ رہا ہوں شردھا! جو لوگ جیون میں دشمنی نہیں کرتے، وہ انسان ہی نہیں ہوتے۔ ارے! دوستیاں تو سب ہی کر لیتے ہیں۔ دشمنی کا ایک الگ مزہ ہے۔ سنسار میں اگر انسان کے دشمن نہ ہوں تو بھگوان کی قسم! سنسار جہنم بن جائے۔ مجھے خوشی ہے کہ میری ایک طاقت ور دشمن میرے پاس موجود ہے۔ یہ دوستی اور دشمنی کے کھیل تو ہوتے ہی رہتے ہیں شردھا! میں جانتا ہوں کہ تو مرے گی نہیں اور ہو سکتا ہے کہ کسی وقت تو آزاد بھی ہو جائے۔ بات تو اسی وقت کی ہے۔ پھر میں دیکھوں گا کہ تو میرے خلاف کیا کر سکتی ہے؟ اور سن! ایک بات اور بھی سن لے۔ میں تجھے آزاد کر دوں گا شیر دھا! تجھ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے آزاد کر دوں گا۔ لیکن رتنا کو حاصل کرنے کے بعد۔ میرا تیرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اصل میں تو رتنا کی ساتھی ہے۔ اگر میں تجھے ابھی آزاد کر دوں تو، تو اس کی مدد کرے گی اور میں اپنا مقصد پورا نہیں کر سکوں گا۔ بس! یہی ایک خرابی ہے شردھا! ورنہ میرا تیرا کیا جھگڑا؟''

''تو مجھے آزاد کر دے۔ رتنا سے اب بھی میری دشمنی ہے۔ وہ غدار ہے اور اس نے میری محبت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ میرے خلاف کام کرتی رہی۔ میں اس کا بدلہ لوں گی۔''

دیکھ! سنسار میں جتنے بڑے لوگ گزرے ہیں، وہ اس لئے بڑے لوگ بنے ہیں کہ انہوں نے سنسار پر کوئی بھروسہ نہیں کیا۔ دشمنی، دشمنی ہی ہوتی ہے اور دوستی تو کچھ ہوتی ہی نہیں ہے۔ دوست لمحوں میں دشمن بن جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ دوستی کا کوئی وجود

نہیں۔ دشمنی وجود رکھتی ہے اور انسان اگر اپنے دشمن کے ساتھ رعایت کر دے تو سمجھ لو کہ اس نے اپنی گردن کاٹ لی۔ مطلب یہ کہ تجھ سے دوستی تو کبھی کی ہی نہیں جا سکتی۔ ہاں! دشمنی کے بہت سے راستے تلاش کئے جا سکتے ہیں۔''

شردھا دانت پیس کر خاموش ہوگئی۔

پھر دھرما سنگھ نے کہا۔ ''شردھا! ناراض ہونے کی بجائے مجھ سے بات کرو۔ ہم لوگ اور بھی تو بہت سی باتیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً تیرا کیا خیال ہے؟ رتنا اجے چند کے ساتھ بھاگ گئی ہے؟ اجے چند تو ایک بیوقوف سا لڑکا ہے وہ اسے کہاں تک سنبھال سکے گا؟''

''تو، تو بڑا گیانی ہے۔ اپنے گیان میں اسے تلاش کر لے نا۔''

جواب میں دھرما سنگھ ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ ''تو بدستور مرچیں چبا رہی ہے۔ ارے رتنا کو تلاش کرتے ہیں۔ پھر دیکھیں گے کہ وہ دونوں کے کس کس طرح کام آتی ہے۔''

شردھا نے رُخ بدل لیا اور آنکھیں بند کر کے خاموش ہوگئی۔ دل ہی دل میں وہ کہہ رہی تھی دھرما سنگھ! تیری غلط فہمی تو میں دور کر دوں گی۔ میں ایک ایسے مرحلے سے گزر چکی ہوں جس سے تو نہیں گزرا۔ بے شک امر شکتی حاصل کر کے تو نے اور میں نے اپنے آپ کو صدیوں کے لئے زندہ کر لیا ہے۔ لیکن ایک طریقہ ایسا ہے کہ تیری یہ امر شکتی تیرے کام نہیں آئے گی۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ اگر تیری تقدیر نے زور مارا اور تیری کسی نے مدد کر دی تو، تو بھی میری طرح آزاد ہو جائے گا۔ خیر! یہ وقت سے پہلے کی بات ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تیرے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔''

لیکن شردھا کو پاپڑ نہیں بیلنے پڑے۔ اسی رات اسے آزادی کا ایک موقع نصیب ہوگیا۔ دھرما سنگھ نے اپنا سامان کیڑے مکوڑوں سے بچانے کے لئے ایک چٹان پر رکھ دیا تھا جس کے پاس وہ آرام کرنے کے لئے لیٹا تھا۔ چٹان کوئی آٹھ فٹ اونچی تھی اور نیچے بھی پتھریلی چٹانیں ہی تھیں۔ تھوڑے فاصلے پر سبزہ بے شک اُگا ہوا تھا لیکن دھرما سنگھ نے آرام کے لئے اور کیڑے مکوڑوں سے بچنے کے لئے یہ سپاٹ راستہ اور سپاٹ جگہ منتخب کی تھی۔

جنگل کے جانور خاص طور سے ایسے جانور جو رات کو اپنی خوراک کی تلاش میں نکلتے ہیں، تلاش رزق میں نکل پڑے تھے۔ ایک لومڑی بھی نجانے کتنے گھنٹوں سے دھرما سنگھ کی تاک میں تھی۔ دھرما سنگھ سے تو اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر ایسے مسافروں کے سامان سے

اکثر کھانے پینے کی چیزیں دستیاب ہو جایا کرتی ہیں۔ لومڑی اسی چکر میں تھی کہ دھرما سنگھ سو جائے تو ذرا اس کے سامان کی تلاشی لے ڈالے۔ اور جب اچھی خاصی رات ہوگئی تو چالاک لومڑی چٹان کے پاس پہنچی اور اُچھل کر چٹان پر چڑھ گئی۔ اس نے دھرما سنگھ کے سامان کی پوٹلی کی تلاشی لینا شروع کر دی اور وہ بوتل جس میں شردھا بند تھی اس کے اس عمل سے لڑھک کر نیچے گری اور پھر لڑھکتی ہوئی چٹان کے کنارے تک پہنچ گئی اور وہاں سے نیچے زمین پر گر کر چٹاخ سے ٹوٹ گئی۔ شردھا جو اس وقت آدھی نیند میں ڈوبی ہوئی تھی اُچھل پڑی۔ اسے تھوڑی سی چوٹ بھی لگی تھی لیکن سرد ہوا کے جھونکوں نے اچانک ہی اسے یہ احساس دلایا کہ کوئی خوشگوار واقعہ ہوگیا ہے۔ یہ سرد ہوا براہ راست اس کے بدن کو لگ رہی تھی چنانچہ وہ فوراً ہی ہوش میں آ گئی۔ اس نے بوتل کے بکھرے ہوئے ٹکڑے دیکھے اور پھر برق رفتاری سے ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ اس وقت اس کا قد بالکل ننھا سا تھا۔ وہ پھرتی سے جھاڑیوں مین گھس گئی۔ اسے خوف تھا کہ دھرما سنگھ بوتل کے گرنے کی آواز سے چونک کر جاگ اٹھے گا اور اس کا تعاقب کرے گا۔ ابھی جب تک وہ صحیح شکل میں نہ آ جائے، اس کے لئے مشکل ہی ہے۔ چنانچہ وہ رکے بغیر بھاگتی چلی گئی اور کافی دور نکل آئی۔ لیکن کافی دور کا مطلب اس کے اپنے ننھے قدموں سے تعلق رکھتا تھا اور وہ اس کے مطابق دور نکل آئی تھی۔ یہاں کئی گھنے درخت نظر آ رہے تھے۔ ان کی آڑ میں وہ رکی اور پھر دور تک کا جائزہ لیتی رہی۔ بوتل ٹوٹنے کی آواز سے دھرما سنگھ نہیں جاگا تھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

کبھی کبھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ گہری نیند سونے والے گہرے نقصان سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ شردھا نے یہاں رُکنے کے بعد دیر تک وہاں کا جائزہ لیا اور جب اسے کوئی تحریک محسوس نہ ہوئی تو اس نے اپنا عمل شروع کر دیا۔ اب اس کے سینے میں انتقام کا لاوا اُبل رہا تھا اور وہ اپنی تمام تر طاقت سے کام لے کر پہلے دھرما سنگھ سے نمٹنا چاہتی تھی، کیونکہ تقدیر نے اسے یہ موقع دے دیا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور پھر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں مسکرانے لگی۔ کچھ لمحے تک وہ منتر پڑھتی رہی۔ پھر اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچیں اور اچانک ہی انہیں زمین کی طرف کر دیا۔ مٹھیوں سے باریک باریک پتھر کے ٹکڑے نکل کر گر پڑے اور ان پتھر کے ٹکڑوں سے دھواں اُبلنے لگا۔ یہ ابلتا ہوا دھواں کوئی دو فٹ تک بلند ہوا اور اس

کے بعد اس میں سے عجیب و غریب قسم کے انسانی جسم نمودار ہوئے۔ ان کے سر گنجے تھے، ہاتھ پاؤں دبلے پتلے، آنکھیں بڑی بڑی اور سرخ تھیں۔ دو دو فٹ کے تقریباً پندرہ یا سولہ پتلے مکمل ہونے کے بعد سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ شردھا کا وجود اپنی اصل شکل اختیار کرتا جا رہا تھا اور اب وہ مکمل وجود میں آ گئی تھی۔ اس نے غرور بھری نگاہوں سے اپنے ان بیروں کو دیکھا اور پھر بولی۔ ''میرے بیرو! تم جانتے ہو کہ مقابلہ ایک جادوگر سے ہے۔ اس کا نام دھرما سنگھ ہے۔ نہ وہ مجھے قتل کر سکتا ہے اور نہ میں اسے۔ لیکن جس طرح میرے دشمنوں نے مجھے زمین میں دفن کر دیا تھا اسی طرح میں اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہتی ہوں اور یہی ایک طریقہ ہے اس سے نجات پانے کا اور اس سے بدلہ لینے گا۔ تم فوراً اس کے لئے قبر تیار کرو۔''

بیر فوراً ہی مصروف ہو گئے تھے۔ ایک درخت منتخب کر کے شردھا نے نہایت چالاکی سے ایک گہرا گڑھا تیار کرایا اور اس کے بعد بیروں نے آن کی آن میں یہ کام مکمل کر لیا۔ شردھا نے انہیں مزید ہدایات دیں۔ اب اس کے ہونٹوں پر ایک کامیاب مسکراہٹ تھی۔ وہ جو کچھ کرتی آئی تھی وہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ بیروں نے گردن خم کی اور اس کے بعد وہ ایک ترتیب سے کھڑے ہو گئے اور رفتہ رفتہ ان کے بدن نئی شکل اختیار کر گئے۔ اب وہ ننھے ننھے، حسین پودے بن گئے تھے جن میں خوش رنگ پھول کھلے ہوئے تھے۔ شردھا مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ جو قبر اس نے تیار کرائی تھی اس کے چاروں طرف یہ ننھے ننھے پودے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ جگہ بہت حسین لگ رہی تھی۔

شردھا قبر کی دوسری جانب اطمینان سے بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے جسم پر ایک خوبصورت لباس سجایا تھا اور بڑی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ اس کی پشت پر ایک درخت تھا۔ وہ درخت کے تنے سے پشت لگا کر پر اطمینان انداز میں بیٹھ کر صبح کا انتظار کرنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ دھرما سنگھ کے لئے یہ صبح بڑی خوفناک ہوگی، اور یہ حقیقت تھی۔

دھرما سنگھ جاگ گیا۔ وہ معمول کے مطابق جاگا تھا اور اسے کسی قسم کا کوئی احساس نہیں تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھائے اور تانبے کا بنا ہوا ایک برتن اس کے ہاتھ میں آ گیا جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس برتن سے اس نے منہ ہاتھ وغیرہ دھویا اور اس کے بعد اپنے لئے ناشتہ طلب کر لیا۔ یہ سارے کام آسانی سے ہو گئے تھے۔ ناشتے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے

کے بعد وہ چٹان پر رکھے اپنے سامان کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ بوتل میں بند شردھا کو دیکھ کر اس سے کچھ باتیں کرلیا کرتا تھا۔ چنانچہ بلند چٹان پر رکھے ہوئے سامان کی جانب اس نے ہاتھ بڑھائے تو اچانک ہی اسے تبدیلی کا احساس ہوا اور دوسرے ہی لمحے وہ اُچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے خوف کے آثار اُبھر آئے تھے اور اس کے بعد وہ ایک چیخ مار کر چٹان پر چڑھ گیا۔ چٹان کے دوسری جانب اسے ٹوٹی ہوئی بوتل کے ٹکڑے نظر آئے اور اس نے چٹان سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ پھر اس کے حلق سے وحشیانہ آوازیں نکلنے لگیں۔ ''یہ کیسے ہوگیا......آہ! یہ کیسے ہوگیا......؟ نکل گئی.....کتیا کی بچی.....نکل گئی.....''

اس پر دیوانگی سی طاری ہوگئی تھی۔ وہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ واپس پلٹا، دوبارہ چٹان پر چڑھا اور دور دور تک دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''نہیں.....وہ نکل نہیں سکتی......وہ نکل گئی تو میں برباد ہو جاؤں گا..... کدھر ہے وہ.....؟ راستے کا تعین کرو..... مجھے بتاؤ کہ وہ کدھر ہے گوما.....؟'' اس نے کہا اور کتے کی شکل کا ایک بونا جیسے درخت پر سے زمین پر کود پڑا ہو۔ اس کے کان اس کے سر سے اونچے تھے۔ گردن کندھوں پر رکھی ہوئی تھی۔ قد دو فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر گردن جھکا دی۔

''کدھر ہے وہ گوما؟ کدھر گئی ہے.....؟ مجھے جلدی بتا!''

''مہابلی! وہ چونکہ خود بھی کالی چڑیل ہے اس لئے ہم اس کا پتہ نہیں لگا سکتے۔ لیکن یہ پیلی لکیر اسی کے قدموں کی ہے۔ اگر تم اس پیلی لکیر کے ساتھ چلے جاؤ تو اس کا پتہ پا لو گے۔'' گوما نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا اور دھرما سنگھ کی نگاہیں اس جانب اٹھ گئیں۔ پیلے رنگ کا ایک نشان دور تک چلا گیا تھا۔

دھرما سنگھ نے اپنا سامان وہیں چھوڑ دیا تھا۔ اس پر دیوانگی کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اس پیلی لکیر پر دوڑنے لگا۔ اس کے دوڑنے کی رفتار بہت تیز تھی۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں شردھا درخت کے تنے سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔ اس نے شردھا کو دیکھ لیا اور اس کے چہرے پر جنون کے آثار پھیل گئے۔ پھر اس نے کہا۔ ''تو عورت ہے شردھا! اور میں مرد ہوں۔ اگر جادو منتر کی قوتیں کمزور پڑ جائیں تو بدن کی قوتیں کام آتی ہیں۔'' اور پھر وہ نفسیاتی طور پر اس جگہ کھڑا ہوگیا جہاں ننھے ننھے

خوبصورت پھولوں کے پودے اس کے اور شردھا کے درمیان حائل تھے۔ اس نے غراتے ہوئے شردھا کو آواز دی اور شردھا نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ ''تو سچ مچ شیطان کی اولاد ہے۔ آخر تو نے بوتل کیسے توڑ دی؟ اس بوتل کو تو، تو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔ اگر شردھا وتی ہے تو مجھے اس بات کا جواب دے کون سی شردھا تھی؟''

جواب میں شردھا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ ''مہاراج! یہ میری نہیں، ایک لومڑی کی شردھا تھی۔''

''کیا مطلب......؟''

''بیچاری خوراک کی تلاش میں اوپر چڑھی تھی۔ آپ کے سامان کو ٹٹولا تھا اور بوتل نیچے گر کر ٹوٹ گئی تھی۔''

''اوہ! تبھی تو میں کہوں کہ تو اتنی شردھا وتی تو نہیں ہے کہ اپنی شردھا سے میری بوتل توڑ دے۔''

''ہاں مہاراج! ہم لوگ دونوں ہی ایک دوسرے کی ٹکر کے ہیں۔''

''دھرما سنگھ ہے میرا نام.....سمجھی؟ اپنے آپ کو میری ٹکر کا سمجھتی ہے۔ پاگل.....ارے تو ہے کیا؟ چٹکیوں میں مسل کر راکھ بنا دوں گا تجھے۔ وہ تو میں نے ایسے ہی اپنے ساتھ تجھے بوتل میں بند کئے رکھا تھا۔ اب دیکھ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں۔''

''ٹھہرو تو سہی مہاراج! ذرا سی بات تو سن لو۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اگر میں چاہتی تو یہاں سے بہت دور نکل سکتی تھی۔ ایسے گم ہو سکتی تھی میں کہ تمہارے سارے بیر مل کر میرا پتہ نہیں لگا سکتے تھے۔ لیکن جانتے ہو یہاں میں کیوں موجود ہوں؟''

''چل.....بتا دے.....تو خود ہی بتا دے۔''

''تمہاری ساری اکڑ نکالنے کے لئے۔ تمہارے سارے گیان ختم کرنے کے لئے۔''

جواب میں دھرما سنگھ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ ''اور تو سمجھتی ہے کہ تو یہ کام کر لے گی۔''

''ہاں مہاراج! کرلوں گی۔''

''کیسے؟ کیا تو یہ بات نہیں جانتی کہ میری شکتی امر ہے اور میں ابھی سینکڑوں سال جیوں گا۔''

''ہاں مہاراج! نہ تم مجھے قتل کر سکتے ہو اور نہ میں۔''

''تو پھر تو مجھے اپنی شکتی کے جال میں قید کرے گی کیا؟''

''ہاں مہاراج! میں نے وہ عمل تیار کر لیا ہے جس سے تمہاری یہ امر شکتی ختم کر دی جائے اور تم صدیوں کے لئے خاموش ہو جاؤ...... کچھ نہ کر سکو۔ اس کا میں نے بندوبست کر لیا ہے مہاراج!'' شردھا نے کہا اور پھر اس نے اپنے لباس سے ایک چوکور پتھر نکالا۔ اس سے زمین پر دائرہ کاڑھنے لگی۔ دھرما سنگھ اپنی جگہ کھڑا ہوا اس دائرے کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک ہی شردھا نے دونوں ہاتھ بلند کر کے اس دائرے پر پھونک ماری اور دائرے میں سفید سفید پانی نمودار ہو گیا۔ دھرما سنگھ اسی جگہ کھڑا دلچسپی سے اس کی یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ شردھا نے کہا۔ ''مہاراج! اگر تم چاہو تو میرے اس جادو کے ٹھنڈارے میں اپنا مستقبل دیکھ سکتے ہو۔''

دھرما سنگھ دلچسپی سے بے اختیار آگے بڑھا اور جیسے ہی اس نے گھاس پر قدم رکھے جوان پودوں سے نکلنے والے پتوں سے بنی ہوئی تھی، اچانک ہی اس کا سارا بدن غائب ہو گیا۔ وہ گڑھے میں گر پڑا تھا۔ کناروں پر کھڑے ہوئے پودوں نے قہقہے لگائے اور اپنی اصلی بیروں کی شکل اختیار کر گئے۔ پھر انہوں نے وہ مٹی اڑائی کہ سارا ماحول گرد و غبار سے اٹ گیا۔ وہ مٹی سے اس گڑھے کو بھر رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد گڑھا اوپر تک بھر گیا۔ دھرما سنگھ دفن ہو گیا تھا۔ اس کی باقاعدہ ایک قبر سی بن گئی تھی۔ شردھا کے قہقہے آسمان کو چھونے لگے۔ اس نے قبر کے پاس آ کر کہا۔ ''دھرما سنگھ! یہ تھا تمہارا انجام۔ اصل میں یہ تجربہ مجھے کسی اور نے دیا تھا۔ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ میرے لئے بھی ایک ایسی ہی قبر بنائی گئی تھی اور میں اس قبر میں دفن تھی۔ اب اس قبر کو اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا جب تک باہر کا کوئی آدمی اس قبر کو نہ کھولے اور تمہیں باہر نہ نکالے۔ آرام سے سوتے رہو دھرما جی..... سچی بات یہ ہے کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تم کہہ رہے تھے نا کہ میں عورت ہوں اور تم مرد۔ تم مرد ہو کر اپنی جسمانی قوتوں سے کام لے کر ایک عورت پر قابو پا سکتے ہو لیکن تم یہ بات نہیں جانتے دھرما سنگھ جی کہ ایک عورت کا دماغ کتنا تیز ہوتا ہے۔ وہ تمہارے جسم کی قوتوں پر حاوی ہوتا ہے۔ دھرما سنگھ مہاراج! تم آرام کرو! میں اس سفید ناگن کو دیکھتی ہوں جو میرے چنگل سے نکل گئی ہے۔ دیکھوں گی اسے، وہ کتنی پریم پجارن ہے۔ اس کے بغیر میرا کچھ نہیں ہو سکتا۔

مجھے اس کی تلاش ہے مہاراج! وہ مجھے مل گئی تو دیکھنا کیا تماشے دکھاتی ہوں میں۔ میری مراد رتنا وتی سے ہے۔'' شردھا نے کہا اور پھر اپنے بیروں کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''شاباش میرے بیرو! تم نے میری لاج رکھ لی ہے۔ چلو! اب تم اپنا کام کرو، میں اپنا کام کرتی ہوں۔'' اس نے دونوں ہاتھ زمین کی طرف کئے تو سارے پتلے ایک دم دھوئیں میں تحلیل ہو گئے اور اس کے بعد یہ دھواں فضا میں اڑنے لگا۔ جب یہ دھواں ختم ہو گیا تو شردھا نے ایک جانب قدم بڑھا دیئے۔

☆

فرق تھا دونوں میں۔ شردھا ایک چڑیل تھی۔ ہر وقت بری سوچوں میں مبتلا رہتی تھی اور کبھی، کسی وقت بھی رتنا کا دل اس کی جانب مائل نہیں ہوا تھا بلکہ وہ شردھا سے نفرت کرتی تھی اور اس بات کی خواہش مند رہتی تھی کہ جیسے ہی موقع ملے وہ شردھا سے نجات حاصل کرے۔ لیکن سمپورنی کی طرف اس کا دل مائل ہو رہا تھا۔ اس نے سمپورنی سے پوچھا۔ ''سمپورنی! کیا تم اپنا قد نہیں بڑھا سکتیں؟''

جواب میں ننھی سی مورتی مسکرا دی۔ پھر اس نے کہا۔ ''میں وہ سب کچھ کر سکتی ہوں جو تمہارے دماغ میں آ جائے۔ لیکن ہر چیز کے کچھ مسئلے ہوتے ہیں۔ میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں۔ میں ایک سیدھی سادھی لڑکی تھی۔ ہم سات بہنیں تھیں۔ بھائی کوئی نہیں تھا۔ ماتا پتا کی بڑی آرزو تھی کہ بھائی پیدا ہو۔ ایک بھگت تھا پورن داس...... بظاہر تو وہ بھگت نظر آتا تھا مگر اندر سے شیطان تھا۔ اس نے میرے ماتا پتا کو تجویز پیش کی کہ اگر وہ بیٹے کے خواہش مند ہیں تو انہیں ایک بیٹی کی قربانی دینا ہو گی۔ وہ اس بیٹی کو بھگت پورن داس کے سپرد کر دیں گے۔ میرے ماتا پتا نے یہ بات مان لی۔ ایسا ہوتا ہے کبھی کبھی۔ انسان اپنی خواہشوں میں اتنا برا ہو جاتا ہے کہ پھر وہ انسان ہی نہیں رہتا۔ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا۔ میں چونکہ سب سے بڑھ بیٹی تھی اس لئے انہوں نے مجھے پورن داس کے سپرد کر دیا۔ پورن داس کالے جادو کا ماہر تھا۔ اس نے مجھے شکتی دینا شروع کر دی۔ اصل میں میرے روپ میں وہ اپنے آپ کو طاقت ور ترین بنانا چاہتا تھا۔ اس نے بڑے بڑے جاپ کر کے مجھے سمپورنی دیوی بنا دیا اور اس کے لئے وہ مجھے انسانوں کا خون استعمال کراتا رہا۔ انسانی خون پی پی کر میں جیتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ میں علم سیکھتی جا رہی تھی۔ لیکن مجھے پورن داس سے نفرت تھی۔

اس نے مجھ سے میرا گھر چھڑا دیا تھا۔ اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے اس نے ایک انسان کو پتھر بنا دیا تھا۔ پھر بات بڑھتی ہی چلی گئی۔ یہاں تک کہ میری شخصیت ہی ختم ہوگئی۔ پورن داس نے مجھے اس چھوٹے سے قد میں تبدیل کیا لیکن اسی وقت کچھ اور دیوی دیوتاؤں کا جھگڑا چل گیا اور پورن داس مارا گیا۔ میں جو شکتی حاصل کر چکی تھی، وہ مشروط ہوگئی یعنی اگر کوئی جاپ کر کے مجھے حاصل کرے تو میں اس کی غلام بن جاتی۔ یہاں تک کہ رندھیرا خود مجھے حاصل نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ اس جاپ کو کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ جاپ بہت خطرناک تھا اور اس بیچارے مسلمان آدمی نے غلط فہمی کی بنا پر وہ جاپ کر لیا کیونکہ وہ اس کے خطرناک ہونے سے واقف نہیں تھا۔ رندھیرا اصل میں یہ چاہتی تھی کہ وہ شخص جاپ کر کے مجھے اپنے قبضے میں کرے اور رندھیرا، ممدو کو اپنے قبضے میں کرے۔ اس طرح میں ممدو کے ذریعے رندھیرا کے قبضے میں چلی جاتی۔ جیسا کہ ممدو نے مجھے تمہیں بخش دیا۔ میرا مطلب ہے کہ اس کے ذریعے میں تم تک آ گئی اس طرح اگر رندھیرا، ممدو سے کہتی کہ مجھے اس کے حوالے کر دیا جائے تو میں رندھیرا کے قبضے میں چلی جاتی۔ مگر اچھا ہوا کہ ایسا نہیں ہوا۔ وہ شیطان کی بچی مجھے اپنے قبضے میں کر کے نجانے کیا کیا چکر چلاتی۔ بہرحال! اب سب ٹھیک ہے۔ اب مجھے کوئی چنتا نہیں ہے۔ مگر رتنا وتی! مجھے تمہارے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ کیا تم مجھے اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی؟''

رتنا حیرانی سے سمپورنی کی یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔

''بڑی عجیب کہانی ہے۔ مگر میری کہانی کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر بھی اگر تم اسے سننا ہی چاہتی ہو تو سنو! رتنا وتی ہے میرا نام۔ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اس گاؤں میں میرے ماتا پتا رہتے تھے۔ بلکہ یوں سنو! بنسی راج ذات کا چمار تھا۔ انگریزوں نے اُسے اپنی خدمت کے صلے میں جاگیریں بخشیں تو بدنصیب بستی چکمہ گڑھی کا علاقہ اس کے ہاتھ آ گیا۔ چکمہ گڑھی میں اسے بڑی بڑی جاگیریں مل گئیں اور بنسی راج چمار اُن بڑی بڑی جاگیروں کا مالک بن گیا۔ لیکن چمار کی فطرت چمار ہی رہتی ہے۔ دولت ملی تو انگریزوں کے جوتے صاف کرتے کرتے اس کی شخصیت بدل گئی۔ اس نے اپنے علاقے میں عیاشیاں شروع کر دیں اور دور دور تک کے علاقوں میں پریشانی کی لہر دوڑ گئی۔ اگر بڑی ذات کا ہوتا تو کچھ بڑائی بھی ہوتی دل میں۔ مگر چمار کی اولاد نے اپنے گرد چمار جمع کر لئے۔ ان چماروں میں

رسیا، تیجو مل اور بہت سے لوگ شامل تھے اور وہ سب بستی میں نوجوان اور حسین لڑکیوں کو حاصل کر کے اپنے مالک تک پہنچاتے تھے اور ذات کا چمار بنسی راج ان کلیوں کا رس چوس کر انہیں مختلف طریقے سے مجبور کر دیتا تھا کہ وہ کسی کو اس کے بارے میں نہ بتائیں۔ لیکن بہرحال بستی والوں کو اپنے اوپر نازل ہونے والی اس مصیبت کا پوری طرح احساس ہو گیا تھا۔ وہ پریشان تھے اور انہی پریشان لوگوں میں ہیرا لال بھی تھا۔ ہیرا لال کی بیوی شانتی بے حد خوبصورت عورت تھی اور بنسی راج کے کتے ہنسی رج کے لئے نئی نئی شکلوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ چنانچہ بنسی راج نے شانتی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے بعد رسیا کو حکم دیا کہ جس طرح بھی بن پڑے شانتی کو اس کے پاس پہنچایا جائے۔ بدنصیب ہیرا لال جو اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ بڑی اچھی زندگی گزار رہا تھا، مجبور ہوگیا کہ بستی چھوڑ دے۔ اسے پتہ چل گیا تھا کہ مہاراج بنسی راج اس کی دھرم پتنی کے چکر میں ہے اور بچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ چنانچہ ہیرا لال، شانتی اور اپنی بیٹی رتنا کو لے کر ایک رات چکمہ گڑھی سے نکل گیا لیکن کمینے کے کتے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ پہاڑی راستے میں بنسی راج اور اس کے ساتھیوں نے ہیرا لال اور اس کی بیوی کو گھیر لیا۔ ہیرا لال کی دھرم پتنی شانتی بچی کو لے کر وہاں سے نکل بھاگی جبکہ وہ لوگ ہیرا لال پر مظالم کرنے لگے اور آخر کار انہوں نے ہیرا لال کو ختم کر دیا۔ لیکن اس کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے وہ شانتی اور رتنا کو نہ دیکھ سکے۔ ادھر شانتی اور رتنا بھاگتی ہوئی ایک غار میں داخل ہوگئیں اور وہاں چھپ کر بیٹھ گئیں۔ یہاں تقدیر کو ایک اور کہانی ترتیب دینا منظور تھی چنانچہ زلزلہ آیا اور اس غار کے دہانے کو ایک پہاڑی چٹان نے ڈھک لیا۔ ایک طرف تو رتنا اور اس کی ماں شانتی وہاں محفوظ ہوگئیں کیونکہ بعد میں بنسی راج کے کتے ان دونوں کو تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے۔ لیکن دوسری طرف شانتی اور رتنا کی بدقسمتی بھی کام کر رہی تھی۔ جب کافی وقت گزر گیا اور شانتی نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو اسے پتہ چلا کہ وہ اس چٹان کو نہیں ہٹا سکتی جس نے راستہ بند کر لیا ہے۔ اس نے بہت ہمت کی..... بہت کوشش کی.... لیکن ناکام ہوگئی۔ پھر گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ماں اور بیٹی کی زندگی کی کہانی ختم ہونے لگی۔ رتنا کے سوکھے اور پیاسے ہونٹوں کو دیکھ کر شانتی سے نہ رہا گیا۔ اس نے بار بار باہر زبان نکالتی ہوئی رتنا کے حلق میں اپنا خون ٹپکایا اور رتنا کا حلق تر کیا۔ رتنا میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ شانتی اسے اپنا خون پلاتی

رہی...... آخر کار زخموں سے چور شانتی مرگئی تو رتنا نے بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر ماں کا گوشت بھی نوچ کر کھا لیا۔ غار سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ غار میں بے شمار کیڑے مکوڑے تھے جنہیں کھا کر رتنا اپنا پیٹ بھرنے لگیں۔ پھر ایک زلزلے ہی نے وہ چٹان ہٹا دی جس نے رتنا کو قید کیا ہوا تھا۔ معصوم رتنا باہر نکل آئی اور زندگی کی تلاش میں چل پڑی۔ لیکن اب وہ ایک ڈائن بن چکی تھی۔ انسانی خون کی رسیا..... چنانچہ وہ اپنی تمام تر معصوم فطرت کی بناء پر بظاہر معصوم رہتی لیکن انسانی خون اُس کی کمزوری بن چکا تھا۔ اسے جب بھی موقع ملتا اور جہاں بھی موقع ملتا وہ انسانوں کا خون پی کر ان کا کلیجہ نکال کر چبا ڈالتی۔ اس معصوم لڑکی کو دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ ڈائن ہے یہاں تک کہ وقت نے ایک بار اسے بنسی راج کے گھر پہنچا دیا۔

رتنا چھوٹی عمر کی تھی۔ لیکن جوانی اس پر ٹوٹ پڑی تھی۔ بنسی راج کے منہ میں پانی آ گیا لیکن بدفطرت باپ کا بدفطرت بیٹا بھی رتنا کے چکر میں پڑ گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ رتنا نے اس کے بیٹے کے خون سے اپنی پیاس بجھا کر بنسی راج کے گھر کا چراغ بجھا دیا۔ اس کے بعد رتنا کو شردھا ملی جو ایک چڑیل تھی اور ایک قبر میں دفن تھی.....شردھا کو رتنا جیسی کسی نوجوان لڑکی کی ضرورت تھی چنانچہ شردھا نے اسے قبضے میں کر لیا اور اس کے بعد رتنا کے حسن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے وکرم کھنہ کا گھر دیکھا جو ایک اوباش آدمی تھا اور پھر وہ اپنے انتقام کے لئے رتنا کو وکرم کھنہ کے گھر لے گئی جہاں وکرم کھنہ کی بیویوں کے درمیان کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے رتنا کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ رتنا، جے چند نامی نوجوان سے متاثر ہو گئی تھی جو اسی دوران اسے ملا تھا۔ لوگ اپنی اپنی حرکتیں کر رہے تھے لیکن رتنا ان سب سے جان چھڑانا چاہتی تھی۔

پھر وہ جے چند کے ساتھ وہاں سے نکل گئی۔ جے چند اس کا ساتھ نہ دے سکا۔ رتنا مختلف ہاتھوں میں پڑتی رہی یہاں تک کہ مختلف مسائل میں گرفتار ہو کر وہ بھاگ اٹھی اور اب وہ تمہارے سامنے ہے......'' رتنا خاموش ہو گئی۔

سمپورنی دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے حیرانی سے کہا۔ ''تو تم ہی رتنا ہو۔ وہی رتنا.....؟''

''ہاں.....!''

''اور تم انسانی خون پیتی ہو؟''

''ہاں! یہ روگ میرے من کو لگا ہے۔ جب چاند پورا ہو جاتا ہے تو میں دیوانی ہو جاتی ہوں اور خون پیئے بغیر جی نہیں سکتی۔''

سمپورنی کا ننھا سا قہقہہ بلند ہوا اور اس نے کہا۔ اور یہی میں بھی کرتی ہوں۔ انسانی خون پینا میرے لئے بھی زندگی کا ضامن ہے۔ اگر مجھے انسانی خون نہ ملے تو سمجھ لو کہ میں بھی نہیں جی سکتی۔ اس طرح ہم دونوں کی منزل ایک ہو جاتی ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے میرا اور تمہارا ملاپ بڑا کارآمد ہو گا۔ اچھا! یہ بتاؤ آگے کے جیون کے بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے۔''

''سمپورنی! میں نے سنسار بہت کم دیکھا ہے۔ تم شاید اس بات پر یقین نہ کرو کہ مجھے جینا نہیں آتا۔ میں نہیں جانتی کہ سنسار میں لوگ کیسے جیون بتاتے ہیں۔ جے چند سے مجھے کوئی پریم نہیں تھا۔ میرے من میں یہ خواہش ابھرتی ہے کہ میں کسی کو پسند کروں اور کوئی مجھے.....لیکن وہ ہر لالچ سے پاک ہو۔ میرے سوا سنسار میں وہ اور کچھ نہ چاہے۔ بس یہ خیال میرے من میں آتا ہے۔ ایسا کوئی پریمی مل گیا تو شاید جیون میں کوئی رنگ آ جائے ورنہ بے رنگ زندگی گزاروں گی۔''

سمپورنی ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ''سنسار کے بارے میں اتنا بھی نہیں جانتی کہ دولت جینے میں بڑا سہارا دیتی ہے۔ ایک دولت مند مرد یا عورت دنیا کی آنکھوں کا تارہ ہوتا ہے۔ اگر دولت نہ ہو تو انسان سڑکوں پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتا ہے۔''

''بھگوان کی سوگند! مجھے ایسی باتیں نہیں معلوم۔''

''ٹھیک ہے! وہ میں تمہیں بتاؤں گی۔ کیا سمجھیں؟ میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ کیا تم بھی مجھے اپنے ساتھ رکھنا پسند کرو گی؟''

''تم جتنی سندر اور جتنی پیاری ہو، تمہیں تو میں اپنے دل میں رکھنا چاہوں گی، اگر تم میرے ساتھ رہنا پسند کرو۔ مگر ہم کریں گے کیا؟''

''فکر مت کرو۔ یہاں سے نکلتے ہی ہم کسی شہری آبادی میں چلتے ہیں۔ سنسار بہت بڑا ہے۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔ ایک نام تم نے لیا ہے شردھا۔ دوسرا مجھ سے منسلک ہے یعنی رندھیرا۔ دونوں کی فکر مت کرو۔ میں دونوں کو دیکھ لوں گی۔ ہم اپنا

ایک الگ جیون بتائیں گی اور اس کے تحت اپنا الگ سنسار بسائیں گی۔ انسانی خون میری بھی ضرورت ہے اور تمہاری بھی۔ بس! سمجھ لو، ہم دونوں کی بڑی اچھی گزرے گی۔ میں تمہارے لئے ہر چیز مہیا کر دوں گی۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

رتنا گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔ بہت دیر تک سمپورنی اس سے باتیں کرتی رہی۔ پھر بولی۔ ''اب یوں کرو، مجھے اٹھا کر اپنے لباس میں چھپا لو۔ مجھے اپنے سینے کے پاس رکھو۔ یہ اچھا ہوگا اگر تم مجھے دنیا کی نگاہوں سے بچا کر رکھو گی۔''

رتنا نے آگے بڑھ کر پیار سے سمپورنی کی مورتی کو اٹھایا۔ لیکن وہ اب مورتی کہاں تھی ایک ننھا سا لچک دار وجود، جو سو فیصدی انسانی جسم ہی تھا۔ عورت کے بدن کی رعنائیوں سے بھرپور اتنا حسین..... اتنا خوبصورت کہ دیکھنے والا دیکھے تو دیکھتا ہی رہ جائے۔ رتنا نے مسکرا کر کہا۔ ''میری ننھی سی سکھی! تم تو بڑی سندر ہو۔''

''تو ٹھیک ہے۔ مجھے اپنے دل میں چھپا لو۔'' سمپورنی نے کہا اور رتنا نے اسے اپنے سینے پر سجا لیا۔

سمپورنی بولی۔ ''اب چلو یہاں سے۔ سنسار ہمارا ہے۔ مجال ہے کسی کی جو ہمارا کچھ بگاڑ دے۔''

رتنا بے خوفی سے اس عمارت سے باہر نکل آئی اور آگے کا سفر کرنے لگی۔ اب اس کے دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔ لیکن شردھا اور سمپورنی کا معاملہ بالکل الگ الگ تھا۔ شردھا کے ساتھ اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی بڑی چیل کے پنجے میں پھنسی ہوئی ہو اور سمپورنی کے ساتھ اتنا نرم اتنا پیار کہ دل کو خوشی ہو۔

سمپورنی اس سے باتیں بھی کرتی رہتی تھی۔ اس کی باریک، مدھم اور مترنم آواز رتنا کو صرف سنائی دیتی تھی اور یہ آواز اس کے کانوں میں رس گھولتی رہتی تھی۔ سمپورنی راستوں سے بارے میں بھی جانتی تھی۔ چنانچہ گھاس کا ایک بڑا سا میدان طے کرنے کے بعد کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ان کھیتوں سے گزرنے کے بعد رتنا ایک آبادی میں داخل ہو گئی۔ اس آبادی میں پہنچ کر رتنا نے ایک ریل دیکھی جو ایک بستی کے کنارے سے گزر رہی تھی۔ سمپورنی مسکرا کر بولی۔ ''وہ سامنے ریلوے سٹیشن نظر آ رہا ہے۔ وہاں سے تم ریل میں بیٹھو گی اور ہم اپنی نئی منزل کی جانب چل پڑیں گی۔''

رتنا نے کہا۔ ''سمپورنی! جیسا کہ میں تمہیں بتا چکی ہوں، مجھے سنسار کے بارے میں بہت کم معلوم ہے۔''

''تم فکر کیوں کرتی ہو؟ میں تمہارے کان میں سب کچھ بتاتی رہوں گی۔ ہم اس سنسار میں اپنے من کی ساری باتیں کر لیں گی۔ اور سنو رتنا..... منش کا من پریم کا رسیا ہوتا ہے۔ تمہیں یقینی طور پر کسی پریمی کی تلاش ہوگی۔ میں تمہیں بتاؤں، سنسار میں کسی پر بھروسہ کرنا بڑی بے وقوفی کی بات ہے۔ کوئی کسی کا پریم نہیں مانتا۔ سب لالچی ہیں۔ اپنا کومل شریر انہیں دے دو، خوشی سے قبول کر لیں گے، بلکہ دیوانے ہو جائیں گے تمہارے لئے۔ جواب میں ان سے پریم مانگو تو آنکھیں چراتے ہیں پاپی کہیں کے۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے حسن سے کام لے کر انسانوں سے کھیلو..... کسی کو من میں نہ بٹھاؤ کہ من روگی ہو جائے۔ کیا سمجھیں.....؟''

''میں نے تم سے کہا نا کہ میں سنسار کو زیادہ نہیں جانتی۔ تم سنسار کے بارے میں مجھے سمجھا دو۔''

''سمجھا دوں گی..... اچھی طرح سمجھا دوں گی۔ چنتا ہی مت کرو تم۔'' سمپورنی نے کہا۔

''اچھا..... تو ایک بات بتاؤ۔ میرے پاس تو کپڑے وغیرہ بھی نہیں ہیں۔''

''ارے فکر کیوں کرتی ہو؟ چلو تو سہی!''

تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد دونوں ریلوے سٹیشن پہنچ گئیں تو سمپورنی نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ دیکھو..... وہ سامنے ایک سوٹ کیس رکھا ہے۔ وہ تمہارے لئے ہے۔''

''ارے دیا رے دیا..... کس کا ہے وہ سوٹ کیس؟ میں اسے ہاتھ لگاؤں گی تو کوئی چورنی سمجھ کر میری مرمت شروع کر دے گا۔''

جواب میں سمپورنی کی کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی۔ پھر اس نے کہا۔ ''پاگل! میں تیری دوست ہوں نا! میں تیرے لئے جو کچھ کروں گی، وہ سمجھ لے کہ تجھے کسی قسم کی تکلیف میں مبتلا نہیں ہونے دے گا۔ وہ سوٹ کیس تیرا ہی ہے۔ تیرے لئے۔ اور سن! اس میں بہت سے روپے بھی رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے کام آئیں گے۔ اب میں اور تو الگ کہاں ہیں؟ مگر ایک بات اور بھی سن لے!''

''کیا؟''

''میں یہ نہیں کہتی کہ تو میری غلام ہے۔ بلکہ غلام تو تیری میں ہوں رتنا! مگر جو میں کہوں گی وہ کرتی رہنا۔ کچھ سوچنا نہیں اس بارے میں۔''

جواب میں رتنا گہرا سانس لے کر خاموش ہوگئی تھی۔ سمپورنی کے اشارے پر اس نے سوٹ کیس اٹھایا۔ سوٹ کیس کی پہلی دراز میں ریل کا ٹکٹ بھی رکھا ہوا تھا اور نوٹوں کی گڈیاں بھی۔ رتنا سوٹ کیس اٹھا کر ایک جگہ آ گئی۔ ریلوے سٹیشن پر بہت سے مسافر موجود تھے۔ رتنا نے ٹرین کے آ جانے کے بعد سمپورنی سے سوال کیا تو وہ کہنے لگی۔ 8 نمبر بوگی میں چل کر بیٹھ جاؤ۔ میں بتاتی ہوں۔ چلو! چلتی رہو۔''

آٹھ نمبر بوگی ایئر کنڈیشنڈ تھی۔ ٹکٹ کے مطابق رتنا کی سیٹ وہاں موجود تھی چنانچہ ان سارے ہنگاموں سے نکل کر رتنا کی زندگی میں ایک نئے سفر کا آغاز ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

تھوڑی دیر کے بعد ریل آگے بڑھ گئی اور رتنا مسرور نگاہوں سے شیشے سے باہر کا منظر دیکھتی رہی۔ اچانک ہی اسے اپنے کندھے پر ہلکی سی کلبلاہٹ کا احساس ہوا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو سمپورنی اس کے کندھے پر سوار، اس کے کپڑے سے اپنے آپ کو ڈھکے ہوئے شیشے سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ رتنا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سمپورنی کے ذہن کے تار جیسے رتنا کے ذہن کے تاروں سے جڑے ہوئے تھے۔ اس کی باریک آواز اُبھری۔

''ریل میں بیٹھ کر باہر دوڑتے ہوئے سنسار کو دیکھنا مجھے بے حد پسند ہے۔''

''مجھے بھی بہت اچھا لگ رہا ہے۔ واقعی! ایسا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔''

''میرے ساتھ رہ کر تجھے خوشی ہی ہوگی رتنا! بس ایک بات بار بار تجھ سے کہہ رہی ہوں۔ کبھی، کسی بھی وقت مجھ سے جھگڑا مت کرنا۔ میرے ساتھ مل کر رہنا۔''

''میری بھلا کیا ہمت ہوسکتی ہے سمپورنی کہ تجھ سے جھگڑا کروں؟'' رتنا نے جواب دیا۔

بہت دیر تک وہ دونوں باتیں کرتی رہیں۔

پھر اچانک ہی سمپورنی نے کہا۔ ''ارے! وہ دیکھ۔ ذرا اُس کمپارٹمنٹ کے اس کونے میں وہ جو ایک گورا چٹا آدمی بیٹھا ہوا ہے.....''

رتنا کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ اُس شخص کی عمر کوئی 50,52 سال کے قریب تھی۔ وہ گورا چٹا اور اچھی صحت کا مالک تھا۔ وہ رتنا کو عجیب سی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ رتنا کی نگاہیں اس سے ملیں تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ رتنا نے تعجب سے سمپورنی کو دیکھا اور بولی۔ ''کیا مقصد ہے یہ؟''

''یہ مہاشے جی تجھے دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔''

''یعنی ایک مرد کی نگاہ سے؟''

''تو اور کیا!'' سمپورنی ہنس پڑی۔

''بھگوان ستیاناس کرے ان کا۔ سارے بوڑھے میری ہی تقدیر میں لکھے گئے ہیں۔''

سمپورنی بہت ہنسی۔ پھر بولی۔ ''تجھے وکرم کھنہ یاد آ گئے ہوں گے۔''

''تمہیں کیسے معلوم؟''

''تو نے ہی تو بتایا تھا۔''

''ہاں! اور یہ بھی وکرم کھنہ سے کم نہیں ہے۔ اتنی ہی عمر کا ہوگا کمبخت۔''

''ایک بات سن۔ ان سے دوستی کر! حیثیت کے بڑے معلوم ہوتے ہیں۔ تیرے کام آئیں گے۔''

''مگر.....''

''وعدہ کیا تھا تو نے کہ جیسا میں کہوں گی، ویسا ہی کرے گی۔ اور میں تجھے یہ بتا دوں کہ جو کچھ میں کہوں گی وہ تیرے لئے اچھا ہی ہوگا، تو دیکھ تو سہی۔ اصل میں ایک بات تجھے بتاؤں رتنا! اس سنسار میں انسان، انسان کا محتاج ہے۔ کسی نہ کسی سے تو قدم بڑھا کر راستہ بنانا ہی ہوگا۔ ایسے ہی بات سے بات چلتی ہے۔ کیا سمجھی؟''

''ہاں! کہہ تو ٹھیک رہی ہو سمپورنی! مگر میں کروں کیا؟''

''نہ نہ! کچھ نہ کر۔ بس دیکھتی رہ کہ وہ مہاشے جی کیا کرتے ہیں۔''

رتنا خاموش ہو گئی۔ اب سمپورنی کی باتوں سے اسے دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ مہاشے اپنی جگہ سے اٹھے اور واش روم کی طرف جانے لگے۔ حالانکہ واش روم دوسری طرف بھی تھا لیکن انہوں نے ادھر سے گزرنا ضروری سمجھا اور چند لمحات کے بعد وہ رتنا کے پاس پہنچے اور جان بوجھ کر نیچے رکھے ہوئے رتنا کے اٹیچی کو ٹھوکر ماری پھر جلدی سے معذرت کر کے وہیں بیٹھ گئے اور اٹیچی کو سنبھال کر رکھنے لگے۔ اس کے بعد وہ رتنا سے بولے۔ ''معاف کیجئے گا دیوی جی! غلطی سے ٹھوکر لگ گئی۔ میں نے جان بوجھ کر ٹھوکر نہیں ماری تھی۔''

رتنا جواب کے لئے تیار تھی۔ کہنے لگی۔ ''ارے.....ارے.....تو اس میں معافی مانگنے کی کیا بات ہے؟ آپ تو بلا وجہ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔''

''آپ مہان ہیں دیوی جی! ورنہ لوگ تو ذرا ذرا سی باتوں پر مرنے مارنے پر تل جاتے

ہیں۔''

''میں بھلا آپ سے کیسے لڑ سکتی ہوں؟''

''ارے کیوں؟'' وہ بولے۔

''آپ تو شاید ادھر جا رہے تھے کسی کام سے۔''

''ہاں! بس بیٹھے بیٹھے من اُکتا گیا تھا۔ سوچا باہر جا کر دروازے پر کھڑا رہوں گا۔''

''تو بیٹھ جائیے۔ جب من اُکتا جاتا ہے تو منش کو کسی سے بات کر لینی چاہئے۔ میں بھی تو اکیلی ہی ہوں۔''

مہاشے جی کو اور کیا چاہئے تھا۔ خوشی سے دانت نکال کر ایک دم بیٹھ گئے۔ جگہ کافی تھی۔ بہت کم مسافر تھے اس ڈبے میں۔ بڑے لوگوں کے سفر کی جگہ تھی۔ چنانچہ چند بڑے لوگ اس میں موجود تھے۔ مہاشے جی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''آپ بڑی خوش اخلاق معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ عام طور سے لڑکیاں یہ سمجھتی ہیں کہ مردوں سے بات ہی نہیں کرنی چاہئے۔''

''نہیں! اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' رتنا، سمپورنی کے اشارے پر بول رہی تھی۔

''میں نے کہا نا یہ تو من کی بڑائی ہے۔ آپ کا نام کیا ہے دیوی جی؟''

''رتنا وتی!''

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ میرا نام نند کپور ہے۔ رام نگر میں رہتا ہوں اور وہیں جا رہا ہوں۔ کاروبار کرتا ہوں۔ آپ کہاں جا رہی ہیں دیوی جی؟''

''رام نگر!'' رتنا مسکرا کر بولی اور خود اپنے آپ پر حیران رہ گئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی زبان سے سمپورنی بول رہی ہو۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ رام نگر میں آپ کہاں رہتی ہیں؟''

''کہیں نہیں!''

''کیا مطلب؟''

''پہلی بار وہاں جا رہی ہوں۔''

''اوہو! کوئی رشتہ ناتے دار ہے وہاں؟''

''نہیں! کوئی نہیں.....بس! یوں سمجھ لیجئے کہ اپنی نگری، اپنی بستی چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ رام نگر میں ہی آباد ہوں گی۔''

"چلئے! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ دیکھیں! تقدیر کیسی چیز ہوتی ہے۔ میں رام نگر میں ہی رہتا ہوں اور اپنا کاروبار کرتا ہوں۔ اگر آپ وہاں رہنا چاہتی ہیں تو مجھ سے زیادہ آپ کی مدد اور کوئی نہیں کرسکتا۔"

"کیوں نند کپور جی.....؟" رتنا نے پوچھا۔

"بس! اگر آپ چاہیں تو میری مدد لے سکتی ہیں۔ ویسے آپ وہاں کہاں ٹھہریں گی؟"

"کسی ہوٹل میں۔"

"اچھا اچھا......ٹھیک ہے۔ ہوٹل کا انتخاب بھی میں ہی کردوں گا۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ ویسے آپ کے ماتا، پتا کوئی اور.....؟"

"نہیں! بس کیا بتاؤں نند کپور جی! آپ مجھے اس کے لئے معاف ہی کر دیجئے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ تقدیر نے بڑی جلدی ہی بے سہارا کر دیا اور اب سہاروں کی تلاش میں ہوں۔ ماتا، پتا نے اچھی خاصی دولت چھوڑی ہے۔ روپے پیسے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے میرے لئے۔ لیکن بس! یوں سمجھ لیجئے کہ سنسار میں سہارا دینے والا کوئی نہیں ملا۔"

نند کپور جی نے اپنے چہرے پر افسردگی کے تاثرات پیدا کئے۔ پھر بولے۔ "بات اصل میں یہ ہے رتنا جی! بھگوان سب کے لئے راستے پیدا کرتا ہے۔ شاید اسی لئے آج میں اس ریل سے سفر کر رہا تھا کہ آپ کے کسی کام آؤں۔ بس! میں نے آپ سے کہہ دیا کہ چنتا نہ کریں۔"

کافی دیر تک نند کپور جی رتنا کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ وہ رتنا کے سامنے بچھے جا رہے تھے۔ پھر جب انہیں یہ احساس ہوا کہ وقت بہت ہو گیا ہے اور اب رتنا کی جان چھوڑ دینی چاہئے تو اٹھتے ہوئے بولے۔ "سفر ابھی کافی ہے دیوی جی! لیکن آپ آرام کر لیں تھوڑی دیر۔"

"جی بہت شکریہ!"

"ویسے کھانا آپ میرے ساتھ ہی کھائیے گا۔ گھر کا کھانا ہے۔ ریل کا کھانا بالکل اچھا نہیں ہوتا۔"

"ارے آپ کہاں تکلیف کریں گے۔"

"مجھے خوشی ہوگی۔" نند کپور جی نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر چلے گئے۔

سمپورنی کی ہنسی رتنا کے کانوں میں اُبھری تھی۔ "دیکھا رتنا! اپنے نند کپور جی کو؟ عمر دیکھو اور حرکتیں دیکھو۔ لیکن کام کی چیز ہیں۔ تیرے کام آئیں گے۔"

"ایک بات بتاؤ سمپورنی! میں جو اُن سے باتیں کر رہی تھی نا وہ خود بخود میرے منہ سے نکل رہی تھیں۔ ایسے کیسے ہو رہا تھا؟"

"میں نے کہا نا کہ جب کام کی باتیں ہوں گی تو میں تمہاری زبان سے بول پڑوں گی۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں تم پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہی ہوں بلکہ یہی سمجھنا کہ وہ ضروری ہوگا اس وقت......"

رتنا ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔ بہرحال! نند کپور جی کو موقع مل گیا تھا۔ کھانے کا وقت ہوا تو وہ خود اٹھ کر آئے اور بڑی عاجزی سے بولے۔ "آئیے رتنا جی! کھانا کھا لیجئے میرے ساتھ۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

رتنا اٹھ گئی تھی۔ بڑا اچھا کھانا لائے تھے نند کپور جی۔ رتنا ان کے ساتھ کھانے لگی تو نند کپور جی بولے۔ "میں نے بہت دیر تک سوچا ہے آپ کے بارے میں رتنا جی۔ کسی کی مدد کرنا بڑی اچھی بات ہے۔ آپ کو وہاں ہوٹل میں قیام نہیں کرنا پڑے گا۔ ہوٹلوں کا قیام اچھا نہیں ہوتا۔ خاص طور سے کسی اکیلی عورت کے لئے۔ لوگ نجانے کیا کیا سوچتے ہیں اس کے بارے میں۔ ساحل سمندر پر میرا ایک بہت خوبصورت فلیٹ ہے۔ آپ یہاں سے سیدھی اس فلیٹ پر جائیے۔ میں نے اس کی ڈیکوریشن کر کے رکھی ہے۔ کبھی کبھار وہاں چلا جاتا ہوں۔ آپ کو وہ جگہ بہت پسند آئے گی۔"

"آپ اتنے احسانات مجھ پر کر رہے ہیں نند کپور جی! ان احسانوں کا کیا صلہ دوں گی آپ کو؟"

"آپ اس کی چنتا مت کریں۔ صلہ بھی میں آپ سے لے لوں گا۔ لیکن ابھی میں آپ سے جیسا کہہ رہا ہوں، آپ ویسا ہی کریں۔"

"جو آپ کی مرضی۔" رتنا نے پر خیال انداز میں گردن ہلا کر کہا۔ لیکن صورتحال وہی تھی۔ رتنا خود فیصلے نہیں کر پا رہی تھی بلکہ اس کے اندر سمپورنی بول رہی تھی۔ حالانکہ بعض اوقات رتنا، سمپورنی کی باتوں سے اتفاق نہیں کرتی تھی۔ لیکن بہ حال وہ پوری طرح سمپورنی کی احسان مند تھی اور پھر یہ پراسرار مورتی ویسے بھی اپنا ایک حیرت ناک وجود رکھتی تھی اور

اس نے چند ہی لمحوں میں رتنا کو یہ احساس دلا دیا تھا کہ وہ شردھا سے کہیں زیادہ قابل اعتماد ہے۔ شردھا تو ایک ایسی بدروح تھی جس کے بارے میں کوئی بات اسے معلوم نہیں تھی جبکہ سمپورنی نے رتنا کو اپنی پوری کہانی سنا دی تھی اور رتنا اس کے بارے میں سب کچھ جان چکی تھی۔ وہ کم از کم بے ضرر تھی۔ باقی جو اس کا اپنا مشغلہ تھا تو رتنا جیسی لڑکی اس سے بھلا کیوں خوفزدہ ہوسکتی تھی۔ کیونکہ وہ بھی ایک ڈائن تھی اور خون اس کی زندگی کی ضمانت تھا۔ سمپورنی کے بارے میں البتہ اسے علم تھا کہ سمپورنی کو کتنے عرصے بعد خون کی ضرورت ہوتی ہے۔ نند کپور جی پھنس رہے تھے تو اب یہ ان کا ذاتی معاملہ تھا۔ سمپورنی نے رتنا کے کان میں کہا۔

''اصل میں ایک اور بات بھی ہے رتنا! وہ یہ کہ اس جیسے آدمی کو سزا ملنی چاہئے۔ خوبصورت، نوجوان اور بھولی بھالی لڑکیوں کو اپنے شیطانی جال میں پھانس کر یہ لوگ زندگی سے محروم کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم جیسی کسی بلا کا سامنا بھی کرنا چاہئے تاکہ انہیں بھی اس بات کا پتہ چلے کہ زندگی میں برائی کا کیا انجام ہوتا ہے۔'' رتنا خاموش تھی۔ سمپورنی کا موقف اسے مناسب ہی لگا تھا۔

بہرحال! سفر جاری رہا۔ نند کپور جی، رتنا پر اپنی عنایتوں کی بارش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ رام نگر آ گیا۔ ایک عظیم الشان شہر..... جہاں زندگی بڑی تیز رفتار تھی۔ بندرگاہ ہونے کی وجہ سے صنعتیں بھی بہت زبردست تھیں۔ اعلیٰ درجے کے ہوٹل بکھرے ہوئے تھے۔

نند کپور جی، رتنا کو پوری طرح اپنے جال میں پھانسنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ چنانچہ سٹیشن سے براہ راست ٹیکسی لے کر وہ ساحل سمندر پر جا نکلے اور پھر سمندر سے تھوڑے فاصلے پر ایک انتہائی خوبصورت عمارت میں داخل ہو گئے۔ عمارت کی چوتھی منزل پر یہ فلیٹ تھا۔ تیز رفتار لفٹیں لگی ہوئی تھیں۔ جدید ترین علاقہ تھا۔ بڑے لوگوں کی رہائش گاہ بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ بڑے لوگوں کی اعلیٰ عیش گاہ۔ فلیٹ بھی بے حد شاندار تھا۔ ہر طرح سے آسائشوں سے بھرا ہوا تھا۔

یہاں پہنچ کر نند کپور جی نے کہا۔ ''ویسے تو میں آپ کے لئے یہاں دس ملازم بھیج سکتا ہوں رتنا جی، جو آپ کی ہر طرح کی آسائش کا خیال رکھیں گے۔ لیکن ملازموں کے آ جانے پر دو باتیں ہوتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ جن چیزوں کو ہم نے یہاں اتنی عمدگی سے لا کر رکھا ہے، ملازم ان کی قدر نہیں جانتے اور ان کا ستیاناس کر دیتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ پھر

تنہائی نہیں رہتی۔ وہ کسی نہ کسی طرح سر پر مصیبت رہتے ہیں اور اگر ہم انہیں یہاں چار گھنٹے کے لئے لے آئیں تو ہماری ساری کہانی ہمارے گھر پہنچ جاتی ہے۔'' نند کپور جی عجیب سے انداز میں ہنسنے لگے۔ پھر بولے۔ ''مطلب یہ ہے کہ آپ کو کھانا پکانا خود ہی کرنا پڑے گا۔ رسوئی بھری پڑی ہے۔ ہر چیز موجود ہے اور جو نہیں ہے، وہ آ جائے گی۔ اور پھر رتنا جی! کبھی کبھی باہر بھی کھانا کھا لیا کریں گے۔ ہمارا، آپ کا ساتھ تو رہے گا نا.....''

رتنا بیچاری ہر بات پر گردن ہلاتی رہی تھی۔ اس کے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنی کوئی رائے پیش کرتی۔

''نند کپور جی نے کہا۔ ''اب میں چلتا ہوں۔ آپ یہاں بالکل آرام سے رہیں۔ میں ذرا اپنے معاملات جا کر دیکھ لوں۔ دوبارہ بہت جلد آپ سے ملاقات کروں گا۔ آپ کسی بات کی چنتا نہ کریں۔ سب کچھ بھگوان کا دیا یہاں موجود ہے، ٹھیک ہے؟''

''جی!'' رتنا نے کہا اور نند کپور جی مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے۔ جیسے ہی وہ باہر نکلے، سمپورنی کے قہقہے رتنا کے کانوں میں ابھرنے لگے۔ اور پھر سمپورنی ظاہر ہو گئی۔ ننھی سی حسین مورتی.....لیکن اس کے اندر جو قوتیں پوشیدہ تھیں وہ بے مثال تھیں۔

اس نے کہا۔ ''رتنا! سچ مچ تمہیں تنہائی تو محسوس ہو گی۔ میں تمہاری تنہائی دور کئے دیتی ہوں۔'' یہ کہہ کر سمپورنی نے اپنا قد بڑھانا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد رتنا کے سامنے جو حسین شکل آئی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ سمپورنی نے ایک خوبصورت ساڑھی باندھی ہوئی تھی۔ اس کا رنگ چمپا کے پھول کی مانند تھا اور اس کے چہرے کے نقوش اتنے حسین تھے کہ کوئی ایک بار دیکھ لے تو زندگی بھر کے لئے تڑپتا رہ جائے۔ رتنا اسے دیکھتی رہ گئی۔ پھر اس نے کہا۔ ''ننھی سی مورتی کی شکل میں تو تم ٹھیک سے محسوس بھی نہیں ہوتی تھیں۔ تم تو بڑی سندر ہو سمپورنی!''

''یہ سندرتا ہی میرے لئے وبال جان بن گئی ہے۔''

''ایک بات پوچھوں؟''

''ہاں!''

''تمہیں جو شکتی حاصل ہوئی ہے، تم اپنے اس رنگ وروپ اور حسن کے بعد اس شکتی کے ذریعے سارے سنسار کو اپنے چرنوں میں لا سکتی ہوں۔''

سمپورنی کے چہرے پر اداسی پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ ''نہیں! ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''کیوں.....؟''

''بس...... جو طلسم مجھ پر طاری ہوتا ہے، اس کے تحت میں اپنے طور پر سنسار میں کچھ نہیں کر سکتی۔ ہاں! دوسروں کو اتنی شکتی دے سکتی ہوں کہ وہ جو من چاہے کریں۔''

''سمپورنی! ویسے تمہارے من میں اور بھی ایسی کوئی بات ہے؟''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ انسان کے جیون میں بہت ساری خواہشیں ہوتی ہیں۔ وہ بہت کچھ چاہتا ہے۔ تم نے اپنے من میں ایسی کسی چاہت کا تصور کیا ہے؟''

''دیکھو! میں تمہیں بتاؤں۔ آؤ، آرام سے بیٹھتے ہیں۔ یہ جگہ تو واقعی بڑی خوبصورت ہے۔ اس کی بالکونی میں چلتے ہیں۔ وہاں سے سمندر کا نظارہ بھی ہو گا۔''

''ہاں! یہ تو ہے۔ آؤ چلیں۔''

اور پھر رتنا اور سمپورنی بالکونی میں پہنچیں۔ حقیقتاً دور دور تک کے مناظر بے حد حسین تھے۔ دیکھ کر ہی لطف آ رہا تھا۔ سمپورنی نے کہا۔ ''سنسار بہت خوبصورت ہے۔ دیکھو! یہ لوگ جو پانی سے کھیل رہے ہیں اگر تم سمجھتی ہو کہ یہ سب بے فکر ہیں تو یہ ہماری غلطی ہو گی۔ سنسار میں سارے کے سارے بڑے عجیب ہیں۔ ان کے رہنے سہنے کا انداز جیسا بھی ہے لیکن اندر سے یہ بھی دکھی ہوں گے۔''

''ہم اپنی بات کر رہے تھے۔''

''ہاں...... واقعی! ہم اپنی بات کر رہے تھے۔ میں تم سے یہ کہہ رہی تھی کہ میں براہ راست کچھ نہیں کر سکتی۔ لیکن تمہیں ہر طرح کی مدد دے سکتی ہوں۔''

''سمپورنی! ہم کچھ سوچیں گے۔ بہت سوچیں گے۔ میں تمہیں اپنے بارے میں بتا چکی ہوں۔ میرے ماتا پتا بھی بیچارے ظلم کا شکار ہوئے اور ایک شیطان نے انہیں زندگی سے محروم کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بنسی راج کو میں نے ایسا سبق دیا ہے کہ وہ جیون بھر تڑپتا رہے گا۔ پہلے مجھے ایسی باتوں کا اندازہ نہیں تھا۔ مگر اب میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ دنیا سے بہت زیادہ واقف ہو گئی ہوں۔''

''ہاں ہاں! کیوں نہیں؟ اور ایک بات بتاؤں تمہیں کہ ہم دونوں خون پیتی ہیں۔

ہمارے من میں خون کی سیاہی جمتی جا رہی ہے۔ سنسار میں بہت سی باتیں ہم سوچ تو سکتے ہیں، ان پر عمل بھی کر سکتے ہیں۔ مگر من کی کالک چھٹانا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ ہمیں پریم روگ نہیں لگانا ہو گا۔ باقی اگر دل کسی پر آ ہی جائے تو دوسری بات ہے۔ ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ میرے من میں تو ایسی کوئی بات کبھی نہیں ابھرتی۔ میں تو ان احساسات سے دور ہو چکی ہوں۔''

رتنا ہنسنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ ''سنسار میں لوگ دیوی، دیوتاؤں کے چکر میں پھنستے ہیں۔ کبھی کوئی کسی بیر کو قبضے میں بھی کر لیتا ہے مگر ایسی کوئی سمپورنی کسی کے قبضے میں نہیں آئی ہو گی جو ایک اچھی سہیلی ہے۔''

''اور ساتھی بھی۔'' سمپورنی ہنس کر بولی۔

پھر دونوں سہیلیوں کی طرح کھانے پینے کا بندوبست کرنے لگیں۔ سمپورنی ہنس پڑی۔ اس نے کہا۔ ''اپنے نند کپور جی جلد ہی نازل ہونے والے ہیں۔ ویسے انہوں نے یہاں سارے بندوبست کر رکھے ہیں۔ کیا خیال ہے؟ ایک بات اور کہوں تم سے کہ میں اصلی شکل میں کسی کے سامنے نہیں آؤں گی۔ اس بات کا خیال رکھنا۔ ہاں! اگر کوئی بہت ہی اہم مسئلہ ہو تو دوسری بات ہے۔''

''ٹھیک کہتی ہو۔ میں خیال رکھوں گی۔'' رتنا نے کہا۔

کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد ان دونوں نے پورا فلیٹ دیکھا۔ سمپورنی نے ہنس کر کہا۔ ''مجھے تو کسی بیڈ روم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں تو جہاں بھی رہوں گی، تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔ ہاں! اگر تم چاہو تو کبھی مجھے باہر بھی بھگا سکتی ہو، مگر محبت سے۔'' سمپورنی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

رتنا ہنس کر بولی۔ ''یقین کرو! میرے من میں ایسی کوئی بات کبھی نہیں اُبھرے گی۔ تم اطمینان رکھنا۔''

''ارے نہیں! میں تو مذاق کر رہی تھی۔'' سمپورنی نے کہا۔

رات کے کوئی ساڑھے نو بجے ہوں گے کہ دروازے کی بیل بجی اور سمپورنی بولی۔ ''لیجئے! اپنے نند کپور جی اپنی محنتوں کا صلہ وصول کرنے کے لئے آ گئے۔ سنو! چنتا نہ کرنا۔ بس اشارہ کر دینا مجھے۔ میں انہیں لمبی نیند سلا دوں گی۔ یہ میرے لئے کوئی بڑی بات نہیں

ہے۔''

رتنا ہنسنے لگی۔ پھر سمپورنی کو وہیں چھوڑ کر دروازہ کھولنے چلی گئی۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو اس نے نند کپور جی کو نہیں پایا بلکہ ان کی جگہ ایک خوبصورت سا بھولا بھالا سا نوجوان کھڑا تھا جو رتنا کو دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔ رتنا نے بھی اسے حیرت سے دیکھا اور پھر بولی۔

''جی فرمائیے!''

''م......م......میں......میں...''

''ہاں ہاں بتائیے! کیا بات ہے؟ کس سے ملنا ہے آپ کو؟''

''وہ..... مجھے اندر جانا ہے۔''

''جی؟''

''وہ اصل میں میرا پرس اندر رہ گیا ہے۔ اس میں پیسوں کے علاوہ اور بھی سامان موجود ہے۔''

''آپ کا پرس اندر رہ گیا ہے؟''

''مگر آپ کون ہیں؟'' نوجوان کے انداز میں کسی قدر جھلاہٹ تھی۔

''آپ پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہیں۔ پہلے مجھ سے اپنا تعارف کرائیے۔''

''باپ رے باپ! کسی غلط فلیٹ میں تو نہیں آ گیا میں۔ نمبر بھی میرے ہی فلیٹ کا ہے۔''

''آپ کا فلیٹ؟''

''جی دیوی جی! یہ میرا فلیٹ ہے۔ اور میں حیران تھا کہ اندر کون ہے۔ پتا جی تو اندر نہیں ہیں نا؟''

''پتا جی؟ کس کے بیٹے ہیں آپ؟''

''جی میرے پتا کا نام نند کپور ہے اور میرا نام بمل کپور۔''

''اوہو......تو یہ بات ہے۔ آیئے......آیئے......آپ نند کپور جی کے بیٹے ہیں۔'' رتنا نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا اور بمل کپور اندر آ گیا۔

''جی ہاں دیوی جی! اب آپ اپنا تعارف بھی کرا دیجئے۔''

''آیئے..... آرام سے بیٹھئے۔ یہ بتائیے کہ آپ کے پتا جی سے آپ کی ملاقات

ہوئی؟''

''ہاں! پتا جی آج ہی آئے ہیں اور فوراً ہی چلے گئے ہیں۔ اب وہ کل یا پرسوں آئیں گے۔''

''گڈ! آیئے.....اندر آیئے نا۔ آپ تو بلا وجہ پریشان ہو رہے ہیں بمل جی۔''

رتنا نے کہا اور بمل کپور کو لئے ہوئے اندر چلی گئی۔ نوجوان لڑکے کی عمر تئیس چوبیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ چہرہ انتہائی دلکش، بدن کھلاڑیوں جیسا۔ تندرست، توانا۔ اچھے نقوش کا مالک تھا۔ اندر آ کر وہ چھٹی چھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ''سب کچھ وہی ہے۔ وہ دیکھئے! وہ میرا پرس رکھا ہوا ہے۔ وہ دیکھئے! اُدھر۔''

''اوہو! وہ آپ کا پرس ہے؟''

''دیوی جی! آپ کو بھگوان کا واسطہ! آپ کوئی بری عورت تو نہیں لگتیں بتا تو دیجئے آپ ہیں کون؟''

''آپ یہ بتائیے کہ آپ اکثر اس فلیٹ پر آتے رہتے ہیں؟''

''بابا! میرے پتا جی کا فلیٹ ہے۔ پرسوں میں یہیں تھا۔ کل یہاں سے چلا گیا تھا اور یہ پرس بھول گیا تھا۔ مصروفیت ایسی تھی کہ لینے نہیں آ سکا۔ اب اس وقت فرصت ملی تو میں یہ پرس لینے آ گیا۔ مگر میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہاں کوئی اور ہوگا۔''

''اتفاق کی بات ہے۔ آپ کے پتا جی نے آپ کو اس بارے میں بتایا نہیں ہوگا۔''

''ہاں! مجھے بالکل نہیں معلوم تھا۔ چلئے اب آپ ہی بتا دیں۔'' بمل کپور صوفے پر بیٹھ گیا۔ اب وہ کسی قدر مطمئن نظر آ رہا تھا۔

رتنا نے کہا۔ ''کیا بتا دوں میں؟''

''یہی کہ آپ کون ہیں؟ دیکھئے! لازمی بات ہے کہ آپ یہاں بلا وجہ نہیں رہ رہی ہوں گی۔ بلکہ میں کسی حد تک کچھ سمجھ رہا ہوں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ پتا جی کے ساتھ یہاں آئی ہیں۔''

''بالکل ٹھیک لگ رہا ہے آپ کو۔'' رتنا نے کہا۔

''کیا جان پہچان ہے آپ کی پتا جی سے؟ کیا آپ ان کے کسی کاروباری دوست کی بیٹی ہیں؟ اگر ایسا تھا تو پتا جی کو آپ کو گھر پر لا کر رکھنا چاہئے تھا۔ ہمارا گھر بھی تو چھوٹا نہیں

ہے۔''

''اب یہ تو نند کپور جی ہی جانتے ہیں۔ ویسے میں ان کے کسی کاروباری دوست کی بیٹی بھی نہیں ہوں اور پہلے سے ان کی میری کوئی جان پہچان بھی نہیں ہے۔ ریل کے سفر میں، میں انہیں ملی تھی۔ یہاں رام نگر آ رہی تھی کہ نند کپور جی نے مجھے یہاں رہنے کی پیشکش کر دی۔ ورنہ میں کسی ہوٹل میں ٹھہرتی۔''

اچانک ہی بمل کپور کے چہرے کا رنگ کچھ مدھم پڑ گیا۔ اس کے انداز میں افسردگی نظر آنے لگی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے رتنا کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ ''دیوی جی! آپ اپنا نام بتانا پسند کریں گی مجھے؟''

''رتنا ہے میرا نام۔''

''رتنا جی! آپ رام نگر کیسے آئی ہیں؟''

''ریل سے.....'' رتنا نے کہا اور ہنس پڑی۔

''نہیں پلیز! مجھے بتایئے۔ آپ کون ہیں؟ کہاں رہتی ہیں؟ رام نگر میں آپ کو کیا کام ہے؟ یہ تو آپ بتا چکی ہیں کہ پتا جی سے پہلے آپ کے تعلقات یا جان پہچان نہیں تھی۔ ریل میں ہی آپ سے اُن کی ملاقات ہوئی ہے۔''

''بس! یوں سمجھ لیجئے بمل کپور جی کہ حالات کی چکی میں پستی ہوئی رام نگر آ نکلی تھی۔ کوئی مالی پریشانی نہیں ہے مجھے۔ لیکن یہاں کسی سے جان پہچان نہیں تھی۔ نند کپور جی نے مجھے مخلصانہ پیشکش کی تو میں نے سوچا کہ تھوڑا وقت گزار لوں اور اس کے بعد رام نگر میں اپنے لئے کوئی ٹھکانہ تلاش کر لوں گی۔''

''اوہ..... رتنا دیوی! میں نے سنسار بہت زیادہ نہیں دیکھا لیکن جتنا بھی دیکھا ہے اس سے تھوڑا بہت اندازہ مجھے ضرور ہے کہ برے لوگ کیسے ہوتے ہیں اور اچھے لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ بھگوان کی سوگند! نجانے کیوں آپ مجھے چہرے سے بری نہیں لگتیں۔ میری کسی بات کا برا نہیں مانئے گا۔ جو بات من میں ہے، کہے دے رہا ہوں۔ آپ کے علاوہ کوئی اور ہوتی تو کچھ نہ کہتا اور خاموشی سے یہاں سے چلا جاتا۔''

''بمل کپور جی! جو کہنا چاہتے ہیں، صاف صاف کہہ دیجئے۔''

''میرے پتا جی عیاش فطرت کے مالک ہیں۔ مزاج میں آوارگی ہمیشہ سے ہے۔ ماتا

جی اور ان کی اس بات پر کبھی نہیں بنتی۔ انہوں نے نجانے کیا کیا چکر چلا رکھے ہیں۔ بس طبیعت ایسی ہے۔ ان کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ بات نہیں کہنی چاہئے لیکن نجانے کیوں آپ کو دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ آپ کو اس بات سے آگاہ کر دوں۔ اگر آپ کوئی سیدھی سادھی خاتون ہیں تو دیوی جی! پتا جی کے چکر میں نہ پھنسیں اور یہاں سے کہیں اور چلی جائیں۔ اور معاف کیجئے! اگر آپ اپنی مرضی سے یہاں رہنا پسند کریں تو بھگوان کی سوگند! میں آپ کو نہیں روکوں گا۔ بس! اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

''سنئے تو سہی..... بمل کپور جی! سنئے تو سہی.....'' رتنا نے اسے پکارا۔ لیکن وہ نہیں رکا اور تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

رتنا چند قدم آگے بڑھی تو اسے سمپورنی کی آواز سنائی دی۔ ''جانے دو..... جانے دو..... آئے گا..... پھر آئے گا۔'' رتنا کے قدم رُک گئے۔ لیکن وہ دیر تک بمل کپور کی باتوں کے تاثر میں ڈوبی رہی تھی۔

''جاؤ! دروازہ تو بند کر دو۔ فلیٹوں کے دروازہ کھلے نہیں ہونے چاہئیں۔ پتہ نہیں، کب کون گھستا چلا آئے۔'' سمپورنی نے کہا۔

رتنا بوجھل قدموں سے آگے بڑھی۔ دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ بمل کپور کا دُور دُور تک پتہ نہیں تھا۔ وہ اندر واپس آ گئی۔ کمرے میں پہنچی تو سمپورنی اپنے مکمل قد و قامت کے ساتھ صوفے پر بیٹھی ہوئی ہنس رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''رتنا! عورتوں کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ کسی کی عمر کا کوئی حساب نہیں رکھتیں۔ یہاں تک کہ اپنی عمر بھی بھول جاتی ہیں۔ اب میں اپنی اور تمہاری عمر کا تجزیہ تو نہیں کروں گی لیکن اپنے تجزیئے کی وجہ سے میں تم سے عمر میں بہت بڑی ہوں۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''ایک ایک بات پر اداس ہو جانا کچی عمر کی نشانی ہے۔ چلو..... عمر کچی ہو تو کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی نوجوان لڑکی تنہا ہو تو اسے کچی عمر کی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔ اب تم اس لڑکے کی باتوں سے یوں اداس ہو گئیں۔ دیکھو رتنا! میرے لئے تمہیں سمجھانا بہت ضروری ہے۔ چونکہ اب تم میری سہیلی ہو۔ سنسار میں نجانے کیسے کیسے چہرے بکھرے ہوئے

ہیں۔ نجانے کیسی کیسی کہانیاں پڑی ہوئی ہیں۔ اگر ہم ہر کہانی سے اس طرح متاثر ہو گئے تو جینا مشکل ہو جائے گا تمہارا بھی اور میرا بھی۔ کہانیاں بے شک سنو، مگر اپنے من میں ان کے لئے جگہ مت رکھو۔ یہ لڑکا تمہارے من کو بھایا ہے نا؟''

''کیا؟'' رتنا چونک پڑی۔

''اچھا لگا ہے نا تمہیں؟''

''اس کی باتیں اچھی لگی ہیں۔''

''غلط..... اس کا بھرا بھرا بدن، دودھ جیسا رنگ، ہلکے ہلکے شیو کے بال، شربتی آنکھیں، مسکراتے ہونٹ۔ ساری چیزیں تمہیں پسند آئی ہیں۔''

رتنا ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ ''مجھ سے زیادہ تو تم اسے غور سے دیکھ رہی تھیں سمپورنی۔''

''ہاں! میرا تو اور کوئی کام ہی نہیں تھا۔ باتیں تو تم کر رہی تھیں اس سے اور دیکھ میں رہی تھی اسے۔''

''نہیں سمپورنی! میں نے اسے کسی ایسے ویسے انداز سے نہیں دیکھا۔ وہ بے شک ایک سیدھا سادھا معصوم سا لڑکا ہے۔ اچھا تو لگتا ہے۔ مگر اب ایسے بھی نہیں ہے کہ ہر ایرے غیرے کو دیکھ کر انسان کے پاؤں پھسل جائیں۔''

''بس! یہی میں تم سے کہنا چاہتی تھی۔ اصل میں اب ہمیں ساتھ ساتھ جیون گزارنا ہے۔ پتہ نہیں کتنے عرصے ساتھ رہیں گے۔ پتہ نہیں کیسے کیسے حالات ہمیں پیش آئیں گے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ دونوں ہی مزے کی زندگی گزاریں گے۔ کیا سمجھیں؟''

''ہاں! ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن بات تو بڑے مزے کی نکلی۔ نند کپور کے بارے میں تو خیر ہمیں یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ لالہ جی کس طرح کے آدمی ہیں۔ لیکن یہ لڑکا دل پر ایک نقش چھوڑ گیا ہے۔ اب بتاؤ! ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

''دیوی جی! یہ بات تو ہمیں معلوم تھی کہ اپنے نند کپور جی رنگین مزاج آدمی ہیں اور آپ کو دیکھ کر پھسل پڑے ہیں۔ مگر ابھی ذرا تھوڑا سا وقت گزار لو۔ یہ بات تو میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ تم اپنے بارے میں تو بالکل چنتا ہی نہ کرو۔ جو بھی ہوگا اسے دیکھ لیا جائے گا۔ کیا سمجھیں؟ پہلے ذرا رام نگر کے حالات دیکھیں گے۔ بعد میں دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے۔'' رتنا بھی مسکرا دی۔

پھر وہ کافی دیر تک بالکونی میں کھڑی شور مچاتے سمندر کو دیکھتی رہیں جو چڑھتے چاند کے ساتھ چاند کو چھونے کی کوشش میں مصروف تھا۔

رتنا نے کہا۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''چلو! پھر سو جاؤ۔'' سمپورنی نے کہا۔

رتنا بیڈ پر آ کر سو گئی۔ البتہ دوسرے دن وہ اس وقت جاگی جب کوئی اس کا پاؤں پکڑ کر ہلا رہا تھا۔ رتنا چونک کر اٹھ گئی۔ ذہن میں سمپورنی ہی آئی تھی۔ لیکن ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ سہم سی گئی۔ کچھ لمحوں میں اس نے ہوش و حواس پر قابو پا کر اس چہرے کو پہچان لیا۔ وہ نند کپور جی کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

وہ جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ نند کپور جی ہنس کر بولے۔ ''جوانی کی نیند بھی کیسی ہوتی ہے۔ بہت دیر سے بیٹھا ہوا تھا۔ سوچا جگا ہی دوں۔''

''آپ...... آپ اتنی صبح..... اور..... اور...... دروازہ تو میں نے لاک کر دیا تھا۔''

نند کپور جی ہنسنے لگے۔ پھر بولے۔ ''اس دروازے کی واحد چابی میرے پاس ہے۔ یہ چابی اصل میں ایسی ہے کہ اگر دروازہ اندر سے بند ہو تو باہر سے کھولا جا سکے۔ ایسا تالا میں نے خود لگوایا ہے اور میرے علاوہ کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ سو میں دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔''

''آپ..... آپ.....''

''گھبراؤ نہیں رتنا! میں تمہارا دوست ہوں، دشمن تو نہیں۔ اگر چاہو تو جاؤ! واش روم میں ہو آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔'' نند کپور جی وہاں سے اٹھے اور ایک صوفے پر جا بیٹھے۔

اس سے زیادہ کمینگی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی کہ کسی سوتی ہوئی لڑکی کے پاس آ بیٹھیں اور اپنی حرکتوں کا اظہار کرتے رہیں۔ غسل خانے میں منہ ہاتھ دھوتے ہوئے وہ یہی سوچ رہی تھی کہ شیشے میں سمپورنی نظر آئی جو اس کے کندھے پر کھڑی ہوئی تھی اور ہنس رہی تھی۔ رتنا نے کہا۔ ''تم موجود ہو۔ دیکھا تم نے اس پاپی کو؟''

''پاپ نہ کریں تو پاپی کیسے کہلائیں؟ لیکن اب مجھے غصہ آنے لگا ہے تم پر۔''

''کیوں؟'' رتنا نے چونک کر کہا۔

''کہا ہے نا تم سے کہ میں تمہارے ساتھ ہر وقت رہتی ہوں۔ تمہیں کوئی فکر نہیں کرنی

چاہئے۔ بے فکر ہو کر زندگی گزارو۔''

''غصہ تو آ رہا ہے نا اس پاپی پر۔''

''وہ بعد میں دیکھ لیں گے۔ کیا سمجھیں؟ اب ایسا کرو، اس سے اس کی دلجوئی کی باتیں کرو۔''

''پاپی، ہتھیارا کہیں کا۔ نجانے کیسے اندر آ مرا۔ ذرا دیکھو! دروازے کی ایسی چابی بنوا رکھی ہے جو صرف اسی کے پاس ہے۔ کسی بھی سمے دروازہ کھول کر اندر آ سکتا ہے۔''

''ہاں برا آدمی ہے۔ مگر ہر برے کو اس کی برائی کی سزا ضرور ملتی ہے اور اسے ملے گی۔ ضرور ملے گی۔'' سمپورنی نے کہا۔

سمپورنی کی باتوں سے رتنا کافی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔ پھر وہ باہر نکلی۔ نند کپور بھی جیسے دروازے سے آنکھیں لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ بھوکی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ رتنا باہر آ گئی تو نند کپور جی بولے۔ ''رتنا جی! میرا خیال ہے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں پیش آئی ہو گی۔ لیکن اگر ایسا ہے تو آپ مجھے بتایئے۔ میں ابھی بھاگ کر لے آتا ہوں۔ آج کا ناشتہ میں آپ کے ساتھ کروں گا۔''

''میں ناشتہ بناتی ہوں۔ نند کپور جی! میرا خیال ہے آپ کے کچن میں ساری چیزیں موجود ہیں۔'' رتنا نے کہا۔

''اسے میرا کچن کیوں کہتی ہو؟ یہ تمہارا کچن ہے۔'' نند کپور جی بولے۔

رتنا کچن میں آ گئی تھی۔ سمپورنی نے ہنس کر کہا۔ ''واہ! نند کپور جی تو تم پر سارا حق جما چکے ہیں۔''

''دل تو چاہتا ہے کہ پاپی کو ناشتے کی بجائے زہر کھلا دوں۔''

''ارے نہیں رتنا! سنسار میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور پھر ایسے لوگ تو بڑے مزے کے ہوا کرتے ہیں۔ ان کی بیوقوفی کی باتوں سے لطف آتا ہے۔ اب تم دیکھو ذرا ان نند کپور جی کو۔ کیا سمجھ رہے ہیں یہ اپنے آپ کو۔ سوچ رہے ہیں کہ کوئی بہت بڑا کارنامہ سر انجام دیا ہے۔ حالانکہ ابھی اتنے جوتے پڑ سکتے ہیں سر پر کہ گنے بھی نہ جا سکیں۔''

رتنا خاموش ہو گئی تھی۔ اس نے ناشتہ بنایا۔ وہ ابھی ناشتے کی تیاریوں میں مصروف ہی تھی کہ نند کپور جی کچن میں آ گئے اور ہنس کر بولے۔ ''رتنا! کبھی کبھی انسان کا بچہ بن جانے کو

دل چاہتا ہے۔ یقین کرو تمہیں اس سمے کچن میں کام کرتے دیکھ کر نجانے میرے من میں کیسے کیسے خیالات ابھر رہے ہیں۔ آؤ! ناشتہ بنانے میں، میں تمہاری مدد کروں۔''

''ناشتہ تو میں بنا چکی ہوں نند کپور جی! لے کر آ رہی ہوں۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ اسی میں تمہارا ساتھ دیتا ہوں۔'' نند کپور جی نے ناشتہ ٹرے میں لگوایا اور اس کے بعد رتنا کے ساتھ کمرے میں آ گئے۔ ''چلو! تمہارا کام اب ختم ہو گیا۔ میں اپنا کام شروع کرتا ہوں۔''

''اپنا کام؟'' رتنا نے چونک کر دیکھا۔

''میرا مطلب ہے، میں ناشتہ لگا کر چائے بنا کر تمہیں دیتا ہوں۔''

''نہیں نند کپور جی! اپنا کام میں خود کروں گی۔'' رتنا بولی۔

''جیسے تمہاری مرضی۔ تمہارا گھر ہے بھئی! جو من چاہے کرو۔''

ناشتہ خاموشی سے کیا گیا۔ اس کے بعد نند کپور بولے۔ ''میں آج کے پورے دن کا پروگرام بنا چکا ہوں۔ جیسا کہ تم نے مجھے ریل میں بتایا تھا کہ تم نے پوری طرح رام نگر نہیں دیکھا ہے۔ یہ بڑا خوبصورت علاقہ ہے۔ نہ صرف سمندر ہے بلکہ آس پاس میں بہت سی چیزیں ہیں۔ خاص طور پر رام نگر کی ایک چیز بڑی مشہور ہے۔ جھیل کے کنارے سبزہ ہے، ایک جھرنا بھی گرتا ہے۔ بلکہ اسی جھرنے سے جھیل بنی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم یہاں سے چلیں گے اور میں تمہیں وہ علاقہ دکھاؤں گا۔ وہاں بھی میرا ایک ہٹ بنا ہوا ہے۔''

رتنا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاصی مطمئن ہو گئی تھی۔

بہرحال! نند کپور جی کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اور اس کے بعد انہوں نے کہا۔ ''چلو رتنا! تیار ہو جاؤ۔ ایک کام کرتا ہوا آیا ہوں میں۔ اصل میں وہی بات جو میں تم سے کہہ رہا ہوں منش کے من میں بہت سے ایسے خیالات ہوتے ہیں جن کی وہ جیون بھر پرواہ نہیں کر پاتا اور جب ان کے پورا ہونے کی باری آتی ہے تو وقت پتہ نہیں کتنا نکل چکا ہوتا ہے۔ رتنا جی! میں تمہارے لئے ایک لباس لایا ہوں۔ ذرا دیکھو اور مجھے بتاؤ کیسا ہے؟ ویسے میں نے چشم تصور سے وہ لباس تمہارے بدن پر سجا ہوا دیکھا ہے۔''

''کہاں ہے وہ لباس؟'' رتنا نے پوچھا۔

''میں لے کر آتا ہوں۔'' نند کپور جی بولے اور کمرے سے نکل گئے۔

سمپورنی نے کہا۔ ''پکا پاپی ہے، کمینہ کہیں کا۔''

''لیکن سمپورنی!''

''کچھ نہیں بھئی.....تفریح کرو اور مجھے بھی کراؤ۔ کیسے تمہیں انسان بناؤں؟ ارے میں کہہ رہی ہوں کہ اس سنسار میں بہت کچھ ہے۔ اداسی چھوڑو، جینا سیکھو۔ ہنسو، بولو۔ سنسار میں کسی کے لئے کچھ کر سکتی ہو تو ضرور کرو۔ یہ تمہارے من کی بات ہے۔''

''بس! مجھے غصہ آتا ہے اس پر۔''

''ہنسو.... بیچارے کی آخری خواہش تو پوری کر دو۔ پتہ نہیں آنے والے سمے ہمارے من میں اس کے لئے کیا آ جائے۔'' سمپورنی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد نند کپور لباس لے کر آ گیا۔ واقعی لباس بہت خوبصورت تھا۔ اس نے عاجزی سے کہا۔'' [illegible] پہن لو۔''

''آپ باہر جائیے نند کپور جی۔''

''ایں..... ہاں! چلا جاتا ہوں۔'' وہ باہر چلا گیا تو رتنا لباس پہننے کی تیاری کرنے لگی۔

سمپورنی ہنس کر بولی۔ ''چابی کے سوراخ سے جھانک رہا ہے۔ واش روم میں چلی جاؤ۔''

''ستیاناس ہو اس کا۔'' رتنا نے کہا اور لباس لے کر باتھ روم میں چلی گئی۔ پھر لباس پہن کر باہر آئی تو اس نے زور سے آواز لگائی۔ ''نند کپور جی! آ جائیے۔''

نند کپور اندر آ گیا تھا۔ ''بھگوان کی سوگند! اتنی سندر لگ رہی ہیں آپ کہ میں بتا نہیں سکتا۔''

''جی!''

تھوڑی دیر کے بعد رتنا، نند کپور کے ساتھ باہر نکل آئی۔ نند کپور بڑا خوش نظر آ رہا تھا۔ نیچے ایک قیمتی کار کھڑی ہوئی تھی۔ ہنس کر کہنے لگا۔ ''گھر والوں کو دھوکہ دے کر نکلا ہوں۔ آپ کے ساتھ سمے گزارنے کے لئے یہ کار بھی میری اپنی نہیں ہے، بلکہ ایک جاننے والے سے مانگی ہے۔ حالانکہ میرے پاس تین کاریں ہیں۔ بس اس لئے نہیں لایا کہ کہیں کوئی پہچان نہ لے کہ یہ میں ہوں۔''

رتنا نے گہری سانس لی اور دل میں سوچا کہ پاپی پورے کا پورا ہے۔

بہرحال! نند کپور جی اسے گھماتے پھراتے رہے۔ وہ اس جھیل کی جانب بھی گئے جس کا

انہوں نے تذکرہ کیا تھا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ جھیل پر پہنچ کر انہوں نے کہا۔ ''رتنا جی! سنسار میں انسان کو اس کے من کی کوئی پسندیدہ چیز مل جائے تو میرا خیال ہے اس کا جیون بڑھ جاتا ہے۔''

''ہاں! یہ بات تو ہے۔''

''مگر افسوس یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کو پسند کرے اور دوسرا اُسے پسند نہ کرے تو کیا ہوتا ہو گا.....؟''

''مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''آہ! کاش آپ کو اس بارے میں معلوم ہوتا۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''فرض کیجئے میں آپ کو پسند کرتا ہوں اور آپ کو پا کر بہت خوش ہوتا ہوں لیکن آپ مجھے پسند نہیں کرتیں۔''

''ہاں! یہ تو ہے۔''

''یعنی آپ مجھے پسند نہیں کرتیں۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔''

''کرتی ہیں؟''

''آپ ایک اچھے آدمی ہیں۔''

''بس....؟''

''تو اور کیا کہوں؟''

''رتنا جی! میں آپ کو جیون میں گہرائیوں تک اتارنا چاہتا ہوں۔''

''ایک بات بتائیے نند کپور جی! کیا انسان کو کسی پر تھوڑا سا احسان کر کے فوراً ہی اس کا بدلہ لینا چاہئے؟''

''ارے میں فوراً کی بات کب کر رہا ہوں؟ وہ دیکھو! وہ سامنے بطخوں کا جوڑا کتنا سندر لگ رہا ہے۔'' نند کپور جی جلدی سے بولے۔

''وہ کون ہے؟'' رتنا نے ایک طرف اشارہ کیا۔

''ناریل پانی والا ہے۔''

''مجھے ناریل پانی پلائیے۔'' رتنا نے کہا اور نند کپور جی جلدی سے اس طرف دوڑ گئے۔

رتنا نے دانت پیستے ہوئے سمپورنی کو آواز دی اور سمپورنی بولی۔ ''ہاں رتنا! کیا بات ہے؟''

''میری تو کھوپڑی آؤٹ ہو رہی ہے۔ دل چاہ رہا ہے کہ اس پاپی کو اٹھا کر جھیل میں پھینک دوں۔''

''سمپورنی خوب ہنسی اور بولی۔ ''بو! اچھا نہیں لگ رہا کیا۔ اپنی عمر سے کہیں چھوٹی باتیں کر رہا ہے۔ دیکھو! ناریل پانی لینے کے لئے کتنی تیزی سے دوڑ کر گیا ہے۔ ابھی میں چاہوں تو جب یہ ناریل پانی لے کر آئے تو ایسی ٹھوکر لگاؤں اسے کہ اس کی کھوپڑی ہی پھٹ جائے۔ لیکن چھوڑو! ہمارا کیا لے رہا ہے؟ وہ دیکھو! اُدھر، اصل چیز تو اُدھر ہے۔''

''کہاں؟''

''وہ.....اس چٹان کی طرف دیکھو۔''

''کون ہے؟ مجھے تو کوئی نظر نہیں آ رہا۔''

''وہ بمل کپور ہے۔ اپنے پتا کا پیچھا کر رہا ہے۔''

''اوہ!'' رتنا کے منہ سے ایک مدھم سی آواز نکل گئی۔ وہ بہت دیر تک بمل کپور کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سمپورنی سے کہا۔ ''یہ یہاں کہاں سے آ گیا؟''

''نیلے رنگ کی ایک کار میں مسلسل پیچھا کر رہا ہے۔ اپنے پتا کی نگرانی کر رہا ہو گا۔''

''بیچارہ!'' رتنا نے کہا۔

اتنی دیر میں نند کپور دو ناریل ہاتھ میں اٹھائے آ گیا اور رتنا، ناریل کا پانی پینے لگی۔ سارا دن اسی طرح گزر گیا۔ پھر رات کا کھانا کھانے کے بعد دونوں فلیٹ پر واپس آ گئے۔ نند کپور نے کہا۔ ''اصل میں رتنا جی! میں گھر سے یہ کہہ کر نکلا تھا کہ میں آؤٹ آف سٹی جا رہا ہوں۔ آپ سے ملنا تھا۔ کل کا کہہ کر آیا تھا کہ کل واپس آؤں گا۔ آپ کو اعتراض نہ ہو تو آج رات یہیں رُک جاؤں؟''

رتنا ایک لمحے کے لئے گھبرائی تو سمپورنی نے اس کے کان میں کہا۔ ''رُک جانے دے رتنا! چنتا کیوں کرتی ہے؟''

رتنا نے کہا۔ ''کپور جی! آپ کا گھر ہے۔ بھلا مجھ سے یہ بات کہنے کی کیا ضرورت

ہے۔''

''بہت بہت شکریہ رتنا جی!'' پھر نند کپور پھیلنے لگے۔ انہوں نے ایک الماری میں سے کچھ برتن نکالے اور رتنا سے بولے۔ ''لوگ اسے بری چیز کہتے ہیں۔ مگر تھوڑا سا حلق میں اتار لو اور اس کے بعد جیون کے مزے دیکھو۔''

''آپ لیجئے! میں نہیں پیتی۔'' رتنا بولی۔

''مزہ ادھورا رہ جائے گا۔''

''کوئی بات نہیں۔''

نند کپور جی نے ایک گلاس میں شراب انڈیلی تو رتنا کو سمپورنی گلاس کے پاس ہی نظر آئی۔ پھر اس نے اپنے ننھے سے ہاتھ سے گلاس میں کوئی چٹکی بھر چیز ڈالی اور رتنا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سمپورنی اپنا کام کر چکی تھی۔ اس نے جو کہا تھا، وہ کر دکھایا۔

نند کپو جی محبت بھری نگاہوں سے رتنا کو دیکھتے رہے اور اپنی دانست میں ایک ایک گھونٹ کر کے رتنا کو اپنے وجود میں اتارتے رہے۔ پہلے ہی گلاس میں ان کے حواس درست ہو گئے تھے۔ وہ مدھم لہجے میں بولے۔ ''رتنا! بھگوان کی سوگند! اگر من کا میت سامنے ہو تو ایک ہی گلاس کافی ہوتا ہے۔ رتنا! میں.....تم.....میں.....'' یہ کہہ کر انہوں نے صوفے سے گردن ٹکائی اور گہری نیند سو گئے۔

سمپورنی نے اپنا اصل روپ دھار لیا۔ وہ بہت ہی خوش مزاجی کے قہقہے لگا رہی تھی۔ کہنے لگی۔ ''چلو! اپنے نند کپور مہاراج تو بھگوان کو پیارے ہو گئے۔''

''کیا.......مم.......مر گیا یہ؟''

''ارے نہیں! میرا مطلب ہے اب یہ آرام سے ساری رات سوتے رہیں گے۔''

''کیسے کیسے لوگ ہوتے ہیں سنسار میں۔''

''ارے ابھی تو ہم سنسار کے مزے لیں گے۔ رتنا! تو میری بڑی اچھی دوست ہے۔ بڑی اچھی سہیلی بن گئی ہے۔ سنسار میں رہنے والوں کا جائزہ لیتے رہیں، بڑا مزہ آتا ہے۔ بڑے بڑے پاپی ہوتے ہیں اس سنسار میں۔''

''اب ان کا کیا کریں؟'' رتنا نے نند کپور جی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''پڑا رہنے دو سسرے کو۔ ہمارا کیا لے رہا ہے؟''

کافی دیر گزر گئی۔ رتنا اور سمپورنی باتیں کر رہی تھیں کہ اچانک دروازے کی بیل بجی اور دونوں اچھل پڑیں۔ ''یہ کون آ گیا اس وقت؟''

''جاؤ دیکھو! مگر ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

رتنا دروازے کی طرف چل پڑی۔ دروازہ کھولا تو بمل کپور کھڑا تھا۔ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی اس کی۔ آنکھیں سرخ تھیں، بال بکھرے ہوئے تھے۔ رتنا اُسے دیکھ کر چونک پڑی۔ بمل کپور نے کہا۔ ''معافی چاہتا ہوں رتنا دیوی جی! میں پاگل ہو گیا ہوں۔ بے شک فلیٹ میرا ہے۔ لیکن من چاہے تو مجھے مار کر نکال دیجئے۔ مجھے پتہ ہے کہ پتا جی اندر ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ ان سے بات کرنا چاہتا ہوں رتنا جی!''

رتنا نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ پھر بولی۔ ''آؤ......''

بمل کپور اندر آ گیا۔ ''کہاں ہیں پتا جی! میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ اب وہ ایک جوان بیٹے کے باپ ہیں۔ اپنا یہ رویہ بدل دیں۔''

''آؤ.....'' رتنا اُسے اُس کمرے میں لے آئی جہاں نند کپور جی صوفے پر پڑے ہوئے تھے۔ رتنا نے کہا۔ ''نند کپور جی تم سب لوگوں کو دھوکہ دے کر یہاں آئے تھے۔ آج سارا دن مجھے رام نگر کی سیر کراتے رہے ہیں اور بعد میں یہ کہہ کر یہاں رُک گئے کہ آج وہ گھر واپس نہیں جائیں گے۔ کل جانا ہے مجھے۔ اور اس کے بعد انہوں نے شراب کے برتن سجا لئے۔ لیکن میں نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اب شراب پی کر وہ نشے میں دھت پڑے ہوئے ہیں اور میں اپنے کمرے میں دروازہ اندر سے بند کر کے سونے کے لئے لیٹ چکی تھی۔''

بمل کپور، رتنا کو دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔ ''معافی چاہتا ہوں رتنا دیوی! میں کچھ اور سمجھا تھا۔ آپ مہمان ہیں۔ مگر یہ بتائیے کہ ایسے.....''

''نہیں بمل کپور! میں یہاں سے ایک آدھ دن میں چلی جاؤں گی۔ تم اگر چاہو تو نند کپور جی کو لے جا سکتے ہو۔ اور ایک اور بات بتاؤں تمہیں، نہ مجھے ان کی دولت سے دلچسپی ہے، نہ ان کی شخصیت سے۔ میرے اپنے پاس بہت کچھ ہے سمجھے؟''

بمل کپور خاموشی سے رتنا کو دیکھتا رہا۔ پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''میں ایک بار پھر آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ میں نے جو سوچا تھا، وہ نہیں ہے۔ اچھا ہے، میرے اور پتا جی کے درمیان پردہ رہے۔ آپ مجھے معاف کر دیجئے گا۔ بس! انہیں راستے سے بھٹکنے نہیں دیجئے

گا۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔'' بمل کپور چلا گیا۔

سمپورنی، رتنا کے پاس آ گئی اور بولی۔ ''تو جذباتی کیوں ہو رہی ہے رتنا؟ باپ بیٹے کا کھیل ہے۔ بھاڑ میں جائیں۔ دو چار دن یہاں رہیں گے ہم لوگ اور اس کے بعد چلے جائیں گے۔ ویسے میں تجھے ایک بات بتاؤں، یہ بمل جی تیری طرف لڑھک رہے ہیں۔ بچہ اچھا ہے۔ لیکن ہمارے کام کا نہیں ہے۔ یہ میں تجھے ایک اچھی دوست کی حیثیت سے بتا رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھے بھی اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔'' پھر رتنا سو گئی۔

دوسری صبح نند کپور جی عجیب وغریب کیفیت کا شکار نظر آ رہے تھے۔ ''بھگوان کی سوگند! پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے مجھے۔ دیوانہ ہو گیا ہوں..... پاگل ہو گیا ہوں شاید۔ رات کو گہری نیند سو ہی گیا۔ چلو! کوئی بات نہیں ہے۔ اچھا رتنا جی! میں چلتا ہوں۔ شام کو آؤں گا۔ رات کا کھانا کہیں باہر ہی کھائیں گے۔'' رتنا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

دوسرا دن پرسکون ہی گزر رہا تھا۔ ابھی یہ طے نہیں کر پائی تھیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ شام کو سات بجے کے قریب نند کپور جی آ گئے۔ خوش نظر آ رہے تھے۔ کہنے لگے۔ ''آج کی رات بڑی خوبصورت ہوگی۔ جھیل کے کنارے رات گزاریں گے اور میں تمہیں اپنا ہٹ بھی دکھاؤں گا۔ دیکھو گی تو من خوش ہو جائے گا۔ میں نے اس میں بڑا خوبصورت لان بنایا ہے۔ آؤ! اب چلتے ہیں۔ تھوڑی دیر گھومیں گے، پھر رات کا کھانا کھا کر ادھر چلیں گے۔''

رتنا اب زیادہ انکار نہیں کرتی تھی۔ اسے ماحول پر، اپنے آپ پر اور اپنی سکھی پر اعتماد ہوتا جا رہا تھا۔ سمپورنی واقعی اس کی بہترین مددگار تھی اور زندگی کی بہت سی داستانوں میں لطف آ رہا تھا۔ بہر حال! وہ چل پڑے۔ نند کپور جی بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ پتہ نہیں بمل کپور نے کس ردعمل کا اظہار کیا تھا۔

غرضیکہ کافی رات ہو گئی تو نند کپور جی جھیل جانے والے راستے پر چل پڑے۔ ان کے پاس آج ان کی اپنی کار تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ جس ہٹ میں پہنچے، وہ واقعی بے حد خوبصورت تھا۔ وہ رتنا کو سب کچھ دکھاتے رہے۔ پھر باہر لان پر آ گئے۔ موسم بے حد خوشگوار تھا اور آسمان پر پورا چاند نکلا ہوا تھا۔ نند کپور جی نے یہی بات کہی تھی کہ آج کی رات بے حد حسین ہوگی۔

اچانک ہی رتنا کو اپنے کان میں سمپورنی کی سرگوشی سنائی دی۔ ''رتنا! یہاں سے ہٹ کر ذرا دور تو چل!''

رتنا، نند کپور جی سے کچھ کہہ کر دور آ گئی تو سمپورنی نے کہا۔ ''رتنا! تجھے بے چینی نہیں ہو رہی؟ تو نے آسمان کی طرف نہیں دیکھا۔ پورن ماشی ہے آج! میرے من میں خون کی پیاس جاگ رہی ہے۔ تیری کیا کیفیت ہے؟''

اچانک ہی رتنا کا چہرہ بھی سرخ ہونے لگا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر سمپورنی کو دیکھا۔ پھر بولی۔ ''ہائے رام! میں تو بھول ہی گئی تھی۔ لیکن...... لیکن اب تو...... اب تو میرا من بھی خون پینے کو چاہ رہا ہے۔

☆.....☆.....☆

دونوں کے ہونٹوں پر ایک سفاک مسکراہٹ پھیل گئی۔ سمپورنی نے ہنس کر کہا۔ ''تو کام دکھا رتنا! دونوں مزے کریں گے۔ بلکہ میری ایک بات سن......'' سمپورنی نے کہا اور رتنا دلچسپی سے اس کی جانب متوجہ ہو گئی۔ تب سمپورنی نے رتنا کے کان میں کچھ کہنا شروع کر دیا۔ رتنا بے اختیار ہنس پڑی تھی۔

ادھر نند کپور جی فلمی ہیرو بننے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہاں اس ہٹ میں انہوں نے کافی بندوبست کر رکھا تھا۔ دور ہی سے بولے۔ ''کیا ہوا رتنا جی! کیا بات ہے؟ آپ وہاں کیا کر رہی ہیں؟''

''آس پاس کے مناظر دیکھ رہی ہوں۔ بڑی خوبصورت ہٹ ہے آپ کی۔''

''اور ہم؟'' نند کپور جی مستانہ وار بولے۔

رتنا کا دل تو چاہا کہ ہنس پڑے۔ لیکن اپنی ہنسی روکی اور مسکراتی ہوئی بولی۔ ''آپ کے بارے میں کیا کہوں؟''

''نہیں...... کہہ دو۔ جو دل چاہے کہہ دو۔ ہم برا نہیں مانیں گے۔''

''واقعی ماحول کتنا خوبصورت ہے۔ کیا جھیل کے کنارے اور بھی لوگ ہوں گے؟''

''نہیں! اس وقت تو شاید کوئی نہ ہو۔ کیوں؟''

''آیئے..... ادھر چلیں نا۔'' رتنا نے کہا۔

نند کپور جی ہنس پڑے۔ پھر بولے۔ ''ایک منٹ..... کچھ ایسی چیزیں لے لوں جو وہاں کارآمد ہوں گی۔ مثلاً جھیل کے کنارے گھاس پر بچھانے کے لئے کوئی دری وغیرہ۔''

رتنا نے نند کپور جی کو گدھا بنا دیا۔ نند کپور جی نے اپنے کندھوں پر تھوڑا سا سامان لادا۔ پانی کی بوتل، گلاس، تکیہ، دری وغیرہ اور اس کے بعد وہ رتنا کے ساتھ باہر نکل آئے۔ یہ اتفاق نہیں تھا کہ اس دن وہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ہٹ تو بہت سے تھے لیکن

چونکہ عام دن تھا اس لئے وہاں لوگ موجود نہیں تھے۔ پھر نند کپور جی پرانے شاطر تھے۔ انہیں ایسی جگہیں معلوم تھیں جہاں ویسے بھی کوئی نہیں ہوتا۔

درختوں سے گھرے ہوئے ایک چھوٹے سے صاف ستھرے حصے میں انہوں نے دری بچھائی، تکیہ لگایا، پانی وغیرہ رکھا اور رتنا سے بولے۔ ''اگر جھیل میں نہانے کا شوق ہے تو آؤ میرے ساتھ...... میں بہت اچھا تیرنا جانتا ہوں۔''

''لیکن میں نہیں جانتی۔'' رتنا بولی۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میں جو ہوں.....''

''آپ میرا بوجھ اٹھا سکیں گے؟''

''جیون بھر۔'' نند کپور جی نے عاشقانہ لہجے میں کہا۔

''نہ بابا نہ! میں یہ رسک لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔'' رتنا بولی۔

نند کپور جی بے حیائی سے ہنسنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''رتنا! آسمان پر کھلے چاند کو دیکھ رہی ہو؟ درختوں کے پتوں سے چھن کر آنے والی چاندنی تمہارے چہرے پر پڑتی ہے تو بھگوان کی سوگند! یوں معلوم ہوتا ہے جیسے گنگا جمنا آپس میں مل رہے ہوں۔ بہت سندر ہو تم۔ پتہ ہے میرا دل کیا چاہتا ہے؟''

''کیا چاہتا ہے؟'' رتنا نے پوچھا۔

''میں یہاں دری پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلوں۔ تم اپنے ہاتھوں سے میرے بالوں میں کنگھی کرو۔ کیا سرور آئے گا۔''

''تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ آپ لیٹ جائیے۔'' رتنا نے کہا اور نند کپور جی خوش ہوکر دری پر لیٹ گئے۔ تکیے پر سر رکھا اور آنکھیں بند کرلیں۔

سمپورنی درخت کے پیچھے تھی۔ اس نے باقاعدہ انسانی شکل اختیار کرلی تھی۔ ویسے بھی وہ انتہائی حسین تھی اور اس کا حسن بھی کسی طرح رتنا سے کم نہیں تھا۔ اس نے رتنا کو اشارہ کیا۔ رتنا پھرتی سے اٹھ کر درخت کے پیچھے چلی گئی۔ سمپورنی، نند کپور جی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ دونوں پوری طرح تفریح کے موڈ میں تھیں اور یہ تجویز سمپورنی نے ہی پیش کی تھی۔

اس نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے نند کپور جی کے سر میں کنگھی کرنا شروع کردی اور نند کپور جی نے مسرور لہجے میں کہا۔ ''بھگوان کی سوگند! اس وقت اگر موت بھی آجائے تو

سیدھا سورگ میں چلا جاؤں گا۔''

''کبھی کبھی تو یہ سنسار ہی سورگ لگنے لگتا ہے۔'' سمپورنی بولی۔ آواز کا فرق نمایاں تھا۔ نند کپور جی نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ سمپورنی کو دیکھا۔ ایک نیا چہرہ دیکھ کر بدحواس ہوگئے اور جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ''تت...... تم...... تم کون.....ہو؟''

''ارے کیا ہوگیا آپ کو؟...... کیا آپ سورگ میں پہنچ گئے؟'' سمپورنی سادگی سے بولی۔

''مم...... مگر دیوی جی آپ...... آپ کون ہیں؟''

''لگتا ہے آپ پاگل ہوگئے ہیں نند کپور مہاراج! کیا ہوگیا ہے آپ کو؟ کیسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے؟''

''تت...... تم..... تم رتنا ہو؟''

''ہائے رام! میں نے کسی کو اس طرح عقل کھوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ کو آخر ہو کیا گیا ہے؟''

''میرا مطلب ہے دیوی جی......''

''لیٹ جائیے..... لیٹ جائیے...... ابھی تو مجھ سے کہہ رہے تھے کہ تکیے پر سر رکھ کر لیٹ جائیں اور میں بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کروں۔ اور اب پاگلوں کی طرح منہ پھاڑے بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''تم...... میرا مطلب ہے..... ارے باپ رے باپ..... میری آنکھیں اور کان خراب ہوگئے کیا؟''

''آخر ہوا کیا آپ کو؟ آپ لیٹئے اور آنکھیں بند کرلیجئے۔''

''لیٹ جاتا ہوں رتنا..... مگر پتہ نہیں تمہاری شکل..... تمہاری آواز مجھے بدلی بدلی لگ رہی ہے۔''

''آپ لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔'' سمپورنی بولی اور بیچارے نند کپور جی ایک بار پھر تکیے پر لیٹ گئے تھے۔

''چلئے! آنکھیں بند کیجئے۔'' سمپورنی نے کہا اور نند کپور جی نے آنکھیں بند کرلیں۔ سمپورنی نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور بولی۔ ''اب جب تک میں نہ کہوں، آنکھیں نہیں

کھولیں گے آپ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔مگر ایسا ہوا کیوں ہے؟"

"اس لئے کہ آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

نند کپور جی تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ پھر بولے۔"ماحول ہی ایسا ہے۔کیا کروں کیا نہ کروں؟ دماغ خراب نہ ہو جائے تو کیا ہو؟ تم جیسی سندری..... یہ ماحول.....جھیل کے پانی کو چھو کر چلتی ہوئی یہ ہوائیں، موسم کی ٹھنڈک، سر پر کھلا آسمان......"

اس دوران سمپورنی خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی.....اس نے رتنا کو اشارہ کیا۔ رتنا نند کپور جی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ نند کپور جی جذباتی لہجے میں بولے۔"یقین کرو رتنا! کبھی کبھی تو میں سوچتا ہوں کہ بھگوان جب دینے پر آتا ہے تو کس طرح انسان کو سب کچھ دے دیتا ہے۔"

"آپ نے کچھ مانگا تھا بھگوان سے؟" رتنا بولی اور نند کپور جی ایک بار پھر آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگے۔ پھر اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"ارے باپ رے باپ......آخر ہو کیا رہا ہے مجھے؟"

"مجھے تو آپ دیوانے لگ رہے ہیں۔ چلئے! واپس چلتے ہیں۔"

"ارے.....مم.....مگر کیوں.....مم.....میری بات تو سنو!"

"یہ کیا بار بار کہہ رہے ہیں؟"

"بھگوان کی سوگند! آنکھیں پھوٹ جائیں اگر جھوٹ بول رہا ہوں تو۔ آواز بھی بدل جاتی ہے، شکل بھی بدل جاتی ہے۔ باپ رے باپ......کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ چاندنی راتوں میں ان درختوں کے نیچے میں کسی اثر میں پڑ گیا ہوں۔"

"یہ آپ خود بتائیے۔"

"مجھے تمہاری شکل بدلی بدلی کیوں لگتی ہے؟"

"دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا۔"

"یہی کہے جا رہی ہو مسلسل جھیل کے پانی میں اپنی شکل دیکھو۔ مگر نہیں.....اس وقت تو تم اصلی ہی لگ رہی ہو۔"

"نند کپور جی! کیسی فضول باتیں کر رہے ہیں آپ؟"

"تم جو کچھ بھی کہو.....میں کیا کہوں؟" نند کپور جی نے کہا۔

"بس.....آپ خاموشی سے آنکھیں بند کر لیجئے۔"

"ارے چھوڑو۔ اب آنکھیں بند کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ پتہ نہیں کم بخت کیا ہو گیا ہے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے میرا۔"

"تو پھر اٹھئے! جھیل کے کنارے چلتے ہیں۔"

"نہاؤ گی پانی میں؟"

"جی نہیں! میرا دماغ خراب نہیں ہے۔ آپ غوطے لگا لیجئے۔"

"اکیلا تو کبھی نہیں جاؤں گا۔"

"چلئے تو سہی۔" رتنا نے کہا اور نند کپور جی کو دھکیلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

موقع ملتے ہی سمپورنی، جو ان کا پیچھا کر رہی تھی، درختوں کی آڑ لیتی ہوئی قریب پہنچی اور فوراً ہی رتنا سے جگہ تبدیل کر لی۔ اب سمپورنی، نند کپور جی کے ساتھ چل رہی تھی۔ جھیل پر پہنچ کر نند کپور جی نے کہا۔"اب ذرا جھیل کے پانی میں اپنی شکل دیکھو اور اگر تبدیل ہوئی تو پھر دوبارہ دکھاؤں گا۔" نند کپور جی پلٹے اور پھر ان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

سمپورنی نے کہا۔"اب کیا ہو گیا؟"

"تت.....تم.....تم......" نند کپور جی ہکلائے ہوئے لہجے میں بولے اور پھر سر پر ہاتھ مارنے لگے۔

"آپ واقعی پاگل ہو گئے ہیں۔"

"ہاں! ایسا ہی لگتا ہے۔"

"پہلے بھی تنہائی میں آپ کا یہ حال ہوا تھا۔ آگے کیا ہو گا؟"

"نہیں......کچھ نہیں ہو گا.....میں......میرا مطلب ہے میں....."

"کچھ نہیں کر سکتے آپ میرے لئے۔ بیکار باتیں کر رہے ہیں۔"

"یہ بات نہیں رتنا! ایک بار بھگوان کی سوگند! کچھ مانگ کر دیکھو۔ جیون مانگو گی تو جیون دے دوں گا۔"

"غلط.....کوئی ماننے کی بات ہے یہ؟ کوئی کسی کے لئے جیون نہیں دے سکتا۔"

"سینہ کھول کر دیکھو میرا" نند کپور جی نے اپنا سینہ کھول کر دکھاتے ہوئے کہا۔

''کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں ہے اس سینے پر۔''

''اندر جھانکو......''

''اس کے لئے آپ کا سینہ کھولنا پڑے گا۔''

''تو کھول دو۔ چھری مار دو میرے سینے میں۔ ایک بار میرے دل میں جھانک کر دیکھ لو۔ جان دے سکتا ہوں تمہارے لئے۔''

''یہ بات ہے؟''

''میں نے کہا نا.....ایک بار کہہ کر دیکھو۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر آپ ایسا کیجئے کہ میرے کہنے سے اپنے سینے میں خنجر گھونپ لیجئے۔''

''لاؤ.....خنجر مجھے لا کر دو۔ یا واپس ہٹ چلو۔ وہاں چھری وغیرہ مل جائے گی۔ ارے سمجھتی کیا ہو تم مجھے؟ ہزار جانیں دے سکتا ہوں تمہارے لئے۔''

''میں ابھی خنجر دیتی ہوں آپ کو۔'' سمپورنی کے لئے بھلا اس جگہ کسی خنجر کا حصول کون سا مشکل کام تھا۔ اس نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈالا اور ایک انتہائی تیز دھار خنجر نکال کر نند کپور جی کی طرف بڑھا دیا۔

خنجر دیکھ کر نند کپور جی کی ہوا کھسک گئی تھی۔ انہوں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا اور بولے۔ ''ارے.....ارے..... یہ خطرناک چیز کیوں ساتھ لئے پھرتی ہو؟''

''آپ پکڑیئے تو سہی اسے۔'' سمپورنی بولی۔

نند کپور جی کے ہاتھ کانپنے لگے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے خنجر کا دستہ اپنی مٹھی میں لیا اور پھٹی پھٹی آواز میں بولے۔ ''اب.....اب کیا کروں؟''

''گھونپ لیجئے اسے اپنے سینے میں۔''

''ایں.....'' نند کپور جی نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''وہ تو میں گھونپ لوں گا۔ مم.....مگر اس طرح تو میں مر جاؤں گا۔''

''خنجر گھونپنے سے اور کیا ہوتا ہے۔ آپ کو پتہ نہیں ہے؟''

''بات اصل میں یہ ہے کہ میں سچ مچ گھونپ لوں گا اسے۔''

''میں نے سچ مچ کا خنجر ہی دیا ہے آپ کو۔''

''تو میں گھونپ لوں اسے اپنے سینے میں؟''

''آپ کہہ رہے ہیں نا۔''

''مذاق کا بھی برا مان جاتی ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''مذاق کر رہا تھا میں۔''

''اوہو.....تو یہ کہئے نا کہ مجھ سے محبت کا اظہار صرف ایک مذاق ہے۔''

''اس کی بات تو نہیں کر رہا ہوں۔'' نند کپور جی بری طرح چکر کھا گئے تھے۔ ادھر رتنا بھی اپنی ہنسی روکے ہوئے اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی۔ سمپورنی غضب کی اداکاری کر رہی تھی۔ نند کپور جی پھر بولے۔ ''دیکھو...... مجھے واقعی حیرت ہوئی ہے۔ مگر میں سمجھ گیا۔''

''کیا سمجھ گئے آپ؟''

''یہ خنجر تم نے اپنی حفاظت کے لئے اپنے پاس رکھا تھا۔''

''اب جو کچھ بھی کیا ہو، اس سے آپ کو غرض نہیں ہونی چاہئے۔ آپ نے تو کھل کر یہ بات کہہ دی نا کہ آپ کی محبت صرف ایک مذاق ہے۔''

''محبت کے بارے میں تھوڑی کہا تھا؟''

''تو پھر.....؟''

''بس! یہ کہا تھا کہ ذرا دل کمزور ہے.....اچھا، لو..... یہ خنجر تم خود میرے سینے میں گھونپ دو۔ دیکھنا! اُف تک نہیں کروں گا۔''

''وعدہ کر رہے ہیں؟''

''ہاں! وعدہ ہے۔'' نند کپور جی نے کہا اور آنکھیں بند کر کے سینہ کھول دیا۔

سمپورنی نے رتنا کو اشارہ کیا اور رتنا سنبھل گئی۔ دوسرے ہی لمحے سمپورنی کے ہاتھ میں دبا ہوا خنجر، نند کپور جی کے سینے میں اتر گیا اور نند کپور جی کی دلخراش چیخ سے ویرانہ گونج اٹھا۔ ان کے سینے سے خون کا فوارہ بلند ہو گیا تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سمپورنی کو دیکھ رہے تھے۔ وار چونکہ سینے کے داہنی طرف کیا گیا تھا اس لئے دل براہ راست متاثر نہیں ہوا تھا۔ اسی وقت رتنا بھی درخت کے پیچھے سے نکل کر آ گئی۔ سمپورنی نے منہ کھول دیا تھا اور خون کی دھار اس کے منہ میں براہ راست جا رہی تھی۔ رتنا نے نیچے جھک کر نند کپور جی کے دونوں پاؤں پکڑے اور انہیں گھسیٹ لیا۔ نند کپور جی دھڑام سے نیچے گر پڑے تھے۔ رتنا ان کی

گردن سے چمٹ گئی اور اس کے دانتوں نے ان کی شہہ رگ ادھیڑ ڈالی۔

اُدھر سمپورنی کا چہرہ نند کپور جی کے اُبلتے ہوئے خون سے سرخ ہو گیا تھا۔ اور ادھر رتنا وحشی بلی کی طرح نند کپور جی کی گردن اُدھیڑ رہی تھی۔ دیکھنے والے اگر اس وحشت ناک منظر کو دیکھ لیتے تو شاید اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتے۔

دونوں اب ڈائنیں لگ رہی تھیں اور نند کپور جی لمحہ لمحہ زندگی سے محروم ہوتے جا رہے تھے۔ حالانکہ انہوں نے بھی زندگی بچانے کے لئے شدید جدوجہد کی تھی لیکن دو طاقتور عورتیں ان کی ہر جدوجہد کو ناکام بنا چکی تھیں اور آہستہ آہستہ وہ سرد ہوتے جا رہے تھے۔ پھر ان کی زندگی ختم ہو گئی اور ان کی روح نے ان کا بدن چھوڑ دیا۔ وہ اس وحشت کی تاب نہ لا سکے تھے۔ خونخوار بلیاں اب ان کے بدن کو اُدھیڑ رہی تھیں۔ اور اس کے بعد انہوں نے اس بدن کو پوری طرح نوچ کھسوٹ کر ختم کر دیا۔ زیادہ سے زیادہ گوشت چبا لیا گیا تھا۔ جگہ جگہ سے ہڈیاں جھلک رہی تھیں۔ رتنا نے معمول کے مطابق خوراک کی نالی، سانس کی نالی وغیرہ پکڑ کر باہر کھینچ لی تھی اور نند کپور جی کا دل بڑے شوق سے چبایا تھا۔ اُدھر سمپورنی زیادہ سے زیادہ ان کے بدن کا خون چٹ کر گئی تھی۔

پھر دونوں اپنے کام سے فارغ ہو گئیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کے منہ سے خون ٹپک رہا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ جگہ جگہ خون کے دھبوں نے ان کا چہرہ بگاڑ دیا تھا۔ دونوں اپنی جگہ سے اٹھیں۔ سمپورنی نے نشہ آلود لہجے میں کہا۔ ''رتنا جی! چلیں ہٹ میں چلتے ہیں۔ خون پینے کے بعد تو بڑی نیند آ جاتی ہے۔ آؤ! گہری نیند سو جاتے ہیں۔''

رتنا نے گردن ہلا دی۔ دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا اور ہٹ کی جانب چل پڑیں۔

☆

بمل کپور اپنی فطرت میں ایک شریف نوجوان تھا۔ باپ کی وجہ سے اسے کافی شرمندگی اٹھانی پڑتی تھی۔ نند کپور جی شروع ہی سے رنگین مزاج تھے۔ وہ بہت سے ایسے معاملات میں پھنس چکے تھے کہ نکلنا مشکل ہو جاتا تھا۔ بمل کپور نے کئی دفعہ انہیں مصیبتوں سے نکالا تھا۔

سرلا دیوی جو بمل کپور کی ماں تھیں، ساری جوانی شوہر کی بری عادتیں بھگتتی رہی تھیں۔

شریف خاندان کی تھیں۔ منہ سے کبھی اُف بھی نہیں کیا تھا لیکن جوان بچوں کی موجودگی میں نند کپور جی جو حرکتیں کیا کرتے تھے اور بچے جس انداز میں ان کے بارے میں گفتگو کرتے تھے اور سوچتے تھے، اس سے سرلا دیوی کو بہت دکھ ہوتا تھا۔

بمل کپور مختلف شخصیت کا مالک تھا اور وہ دوسرے بہن بھائیوں کی طرح باپ پر غلط قسم کے تبصرے نہیں کرتا تھا بلکہ ان کے لئے دکھی رہتا تھا۔ فلیٹ میں اسے رتنا ملی تھی۔ رتنا نے جو باتیں اس سے کی تھیں، وہ اس کے دل کی آواز تھیں۔ لیکن رتنا کے حسین چہرے نے اس کے دل پر ایک عجیب سا اثر کیا تھا۔ اسے نجانے کیوں یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ لڑکی بری عورت نہیں ہے۔ پتہ نہیں نند کپور جی نے اسے کیا کہانیاں سنائی ہیں، کس طرح اپنے جال میں پھانسا ہے، کیا ارادے رکھتے ہیں، اسے نکال دیں گے یا مستقل طور پر رکھ لیں گے؟ بہت سی باتیں اس کے دل میں آ رہی تھیں اور رات کی تاریکیوں میں جب بھی وہ رتنا کے بارے میں سوچتا، دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں۔ آنکھ کھل جاتی اور باقی رات وہ جاگتا رہتا۔

وہ دوبارہ فلیٹ پر نہیں گیا تھا۔ بہت دیر تک سوچتا رہا۔ سرلا دیوی سب سے زیادہ اسی پر اعتماد کرتی تھیں۔ وہ ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ دل کی ہر بات اس سے کہہ دیتی تھیں اور بمل کپور بھی ماں سے اپنے دل کی ہر بات کہہ دیتا تھا۔

دو تین دن گزر گئے تھے لیکن اس کی کیفیت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی۔ آخر کار جب دل نہ مانا تو ماں ہی کے پاس پہنچا۔ سرلا دیوی نے محبت بھری نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا اور بولیں۔ ''آؤ بمل! کیا بات ہے؟''

''ماں جی! آپ سے دل کی کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو اس میں کہنے کی کیا ضرورت ہے بیٹا! ہم دونوں ہی تو ایک دوسرے کے رازدار ہیں۔ میں تو دوست کہتی ہوں تجھے اپنا۔ دوست سمجھتی ہوں۔ کیا بات ہے؟''

''ماں جی! ایک بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔''

''کیسی مشکل ہے؟ مجھے بتاؤ تو سہی۔''

''کیا کہوں ماں جی! کہتے ہوئے شرم بھی آتی ہے۔''

''نہیں بیٹا، بتا! ایسی کیا بات ہے؟''

''ماں جی! پتا جی ہمیشہ کی طرح اپنی حرکتوں میں مصروف ہیں۔ وہ جو فلیٹ ہے ہمارا،

اس میں آج کل ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی رہ رہی ہے ماں جی۔ رتنا ہے اس کا نام۔ اتفاقیہ طور پر اس سے میری ملاقات ہوگئی۔ ماں جی! میں اپنے تجربے کو آپ سے زیادہ بڑا نہیں سمجھتا۔ لیکن ایک بات کہتا ہوں۔ وہ لڑکی بری نہیں ہے۔ پتا جی پتہ نہیں اسے کون سے سبز باغ دکھا کر فلیٹ تک لے آئے ہیں۔ آپ کو تو پتا جی کی عادت معلوم ہے۔ ماں جی! ایک بات پہلی بار آپ سے کہہ رہا ہوں۔ بھگوان کے لئے آپ اسے میری برائی نہ سمجھیں۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس پر غور کریں اور فیصلہ کریں کہ کیا کرنا ہے؟''

''بول تو سہی آگے۔'' سرلا دیوی نے کہا۔

''ماں جی! میرا دل اس کے لئے دھڑکنے لگا ہے۔ وہ میرے من میں سما گئی ہے۔ ماں جی! آپ اس سے ملیں۔ اگر پتا جی نے اسے داغ نہیں لگا دیا اور دھوکہ دے کر وہاں لائے ہیں اور مستقبل میں کوئی ارادہ رکھتے ہیں تو آپ اسے بچائیے ماں جی! میرے لئے۔ زندگی میں پہلی بار ہم پتا جی سے لڑائی لڑیں گے اور ان سے کہیں گے کہ اس معصوم لڑکی کو داغ دار نہ کریں۔ اس کو اپنی بہو بنالیں۔ ماں جی! یہ میرے من کی بہت بڑی آرزو ہے۔''

سرلا دیوی کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ کبھی ایسی کوئی صورتحال بھی پیش آجائے گی، انہوں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ نند کپور جی کی حرکتوں سے وہ واقف تھیں اور جانتی تھیں کہ کس طرح کے آدمی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر باپ بیٹوں میں جنگ چھڑ گئی تو پتہ نہیں اس کا نتیجہ کیا نکلے؟

وہ دیر تک سوچتی رہیں۔ بمل کپور سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے بمل! ایک کام کرتے ہیں۔ ابھی فی الحال ہم اس لڑکی کو سمجھاتے ہیں۔ نند کپور جی کی حرکتیں اسے بتا دیتے ہیں۔ اس سے کہتے ہیں کہ وہاں سے فوراً نکل جائے۔ اگر وہ تیار ہو جائے تو پھر اسے کہیں کرائے وغیرہ پر گھر لے کر رکھیں گے اور دو چار مہینے گزر جانے دیں گے۔ تیرے پتا جب اسے بھول جائیں گے تو ہم اس کا حلیہ بدل کر اسے سامنے لے آئیں گے۔ کوئی نہ کوئی ترکیب کر کے میں تیری شادی اس سے کر دوں گی۔ لیکن میرے لال! اگر تیرے پتا جی اپنی گندی فطرت سے کام لے کر کامیاب ہو گئے تو پھر کیا کرے گا؟''

''جوتے مار کر اس سسری کو فلیٹ سے باہر نکال کھڑا کروں گا۔ کم از کم اس بار ماں جی!

میں پتا جی کی حرکتوں کو معاف نہیں کر سکوں گا۔'

''دل سے بھول جائے گا اسے؟''

''ہاں ماں جی! اگر وہ پتا جی کے پھیر میں آ جاتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ پھر تو وہ اچھی عورت نہیں ہے، کوئی چکر والی بات ہی ہوگی۔ ایسی عورت سے، پھر میں بھلا کیا دل لگاؤں گا؟''

سرلا دیوی سوچ میں ڈوب گئیں۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''تیرے پتا جی تو شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ آج ہی اس سے مل لیتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ماں جی! آپ تیار ہو جائیں۔ میں بھی تیار ہو کر آتا ہوں۔'' بمل کپور نے کہا اور ماں کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

سرلا دیوی اس عجیب و غریب مسئلے کے بارے میں سوچنے لگی تھیں۔ شوہر تو تھا ہی اوباش۔ بیٹے کے دل کو لگی تھی۔ زندگی میں پہلی بار بمل کپور نے اپنی کسی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ماں کا دل مچلنے لگا۔ بیٹے کی زندگی کی خوشیاں حاصل کرنے کی خواہش دل میں بے پناہ تھی۔ بہر حال اٹھیں اور خود بھی تیار ہو گئیں۔

تھوڑی دیر کے بعد بمل کپور آ گیا اور دونوں ماں بیٹا کار میں بیٹھ کر فلیٹ کی جانب چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد بمل کپور اور سرلا دیوی فلیٹ کے دروازے پر پہنچے تو دروازہ بند ملا اور بمل کپور نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔ ''نجانے کہاں گئی؟ کہیں یہاں سے چلی ہی تو نہیں گئی؟ آپ آئیے میرے ساتھ ماتا جی! سامنے کی ایک دکان پر میرا ایک دوست ہوتا ہے۔ حالانکہ میں نے اس بارے میں اسے کچھ بھی نہیں بتایا لیکن ممکن ہے اسے کچھ پتہ ہو۔ ایک بار پہلے بھی اس نے مجھ سے کچھ کہا تھا۔ میرا مطلب ہے پتا جی کے بارے میں۔''

سرلا دیوی تو نیچے آ کر کار میں بیٹھ گئیں اور بمل کپور اپنے اس دوست کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا۔ ''سناؤ لکشمن! کیسے ہو؟ وہ سامنے ہمارے فلیٹ کے بارے میں تو جانتے ہو؟''

''ہاں! کیوں نہیں؟''

''اس میں ایک لڑکی رہتی تھی۔''

''مجھے پتہ ہے۔ کل تمہارے پتا جی کے ساتھ کار میں گئی تھی۔''

''کل کس وقت؟'' بمل حیرانی سے بولا۔

''دن کی بات ہے۔ اس کے بعد سے وہ واپس نہیں آئے۔''

''اور کار کون سی تھی؟''

''وہی جو اکثر تمہارے پتا جی کے استعمال میں ہی رہتی ہے۔''

بمل کپور کو یہ بات معلوم تھی کہ نند کپور جی نے اپنی عیاشیوں کے لئے ایک کار خریدی ہوئی ہے اور اسے کسی اور جگہ رکھتا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوگئی ہے۔ ہو سکتا ہے نند کپور جی لڑکی کو بہلا پھسلا کر کہیں اور لے گئے ہوں۔ وہ جگہ کون سی ہو سکتی ہے؟ اس نے سوچا اور پھر اسے وہ ہٹ یاد آیا جو جھیل کے کنارے تھا۔ وہ واپس اپنی کار میں آیا اور بیٹھ کر کار سٹارٹ کر دی تو سرلا دیوی نے پوچھا۔ ''کیا ہوا بمل؟ لڑکی کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟''

''لڑکی کے بارے میں بھی پتہ چل گیا ہے ماتا جی! اور پتا جی کے بارے میں بھی۔ لیکن فیصلہ ہو جانا چاہئے۔ کم از کم اپنے من سے الٹے سیدھے خیالات تو نکال دوں۔''

''پتا جی کے بارے میں کیا پتہ چلا ہے؟''

''دھوکہ دے کر گئے ہیں۔ اسی شہر میں ہیں۔ میرا خیال ہے یا تو وہ اس لڑکی کو دھوکہ دے گئے ہیں یا پھر کوئی بات ہوئی ہے۔''

''کہاں جا رہے ہو اب؟''

''جھیل پر.....''

''وہاں کیا ہے؟''

''پتا جی کا ایک گھر، جہاں وہ رنگ رلیاں منانے جاتے ہیں۔''

''ہے بھگوان! کیا ہوگا ہمارا.....؟'' سرلا دیوی نے کہا اور آنکھیں بند کر کے سر جھکا لیا۔

لیکن بمل کے ذہن میں ایک عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ نجانے کیوں اس کے دل میں یہی خیال تھا کہ رتنا بری لڑکی نہیں ہے۔ ضرور اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ لیکن کہیں یہ دھوکہ ایسا نہ ہو کہ بمل کو اس کا خیال دل سے نکالنا ہی پڑ جائے۔ لیکن اب کچھ نہ کچھ ہونا ضروری ہے۔ پتا جی نے انتہا کر دی ہے۔ اس سے آگے کچھ ہونا نہیں چاہئے۔ بمل کے ذہن میں بہت سے برے برے خیالات آنے لگے۔ بیچاری سرلا دیوی بھی پریشانی سے بار بار بیٹے کی

صورت دیکھنے لگتی تھیں۔ انہیں بھی یہ خوف ہوگیا تھا کہ کہیں باپ بیٹے کا ٹکراؤ نہ ہو جائے۔ اس سے زیادہ دکھ بھری بات بھلا اور کیا ہو سکتی تھی؟

بہرحال! خاموشی رہی۔ جب وہ جھیل کنارے پہنچے تو انہوں نے پولیس کی گاڑیاں دیکھیں۔ پولیس کی دو گاڑیاں جھیل کے ساتھ ساتھ کھڑی ہوئی تھیں اور اس کے علاوہ جو خاص بات تھی وہ یہ کہ نند کپور کے ہٹ کے سامنے بھی پولیس والے پہرہ دے رہے تھے۔

بمل کپور کا دل دھک سے رہ گیا۔ یقیناً کوئی اہم بات ہوگئی ہے۔

اس نے کار روکی تو سرلا دیوی نے پوچھا۔ ''کیوں کیا بات ہے؟''

''ماتا جی! میرا خیال ہے کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔''

''کیسی گڑبڑ.....؟'' سرلا دیوی نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ وہ جس ہٹ کے سامنے پولیس والے کھڑے ہیں نا! وہ ہٹ پتا کا ہے۔''

''اور وہ جو پولیس کی دو گاڑیاں کھڑی ہوئی ہیں۔'' سرلا دیوی نے دور اشارہ کیا۔

''آپ بتائیے! کیا کروں؟''

''ارے بیٹا! چل کر دیکھو تو سہی! کہیں کوئی خطرناک بات نہ ہوگئی ہو۔'' سرلا دیوی بیچاری دہشت زدہ ہو کر بولیں۔

بمل کپور نے ایک لمحے کے اندر فیصلہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ہٹ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ کچھ پولیس والے اندر بھی موجود تھے۔ کچھ باہر کھڑے ہوئے تھے۔ ایک نے بمل کپور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا بات ہے؟ گاڑی یہاں سے آگے لے جاؤ۔ یہاں گاڑی کھڑی کرنا منع ہے۔''

''بھائی! میں بے شک چلا جاتا ہوں۔ لیکن تم مجھے یہ بتا دو کہ ہوا کیا ہے؟''

''یہاں ایک ڈائن بند کی گئی ہے جس نے ایک بندے کا خون کر دیا ہے۔''

''ڈائن.....؟''

''ہاں! آدم خور..... بندہ کھا گئی پورا۔ شکل دیکھو تو حسین اور جوان ہے۔ لیکن فطری آدم خور ہے۔ اندر بند کر رکھی ہے ہم نے۔''

''کیا اسی ہٹ میں اس نے کسی کو کھایا ہے؟''

''نہیں! لاش تو ادھر پڑی ہوئی ہے۔ یہاں تو وہ خون میں ڈوبی ہوئی ملی ہے۔''

''ہے بھگوان، بمل! میرا دل گھبرا رہا ہے۔ ذرا چل کر تو دیکھ ادھر۔'' سرلا دیوی نے کہا۔

بمل کپور نے فوراً ہی گاڑی آگے بڑھا دی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ پولیس والوں کے پاس پہنچ گیا۔ چونکہ عام دن تھا۔ وہاں زیادہ رش نہیں تھا۔ اِکا دُکا افراد کے علاوہ باقی سب پولیس والے تھے۔ انہوں نے ایک لاش کو گھیر رکھا تھا۔ لاش کا پورا بدن جگہ جگہ سے اُدھڑا ہوا تھا۔ قرب و جوار میں خون بکھرا ہوا تھا۔ گردن ٹیڑھی تھی۔ لیکن چہرہ سامنے ہی تھا۔ بمل کپور کار سے اُترا۔ لاش دیکھی اور پتا جی کہہ کر اس طرف لپکا تو پولیس والے بھی چونک پڑے۔ ویسے تو شاید وہ بمل کو پکڑ لیتے لیکن پتا جی کے لفظ پر وہ حیران ہوئے تھے۔

بمل، لاش کے پاس پہنچا۔ اس نے لاش کی یہ بگڑی ہوئی کیفیت دیکھی تو اس کا دل بھی بری طرح دکھ کر رہ گیا۔ نند کپور کچھ بھی تھے لیکن بہرحال اس کے پتا تھے۔

پولیس آفیسر اسے گھور رہے تھے۔ جب وہ سیدھا ہوا تو ایک پولیس آفیسر نے اس کا بازو پکڑ کر اسے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ ''ابھی آپ نے اس لاش کو پتا جی کہہ کر پکارا تھا۔''

بمل کپور کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمنڈ پڑا تھا۔ سرلا دیوی بیچاری ہکا بکا بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ابھی لاش کا چہرہ نہیں دیکھا تھا، نہ انہیں بمل کپور نظر آیا تھا۔ وہ پولیس والوں کے درمیان کھڑا تھا۔ ''یہ میرے پتا ہیں۔'' بمل کپور نے نند کپور کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اوہو! آیئے..... ذرا پیچھے آ جایئے۔ براہ کرم پیچھے آ جایئے..... کار میں کون ہے؟''

''میری ماتا جی ہیں۔''

''آپ لوگ ادھر کیسے آئے؟''

''پتا جی کو ڈھونڈتے ہوئے۔''

''کیا نام ہے آپ کے پتا جی کا؟''

''نند کپور۔''

''کیا کرتے تھے وہ.....؟''

''بزنس مین تھے۔''

''آپ کو یقین ہے کہ لاش آپ کے پتا جی کی ہی ہے؟''

''ہاں! میں ان کا چہرہ دیکھ چکا ہوں۔''

''آپ کو معلوم ہے کہ اس لاش کے ساتھ کیا سلوک ہوا؟''

''آپ مجھ سے فضول باتیں نہ کریں۔ یہ بتایئے اب پتا جی کی لاش کا کیا کر رہے ہیں آپ؟'' بمل کپور نے کہا۔

''دیکھئے! کیا نام ہے آپ کا.....؟''

''بمل کپور.....''

''ہماری کسی بات کا برا نہ مانئے۔ ہم تو آپ سے صرف تفتیش کر رہے ہیں۔ اصل میں اگر آپ کو یہ بات نہیں معلوم کہ ان صاحب کا یہ حال کیسے ہوا ہے تو ہم بتائیں۔ وہ جو سامنے والی ہٹ ہے نا جس کے گرد پولیس والے کھڑے ہیں، اس میں ایک عورت ملی ہے۔ نوجوان لڑکی ہے۔ پورے جسم پر خون کے دھبے پڑے ہوئے ہیں۔ چہرہ بھی خون میں ڈوبا ہوا ہے۔ آرام سے سو رہی تھی وہاں۔ بس خون کے کچھ دھبوں نے ہماری ہٹ تک رہنمائی کی جو غالباً اس عورت کے لباس سے ٹپکتے ہوئے وہاں تک پہنچے تھے۔ ورنہ ہمیں پتہ بھی نہ چلتا کہ اس ہٹ میں کوئی عورت ہے یا کوئی ایسی شخصیت ہے جس کا اس قتل سے کوئی تعلق ہے۔''

''وہ ہٹ میرے پتا جی کا ہی ہے۔''

''اور وہ عورت.....؟''

''میں نے اسے نہیں دیکھا۔''

''آپ براہ کرم ہمارے ساتھ آیئے اور اِن خاتون کو، میرا مطلب ہے اپنی ماتا جی کو سمجھایئے۔ یہاں بیٹھے رہنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ آپ ایسا کریں، کار کو لے جا کر ہٹ کے پاس کھڑا کر دیں۔''

''ایسا ہی کرتا ہوں۔'' بمل کپور واپس کار میں آیا تو سرلا دیوی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ بمل کپور کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر سرلا دیوی نے خود ہی منہ ڈھک لیا تھا۔

پھر لرزتی ہوئی آواز میں بولیں۔ ''تو کیا وہ.....؟''

بمل کپور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کار ہٹ کے سامنے کھڑی کر کے وہ پولیس آفیسر کے ساتھ ہٹ میں داخل ہوگیا۔ اندر تین ہٹے کٹے پولیس آفیسر موجود تھے۔ ان کے ساتھ ہی دو لیڈی پولیس آفیسر بھی تھیں اور درمیان میں رتنا بیٹھی ہوئی تھی۔ رتنا کی آنکھوں سے زندگی کا حسن ٹپک رہا تھا۔ چہرہ بڑا ہی جاندار لگ رہا تھا۔ ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ ایک عجیب سا حال نظر آرہا تھا اس کا۔ وہ ان پولیس والوں سے بالکل خوفزدہ نہیں تھی۔ لیکن اس کے لباس پر خون کے بڑے بڑے دھبے موجود تھے۔ چہرہ بھی ابھی تک دھویا نہیں گیا تھا۔ گالوں پر خون کے دھبے بے حد حسین لگ رہے تھے۔ بالوں میں بھی خون لگا ہوا تھا۔ دانتوں پر بھی خون جما ہوا تھا۔ وہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ بمل کپور کو دیکھ کر وہ مسکرائی اور بولی۔ ''چلو، آپ نے مجھے ضرور پہچان لیا ہوگا مسٹر بمل!''

بمل کپور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پولیس آفیسر نے بمل کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم اس لڑکی کو پہچانتے ہو؟''

''ہاں!'' بمل پھٹی پھٹی آواز میں بولا۔

''کون ہے یہ؟''

''رتنا دیوی ہے اس کا نام۔'' بمل کے لہجے میں خود بخود ایک نفرت بیدار ہوگئی۔ بہرحال! رتنا کو اس کے باپ کا قاتل ثابت کیا جارہا تھا۔

پولیس آفیسر نے پوچھا۔ ''کیسے جانتے ہو اسے؟''

''پتہ نہیں! پتا جی کو کہاں ملی تھی یہ؟ پتا جی اسے اپنے فلیٹ میں لے آئے تھے۔ میں پتا جی سے ملنے کے لئے ان کے فلیٹ پر گیا تھا۔ وہاں مجھے نظر آگئی۔ میں نے اسے سمجھایا بجھایا کہ جس طرح بھی ہو یہاں سے نکل جائے۔ میرے.....'' بمل یہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔

''آپ کا کیا خیال ہے، کیا یہ لڑکی آپ کے پتا کی قاتل ہوسکتی ہے؟''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ پولیس آفیسر صاحب! مجھے تو اب پتہ چلا ہے کہ میرے پتا مر چکے ہیں۔''

''اس لڑکی کے چہرے پر خون کے دھبے، اس کا خون آلود لباس..... لیبارٹری سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ یہ خون جو اس کے جسم پر لگا ہوا ہے، تمہارے پتا جی کا ہے یا نہیں۔ ہم نے اسے گرفتار کر لیا ہے۔ تم اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

''نہیں.....'' بمل نے جواب دیا۔

''او کے! تمہیں ہمارے ساتھ پولیس سٹیشن چلنا ہوگا۔ لاش بھی اٹھائی جارہی ہے۔ پہلے اس کا پوسٹ مارٹم کرایا جائے گا۔ اس کے بعد لاش تمہارے حوالے کر دی جائے گی۔''

''ماتا جی کی حالت دیکھ رہے ہیں آپ۔ میں ماتا جی کو چھوڑ کر پولیس سٹیشن آؤں گا۔''

''بالکل..... بالکل..... ایک پولیس والا تمہارے ساتھ چلا جائے گا۔'' آفیسر نے کہا۔

بمل کپور کا ذہن ہواؤں میں اُڑ رہا تھا۔ لیکن بہرحال! کسی نہ کسی طرح وہ گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا اپنے گھر پہنچا۔ سرلا دیوی کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آرہی تھی۔ بہرحال! بمل کپور نے کہا۔ ''ماتا جی! پتا جی قتل ہو گئے ہیں۔ آپ دوسرے لوگوں کو اطلاع کر دیجئے۔ میں پولیس سٹیشن جارہا ہوں۔''

سرلا دیوی کی ہولناک چیخ بلند ہوئی اور وہ سینہ پیٹنے لگیں۔ لیکن بمل کپور کار میں بیٹھ کر چل پڑا تھا۔ پولیس والا اب بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے۔ ساری کارروائیاں ہو رہی تھیں اور رتنا کو بند کر دیا گیا تھا۔ رتنا لاک اپ میں بالکل مطمئن نظر آرہی تھی۔ بمل کپور، پولیس آفیسر کے کمرے میں پہنچ گیا۔ لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا دیا گیا تھا اور تمام کاغذی کارروائی ہو رہی تھی۔ پولیس آفیسر کا رویہ بمل کپور کے ساتھ خاصا ہمدردانہ اور نرم ہوگیا تھا۔ اس نے بمل کپور سے رتنا کے بارے میں سوالات کئے اور پھر اور بھی بہت سی باتیں پوچھتا رہا۔ چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بمل کپور نے پولیس کو بتایا کہ اس کے پتا جی ایک عیاش طبع انسان تھے۔ لڑکیوں سے ان کے تعلقات رہا کرتے تھے۔ اس لڑکی کے بارے میں وہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس قسم کی ہے۔ لیکن بہرحال اس کی ملاقات اس سے نند کپور کے فلیٹ پر ہوئی تھی جو انہوں نے پرائیویٹ طور پر رکھا ہوا تھا۔ ان تمام رسمی کارروائیوں کے بعد آخر کار نند کپور کی لاش بمل کپور کو مل گئی۔

گھر پہنچا تو پوری کوٹھی میں کہرام مچا ہوا تھا۔ سارے رشتے ناطے دار جمع ہو گئے تھے اور پچھاڑیں کھا رہے تھے۔ نند کپور کے کریا کرم کا بندوبست ہونے لگا۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن لوگ زیادہ تر ایک ہی جملہ کہہ رہے تھے۔ ''جیسی کرنی ویسی بھرنی۔''

☆.....☆.....☆

تازہ تازہ خون پینے کے بعد رتنا پر عام طور پر نشہ طاری رہتا تھا۔ اس بار بھی اس کے ساتھ یہی ہوا تھا۔ جاگی تو کچھ عجیب وغریب حالات اُس کے اردگرد بکھرے ہوئے تھے۔ بہرحال! وہ موجودہ ماحول سے اب اس قدر ناواقف بھی نہیں رہی تھی کہ پولیس کو پہچان نہ سکتی۔ پولیس والے اس کے اردگرد کھڑے ہوئے تھے اور اس سے سوالات کر رہے تھے۔ یہ سوالات کافی دیر تک اس کی سمجھ میں ہی نہیں آئے۔ اس کے ہوش وحواس درست ہوئے تو اُسے یاد آیا کہ پچھلی رات اس نے اور سمپورنی نے نند کپور جی کا کام تمام کر دیا ہے.....اُس نے جلدی سے اپنے اردگرد سمپورنی کو تلاش کیا۔

پولیس کے ایک آفیسر نے اس سے سوال کیا۔ ’’کون ہو تم؟‘‘

’’مم.....میرا نام رتنا ہے۔‘‘

’’یہاں کیا کر رہی ہو؟‘‘

’’پتہ نہیں.....میرا دماغ میرا ساتھ نہیں دے رہا۔‘‘

’’ایک دوسرے آفیسر نے مداخلت کی اور کہا۔ ’’اپنے دماغ کو سمجھاؤ لڑکی! اور اپنے بارے میں ساری تفصیل بتاؤ۔‘‘

’’میرا نام رتنا ہے.....‘‘

’’ٹھیک.....اور.....؟‘‘

’’ایک گاؤں کی رہنے والی ہوں۔ ماتا پتا مر گئے۔ گاؤں والے جینا مشکل کئے ہوئے تھے۔ وہاں سے نکل آئی اور بہت دور تک پیدل چلتی رہی۔ پھر ریل میں بیٹھی سفر کر رہی تھی کہ نند کپور جی مل گئے۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ انہوں نے میرے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا اور مجھ سے کہا کہ وہ میری ہر طرح سے مدد کریں گے۔ پھر انہوں نے ایک چھوٹا سا گھر

لے جاتے تھے۔ وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ آپ ان سے پوچھ لیں میرے بارے میں۔ میں نے انہیں کبھی پریشان نہیں کیا۔ بس! انہی کے ساتھ گھومنے آئی تھی اور نجانے کیا ہو گیا۔ بے ہوش سی ہو گئی تھی میں۔ اور اب ہوش آیا تو آپ کے سامنے ہوں۔‘‘

رتنا بے شک معصوم تھی۔ زندگی میں بہت سے ایسے مرحلے آئے تھے جب اسے الجھنوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن اب وہ دنیا کی تمام حقیقتوں سے واقف ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس نے بڑی خوبصورتی سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے یہ داستان سنائی تھی۔ یہ تو اسے یاد آ گیا تھا کہ نند کپور جی کو وہ اور سمپورنی چٹ کر چکی ہیں اور ظاہر ہے پولیس کا معاملہ ہے۔ اسے لاش مل گئی ہے اور اگر ہوشیاری سے کام نہ لیا تو مصیبت آ جائے گی۔ سمپورنی تو غائب ہو گئی تھی۔ حالانکہ اسے سمپورنی پر پورا پورا اعتماد تھا۔ لیکن برے وقت میں اچھے اچھے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ خیال اس کے ذہن میں تھا کہ سمپورنی کہیں غائب ہو گئی ہے اور اب اسے اپنی بچت خود کرنی تھی۔

پولیس آفیسر نے ایک کاغذ دیکھتے ہوئے دوسرے آفیسر سے کہا۔ ’’بمل کپور نے کیا بتایا ہے؟‘‘

’’لڑکی جو کچھ کہہ رہی ہے، وہی سچ ہے۔‘‘ دوسرے آفیسر نے کہا۔

’’لڑکی! تم بمل کپور کو جانتی ہو؟‘‘

’’ہاں! نند کپور کا بیٹا ہے۔ نند کپور نے جو گھر مجھے دیا تھا، وہاں ایک بار میرے پاس آیا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ نند کپور جی اچھے آدمی نہیں ہیں۔ اگر اپنی عزت بچا سکتی ہوں تو بچاؤں۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ نند کپور جی نے مجھے آج تک کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ اس کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا ہے۔‘‘

’’یاد کر کے بتاؤ! پچھلی رات کیا ہوا تھا؟‘‘

’’پچھلی رات.....؟‘‘

’’ہاں! نند کپور جی جھیل کے کنارے خود کپڑا اچھا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ موسم بہت اچھا تھا۔ میری آنکھ لگ گئی اور میں گہری نیند سو گئی۔ بس اس کے بعد سے میں یہاں جاگی ہوں۔‘‘

’’کوئی چیز پی تھی تم لوگوں نے؟‘‘

''نند کپور جی نے مجھے ایک گلاس میں کوئی چیز دی تھی۔ شربت سا تھا، مگر مزے کا اچھا نہیں تھا۔''

''آفیسر! اس کا میڈیکل بھی کرانا ہوگا۔''

''سر کیا حکم ہے آپ کا؟ کیا اسے متعلقہ تھانے کے سپرد کر دیا جائے؟ انسپکٹر جگ ناتھ باہر موجود ہیں۔''

''ہاں..... کارروائی مناسب طریقے سے ہونی چاہئے۔ انسپکٹر جگ ناتھ کو اس کا چارج دے دو۔ وہ اسے اپنے علاقے کے تھانے میں لے جائے گا اور وہاں اس کی تصدیق کر کے ہمیں رپورٹ دے گا کیونکہ بہرحال اس کے اپنے علاقے کی بات ہے۔ البتہ رابطہ ضرور رکھیں۔''

''ٹھیک ہے سر!'' پولیس آفیسر نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک لمبے چوڑے بدن کا خطرناک سی شکل والا آفیسر آ گیا۔ اس کے ساتھ دو لیڈی کانسٹیبل بھی تھیں۔ اس نے کہا۔ ''اسے ہتھکڑیاں لگاؤ اور لے جا کر گاڑی میں بٹھاؤ۔''

پولیس والیوں نے اپنے آفیسر کے کہنے کے مطابق کیا تھا۔

اعلیٰ افسران نے انسپکٹر جگ ناتھ کو ساری تفصیلات بتائیں۔ انسپکٹر جگ ناتھ نے کاغذات وغیرہ اپنے قبضے میں لئے اور پھر رتنا کو لے کر چل پڑا۔

رتنا دل ہی دل میں پریشان تھی اور خصوصاً اس بات پر اسے شدید حیرت ہو رہی تھی کہ سمپورنی کس طرح غائب ہوگئی؟ وہ تو اس کی بہترین دوست تھی۔ اس طرح چھوڑ کر چلے جانا تعجب کی بات تھی۔ اسے سمپورنی پر مکمل اعتماد تھا۔ لیکن بس! پتہ نہیں کیا حالات تھے۔ البتہ اس بات پر اسے پورا پورا اطمینان تھا کہ اس نے پولیس افسران کو جو بیان دیا ہے وہ پوری طرح مناسب ہے اور اس کے اوپر کوئی خاص کیس نہیں بنایا جا سکتا۔ بس! خون کا معاملہ ہے۔ یہ لوگ اس کے میڈیکل کے بارے میں کہہ رہے تھے۔ پتہ نہیں میڈیکل کیا ہوتا ہے؟

بہرحال! وہ لوگ اسے لے کر تھانے میں آ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد اسے زنانہ لاک اپ میں پہنچا دیا گیا جہاں وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں تنہا تھی۔

رتنا ملی جلی کیفیت کا شکار تھی۔ حالانکہ وقت نے اسے بہت سے تجربے دیئے تھے لیکن پھر

بھی ابھی بہت سی باتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں اسے معلوم نہیں تھا۔ حوالات کی کوٹھڑی میں وہ زمین پر سو گئی۔ حالانکہ وہ راج محل میں عیش کر چکی تھی لیکن یہ اس کی فطرت کا حصہ تھا کہ کسی بات سے متاثر نہیں ہوتی تھی۔ وقت اور ماحول جیسے بھی حالات پیدا کر دیں، اسے گزارنا آتا تھا۔ حوالات کی کوٹھڑی میں لیٹنا کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ سوچ رہی تھی کہ سمپورنی کہاں گئی؟ اس کا کوئی نام و نشان نہیں مل رہا تھا اور اس وقت سے لے کر اب تک اس کا کوئی پتہ نہیں تھا جب رات کو ان لوگوں نے نند کپور کا حساب کتاب کیا تھا۔

رات آدھی کے قریب گزری تھی کہ حوالات کے سنتری نے اسے آوازیں دیں۔ وہ تقریباً نیند میں تھی لیکن جاگنا پڑا۔ اسے حوالات سے نکال کر ایک بڑے کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں بہت سے اعلیٰ افسران بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے چہرے اتنے خوفناک تھے کہ انہیں دیکھ کر خوف محسوس ہوتا تھا۔ رتنا بھی ڈرے بغیر نہیں رہ سکی۔

انہوں نے اسے درمیان کی ایک میز پر بٹھا دیا اور اس طرح اسے گھیر کر بیٹھ گئے جیسے اس کا تماشہ دیکھنا چاہتے ہوں۔ کچھ لمحے تک بالکل خاموشی رہی۔ اس کے بعد ان میں سے ایک اعلیٰ آفیسر نے پوچھا۔ ''کیا نام ہے تیرا.....؟''

''رتنا.....''

''کون سی بستی کی رہنے والی ہے؟''

''چکمہ گڑھی۔''

''کیا؟''

''ہاں.....''

''یہ کہاں ہے.....؟''

''جہاں بھی ہے، یہ معلوم کرنا تمہارا کام ہے۔'' رتنا نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا۔

''اچھا اچھا..... آ گئی نا راستے پر۔ بھائیو! تم لوگوں کو چکمہ گڑھی کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟''

''پتہ نہیں یہ چکمہ باز عورت کیا کہہ رہی ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔'' ایک دوسرے آفیسر نے کہا۔

''چلو! ٹھیک ہے۔ اب اس کی میڈیکل رپورٹ کب ہو رہی ہے؟''

''کل یہ بات معلوم کرنی پڑے گی کہ یہ آدم خور ہے یا نہیں۔''

''لڑکی! کیا تو خود ہمیں یہ بات بتانا پسند کرے گی؟''

''کون سی بات؟''

''یہی کہ کیا تو آدم خور ہے؟''

''آدم خور کیا ہوتا ہے؟''

''تیرے چہرے اور جسم پر خون کے دھبے کیسے تھے؟''

''میں کچھ نہیں جانتی۔''

''تجھے یہ بات معلوم ہے کہ نند کپور کو ہلاک کر دیا گیا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''یہ نہیں معلوم تجھے کہ ان کے جسم کا پورا گوشت نوچ لیا گیا ہے اور کسی نے ان کا خون بھی پی لیا ہے؟''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟ مجھے نہیں معلوم۔''

''اے لڑکی! تمیز سے بات کرو۔ ورنہ ڈنڈے مار مار کر تیرے بدن کی کھال اتار لی جائے گی۔ اپنی خوبصورتی پر ناز مت کرنا۔ یہاں کوئی تیرے حسن کا پرستار نہیں ہے۔''

''میں نہیں جانتی کہ تم لوگوں نے مجھے یہاں کیوں لا کر رکھا ہے۔''

''یہ معلوم کرنے کے لئے کہ تیرے اور کتنے ساتھی ہیں اور نند کپور سے تو کیا چاہتی تھی؟''

''تمہارا دماغ خراب ہے۔ میں ایک بے سہارا اور مظلوم لڑکی ہوں۔ یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم واقعی میری کھال اتار سکتے ہو۔ لیکن میں کیا کروں؟ زندگی نے اتنے دکھ دیئے ہیں مجھے کہ اب میں خود بھی مرنا چاہتی ہوں اور مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے۔''

''کیا دکھ ہیں تیری زندگی میں؟''

''ہر ایک کو بتانا پسند نہیں کرتی۔''

''خاصی تیز لڑکی ہے جگناتھ! اس کا پورا پورا خیال رکھنا۔ ایسی لڑکیاں بہت تیز ہوتی ہیں۔''

''سر! آپ فکر نہ کریں۔'' انسپکٹر جگناتھ نے کہا۔ ''کل اسے میڈیکل ٹیسٹ کے لئے لے جایا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کام پرسوں ہو کیونکہ کل چھٹی ہے۔ بہرحال! لڑکی بہت تیز ہے۔ اس سے معلومات حاصل کرنے کے لئے انگلیاں ٹیڑھی کرنی پڑیں گی۔''

''پہلے میڈیکل ہو جائے اور اصل بات پتہ چل جائے۔ اس کے بعد یہ خود زبان کھولے گی۔'' ایک اور پولیس آفیسر نے کہا۔

رتنا خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح کے سوالات کرتے رہے۔ رتنا ان کے جواب دیتی رہی۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ جھکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ لوگ اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟

تھوڑی دیر تک اسی طرح خاموشی رہی۔ پھر انہوں نے اسے واپس لاک اپ میں پہنچا دیا اور رتنا گہری سوچوں میں ڈوب گئی۔ باقی رات بڑی عجیب سی گزری تھی۔ مگر اسے نیند آ رہی تھی۔ بدن میں تھکن تھکن سی تھی۔ رات کے آخری پہر وہ سو گئی۔

صبح جب وہ جاگی تو اسے اپنے بائیں شانے کے قریب کلبلاہٹ کا سا احساس ہوا۔ اس احساس نے اس کو بری طرح چونکا دیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دیکھا تو برابر میں سمپورنی موجود تھی۔ ننھا سا وجود، جس کی کل لمبائی تین ساڑھے تین انچ ہو گی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں زندگی کی چمک تھی۔

رتنا نے اسے شکایت بھری نگاہوں سے دیکھا اور بولی۔ ''سمپورنی.....''

''ہاں رتنا! میری دوست..... میری سکھی.....''

''ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے غصہ آ رہا ہے تم پر.....''

''ارے کیوں؟''

''کہاں تھی تم اب تک؟''

''بس! ایسے ہی کھیلتی پھر رہی تھی۔ گھومتی پھر رہی تھی۔''

''اور میرا پتہ تھا تمہیں کہ میں کس حال میں ہوں؟''

''ہاں! کیوں نہیں.....''

''اس کے بعد بھی تم اپنے آپ کو میری سکھی کہتی ہو؟''

''وہ تو میں ہوں.....'' سمپورنی نے کہا اور ہنس پڑی۔

''چلو جاؤ میرے پاس سے۔ میں تم سے بات نہیں کرتی۔''

''مگر کیوں؟ ناراضگی کی وجہ تو بتاؤ۔ ساری باتیں مجھے معلوم ہیں۔ جس وقت ان لوگوں نے تمہیں گرفتار کیا تھا، میں تمہارے ساتھ تھی۔ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک کرتے تو جانتی ہو میں ان کے ساتھ کیا سلوک کرتی؟''

''واہ! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ یعنی میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، اس کی تمہیں کوئی پراہ نہیں اور جو کرنے والے تھے، تم ان کو نقصان پہنچاتی۔''

''یہ تمہارا بال بھی ٹیڑھا نہیں کر سکتے تھے رتنا! میں تو یہ دیکھ رہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ تم تماشہ نہیں دیکھ رہیں کہ نند کپور جی کے بیٹے اور اس کے گھر والوں کا کیا حال ہے؟ مگر ہم کیا کرتے، یہ تو ہمارا بہترین مشغلہ ہے۔''

''مگر اب کیا ہوگا؟''

''کچھ نہیں.....

''اور یہ...... یہ پتہ نہیں میرا کیا کرنے والے ہیں۔''

''کچھ بھی نہیں کریں گے۔ بس! میں ذرا تماشہ دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''جی ہاں! اب تو آپ تماشہ دکھائیں گی ہی، اگر یہ لوگ مجھے مارتے پیٹتے تو.....''

''جو لوگ تم پر ہاتھ اٹھاتے، میں ان کے ہاتھ کندھوں سے الگ کر کے باہر پھینک دیتی۔ کیا سمجھیں؟ میں ہر لمحے تمہارے پاس تھی۔''

سمپورنی کے ان الفاظ پر رتنا کو شردھا یاد آ گئی۔ لیکن دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ شردھا کا وجود نفرتوں کا حامل تھا۔ اسے دیکھ کر دل میں ایک کراہت اُبھرتی تھی اور اس کا ماضی یاد کر کے دل میں نفرت کے طوفان اٹھتے تھے۔ جبکہ یہ ننھا سا وجود جو اپنی جگہ ایک الگ ہی حیثیت کا مالک تھا۔

رتنا نے کہا۔ ''یہ بتاؤ! اب کیا ہوگا؟''

''جو بھی ہوگا، تم فکر مت کرو۔ بھوک لگ رہی ہے؟''

''اگر لگ بھی رہی ہو تو؟''

''میں تمہارے لئے ناشتہ منگواتی ہوں۔''

''اور یہ لوگ ناشتہ دیکھ کر کیا کہیں گے؟''

''ہاں! یہ بات تو ہے۔ خیر چلو چھوڑو۔ اب یہ بتاؤ! نیند پوری ہوگئی؟''

''رات کو تو ٹھیک سے سو بھی نہیں سکی۔''

''سونا چاہتی ہو؟''

''نہیں.....اب کیا سوؤں گی؟''

''منہ ہاتھ دھونا چاہتی ہو؟''

''ہاں! مگر یہ لاک اپ کے اندر جو واش روم ہے، اس کی شکل دیکھ کر ہی گھن آتی ہے۔''

''یہ لو پانی۔'' سمپورنی نے کہا اور اپنے ننھے سے دونوں ہاتھ سامنے کر دیئے۔ پانی کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، لیکن اس کے کھلے ہوئے ہاتھوں سے پانی کی ایک موٹی دھار بہہ رہی تھی اور رتنا حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ارے چلو..... دیکھ کیا رہی ہو؟ منہ ہاتھ دھوؤ۔''

''یہ پانی کہاں سے آ رہا ہے؟''

''براہ راست آکاش سے۔'' سمپورنی نے جواب دیا۔

بہر حال! رتنا نے منہ ہاتھ وغیرہ دھویا اور اس کے بعد تر و تازہ ہوگئی۔ سمپورنی بولی۔ ''چلو! ناشتہ بھی کر لو۔ میں ان سب کی آنکھوں میں پٹی باندھے دیتی ہوں جو باہر ٹہل رہے ہیں۔''

رتنا ہنسنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے سامنے بہترین بھاجی پوری، ترکاری وغیرہ رکھی ہوئی تھی۔ رتنا نے پیٹ بھر کر ناشتہ کیا، پانی پیا۔ اس کے بعد بولی۔ ''سمپورنی! تمہاری قوتیں بے مثال ہیں۔''

''اب یہ میری قوتیں نہیں، تمہاری قوتیں ہیں۔ اپنے آپ کو اعتماد دو۔ رتنا! میں نے کہا نا چھوٹے چھوٹے واقعات کسی حیثیت کے حامل نہیں ہوتے۔ میں تمہارے لئے سنسار کا ہر وہ کام کر سکتی ہوں جو کرنا میرے بس میں ہو۔''

''بہر حال! میں انسان ہوں.....ڈر تو لگتا ہی ہے۔''

''اب نہ ڈرا کرو۔ یاد رکھا کرو! سمپورنی تمہارے ساتھ ہے۔''

''اب کیا کرو گی؟''

''تم تماشہ دیکھو۔ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں، وہی کرتی جانا۔ اب میں تمہارے پیچھے

ہوں۔ جو میں بولوں گی وہ تم سمجھ لو کہ تم نے وہی دوسروں سے کہنا ہے۔ پھر دیکھتی رہنا۔''

''ٹھیک ہے......ٹھیک ہے......'' رتنا نے جواب دیا۔ سمپورنی کی قوتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ چنانچہ اب اس کے آ جانے کے بعد وہ پوری طرح مطمئن تھی۔ ناشتے وغیرہ سے تو فراغت حاصل ہو ہی گئی تھی۔ چنانچہ سمپورنی کی ہدایت پر اس نے اپنے کام کا آغاز کیا اور سلاخوں والے دروازے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

باہر جو سپاہی ٹہل رہے تھے، اُس نے انہیں اشارہ کیا اور وہ دونوں اس کے پاس آ گئے۔

''کیا بات ہے؟'' ان میں سے ایک نے پوچھا۔

''تمہارا نام بانکے لال ہے نا؟''

''ہاں ہے!''

''اور تم پرشادی ہو؟'' رتنا نے دوسرے سپاہی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''لگتا ہے تم ہمارے سارے خاندان کو جانتی ہو۔ تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟'' پرشادی نے پوچھا۔

''پرشادی! تمہارا بیٹا بیمار ہے نا؟ تمہاری بیوی اس کے ساتھ ہسپتال میں ہے؟''

''ہیں......ارے! تجھے کیسے معلوم ہے یہ بات؟''

''اور بانکے لال! تمہارا سالا گھر سے بھاگ گیا ہے اور تمہاری بیوی میکے گئی ہے۔ ان لوگوں کی حالت خراب ہے؟''

''ارے باپ رے باپ! یہ تو گیانی ہے۔'' بانکے لال نے کہا۔

''یہ بتا تو میرے بیٹے کے بارے میں کیسے جانتی ہے؟'' پرشادی نے پوچھا۔

''میں صرف یہ ہی نہیں جانتی ہوں کہ تمہارا بیٹا بیمار ہے اور ہسپتال میں داخل ہے۔ بلکہ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس کا علاج کیا ہے؟ ہسپتال میں وہ ٹھیک نہیں ہو سکے گا۔'' رتنا نے کہا۔ اصل میں اس کے اندر سمپورنی بول رہی تھی۔ اور سمپورنی نے رتنا کو یہ بات بتا بھی دی تھی۔

رتنا کی قسمت بھی عجیب تھی۔ کبھی کوئی اس کے ذات میں بسیرا کر لیتا تھا، تو کبھی کوئی۔

بہرحال! پرشادی تو پاگل ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ''ایسی کوئی چیز ہے؟''

''ہاں! کالے نمک کا پانی بناؤ......لوٹے میں بھرو اور اپنے بیٹے کو زبردستی پلاؤ۔ جتنا پلا

سکتے ہو، پلا دو۔ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کک......کالے نمک کا پانی؟''

''ہاں!''

''مم......مگر''

''اگر مگر کی ضرورت نہیں ہے۔ اور تم سنو، بانکے لال! تمہارا سالا تمہارے گھر کے سامنے جو بابا رہتا ہے، اس کے قبضے میں ہے۔ اس نے اسے اپنے گھر کے تہہ خانے میں بند کر رکھا ہے۔ ابھی تھوڑے دن کے بعد وہ اسے وہاں سے نکال کر لے جائے گا۔ تم نے بھی کبھی اس بابا کے بیٹے کو تھانے میں بند کرایا تھا، گھر کے باہر گندگی پھینکنے کی وجہ سے۔''

''ہاں ہاں......کرایا تھا ایسا۔''

''بس سمجھ لو۔ بابا نے اپنا بدلہ لیا ہے۔ ابھی وہ اس کے گھر کے تہہ خانے میں ہے۔ اگر فوری طور پر تم کوشش کر کے اسے رہا کرا لو تو زیادہ اچھا ہو گا۔''

''میں ابھی جاتا ہوں......مم......مگر دیوی جی......''

''بس بس! زیادہ باتیں نہ کرو۔ جو کچھ میں نے کہا ہے، وہ کرو۔ پرشادی! تمہارا بیٹا ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہیں بھی چھٹی لے کر جانا چاہئے۔''

دونوں سپاہیوں کی جو کیفیت تھی، وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ رتنا دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔ جب دونوں سپاہی چلے گئے تو اس نے سمپورنی سے کہا۔ ''تم نے ان سے جو کچھ کہا ہے، کیا وہ بالکل سچ ہے؟''

''اگر سچ نہیں ہو گا تو کام نہیں بنے گا رتنا!'' سمپورنی بولی۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ سب انسپکٹر اور انسپکٹر جگناتھ وہاں آ گئے۔ انہوں نے حیرانی سے رتنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''رتنا! تم نے سپاہی بانکے لال کو اس کے سالے کے بارے میں بتایا تھا؟''

''ہاں! بتایا تھا۔''

''اس کا سالا سامنے والے گھر کے تہہ خانے سے برآمد ہو گیا ہے۔ تجھے اس کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟''

''مجھے تو تمہارے بارے میں بھی معلوم ہے جگناتھ مہاراج! آج شام کو تم سیٹھ بھگوتی

پرشاد سے پچیس ہزار روپے رشوت وصول کر رہے ہو۔!''

''کک.....کیا؟'' اے ایس آئی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔''

''اگر تم نے وعدے کے مطابق اے ایس آئی کو آٹھ ہزار روپے نہیں دیئے تو یہ تمہارے محکمہ کے ایس پی صاحب کو اس کی رپورٹ کرنے والا ہے۔ اس نے اس کے لئے تیاریاں کر رکھی ہیں۔''

''ارے جھوٹ بولتی ہے.....بکواس کرتی ہے۔''

''بکواس کرتی ہوں.....اچھا تو پھر اپنی جیب دکھا جگناتھ جی کو۔''

''ارے باپ رے باپ! مر گیا.....'' اے ایس آئی گھبرا کر بولا۔

جگناتھ نے اسے گریبان سے پکڑ لیا۔ اور پھر اسے خونی نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔''کیا تو نے یہ کارروائی کر رکھی تھی؟ اور جیب میں کیا ہے؟''

''وہ.....وہ.....مہاراج جگناتھ جی! مجھے دو ہزار روپے ملے ہیں۔''

''ہاں! اور تو یہ کہہ رہا تھا کہ میرے پاس پانچ کا نوٹ بھی نہیں ہے آج۔ اور اسی سلسلے میں تو نے مجھ سے سو روپے وصول کئے ہیں۔'' جگناتھ نے اے ایس آئی سے کہا۔

''وہ صاحب جی! اصل میں.....''

''ارے باپ رے.....مگر اسے یہ ساری باتیں کیسے معلوم؟'' جگناتھ کا دماغ پھر گھوم گیا۔ اس نے پلٹ کر رتنا کو دیکھا اور بولا۔''مگر آپ کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں دیوی جی؟''

''مجھے تو یہ بھی معلوم ہے جگناتھ جی! کہ آپ کو اپنی بیوی کے کردار پر شبہ ہے۔''

''خاموش ہو جائیے.....خاموش ہو جائیے.....بھگوان کے لئے خاموش ہو جائیے.....چل..تو چل....'' جگناتھ نے اے ایس آئی کو وہاں سے بھگا دیا۔ اے ایس آئی ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

جگناتھ نے رتنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔''دیوی جی! آپ کو یہ سب کچھ کیسے.....؟''

''ارے میں کیا نہیں کر سکتی۔ سب کچھ معلوم ہے مجھے۔ میں اگر چاہوں تو تمہیں ڈی ایس پی کی بجائے براہ راست ایس پی بنوا سکتی ہوں۔ تمہارے پیپر آگے گئے ہوئے ہیں اور تمہارا خیال ہے کہ تم ڈی ایس پی بنائے جا سکتے ہو۔ لیکن میں تمہیں بتاؤں، تمہارے تین

مخالف تمہاری سخت مخالفت کر رہے ہیں۔ یہ میں ہی ہوں جو اُن کی مخالفت ختم کرا کے تمہیں ترقی دلوا سکتی ہوں۔ بلکہ جیسا کہ میں نے کہا، تمہیں فوراً منسٹر سے کہہ کر ڈی ایس پی کی بجائے ایس پی تک بنوا سکتی ہوں۔ سمجھتے کیا ہو تم مجھے؟''

''جے ہو دیوی جی کی..... جے ہو.....دیوی جی! اگر آپ میرے لئے ایسا کر سکیں تو میں.....''

''ہاں ہاں! میں ایسا کر سکوں گی تمہارے لئے۔ مگر تم کتنا اچھا سلوک کر رہے ہو میرے ساتھ۔ لاک اپ میں بند ہوں۔ زمین پر اٹھنا بیٹھنا پڑ رہا ہے۔ اور اس کے بعد.....''

''ارے بھگوتی.....او بھگوتی! ادھر آ.....'' انسپکٹر نے فوراً ایک اور سپاہی کو آواز دی اور جب وہ قریب آیا تو جگناتھ بولا۔''جا..... چابی لا لاک اپ کی..... جلدی لا، بیوقوف کہیں کے۔''

تھوڑی دیر کے بعد رتنا کو لاک اپ سے نکال لیا گیا اور انسپکٹر اسے ساتھ لئے اپنے آفس میں پہنچ گیا۔''بیٹھ جائیے دیوی جی! میں آپ کے لئے کچھ منگواتا ہوں۔''

''نہیں.....کچھ مت منگواؤ میرے لئے۔ میں تمہارے لئے سب کچھ منگوا سکتی ہوں۔ بولو! کیا چاہتے ہو؟''

''آپ.....آپ منگوا سکتی ہیں؟''

''ہاں..... یہ لو!'' رتنا نے کہا۔ سمپورنی اپنا کام کر رہی تھی۔ چاندی کا ایک خوبصورت تھال سامنے آیا۔ اس میں مٹھائی اور شربت رکھا ہوا تھا۔ انسپکٹر کی آنکھیں تو شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ اس کے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکلنے لگیں تو رتنا نے کہا۔''اب تو تمہیں یقین آ گیا ہوگا کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، وہ سچ ہے۔ اور تمہیں یہ بھی یقین آ جانا چاہئے کہ میں تمہیں کیا سے کیا بنوا سکتی ہوں۔''

''دیوی جی! یہ تو بالکل ٹھیک ہے۔ مم.....مگر مجھے..... مجھے بتائیے! میں آپ کی کیا سیوا کروں؟''

''تمہیں میری کیا سیوا کرنی چاہئے بتاؤ!'' رتنا کی آواز میں سمپورنی بولی۔

''مم.....میں کیا بتاؤں دیوی جی!''

''کسی اچھے سے ہوٹل میں میرے لئے کمرہ حاصل کرو اور مجھے وہاں پہنچا دو۔ کر سکتے ہو

یہ؟''

''دیوی جی آپ ......آپ پر قتل کا الزام ہے۔ بڑے بڑے افسران آپ کے لئے کام کر رہے ہیں۔ میری تو موت ہی آ جائے گی۔''

''جب تم جانتے ہو کہ میں تمہیں ایس پی بنوا سکتی ہوں تو تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا..... وہاں سے نکالنے میں تمہیں کوئی پریشانی ہوگی؟ میں سب ٹھیک کر سکتی ہوں۔ اور سنو..... جس طرح یہ ساری چیزیں تمہارے سامنے آئی ہیں، کیا اسی طرح یہ یہاں سے غائب نہیں ہو سکتیں؟''

''جے مہا دیوی..... جو بھگوان کی مرضی ہوگی، میں آپ کو آپ کی پسند کے مطابق پہنچانے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن بھگوان کے لئے آپ میری مدد کریں۔ میں نے آپ پر مکمل بھروسہ کر لیا ہے۔''

اور اس کے بعد سمپورنی کا کہنا بالکل درست ثابت ہوا۔ انسپکٹر بڑے اہتمام سے اسے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں لے گیا۔ وہاں ایک کمرہ حاصل کر کے اس نے رتنا کو وہاں ٹھہرا دیا اور بولا۔ ''دیوی جی! صبح شام آپ کے پاس حاضری دیا کروں گا۔ بھگوان چاہے گا تو میں ان مشکل حالات سے بھی نکل جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے، جاؤ..... کوئی تم سے کچھ نہیں پوچھے گا۔ یہ میں کہہ رہی ہوں۔'' رتنا نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر رخصت ہو گیا۔ پھر سمپورنی نمودار ہوئی۔ وہ قہقہے لگا رہی تھی اور رتنا ان قہقہوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ پھر سمپورنی نے کہا۔ ''رتنا! دیکھا تم نے میرا کمال؟ یہی کہا تھا نا میں نے تم سے.....''

''سمپورنی! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم بے مثال ہو۔ لیکن انسپکٹر بیچارہ تو مارا جائے گا۔''

''یہ بیچارے کا لفظ جو ہے نا رتنا! یہ تو اب بیکار ہی ہے۔ اگر انسپکٹر کو تم سے اس فائدے کی امید نہ ہوتی تو وہ تمہارے ساتھ وہ سلوک کرتا کہ دیکھنے والے دیکھتے۔ ہر شخص اپنے اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ تمہیں وہاں سے نکال کر تو لانا تھا نا مجھے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن..... اب کیا ہوگا؟''

''کچھ نہیں ہوگا۔ چلتے ہیں یہاں سے۔ ہوٹل چھوڑتے ہیں اور کہیں اور چلتے ہیں۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟''

''چلو..... ٹھیک ہے۔''

آؤ اب یہ سوچیں کہ ہمیں کرنا کیا ہے۔ انسپکٹر کی حالت خراب ہو گئی ہوگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس سے اس کے اعلیٰ افسران پوچھیں گے کہ میں کہاں گئی۔ میرا مطلب ہے کہ تم کہاں گئیں۔ پہلے الٹی سیدھی باتیں کرے گا اور پھر آخر کار گھبرا کر انہیں یہاں ہوٹل تک لے آئے گا۔ اس سے پہلے ہمیں یہ شہر چھوڑ دینا چاہئے۔''

تھوڑی دیر کے بعد رتنا اور سمپورنی باہر نکل آئیں۔ سمپورنی اس بار پھر انسانی شکل اختیار کئے ہوئے تھی اور رتنا کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ دونوں نے سادہ سے لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کا انتخاب بھی سمپورنی نے ہی کیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دوسروں کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہتی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ریلوے سٹیشن پہنچ گئیں۔ ریل گاڑی کے ایک کمپارٹمنٹ میں داخل ہو کر وہ اپنی سیٹ پر پہنچ گئیں۔ اعلیٰ درجے کا کمپارٹمنٹ تھا اور اس میں مختلف قسم کے مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔

سمپورنی نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے پورے ماحول کا جائزہ لیا۔ پھر بولی۔ ''رتنا.....''

''ہاں.....''

''کرنے کو تو بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن فی الحال یہاں سے نکلنے کا معاملہ ہے۔ اس لئے کوئی گڑبڑ بھی نہیں کرنی چاہئے۔ خاموشی سے سفر کرو۔ تمہارے دل میں اور کوئی بات تو نہیں ہے؟''

''میرے دل میں اور کیا بات ہوگی؟'' رتنا نے کہا۔

سمپورنی خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ریل نے سٹیشن چھوڑ دیا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ ریل کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ دونوں خاموشی سے سفر کرتی رہیں۔ انہوں نے کسی بھی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

''سمپورنی اس وقت کسی اور موڈ میں تھی۔ بہت دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔ ''رتنا! بالکل خاموش کیوں ہو گئی ہو؟ ویسے تو میں یہ بات جانتی ہوں کہ انسان جب خاموش ہوتا ہے اور جاگ رہا ہوتا ہے تو ہمیشہ گزری ہوئی باتوں کے بارے میں سوچتا ہے۔ تمہارے

پاس سوچنے کے لئے بہت کچھ ہوگا۔ مگر ایک بات میں دل سے کہوں، رتنا! سوچیں بے معنی ہوتی ہیں۔ ان سے کچھ نہیں ملتا۔ میں اگر اپنے بارے میں سوچوں تو دیکھو! میں کیا تھی اور کیا ہوگئی ہوں اور آگے کیا ہو جاؤں گی؟ میں کچھ نہیں جانتی۔ بس! جو شکتی مجھے حاصل ہے، اس سے میں بہت سے کام لیتی ہوں لیکن اپنا مستقبل نہیں بنا سکتی۔ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔''

''ہاں! ظاہر ہے۔ ہر قوت محدود ہوتی ہے۔ ویسے ہم کہاں چلیں گے؟'' رتنا نے کہا۔

''یقین کرو! ابھی تک میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ وقت جہاں بھی لے جائے۔ لیکن تم فکر مت کرنا۔ تمہاری زندگی کا اگر کوئی خاص مقصد ہے تو مجھے بتاؤ۔''

''میری زندگی کا کیا مقصد ہو سکتا ہے سمپورنی؟ تم خود سوچو! کوئی بھی تو نہیں ہے میرا اس سنسار میں۔''

''ارے واہ! اب بھی ایسی باتیں کر رہی ہو؟ میں نہیں ہوں تمہارے ساتھ؟''

''سمپورنی! میں یہ سوچتی ہوں کہ اگر تم نہ ملی ہوتیں تو ظاہر ہے میں ایسے ہی بھٹک رہی ہوتی۔ اپنا مقصد پورا کرتی پھر رہی ہوتی اور کہیں نہ کہیں پکڑی جاتی۔ اب تک تو بچ کر بھاگتی رہی ہوں لیکن میرے پاس ایسی قوتیں نہیں ہیں جن سے میں اپنا بچاؤ کر سکوں۔''

''اب میں تمہاری قوت ہوں! تم یہ سمجھ لو کہ میں تمہاری غلام بھی ہوں، تمہاری ساتھی بھی ہوں اور تمہاری دوست بھی ہوں۔''

''ہاں.....''

''تو پھر کیسے کہہ دی یہ بات کہ تمہارا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے؟ ہاں! اگر من کے اندر کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے تو دوسری بات ہے۔''

''ہاں.....''

''میں سمجھی نہیں.....ایسا کوئی من کا میت جو تمہیں اب تک نہ ملا ہو یا ملا ہو تو بھٹک گیا ہو؟''

''سمپورنی! یقین کرو۔ ایسا کوئی بھی نہیں ہے۔ وکرم کھنہ ملے تھے پہلی بار اور بھگوان جانتا ہے کہ میرے من نے ایک لمحے کے لئے بھی کبھی انہیں قبول نہیں کیا تھا۔ جے چند نوجوان تھا اور بہتر بھی تھا۔ لیکن وہ بھی میرے دل کی گہرائیوں کو نہیں چھو سکا تھا۔ اصل میں مجھے کبھی اس کا موقع ہی نہیں ملا۔ ایک بار ایک اور شخص ملا تھا، جس سے تھوڑی سی دلچسپی پیدا

ہوگئی تھی۔ لیکن میں نے اسے مار دیا۔''

''ہمارے لئے سب سے زیادہ دلچسپ چیز سرخ، گاڑھا، نمکین خون ہے جو اگر ہمیں نہ ملے تو سمجھ لو زندگی کا ہر مزہ ادھورا رہ جائے۔'' سمپورنی نے کہا۔

رتنا ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ''پتہ نہیں ہم انسان سے جانور کتنے دن میں بن جائیں گے؟''

''ارے جانور تو ہم ہیں۔ انسان، انسانوں کا خون کہاں پیتے ہیں؟ ان کا گوشت کہاں کھاتے ہیں؟''

''کیسی باتیں کر رہی ہو سمپورنی! اپنے تمام تجربات کے بعد بھی یہ بات کہہ رہی ہو کہ انسان، انسانوں کا خون نہیں پیتے یا گوشت نہیں کھاتے۔ ارے وہ تو ایسے کھاتے ہیں کہ اس بیچارے کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کا خون کب چوسا گیا؟ اس کا گوشت کب کھایا گیا؟ وہ تو ایک ڈھانچے کی شکل میں زندگی بھر چلتا پھرتا رہتا ہے۔ سنسار کے رہنے والے یہی تو سب کچھ کر رہے ہیں؟''

''میں اتنی گہرائی تک نہیں سوچتی۔ ویسے تم کیا بہت زیادہ گہری باتیں نہیں سوچنے لگی ہو؟'' سمپورنی نے سوال کیا۔

رتنا ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ''اس سنسار میں رہ رہی ہوں۔ اتنے دن سے ان کی تمام حرکتوں کو دیکھ رہی ہوں، پرکھ رہی ہوں۔ تو کیا اتنا بھی نہیں سوچ پاؤں گی؟''

''ہاں! خیر یہ بات تو ٹھیک ہے۔ عمر سب سے بڑا تجربہ دیتی ہے۔ اور وہی تجربہ سب سے زیادہ کارآمد ہوتا ہے۔ لیکن ایک بات کہوں رتنا.....اپنے آپ کو ہمیشہ آزاد رکھو۔ اپنے ذہن کو ترو تازہ رکھو۔ اگر ذہن پر کوئی بوجھ رکھو گی تو یہ سمجھ لو، سنسار میں کوئی کام کرنا تمہارے لئے بڑا مشکل ہوگا۔''

''میں جانتی ہوں۔'' رتنا نے جواب دیا۔ اس کے بعد خاموشی طاری ہوگئی۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا تھا اور باہر کے دوڑتے ہوئے مناظر اب آنکھوں کو برے لگنے لگے تھے۔ دونوں نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کے بعد وہ سو گئیں۔ نیند بھی آئی تو ایسی کہ ساری رات سوتی رہیں۔ جب جاگیں تو سورج آہستہ آہستہ نکل رہا تھا۔ ٹرین کی رفتار بہت سست تھی۔ کانوں میں سب سے پہلے پیتل کے بڑے بڑے گھنٹوں کی آواز اُبھری۔

سمپورنی نے کہا۔ ''شاید کوئی شہر آیا ہے۔''

''ہاں! باہر عمارتیں بھاگ رہی ہیں۔ ارے دیکھو! وہ کتنا بڑا دریا ہے۔''

''کون سی جگہ ہے یہ؟''

''پتہ نہیں۔''

تھوڑی دیر کے بعد ٹرین دریا کے پل پر سے گزری اور اس کے بعد ریلوے سٹیشن جا کر رُک گئی۔ یہ ایک مذہبی شہر تھا جس کی کہانیاں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ دریا اس پورے شہر کے پاس سے گزرتا تھا اور دریا کے کنارے کنارے مندر کھڑے ہوئے تھے۔

سمپورنی نے دلچسپی سے ان مندروں کو دیکھا اور بولی۔ ''چلو! یہیں اتر جاتے ہیں۔ ہمیں کون سا کوئی بڑا کام کرنا ہے؟''

رتنا کو تو بہرحال سمپورنی کا سہارا چاہئے تھا۔ بھلا اس بات پر وہ کیا اعتراض کرتی۔ چنانچہ خاموشی سے نیچے اتر گئی۔ یہ کوئی بہت بڑی جگہ تھی جہاں ہندو مذہب کے ماننے والے پوجا پاٹ کے لئے آتے تھے۔

ٹرین سے بے شمار یاتری نیچے اترے تھے۔ اس کے بعد سمپورنی اور رتنا بھی ریلوے پلیٹ فارم پر آ گئیں۔ دونوں اِدھر اُدھر دیکھتی جا رہی تھیں۔ اچھا خاصا بڑا شہر تھا۔ سمپورنی نے ریلوے پلیٹ فارم سے نکلتے ہوئے کہا۔ ''کیا خیال ہے رتنا! کبھی تو نے اندر سے ان مندروں کی پوجا پاٹ دیکھی ہے؟''

''نہیں! ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا۔ بس! ایک بار مندر تک پہنچی تھی۔ لیکن وہاں کے حالات بہت ہی عجیب وغریب رہے۔''

''ان کی ایک الگ دنیا ہے۔ میرے دل میں ایک بات آئی ہے۔''

''کیا.....''

''ہم ظاہر ہیں پولیس کے چنگل سے نکل کر بھاگی ہیں۔ ہماری تلاش میں یہ بھی ممکن ہے کہ ہماری تصویریں اخباروں میں چھپ جائیں۔ اس وقت اگر ہم کسی اچھے ہوٹل میں قیام کرتے ہیں تو ہمارے لئے مشکل پیش آئے گی۔ کیوں نہ مندروں میں داسی بن کر چلیں۔''

''کیا مطلب؟''

''ان مندروں میں داسیاں ہوتی ہیں۔ پجاری پنڈتوں کی منظور نظر۔ ان کی یہاں بڑی خاطر مدارت ہوتی ہے۔ ذرا تھوڑا سا اُن پجاریوں کا حال بھی دیکھا جائے۔ مزہ آئے گا۔

ویسے بھی وہ بڑے مزے کے لوگ ہوتے ہیں۔ منہ میں رام رام بغل میں اینٹ ان کا مسلک ہوتا ہے۔''

''تمہیں مندروں کے بارے میں بہت زیادہ معلومات ہیں۔''

''نہیں! ایسی بات نہیں۔ بس! سنا ہے۔''

''ایک بات بتاؤ۔''

''ہاں!''

''ہمیں مندروں میں جانے کے لئے کوئی دقت تو نہیں ہو گی؟''

''وہ کیسے؟''

''تمہارا گیان.....''

''تو پھر.....''

''نہیں! میں تو ایسے ہی سوال کر رہی ہوں کہ کیا....''

''نہیں! مجھے کوئی دقت نہیں ہو گی۔ بس ذرا تھوڑا سا حلیہ بدلنا پڑے گا۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ میں تمہیں بتا دوں گی۔'' سمپورنی نے کہا۔ رتنا کو اس کی بات بڑی دلچسپ محسوس ہوئی تھی۔ واقعی یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ایک دلچسپ تجربہ ہو گا۔

پہلے کی بات کچھ اور تھی۔ مگر اب رتنا دنیا کو بہت زیادہ سمجھ چکی تھی۔ دھرما سنگھ، وکرم کھنہ کی حویلی اور باقی چیزوں نے اسے بہت زیادہ ہوشیار کر دیا تھا۔ سمپورنی کے ساتھ زندگی کا لطف آ رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ اگر سمپورنی اسی طرح ساتھ دیتی رہی تو دنیا کے بارے میں بہت سی باتیں بھی معلوم ہو سکتی ہیں اور وہ لطف بھی حاصل ہو سکتا ہے جو اب زندگی کا مقصد بن گیا تھا۔ یعنی انسانی خون......جس کی خود سمپورنی بھی شوقین تھی۔

بہرحال! ایک سنسان سے گوشے میں آ کر سمپورنی نے اسے ایک لباس دیا۔ ایسا ہی لباس اس نے خود پہن لیا۔ سادہ سی سفید دھوتی۔ معمولی سا انداز اختیار کرنے کے بعد وہ وہاں سے آگے بڑھ گئیں اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بڑے مندر کے اندر داخل ہو رہی تھیں۔ دروازے کی دوسری جانب ایک بہت بڑا ہال تھا جہاں پوجا ہو رہی تھی۔ موٹے تازے ننگے جسم والے پجاری، جن کے سر منڈے ہوئے تھے اور ان کے درمیان میں لمبی

لمبی چوٹیاں لٹک رہی تھیں، پوجا کر رہے تھے۔ بڑے بڑے بت وہاں رکھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ بے شمار افراد پھل، مٹھائیاں اور نجانے کیا کیا لا رہے تھے اور دیوی، دیوتاؤں کے چرنوں میں نچھاور کر رہے تھے۔ پنڈت ان کی پیشانیوں پر چندن اور صندل لگا رہے تھے۔ بڑے بڑے برتنوں سے عجیب وغریب قسم کے دھوئیں اٹھ رہے تھے اور ایک انوکھا ہنگامہ یہاں ہو رہا تھا۔

سمپورنی نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ''دیکھ رہی ہو رتنا؟''

''ہاں.....''

''کبھی پوجا پاٹ میں حصہ لیا ہے؟''

''کبھی نہیں۔ لیکن یہ مٹھائیوں کے ڈھیر؟''

''ہاں! یہ سب دیوتاؤں کے پجاریوں کے لئے ہوں گے۔''

''ویسے بڑی عجیب بات ہے۔ مسئلہ بڑا گھمبیر ہے۔ اب ہم کیا کریں؟''

''آؤ ذرا یہاں کا پورا جائزہ لے لیں۔'' سمپورنی نے کہا اور دونوں ہال کے اندرونی دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔ یہاں ایک راہ داری میں چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ ان کمروں میں پجاری رہتے تھے۔ ننگ دھڑنگ چھوٹی سی دھوتی باندھے اِدھر سے اُدھر آ، جا رہے تھے۔

پھر دونوں لڑکیاں مندر کے اندرونی حصے میں پہنچ گئیں۔ ایک بڑے ہال سے گزرتی ہوئیں وہ دونوں ٹھٹک گئیں۔ بے حد حسین وجمیل عورتوں کا مجمع لگا ہوا تھا۔ سب ہنس بول رہی تھیں۔ رتنا نے کہا۔ ''یہ سب.....؟''

''پجارنیں ہیں۔'' سمپورنی نے جواب دیا۔

''مگر یہ کس کام آتی ہیں؟''

''بڑے بڑے تماشے ہوتے ہیں مندروں میں۔ یہ دیوی دیوتاؤں کے سامنے رقص کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ مندروں میں رہنے والے پجاریوں کا دل بھی بہلاتی ہیں۔ کیا سمجھیں؟''

''کمال ہے۔ واقعی میں نے کبھی مندروں میں اتنا سب کچھ نہیں دیکھا۔ ایک پجاری جی مجھے ملے تھے لیکن بیچارے میرا شکار ہو گئے۔'' رتنا نے کہا۔

کافی دیر تک سمپورنی، رتنا کو مختلف جگہیں دکھاتی رہی اور رتنا ایک ایک چیز پر حیرت کا اظہار کرتی رہی۔ پھر جب مندر میں مٹھائی تقسیم ہوئی تو انہوں نے بھی مٹھائی لے کر کھائی۔ سمپورنی نے ایک جگہ منتخب کی اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ مندر کے ایسے حصے میں جو کسی قدر ویران تھا پہنچ کر اس نے کہا۔ ''رتنا! چونکہ ہم ساری رات ریل میں سفر کرتے رہے ہیں۔ مزہ نہیں آیا۔ کیوں نہ ایسا کریں کہ اب تھوڑی دیر آرام کر لیں۔''

رتنا نے اس بات سے اتفاق کیا تھا۔ دونوں ایک جھروکے میں آ کر لیٹ گئیں اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے انہیں دنیا سے بے خبر کر دیا۔

☆.....☆.....☆

پتہ نہیں سمپورنی کی کیا کیفیت تھی۔ لیکن جب رتنا جاگی تو رات ہو چکی تھی اور کانوں میں عجیب سی آواز آ رہی تھی۔ سمپورنی اس کے قریب ہی موجود تھی۔ رتنا نے اس کا شانہ پکڑ کر ہلایا اور بولی۔ ''سمپورنی! دیکھو تو سہی۔''

سمپورنی اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی۔ ''کیا بات ہے؟''

''یہ آوازیں کیسی ہیں؟'' رتنا بولی۔

سمپورنی خاموشی سے سننے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ ''شاید پوجا ہو رہی ہے۔ آؤ! ذرا دیکھیں تو سہی۔''

دونوں خاموشی سے اس طرف بڑھ گئیں۔ سازوں کی آواز پوجا کے ہال سے آ رہی تھی۔ بڑی دلکش آواز تھی۔ اور ہال کا منظر بڑا ہی پر سحر تھا۔ تھالیوں میں دیئے روشن تھے۔ دیو کنیائیں قطار باندھے کھڑی تھیں اور خاص قسم کے لباس میں بے حد حسین نظر آ رہی تھیں۔ چہروں پر جگمگاتے ہوئے ستارے عجیب سا سماں باندھ رہے تھے اور سازوں کی دھن پر ان کے پاؤں تھرک رہے تھے۔ ہال کی فضا بڑی مست تھی۔ پنڈت اور پجاری بھی ڈھول کی تال پر مست ہو رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں تیز سرخی تھی۔ شاید وہ کوئی نشہ آور چیز لئے ہوئے تھے۔ البتہ ہال کی فضا میں کوئی ایسی بدبو نہیں پھیلی ہوئی تھی۔

سمپورنی نے ایک طرف اشارہ کیا اور ہنس پڑی۔

''کیا ہوا؟'' رتنا نے سمپورنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ذرا اُدھر تو دیکھو۔''

آنے والا ایک موٹا تازہ آدمی تھا۔ اس نے اپنے بدن پر ایک دھوتی لپیٹی ہوئی تھی۔ ٹانگیں ستون کی طرح تھیں۔ توند اتنی آگے تھی کہ باقاعدہ نیچے لٹک گئی تھی۔ فٹ بال کی طرح گول اور منڈا ہوا سر، منڈی ہوئی مونچھیں، سر کے درمیان ایک لمبی سی چوٹی لٹک رہی تھی۔

آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں۔ تمام دیویاں اور دیوتا اس کے سامنے جھک گئے اور وہ آگے بڑھتا ہوا ایک بہت بڑی اور مضبوط قسم کی چوکی پر بیٹھ گیا جس پر قالین بچھا ہوا تھا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد ساز ایک دم پھر سے بجنا شروع ہو گئے اور دو حسین لڑکیاں آگے آ گئیں اور انہوں نے رقص کرنا شروع کر دیا۔ سازوں سے ان کے قدم ہلنے جلنے لگے۔ مندر کے پجاری جھوم رہے تھے جبکہ بڑا پجاری، جو کہ صحیح معنوں میں گوشت کا پہاڑ تھا، ساکت بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں ان لڑکیوں پر جمی ہوئی تھیں۔

پھر ایک پجاری نے اس کے سامنے ایک بڑا سا پیالہ رکھ دیا، جس میں کوئی سفید چیز تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' رتنا نے بے اختیار پوچھا۔

''اسے بھنگ کہتے ہیں۔ یہ نشہ آور چیز ہوتی ہے اور یہ تمام لوگ، جن کی آنکھیں سرخ نظر آ رہی ہیں، اس بھنگ سے بھنگی بنے ہوئے ہیں۔'' سمپورنی نے جواب دیا۔

اچانک ہی بڑے پجاری نے پیالہ اُٹھایا اور اسے حلق کے راستے اپنی مٹکا نما توند میں اُنڈیل لیا۔ اس کے بعد وہ پیالا رکھ کر پھر ان لڑکیوں کا رقص دیکھنے لگا۔

سمپورنی نے کہا۔ ''پاپی مندروں میں بیٹھ کر یہ سب کرتے ہیں۔ کتنے شرم کی بات ہے۔'' رتنا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ بہت دیر تک یہ رقص جاری رہا۔ اس کے بعد رتنا بولی۔ ''اب یہاں سے اٹھا جائے۔ پتہ نہیں کیوں مجھے مندر کی اس فضا میں گھٹن سی محسوس ہو رہی ہے۔''

سمپورنی نے گردن ہلا دی اور دونوں اٹھ کر باہر نکل آئیں۔ باہر کا ماحول بھی بہت اچھا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ جو لوگ مندر میں پوجا کے لئے دور دور سے آتے تھے۔ انہوں نے جگہ جگہ اپنے ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں آگ روشن تھی۔ کھانا وغیرہ پک رہا تھا۔ ہر شخص اپنی اپنی مصروفیات میں تھا۔ یاتریوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

رتنا نے کہا۔ ''اندر کی نسبت باہر کا ماحول زیادہ پرسکون ہے۔''

''ہاں! ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' سمپورنی بولی۔

''اب کیا کریں؟'' رتنا نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ آؤ! جب یہاں رکے ہیں تو تھوڑا سا اور تماشہ دیکھیں۔'' سمپورنی بولی۔

''ویسے ہم نے جو کچھ دیکھ لیا ہے وہ کافی ہے۔ اگر تمہارا دل یہاں سے جانے کے لئے

چاہ رہا ہو تو تم جاؤ۔''

ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ اچانک ہی کچھ شور شرابے کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے گھوم کر دیکھا۔ ایک نوجوان بھاگا ہوا آ رہا تھا اور اس کے پیچھے تین چار آدمی آ رہے تھے۔ وہ لڑکا ان کے قریب سے گزرا تو سمپورنی نے اسے غور سے دیکھا۔ انتہائی حسین نقوش کا مالک ایک چوبیس پچیس سالہ نوجوان تھا جس کا چہرہ بری طرح دھول سے اٹا ہوا تھا۔ کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ لیکن چہرے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی معمولی شخصیت کا مالک نہیں ہے۔ جو لوگ اس کے پیچھے آ رہے تھے، وہ بھی اچھے خاصے لباس پہنے ہوئے تھے۔

سمپورنی آہستہ سے بولی۔ ''یہ کیا قصہ ہے؟''

''پتہ نہیں.....''

''تم نے اس لڑکے کو دیکھا؟''

''ہاں.....''

''بھگوان کی سوگند! کتنا سندر ہے۔ کتنی معصومیت ہے اس کے چہرے پر.....''

''میں نے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔'' رتنا نے کہا۔

سمپورنی کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں ان چاروں افراد نے جو اس لڑکے کے پیچھے بھاگ رہے تھے آگے بڑھ کر لڑکے کو دبوچ لیا۔ سمپورنی نے غصے سے کہا۔ ''اگر ان لوگوں نے اسے کوئی نقصان پہنچایا تو میں انہیں جان سے مار دوں گی۔''

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی۔ رتنا نے تعجب سے پوچھا۔ ''ارے سمپورنی! تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے؟''

سمپورنی نے عجیب سی نگاہوں سے رتنا کو دیکھا اور پھر بولی۔ ''رشتے ہوتے نہیں، بن جاتے ہیں۔''

''مطلب...؟'' رتنا حیرت سے بولی۔

''ابھی کوئی مطلب نہیں ہے۔ تم آؤ تو سہی.....''

اتنی دیر میں وہ چاروں افراد نوجوان کو لئے ہوئے واپس پلٹے۔ لیکن ان کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔ وہ بڑی عاجزی سے کہہ رہے تھے۔ ''درشنا مہاراج! سنبھالئے خود کو..... درشنا مہاراج...... درشنا مہاراج.....''

لڑکا کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ سمپورنی نے رتنا کو اشارہ کیا۔ پھر دونوں آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چل پڑیں۔ وہ چاروں افراد ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں کچھ افراد نے ایک بڑا سا خیمہ لگایا ہوا تھا۔ کئی چھوٹے چھوٹے خیمے اس کے آس پاس لگے ہوئے تھے۔ بڑے خیمے کے سامنے کئی افراد کھڑے ہوئے تھے جن میں ایک بڑی بڑی مونچھوں والا شخص بھی تھا جو بہت ہی قیمتی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

جب لڑکا قریب پہنچا تو اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''درشنا! کیوں جیون لے رہا ہے ہمارا؟ کیوں ہماری جان دھیرے دھیرے لے رہا ہے..... پاپی! ہوش میں آ جا..... تجھے بھگوان کا واسطہ! ہوش میں آ جا.....'' یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگا۔

اسی وقت خیمے سے دو تین عورتیں نکل آئیں اور بری طرح روتی ہوئیں اس شخص سے بولیں۔ ''رادھے شام..... رادھے شام.... سنبھالو خود کو..... رادھے شام! کیا کر رہے ہو؟ اپنے آپ کو سنبھالو۔''

ایک عمر رسیدہ عورت زار و قطار روتی ہوئی اس مونچھوں والے آدمی کے پاس پہنچی اور اس کا سر سینے سے لگاتے ہوئے بولی۔ ''بیٹا! بھگوان نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ خود کو سنبھال بیٹا! اگر تم نے ہی ہمت چھوڑ دی تو ہم لوگوں کا کیا بنے گا۔''

''موسی جی! کیا کروں؟ دل پھٹا جا رہا ہے۔ یہ میرا درشنا ہے۔ دیکھو تو سہی! اس کا حال کیا ہو رہا ہے؟ کتنی دور بیٹھا ہوا ہے۔ کپڑے پھاڑ لئے ہیں اس نے موسی جی..... کیسے دیکھوں گا میں یہ سب؟''

''بیٹا! بھگوان سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ مان تو سہی میری بات۔ سنبھال خود کو۔''

''ٹھیک ہے۔''

''چلو..... درشنا! اندر چلو۔'' عمر رسیدہ عورت نے لڑکے سے کہا۔ لڑکا خاموشی سے اندر خیمے میں چلا گیا۔ یہ ساری باتیں رتنا اور سمپورنی نے سنی تھیں۔ دونوں کے چہروں پر فکر کے آثار پھیل گئے تھے۔ خیموں کے آس پاس خاصی گڑبڑ ہو رہی تھی۔ لیکن بہرحال وہ کیا کرتیں اندر تو جا نہیں سکتی تھیں۔ دونوں وہاں سے آگے بڑھ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔

سمپورنی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ رتنا نے کہا۔ ''سمپورنی! کیا

بات ہے؟ اس سے تمہارا کوئی رشتہ بھی نہیں ہے۔ پھر بھی تم اس کے لئے اتنی پریشان ہو۔''

سمپورنی نے نگاہیں اٹھا کر رتنا کو دیکھا اور بولی۔ ''تو، تو ایسے کہہ رہی ہے کہ صبح تک اسے اٹھا کر لے آئے گی اور میرے حوالے کر دے گی۔''

سمپورنی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''نہیں..... مگر یہ کہ میں کوشش تو کروں گی کہ ان کے درمیان شامل ہو جاؤں۔ ان سے معلومات حاصل کروں۔''

''تو اپنا کام کر۔ میں تجھ سے کہہ چکی ہوں کہ اس سلسلے میں جو کچھ بھی کرنا ہے، تجھے ہی کرنا ہے۔ اور مجھے تجھ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ اس وقت سے میں اور تو الگ الگ۔''

سمپورنی ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ''پگلی! میں تجھ سے الگ کب رہتی ہوں۔ لیکن بہرحال میں تجھ سے الگ ہو جاؤں گی۔ تو چنتا مت کر۔''

دوسری صبح جب رتنا اس جگہ سے سو کر اٹھی جہاں رات بھر دونوں نے اپنے قیام کے لئے جگہ بنائی تھی تو اس نے دیکھا کہ سمپورنی غائب ہے۔ رات کے واقعات تیز رفتاری سے اس کے ذہن میں آئے اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے گہرے انداز میں سوچا کہ واقعی ماضی میں سمپورنی انسان ہی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ بہت سے جاپ کرنے کے بعد اسے یہ قوتیں حاصل ہو گئی تھیں کہ وہ خود کسی کے قبضے میں آ جائے۔ بہرحال! یہ سب کچھ بہت ہی دلچسپ اور سنسنی خیز تھا۔

اس نے خیموں کی جانب دیکھا۔ ادھر بھی خاموشی طاری تھی۔ غالباً یہ لوگ رات بھر جاگنے کے بعد سو گئے تھے۔ رتنا نے انتظار کیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے منہ ہاتھ دھویا۔ بھاجی پوری لے کر کھائی۔ سمپورنی کا تو پتہ نہیں تھا۔ اور رتنا جانتی تھی کہ سمپورنی اب اس کے پاس موجود نہیں ہے کیونکہ اس نے خود اس سے یہ بات کہی تھی۔

بہرحال! جب خیموں میں زندگی دوڑ گئی اور سب جاگ گئے تو رتنا آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر خیموں کے پاس پہنچ گئی۔ ایک طرف ایک مونچھوں والا شخص غمگین اور اداس بیٹھا ہوا تھا۔ رتنا اس کے پاس پہنچی اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مونچھوں والے کو نمستے کیا۔

مونچھوں والا چونک کر رتنا کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ ''نمستے..... بٹیا! کون ہے تو؟''

''چاچا جی! بس کیا بتاؤں! دکھوں کی ماری ہوں۔ آپ کے پاس آئی ہوں۔ کچھ پوچھنا

چاہتی ہوں آپ سے۔''

''دکھوں کی ماری ہے؟ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہے؟ اچھا.... بیٹھ میرے سامنے! کیا بات ہے؟ تو میری بیٹی کے برابر ہے۔ میں تجھے بٹیا ہی کہوں گا۔ نام کیا ہے تیرا؟''

''چاچا جی! میرا نام رتنا ہے۔''

''کیا بات ہے رتنا بیٹی؟ کیا پوچھنا چاہتی ہے؟''

چاچا جی! رات کو میں نے آپ لوگوں کو دیکھا تھا۔ آپ بڑے پریشان تھے۔''

''ہاں بٹیا! ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔''

''چاچا جی! اس پریشانی کی وجہ جاننا چاہتی ہوں۔''

''کیوں......؟''

''بس چاچا جی! میرے من میں ایک کرید سی پیدا ہو گئی تھی۔''

''مگر تو ہے کون؟ تیرے ساتھ اور کون ہے؟''

''اکیلی ہوں چاچا جی! کوئی نہیں ہے میرا اس سنسار میں۔ بس ایسے ہی مندروں میں جیون گزار رہی ہوں۔''

''کسی مندر کی داسی ہے؟''

''نہیں چاچا جی! لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ ایک بھکارن ہوں۔ مگر کسی سے پیسے نہیں مانگتی۔ بھگوان کے چرنوں کی بھکارن ہوں۔ رتنا نے کہا۔

بڑی مونچھوں والا شخص اسے غور سے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں محبت کے آثار تھے۔ اس نے رتنا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''نہیں بٹیا! تو جوان ہے۔ کسی نہ کسی ماتا پتا کی بیٹی تو ہو گی ہی۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اس طرح در بدر نہ بھٹکتی پھرے۔''

''چاچا جی! چھوڑیئے ان باتوں کو۔ میں تو آپ کا دکھ پوچھنے کے لئے آئی تھی۔''

''نہیں بٹیا! میرا دکھ تو خیر بہت ہی بڑا ہے۔ کیا بتاؤں تجھے۔ مگر تیرا دکھ بھی چھوٹا نہیں ہے۔ ایک جوان لڑکی سنسار میں ٹھوکریں کھاتی پھرے۔ پتہ نہیں کہاں اور کس کے ہاتھوں سے نقصان پہنچ جائے۔ اگر تو مجھے چاچا جی کہتی ہے تو پھر میری بات مان لے۔''

''کیا چاچا جی؟''

''یہی کہ اب تجھے میرے ساتھ رہنا ہوگا۔''

''عجیب سی بات ہے چاچا جی! میں تو ایسے ہی آپ کے پاس آ گئی تھی۔ لیکن آپ بہت ہی بڑے انسان ہیں۔ اگر آپ یہ حکم دیں گے تو ٹھیک ہے۔ میں یہ حکم مان لوں گی۔ میرے من میں جو کچھ ہے، کم از کم اس کی تسلی تو آپ کر دیجئے۔''

بڑی مونچھوں والے آدمی کے چہرے پر ایک اُداس سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔ ''بٹیا! اگر میں تجھے بتا بھی دوں تو، تو کر بھی کیا سکتی ہے؟''

''یہ بات نہ کہیں چاچا جی کبھی کبھی پاؤں کے نیچے دبی ہوئی چیونٹی بھی کام آ جاتی ہے۔''

''تو نے اپنا نام رتنا بتایا ہے نا؟''

''ہاں!''

''میرا نام رادھے شام ہے۔ میں یہاں کسی خاص کام سے آیا ہوں۔ میرے بیٹے کا نام سندر لال ہے۔ بہت بڑا کاروبار کرتا ہے وہ۔ درشنا میرا پوتا ہے۔ تو یہ سمجھ لے کہ میرے گھر کا چراغ...... میرا جیون...... میری زندگی ہے۔ درشنا کے بغیر میں اپنے آپ کو انسان نہیں، جانور سمجھتا ہوں۔ سنسار کے سارے سکھ میں درشنا کے قدموں میں ڈالنے کے تیار ہوں۔ مگر میرا پیارا پوتا بڑی مشکل میں پڑ گیا ہے۔ ایک ایسی مشکل میں جس کے بارے میں بس میں کیا بتاؤں۔''

''چاچا جی! آپ تو بہت بڑے آدمی ہے۔ معافی چاہتی ہوں، میں نے آپ کو چاچا جی کہہ کر مخاطب کیا۔ بھلا میں راستے کی دھول، آپ کی برابری کیسے کر سکتی ہوں۔ اتنے بڑے آدمی کو چاچا کیسے کہہ سکتی ہوں؟''

''جوتے مار رہی ہے میرے منہ پر..... ارے باؤلی! بڑن کون ہوتا ہے؟ کاہے کی بڑائی..... دیکھ لے میری بڑائی..... اپنے دل کے ٹکڑے کو لئے لئے پھرتا ہوں۔ وہ چیتھڑوں میں لپٹا چہرے پر دھول سجائے بھاگتا پھر رہا ہے اور اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ جبکہ میں نے اس سے کہا تھا کہ اگر اس کے پاؤں کے ناخن میں بھی چوٹ لگے تو میں سنسار کے سارے ڈاکٹر لا کر اس کے چرنوں میں رکھ دوں گا۔ پتہ نہیں بھگوان کو میری کون سی بات بری لگ گئی۔ بہر حال...... بٹیا! یہ ہماری پریشانی ہے۔''

''مگر چاچا جی! ہوا کیا ہے درشنا کو؟ کتنا بڑا ہے وہ؟''

''چوبیس سال کا ہے۔ پچیسویں میں لگا ہے اور پچیسواں سال ہی اس کے لئے مصیبت

بن گیا ہے۔''

''ہوا کیا تھا چاچا جی؟ بتائیں تو۔''

رادھے شام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ بولا۔ ''تیری صورت بھی اتنی معصوم ہے اور تو نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا ہے...... اچھا! ایک بات سن۔ پہلے میری ایک بات کا جواب دے۔''

''جی چاچا جی؟''

''میرے ساتھ رہے گی نا؟''

''جی..... چاچا جی..... میں.....''

''کیا میں.....؟''

''چاچا جی! میرا مطلب ہے کہ آپ کے گھر کے لوگ کیا کہیں گے؟''

''ارے پاگل! میں اپنے گھر کا مالک ہوں۔ یہ سب میرے نیچے کے لوگ ہیں۔ کسی کی کیا مجال کہ کوئی کچھ کہے۔ اور پھر میری اور تیری عمر کا اتنا فرق ہے کہ تجھے میری بیٹی یا پوتی تو کہا جا سکتا ہے، کوئی بری بات نہیں سوچی جا سکتی۔ بٹیا! کیوں ایسی بات سوچی ہے تو نے؟''

''چاچا جی! کہیں ایسا نہ ہو کہ کل آپ کو اپنا پیار سمیٹ کر مجھے اپنے گھر سے نکالنا پڑے۔''

''نہیں بٹیا! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ بول! اب وعدہ کرتی ہے؟''

''جیسا آپ کا حکم چاچا جی.....''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ پہلے تو اپنا حلیہ بدل۔ کھا، پی۔ میں تجھے بعد میں بتاؤں گا کہ قصہ کیا ہے۔''

''چاچا جی.....''

''بس! اب چاچا جی..... چاچا جی مت کر۔ یہ میں کہہ رہا ہوں۔''

اور پھر رادھے شام جی نے لوگوں کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ انہی میں رادھے شام جی کی دھرم پتنی بھی تھیں اور اس لڑکے کی ماں بھی جو بہت غمزدہ نظر آتی تھی۔ دوسرے بہت سے ملازم اور بہت سے لوگ۔ رادھے شام واقعی ایک دولت مند آدمی تھے۔ انہوں نے سب کو جمع کیا اور کہا۔ ''دیکھو بھئی! بھگوان نے ہمیں ایک اور بیٹی دے دی ہے۔ بیٹی کی

آرزو تھی نا ہم سب لوگوں کو؟''

''کون ہے یہ؟''

''رتنا ہے اس کا نام۔''

''مگر ہے کون یہ؟''

''یہ سوال تم میں سے آئندہ کوئی نہیں کہے گا۔ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ میری بیٹی ہے۔''

''ارے تو ٹھیک ہے نا۔ کون انکار کرتا ہے اس سے۔ آ بیٹی! اندر آ جا۔ باہر کیوں بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ شام جی تو بس ایسے ہی ہیں۔''

یہ غالباً شام جی کی دھرم پتنی تھیں۔ انہوں نے بڑے پیار سے رتنا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔ ''منہ ہاتھ دھو لے۔ میں تجھے نئی ساڑھی دیتی ہوں۔ پہن لینا۔ اس کے بعد میں خود تجھ سے پوچھوں گی کہ تو کون ہے۔''

رتنا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ نئی ساڑھی پہن کر وہ واقعی بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ ویسے تو وہ بہت خوبصورت تھی۔ جو دیکھتا، دل پکڑ کر رہ جاتا۔ لیکن جب بناؤ سنگھار کرتی تو دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ جاتے تھے۔ سب رتنا کی تعریفیں کرنے لگے۔ پھر رادھے شام جی کی دھرم پتنی نے پوچھا۔ ''بیٹی! مگر تو ہے کون؟ بتائے گی؟''

اتنی دیر میں رادھے شام جی اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے غصے سے کہا۔ ''دیکھو! میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کوئی اس سے اس کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔ اور رتنا بٹیا! اگر تو نے انہیں اپنے بارے میں بتایا تو تیرا میرا جھگڑا ہو جائے گا اور میں تجھ سے بات نہیں کروں گا۔''

''ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے.... یہ رادھے شام جی ایسے ہی آدمی ہیں۔ تو جو کوئی بھی ہے بٹیا! بس رادھے شام جی نے تجھے اپنی بیٹی بنایا۔ تو ہماری بیٹی بھی ہے۔ اچھا! یہ تو بتا دو کم از کم کہ یہ رہے گی کہاں؟''

''تو بیٹیاں کہاں رہتی ہیں، ماتا پتا کے ساتھ۔'' رادھے شام جی نے کہا۔

رتنا کی نگاہیں اس لڑکے کو تلاش کر رہی تھیں جس کا نام درشنا تھا۔ پورا نام پتہ نہیں کیا تھا۔ لیکن اس وقت وہ یہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔ رتنا خاموش ہو گئی۔ کوئی بھی کام اتنی جلد بازی

میں نہیں کرنا چاہتی تھی کہ کسی کو شک ہو جائے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں نے اسے اتنی محبت دی تھی کہ رتنا شرمندہ ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں اس کے ہاتھوں ان لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ لیکن جب اس نے اس بات پر غور کیا کہ سمپورنی تو درشنا سے محبت کرنے لگی ہے اور یقیناً وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی تو وہ مطمئن ہو گئی۔ ورنہ دوسری صورت میں اس کا دل ضرور دکھتا۔ پھر رات کو وہ خاموشی سے اپنے خیمے سے باہر نکل آئی۔ ان لوگوں نے اسے ایک چھوٹا سا خیمہ الگ دیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ آرام سے سو جائے۔ اسے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔

رتنا نے کہا تھا۔ ''چاچا جی! میں دو در بدر ماری ماری پھر رہی تھی۔ بس! بھگوان کی دیا ہے مجھ پر کہ ابھی تک مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔''

بہرحال! وہ سمپورنی کی تلاش میں نکلی تھی کہ سمپورنی کو صورتحال بتائے۔ تھوڑی دور پہنچی تھی کہ عقب سے اسے آواز آئی۔ ''میں جانتی ہوں کہ تو مجھے تلاش کر رہی ہے۔''

رتنا نے پلٹ کر دیکھا تو سمپورنی موجود تھی۔ رتنا مسکرا کر بولی۔ ''تو بڑی بے چین ہو گی مجھ سے ملنے کے لئے۔''

''تو اور کیا نہیں ہوتی؟ ویسے بھی تجھ سے ملنا بہت ضروری ہے۔''

''کیوں.....''

''بس ایسے ہی..... ایک کام تھا مجھے۔ اور اس کام سے میں چھ دن کے لئے جانا چاہتی تھی۔ تجھے بتانا ضروری تھا۔''

''ارے تجھے بھی کوئی کام ہوتا ہے؟'' رتنا نے تعجب سے پوچھا۔

''جانتی ہے..... اس سے میرے دل کو لگی ہوئی ہے۔ میں کہیں نہ جاتی۔ مگر میں کیا کروں؟ کچھ ایسے راز ہیں جنہیں راز رکھنا میرے لئے بے حد ضروری ہے۔ میرا دل اگر چاہے بھی تو میں تجھے وہ راز نہیں بتا سکتی۔ سمجھ رہی ہو میری بات؟ بس! یہ سمجھ لو بہت ہی اہم کام ہے۔ کیا کہوں تجھے اور کیا بتاؤں؟''

''نہیں! اگر ایسی کوئی بات ہے تو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن مجھے بتا کہ میں اس سلسلے میں کیا کروں؟''

''دیکھ! تجھے تلاش کرنا میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہو گا۔ پہلی بات تو یہ کہ میں تجھے

یہیں تلاش کرلوں گی اور اگر اتفاق سے تو مجھے نہ بھی ملی تو تجھ تک پہنچنا میرے لئے کوئی مشکل بات نہیں ہوگی۔ میں تجھے تلاش کر کے تیرے پاس پہنچ جاؤں گی۔''

''اچھا! خیر ٹھیک ہے۔ تو میری بات سن۔ تجھے یہ بات تو پتہ ہوگی کہ میں ان لوگوں کے بیچ داخل ہوگئی ہوں۔''

''اچھی طرح پتہ ہے۔ اور بہرحال! یہ تیری عقل مندی ہے کہ تو نے صحیح جگہ ہاتھ مارا۔ یہ بتا! ابھی کچھ پتہ چل سکا ہے یا نہیں؟''

''تھوڑی سی باتیں پتہ چلی ہیں۔ ایک اجنبی کو ایک دم تو ساری باتیں نہیں بتائی جا سکتیں۔''

''تھوڑی سی باتیں کیا ہیں؟'' سمپورنی نے پوچھا۔

رتنا سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس کے بعد اس نے کہا۔ ''اس کا نام درشنا ہے۔ درشنا کے بارے میں سنا گیا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ اب نجانے کیا ہوگیا ہے اسے۔ وہ لوگ اسے یاترا کے لئے لائے تھے۔ دیکھو، کیا ہوتا ہے؟''

''خیر! یہ تو بعد میں پتہ چل جائے گا۔ بہرحال! اب میں چلتی ہوں۔ سات دن کے بعد پھر تم سے ملوں گی اور پھر تم سے درشنا کے بارے میں پوچھوں گی۔''

''ہاں ٹھیک ہے! ایسا ہی کرنا۔'' رتنا نے جواب دیا اور سمپورنی وہاں سے چلی گئی۔

رتنا بہرحال وہاں اپنا ایک مقام بنانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ سب لوگ رتنا سے محبت کا اظہار کرتے تھے۔ آخر کار رتنا کو صورتحال جاننے کا موقع مل گیا۔ شانتی دیوی جو درشنا کی دادی تھیں، رتنا سے بہت زیادہ محبت کرنے لگی تھیں۔ انہوں نے رتنا کو بتایا۔ ''بالکل ٹھیک تھا میرا درشنا۔ ایک بار دوستوں کے ساتھ کسی ایسی جگہ چلا گیا جہاں ویرانہ تھا اور اس ویرانے میں کوئی چڑیل اس کے پیچھے لگ گئی۔ بس! اسی وقت سے اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے اور وہ ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں کرتا رہتا ہے۔ وہ اتنا اچھا لڑکا تھا کہ میں تجھے بتا نہیں سکتی رتنا۔ دیکھو بھگوان کی کیا مرضی ہے، کیسے ٹھیک ہوتا ہے۔'' غرض یہ کہ ان لوگوں نے رتنا کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور رتنا ان کی احسان مند ہوگئی۔ پھر اس کے دل میں بھی بار بار یہ خیال آیا تھا کہ وہ نوجوان، جسے سمپورنی نے پسند کرلیا تھا ٹھیک ہو جائے۔ ویسے یہ بات وہ جانتی تھی کہ سمپورنی بیکار اور بے مقصد نہیں گئی ہے۔ یقینی طور پر وہ اب ایسا چکر چلائے گی

جس سے درشنا ٹھیک ہو جائے۔ رتنا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس نے سوچا کہ عورت کسی بھی شکل میں ہو، بہرحال کسی نہ کسی مرد سے متاثر ضرور ہو جاتی ہے۔ سمپورنی جیسی جادوگرنی آخر کار کسی کی نظر کی گھائل ہوگئی تھی اور اب اس کے لئے چکر چلا رہی تھی۔

☆

رندھیرا کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس کا شکار اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔ یہ اس کے لئے بہت بڑی گالی تھی۔ نہ صرف گالی تھی بلکہ اس سے اس کے جادو پر بھی بہت بڑی ضرب پڑتی تھی۔ کالے جادو کے ماہروں کا اپنا ایک عمل ہوتا ہے اور انہیں اپنی جادو کی قوت برقرار رکھنے کے لئے بہت سی شیطانی قوتوں کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر ان کا جادو کسی جگہ فیل ہو جائے تو ان سے بہت سی طاقتیں چھین لی جاتی ہیں اور انہی طاقتوں کے حصول کی کوشش اگر ناکام ہو جائے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ خود کالے جادو کا ماہر اپنے ہی جادو میں گرفتار ہوکر ختم ہو جاتا ہے۔

رندھیرا نے جب اس کھنڈر میں ممدو کو غائب پایا تو اس پر خوف و دہشت طاری ہوگئی۔ کافی دیر تک وہ سوچ میں ڈوبی رہی کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے بہرحال کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔ کھنڈر میں اس نے ایک جگہ مخصوص کی اور آس پاس کے جنگل سے لکڑیاں چننے نکل گئی۔ چھوٹی چھوٹی ایک ہی سائز کی بے شمار لکڑیاں اکٹھی کرنے کے بعد اس نے ایک الاؤ بنایا اور پھر ایک اینٹ کو پیس کر اس کا باریک برادہ بنا لیا۔ اسے بہت سے عمل کرنے تھے اور اس کے لئے اسے شدید محنت کرنا پڑی تھی۔ آخر کار وہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ اس نے الاؤ روشن کرلیا۔ لکڑیاں آہستہ آہستہ سلگتی رہیں اور اس کے بعد کوئلوں کا الاؤ بن گئیں۔ اس دوران وہ اینٹ کے برادے پر جادو منتر پڑھتی رہی تھی اور اپنے کام میں وہ اس قدر محو تھی کہ اسے یہ احساس بھی نہیں ہو سکا کہ کوئی اس کھنڈر میں داخل ہوا ہے اور وہ بھی ایک ایسی شخصیت جو انتہائی خوفناک ہے۔

یہ شردھا تھی۔ ایک چڑیل..... ڈائن..... ایک ایسی بدروح جس کے تصور سے ہی خوف آئے۔ شردھا، دھرما سنگھ کو قبر کی گہرائیوں میں اتار کر گرفتار کرنے کے بعد نجانے کہاں کہاں رتنا کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی۔ رتنا اس کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔ رتنا نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا تھا۔ حالانکہ شردھا پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات نہیں کہہ سکتی

تھی کہ جو کچھ کیا ہے، رتنا نے ہی کیا ہے۔ لیکن پھر بھی بہر حال اسے رتنا کی تلاش تھی اور اس تلاش میں نجانے کہاں کہاں بھٹکتی ہوئی وہ اس کھنڈر میں آنکلی تھی اور یہاں اس نے رندھیرا کو دیکھا تھا۔ کچھ لمحے تک وہ اپنی جادوئی قوتوں کے ساتھ رندھیرا کا جائزہ لیتی رہی اور پھر اس نے دیکھا کہ رندھیرا نے پسی ہوئی اینٹ کا برادہ الاؤ پر ڈالا۔ الاؤ کے شعلے ایک دم سرد ہو گئے اور یوں لگا جیسے ماحول ایک دم سرد ہو گیا ہو۔ شردھا دلچسپی سے اس جادوگر عورت کے یہ کام دیکھ رہی تھی۔

رندھیرا نے دوبارہ اینٹ کا برادہ الاؤ پر ڈالا تو الاؤ میں کچھ تصویریں نمودار ہونے لگیں۔ تب اس نے دیکھا کہ مدو کے سامنے ایک لڑکی موجود ہے۔ رندھیرا اُس لڑکی کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کے دماغ میں کچھ مٹے مٹے نقوش سے آنے لگے۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنا شروع کر دیا..... لیکن دوسری طرف شردھا شدت حیرت سے دیوانی ہو گئی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے اندر اندر رتنا کو پہچان لیا تھا جو اس پتھر کے جسم والے انسان کے پاس موجود تھی اور مدو اسے اپنی کہانی سنا رہا تھا۔ ایک طرف رندھیرا حیران تھی اور دوسری طرف شردھا۔ اور پھر رندھیرا کو ساری کیفیت معلوم ہو گئی۔ اس کو پتہ چل گیا کہ سمپورنی اب رتنا کے قبضے میں ہے۔ رندھیرا، رتنا کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگی۔ برادے کا آخر حصہ اس نے الاؤ میں ڈالا اور اس کے بعد اس نے وہ سارا منظر دیکھ لیا۔ سمپورنی تو نظر نہیں آئی لیکن رتنا، رادھے شام اور ان کا گھرانہ۔ یہ ساری چیزیں رندھیرا نے دیکھ لیں اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگی۔ پھر اس نے اچانک ہی دونوں ہاتھ بلند کئے اور الاؤ پھر سے روشن ہو گیا۔ اسی لمحے اسے شردھا کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ وہ واپس پلٹی اور شردھا کو دیکھنے لگی۔ اس کے سامنے ایک انتہائی خوفناک شکل موجود تھی۔ رندھیرا نے کہا۔ ''کک.....کون ہے تو؟''

''پہلے تو اپنے بارے میں بتا۔'' شردھا بولی۔

''اگر میں نے تجھے اپنے بارے میں بتایا تو پھر تیرا وجود اس سنسار میں نہیں ہو گا۔'' رندھیرا نے غراتی ہوئی آواز میں کہا اور شردھا ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ''پاگل ہے تو۔ مجھے غصہ نہ دلا۔ اگر مجھے غصہ آ گیا تو تیرے لئے بہت مشکل ہو جائے گا۔''

''یہ بات ہے؟'' رندھیرا نے کہا۔

''ہاں! جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ بالکل سچ ہے۔''

''تو پھر یہ ہے۔'' رندھیرا نے اچانک ہی دونوں مٹھیاں کھول کر سامنے کیں اور اچانک ہی اس کے ہاتھوں کی انگلیوں سے سانپوں کے پھن لہرانے لگے۔ لمبے لمبے باریک سانپ اس کی انگلیوں سے اُڑے اور شردھا کے بدن سے ٹکرائے۔ یہ باقاعدہ زہریلے سانپ تھے اور ان میں سے کوئی بھی اگر کسی انسان کے جسم پر کاٹ لیتا تو وہ پانی بن کر بہہ جاتا۔ لیکن رندھیرا نے دیکھا کہ جیسے ہی سانپ شردھا کے بدن سے ٹکرائے، ننھی ننھی چنگاریاں بلند ہوئیں اور سانپ جل کر خاکستر ہو گئے۔

شردھا اب بھی ہنس رہی تھی۔ رندھیرا نے فوراً ہی اپنا دوسرا منتر آزمایا۔ اس نے ایک دم دونوں ہاتھ گھمائے اور لوہے کا ایک بڑا سا جال شردھا پر آ گرا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے یہ لوہا آگ کی طرح سرخ ہوا اور جال پگھل کر زمین پر گر پڑا اور رندھیرا کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔ اس نے وحشت زدہ انداز میں شردھا کو دیکھا اور پھر بھاگنے کی تیاری کرنے لگی۔ لیکن شردھا نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''نہیں! اگر تو یہ سمجھ رہی ہے کہ میں تجھ پر کوئی وار کروں گی، تو ایسا نہ سوچ۔ میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی۔''

''کون ہے تو..... بڑی مہان..... جادو کی بہت بڑی شکتی رکھتی ہے تو۔''

''میں جو کوئی بھی ہوں، پہلے تو یہ سوچ کہ اگر میں تجھے نقصان پہنچانا چاہتی تو جب تو نے مجھ پر وار کیا تھا تو میں بھی تجھ پر جوابی وار کرتی۔ اس لئے سمجھ لے کہ میں تیری دشمن نہیں ہوں۔''

رندھیرا نے گہری نگاہوں سے شردھا کو دیکھا اور بولی۔ ''اگر ایسی بات ہے تو مجھے اپنے بارے میں بتا کہ تو کون ہے؟''

''شردھا ہے میرا نام۔ میرے پاس کچھ ایسے جادو منتر ہیں جو تیرے پاس کبھی نہیں ہو سکتے اور جانتی ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟''

''میں نہیں جانتی۔''

''میں اپنا جیون کھو چکی ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''تیرا جادو انہیں نقصان پہنچا سکتا ہے جو جیتے ہیں۔ مگر میں زندہ نہیں ہوں۔''

''تت.....تو...تو....''

''ہاں! میں صرف آتما ہوں۔ ایک ایسی آتما جس کے من میں ایک آگ ہے..... کچھ لوگوں سے بدلہ لینے کی آگ.....اور اس آگ میں جل کر میں سنسار میں بھٹک رہی ہوں۔ میں نے ایک شریر اپنا لیا ہے لیکن یہ شریر میرا اپنا ہے اور کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور نہ ہی کوئی اس شریر کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ہاں..... میری آتما اگر کسی کے خلاف ہو جائے تو پھر اس سنسار میں اس کا جینا مشکل ہو سکتا ہے۔ کیا سمجھی؟''

''سمجھ رہی ہوں۔'' رندھیرا نے کہا۔

''اور میں جانتی ہوں کہ تو شریر بھی ہے اور آتما بھی۔ میں نے تیرے جادو منتر دیکھے ہیں۔ یقیناً تیرے پاس ایک بہت بڑا علم ہے۔ بہت بڑا گیان ہے۔ لیکن میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے۔''

''کیا.....''

''نہیں.....اب یہ غلط ہے۔''

''کیا غلط ہے؟''

''یہی کہ میں ہی تجھے اپنے بارے میں بتائے جا رہی ہوں اور تو نے ابھی تک اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے۔''

''میرے بارے میں تو کچھ نہیں جانتی۔ چونکہ تو آتما ہے۔ تجھے اندازہ ہے کہ میں نے جادو منتر سیکھے ہیں اور اس میں کافی کام کر چکی ہوں۔ لیکن مجھے ایک چوٹ ہوئی ہے جس سے میں بڑی پریشان ہو گئی ہوں۔''

''کیسی چوٹ؟''

''ایک پاپی لڑکی نے مجھے نقصان پہنچایا ہے اور اس کا نام رتنا ہے۔ اب میں اسے پہچان چکی ہوں۔''

''کیا نقصان پہنچایا ہے؟''

''سمپورنی مجھ سے چھین لی ہے۔ حالانکہ میں سمپورنی کی مالک تھی۔ مگر اب وہ آزاد ہو گئی ہے کیونکہ کسی اور کے قبضے میں چلی گئی ہے اور مجھ سے بہت بڑا دھوکہ ہوا ہے۔'' رندھیرا نے آخر کار ساری کہانی شردھا کو سنا دی اور شردھا کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات پھیل

گئے۔

پھر شردھا نے کہا۔ ''تو نے ابھی اپنے جلائے ہوئے الاؤ میں جو چہرہ دیکھا تھا، وہ رتنا ہی کا تھا۔ اگر دل چاہے تو، تو مجھ سے ایک سودا کر۔ یہ سودا تیرے لئے فائدہ مند ثابت ہوگا۔''

''کیسا سودا؟'' رندھیرا نے پوچھا۔

''ہم دونوں مل کر رتنا کے پاس چلتے ہیں۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہے؟ کیا رتنا ہمیں پہچان نہیں جائے گی؟''

''پاگل! ہم کوئی اس کے سر پر جا کر تو نہیں بیٹھ جائیں گے۔ اس سے الگ رہیں گے۔'' شردھا نے کہا۔

''اچھا! پھر.....؟'' رندھیرا نے پوچھا۔

''رتنا کو میں اپنے قبضے میں کر لوں گی اور سمپورنی کو تم اپنے قبضے میں کر لینا۔''

''یہ اتنا آسان تو نہیں ہوگا۔''

''کیوں؟''

''سمپورنی اب آزاد ہو چکی ہے اور وہ بذات خود بہت بڑی جادوگرنی ہے۔ اب وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔''

''ہوں.....مگر ہمارے پاس عقل ہے۔ ہم اپنی عقل سے کام لے سکتے ہیں۔''

''کیسے؟''

''اس کا بندوبست کرنا ہوگا۔''

''وہ بہت چالاک ہے۔ اگر اسے ہماری خوشبو بھی مل گئی تو پھر وہ ہمارے قبضے میں نہیں آئے گی۔''

''دیکھ رندھیرا! میں رتنا کو قابو میں کرنا چاہتی ہوں اور تو سمپورنی کو۔ لیکن ایک بات سمجھ لے۔ اگر تو نے کوئی دھوکہ کیا تو......''

''پھنکارتے ہوئے ساٹھ کیڑوں کی سوگند! میں تجھ سے کوئی دھوکہ نہیں کروں گی۔ لیکن اگر تو نے کوئی دھوکہ کیا تو سنسار میں مجھ سے بڑا تیرا دشمن کوئی نہ ہوگا۔''

شردھا نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

☆.....☆.....☆

رادھے شام جی کے گھر کے معاملات جوں کے توں چل رہے تھے۔ اس کے باوجود کہ وہ لوگ سخت پریشان تھے اور بلاشبہ اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا کہ درشنا اس گھر کی روشنی تھا۔ ہر شخص اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا لیکن وہ بیچارہ بس کھویا کھویا سا رہتا تھا۔ کبھی کبھی اس کی کیفیت خراب بھی ہو جاتی تھی لیکن ایسے وقت گھر کے لوگ اسے اندرونی کمرے میں بند کر دیا کرتے تھے اور خود بھی اس کے ساتھ ہوا کرتے تھے اس لئے آج تک رتنا نے اس کی اس کیفیت کو نہیں دیکھا تھا۔

چھٹے دن سمپورنی واپس آ گئی۔ رات کو وہ اس وقت رتنا سے ملی جب رتنا آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ سمپورنی کے چہرے پر اطمینان ہی اطمینان تھا۔ اس نے کہا۔ ''معاف کرنا رتنا! حالانکہ میں تمہاری داسی ہوں۔ تمہارے احکامات کی پابند ہوں لیکن تم نے مجھ سے خود ہی دوستی کر کے مجھے آزاد کر دیا ہے۔ اب ہم تم دونوں دوست کی حیثیت سے رہتے ہیں۔

''ہاں! کیوں نہیں؟ مگر تجھے یہ بات کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی سمپورنی؟''

''ایسے ہی.....''

''مگر تم گئی کہاں تھیں؟''

''یہ من کا روگ بھی عجیب ہوتا ہے۔ یہ بتا رتنا! کہ تجھے کبھی من کا روگ لگا ہے؟''

رتنا کے ہونٹوں پر ایک اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ ''نہیں! بات اصل میں یہ ہے..... بلکہ سب کچھ تو بتا چکی ہوں تجھے اپنے بارے میں۔ مجھے اس کا موقع بھی کہاں ملا ہے؟ بچپن میں ماتا پتا مر گئے۔ اس کے بعد جو جیون گزرا اس کے بارے میں بھی تمہیں بتا چکی ہوں۔ پھر وکرم کھنہ ملا۔ ایک بوڑھا گدھ جو صرف اپنی ہوس پوری کرتا تھا۔ اس کمینی شردھا نے مجھے اس کے جال میں پھنسا دیا تھا۔ جے چند بھی میرے دل کی دیواروں کو نہیں

چھو سکا۔''

''کہنا کیا چاہتی ہے تو کہ تو نے کبھی اپنے جیون میں کسی سے پریم نہیں کیا؟''

''میں نے تجھ سے کہا نا، ایسا موقع کبھی ملا ہی نہیں۔''

''تبھی تو..... حالانکہ سنسار میں رہ کر سنسار کی ساری باتوں کو جاننا ضروری ہے۔''

''ایک بات بتا سمپورنی!''

''ہاں!''

''کیا پریم کیا جاتا ہے؟''

''نہیں! تو جو سوال کر رہی ہے، اس کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ یہ بہت پرانا سوال ہے۔ مگر ہر بار نیا محسوس ہوتا ہے۔ اب مجھے دیکھ۔ کیسا جیون ہے میرا۔ مگر پھنس گئی جال میں۔ اور اب نجانے کہاں ماری ماری پھر رہی ہوں۔

''میں تو اب بھی تجھ سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ تو کہاں گئی تھی۔''

''اب میں تجھے بتاؤں گی کہ میں کہاں گئی تھی۔ میں تجھے اب تک یہی بتاتی رہی ہوں کہ من کو جو روگ لگا ہے، وہ پاپی چین سے کہاں بیٹھنے دیتا ہے۔ بیچارہ درشنا جس مشکل میں پھنسا ہے، میں اس مشکل کا حل تلاش کرنے گئی تھی۔

''ملا.....؟''

''کیوں نہ ملتا۔ تلاش کرنے والا کون تھا..... میں!''

''کیا ہوا.....؟'' رتنا پر مسرت لہجے میں بولی۔ اس خاندان کا جو رویہ اس کے ساتھ رہا تھا، اس نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔ رتنا دل سے چاہتی تھی کہ درشنا ٹھیک ہو جائے۔ حالانکہ سمپورنی کے تو دل کا معاملہ تھا لیکن رتنا ان لوگوں کی بھلائی چاہتی تھی۔ یہ بہت ہی محبت کرنے والے تھے۔ اس سے کم از کم یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ساری باتیں اپنی جگہ، رتنا کے دل میں انسانیت پوری طرح موجود تھی اور سمپورنی بھی اس سے دور نہیں تھی۔

بہرحال یہ سارا کھیل ہوتا رہا۔ پھر سمپورنی نے کہا۔ ''میں نے اس چڑیل کو تلاش کر لیا ہے، جس نے درشنا کو اپنے قبضے میں کیا ہوا ہے۔ اور اب وہ موت کی دہلیز پر کھڑی ہوئی ہے۔''

''کون.....؟''

''چڑیل.....''

''تو سمپورنی کیا.....''

''ہاں! ہم درشنا کو ٹھیک کر لیں گے۔ تو فکر ہی مت کر۔''

''لیکن اس کے بعد کیا ہو گا؟''

''تو میری دوست ہے نا؟''

''ہاں! پھر؟''

''تو پھر یہ بات تو تیرے سوچنے کی ہے۔'' سمپورنی نے کہا۔

رتنا حیران نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ ''میرے سوچنے کی ہے؟''

''تو اور کیا.....؟''

''مگر تو، تو ہر معاملے میں میری مدد کرتی ہے۔ کیا تو مجھے بتائے گی نہیں کہ ایسا میں کیسے کروں گی؟''

سمپورنی ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ''تو واقعی معصوم ہے رتنا! پتہ نہیں تیرے جیون میں یہ الٹ پھیر کیسے آ گئے۔ مجھے تیری معصومیت پر کوئی شک نہیں ہے۔ ایسا کریں گے، سب سے پہلے تو درشنا کو ٹھیک کر لیتے ہیں۔ انہیں بتائیں گے کہ وہ کیسے ٹھیک ہو گا (جب کسی سے پریم کیا جاتا ہے تو اس پر احسان نہیں کیا جاتا) جب درشنا ٹھیک ہو جائے گا تو کسی مناسب موقع پر تو مجھے اس سے ملانا اور ایسے ملانا کہ درشنا میری جانب مائل ہو جائے۔ اب یہ کام تو ہی کر سکتی ہے۔ ویسے بھی تو میری مالک بھی ہے اور میری سکھی بھی۔''

رتنا مسکراتے ہوئے گردن ہلانے لگی اور سمپورنی اسے بتانے لگی کہ کس طرح اسے سارے کام کرنے ہیں۔

رتنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تو بہت چالاک ہے سمپورنی! واقعی یہ تو بہت دلچسپ بات ہے۔ میں یہی کروں گی جو تو نے کہا ہے۔''

سمپورنی مسکرا کر سر ہلانے لگی۔ اس نے کہا۔ ''میں الگ ہی رہوں گی۔ تم اطمینان سے اپنا کام سرانجام دینا۔'' پھر سمپورنی وہاں سے چلی گئی اور رتنا، سمپورنی کی تجویز پر سوچ کر مسکراتی رہی۔

اُدھر رادھے شام جی اور ان کا گھرانہ بدستور درشنا کے مسئلے میں اُلجھا ہوا تھا۔ اُس شام

رادھے شام جی نے کہا۔ ''رتنا بیٹی! تو بھی کیا سوچتی ہو گی کہ کیسے خودغرض لوگ ہیں۔ اپنے ہی مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں۔ تیرے لئے کچھ سوچتے ہی نہیں۔''

''چاچا جی! اور کیا سوچیں گے آپ میرے لئے۔ ساری آسائشیں تو آپ نے مجھے دے دی ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جتنا آرام مجھے یہاں ملا ہے، جیون میں کبھی بھی نہیں ملا۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ البتہ ایک بات کے لئے میں بہت پریشان ہوں اور آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں ہاں بٹیا! پریشان کیوں ہو؟ کہہ دیتیں۔''

''چاچا جی! میں نے خواب دیکھا ہے۔ اس خواب کے بارے میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔''

''کیا بتانا چاہتی ہے بٹیا مجھے اس خواب کے بارے میں تو؟''

''چاچا جی! وہ خواب درشنا کے لئے ہے۔''

''اچھا! کیا ہے؟''

''چاچا جی! وہاں جو پیپل کا درخت نظر آ رہا ہے نا! اس درخت کی جڑ میں ایک ڈبیا دفن ہے۔ اس ڈبیا کے اندر ماش کے کالے دانے بھرے ہوئے ہیں۔ ان کالے دانوں کو پیپل کی چھاؤں کے نیچے بچھا کر درشنا کو ان پر چلایا جائے تو وہ چڑیل جل کر بھسم ہو سکتی ہے جس نے درشنا کو اپنے قبضے میں کیا ہوا ہے۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ خواب مجھے ہر روز نظر آتا ہے۔ لیکن آپ بڑے لوگ ہیں، پتہ نہیں ان باتوں کو مانتے ہیں کہ نہیں۔ اس لئے میں آپ سے کہنے کی ہمت نہیں کر سکی۔''

رادھے شام حیران رہ گئے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''ارے بٹیا! ساری بڑائی تو بھگوان کے لئے ہے۔ ہم کا ہے کے بڑے لوگ ہیں۔ اپنا دکھ دور نہیں کر سکے، اپنے بچے کو مصیبت سے نہیں بچا سکے۔ تیرے من میں اگر ایسی بات ہے تو، تو نے مجھ سے کہا کیوں نہیں؟ ابھی چلتے ہیں، پیپل کی جڑ کھود کر دیکھتے ہیں۔ اگر ڈبیا وہاں سے مل گئی تو کوئی مسئلہ ہی نہیں رہ جاتا۔''

''چاچا جی! میں چاہتی ہوں کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان میں رہے۔ ابھی ہم کسی کو اس بارے میں نہ بتائیں۔ ہاں! اگر پیپل کے درخت کے نیچے سے ڈبیا برآمد ہو جاتی

ہے تو پھر آپ جس کو چاہے بتا دیں۔''

''ٹھیک ہے۔ ابھی یہ کام کر لیتے ہیں۔ میں جڑ کھودنے کے لئے مالی کو بلاتا ہوں۔''

''نہیں! بس اس سے جڑ کھودنے کے لئے کوئی چیز منگوا لیجئے آپ۔'' رتنا نے کہا اور رادھے شام جی اس کے لئے تیار ہو گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اگر یہ بات کسی اور کو بتائی جاتی تو وہ صرف مذاق اڑانے کے سوا کچھ نہ کرتا۔ وہ یہ سوچتا کہ اس معصوم سی لڑکی کو بھلا ایسے خواب کیسے آ سکتے ہیں۔ یہ صرف اس گھر میں اپنی جگہ بنانے کے لئے ایسی باتیں کر رہی ہے۔ لیکن رادھے شام جی اس طرح کے انسان نہیں تھے۔ اور خاص طور سے انہیں اپنے پوتے سے بے حد محبت تھی۔ چنانچہ وہ معمولی سے معمولی چیز کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ خود ہی جڑ کھودنے کے لئے ایک ایسی چیز لے آئے جس سے با آسانی درخت کی جڑ کھودی جا سکتی تھی۔ سپورنی نے رتنا کو تمام باتوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ جب وہ رادھے شام کے ساتھ درخت کی جڑ کے پاس پہنچی تو اس نے رادھے شام جی سے کہا۔ ''آپ یقین کیجئے! یہی درخت تھا اور جڑ کا یہی حصہ تھا۔ آپ کی اجازت ہو تو میں اسے کھودوں؟''

''بھلا اس میں اجازت لینے کی کیا بات ہے؟'' رادھے شام جی نے کہا اور رتنا اس نوکیلے ہتھیار سے جڑ کھودنے لگی۔ تقریباً ایک فٹ گہرائی تک اس نے جڑ کھود لی۔ رادھے شام جی مایوسی سے گردن ہلا رہے تھے کہ اچانک ٹین کے بجنے کی آواز سنائی دی اور رادھے شام جی چونک پڑے۔ انہوں نے کہا۔ ''رتنا.....''

''جی!''

''سنا.....؟''

''کیا؟''

''آواز.....''

''کیسی آواز.....؟''

''مجھے یوں لگا جیسے کوئی ٹین کی چیز بجی ہو۔''

''میں نے نہیں سنی۔''

''ذرا دیکھو!'' رادھے شام جی نے کہا اور تھوڑی سی کھدائی کے بعد آخر کار ڈبیا برآمد ہو گئی، جس میں کالی ماش کے دانے بھرے ہوئے تھے۔

ڈبیا کو دیکھ کر رادھے شام جی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ ان کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہو گئے تھے اور انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اے بھگوان! کیا واقعی تو میری مشکل حل کرنے پر تلا ہوا ہے؟ اتنا تو میں جانتا ہوں بھگوان! کہ وہاں مندروں کے پاس اس لڑکی کا ملنا میرے لئے نیک شگون تھا۔ لیکن میری چھوٹی سی نیکی کا یہ صلہ مل جائے گا، مجھے اس کی اُمید نہیں تھی۔'' پھر اس نے رتنا کو مخاطب کیا۔ ''رتنا بیٹی! اب کیا کرنا ہے؟ بتاؤ!''

''چاچا جی! اب ہم بڑے دل والے ہو گئے ہیں۔ آپ انتظار کریں، پہلے ہم کوشش کر لیتے ہیں۔'' چنانچہ رتنا نے سب سے پہلے اسی مٹی کھودنے والے اوزار سے لمبا سا راستہ بنایا۔ وہ سپورنی کی تمام ہدایات کے مطابق کام کر رہی تھی۔ سپورنی نے کہا تھا کہ ایک چوکور راستہ بنا کر اس میں دانے بچھا دیئے جائیں اور درشنا کو ان دانوں پر سے گزارا جائے اور اس کے بعد تماشہ دیکھا جائے۔

بہر حال تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ لمبا سا راستہ بنا کر ماش کے دانے اس پر بکھیر دیئے گئے اور اس کے بعد رتنا نے کہا۔ ''جائیے چاچا جی! اب آپ درشنا کو بلا لائیے۔ ہم اس کام سے ابھی نمٹ لیتے ہیں۔ میں یہیں رُکتی ہوں کہ کہیں کوئی اور اس میں داخل نہ ہو جائے۔''

''میں جاتا ہوں۔'' رادھے شام جی تیزی سے اندر دوڑ گئے۔ اس وقت رام سروپ، اس کی دھرم پتنی اور شانتی دیوی دکھ بھری نگاہوں سے ایک طرف بیٹھے درشنا کو دیکھ رہے تھے۔ صورت سے معصوم اور بھولا بھالا نظر آنے والا یہ نوجوان غم کی کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا۔ رادھے شام جی نے رام سروپ کے پاس جا کر کہا۔ ''سروپ! بھگوان نے ایک موقع دیا ہے ہمیں۔ دیکھ! جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں، اس کی مخالفت نہ کرنا۔ بھگوان بار بار کسی کو یہ موقع نہیں دیتا۔''

''کیا بات ہے پتا جی؟ میں نے آج تک آپ کے کون سے کام کی مخالفت کی ہے؟''

''بیٹا! کبھی کبھی کوئی چھوٹی سی نظر آنے والی چیز بڑی مہان ہوتی ہے۔ ہم مندروں کی یاترا کے لئے گئے تھے۔ بھگوان نے ہمیں کچھ نہ کچھ تو دینا ہی تھا۔ میں رتنا کو یہاں لے آیا۔

میں بھگوان کا شکر گزار ہوں کہ تم میں سے کسی نے میری مخالفت نہیں کی۔''

''آپ کیسی باتیں کرتے ہیں پتا جی؟ بھگوان آپ کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ یہ گھر آپ کا ہے۔ آپ اس گھر میں جو من چاہے کر سکتے ہیں۔ مجال ہے کسی کی کہ کوئی آپ کے کئے ہوئے کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ جائے؟'' رام سروپ نے کہا۔

''بھگوان تم سب کو سکھی رکھے بیٹا! میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں تم سب سے زیادہ درشنا کو چاہتا ہوں۔ لیکن بیٹا! ایک بات کہوں، دادا اور پوتے کا ایک الگ سا رشتہ ہوتا ہے۔ کوئی سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے لیکن یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ یہ رشتہ کسی اور رشتے کا محتاج نہیں ہوتا۔ درشنا سے میرے اپنے تعلقات تھے اور مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اب میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ میں اپنا جیون دے کر بھی درشنا کو اس مشکل میں سے نکالنے کے لئے تیار ہوں۔ خیر! زیادہ باتیں کر رہا ہوں۔ رتنا نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے ایک سپنا دیکھا تھا اور سپنے میں اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ درشنا کی بھلائی کے لئے تھا۔ میں نے اس سے تعاون کیا ہے اور اب ہم درشنا کو لے کر اس کے پاس چل رہے ہیں۔''

''کیا سپنا دیکھا ہے پتا جی؟''

''یہ سوال اس وقت مجھ سے نہ کرو۔ آؤ! درشنا کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے چلو۔''

شانتی دیوی، رام سروپ کی دھرم پتنی اور درشنا کی ماں اور رادھے شام درشنا کو وہاں سے لے کر باہر چل پڑے اور پھر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اصل عمارت سے باہر نکل آئے۔ پیپل کے درخت کے پاس رتنا کھڑی ہوئی تھی۔ رادھے شام جی سب کو ہدایت دینے لگے اور سب ان کی ہدایت پر عمل کرتے رہے۔ درشنا کو اس چوکھٹے کی سیدھ میں لے آیا گیا جس میں ماش کے دانے بچھے ہوئے تھے۔ تمام لوگ لائن میں کھڑے ہو گئے۔ خود رتنا کو نہیں معلوم تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ بہر حال! درشنا کو اس جگہ کھڑا کر دیا گیا جہاں سے وہ ان لکیروں کے اندر داخل ہو سکتا تھا۔

پھر رادھے شام جی اس چوکھٹے کی دوسری جانب آ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا: ''درشنا بیٹا! آگے آ..... آ میرے پاس۔'' انہوں نے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ درشنا نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ایک قدم آگے بڑھا اور اس دائرے میں داخل ہو گیا۔

اچانک ہی ایک دل خراش چیخ سنائی دی۔ چیخ کسی عورت کی تھی۔ سب نے اس چیخ کو

سنا۔ رادھے شام جی جلدی سے بولے۔ ''درشنا بیٹا! آگے آ۔''

درشنا نے دوسرا قدم آگے بڑھایا اور دائرے میں داخل ہو گیا۔ پھر لاتعداد چیخیں ابھرنے لگیں۔ وہ ایک ہی عورت کی چیخیں تھیں۔ وہ چیخ رہی تھی۔ ''ارے! یہ کیا کر رہا ہے پاپی! ارے تیرا ستیا ناس! مروائے گا مجھے..... ارے باہر نکل..... نکل باہر..... تیرا ستیا ناس ہو..... ارے پاگلو..... یہ کیا کر رہے ہو؟..... میں جل جاؤں گی..... میں خاک ہو جاؤں گی۔''

اور پھر دیکھنے والوں نے ایک انوکھا منظر دیکھا۔ درشنا ایک ایک قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے وجود سے دھواں سا نمودار ہو رہا تھا۔ پھر یہ دھواں ایک نسوانی بدن میں تبدیل ہو گیا۔ سفید لباس میں ملبوس کوئی جوان عورت تھی جو اس طرح ماش کے دانوں پر ناچ رہی تھی جیسے اس کے پاؤں جل رہے ہوں۔ وہ درشنا کے آگے آگے بھاگ رہی تھی۔ لیکن لگتا تھا جیسے وہ کسی زنجیر سے بندھی ہوئی ہو۔ درشنا ایک قدم آگے بڑھتا تو عورت ایک قدم آگے بڑھتی۔ لیکن وہ چیخ چلا رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''معاف کر دو..... معاف کر دو مجھے..... میں جل رہی ہوں..... بھسم ہو رہی ہوں۔ ہائے ہائے! میرے پاؤں جل رہے ہیں..... میرا شریر جل رہا ہے..... چھوڑ دو..... ورنہ جیتی رہی تو تم سب کو ختم کر دوں گی..... ہلاک کر دوں گی تم سب کو..... مجھے چھوڑ دو..... ہائے! مر گئی.....''

اور پھر اچانک اس کے جسم سے شعلے نکلنے لگے۔ وہ ان شعلوں میں چیخ چلا رہی تھی اور سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ سب کے بدن کانپ رہے تھے۔ یہاں تک کہ رادھے شام جی بھی اپنی کپکپاہٹوں پر قابو نہیں پا رہے تھے۔ صرف ایک رتنا تھی جو کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سمپورنی نے اس چڑیل کو درشنا کے بدن سے الگ کرنے کے سارے انتظامات کر لئے ہیں اور اب وہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

چڑیل جلتی رہی..... چیختی رہی..... آہستہ آہستہ اس کی چیخیں، کراہیں مدھم پڑتی چلی گئیں اور جب درشنا نے چوکھٹے کی دوسری جانب قدم رکھا تو وہ اُسی چوکھٹے پر گر پڑی اور اس کا بدن چھوٹا ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ ایک کالے نشان کی طرح رہ گئی۔ درشنا کنارے پر پہنچا تو رادھے شام جی نے کہا۔ ''درشنا! میرے بچے! آ جا، میرے سینے سے لپٹ جا۔''

''کیا بات ہے دادا جی؟'' درشنا نے محبت بھرے انداز میں اس طرح پوچھا جیسے اسے

کسی بات کی خبر ہی نہ ہو۔''

''کچھ نہیں بیٹا! سب ٹھیک ہے۔تو بتا! تیری طبیعت کیسی ہے؟ تو ٹھیک ہے نا؟''

درشنا نے چاروں طرف نگاہیں اٹھائیں۔ایک ایک کو دیکھا۔سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔سب خوشی سے رو رہے تھے اور یہ عجیب وغریب منظر تھا کہ رونے والے رو بھی رہے ہوں اور ہنس بھی رہے ہوں۔

درشنا حیرانی سے بولا۔''لگتا ہے دادا جی! کوئی خاص بات ہوگئی ہے۔''

''نہیں بیٹا! خاص بات ہوگئی تھی۔اب سب ٹھیک ہے۔بھگوان نے دیا کردی۔جا! تو اپنی دادی جی کے پاس جا۔'' انہوں نے درشنا کو شانتی دیوی کی طرف موڑتے ہوئے کہا اور درشنا ان کے پاس پہنچ گیا۔

''دادی جی! کچھ مجھے بھی بتائیے۔''

درشنا، شانتی دیوی سے باتیں کرنے لگا۔ رادھے شام جی تیزی سے آگے بڑھے اور انہوں نے رتنا کو اپنے سینے سے لگالیا۔''بیٹی! تو نے ہم پر جو احسان کیا ہے، تو سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ کتنا بڑا ہے۔ہم تجھے جیون بھر اس کا کوئی صلہ نہیں دے سکتے۔ ہماری دعائیں تیرے ساتھ ہیں بیٹی۔تیرے من میں جو بھی آئے، اس سنسار میں تجھے جو کچھ بھی چاہئے ہم سے مانگ۔ہم تجھے سب کچھ دینے کے لئے تیار ہیں۔دعائیں تو ہیں ہی تیرے لئے۔مگر اس گھر کا مان کھلا ہے تیرے لئے۔جو چاہے مانگ لے۔''

''نہیں چاچا جی! کچھ نہیں چاہئے مجھے۔بس آپ نے جو کہہ دیا، وہی سب کچھ ہے۔ اس کے بعد بھلا کس چیز کی ضرورت رہ جاتی ہے انسان کو؟''

غرض یہ کہ خوشیاں جو اس گھر سے روٹھ گئی تھیں، پھر واپس آگئی تھیں اور سب بہت خوش تھے۔رتنا اپنے کمرے میں چلی گئی اور باقی لوگ اپنے کمرے میں۔لیکن جیسے ہی رتنا کمرے میں داخل ہوئی، اس نے سمپورنی کو دیکھا جو تھکے تھکے انداز میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔اس کا چہرہ زرد نظر آرہا تھا۔رتنا نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور بھاگتی ہوئی سمپورنی تک پہنچ گئی۔ اس نے کہا۔''سمپورنی! تجھے معلوم ہے کیا ہوا؟''

''ہاں! بیٹھ جا رتنا۔'' سمپورنی تھکی تھکی آواز میں بولی۔

''مگر تجھے کیا ہوا ہے سمپورنی! ایسے کیوں لیٹی ہوئی ہے؟ ایسے کیوں بول رہی ہے؟''

''بس! تھکن ہے۔دُور ہو جائے گی۔''

''کیسی تھکن؟''

''بس ہو جاتی ہے باؤلی۔تو مجھے یہ بتا اُدھر کیا رہی؟''

''وہ ٹھیک ہو گیا۔سمپورنی! تیرا پریمی ٹھیک ہو گیا۔''

سمپورنی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔رتنا بولی۔''مگر یہ تو بتا! تیری یہ حالت کیسے ہوئی؟''

''جب کوئی بہت بڑا کام کرنا ہوتا ہے نا تو اس کے لئے بڑے بڑے جاپ بھی کرنا ہوتے ہیں۔ابھی تو مجھے ایک چھوٹا سا جاپ اور کرنا ہے جو تین دن کا ہے۔تین دن کا یہ جاپ پورا کرلوں تو اس کے بعد سکون سے بیٹھوں گی۔مگر تو مجھے تفصیل سے تو بتا کہ کیا رہا؟''

رتنا نے اسے ساری تفصیل بتادی۔سمپورنی خوشی سے مسکرا رہی تھی۔پھر اس نے کہا۔

''بس رتنا! میرے جیون میں ایک نئے کھیل کا آغاز ہوا ہے۔تو دعا کرنا اپنے بھگوان سے کہ یہ کھیل کامیاب رہے۔اس کے بعد ہم اپنے جیون کا دھارا بدل دیں گے۔'' رتنا نے پرخیال انداز میں گردن ہلادی تھی۔

☆

شردھا اور رندھیرا دو چڑیلیں تھیں۔لیکن سمپورنی اور رتنا کے سلسلے میں دونوں کے درمیان بھرپور تعاون ہوگیا تھا۔جس کھنڈر میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی تھی، وہ شیطان کا گھر تھا۔ایک بار پھر رندھیرا نے شردھا کے کہنے پر وہ الاؤ اسی انداز میں روشن کیا اور پھر اس میں سمپورنی اور رتنا کو دیکھا۔ان کا تعین کرلیا گیا۔

پھر شردھا نے کہا۔''ہمارے دونوں شکار بڑے آرام سے رادھے شام نامی آدمی کے گھر رہ رہے ہیں۔تو نے دیکھا کہ سمپورنی نے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا ہے۔بلکہ خاموشی سے وہاں اپنا جیون گزار رہی ہے۔میں اس کے جیون کو آگ لگا دینا چاہتی ہوں۔یہ بتا! تیرا کیا ارادہ ہے؟''

''تو کیا سمجھتی ہے؟ میں خود بھی اسی آگ میں جل رہی ہوں۔''

''آؤ! تو پھر چلیں۔ذرا ان کے قریب ہو کر دیکھیں۔پہلے یہ بتا! کیا تو اپنے آپ کو سنسار کی آنکھوں سے پوشیدہ کرسکتی ہے؟'' شردھا نے پوچھا۔

دوسرے ہی لمحے رندھیرا اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔ شردھا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا ''واہ! تو کیا سمجھتی ہے کیا یہ سب کچھ تو اکیلے ہی کرسکتی ہے؟ مجھے دیکھ!''

یہ کہہ کر شردھا نے بھی اپنے آپ کو روپوش کرلیا اور اس کے بعد رندھیرا سے بولی۔ ''آ! دیر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اصل میں ہمیں جس جگہ پہنچنا ہے، وہاں تک کا فاصلہ بہت زیادہ ہے۔''

اس کے بعد دونوں چڑیلیں رادھے شام کی کوٹھی کی جانب چل پڑیں۔ راستے طے کرنا ان کے لئے کوئی بہت زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ راستوں کا تعین بھی وہ کر چکی تھیں۔ چنانچہ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ رادھے شام کی کوٹھی پر پہنچ گئیں۔

شردھا نے قدم آگے بڑھائے اور ہوا کی طرح کوٹھی میں داخل ہوگئی۔ رندھیرا بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ لیکن شردھا نے جب کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب جانے کی کوشش کی تو رندھیرا نے ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔ ''یہ کیا کررہی ہے تو؟''

''اندر جارہی ہوں۔''

''پاگل ہوئی ہے کیا؟''

''کیوں.....؟''

''کیا انہیں ہماری آمد کا پتہ نہیں چل جائے گا؟''

''وہ کیسے چلے گا؟''

''تو بھول رہی ہے بے وقوف! کہ رتنا بے شک شکتی مان نہیں ہے۔ وہ سنسار کے یہ کھیل نہیں جانتی۔ لیکن اسے تو کیا سمجھتی ہے جس کا نام سمپورنی ہے۔ اری پاگل! وہ تو بہت بڑی گیانی ہے۔ وہ سنسار کے بڑے سے بڑے کام کرسکتی ہے۔ تو نے اسے کیوں نظر انداز کردیا؟''

''مطلب کیا ہے تیرا؟''

''مطلب یہ ہے کہ اگر سمپورنی نے ہمیں دیکھ لیا تو اس بات پر بھروسہ کر کہ ہوسکتا ہے وہ ہمارا ہی کریا کرم کردے۔''

شردھا عجیب سی نگاہوں سے رندھیرا کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ ''تو کیا وہ بہت بڑی

شکتی مان ہے؟''

''یقیناً!''

''تو پھر کیا، کیا جائے؟''

''ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ یہیں کسی درخت پر بسیرا کرلیتے ہیں اور یہاں کی صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں۔''

یہ وہ وقت تھا جب رتنا کو اس درخت کے نیچے اپنا کام کر کے درشنا کو ماش کے کالے دانوں سے گزارنا تھا۔ یہ دونوں چڑیلیں اس وقت پیپل کے درخت پر موجود تھیں۔ جب نیچے وہ کھیل شروع ہوا جو سمپورنی نے رچایا ہوا تھا تو دونوں دم بخود ہوگئیں اور خاموشی سے یہ منظر دیکھنے لگیں۔ جب سارا کھیل ختم ہوگیا اور وہ سارے کے سارے اندر چلے گئے تو شردھا نے رندھیرا سے کہا۔ ''رندھیرا! یہ سب کیا تھا؟''

''ایک انوکھا کھیل شردھا! یہ لڑکا جو تجھے نظر آیا، اس پر چڑیل آئی ہوئی تھی اور تو نے اس چڑیل کو آگ میں جلتے ہوئے دیکھا۔''

''لیکن کیسے؟ آخر کیسے رتنا کو سارے کام آگئے؟''

''ایک بات میں بتادوں اگر تو یہ سوچ کر آئی ہے شردھا کہ اپنی شردھا سے کام لے کر رتنا کو مٹھی میں دبا کر لے جائے گی تو بھول جا اس بات کو۔ سارا کھیل اب تیری سمجھ میں بھی آگیا ہے اور میری سمجھ میں بھی۔ سمپورنی اب رتنا کی داسی ہے اور اسے میرا مطلب ہے رتنا کو سمپورنی کا تحفظ حاصل ہے۔ میں بھی آسانی سے سمپورنی پر قابو نہیں پاسکتی۔ اگر تو اپنی شکتی آزمانا چاہتی ہے تو جو تیرا من چاہے کر، میں تیرا راستہ نہیں روکوں گی۔''

''مگر تو مجھے بتا تو سہی کہ یہ سب کیا ہے؟''

''ذرا آرام سے بیٹھ۔ یہ درخت ہمارے لئے بہت اچھا ہے۔ خوشی اس بات کی ہے کہ یہاں رتنا بھی موجود تھی اور وہ سارے بھی۔ لیکن ان میں سے کسی کی شردھا ہمیں نہیں پہچان سکی۔ میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ اگر سمپورنی بھی یہاں ہوتی تو وہ بھی ہم سے غافل رہ سکتی۔ وہ بہت گیانی ہے اور میں کھل کر یہ بات بتادوں کہ میرا اور تیرا گیان اگر چاہے کہ ہم اسے کوئی نقصان پہنچادیں تو یہ ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔''

شردھا گردن ہلانے لگی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''میں اتنی بھی پاگل نہیں ہوں۔ جلد بازی

سے کوئی کام کرنا نہیں چاہتی۔ بڑی مشکل سے میں نے دھرما سنگھ کے چنگل سے نجات حاصل کی ہے اور میں نہیں چاہتی کہ اب میں کسی اور نئے چکر میں پھنس جاؤں۔ اس لئے میں بڑی ہوشیاری سے کام لے کر اس سارے مسئلے کا حل نکالنا چاہتی ہوں۔''

''اس مسئلے کا حل نکل آئے گا۔ ہمیں پوری ہوشیاری کے ساتھ یہاں رہ کر سب سے پہلے یہاں کے حالات معلوم کرنا ہوں گے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ رتنا اگر یہاں رہ رہی ہے تو کس حساب میں رہ رہی ہے۔ یہ ساری باتیں پتہ چل جائیں تو اس کے بعد مناسب طریقے سے ہم ان لوگوں کے خلاف کام کریں۔''

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر گردن ہلانے لگی تھیں۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد شردھا نے کہا۔ ''اب میں اس بارے میں سوچ رہی ہوں تو مجھے ایک احساس ہو رہا ہے۔''

''کیا؟'' رندھیرا نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''ویسے تو وہ ایک معصوم سی لڑکی تھی اور خود اس کے اندر کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جس سے اسے خطرناک کہا جا سکے۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی رندھیرا! کہ اس نے سمپورنی کو اپنے قبضے میں کیسے کر لیا۔''

''بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ جسے ہم بالکل معصوم سمجھ رہے تھے وہ تو ہمارے بھی کان کاٹنے والی نکلی۔ یہ بات تو پتہ چل جائے گی کہ اس نے سمپورنی کو کیسے قبضے میں کیا۔ میں تو صرف یہ سوچ رہی ہوں شردھا! کہ ہم اپنی کوششوں میں کامیاب ہو بھی سکیں گے یا نہیں۔ کافی خطرناک لڑکیاں ہیں جن سے ہمارا واسطہ پڑ رہا ہے۔'' دونوں بہت دیر تک سوچ میں ڈوبی رہیں۔ پھر رندھیرا نے کہا۔ ''رتنا نے اس چڑیل کو ہماری آنکھوں کے سامنے جلا کر خاک کر دیا لیکن سمپورنی سامنے نہیں آئی۔ سمپورنی کو تلاش کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟''

''یہ تو تم بتاؤ۔'' شردھا بولی۔

رندھیرا دیر تک خاموش رہی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔ ''شردھا! تمہیں اس کی تلاش میں جانا ہوگا۔''

''مجھے؟'' شردھا کسی قدر خوفزدہ انداز میں بولی۔

''ہاں! تمہیں۔ بلکہ جیسا کہ ہم نے اس بارے میں طے کیا ہے، اب ہمیں اسی طرح

ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہوگا۔ رتنا کا کوئی معاملہ ہو تو اسے میں آگے بڑھ کر کروں گی کیونکہ رتنا کو ابھی میرے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہیں ہیں۔ اور سمپورنی کا معاملہ ہوگا تو تم اسے دیکھو گی۔''

شردھا پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔ پھر بولی۔ ''تو پھر بتاؤ! کیا کرنا ہے مجھے؟''

''انسانی آنکھوں سے پوشیدہ ہو کر سمپورنی کی تلاش میں نکلو۔ میں تمہیں اس کے بارے میں پوری تفصیلات بتائے دیتی ہوں۔ اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ جہاں رتنا ہو، وہیں سمپورنی ہو۔ میرا مطلب ہے اس جگہ وہ نہ آئی ہو جہاں رتنا کو یہ کام سرانجام دینا تھا اور جہاں ان لوگوں کو اس کھیل سے متاثر کرنا تھا۔ یہ کام ویسے بھی کافی خطرناک تھا جو کیا گیا ہے۔ کسی چڑیل کو جلانے کی کوشش میں اس پر وار کرنے والا خود بھی قبضے میں آ سکتا ہے۔ اگر ایک لمحے کی بھول ہو جاتی تو وہ چڑیل اپنے اوپر وار کرنے والے کو زندہ نہ چھوڑتی۔ اگر یہ وار سمپورنی نے کیا ہے تو سمپورنی بھی اچھی حالت میں نہیں ہوگی۔ کیونکہ ایسا جاپ کرنے کے بعد شدید تھکن ہو جاتی ہے جسے ایک دو دن سے پہلے نہیں اتارا جا سکتا۔ یہ میں اپنے علم کے مطابق کہہ رہی ہوں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم سمپورنی کی تلاش میں جاؤ گی تو اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ وہ تمہیں رتنا کے آس پاس ملے۔ ایسی صورت میں تمہیں رتنا سے بچنا ہے۔ اصل میں، میں یہ چاہتی ہوں کہ تم بھی پوری طرح محفوظ رہو۔ کیونکہ ہم دونوں ساتھی بن گئے ہیں اور دونوں کی زندگی کا مقصد ایک ہی ہے، اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچا کر اپنا کام کرنا۔ بھلا یہ جیون بھی کوئی جیون ہے کہ ہمارے دشمن کامیابی سے اپنی زندگی گزاریں اور ہم اسی طرح بے یار و مددگار پھریں؟ تو پھر جاؤ اور سمپورنی کو تلاش کرو اور مجھے آ کر یہ بتاؤ کہ وہ کیا کر رہی ہے؟''

شردھا نے مسکرا کر گردن ہلائی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنا حلیہ بدلا اور ایک ننھی سی مکھی کی صورت اختیار کر گئی۔ رندھیرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ جب شردھا مکھی کی شکل میں اُڑتی ہوئی وہاں سے دور نکل گئی تو رندھیرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اگر تو اپنے آپ کو بڑا علم والا سمجھتی ہے شردھا! تو بھول جا اس بات کو۔ ابھی تو نے رندھیرا کا گیان نہیں دیکھا۔ رندھیرا تجھ سے کہیں آگے کی چیز ہے۔''

بہرحال رندھیرا نے پیپل کے اسی درخت پر قبضہ جمائے رکھا۔ اسے شردھا کا انتظار تھا۔

شردھا کئی گھنٹے کے بعد واپس پہنچی تھی۔ رندھیرا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ شردھا نے گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔ ''دونوں کا گٹھ جوڑ بہت ہی خطرناک ہے رندھیرا! رتنا بھی واقعی اب وہ نہیں رہی، جیسا میں نے اسے چھوڑا تھا۔ وہ بالکل بدل گئی ہے اور اب وہ ایک خطرناک لڑکی بن گئی ہے۔ بہت برا ہوا۔ تو یہ سمجھ لے کہ ان دونوں نے تو ہمارے کان کاٹ کر رکھ دیئے ہیں۔ ان پر اب آسانی سے قابو نہیں پایا جا سکتا۔''

''اپنی کہے جا رہی ہے، یہ نہیں بتاتی کہ کیا تو نے سمپورنی کو تلاش کر لیا؟''

شردھا نے جھنجلا کر کہا۔ ''ہاں! دونوں اسی جگہ رہ رہی ہیں۔ کیسے یہاں پہنچیں، اس بارے میں کچھ نہیں معلوم لیکن اندازے سے میں نے یہ پتہ چلا لیا ہے کہ بات اسی لڑکے کی ہے جسے ہم دونوں نے ماش کے کالے دانوں پر سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔ صورتحال کافی حد تک سمجھ میں آ گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک دلچسپ کہانی سننے کو ملی ہے جو ہو سکتا ہے کہ تیرے لئے فائدہ مند ہو رندھیرا!''

رندھیرا دلچسپی سے شردھا کی صورت دیکھتی رہی۔ شردھا نے کہا۔ ''ویسے مجھے ایک بات بتائے گی تو؟''

''ہاں......''

''یہ سمپورنی کیا چیز ہے؟''

رندھیرا نے پرخیال انداز میں شردھا کو دیکھا اور بولی۔ ''یہ انسان ہی ہے۔ بڑی عجیب کہانی ہے اس کی۔ اس کے ماتا پتا نے اسے مندروں کو دان کر دیا تھا۔ مندروں میں پلی بڑھی۔ پھر کچھ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلی گئی جنہوں نے اسے گیان، دھیان دیا اور یہ بڑی مہان ہوتی چلی گئی۔ اس کے گیان میں طرح طرح کی کھوٹ پیدا ہوئی جس کی بناء پر یہ بہت بڑی شکتی مان تو نہیں بن سکی، لیکن ان میں شامل ہو گئی جو بیروں میں آتے ہیں۔ اسے عمل پڑھ کر قابو میں کیا جا سکتا ہے اور میں نے بہت کچھ کیا اس کے لئے۔ یہ ایک مورتی بن گئی اور اسے مورتی سے انسان بنانے کے لئے ایک بڑا جاپ ضروری تھا۔ اس کے لئے میں نے ایک پاپی کو منتخب کیا۔ اس نے جاپ بھی کر لیا اور اس کو قابو بھی کر لیا۔ لیکن وہ بدنصیب تھا۔ میری بات نہیں مان رہا تھا۔ میں نے اسے پتھر کا بنا دیا اور ایک کھنڈر میں پہنچا دیا۔ وہاں پہنچ کر وہ اپنے طور پر وقت گزارتا رہا کہ یہ رتنا اسے مل گئی اور پھر رتنا نے اسے پتھر

انسان بنا دیا۔ اور سمپورنی میری مرضی کے خلاف اس کے قبضے میں چلی گئی۔ میرا مطلب ہے رتنا کے قبضے میں۔ اب سمپورنی، رتنا کی بیر ہے اور رتنا اس کی مالک۔''

''ارے! سمپورنی اپنے گیان دھیان کے ساتھ اس کی غلام بن چکی ہے؟''

''ہاں! پکی غلام۔ مگر ایسا لگتا ہے جیسے دونوں میں آقا اور غلام کا رشتہ نہ ہو بلکہ.....''

''بالکل ٹھیک کہتی ہو۔ اب میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ وہ سمپورنی جو ہے نا، اس لڑکے درشنا کے پریم میں گرفتار ہے اور اسی نے جاپ کر کے وہ چڑیل درشنا پر سے اتاری ہے اور اس وقت خود بیمار پڑی ہے۔''

''بیمار پڑی ہوئی ہے؟'' رندھیرا حیرت سے بولی۔

''ہاں! غالباً اس چڑیل کے خلاف جاپ کرتے ہوئے۔''

''ارے ہاں! میں تو بھول ہی گئی۔ واقعی یہ کام تو ہونا تھا۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ مگر کیا تو سچ کہہ رہی ہے شردھا! سمپورنی، درشنا کے پریم جال میں گرفتار ہے؟''

''ہاں! میری تو عقل ہی چکرا کر رہ گئی۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟''

اچانک ہی رندھیرا نے قہقہہ لگایا۔ دیر تک ہنستی رہی اور شردھا اس کی صورت دیکھتی رہی۔ پھر شردھا نے کہا۔ ''اب کھی.....کھی....کئے جائے گی یا آگے کی بات بھی بتائے گی؟''

''آگے کی بات تو میں تجھے بتا چکی ہوں پاگل! انسان تو انسان ہی ہے۔ چاہے وہ کچھ بھی بن جائے۔ سمپورنی بہرحال ایک اانسان کی بیٹی ہے اور اس کے اندر وہ ساری کمزوریاں موجود ہیں جو کسی انسان میں ہو سکتی ہیں۔ وہ پریم بھی کر سکتی ہے۔ ماری گئی سسری.....ماری گئی۔''

''کیا مطلب؟'' شردھا نے پوچھا۔

''اری پاگل! پریم جال میں گرفتار ہونے کے بعد بھی انسان کہیں انسان رہتا ہے؟ وہ جتنی بھی شکتی مان ہو۔ ساری شکتی تو اس کی خودبخود ختم ہو گئی پریم روگ میں پڑ کر۔''

''تو پھر؟''

''کچھ نہیں۔ اب ہمیں کوئی ایسا حساب کتاب بنانا پڑے گا جس سے سارا معاملہ ہمارے ہاتھ میں آ جائے۔ ارے واہ، دیکھو! کیسی مزے کی بات ہے۔ لو بھئی! اب تو یہ شکتی مان

عورتیں بھی پریم روگ میں گرفتار ہو سکتی ہیں۔ اری شردھا! کہیں تجھے بھی کسی سے پریم نہ ہو جائے۔''

شردھا نے قہقہہ لگایا اور بولی۔ ''مجھے تو ہزاروں بار ہزاروں سے پریم ہو چکا ہے۔ اور اس کے بعد دونوں حلق پھاڑ پھاڑ کر ہنستی رہیں۔

☆.....☆.....☆

ویسے تو سارا گھر ہی خوشیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ درشنا اپنی زندگی میں واپس آ گیا تھا۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ تمام باتیں سلیقے کی کرتا تھا۔ گھر والے مسلسل اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس کے اندر کوئی کمی تو نہیں رہ گئی؟ مگر ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ سارے لوگ اپنی اپنی جگہ خوش تھے۔ لیکن رادھے شام جی تو خوشی سے دیوانے ہو گئے تھے۔ یہ بات نہیں تھی کہ درشنا ٹھیک ہو گیا تھا تو وہ سب کچھ نظر انداز کر دیتے۔ درشنا کے لئے کام کرنے والی کو بھی وہ نہیں بھول سکتے تھے۔ چنانچہ رتنا کو اس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا تھا کہ وہ خود بھی شرمندہ سی ہو گئی تھی۔ ہر طرح سے اس کا خیال رکھا جاتا تھا۔ خود رادھے شام جی دن میں چار چار چکر اس کے پاس لگاتے تھے اور اس سے اس کی ضروریات پوچھتے تھے۔

بہر حال یہ سب کچھ اپنی جگہ، سمپورنی ابھی تک نگاہ سے پوشیدہ تھی اور صرف رتنا سے اس کا رابطہ تھا۔ رادھے شام جی نے درشنا سے کہا۔ ''درشنا! تمہیں یہ بات تو معلوم ہو چکی ہے کہ تمہاری اس صحت مندی میں سب سے بڑا ہاتھ کس کا ہے؟''

''ہاں دادا جی! دیکھ رہا ہوں۔ جس کی زبان پر دیکھو رتنا..... رتنا... چڑھا ہوا ہے۔ اور یہ رتنا دیوی آخر آئی کہاں سے ہیں؟''

''اصل بات تو بھگوان ہی جانتا ہے بیٹا! لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بھگوان کی اوتار ہے اور بھگوان نے اسے ہمارے لئے دیوی بنا کر بھیجا ہے۔ ویسے ابھی تک تم اس سے نہیں ملے۔ کم از کم اس سے ملاقات کر کے اس کا شکریہ تو ادا کرو۔''

''اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ ضروری ہے تو میں ایسا کئے لیتا ہوں۔''

''بیٹا! اگر کوئی کسی پر احسان کرے تو اس کا احسان ماننا چاہئے نا! تم احسان مندی کے طور پر اس سے ملو اور اس کا شکریہ ادا کرو۔''

''ٹھیک ہے دادا جی! جو آپ کا حکم۔ میں کوئی بھی مناسب وقت دیکھ کر اس کے پاس چلا جاؤں گا۔'' درشنا نے کہا۔

''سمپورنی عجیب انداز میں نڈھال پڑی ہوئی تھی۔ رتنا اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے کہا۔ ''کیا بات ہے سمپورنی! جب سے تم نے یہ کام کیا ہے تمہاری کیفیت کچھ اچھی نہیں ہے۔ دیکھو! ہم دونوں اس طرح ایک ساتھ ہو گئے ہیں کہ اب باقی سارے لوگ غیر غیر سے لگتے ہیں۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جب ہم ایک ہو گئے ہیں تو پھر دل کی بات چھپانے سے کیا فائدہ؟''

سمپورنی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ ''پاگل! دل کی بات کو تم سے چھپانا ہے؟ میں تو تم سے اتنی زیادہ بے تکلف ہو گئی ہوں۔ تمہاری غلام ہوں۔ مگر کیا رشتہ ہو گیا ہے ہمارے درمیان۔ میں تو تمہیں بالکل بہنوں جیسا سمجھتی ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر پھر تم نڈھال کیسی ہو؟''

''دیکھو! بات اصل میں یہ ہے کہ گیان، دھیان کے بہت سے روپ ایسے ہوتے ہیں جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے۔ اب میں تمہیں بتاؤں، درشنا کا پریم میرے دل میں بیٹھ گیا ہے اور میں ایک ایک لمحہ درشنا کے درشن کو ترپتی ہوں۔ لیکن یہ بھی انوکھی بات ہے کہ ابھی کچھ دن تک میں اسے نہیں دیکھ سکتی۔ اصل میں چڑیل کو خاک کرنے کے لئے جو جاپ میں نے کیا تھا، اس کا کچھ قرض بھی ادا کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً تم میری یہ حالت دیکھ رہی ہو۔ جاپ کرتے ہوئے میں تھک گئی ہوں رتنا! وہ بہت مشکل جاپ تھا۔ کیا تم اس بات کو مانو گی کہ میں نے اڑتالیس گھنٹے صرف ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر گزارے ہیں اور اڑتالیس گھنٹے ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اگر میرا دوسرا پاؤں بھی جاپ کے دوران زمین سے لگ جاتا تو میرے دونوں پاؤں ختم ہو جاتے اور میں اپاہج ہو جاتی..... وہ تو شکر ہے کہ میرا جاپ پورا ہو گیا۔ خیر! کوئی احسان نہیں کیا میں نے کسی پر۔ اپنے من کو روگ لگا ہے تو یہ سب کچھ کیا ہے۔ ورنہ سچی بات یہ ہے کہ سنسار میں کوئی کسی کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔

''تو ٹھیک ہے۔ ہنسو، بولو! مجھے بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

''تم ملی اس سے؟''

''درشنا سے؟''

''ہاں!''

''اصل میں وہ بہتوں کا پیارا ہے اور ابھی اسے دوسروں سے نجات نہیں ملی۔ سب کے سب اس کے آگے پیچھے پھر رہے ہیں۔ میرے تو ہاتھ ہی نہیں لگا وہ۔''

''اس سے ملو۔ جب تک وہ اپنے من سے کسی سے نہیں ملے گا، اسے اپنی طرف متوجہ نہیں کیا جا سکتا۔''

''ٹھیک ہے۔ اب میں خود ہی ایسی کوشش کروں گی۔ رادھے شام جی بیچارے ضرورت سے زیادہ ہی میرے احسان مند ہو گئے ہیں۔ اچھا! یہ بتاؤ، اگر اس سے ملوں تو اسے تمہارے بارے میں کیا بتاؤں؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ میرا مطلب ہے بتانے کی۔ تمہارا جو من چاہے کہہ دینا۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ اور اگر میرا من کچھ اور چاہے تو؟''

''رتنا پر مزہ لہجے میں بولی اور سمپورنی اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ ''نہیں! میں جانتی ہوں تو کتنی اچھی دوست ہے۔''

سمپورنی کے ان الفاظ پر رتنا مسکرانے لگی۔

☆

رندھیرا کے قہقہے بلند ہو رہے تھے اور شردھا پریشان نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جب رندھیرا بہت دیر تک ہنستی رہی تو شردھا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہماری عمریں اب ایسی نہیں ہیں رندھیرا کہ ہم نوجوان لڑکیوں جیسی حرکتیں کریں۔ آخر تم اپنی ہنسی کی وجہ تو بتاؤ۔''

''ایک بہت بڑی کامیابی کی خبر لے کر آئی ہوں۔ ماری گئیں..... دونوں سسریاں ماری گئیں..... وہ ہو گیا جو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بڑا کام بن گیا۔ بڑا ہی کام بن گیا۔ بہت ہی اچھا ہوا..... لطف آ گیا۔ یوں سمجھو! لطف آ گیا۔''

''بکے جائے گی.... بتائے گی نہیں کیا ہو گیا؟'' شردھا بھی ہنس کر بولی۔

''تمہیں پتا ہے سمپورنی دیوی پریم کرنے لگی ہیں۔ ارے واہ! ساری عمر بھگتی میں گزاری اور کچھ سے کچھ ہو گئیں اور اب لگا ہے پریم روگ من کو۔ دیکھا تو نے کیا مزے کی بات

ہے۔ پریمیکا ہوگئی ہیں۔ درشنا سے پریم کرنے لگی ہیں۔''

''کون! سمپورنی؟''

''ہاں.....''

''تو اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟''

''ارے مزہ آ گیا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں آج کل تو ہمارا ایک ہی کام ہے، ان لوگوں کے بارے میں کھوج کرنا۔ دونوں بڑے آرام سے یہاں رہ رہی ہیں۔ سمپورنی نے اس چڑیل کو بھسم کرنے کے لئے بہت کام کیا ہے۔ میں جانتی ہوں اس نے جو جاپ کیا ہوگا پہلے بھی میں نے تمہیں اس بارے میں بتایا تھا۔ اب یہ ہے کہ سمپورنی دیوی نے کھل کر اپنی سکھی رتنا سے کہہ دیا ہے کہ ان کا پریم پار لگائے اور درشنا کو بتائے کہ اس پر یہ احسان سمپورنی نے کیا ہے۔ درشنا کے من میں سمپورنی کا پریم جگائے۔ اور اس کا وعدہ ہماری دیوی جی نے کر لیا ہے اور اب بہت جلد ان کی اور درشنا کی ملاقات ہونے والی ہے۔''

''تو پھر؟''

''واہ! یہی تو وقت ملا ہے ہمیں اپنا کام کرنے کا۔ سنو! ایک بات میں تمہیں بتاؤں۔ درشنا پر نظر رکھو کہ وہ کب رتنا سے ملنے آتا ہے۔ اور جب وہ رتنا سے ملنے آئے گا تو اس سے رتنا نہیں، میں ملوں گی..... میں.....''

''تم.....؟''

''ہاں.....! رتنا کے روپ میں۔ اور پھر کیا ہوگا، اس کے بارے میں اگر تمہیں ابھی سے بتا دوں تو تم خوشی سے پاگل ہو جاؤ گی۔ ماردیں گے ہم دونوں مل کر۔ یہ لڑکیاں بہت آگے نکل چکی ہیں۔ مگر ہم سے بڑا گیان نہیں رکھتیں، ہم سے بڑا تجربہ نہیں رکھتیں۔ دیکھنا تو سہی کیسے چت کرتی ہوں میں اُن دونوں کو۔'' رندھیرا نے کہا اور پھر اس کا چہرہ بھیانک سے بھیانک تر ہوتا چلا گیا۔ ''وہ اپنے آپ کو بڑا گیانی سمجھتی ہے۔ ماچس کی ڈبیہ میں بند کر کے جوہا میں نہ ڈال دوں تو میرا نام بھی رندھیرا نہیں ہے۔''

''لیکن کرو گی کیا؟ کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ۔'' شردھا نے پوچھا۔

''سنو! جب تم مجھے یہ بتاؤ گی کہ درشنا، رتنا سے ملاقات کرنے جا رہا ہے تو میں رتنا کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی اور پھر اس کی جگہ لے لوں گی اور تم اسے سنبھال لینا، میرا مطلب

ہے سمپورنی کو۔ کیا تم ایسا نہیں کر سکتیں؟''

شردھا سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر بولی۔ ''ٹھیک ہے۔ تم اس کی تو فکر ہی مت کرو۔ جو کام میرے سپرد کرو گی، میں اسے بخوبی کر ڈالوں گی۔ تم میری طرف سے بالکل اطمینان رکھو۔''

اور یہی ہوا۔ جب درشنا نے فیصلہ کیا، رادھے شام سے کہا کہ وہ رتنا سے ملنا چاہتا ہے تو رادھے شام جی بولے۔ ''ٹھیک ہے بیٹا! تم جاؤ۔ بلکہ ایسا کرو، میں رتنا سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ تیار رہے۔ درشنا اس سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہے۔''

''لیکن دادا جی! میں ایسے ہی چلا جاتا ہوں آپ اس سے یہ بات کہہ کر کیا کریں گے؟''

''نہیں بیٹا! رتنا کو ذہنی طور پر تیار کئے دیتا ہوں۔ کیا سمجھے؟''

''آپ کی مرضی دادا جی! جیسا آپ پسند کریں۔'' درشنا نے جواب دیا۔

ان دونوں میں سے کسی کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ کوئی چڑیل ان کے قریب موجود ہے اور یہ بات سنتے ہی وہاں سے بھاگ نکلی ہے، ایک خوفناک منصوبے پر عمل کرنے کے لئے۔

چنانچہ یوں ہوا کہ رتنا جو اپنی رہائش گاہ میں موجود تھی اس اجنبی عورت کو دیکھ کر چونک پڑی۔ اس شاندار رہائش گاہ میں ویسے تو اس کی ملاقات سب سے نہیں ہوئی تھی، بس جو خاص خاص تھے وہ اس سے ملنے کے لئے آ گئے تھے لیکن اور بھی کچھ صورتیں تھیں جن سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ آنے والی ایک خوش شکل عورت تھی۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر وہ رتنا سے بولی۔

''رتنا جی! شانتی دیوی آپ کو بلا رہی ہیں۔ کوئی بہت ہی ضروری کام معلوم ہوتا ہے۔ ذرا اُدھر پرانی حویلی میں آیئے..... آیئے! میں آپ کو راستہ بتاؤں۔''

رتنا، شانتی دیوی کا بہت احترام کرتی تھی۔ وہاں جانے کے لئے بھلا وہ کیسے انکار کرتی۔ چنانچہ اس عورت کے ساتھ چل پڑی۔ عورت اسے ساتھ لئے ہوئے ایک طرف پہنچی اور اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''آیئے..... اندر آ جایئے! شانتی دیوی، آپ سے کوئی بہت ہی خاص بات کرنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ میں آپ کو یہاں لا کر بٹھا دوں۔''

رتنا بے خیالی کے انداز میں جا کر بیٹھ گئی۔ شانتی دیوی کا نام ہی ایسا تھا کہ وہ کوئی اعتراض نہیں کر سکتی تھی۔ عورت بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ پھر عورت نے کہا۔ ''رتنا جی! بھگوان کی سوگند! آپ اتنی سندر ہیں کہ کوئی بھی آپ کو دیکھ کر من ہار سکتا ہے۔''

"اچھا.... چلو! تمہاری مہربانی۔ تم نے مجھے اس قابل سمجھا۔ مگر تم ہو کون؟"

"سیتا ہے میرا نام۔ یہیں رہتی ہوں۔ لیجئے! یہ شربت پئیں۔" اس نے سامنے رکھے ہوئے جگ اور گلاس کو اٹھایا۔ گلاس میں شربت ڈالا اور رتنا کو دے دیا۔

"ارے نہیں! اس کی ضرورت تو نہیں ہے۔" رتنا نے کہا۔

"لیجئے نا! مجھے خوشی ہوگی۔"

"تو تم بھی لو سیتا!"

"نہیں! نوکر ایسے کام نہیں کرتے۔"

رتنا نے خاموشی سے گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا اور گھونٹ گھونٹ کر کے یہ مزے دار شربت پینے لگی۔ لیکن دو تین ہی گھونٹ اس کے سینے میں اترے تھے کہ اس کی آنکھوں میں نیند سی اترنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اس صوفے پر اوندھی ہوگئی تھی۔ خوبصورت عورت نے جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر رتنا کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر دیکھا اور اس کے بعد اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھایا۔ اس کمرے میں ایک الماری بنی ہوئی تھی۔ غالباً پہلے سے تمام منصوبہ بندی کر لی گئی تھی۔ الماری کا ایک پٹ کھول کر اس نے بے ہوش رتنا کو اس میں کھڑا کیا اور اس کے بعد بڑے اطمینان سے پٹ بند کر کے وہاں سے باہر نکل گئی۔

ادھر تو اس نے یہ کام کیا اور ادھر سمپورنی جو ایک خاص عالم میں اپنے آپ کو مختصر کر کے اس مورتی کی شکل میں ایک الماری میں رکھی ہوئی تھی۔ یہ اس کا ایسا روپ ہوتا تھا جس میں وہ دنیا سے بے خبر ہو کر ساکت ہو جاتی تھی اور اس وقت تک باعمل نہیں ہوتی تھی جب تک کہ وہ خود نہ چاہے یا کوئی اسے متحرک نہ کرے۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ پتھر کی ایک ایسی ہی مورت کی شکل میں اپنی جگہ رکھی ہوئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کس ہاتھ نے اُسے اُٹھایا ہے اور ایک ڈبے میں بند کر کے ایک الماری کے اُوپری حصے میں محفوظ کر دیا ہے۔ سمپورنی تمام ماحول سے بے خبر ایک طلسمی نیند میں گرفتار تھی۔

دونوں چڑیلیں اپنا کام کر رہی تھیں۔ ایک طرف رندھیرا نے منصوبے کے مطابق رتنا کو بے ہوش کر کے قید کر دیا تھا تو دوسری طرف سمپورنی بھی شردھا کے ہاتھوں تھوڑی دیر کے لئے قید ہوگئی تھی۔ ہاں! اگر وہ خود چاہتی اور اپنا روپ بدلنے کی کوشش کرتی تو ایسا ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ بھی اتفاق ہی ہوتا۔

رندھیرا کے لئے یہ مشکل نہیں تھا کہ وہ رتنا کا روپ دھار لے۔ درشنا اس سے ملنے کے لئے آ رہا تھا اور وہ اس وقت کمرے میں بیٹھے رادھے شام کی منتظر تھی۔ وہ رتنا کے روپ میں بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔ رتنا ویسے بھی بہت زیادہ حسین تھی اور اس وقت رندھیرا نے اپنے آپ کو رتنا کے روپ میں بہت زیادہ حسین بنا لیا تھا۔

رادھے شام جی اندر داخل ہوئے اور رتنا کو دیکھ کر خوشی سے مسکرا اٹھے۔ "ارے واہ.... واہ.... واہ... میری رتنا بیٹی! کتنی سندر لگ رہی ہے اس وقت۔ یہ سندرتا تو تیرے اندر کی ہے جو تیرے چہرے پر ابھر آتی ہے۔ اپنے آپ کو اسی طرح رکھا کر بیٹی! میرا دل خوش ہوتا ہے۔"

رندھیرا نے مکاری سے گردن جھکا لی اور بولی۔ "دادا جی! آپ میرے بھی تو دادا جی ہیں۔ بس آپ نے مجھے اتنا مان دیا ہے کہ میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتی۔"

"لو الٹی بات۔! ارے تو نے ہمارے گھر کا بجھا ہوا چراغ روشن کر دیا ہے اور الٹا کہہ رہی ہے کہ ہم نے تجھ پر احسان کیا ہے؟ جیون بھر تیرے چرن دھو دھو کر پیتے رہیں تب بھی تیرا یہ احسان نہیں اُتار پائیں گے۔ اچھا سن! وہ درشنا تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ بہت شرمیلا ہے۔ کہتا ہے اکیلے میں ملوں گا۔ پیچھے کے باغ میں حوض کے پاس جو پھولوں کے کنج لگے ہوئے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ جانا۔ درشنا تجھ سے ملنے آ رہا ہے۔ بس! اور کچھ نہیں کہنا مجھے۔" یہ کہہ کر رادھے شام جی باہر نکل گئے۔

رندھیرا کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے دل میں سوچا کہ میں تو خود یہی چاہتی ہوں۔ تھوڑی دیر تک وہ انتظار کرتی رہی۔ سارے کام خوش اسلوبی سے ہو رہے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے داؤ پیچ کھیل لئے تھے۔

کچھ دیر کے بعد رندھیرا، رتنا کے روپ میں باغ میں پہنچ گئی۔ موسم حیرت انگیز طور پر بہت اچھا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ بادل اور ہریالی کا ایک رشتہ ہوتا ہے۔ یہ رشتہ اس وقت بھی قائم تھا اور ماحول اس قدر خوبصورت لگ رہا تھا کہ دل میں خود بخود ایک امنگ پیدا ہو رہی تھی۔

کچھ دیر کے بعد درشنا بھی پھولوں کے کنج کے پاس پہنچ گیا اور رادھے شام کے کہنے کے مطابق اس نے رتنا کو دیکھ کر شکریہ ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ رتنا کے روپ میں رندھیرا اس کا

انتظار کر رہی تھی۔ درشنا کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ ابھی تک اس نے رندھیرا کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔ نگاہیں جھکائے جھکائے اس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور پرنام کیا۔ پھر بولا۔ ''رتنا جی! دادا جی اور سارے گھر والوں نے مجھے آپ کے اس احسان کے بارے میں بتایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑے پھیر میں پڑ گیا تھا۔ پتہ نہیں کیا ہوتا میرا۔ بال بال بچ گیا۔ لیکن اس میں آپ نے میری جو مدد کی ہے، اس کے لئے میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔''

''آپ یہ کہہ کر میرا دل توڑ رہے ہیں درشنا جی!'' رندھیرا نے مترنم آواز میں کہا۔

''نہیں..... مم..... میرا مطلب ہے.....'' درشنا کی آنکھیں اُوپر اُٹھیں اور اس کے بعد جھک نہ سکیں۔ وہ ان آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہو گیا جو اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

درشنا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات آئے اور وہ گھبرا گیا۔ رندھیرا نے کہا۔ ''آپ جیسے سندر نوجوان کو نجانے کتنی نظریں لگتی ہوں گی۔ ایک کم بخت چڑیل آپ کے پیچھے لگ گئی۔ بھلا میں آپ کو اس کے حوالے کیسے کر سکتی تھی؟''

''جی میں سمجھا نہیں۔''

''میرا مطلب ہے، جو کچھ میں نے کیا یہ تو میرے دل کی آواز تھی۔''

''آپ کے دل کی آواز؟''

''ہاں!''

''رتنا جی! میں سمجھا نہیں۔''

''میں نے آپ کو جس حال میں دیکھا، آپ یقین کریں میرا من تڑپ اٹھا۔ میں نے سوچا کہ رتنا کو جیون دے کر بھی اس سندر جوان کی جان بچانی ہے۔ بس! آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میں نے جو کچھ کیا، زندگی کی قیمت پر کیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ جان جاتی ہے تو ہزار بار جائے، جس کے لئے جا رہی ہے وہ ایسی ہزار جانوں کا مالک بن سکتا ہے۔'' رتنا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

درشنا نے کہا۔ ''آپ کی باتیں بھی آپ کی طرح سندر ہوتی ہیں۔''

''اچھا! میں سندر ہوں؟''

''سندرتا ختم ہو جاتی ہے آپ پر۔''

''ارے واہ درشنا مہاراج! آپ نے تو خوب باتیں بنانا شروع کر دیں۔ چلئے! ٹھیک ہے۔ اب یہ بتایئے آپ بالکل ٹھیک ہیں نا؟''

''ہاں! اب بھلا کیا خرابی ہو سکتی ہے میرے اندر لیکن آنے والے وقت میں ایسا ہو سکتا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''اگر آپ مجھے دوبارہ نہ ملیں تو۔''

''ارے..... رے..... رے..... رے..... بات یہاں تک پہنچ گئی؟''

''اس سے بھی بہت آگے۔''

''تو ملنے میں کیا مشکل پیش آئے گی مجھے۔ آپ کے گھر میں رہ رہی ہوں۔''

''کاش! آپ جیون بھر میرے گھر میں رہ سکتیں۔''

''بڑے پھرتیلے ہیں آپ۔ اچھا! اب جایئے، شکریہ ادا ہو گیا۔''

''دوبارہ مل سکتا ہوں آپ سے؟''

''ملتے رہئے۔ نہ ملے تو بے وفا سمجھوں گی آپ کو۔''

''بہت بہت شکریہ!'' رندھیرا نے اسے رخصت کیا۔

درشنا دل پر گھاؤ لے کر گیا تھا۔ چنانچہ اس کے علاوہ رندھیرا کو اور کیا چاہئے تھا۔ اس نے درشنا کے جانے کے بعد اپنا روپ بدلا۔ اب اسے رتنا بنے رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ شردھا کے پاس پہنچ گئی۔ اُدھر شردھا بھی پیپل کے درخت پر واپس آ گئی تھی۔ رندھیرا نے شردھا کو دیکھا اور بولی۔ ''ہاں شردھا! کیا، کیا تو نے؟''

''کرنا تو تجھے تھا۔ میں تو بس سمپورنی کی نگرانی کر رہی تھی۔ ان دونوں کو احساس بھی نہیں ہوگا کہ ہم نے کیا کھیل، کھیل ڈالا۔''

''وہ تو ہے۔''

''چلو! اب کام بن گیا۔ سمپورنی، درشنا سے پریم کرنی لگی ہے اور درشنا رتنا سے۔ ہم نے اپنے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ اب ذرا ان دونوں پر گہری نظر رکھنا ہوگی کیونکہ اصل کام تو اب شروع ہوگا۔'' دونوں شیطان عورتیں قہقہے لگانے لگی تھیں۔

بات کسی عام عورت کی نہیں تھی۔ دو شیطان زادیاں انسانوں کے خلاف سازشیں کر رہی تھیں۔ شیطانی دماغ مصروف عمل تھے۔ رندھیرا اور شردھا نے بڑے زبردست کھیل کا آغاز کیا تھا۔ وہ جو کچھ کر رہی تھیں، کوئی انسان اس سے بمشکل ہی بچ سکتا تھا۔ رتنا اور سمپورنی کو احساس بھی نہیں تھا کہ کیا ہو گیا ہے۔ بہرحال رتنا، سمپورنی سے پوری پوری ہمدردی رکھتی تھی۔ بے شک ان دونوں کے درمیان ایک عجیب وغریب رشتہ قائم تھا لیکن بہرحال دونوں ہی انسان تھیں۔ سمپورنی کو جو قوتیں حاصل ہو گئی تھیں وہ اپنی جگہ تھیں لیکن اس کا دماغ بھی ایک انسان کا ہی تھا اور چڑیلوں سے مقابلہ کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔ دونوں کو احساس بھی نہیں تھا کہ کوئی ان کے خلاف اس طرح زبردست کارروائیاں کر رہا ہے۔ جو لمحات کھو گئے تھے، ان کے بارے میں بھی ان کے ذہنوں میں کوئی خیال نہیں آیا تھا۔

سمپورنی البتہ اب بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''کوئی سوچتا بھی نہیں ہے رتنا جی! کہ دوسرا اس کے لئے کیا کر رہا ہے۔ بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میں نے جو کچھ درشنا کے لئے کیا ہے، اس میں میری جان بھی جا سکتی تھی۔ لیکن درشنا بیچارے کو تو میرا نام بھی پتہ نہیں ہو گا۔''

''میں سوچ رہی ہوں کہ اب بہت دیر ہو گئی ہے۔ درشنا سے مل لوں اور خود اسے تمہارے بارے میں بتاؤں۔'' رتنا نے کہا۔

''تمہاری مرضی۔ ویسے جیسا کہ میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ ابھی مجھے کئی جاپ کرنے ہیں اور اس چڑیل کی موت کا خراج دینا ہے۔ یہ ہمارے خاص طریقہ کار ہوتے ہیں، بہرحال! میں پہلے یہ کام کر لوں اس کے بعد دیکھوں گی کہ آگے کیا کر سکتی ہوں۔''

''تو تمہیں کیا کرنا ہے؟''

''جاپ..... کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ۔ ابھی میں نے طے نہیں کیا کہ کیا کرنا ہے۔''

''ہوں..... ٹھیک ہے۔ تو پھر یوں کرو سمپورنی! کہ جب تم اپنے ان کاموں سے فارغ ہو جاؤ گی، تب درشنا کو میں تمہارے بارے میں تفصیلات بتاؤں گی اور اسے تم سے ملاؤں گی۔ ورنہ دوسری صورت میں اگر میں اسے تمہارے بارے میں بتا دوں تو وہ تمہیں تلاش کرتا رہ جائے۔''

''ٹھیک ہے رتنا! جیسے تم پسند کرو۔ اب میں بھلا اس معاملے میں بولنے والی کون

ہوں۔''

رتنا ہنسنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ ''دل کو لگی ہے تیرے۔ خیر! تو بھی کیا یاد کرے گی کہ کوئی دوست ملی تھی۔''

''اب احسان جتائے جائے گی۔ اس کے بدلے میں جو چاہے، مجھ سے مانگ لینا۔ کسی سے پریم کر ڈالنا۔ کان سے پکڑ کر تیرے چرنوں میں لا ڈالوں گی۔''

''ارے..... بس..... بس..... بس..... تو نے پریم کر لیا، کافی ہے۔ ہم تیرے ہی پریم کو دیکھ کر خوش ہو لیا کریں گے۔'' رتنا نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

بہرحال پھر اس کے بعد وقت گزرتا چلا گیا۔ سمپورنی درحقیقت مصیبتوں کے جال میں پھنس گئی تھی۔ درشنا کو اس چڑیل کے چکر سے نکالنے کے لئے اسے جو عمل کرنا پڑا تھا، وہ انتہائی مشکل اور خطرناک تھا۔ لیکن بہرحال کام تو ہو گیا تھا۔ اب اس کے نتیجے میں اسے جو کام کرنے پڑ رہے تھے وہ ذرا الگ نوعیت کے حامل تھے اور سمپورنی ان کو انجام دینے کے لئے چل پڑی تھی۔

ادھر رتنا معصومیت سے سمپورنی کی محبت کے بارے میں سوچ رہی تھی اور اس کے پریم کو ہر صورت میں کامیاب دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن رندھیرا اور شردھا صحیح معنوں میں اس وقت چڑیلوں کا عمل کر رہی تھیں۔ چنانچہ جیسے ہی سمپورنی گئی اور وقت ہوا تو رندھیرا نے شردھا کو سمپورنی کی طرف بھیجا کہ وہ اسے بہکا کر واپس لے آئے اور رتنا کو رندھیرا نے سنبھال لیا۔

رتنا کے لئے رات کا کھانا آیا تو رندھیرا نے خاموشی سے اس میں بے ہوشی کی دوا ملا دی اور جب رتنا کھانا کھا کر جھومنے لگی تو رندھیرا اسے اٹھا کر اسی الماری میں لے گئی جس میں اس نے رتنا کو پہلے محفوظ کیا تھا۔ بے ہوش رتنا کو الماری میں بند کرنے کے بعد رندھیرا نے رتنا کا روپ دھار لیا اور اس کے بعد معمول کے مطابق باہر نکل آئی۔

اُدھر درشنا اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسی جگہ پہنچ گیا جہاں رتنا نے اس سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ رتنا کی جگہ رندھیرا نے اس کا استقبال کیا۔ مسکرا کر درشنا کو دیکھا اور درشنا نے محبت بھرے انداز میں آگے بڑھ کر رندھیرا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''تم بھی سوچتی ہو گی کہ ایک غلط آدمی کو مصیبتوں سے بچایا۔ تمہارے پیچھے ہی پڑ گیا۔''

''ایک بات نہیں سوچتے تم۔'' رندھیرا نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

اُدھر شردھا، سمپورنی کو کسی ترکیب سے بہکا کر اُدھر لے آئی تھی اور سمپورنی، رتنا کو تلاش کرتی ہوئی ٹھیک اسی جگہ پہنچ گئی۔ دور ہی سے اس نے درشنا کو دیکھ لیا تھا جو پھولوں کے کنج کی طرف جا رہا تھا۔ سمپورنی کو حیرانی ہوئی اور پھر وہ چھپتی چھپاتی پھولوں کے کنج کے عقب میں پہنچ گئی۔ رندھیرا، رتنا کے روپ میں درشنا سے کہہ رہی تھی۔ ''تم جانتے ہو، تمہیں اس چڑیل کے چکر سے بچانے کے لئے میں نے کتنی مصیبتیں اٹھائی ہیں؟''

''میں یہ تو نہیں جانتا کہ تم نے کتنی مصیبتیں اٹھائی ہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ میں اب تمہارا ہوں اور تم جس طرح بھی چاہو، مجھے اپنے چرنوں میں قبول کرلو۔ میں تم سے پریم کرتا ہوں۔ ایسا پریم کہ شاید سنسار میں کسی نے کسی سے نہ کیا ہو۔''

''ایسی باتیں نہ کرو۔ میں سوچتی ہوں کہ کہیں ہمارے پریم کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ آجائے۔''

''وہ رکاوٹ اگر ایسی ہوئی کہ کوئی انسان اسے دور کر سکا تو بھگوان کی سوگند! میں سارے سنسار سے لڑ جاؤں گا اور اس رکاوٹ کو بیچ سے ہٹا دوں گا۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارے من میں میرے لئے پریم ہے یا نہیں؟''

''میرے من میں تمہارے لئے پریم ہی پریم ہے۔ اور میں کیا کہوں؟''

''چلو ٹھیک ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو یہ سمجھ لو کہ اب سنسار میں کوئی ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا۔''

''ایسا ہی ہوگا میرے پریمی! ایسا ہی ہوگا۔ رندھیرا نے کہا اور اپنا سر درشنا کے سینے سے لگا دیا۔

سمپورنی پتھرا کر رہ گئی تھی۔ جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہ بہت آگے کی بات تھی۔ رتنا ایسی نکلے گی، اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ وہاں سے ہٹ آئی۔ لیکن اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ غم و غصے کی آگ میں بری طرح پھنک رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ پورے بدن میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ آگ اور صرف آگ..... اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہ ایک ایسی جگہ آ بیٹھی، جہاں گھاس اُگی ہوئی تھی۔ اُوپر درخت تھے۔ گھاس شبنم میں بھیگی ہوئی تھی۔ وہ اس گھاس پر ناگن کی طرح لوٹنے لگی۔ رتنا! یہ تو نے کیا، کیا؟ میں نے تو تجھے بتا دیا تھا کہ میں نے اپنے جیون میں پہلی

خوشی دیکھی ہے۔ رتنا! تو نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو میرے لئے درشنا کے من میں پریم ڈالے گی۔ تو نے اس طرح میرے سینے میں خنجر اُتار دیئے؟ میں تیری داسی ہوں..... تیری غلام ہو۔ جو من چاہے کر سکتی ہوں۔ لیکن ایک بات سمجھ لے۔ ساری باتیں اپنی جگہ۔ میں اپنی مرضی سے تیری غلام بنی ہوں۔ ایسا کلیجہ چباؤں گی تیرا کہ مرنے کے بعد بھی یاد رکھے گی۔ ٹھیک ہے...... رتنا! ٹھیک ہے..... اس نے سوچا اور پھر آنکھیں بند کر کے اپنے وجود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

اُدھر رندھیرا نے اپنا کام مکمل کرلیا۔ شردھا بھی سب کی نگرانی کر رہی تھی۔ رندھیرا، رتنا کے روپ میں واپس آئی۔ درشنا چلا گیا تھا۔ عہد و پیمان ہوئے تھے اور اس کے بعد رتنا کو الماری سے نکال کر بستر پر لٹا دیا گیا تھا اور دونوں چڑیلیں پیپل کے درخت پر پہنچ گئی تھیں۔

شردھا نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یہ تو واقعی ہم نے بہت بڑا کام سرانجام دے دیا ہے۔ اب ان دونوں کے درمیان خوب چلے گی۔''

''بات اصل میں یہ ہے شردھا! کہ دونوں طاقت والی ہیں۔ خاص طور سے میں سمپورنی کے بارے میں کہوں گی۔ سمپورنی تو اچھی خاصی قوتیں رکھتی ہے۔ اگر وہ برائی پر آمادہ ہو جائے اور اس کو اس بات کا شبہ ہو جائے کہ ہم دونوں، ان دونوں کے خلاف کوئی کام کر رہی ہیں تو یقین کرو! سمپورنی کو سنبھالنا بہت مشکل کام ہوگا۔ مجھ سے زیادہ اسے کون جانتا ہے؟ اصل میں کیونکہ وہ انسان ہے اور اب بھی انسانی روپ میں ہے، میرا مطلب ہے انسانی بدن میں ہی ہے۔ چنانچہ اس کے سوچنے کا انداز اتنا برا نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی قوتوں کا استعمال کرنے پر آ جائے تو ہمارے لئے کافی مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔''

''چلو! ٹھیک ہے۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ۔ ہمارا کام تو اچھے انداز میں ہو رہا ہے۔'' شردھا نے کہا۔ دونوں مسکرا کر خاموش ہوگئی تھیں۔

اُدھر رتنا بیچاری ان تمام معاملات سے بے خبر معمول کے مطابق سمپورنی کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کس طرح درشنا کو سمپورنی کی جانب مائل کرے گی۔ ایسے کاموں کا ابھی اسے کوئی خاص تجربہ نہیں تھا۔ لیکن بہرحال! کیونکہ سمپورنی اس بات کی خواہش مند تھی اس لئے وہ کچھ نہ کچھ کر دینا چاہتی تھی۔ البتہ یہ خیال اسے تھا کہ گھر کے باقی لوگ کہیں اس بات پر اعتراض نہ کریں۔

معاملات چلتے رہے۔ سمپورنی واپس آ گئی اور رتنا نے معمول کے مطابق اس کا استقبال کیا۔ سمپورنی کے انداز میں بڑی اُداسی تھی۔ رتنا نے اسے گدگداتے ہوئے کہا۔ ''تو، تو واقعی مجنوں کی خالہ بنی ہوئی ہے۔ اری باؤلی! سنسار میں یہ کھیل ہوتے ہی رہتے ہیں۔ تو دیکھنا تو سہی کہ کس طرح ہمارے درشنا مہاراج تیرے درشنوں کے پیاسے ہو جائیں گے۔ وہ تیرے چرنوں کی دھول بن جائیں گے۔ اصل میں ایسے کام میں نے کبھی کئے نہیں ہیں، اس لئے ذرا سی پریشانی ہے ورنہ اب تک تو سب کچھ کر چکی ہوتی۔''

سمپورنی جو اب تک یہ ساری باتیں برداشت کر رہی تھی، اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''ہاں! تم نے دوسری طرح کے کام کئے ہیں۔ ایسے کام واقعی تم نے کبھی نہ کئے ہوں گے۔''

''تو اور کیا؟ تجھے تو میرا سارا جیون کھلی کتاب کی طرح معلوم ہے۔''

''اور جب موقع ملا تو تم نے دشمنی اور دوستی سب چھوڑ دی۔'' سمپورنی بدستور تلخ لہجے میں بولی۔

''ارے ارے..... اتنی چھوٹی سی بات پر ناراض نہیں ہوا کرتے۔ کہہ دیا نا بابا! فوری طور پر یہ کام شروع کر دوں گی۔ اب تو زیادہ فکر مند نہ ہو۔ دیکھ لوں گی۔ سب کچھ کر لوں گی۔ تیرے لئے سنسار کا ہر کام کر لوں گی۔''

سمپورنی کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس نے کہا۔ ''رتنا! میں پہلے بھی تجھے کہہ چکی ہوں کہ میں تیری داسی ہوں۔ تیرا حکم ماننے پر مجبور ہوں۔ لیکن تو نے میرے لئے ایسا کوئی جاپ نہیں کیا۔ کرنے والا تو دوسرا ہی آدمی تھا۔ اس نے تجھے میرا مالک بنا دیا، ورنہ تیری کیا ہمت تھی کہ تو وہ جاپ کر کے مجھے اپنے قبضے میں کر لیتی۔ بس! ہو گیا جو کچھ ہونا تھا۔ مگر تو بہت بری انسان ہے۔ تجھے پتہ چل گیا تھا کہ میرے من میں پریم کی آگ جل اٹھی ہے اور جیون میں پہلی بار میں نے اپنی خوشی کے لئے کچھ کیا ہے۔ لیکن تو نے اس کی بھی لاج نہ رکھی اور آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ یہی ہوا نا؟ کیا کہوں تجھ سے اور کیا کہوں۔ مگر ایک بات سن لے۔ میں وہ کر سکتی ہوں جو تو نہیں کر سکتی۔ اور اب میں خود دیکھوں گی کہ تو میرا راستہ کس طرح کاٹتی ہے۔''

''کیا ہو گیا تجھے؟ کیا کہے جا رہی ہے؟''

جانے دے رتنا..... جانے دے! ایسی باتیں نہ کر۔ میں اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ چکی ہوں..... جانے دے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بولوں گی۔'' سمپورنی نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ رتنا حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

درشنا، پھولوں کے کنج میں پہنچ گیا۔ حالانکہ آج اس کا رتنا سے کوئی وعدہ نہیں تھا۔ لیکن نجانے کیوں اس کے دل میں ایک خیال اٹھ رہا تھا وہ یہ کہ رتنا وہاں ضرور آئے گی۔ دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی ہے۔ درشنا ذرا مختلف قسم کا انسان تھا۔ اس کی زندگی میں کبھی بہت ساری گہرائیاں نہیں آئی تھیں۔ وہ حسن پرست اور دل پھینک تھا۔ بے شک سب لوگوں نے اسے بتایا تھا کہ رتنا نے اس پر احسان کیا ہے اور رتنا کی وجہ سے اسے اس چڑیل سے نجات ملی ہے۔ لیکن اگر رتنا خوبصورت نہ ہوتی، اگر وہ ایک بدشکل عورت ہوتی تو لازمی بات تھی کہ درشنا اس کی طرف مائل نہ ہوتا۔ بات رتنا کے حسن کی تھی۔ بہرحال! اس وقت پھولوں کے کنج میں وہ رتنا کا انتظار کر رہا تھا۔ کافی دیر گزر گئی، رتنا نہ آئی۔

اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ ایک بڑی ہی حسین خوشبو فضا میں پھیل رہی ہے۔ ساتھ ہی اپنے پیچھے اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ عورت تھی کہ راج اندر کے اکھاڑے سے اتری ہوئی کوئی اپسرا۔ بال بال موتی پروئے ہوئے تھے۔ اتنی حسین کہ آنکھ نہ ٹکے۔ بس! یوں لگتا تھا جیسے چاند کے طباق میں انسانی نقوش تراش دیئے گئے ہوں۔ بہت ہی حسین چہرہ لگا۔ لباس بھی بے حد حسین تھا اور خوشبو بھی اسی میں سے اٹھ رہی تھی۔

درشنا پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ لڑکی آگے بڑھی اور اس کے عنابی ہونٹ مترنم ہوئے۔ ''درشنا! پہچانا نہیں نا مجھے؟'' آواز تھی کہ سونے کی گھنٹیاں بجی تھیں۔ درشنا کی آنکھوں میں رس ہی رس اتر آیا۔ اس پر خواب جیسی کیفیت طاری ہو گئی۔

بمشکل تمام اس کے ہونٹ ہلے اور وہ بولا۔ ''کون ہو تم؟''

''تو..... مجھے نہیں پہچانا درشنا؟''

''نہیں!''

''پورن ہوں تمہاری۔''

"کون؟"

"پورن۔"

"مگر یہ نام میرے لئے نیا ہے۔"

"برا مان جاؤں گی تمہاری باتوں کا۔ تمہارے لئے یہ نام نیا ہے۔ میرے لئے تمہارا نام نیا نہیں ہے۔ تم جانتے ہو میں نے تمہارے لئے کتنی مشکلات گزاری ہیں؟"

"میرے لئے؟"

"تو اور کیا؟ نام کر لیا اُس پاپن رتنا نے اپنا۔ اس چڑیل سے تمہیں آزاد کرنے کی کوشش میں نے کی تھی۔ رتنا بلا وجہ اپنا نام کر بیٹھی۔ وہ ناگن ہے۔ چالاک ہے۔ تمہیں اپنے جال میں پھانسنا چاہتی ہے۔ اس کے جال میں مت آنا درشنا! وہ تمہیں ایسے راستے پر لے جا کر مارے گی کہ تمہیں پانی بھی نہیں ملے گا۔"

"مگر رتنا نے میرے لئے....."

"کچھ نہیں کیا تمہارے لئے اس نے۔ جو کچھ کیا، میں نے کیا۔ وہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ آزما کر دیکھ لینا تم اسے۔ اس کے اندر کوئی گیان نہیں ہے۔ وہ تو بس ایک معمولی سی لڑکی ہے۔"

"مگر تم پورن......"

"ہاں میں.....سنو! مجھے اپنے من میں رکھنا۔ میرے بارے میں کسی سے نہ کہنا۔ میں روزانہ تم سے ملا کروں گی اور اس کی تم فکر مت کرنا کہ میں تمہیں کہاں تلاش کروں گی یا تمہیں کہاں آنا ہے۔ یہ میرا اپنا کام ہے کہ میں تمہیں تلاش کروں۔"

"پورن! رتنا سے میں کیا کہوں؟"

"کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! اگر کبھی دل چاہے اسے آزمانے کے لئے تو آزما لینا۔ وہ کبھی تمہارے کسی کام نہیں آئے گی۔ وہ پاپن بڑی بری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں خود اس سے نہیں ملوں گا۔ ہاں! اگر رتنا میرے پاس آئی تو پھر میں اس سے پوچھوں گا کہ اس نے میرے لئے کیا، کیا ہے۔"

"اور یہ بھی پوچھنا اس سے کہ کیا وہ تمہارے لئے اور کچھ کر کے دکھا سکتی ہے؟"

"ہاں! وہ تو معلوم کرنا ہی پڑے گا۔ دادا جی تو اس کے دیوانے ہو گئے ہیں۔"

"وہ اتنی چالاک ہے کہ اپنا کام کر لیتی ہے۔"

بہت دیر تک درشنا اس اپسرا سے باتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے جانے کی اجازت مانگی تو درشنا نے کہا۔ "مگر دیوی! اب میں تم سے کب ملوں گا؟"

"کل رات....."

"کہاں....؟"

"اپنے کمرے میں آرام سے بیٹھنا۔ میں خود تمہارے پاس آ جاؤں گی" اس نے کہا اور نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

درشنا اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ بڑی عجیب سی کیفیت تھی اس کی۔ ایک طرف وہ رتنا کے حسن کا متوالا تھا۔ لیکن لمحوں کے اندر اندر سمپورنی نے رتنا کا چراغ بجھا دیا تھا اور اب وہ پورن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کتنی حسین، کتنی سندر ہے۔ بھگوان! یہ تو مجھ پر حسن کی بارش ہو گئی ہے۔ کیا کرنا چاہئے.....کیا ہونا چاہئے....؟ وہ سوچتا رہا۔ بہت دیر کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی آرام گاہ کی جانب چل پڑا۔

☆.....☆.....☆

اُدھر رتنا، سمپورنی کے ناراض ہو جانے کی وجہ تلاش نہیں کر سکی تھی۔ درشن ہی کی بات کی تھی سمپورنی نے۔ درشن سے تو اس نے ابھی تک کوئی ملاقات بھی نہیں کی تھی۔ سمپورنی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہو۔ درشن جائے بھاڑ میں۔ رتنا کے دل میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے صرف دادا جی کی وجہ سے درشن کو توجہ کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ اس کے بعد سمپورنی نے اس سے الفت کا اظہار کیا تھا تو اسے درشن سے تھوڑی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ مگر سمپورنی کی غلط فہمی کی بنیاد کیا ہے؟ یہ بات رتنا کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی اور وہ اس سلسلے میں کافی پریشان تھی۔ یوں یہ دلچسپ کھیل چل رہا تھا۔

دوسرے دن سمپورنی نے درشن کے کمرے میں نمودار ہو کر درشن کے دل میں اپنے لئے ایک اور مقام پیدا کر لیا۔ دروازہ بند تھا اور درشن کرسی پر بیٹھا سمپورنی ہی کا خیال کر رہا تھا کہ اچانک وہی خوشبو فضا میں لہرائی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو پورن موجود تھی۔

درشن نے حیران نگاہوں سے بند دروازے کو دیکھا اور پھر بولا۔ ''تم یہاں کیسے آ گئیں؟''

''درشن جی کے درشن کے لئے میں موٹی موٹی دیواروں سے بھی گزر سکتی ہوں۔''

''پورن! تم کون ہو؟ مجھے کچھ تو اپنے بارے میں بتاؤ۔''

''بس! داسی ہوں درشن مہاراج کی۔ درشن کی دیوانی ہوں۔ درشنا کے درشن کرنے آ جاتی ہوں۔''

''پورن! میں تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ میری تقدیر اس طرح مجھے مان دے گی اور مجھے تم جیسی حسین لڑکی سے ملا دے گی۔ تم تو پراسرار قوتوں کی مالک بھی ہو۔''

''درشنا! میں تمہارے لئے سنسار کی ہر چیز مہیا کر سکتی ہوں۔ جیون میں تمہیں وہ سب کچھ دے سکتی ہوں جو کوئی اور نہ دے سکے۔ بس تمہارا پریم میرے لئے ہونا چاہئے۔''

''ایک بات کہوں پورن! حیرانی کی بات ہے کہ جب میں رتنا سے ملا بلکہ یوں سمجھو کہ دادا جی نے مجھے رتنا کے پاس بھیجا تھا کہ میں اس کا شکریہ ادا کروں۔ جب میں رتنا سے ملا تو میرے من میں اس کے لئے ایک مقام پیدا ہو گیا اور میں نے اپنے دل میں اس کے لئے جگہ پائی۔ مگر تم نے دو منٹ میں مجھ سے اس کا پریم چھین لیا۔ اب میں صرف تمہاری یادوں میں کھویا رہتا ہوں۔''

''سچ کہتے ہو درشنا؟''

''ہاں پورن! جس وقت چاہو، آزما لو۔''

آدھی رات تک سمپورنی، پورن کے روپ میں درشن کے کمرے میں بیٹھی رہی۔ وہ دل ہی دل میں خوش تھی اور سوچ رہی تھی..... رتنا! میں نے تجھ پر احسان کیا تھا۔ مگر اچھا ہے کہ تجھ جیسی کم ظرف نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔

پھر سمپورنی، درشن کے کمرے سے اٹھ گئی۔ اس نے اپنے لئے الگ ٹھکانہ بنا لیا تھا اور بہت ہی خوش رہنے لگی تھی۔ رتنا کے لئے اس کے دل میں برائی ضرور تھی لیکن رتنا اس کے مقابلے کی چیز تھی ہی نہیں اس لئے اس نے اس کی زیادہ پرواہ بھی نہیں کی تھی۔

اُدھر رتنا بیچاری ٹھنڈی آہ بھر کر خاموش ہو گئی تھی۔ بھلا وہ سمپورنی کو کیسے سمجھا سکتی تھی؟ اس کے پاس تو کوئی ذریعہ ہی نہیں تھا۔ اور ویسے بھی سمپورنی کا اب کوئی نام ونشان نہیں مل رہا تھا۔ بہرحال وہ تقدیر پر بھروسہ کر کے خاموش ہو گئی۔ جو ہوا ہے، اس کے خلاف کچھ کیا بھی تو نہیں جا سکتا۔ چنانچہ مجبور تھی۔ بلکہ اب تو وہ یہ سوچ رہی تھی کہ تھوڑے وقت کے بعد رادھے شام جی کا یہ گھر بھی چھوڑ دے گی اور اپنے لئے سنسار میں کوئی جگہ تلاش کر لے گی۔ سمپورنی تو ایک خواب تھی اور خواب آخر کار ختم ہو جاتے ہیں۔ آنکھ کھل جاتی ہے..... ہاں! دکھ اسے ضرور تھا کہ نجانے سمپورنی کو کیا ہو گیا۔ ساری باتیں اپنی جگہ وہ ایک اچھی دوست تھی اور دوستیاں ختم ہو جائیں تو دکھ تو ہوتا ہی ہے۔ بہرحال کیا، کیا جا سکتا ہے۔

سمپورنی پوری طرح کامیاب رہی تھی۔ اس میں کچھ درشنا کی فطرت کا بھی دخل تھا جس نے فوراً ہی سمپورنی کا پریم قبول کر لیا تھا اور رتنا سے اس نے جو محبت کے راستے استوار کئے تھے وہ ایک دم ختم کر دیئے۔ رتنا کو اس لئے زیادہ فکر نہیں ہوئی تھی کہ اس کے دل میں درشنا کے لئے ایسی کوئی بات تھی ہی نہیں۔ بہرحال! اسی طرح گاڑی چل رہی تھی اور ساری

صورتحال بظاہر بہتر تھی۔ لیکن شردھا اور رندھیرا جو سازشیں کر رہی تھیں، ان کے کچھ نہ کچھ بھیانک نتائج برآمد ہونے ہی تھے اور بس اسی کا انتظار تھا۔

سمپورنی کی ملاقاتیں تقریباً روزانہ ہی درشنا سے ہوتی تھیں اور چونکہ بات بن گئی تھی اور درشنا، سمپورنی کی جانب پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا اس لئے رتنا سے سمپورنی کی نفرت آگے نہیں بڑھی تھی۔ سمپورنی نے بس رتنا سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے پاس نہیں آتی تھی۔ رتنا اسی جگہ رہتی تھی جہاں رادھے شام جی نے اسے رکھا تھا۔ سمپورنی چونکہ شروع ہی سے ان لوگوں کے سامنے نہیں آئی تھی اس لئے اس کا اپنا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ لیکن اس جیسی پراسرار علوم کی ماہر عورت کے لئے اپنے قیام کی کوئی جگہ بنا لینا مشکل کام نہیں تھا چنانچہ وہ بھی آرام سے اسی شاندار کوٹھی کے ایک حصے میں رہ رہی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ بند کمروں میں رہتی تھی اور اس کے بارے میں کسی کو علم نہیں تھا۔

یہ ساری باتیں اپنے طور پر ہو رہی تھیں لیکن شردھا اور رندھیرا کو یہ خاموشی اور تعطل پسند نہیں آیا تھا۔ چنانچہ وہ فکرمند تھیں اور سوچ رہی تھیں کہ کوئی اور عمل ہونا چاہئے۔ سمپورنی کو وہ کتنی ہی بار درشنا کے ساتھ درختوں کے کنج میں دیکھ چکی تھیں۔ اس وقت بھی وہ فکرمند پیپل کے درخت کی جڑ میں بیٹھی ہوئی تھیں اور گہری سوچ میں تھیں۔

رندھیرا نے کہا۔ ''شردھا! تمہارے جیون بھر کی شردھا اس سلسلے میں کوئی کام نہیں کر رہی۔''

شردھا نے نگاہیں اٹھا کر رندھیرا کو دیکھا اور بولی۔ ''اور تم بھی تو بڑی گیانی دھیانی ہو۔ میں تو خیر جو کچھ بھی ہوں، تم جانتی ہی ہو۔ لیکن تمہارا علم بالکل بیکار ثابت ہو رہا ہے اس سلسلے میں۔''

''نہیں! ایسی بات نہیں ہے۔ سمپورنی اب میرے ہاتھوں کی پہنچ سے زیادہ دور نہیں ہے۔ لیکن میں یہ سوچ رہی ہوں کہ کوئی ایسی کام کی بات ہو کہ رتنا تمہارے قبضے میں ہو اور سمپورنی میرے قبضے میں۔ ایسی کوئی اہم بات نہیں ہوئی ہے۔ اصل میں ان دونوں کے درمیان نفرت کی وہ دیوار قائم نہیں ہوئی جو ہم چاہتے ہیں جب یہ ایک دوسرے سے شدید نفرت کریں گی اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گی تو ہمارا مقصد پورا ہو گا کیونکہ ان کے دل ایک دوسرے سے ہٹنا بے حد ضروری ہیں۔''

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ شردھا بیٹھی خلاؤں میں تک رہی تھی۔ دفعتاً اس کی نگاہ آسمان کی طرف اٹھی اور اس نے آسمان کو دیکھا اور ایک دم اس کے ہونٹوں پر ایک خوشی سے بھری ہوئی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ ''رندھیرا!''

رندھیرا نے چونک کر اسے دیکھا اور بولی۔ ''ہاں بولو! کیا بات ہے؟''

''رندھیرا! اتنی دور کی کوڑی لائی ہوں کہ تو سنے گی تو خوشی سے اُچھل پڑے گی۔''

''تو سناؤ نا جلدی سے۔ میں تو واقعی یہ سوچ رہی ہوں کہ ہم ان معمولی سی لڑکیوں کے مقابلے میں ناکام رہی ہیں جبکہ ایسا ہونا نہیں چاہئے۔''

''رندھیرا! کل پورن ماشی ہے یعنی پورے چاند کی رات۔''

''ہاں! تو پھر؟''

''ارے باؤلی بھول گئی؟ یہ دونوں لڑکیاں انسانی خون پیتی ہیں اور خاص طور سے پورن ماشی کی رات کو یہ خون کی دیوانی ہو جاتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر پورن ماشی کو یہ خون نہیں پیتیں اور خاص طور سے سمپورنی..... سمپورنی تو اب پریم جال میں پھنس گئی ہے اس لئے اسے خون پینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت تو رتنا کو بھی نہیں ہوتی لیکن اگر اور کوئی کام نہ ہو تو وہ ایسا کرتی ہیں۔''

''تو مقصد کیا ہے تیرا؟'' رندھیرا نے شردھا سے پوچھا۔

''اب تو ایسا کر رندھیرا! کہ کسی طرح سمپورنی کو کسی کام میں مصروف کر دے۔ ایسے کام میں کہ وہ معمول کے مطابق درشنا سے ملنے پھولوں کے اس کنج میں نہ جائے۔ رتنا تو ویسے بھی وہاں نہیں جاتی۔ وہ اپنے کمرے میں ہی ہو گی۔ باقی سارا کام میں کر دوں گی۔''

''پہلے مجھے تفصیل بتا! کیا کام کرے گی تو؟''

''میرا خیال ہے اس کے بعد ہمیں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی اور ہمارا کام خود بخود ہو جائے گا۔''

''مطلب؟''

''درشنا پھولوں کے کنج میں آئے گا۔ وہاں میں سمپورنی کے روپ میں موجود ہوں گی۔ میرے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہو گا۔ اور اس کے بعد میں درشنا کا خون پی لوں گی اور بالکل ویسے ہی عمل کروں گی جیسے عمل کے بعد لاشیں ملتی ہیں۔ اس کے بعد تم سمپورنی کو یہاں

بھیج دینا۔ سمپورنی کو درشنا کی لاش ملے گی اور اس کے بعد اس کی جو کیفیت ہوگی اس کو دیکھ کر سمپورنی صرف اور صرف یہ سوچے گی کہ رتنا نے جوش رقابت میں یہ سب کچھ کیا ہے۔ اس بعد بھی اگر ان کے درمیان نفرت کی وہ اونچی دیوار کھڑی نہ ہوئی تو پھر بہتر یہ ہوگا کہ ہم انہیں چھوڑ کر کسی اور کام سے لگ جائیں۔''

رندھیرا دلچسپی کی نگاہوں سے شردھا کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''سچ مچ! تیرے دماغ میں شیطان دیوتا آ بسے ہیں۔''

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ درشنا، رتنا کے بارے میں سوچتا تھا۔ رتنا سے اس نے خود محبت کا اظہار کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد پورن آ گئی تھی اور پورن کو دیکھ کر درشنا، رتنا کو بھول گیا تھا۔ اس شام بھی رادھے شام جی نے اس سے کہا۔ ''ارے درشنا! یہ رتنا ہر وقت اپنے کمرے میں کیوں گھسی رہتی ہے؟ تیری مہمان ہے۔ اس نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ اس سے رابطے بڑھا اور اسے گھمانے پھرانے لے جا۔ اس سے بات کر کہ کہیں جانا تو نہیں چاہتی؟ اگر نہ جانا چاہے تو اس کے لئے یہیں مستقل ٹھکانہ بنانے کی بات سوچتے ہیں اور کوئی ایسا عمل کرتے ہیں جس سے وہ یہاں ہنسی خوشی زندگی بسر کرے۔ کیا کہتے ہو اس بارے میں؟''

''ہاں دادا جی! وہ تو ٹھیک ہے۔ اصل میں رتنا جی خود اکیلی رہنے کی عادی ہیں۔ میں نے اُن کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اُن سے بات چیت کی تھی۔ بس! اس کے بعد انہوں نے مجھ سے کچھ نہ کہا۔ بلکہ بعد میں دادا جی! مجھے یہ پتہ چلا کہ کوئی اور ہستی ہے جو میرے لئے کام کر رہی تھی۔''

''کیا کہہ رہا ہے؟ کون ہستی ہے وہ؟''

''ہے دادا جی! اصل میں وہی ہے جس نے میرا جیون بچایا ہے اور مجھے اس چڑیل سے نجات دلائی ہے۔''

''مجھے تو لگتا ہے تیرا دماغ ہی خراب ہو گیا ہے۔ میرے سامنے تو کوئی ایسی ہستی نہیں آئی اور نہ ہی رتنا نے مجھے کسی ایسی ہستی کے بارے میں بتایا۔''

''میں آپ کو اس سے ملا سکتا ہوں دادا جی!''

''کیا مطلب؟''

''وہ مجھ سے ملی تھی۔''

''کون؟''

''پورن ہے اس کا نام۔''

''باؤلے! کس پھیر میں پڑ گیا؟ کیا پھر کوئی چڑیل تیرے پاس آ گئی؟''

''دادا جی! جسے میں من سے چاہتا ہوں، اسے چڑیل تو نہ کہیں۔''

''ارے پاگل! تو، تو اسے بھی من سے چاہنے لگا تھا جس نے تیرا حلیہ خراب کر دیا تھا۔''

''دادا جی! یہ وہ نہیں ہے۔ آپ اس کی توہین نہ کریں۔''

''ٹھیک ہے بابا ٹھیک ہے۔ ویسے بھی رتنا بیچاری کے لئے ہم نے کوئی تیرا نام تو نہیں لکھ دیا تھا۔'' رادھے شام جی خاموش ہو گئے۔ وہ جوانی کو جانتے تھے۔ یہ سرکش چیز بھلا کب کسی کے قابو میں آتی ہے؟

رادھے شام جی سے جو باتیں ہوئی تھیں انہوں نے درشنا کے دل میں ایک بار پھر پورن کی محبت پوری طرح جگا دی تھی۔ چنانچہ وہ انتظار کر رہا تھا۔ پھر خاصی رات ہو گئی۔ جب وہ باہر نکلا تو آسمان پر پورا چاند چڑھا ہوا تھا۔ اُس نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے سوچا کہ پورن کیسی لگ رہی ہوگی۔ وہ ضرور یہاں آئی ہوگی جیسے کہ آتی رہتی ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ پھولوں کے کنج میں پہنچ گیا۔ تا حد نظر خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ اس نے وہ خوشبو تلاش کی جو پورن کی آمد کا نشان ہوتی تھی۔ لیکن وہ خوشبو یہاں موجود نہیں تھی۔ اُس نے دل میں سوچا..... کیا پورن نہیں آئے گی؟ ایک بہت افسوس کی بات یہ تھی کہ وہ پورن کے ٹھکانے کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ ایک دو بار اس نے اس سے شکایت بھی کی تو سمپورنی نے اس سے کہا تھا کہ بہت جلد ان کا اپنا ایک ٹھکانہ بن جائے گا اور وہ اس ٹھکانے کے بارے میں سب سے پہلے درشنا ہی کو بتائے گی۔

درشنا اُداس کھڑا ہوا تھا کہ دفعتاً اسے قدموں کی ہلکی ہلکی آہٹیں سنائی دیں اور دوسرے لمحے وہ چونک پڑا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ پورن ہی تھی جو اس کی جانب آ رہی تھی۔ اس نے بہت ہی حسین لباس پہنا ہوا تھا۔ لیکن اپنے چہرے پر ایک نقاب ڈالی ہوئی تھی۔ ایک ایسی نقاب جو بے حد خوبصورت تھی۔ لیکن اس نے اس کا چہرہ چھپا دیا تھا۔ درشنا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ آج پورن ماشی، چاند کی چودھویں رات کو پورن ماشی بن کر ہی آئی ہے۔ اس نے دل میں سوچا اور پورن کے حسین پیکر کو دیکھنے لگا جو آہستہ آہستہ اس کی جانب

بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بالکل قریب پہنچ گئی تو اس نے کہا۔ ''پورن! آج تم نے اپنے بدن پر وہ خوشبو نہیں لگائی جو تمہارے بدن ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتی ہے۔''

پورن نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ شرما کر گردن جھکا لی۔ ''یہ کون سی ادا ہے بھئی؟ آج تم بہت عجیب لگ رہی ہو مجھے؟''

پورن نے رُخ بدل لیا اور درشن اس کے پاس پہنچ گیا۔ ''چلو! سوچا تو یہ تھا کہ یہ گھونگھٹ اسی وقت اُلٹیں گے جب تمہارے ساتھ پھیرے کر لیں گے۔ لیکن یہ بھی تو نہیں ہو سکتا کہ آج آسمان پر چاند کھلا ہوا ہو اور ہم زمین کے چاند سے اپنی نگاہیں چرائے رکھیں۔ گھونگھٹ اُلٹ دیتے ہیں تمہارا۔''

یہ کہہ کر درشنا نے پورن کا گھونگھٹ اُلٹا اور دوسرے ہی لمحے اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا..... وہ پورن نہیں تھی بلکہ ایک انتہائی بھیانک چہرہ تھا..... انتہائی خوفناک سرخ آنکھیں..... لمبے لمبے دانت..... وہ اتنا بھیانک چہرہ تھا کہ درشنا کے حلق سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔ پھر اچانک سامنے بیٹھی ہوئی خوفناک چڑیل نے اپنے دونوں ہاتھ سیدھے کئے، ہاتھوں کی انگلیاں کوئی آٹھ آٹھ انچ لمبی تھیں اور ان میں ڈیڑھ ڈیڑھ انچ کے ناخن تھے جو مڑے ہوئے تھے۔ دانت باہر نکل آئے تھے۔ آنکھیں بھیانک انداز میں پھٹ گئی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے بدن کے بوجھ سے درشنا کو نیچے گرا دیا۔ درشنا کے حلق سے آواز نکلی..... لیکن چڑیل نے اس کے منہ کو دبا لیا اور اپنی خونخوار آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے اپنی ہتھیلی سے درشنا کی ٹھوڑی اونچی کی اور دوسرے لمحے اس کے لمبے نوکیلے دانت درشنا کی گردن کی رگوں میں گھس گئے۔ درشنا کے حلق سے کربناک چیخ نکلی۔ اس نے ہاتھوں اور پیروں کی مدد سے اس چڑیل کو جو شردھا کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی، اپنے آپ پر سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن اس کی جسمانی قوتیں اس شیطانی جسم کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھیں۔ شردھا اُس پر چھا گئی تھی۔ اس نے درشنا کے دونوں ہاتھ پاؤں اپنے قبضے میں کر لئے تھے اور اس کے دانت درشنا کی گردن میں چپک کر رہ گئے تھے۔ پھر اس نے درشنا کی رگ اُدھیڑ ڈالی اور غٹا غٹ کر کے اس کی گردن کا خون پینے لگی۔ درشنا چیخنے کی کوشش کر رہا تھا..... لیکن شردھا نے اسے اس طرح قبضے میں کر لیا تھا کہ وہ ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ درشنا کے بدن کا خون شردھا کے بدن میں منتقل ہونے لگا اور شردھا پر لطف انداز میں

اسے پینے لگی..... آہستہ آہستہ درشنا کے جسم کی تمام کوششیں ختم ہو گئیں اور اس کے بعد وہ نیم مردہ کیفیت میں آ گیا۔ بہت دیر تک شردھا اس کا خون پیتی رہی۔ یہاں تک کہ درشنا کا بدن سفید پڑ گیا۔ پھر شردھا نے اس کے جسم کا گوشت جگہ جگہ سے نوچ کر کھانا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد درشنا کی لاش ایسی بھیانک شکل اختیار کر گئی کہ دیکھنے والے دیکھتے تو اپنے اوپر قابو نہ پا سکتے تھے۔ پھر شردھا اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس نے درشنا کو دیکھا اور بے اختیار اس کے حلق سے ہنسی نکل گئی۔ ''چلو! اب اصل کھیل شروع ہو جائے گا..... اصل کھیل.....''

وہ آہستہ آہستہ پلٹی اور تھوڑی دیر کے بعد پیپل کے درخت کے پاس پہنچ گئی جہاں رندھیرا آ گئی تھی۔ شردھا کو دیکھ کر اس نے کہا۔ ''ارے واہ رے! تو، تو دلہن بنی ہوئی ہے۔ کیا تیرا کام ہو گیا''

''ہاں رندھیرا! ہو گیا۔ میں نشے میں ڈوبی ہوئی ہوں۔ اب سوؤں گی۔ تم سمپورنی کو بتاؤ۔''

''سمپورنی چاند نکلنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اب تیار ہو کر اپنے درشنا کے درشن کو جا رہی ہے۔''

''درشنا کے درشن کا مزہ آ جائے گا۔'' شردھا نے کہا۔

''چل..... چل رہی ہے؟ وہاں دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔''

''نہیں..... میں نہیں جا سکتی۔ تم جانا چاہو تو جاؤ۔ مجھے وہاں کا آنکھوں دیکھا حال بتا دینا۔ مجھ پر نشہ طاری ہو رہا تھا۔'' شردھا نے کہا اور پیپل کے ایک درخت کی شاخ پر آرام کے لئے دراز ہو گئی۔

سمپورنی نے بال بال موتی پروئے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں کیوں آج اس کے دل میں خوشی کا ایک عجیب سا احساس تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ اب وہ درشنا سے اس بارے میں بات کرے گی۔ اس سے کہے گی کہ درشنا اسے ہمیشہ کے لئے اپنے جیون میں شامل کرے۔ ابھی تک اس نے اپنی قوتوں کو درشنا سے چھپائے رکھا تھا۔ لیکن تنہائیوں میں جب بھی وہ درشنا کے بارے میں سوچتی تو دل میں لاتعداد فیصلے کرتی۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ درشنا سے باقاعدہ شادی کرے گی اور اس کے بعد درشنا کو سنسار کے وہ سارے سکھ دے گی جو کسی

انسان کی ضرورت اور خواہش ہوتے ہیں۔ لیکن یہ شادی وہ درشنا کے اہل خاندان کی مرضی سے ہی کرنا چاہتی تھی۔ آج اس نے دل میں بہت سے منصوبے بنائے تھے اور سوچا تھا کہ درشنا سے کہے گی..... درشنا! اب سب سے پہلے تم اپنے دادا جی کو میرے بارے میں تفصیلات بتا دو۔ اور اگر مناسب سمجھو تو مجھے ان سے ملا بھی دو۔ اور اس کے بعد دادا جی سے صاف صاف کہہ دو کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو...... ظاہر ہے درشنا کے لئے یہ کام مشکل نہیں ہوگا۔

ویسے بھی سمپورنی نے محسوس کیا تھا کہ گھر بھر میں درشنا اپنے دادا جی سے سب سے زیادہ بے تکلف ہے۔ ویسے تو سب ہی اس سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ اس کی ہر خواہش کا احترام بھی کرتے ہیں۔ خاص طور سے وہ جس مشکل میں گرفتار ہو گیا تھا اس مشکل سے نکل آنے کے بعد تو وہ سب اسے اور زیادہ چاہنے لگے تھے۔ بہرحال سمپونی کے دل میں آرزوؤں کا ایک طوفان تھا۔ بے شک رتنا بھی اسے کسی وقت بہت عزیز تھی لیکن رتنا نے جو وشواش گھات کیا تھا وہ سمپورنی سے برداشت نہیں ہوتا تھا اور اب تو اس نے رتنا کی صورت دیکھنا بھی چھوڑ دی تھی۔ کئی دن سے اس نے رتنا سے ملاقات نہیں کی تھی اور اس کا دل بھی نہیں چاہتا تھا۔

بہرحال اس وقت وہ ان تمام باتوں کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی۔ باہر پورا چاند کھلا ہوا تھا اور چاندنی ایک عجیب منظر.... ایک عجیب ماحول پیش کر رہی تھی۔ اچانک ہی پورن کو خیال آیا کہ چاند کی یہ تاریخ تو بڑی عجیب ہوتی ہے اور اس تاریخ میں وہ انسان سے جانور بن جاتی ہے۔ ایک بھیانک چڑیل..... لیکن اب اس نے اس خیال کو دل سے نکال دیا۔ اس نے سوچا کہ میں انسان ہوں اور ایک انسان کو کسی طرح یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ وحشی جانوروں کی طرح خون پیئے۔ مجھے یہ عادت بھی ترک کرنا ہوگی۔ چاہے ضرورتیں کیسی ہی شکل کیوں نہ اختیار کر جائیں۔ لیکن اب صورتحال بالکل بدل چکی ہے۔ ایک ایسا پریمی من کو بھا گیا ہے جو انسان ہے۔ اگر اسے اس بات کا علم ہوا کہ میرے اندر یہ وحشت چھپی ہوئی ہے تو بھلا وہ میرے بارے میں کیا سوچے گا؟ چنانچہ ایسا بالکل نہیں ہونا چاہئے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پھولوں کے کنج کی طرف بڑھ گئی۔ اسے یقین تھا کہ درشنا وہاں

موجود ہوگا..... درشنا وہاں موجود تھا لیکن جس عالم میں وہ موجود تھا، اسے دیکھ کر سمپورنی کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس کے اندر ایک خوفناک وحشت جاگی۔ وہ دیوانوں کی طرح درشنا پر جھک گئی اور اُس کی لاش کو دیکھنے لگی۔

درشنا کی گردن اُدھڑی پڑی تھی۔ اس کے بدن کا گوشت جگہ جگہ سے نچا ہوا تھا۔ وہ مر چکا تھا اور اب اس سنسار میں نہیں تھا..... سمپورنی اسے وحشت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ بھلا اس وقت اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا تھا کہ آخر رتنا نے کام کر دکھایا۔

''آہ رتنا! تو نے میرے محبوب کو مار دیا۔ یہ صلہ دیا تو نے آخرکار مجھے اپنی محبت اور دوستی کا۔ کھا گئی کم بخت اسے۔ میں جانتی ہوں تو نے ایسا کیوں کیا؟ مگر غلطی میری تھی۔ پہلے میں نے اس سے پریم کیا تھا۔ تجھے چاہئے تھا کہ اس کے بارے میں اس انداز میں نہ سوچتی۔ تو یہ سمجھ لیتی کہ وہ میرا محبوب ہے۔ لیکن تو نے وہی کیا جو ایک گندی اور شیطان عورت کر سکتی تھی۔ ہائے درشنا! تم اب اس سنسار میں نہیں رہے۔ درشنا! میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکی۔''

پہلے تو سمپورنی پر وحشت سوار ہوئی اور پھر اس کے پورے وجود پر غم کے بادل چھا گئے اور اس کے بعد وہ بلک بلک کر روتی رہی۔ وہ درشنا کی لاش سے لپٹ کر تقریباً ایک گھنٹے تک روتی رہی تھی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس کے انداز میں وحشت تھی۔ ہاتھ پیر کھنچ رہے تھے۔ اس نے دانت پیستے ہوئے رتنا کے بارے میں سوچا..... ''رتنا! تو نے میرے لئے جاپ نہیں کیا۔ میں تیری داسی نہیں ہوں..... تیری غلام نہیں ہوں..... میں تیرے ساتھ وہ کر سکتی ہوں جو تو سوچ بھی نہیں سکتی۔''

وہ واپس پلٹی اور آہستہ آہستہ اس طرف چل پڑی جہاں رتنا رہتی تھی۔ اس کے اندر انتقام سلگ رہا تھا۔ راستے میں اس نے سوچا کہ ممکن ہے رتنا یہاں سے بھاگ گئی ہو۔ اپنا یہ کام کرنے کے بعد اب اس کا اس کوٹھی میں رہنے کا کیا سوال تھا؟ ضرور بھاگ گئی ہوگی وہ یہاں سے۔ لیکن رتنا! کہاں تک بھاگے گی تو مجھ سے۔ بدلے کی آگ اب تجھے جلا کر راکھ نہ بنا دے تو میرا نام بھی سمپورنی نہیں ہے۔ کہاں تک بھاگے گی تو رتنا! کہاں تک بھاگے گی.....!

انتقام کی آگ میں سلگتی ہوئی وہ اس کمرے میں پہنچی جہاں رتنا رہا کرتی تھی۔ دروازہ

کھولا اور اندر داخل ہوگئی۔ رتنا مسہری پر گہری نیند سو رہی تھی۔ سمپورنی آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور رتنا کے قریب جا کر کھڑی ہوگئی۔ رتنا کے چہرے پر پیلاہٹیں دوڑ رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ خشک تھے۔ اس کا سارا بدن خشک تھا۔ کہیں خون کا کوئی دھبہ نظر نہیں آتا تھا۔

غالباً شردھا سے یہ غلطی ہوئی تھی۔ اگر وہ اپنے اس عمل کو مکمل طور پر ثابت کر کے رتنا کو قصوروار قرار دلانا چاہتی تھی تو اس وقت اسے خون کے کچھ دھبے رتنا کے لباس وغیرہ پر ڈال دینے چاہئیں تھے۔ سمپورنی عقل مند تھی۔ سمجھدار تھی۔ کسی انسان کا خون پینے اور گوشت کھانے کے بعد جو حسن قیامت بن کر ان پر ٹوٹتا تھا وہ دیکھنے والوں کو دیوانہ کر دیتا تھا۔ تر و تازہ چہرہ..... سرخ ہونٹ اور چمکتی ہوئی آنکھیں..... سارے وجود سے ایک ایسی کیفیت اُبھرتی تھی جسے دیکھ کر کوئی یہ نہ سمجھ پائے کہ یہ حسن بے مثال کس کیفیت کا مالک ہے یا اس قدر حسین ہونے کی وجہ کیا ہے؟

نجانے کیوں اس وقت سمپورنی کو یہ احساس ہوا کہ رتنا کم از کم اس کیفیت میں نہیں ہے۔

اسی وقت نجانے کیسے رتنا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے رُخ تبدیل کیا اور سمپورنی کو دیکھا۔ پھر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''ارے سمپورنی! تو یہاں ایسے کیوں کھڑی ہے؟''

سمپورنی، رتنا کو دیکھتی رہی تو رتنا مسکرا کر بولی۔ ''یاد آئی ہوگی نا میری۔ کیا تجھے پتہ چل گیا کہ میں نردوش ہوں؟''

''رتنا.....!'' سمپورنی کی پتھرائی ہوئی آواز اُبھری۔

''بیٹھ جا نا! بلاوجہ ناراض ہوگئی ہے۔ دیکھ! میرا سارا جیون تیرے سامنے ہے۔ میں نے خود سنسار میں سب کچھ کھویا ہوا ہے۔ کوئی چیز میری اپنی نہیں ہے میرے پاس۔ تو مجھے بتا! تیرے پریمی کو میں کیسے اپنے قبضے میں کر سکتی ہوں؟ اور اب بھی میں تجھ سے یہ بات کہہ رہی ہوں۔ یقین کر میں.....''

''بس رتنا بس..... جھوٹ کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ تو نے آخر کار وہ سب کر لیا نا جس کی مجھے توقع تھی۔ بلی کا کام تو نے خود دکھا دیا۔''

''کیا بکواس کر رہی ہے؟ میں بار بار تجھ سے یہ کہے جا رہی ہوں.....''

''اندھا سمجھتی ہے نا مجھے؟ دیکھ نہیں سکتی ہوں نا میں تیرے خیال میں۔ جو کچھ میں نے

دیکھا، تو اُسے کیسے جھٹلا سکتی ہے؟ خیر..... اب..... اب تو..... تو نے اپنا آخری کام کر دکھایا۔''

''آخری کام؟''

''ہاں..... پھولوں کے کنج میں درشنا کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ تیرے ستم کا شکار میرا محبوب جس عالم میں پڑا ہوا ہے، وہ تیرے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔''

''کیا بکواس کر رہی ہے تو.....؟ مطلب کیا ہے تیرا؟'' رتنا نے سخت بے چینی کے عالم میں کہا۔

سمپورنی اسے گھورنے لگی۔ پھر بولی۔ ''پورن ماشی ہے نا آج..... اور آج کی رات تو اپنے بس میں نہیں ہوتی۔ اور اب تو وہ تیرا پریمی بھی نہیں تھا بلکہ دشمن تھا کیونکہ اس نے مجھ سے پریم کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ تو کیسے برداشت کر سکتی تھی۔ مار ڈالا میرے پریمی کو تو نے.....''

سمپورنی کی سسکیاں نکلیں اور رتنا حیرت سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''سمپورنی! کیا کہہ رہی ہے تو؟''

''نام مت لینا میرا۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں تیری داسی نہیں ہوں۔ تو نے جاپ کر کے مجھے اپنے قبضے میں نہیں کیا۔ جاپ کسی اور نے کیا تھا اور اس نے مجھے تیرے حوالے کر دیا۔ میں نے بھی سوچا کہ چلو کوئی بات نہیں کسی نہ کسی کا ساتھ تو ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اب میں اسی طرح تیرا خون پی سکتی ہوں جس طرح تو نے میرے پریمی کا خون پیا ہے۔''

سمپورنی روتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ رتنا کی سمجھ میں کچھ آیا، کچھ نہیں آیا۔ لیکن جو کچھ سمجھ میں آیا اس نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ وہ برق رفتاری سے اپنی جگہ سے اٹھی اور دوڑتی ہوئی باہر نکل آئی۔ سمپورنی نے کہا تھا کہ پھولوں کے کنج کے پاس درشنا کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ چاروں طرف گھور سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ پورن ماشی کا چاند ہنستی ہوئی نگاہوں سے زمین کو دیکھ رہا تھا۔ رتنا دوڑتی ہوئی پھولوں کے کنج کے پاس پہنچ گئی اور پھر سمپورنی کی بات کی تصدیق ہوگئی۔

درشنا کی لاش وہاں پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بدن سے خون کا ایک ایک قطرہ چوس لیا گیا تھا اور اس کا گوشت بھی کھایا گیا تھا۔ انداز بالکل انہی کا سا تھا۔ کوئی اور کیسے ہو سکتا ہے؟ رتنا

سوچ رہی تھی۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ اسے درشنا سے پیار نہیں تھا۔ وہ تو بس اس خاندان میں آئی تھی۔ رادھے شام جی نے اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ درشنا کو ان کی کاوشوں سے نئی زندگی مل گئی تھی۔ درشنا اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے اظہار محبت کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ جو بھی حیثیت رکھتی تھیں لیکن جب اسے اس بات کا علم ہوا تھا کہ سمپورنی، درشنا سے پریم کرتی ہے درشنا اس کے لئے ایک حیثیت اختیار کر گیا تھا اور اسے خوشی تھی کہ کم از کم اپنی دوست سمپورنی کو وہ کوئی مدد دے گی۔ لیکن اس سے پہلے یہ کیا ہو گیا؟ کیا ہو رہا ہے یہ سب کچھ سمپورنی کو؟ آخر غلط فہمی کیسے ہوئی؟ کیا وہ صرف اتفاق تھا؟ لیکن اس کے بعد..... اس کے بعد جو کچھ ہوا تھا، یہ تو اتفاق نہیں ہو سکتا۔ بیچارہ درشنا مارا گیا اور سمپورنی اسی کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ لیکن آخر یہ سب ہے کیا؟

اس کا دماغ گتھی سلجھانے میں ناکام رہا۔ سمپورنی کی تلاش میں اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ لیکن سمپورنی نظر نہیں آئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے رتنا کے دل میں یہ خیال آیا کہ کہیں خود سمپورنی کسی سحر کے زیر اثر یہ سب کچھ نہ کر بیٹھی ہو۔ انداز بالکل ایک جیسا ہی تھا۔ یا تو یہ کام رتنا کر سکتی تھی یا سمپورنی۔ لیکن یہ رتنا نے نہیں کیا تھا۔ تو کیا سمپورنی.....؟ لیکن اب صورتحال بالکل ہی بدل گئی تھی۔ کل دن کی روشنی میں رادھے شام جی کی کوٹھی میں جو کچھ ہوگا، اس کا اندازہ رتنا کو تھا۔

اگر سمپورنی، رتنا کی طرف سے غلط فہمی کا شکار ہے تو انتقامی جذبے کے تحت وہ رتنا کو اس جال میں پھنسانے کی کوشش کر سکتی ہے۔ بات یہ نہیں تھی کہ رتنا اس بات سے خوفزدہ تھی کہ وہ کسی کو کیا جواب دے گی۔ بس اسے یہ احساس تھا کہ وہ غم کی یہ فضا برداشت نہیں کر سکے گی۔ رادھے شام اور اس کے گھر والے جتنی محبت اور پیار سے اس کے ساتھ پیش آئے تھے اس کے بعد ان کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنا رتنا کے لئے ایک مشکل کام ہوگا اور فرض کیا اگر سمپورنی ایسا کوئی عمل نہ بھی کرے تب بھی رتنا اس غم آلود ماحول کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اب نتیجہ چاہے کچھ بھی نکلے ٹھیک ہے۔ سمپورنی تو میری طرف سے غلط فہمی کا شکار ہے اور ایک بار پھر تقدیر نے میرے اوپر پریشانیوں کے دروازے کھول دیئے ہیں تو میں اس کا مقابلہ کروں گی۔ وقت سے بھلا کون لڑ سکتا ہے؟ رتنا نے وہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کیا اور خاموشی سے کوٹھی کے عقبی حصے کی جانب چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ احاطے سے باہر

تھی۔ باہر خاموش اور سنسان رات پھیلی ہوئی تھی۔ چاند اپنا سفر کر طے کر رہا تھا۔ رتنا کے سامنے کوئی منزل نہیں تھی۔ وہ چلتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ ریلوے سٹیشن پہنچ گئی۔ پھر ریل کے ڈبے میں بیٹھ گئی۔ ریل چند لمحات کے لئے یہاں رُکی تھی اور اس کے بعد وہ بھی چل پڑی۔ رتنا کو اپنی منزل کا کوئی پتہ نہیں تھا۔

اُدھر سمپورنی خاموشی سے رتنا کو دیکھ رہی تھی اور اس کے ہر عمل کا جائزہ لے رہی تھی۔ جب اس نے رتنا کو کوٹھی کی دیوار پھلانگتے ہوئے دیکھا تو دانت پیستی ہوئی بولی۔ ''ٹھیک ہے رتنا! تو نے میرے سینے میں سوراخ کر دیا ہے۔ مگر سن! میں نے بھی جو کچھ سیکھا ہے، آج میں تجھے اس کا صلہ یہ دیتی ہوں..... تیری زندگی تیری اپنی زندگی کبھی نہیں ہوگی۔ لمحہ لمحہ تیری زندگی ختم ہوگی اور تو اُدھار کا جیون پائے گی۔ یہ میرا ایک منتر ہے۔ تو مرتی رہے گی اور تیری آتما نئے بدن اختیار کرتی رہے گی۔ تو اپنے آپ میں نہیں ہوگی رتنا! بلکہ رتنا کی آتما ہوگی۔ اور تیرا بدن، تیرا اپنا بالکل نہیں ہوگا۔ سمجھ رہی ہے؟ یہ میری بد دعا ہے تیرے لئے۔ تو دیکھنا یہ بد دعا تجھے کیا کیا رنگ دکھاتی ہے۔''

☆.....☆.....☆

دھرما سنگھ نے بھی آخر کار ساری زندگی مذاق میں ہی ہنس کر نہیں گزاری تھی۔ وہ کالے جادو کا ماہر تھا۔ مندروں میں رہتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے اپنی زندگی کا سب سے برا کھیل کھیلا تھا اور وکرم کھنہ کے گھر آ کر وہ دوکوڑی کا ہو گیا تھا۔ بات یہ ہے کہ ہر جادو کا توڑ ہوتا ہے۔ ہر سیر کے لئے سوا سیر ہوتا ہے۔ دھرما سنگھ کو بھی سوا سیر مل گیا تھا، یعنی شردھا.....

شردھا کو اس نے اپنے جال میں پھانسا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ ایک مشکل کام تھا۔ دھرما کو اس بات کا بالکل گمان بھی نہیں تھا کہ شردھا کبھی اس طرح آزاد ہو جائے گی۔ ویسے یہ واقعی بہت بڑی سچائی تھی کہ دھرما نے جس طرح شردھا کو اپنی قید میں رکھا تھا اس سے شردھا کی رہائی اس وقت تک ممکن نہیں تھی جب تک کہ دھرما خود اسے اس قید سے آزادی نہ دیتا۔ دھرما نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ شردھا کو جس طرح بھی بن پڑا، فنا کر دے گا یا پھر اسے اس قابل بنا دے گا کہ وہ دھرما کے کاموں میں اس کی مددگار بن سکے۔ لیکن اب صورت حال بدل گئی تھی۔ شردھا نے اس پر قابو پا لیا تھا اور نہ صرف قابو پا لیا تھا بلکہ اسے زمین کی گہرائیوں میں پہنچا دیا تھا۔

ایک مخصوص وقت تک تو دھرما کو کچھ پتہ ہی نہیں چل سکا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ لیکن آخر کار وہ خود بھی کالے علوم کا ماہر تھا اور زندگی اس نے اپنے وجود میں نہیں رکھی تھی بلکہ کالے علم کے دوسرے ماہروں کی طرح اس نے اپنی آتما کا بھی بندوبست کر رکھا تھا۔ بدن اگر کبھی مشکل کا شکار ہو بھی جائے تو آتما ختم نہیں ہوتی اور اس وقت ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ اُس کی روح ہی تھی جس نے اسے زمین کی گہرائیوں میں ہوش دلایا تھا اور جب اسے ہوش آیا تو صورتحال کا اندازہ کر کے اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اگر قبر کی گہرائیوں سے نہ نکلا جائے تو پھر آتما بھی دم توڑ سکتی تھی اور روح کا مر جانا سمجھ لو سب کچھ ختم ہو جانے کے برابر ہے۔

اس نے صورتحال کا جائزہ لیا۔ شردھا تو اپنا کام کر کے چلی گئی تھی لیکن اسے اپنی زندگی بچانے کے لئے بہت کچھ کرنا تھا۔ چنانچہ فوراً ہی اس نے ایک کالے سانپ کا روپ دھار لیا اور زمین کے نیچے ہی نیچے اپنے لئے راستہ تلاش کرنے لگا۔ زمین اور سانپ کا ایک معاہدہ ہوتا ہے اور سانپ کبھی قید نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے لئے ایک سوراخ تلاش کیا اور رینگتا ہوا اس میں آگے بڑھنے لگا۔ کالے جادو کے مختلف اثرات ہوتے ہیں۔ وہ سانپ بن گیا تھا لیکن اب اسے ایک مخصوص وقت سانپ بن کر ہی رہنا پڑتا۔

چاند کی تاریخوں کے حساب ہوتے ہیں۔ ابھی اسے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ چاند کی کون سی تاریخ ہے۔ لیکن بہرحال کم از کم زندگی تو ملے۔ زمین کی گہرائیوں میں تو زندگی بھی کھو جائے گی۔ وہ رینگتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور زمین اسے راستہ دیتی رہی۔ یہاں تک کہ اسے ایک ایسا سوراخ نظر آیا جو اسے زمین کے اوپر پہنچا سکتا تھا۔ اس نے سوراخ سے گردن نکالی۔ اس وقت اس کی حالت اتنی خراب ہو رہی تھی کہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔ جس جگہ اس نے سوراخ سے گردن نکالی تھی اس سے کچھ فاصلے پر ایک سپیرا بیٹھا بین بجا رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں میں شاید اسے سانپ نظر آ رہے تھے اور دھرما سنگھ نے دیکھا کہ گول گول پتھروں کے سوراخوں سے کئی سانپ پھن کاڑھے کھڑے ہوئے ہیں۔

دھرما سنگھ نے ایک لمحے تک کچھ سوچا۔ یہ بڑی خوفناک بات تھی کہ اس وقت وہ سانپ کے روپ میں تھا اور انسان نہیں بن سکتا تھا۔ اس کے لئے اسے ایک مخصوص وقت کا انتظار کرنا پڑتا۔ اُس کی جو حالت ہو رہی تھی اس کے تحت وہ سانپ بنے بغیر گزارہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سانپ بن کر کہاں پھرتا رہے گا۔ یہ سپیرا اگر اسے پکڑ کر اپنے ساتھ رکھ لیتا ہے تو کم از کم اس سے یہ فائدہ ضرور ہو گا کہ اسے کسی بہتر جگہ تک پہنچنے کی آسانی حاصل ہو جائے گی۔ ابھی تو وہ بالکل ہی بے بس اور بے کس تھا۔

بہرحال وقت گزرتا رہا، سپیرا بین بجاتا رہا۔ دھرما نے سوچنے سمجھنے کے بعد اپنے آپ کو اس سوراخ سے باہر نکالا اور ایک شیش ناگ کا روپ دھار کے وہیں پر بین کی آواز پر جھومنے لگا۔ اس کا پھن کوئی ایک فٹ کی گولائی میں گردش کرنے لگا اور چمکدار خوبصورت جسم کافی اونچا اٹھ گیا۔ سپیرا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسے شیش ناگ مل سکتا ہے۔ وہ تو بین بجا کر چھوٹے چھوٹے ناگوں کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر حقیقت میں اس کے عقب

میں کوئی شیش ناگ ہوتا تو اب تک سپیرا پانی بن کر بہہ چکا ہوتا۔ چونکہ اسے دھرما سنگھ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ سپیرے نے بین بجا کر سانپوں کو معمور کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ انہیں پکڑنے کے لئے اپنی ٹوکری اٹھانے پیچھے کی طرف گھوما تو اس نے شیش ناگ کو جھومتے ہوئے دیکھا۔ سپیرے کی ہوا نکل گئی اور وہ بری طرح کپکپانے لگا تھا۔

شیش ناگ کے بارے میں اس نے سنا تھا۔ جس بستی کا وہ رہنے والا تھا وہ سپیروں کی ایک بہت بڑی بستی تھی اور وہاں بے شمار بڑے بڑے پرانے قسم کے سپیرے رہا کرتے تھے۔ شیش ناگ کی کہانیاں اس نے ان سے سنی تھیں۔ ایک بار.... صرف ایک بار اس نے شیش ناگ کو دیکھا بھی تھا، وہ بھی کسی بزرگ سپیرے کے ساتھ۔ لیکن اس وقت اپنے پیچھے شیش ناگ کو دیکھ کر اس کا دم ہی نکل گیا تھا۔ وہ ان چھوٹے چھوٹے ناگوں کو بھول گیا تھا۔ اس وقت اس کی زندگی خطرے میں تھی اور واقعی..... اس کی زندگی دھرما سنگھ کی وجہ سے ہی بچی تھی۔

چھوٹے چھوٹے سانپ جب ہوش میں آئے تو انہوں نے اپنے سامنے اپنے مدمقابل کو دیکھا۔ اگر ایک لمحہ گزر جاتا تو شاید وہ سب مل کر سپیرے سے چمٹ جاتے۔ لیکن انہوں نے بھی شیش ناگ کو دیکھ لیا تھا اور شیش ناگ کے سامنے کسی کی مجال نہیں تھی کہ وہ سپیرے پر حملہ کر سکے۔ چنانچہ چھوٹے ناگ شیش ناگ کو دیکھ کر اپنے اپنے بلوں میں گھس گئے۔ سپیرا بری حالت میں تھا۔ اس کے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکل رہی تھیں۔

"ہے..... ناگ مہاراج .... ہے...... ناگوں کے ناگ.... تم ہمارے سامنے آئے.... ہرے رام..... ہرے رام..... ارے ہم کیا اور ہماری اوقات کیا کہ ہم تمہیں پکڑنے کی سوچیں..... ہے بھگوان! ہمیں معاف کر دو..... جے شیش مہاراج کی..... جے شیش مہاراج کی....."

سپیرے کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ دھرما انتظار کر رہا تھا کہ وہ اسے پکڑ کر ٹوکری میں بند کرے اور اس علاقے سے نجات ملے۔ ڈھنگ کی جگہ جانے کے بعد دیکھا جائے گا کہ آگے کیا ہوتا ہے۔ لیکن سپیرے کی حالت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ وہ شیش ناگ پر ہاتھ ہی نہیں ڈال رہا تھا۔ آخر کار جب دھرما سنگھ نے دیکھا کہ سپیرے کے فرشتے بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے تو اس نے خود ہی اپنا پھن نیچے ڈالا اور سپیرے کی کھلی ہوئی بڑی سی ٹوکری

کی جانب بڑھنے لگا۔ سپیرا چھلانگ مار کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔

دھرما سنگھ اُس کی ٹوکری میں جا بیٹھا۔ سپیرا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ جب دھرما سنگھ نے اپنا پھن ٹوکری میں بند کر لیا تو سپیرا آگے بڑھا اور اُس نے ٹوکری کا ڈھکن ڈھک دیا۔ اس کے بعد وہ ٹوکری کے گرد ناچنے لگا۔ طرح طرح کی بکواس اس کے منہ سے نکل رہی تھی اور وہ یہی کہہ رہا تھا۔ "شیش ناگ مہاراج! میرے تو باپ دادا بھی تمہیں نہیں پکڑ سکتے تھے۔ اگر تم نے خود ہی مہربانی کی ہے تو راجہ تو اب راجہ رام بن گیا۔ سارے کمینے مجھے راجہ کہہ کر پکارتے تھے بلکہ میرا مذاق اڑاتے تھے۔ حالانکہ میرا پورا نام راجہ رام ہے۔ اب دیکھوں گا کہ کون مجھے راجہ رام کہہ کر نہیں بلائے گا۔"

دھرما سنگھ دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ اس نے کہا، بیوقوف سپرے! یہاں سے نکل تو سہی۔ مجھے کچھ کھلا پلا۔ میری حالت خراب ہو رہی ہے۔

بہر حال سپیرے نے بمشکل تمام ٹوکری کو اپنی بہنگی میں رکھا اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑا۔ سپیروں کی بستی یہاں سے کافی دور تھی لیکن اب تو جیسے راجہ کے پیروں میں مشین بندھی ہوئی تھی۔ وہ بہت تیزی سے سفر کر رہا تھا۔ آخر کار وہ سفر کرتا ہوا بستی میں داخل ہوا۔ بہت سے سپیرے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ راجہ جس طرح اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا، کچھ نوجوان سپیروں نے اسے دیکھا تو بولے۔ "ارے او راجہ! کیا ہو گیا ہے تجھے؟ کیا تیری کمر پتھرا گئی ہے؟"

"ارے باؤلے کے بچو! راجہ نہ کہو مجھے۔ اب راجہ رام کہو۔ راجہ رام۔ آج کا دن جانے دو پاپیو! اس کے بعد دیکھنا کیا کہتے ہو تم مجھے۔"

"ارے..... ارے..... ارے راجہ رام مہاراج! کیا شیش ناگ پکڑ لائے؟ کیا ناگ رانی ہاتھ آئی ہے تمہارے جو اتنا اکڑ رہے ہو؟"

راجہ ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "چھوٹے لوگوں کو میں بہت زیادہ منہ نہیں لگاتا۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد رتن مہاراج کے ڈیرے پر آ جانا۔ وہاں تمہیں راجہ کی حقیقت کا پتہ چلے گا۔"

رتن مہاراج سپیروں کا سردار تھا اور اس کا خیمہ سب سے بڑا خیمہ ہوتا تھا۔ کافی دن سے یہ خانہ بدوش اس بستی کو بنا کر یہاں آباد تھے اس لئے کہ یہاں کا ماحول بہت اچھا تھا۔ قرب

وجوار میں جنگل بکھرے ہوئے تھے اور یہاں سانپ کافی مل جایا کرتے تھے۔ مختلف طریقے سے یہ لوگ کام کیا کرتے تھے۔ رتن لال سانپوں کا زہر نکال کر حکیموں کو بیچتا تھا اور اس سے بڑی اچھی آمدنی ہو جاتی تھی۔ اور بھی بہت سے ایسے کام تھے جو یہ لوگ کیا کرتے تھے۔

بہر حال راجہ پہلے اپنے جھونپڑے میں پہنچا۔ اس کے ماں باپ تھے اور بہن بھائی بھی تھے۔ باپ بھی پرانا سپیرا تھا اور اپنی زندگی میں بہت سے کارنامے سرانجام دے چکا تھا۔ لیکن دوسرے تمام سپیروں کی طرح ساری زندگی اس کے دل میں بھی شیش ناگ کو پکڑنے کی آرزو رہی تھی لیکن وہ اسے پکڑ نہیں سکا تھا۔

ساری باتیں اپنی جگہ لیکن اپنے بیٹے سے وہ بڑا ناراض رہتا تھا اور ہمیشہ اسے طعنے دیتا رہتا تھا۔ یہ طعنے وہ اس کی ماں کو دیا کرتا تھا اور کہتا تھا۔ ''خیال مجھے بھی نہ رہا اور حرکتیں تو نے بھی کیں۔ ارے! جب بیٹے جوان ہو جاتے ہیں تو ماں باپ کی شکلیں بدل جاتی ہیں۔ ساری زندگی محنت مزدوری کی اور پالا تم لوگوں کو لیکن مجھے کیا ملا؟ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ نام رکھ دیا بیٹے کا راجہ مگر اس کے کرتوت بھنگیوں جیسے ہیں۔ کیا کرے گا یہ اپنے جیون میں؟ لکھ دے راجہ کی ماں! یہ کبھی کچھ نہیں کرے گا۔ حرام خور کہیں کا۔''

''تم کچھ کہہ لو باپو! ایک دن میں شیش ناگ پکڑ کر تمہارا نام روشن کر دوں گا۔'' راجہ کہتا۔

''جوتے اُتار کر اتنے ماروں گا سسرے کی کھوپڑی میں کہ سارے بال شیش ناگ بن کر سر سے اُتر جائیں گے۔ ایک چھوٹا بچہ پکڑا نہیں جاتا سانپ پکڑ کر لائیں گے مہاراج شیش ناگ۔ ارے شکل دیکھی ہے تو نے اپنی؟''

یہ ساری باتیں ہوا کرتی تھیں۔ آج بھی جب وہ اپنی جھونپڑی میں داخل ہوا تو باپ کسی بات پر ماں سے لڑ رہا تھا اور اچھی خاصی ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی۔ راجہ نے کہا۔ ''کس بات پر لڑائی ہو رہی ہے؟ تمہیں سنسار میں اور کوئی کام نہیں ہے جو گھر میں بیٹھے لڑتے جھگڑتے رہتے ہو؟''

''اچھا! تو اب تجھے میرا گھر میں بیٹھنا برا لگنے لگا ہے؟''

''نہ باپو نہ! ایسی بات مت کرو۔ تم نے سارا جیون ہم لوگوں کو دیا ہے نا۔ لیکن باپو! ایک بات میں تم ذرا غلطی کرتے ہو۔ وہ یہ ہے کہ انسان کوشش تو کرتا ہے نا۔ اب تو بھگوان کی مرضی ہے کہ وہ کب کسی کو کیا دے۔ بھگوان سے چھینا تو نہیں جا سکتا نا۔''

''بس..... بس! زیادہ مہان بننے کی کوشش مت کر۔ مصیبتوں کی جڑ تو، تو ہی ہے۔''

''ارے..... ارے باپو! بھلا وہ کیسے؟''

''کچھ کرتا تو حالات بدلتے۔ سارے کا سارا کھیل خراب ہو گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آخر تو کیا کرے گا اپنے جیون میں؟''

''باپو! جو حکم کرو گے، وہ کروں گا۔ تم نے کبھی حکم بھی تو نہیں دیا مجھے۔''

''میرا حکم کس کام کا؟ کتنے دن ہو گئے۔ تو نے کوئی سانپ کا بچہ بھی پکڑا؟''

''باپو! تمہارا ہی بیٹا ہوں۔ سانپ کا بچہ پکڑنے کی بجائے شیش ناگ کے چکر میں تھا۔''

''پھر وہی بات کی تو نے۔ ارے میں سارا جیون شیش ناگ نہیں پکڑ سکا۔ پورے قبیلے میں آج تک کوئی شیش ناگ نہیں پکڑ سکا تو، تو کیا پکڑے گا شیش ناگ۔''

''ہاں باپو! میں ہی پکڑوں گا شیش ناگ اور میں نے پکڑ لیا ہے۔''

''کیا.....''

''ہاں! ذرا یہ ٹوکرا اٹھا کر دیکھو۔ بیس سیر وزنی ہے۔ اس سے بھی زیادہ ہو گا۔''

''اینٹیں بھر لایا ہو گا ان میں۔''

''نہیں باپو! شیش ناگ ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں رتن مہاراج کے ڈیرے پر چل رہے ہیں۔ وہاں یہ شیش ناگ میں رتن مہاراج کے سامنے رکھوں گا اور اس کے بعد باپو! تمہارا سر اونچا ہو جائے گا۔''

''دیکھ! جوتا لے کر تیرا سر نیچا کروں گا میں۔ سر اونچا اونچا ہو جائے گا۔ پکڑیں گے شیش ناگ۔'' باپ نے طنز سے کہا۔

''ٹھیک ہے باپو! دیکھ لینا ابھی تھوڑی دیر کے بعد۔''

بہر حال تھوڑی دیر کے بعد وہ رتن مہاراج کے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ رتن مہاراج کے کانوں میں یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ راجہ کہتا پھر رہا ہے کہ وہ شیش ناگ پکڑ کر لے آیا ہے۔ چنانچہ جب راجہ وہاں پہنچا تو رتن مہاراج بہت سے پرانے سپیروں کے ساتھ اپنے خیمے کے باہر موجود تھا۔

راجہ کو دیکھ کر اس نے غصے سے کہا۔ ''سپیروں کے بھی کچھ ریت رواج ہوتے ہیں۔ کوئی جھوٹ بولے تو ہمارے معاملوں میں بول لے۔ لیکن شیش ناگ کو پکڑنے کے سلسلے میں بھی

جھوٹ نہیں بولا جاتا اور اگر کوئی سپیرا ایسا کرتا ہے تو سپیروں کے قانون کے مطابق اس کو بیس کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ سنا ہے؟ لیکن تو پھر یہ کہتا پھر رہا ہے کہ تو نے شیش ناگ پکڑا ہے۔''

''ہاں رتنا مہاراج! میں نے شیش ناگ پکڑ لیا ہے۔''

''تو پھر ثابت کرو اس بات کو۔''

''یہ ٹوکرا اسی لئے لایا ہوں مہاراج! سارے سپیروں کو بلا لیجئے۔ سب کے سامنے اس کو کھولوں گا۔ ابھی مجھے تجربہ نہیں ہے۔ یہ بتایئے کہ جب میں ٹوکری کھولوں تو پھر شیش ناگ کو قبضے میں کیسے کیا جائے؟''

''وہ ہم سب کر لیں گے۔ لیکن یہ بات تو جانتا ہے کہ اگر تو نے اس معاملے میں جھوٹ بولا تو تجھے بیس کوڑوں کی سزا اور سو روپے جرمانہ ہوگا۔''

راجہ کے باپ نے راجہ کے شانے کو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ ''پاگل کے بچے! اب بھی معافی مانگ لے سردار رتنا مہاراج سے۔ اپنے جھوٹ کا اعتراف کر لے۔ سو روپے تو تیرے باپ دادا نے بھی کبھی نہیں دیکھے۔ بیس کوڑے کھائے گا تو کھال اتر جائے گی پورے بدن کی۔''

''باپو! اچھا ہی ہے۔ تمہارا بوجھ بھی ختم ہو جائے گا۔'' سو روپے تو خیر میں کیا دوں گا۔ بدلے میں سو کوڑے اور مار لئے جائیں گے۔ ایک سو بیس کوڑے کھا کر بھلا کون جئے گا؟ تمہارا سارا ارمان پورا ہو جائے گا۔''

''تیرا ستیاناس....تو، تو پاگل ہی ہو گیا۔ ضرور جنگل میں کوئی ایسی جڑی بوٹی کھا لی ہے تو نے جس نے تیرا دماغ خراب کر دیا ہے۔ مر! میرا کیا ہے۔''

اس کے بعد راجہ کے باپ نے کہا۔ ''سردار! اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ لڑکا ہی پاگل ہو گیا ہے۔ میں تو اسے سمجھا رہا ہوں کہ شیش ناگ کو پکڑنے کا دعویٰ مت کر ورنہ مارا جائے گا لیکن یہ نہیں مان رہا۔ اب یہ جانے اور اس کا کام۔''

''تیاریاں کرو شیش ناگ کے استقبال کی۔'' رتن مہاراج نے حکم دیا۔

چھ بوڑھے سپیرے ایک وسیع دائرہ بنا کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے سامنے پانی کے برتن اور کالی ماش کے دانے رکھ لئے تھے۔ یہ ان کے جادو منتروں کا حصہ تھے۔ اُدھر ساری

بستی میں اعلان کر دیا گیا تھا کہ شیش ناگ پکڑا گیا ہے اور راجہ شیش ناگ پکڑ کر لایا ہے اور دیکھنے والے دیکھنے آ جائیں۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد سردار کے ڈیرے کے سامنے ساری بستی کے سپیرے جمع ہو گئے۔ درمیان میں ٹوکری رکھ دی گئی۔ چھ بوڑھے سپیروں نے بین سنبھال لی۔ ماش کے دانے پانی میں بھگو کر چاروں طرف بکھیر دیئے گئے اور اس کے بعد بین بجنا شروع ہو گئی۔ راجہ ٹوکری کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اُدھر دھرما سنگھ ٹوکری میں بند ان سب کی آوازیں سن رہا تھا۔ اسے ہنسی آ رہی تھی۔ خیر راجہ سپیرے کو کم از کم اس بات کا صلہ تو دے دیا جائے کہ اس نے مجھے یہاں تک کا سفر طے کرایا ہے اور قبر سے رہائی پانے کے بعد وہ میرا پہلا ساتھی بنا ہے۔ وہ بھی کیا یاد کرے گا۔ تھوڑی دیر شیش ناگ بنے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سپیروں نے دودھ کا ایک بہت بڑا تھال بیچ میں رکھا تھا۔ اس میں دودھ تھا۔ یہ اس کی پہچان ہوتی تھی کہ اگر شیش ناگ پٹاری سے نکل کر دودھ پی لے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ سپیروں سے خوش ہے اور اگر نہ پیئے تو پھر سپیروں پر تباہی نازل ہوتی تھی۔ بہر حال! بین بجنے لگی۔ چھ سپیروں نے اپنے پورے تجربے کی بنیاد پر بین بجائی۔ راجہ آگے بڑھ آیا۔ اب وہ ٹوکری کا ڈھکن ہٹانے جا رہا تھا۔ ان کے دل میں بھی شدید خوف تھا۔ اس نے شیش ناگ کی ایک جھلک دیکھی تھی اور اس کے ہوش گم ہو گئے تھے۔ اتنا بڑا اور اتنا خوفناک سانپ اس نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت صورتحال بالکل مختلف تھی۔ دو ہی باتیں تھیں، آر یا پار.....شیش ناگ نے اگر اسے ڈس لیا تو زندگی سے نجات مل جائے گی اور اگر تقدیر اچھی ہے تو شیش ناگ اسے کچھ سے کچھ بنا دے گا۔ بہر حال یہ بات طے تھی کہ پٹاری کا ڈھکن بھی اسے ہی کھولنا تھا۔

بین بج رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر پٹاری کا ڈھکن ہٹا دیا۔ بہت سی نگاہیں بھری ہوئی پٹاری پر پڑیں۔ واقعی اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا کہ کوئی تین انچ کی گولائی میں سانپ کا وجود نظر آ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ شیش ناگ نے پھن اٹھایا اور اس کے بعد سپیروں کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ پہلی بار شیش ناگ کو دیکھ رہے تھے۔ چکی کے پاٹ جیسا چوڑا پھن اور سیاہ چمک دار جسم پٹاری سے بلند ہوتا چلا گیا۔ خود رتن مہاراج کی آنکھیں مسرت سے پھیل گئی تھیں۔ آج تک شیش ناگ کی کہانیاں ہی سنی گئی تھیں لیکن اب سپیروں کی آبادی اپنی

آنکھوں سے وہ روایتی سانپ دیکھ رہی تھی جس کی کہانیاں ان کی زندگی کا ایک حصہ رہی تھیں اوران کے بزرگ یہ کہانیاں سناتے چلے آئے تھے۔

بین بجانے والے سپیروں کی سانسیں رُکنے لگیں لیکن بین بجانا ضروری تھا۔ اُدھر دھرما سنگھ بھلا بین کی آواز میں کیوں پھنستا۔ وہ اصلی سانپ تو تھا نہیں کہ بین کی آواز پر مست ہو جاتا۔ چنانچہ اطمینان سے سیدھا کھڑا ہوکر وہ تھوڑی دیر تک قرب وجوار کا جائزہ لیتا رہا۔ یہ اندازہ لگاتا رہا کہ سپیرے اس کے خلاف کیا کرتے ہیں۔ لیکن خلاف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بہت سے کمزور عقیدے کے سپیرے تو اوندھے منہ گر پڑے تھے۔ بہت سے سپیروں کے بدن پر تھرتھری طاری تھی۔ سردار رتن مہاراج پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب اس کی سرداری گئی۔ اس نے پوری زندگی شیش ناگ تو دیکھا بھی نہیں تھا لیکن راجہ اسے پکڑ لایا تھا۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی کہ کوئی شیش ناگ پکڑ کر لے آئے.....

بہرحال رتن مہاراج کی گردن اکڑی ہوئی تھی اور وہ خوف بھری نگاہوں سے شیش ناگ کو دیکھ رہا تھا جو آہستہ آہستہ رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ برتن کے قریب پہنچا۔ دھرما سنگھ بھوکا تو تھا ہی، برتن پر ایسے ٹوٹا کہ پورا برتن ہی صاف کر ڈالا اور سارے کا سارا دودھ پی لیا۔ سپیرے خوشی سے چیخ اٹھے۔ بین بند ہوگئی تھی اور لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے کہ اب سپیروں کی بستی میں رونق آجائے گی۔ شیش ناگ نے درشن دیئے ہیں۔

بہرحال سارے کام ہوتے رہے۔ دھرما سنگھ کا پیٹ بھر گیا تھا۔ چنانچہ وہ واپس ٹوکری میں جا بیٹھا۔ حالانکہ ٹوکری ایک چھوٹی جگہ تھی لیکن راجہ کو راجہ رام بنانا تھا اور یہی ہوا۔ بوڑھے سپیروں نے کہا۔ ''رتن مہاراج! سرداری اب راجہ کو دینا ہوگی۔ تمہارا اپنا وقت پورا ہو چکا ہے۔''

''ہاں! میں خوشی سے سرداری راجہ کے سپرد کر دینے کو تیار ہوں۔ اس نے واقعی بستی کے لئے بہت بڑا کام کیا ہے۔'' رتن مہاراج بولا۔

راجہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ شیش ناگ کو ٹوکری میں بند کر دیا گیا اور راجہ کو سردار کے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ سپیرے اپنے اپنے گھروں کو دوڑ گئے تاکہ نئے سردار کے لئے بھینٹ لے کر آئیں۔ راجہ کا باپ خوشی سے پاگل ہو رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ''آخر میرا ہی بیٹا ہے۔''

بہرحال رسم ادا ہوئی۔ راجہ واقعی راجہ رام بن گیا اور دھرما سنگھ، سانپ کے روپ میں اس کے جھونپڑے میں منتقل ہو گیا۔ لیکن یہ جگہ زیادہ عرصے کے لئے تو نہیں تھی۔ سپیرے آدھی رات تک جشن مناتے رہے۔ جب جشن مناتے ہوئے وہ تھک گئے تو دھرما سنگھ نے ٹوکری کا ڈھکن ہٹایا اور اس کے بعد کھڑا ہو گیا۔

اب وہ سانپ کی شکل بدل کر انسان بن گیا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔ کافی فاصلے پر آکر اس نے سوچا کہ راجہ رام! تو نے جو میرے ساتھ کیا ہے، میں نے تجھے اس کا صلہ دے دیا ہے۔ لیکن میرا مقصد تو کچھ اور ہی ہے۔ میرا مقصد اپنے کھوئے ہوئے راستے تلاش کرنا ہے۔ اس سنسار میں دو عورتیں ہیں۔ ایک رتنا اور دوسری شردھا۔ مجھے دونوں کے ہاتھوں چوٹ پہنچی ہے۔ اگر ان دونوں کو میں نے سیدھا نہ کر دیا تو پھر میرا کام ہی کیا؟ دیکھ لوں گا انہیں......یہی میرا مقصد ہے۔

☆

رتنا، ریل میں بیٹھی چلی جا رہی تھی۔ نجانے کیوں آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔ آج دل کھول کر رونے کو من کر رہا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی بہت بار اس کے دل میں بہت سے خیالات آئے تھے لیکن کبھی اس طرح دل بھر نہیں آیا تھا۔ لیکن آج بڑی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ اس کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

وہ روتی رہی۔ بہت عجیب سی صورتحال تھی۔ سمپورنی نے اس پر درشنا کو کھانے کا الزام لگایا تھا۔ رتنا نے ایسا نہیں کیا تھا۔ سمپورنی کے لئے اس کے دل میں بہنوں جیسا پیار جاگ اٹھا تھا۔ دونوں کی زندگی کا انداز ایک ہی جیسا تھا۔ اور پھر سمپورنی سے اسے کچھ ایسی محبت ہو گئی تھی کہ سمپورنی کا اس طرح ناراض ہو جانا اسے بالکل نہیں بھا رہا تھا۔

جہاں تک رادھے شام جی کے گھرانے کی بات تھی، ان لوگوں نے اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود درشنا سے اسے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ ہاں! سمپورنی کا مسئلہ مختلف تھا۔ وہ اس کی زندگی سے چلی گئی تھی۔

زندگی سے آنے جانے والے آتے جاتے ہی رہتے ہیں کسی کے لئے اتنا دکھی ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ وہ اپنے آپ کو لاکھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ایسا ہو نہیں پا رہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے سامنے بیٹھی ہوئی ایک عمر رسیدہ عورت اسے گہری نگاہوں

سے دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

بہت دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر اچانک عورت اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔ اس نے رتنا کے قریب بیٹھ کر محبت سے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تو رتنا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ معمر عورت نے کہا۔ ''بیٹی! برا نہ ماننا۔ بہت دیر سے میں تمہیں دیکھ رہی ہوں۔ تم روئے جا رہی ہو۔ کیا بات ہے، پتی نے گھر سے نکال دیا ہے کیا؟

رتنا نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے جھلاہٹ سی پیدا ہوئی۔ لیکن پھر فوراً ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ کوئی ہمدردی سے کچھ پوچھ رہا ہے تو بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس نے کہا۔ ''نہیں! بس ایسے ہی من بھر آیا تھا۔''

''ماتا پتا کہاں ہیں؟''

''نہیں ہیں۔''

''شادی ہو گئی ہے؟''

''نہیں.....''

''ارے! تو پھر اکیلی کہاں جا رہی ہو؟ جانتی ہو سنسار کتنا برا ہے۔''

''ہاں! جانتی ہوں۔''

''پھر بھی یہ خطرہ مول لے لیا تم نے؟ بھگوان زندہ سلامت رکھے۔ اتنی سندر ہو کہ کوئی بھی تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔''

''آپ کی مہربانی ماں جی! بڑی مہربانی! مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔''

عورت کے چہرے پر غم کے سائے نظر آنے لگے۔ پھر اس نے کہا۔ ''اصل میں جب دل میں دکھ ہوتا ہے تو دماغ میں غصہ آ ہی جاتا ہے۔ میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گی۔ کیا بتاؤں تمہیں، مجھ پر بھی ایسی ہی بیت چکی ہے۔ جس کے دل کو لگی ہوتی ہے، وہی دوسرے کے دل کو جانتا ہے۔ خیر! تم کچھ بھی کہو، برا مانو یا بھلا..... میں تمہارے دکھ جانے بغیر نہیں رہوں گی۔''

''عجیب ہیں آپ۔ میں آپ کو اپنے کسی دکھ میں شریک نہیں کرنا چاہتی اور آپ زبردستی کئے جا رہی ہیں میرے ساتھ۔''

''دیکھ بٹیا! انسان ہی انسان کے کام آتا ہے میں نے ایک بات کہہ دی تجھ سے کہ جب

تک تیرے بارے میں نہیں جانوں گی، تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔ چاہے کچھ بھی کہہ لے۔''

عمر رسیدہ عورت کے ان الفاظ پر رتنا کو ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا۔ ''عجیب ہیں آپ ماں جی! مجھے آپ سے یہ بدتمیزی کرتے ہوئے دکھ بھی ہو رہا ہے۔ مگر آپ کو نہیں معلوم، میرے اُوپر کیا بیت رہی ہے۔ میری ایک سہیلی تھی۔ جیون دیتی تھی میں اس پر۔ وہ روٹھ گئی۔ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ ہم دونوں ہی تھے سنسار میں اور کوئی نہیں تھا ہمارا۔ اب میں اکیلی رہ گئی ہوں۔''

''ارے.....رے.....رے..... یہ تو بہت برا کیا اس نے۔ کوئی اتا پتا دے کر گئی ہے؟''

''نہیں.....''

''تو اب تو کہاں جا رہی ہے؟''

''کیا بتاؤں؟ ایسے ہی ریل میں بیٹھ گئی ہوں۔ کہیں نہیں جا رہی۔''

''یہی تو میں کہہ رہی تھی بٹیا! میرا عمر بھر کا تجربہ کہتا ہے کہ جوان لڑکیوں کے لئے یہ ماحول اچھا نہیں ہے۔ میں تجھے اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ چنتا نہ کرنا۔ گھر بار دوں گی تجھے۔ تو مجھے اپنی سہیلی بنا لینا۔ میں تیری سہیلی کی تلاش میں مدد کروں گی۔ بس اب آنکھیں صاف کر لے۔''

کچھ ایسی محبت اور مامتا تھی اس عورت کے الفاظ اور آواز میں کہ رتنا خاموش ہو گئی۔ دل میں یہ بھی سوچا تھا کہ واقعی صورتحال ایسی ہی ہے۔ نہ کوئی گھر نہ کوئی ٹھکانہ۔ بھٹکنا پڑے گا۔ تجربہ اس کا بھی کم نہیں تھا۔ رتنا جانتی تھی کہ اگر غلط ہاتھوں میں پڑ گئی تو مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی۔ چنانچہ اس عورت کا سہارا مل رہا ہے تو دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے سر چھپانے کا ٹھکانہ مل جائے۔ اپنے بارے میں بہت کچھ سوچ رہی تھی۔ وہ اب بچی نہیں رہی تھی۔ اب تک کوئی ایسی بات نہیں سوچی تھی جس سے وہ انسانوں کی طرح اس دنیا میں رہ سکتی۔ اپنے آپ غور کرتی تو گھن آتی تھی اپنے آپ سے۔ انسان ایسے تو سنسار میں نہیں رہتے۔ لوگوں کے گھر بار ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی ایک زندگی ہوتی ہے۔ انسانوں کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔ یہ کیا کہ وہ ایک دہشت زدہ آدم خور بن جائے۔ ہائے رام! میں ایسی کیوں ہوں؟ ایک بار پھر آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اپنے آپ پر اسے رحم آ رہا تھا۔

سامنے بیٹھی عورت کچھ اور ہی سمجھی۔ اس نے رتنا کا سر سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''نہ
میری بچی! نہ رو..... پتہ نہیں تیرے آنسو دیکھ کر کیوں میرے من میں بھی رونے کا خیال پیدا
ہونے لگتا ہے۔''

رتنا اس کے سینے سے لگی سوچ رہی تھی کہ ٹھیک ہے اگر مجھے تجھ سے محبت ملی اور تو نے
مجھے انسان سمجھا تو میں بھی وعدہ کرتی ہوں۔ کوشش کروں گی کہ اپنی اس شیطانی عادت کو
ترک کر دوں۔ ساری برائیاں اسی شیطانی عادت میں ہیں۔ انسانوں کا خون اور گوشت
انسان نہیں کھاتے۔ یہ تو آدم خوروں کا کام ہے۔ آہ! میں جانور نہیں ہوں..... میں انسان
ہوں۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

عورت اس سے بہت محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''بٹیا! آخر بار پوچھ رہی
ہوں۔ بتا دے مجھے۔ چلے گی میرے ساتھ؟''

رتنا نے ہاں کہہ کر گردن ہلا دی تھی۔ بہرحال زندگی کی کہانی آگے تو بڑھنی تھی۔ کچھ نہ
کچھ تو ہونا ہی تھا اس زندگی میں۔ دیکھنا یہ تھا کہ اب اس نئی زندگی کا آغاز کہاں سے ہوتا
ہے۔ عورت بظاہر تو بہت محبت کرنے والی معلوم ہو رہی تھی۔ رتنا نے ایک بار پھر آنسو خشک
کئے اور اپنے آپ کو سنبھال کر آنے والی زندگی کے بارے میں سوچنے لگی جس میں نجانے کیا
کیا ہنگامے پوشیدہ تھے۔

☆.....☆.....☆

زندگی کی نئی داستان میں گم ہونے کے لئے رتنا نے اپنے آپ کو اس خاندان کے سپرد کر
دیا اور ان کی ہر خواہش پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔ ان خاتون نے اپنا نام رجنی دیوی
بتایا تھا۔ رجنی دیوی دیکھنے میں نہایت ہی نرم مزاج اور خوش اخلاق خاتون تھیں۔

بہرحال رتنا ان کے ساتھ ایک اجنبی شہر میں پہنچ گئی۔ ماضی اس کے سامنے ایک خوفناک
کہانی کی مانند تھا۔ زندگی میں جو واقعات پیش آئے تھے وہ بڑی سنگین نوعیت کے تھے۔ اور
رتنا جب ان پر غور کرتی تو اس کی حالت خراب ہونے لگتی تھی۔ سمپورنی کے ناراض ہو جانے
سے اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے اندر ایک حصہ خالی ہو گیا ہو۔ وہ بڑی افسردگی
سے سوچتی کہ اس دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکے۔ لاتعداد کہانیاں
اس کے ذہن میں تھیں۔ لیکن اب سب کچھ بیکار ہی تھا۔ جو ہونا تھا، وہ تو ہو ہی چکا تھا۔
حالانکہ درشنا کو اس نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ یہ صرف سمپورنی کی غلط فہمی تھی۔ پھر رتنا
کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب کچھ ہوا کیا ہے۔ خون کی شوقین وہی دونوں تھیں
یعنی سمپورنی اور خود رتنا۔ سمپورنی کا تو وہ محبوب تھا اور رتنا بہرطور اس قدر بے خبر نہیں تھی اپنے
آپ کو اپنے ماحول سے کہ اتنی بڑی بات کو یاد نہ رکھتی۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو
سنبھال پا رہی تھی۔

آخر کار رجنی دیوی اسے اپنی شاندار کوٹھی میں لے گئی۔ یہاں بے شمار افراد موجود تھے۔
ملازموں کی پوری فوج، نوجوان لڑکیاں اور لڑکے۔ رجنی دیوی نے رتنا کے لئے ایک کمرہ
مخصوص کر دیا اور اس کے بعد انہوں نے رتنا کو بتایا۔ ''رتنا! صحیح معنوں میں اگر پوچھو تو
میرا سنسار میں کوئی بھی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ جو تمہیں نظر آ رہا ہے، یہ ہے اور بہت
کچھ ہے۔ لیکن یوں سمجھ لو کہ اس میں میرا کچھ نہیں ہے۔ میں ایک اجاڑ اور ویران عورت
ہوں۔ ان سب کے درمیان اپنا دل بہلا لیتی ہوں۔ کیا سمجھیں؟''

''جی دیوی جی!''

''تم سے بھی یہی کہتی ہوں۔ زندگی کتنی ہی مشکل کیوں نہ ہو، انسان جینے کا خواہش مند ہوتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم بھی زندگی سے دلچسپی لوگی اور جینا چاہو گی۔'' رتنا خاموش ہو گئی تھی۔

رجنی دیوی کے ہاں اسے بڑا کھلا ماحول نظر آیا۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے تھے۔ آپس میں خوب ہنسی مذاق ہوا کرتا تھا۔ رتنا کی شناسائی کسی سے نہیں ہوئی تھی۔ ویسے بھی وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں تنہا رہنے کی عادی تھی۔ رجنی دیوی سے کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی تھی۔ یہاں سے کوئی پریشانی نہیں تھی لیکن وہ یہ ضرور سوچتی تھی کہ آخر کار اسے یہاں سے جانا ہوگا۔

وہ یہ بھی سوچتی تھی کہ اس کی زندگی کا مصرف کیا ہے؟ کئی بار اس نے عورت بن کر بھی سوچا تھا۔ آخر کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی ہے۔ اس کی زندگی کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ اس کے دل میں ایک شدید پیاس جاگی رہتی تھی اور وہ سوچتی تھی کہ اس پیاس کو کیسے بجھائے۔ وہ اس پیاس کو سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔

پھر ایک دن ایک عجیب واقعہ ہوا جس نے رتنا کو حیران کر دیا۔ اس دن موسم کچھ عجیب سا تھا اور رتنا اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ باہر گہرا سناٹا اور تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ حالانکہ کوئی ایسا خاص وقت نہیں ہوا تھا لیکن آسمان عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔ رتنا ابھی باہر دیکھ رہی تھی کہ اس نے ایک سائے کو دیکھا۔ سائے کا انداز کچھ ایسا چوری چوری چلنے کا تھا جیسے کوئی اپنے آپ کو کسی سے چھپانے کی کوشش کر رہا ہو۔ رتنا کے دل میں تجسس بیدار ہو گیا۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ دوسرے لمحے وہ پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور دوڑتی ہوئی باہر نکل آئی۔ سایہ اس وقت اس شاندار حویلی کے عقبی حصے کے آخری سرے پر تھا۔ یہاں ایک چھوٹا سا دروازہ نظر آ رہا تھا جو بند تھا۔ رتنا نے اس سے پہلے بھی دروازے کو دیکھا تھا۔ اس دروازے میں ایک موٹا سا تالا پڑا رہتا تھا۔ بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ دروازہ کسی کام کا نہ ہو اور کوئی اسے استعمال نہ کرتا ہو۔

رتنا نے دیکھا کہ وہ سایہ دروازے کا تالا کھول رہا ہے اور پھر وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔ رتنا شدید تجسس میں ڈوبی ہوئی اس طرف پہنچی اور پھر وہ بھی اس دروازے سے باہر

نکل گئی۔ اس نے سائے کو ایک سمت جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ خاصا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ رتنا کچھ ایسے تجسس میں ڈوبی ہوئی تھی کہ فاصلے کو نظرانداز کر کے وہ اس سائے کے پیچھے پیچھے دور نکل گئی۔ اس علاقے کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔

وہ کافی دور تک چلتی رہی اور پھر اس کی ناک سے ایک عجیب سی بدبو ٹکرائی۔ یہ بدبو بہت عجیب تھی جیسے کوئی جوہڑ ہو۔ اور پھر اسے ایک سوکھا ہوا جوہڑ نظر آیا جو اب دلدل بن چکا تھا۔ راستے بڑے دشوار گزار تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ وہ علاقہ ہی نہ ہو بلکہ رتنا نے ایک طویل راستہ طے کر لیا ہو۔

دلدل کے شمال میں گھنی جھاڑیوں سے گھرا ہوا ایک مکان نظر آیا۔ عجیب وغریب مکان لگتا تھا جیسے بہت ہی پرانا بنا ہوا ہو۔ اس کی دیواروں سے سفیدی جھڑ چکی تھی اور درختوں کے جھنڈ میں بنے ہونے کی وجہ سے اور جھاڑیوں کے درمیان گھرا ہونے کی وجہ سے سورج کی کرنیں بھول کر بھی ادھر کا رُخ نہیں کرتی تھیں۔ یقینی طور پر مکان کے اندرونی ماحول کی کیفیت بھی ایسی ہی ہوگی۔ اور واقعی ایسا ہی تھا۔ اس مکان کے کمرے میں اندھیرا رہتا تھا۔

باہر احاطے میں سبزے کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ ہاں! پرانے وقتوں کے کچھ اُجڑے ہوئے درخت نظر آتے تھے جن کی ننگی شاخوں پر اس وقت بھی مردہ خور پرندے بیٹھے ہوئے تھے۔ اصل میں ان پرندوں کے لئے بھی خوراک کا معقول بندوبست تھا۔ سوکھے ہوئے دلدلی جوہڑ میں پھنس جانے والے پرندے اور دوسرے جانور اُن کی خوراک بنتے تھے اور یہ اکثر ہوتا تھا کہ قریب کے جنگل سے جانور دوڑتے ہوئے ادھر نکل آتے اور بے خیالی میں سوکھے ہوئے جوہڑ میں گھس جاتے۔ پھر بھلا ان کی زندگی بچنے کا کیا سوال تھا؟ یہ مردہ خور ان کا انتظار کرتے رہتے تھے تاکہ ان کے جسم سے ان کی ایک آدھ بوٹی اُڑا لیں۔ جونہی وہ کسی جانور کو دلدل میں پھنسے ہوئے دیکھتے، اپنی منحوس آواز میں چیختے ہوئے اس سمت مڑ جاتے اور تھوڑی دیر کے بعد جب وہ واپس آتے تو اُن کے پنجوں میں تازہ گوشت کا ایک آدھ ٹکڑا ہوتا۔ وہ درختوں پر بیٹھ کر دعوت اُڑاتے اور پھر اپنے لمبے لمبے گندے پروں میں سر چھپا کر سو جاتے۔ ان درختوں پر ان کے خون آلود پروں کے نشان صاف دکھائی دیتے تھے اور یہاں چاروں طرف مردہ گوشت کی بدبو پھیلی رہتی تھی۔ رہی سہی کسر دلدل سے اٹھتی ہوئی بدبو پورا کر دیتی تھی۔ اس لئے اس علاقے کو انتہائی بدترین کہا جا سکتا تھا۔ پتہ نہیں

لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ معلوم تھا یا نہیں۔

بہرحال رتنا ان تمام باتوں سے بے نیاز آگے بڑھتی ہوئی اس مکان کے احاطے تک پہنچ چکی تھی۔ مکان کے بیرونی احاطے سے وہ سایہ اندر داخل ہو چکا تھا۔ رتنا نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے خود بھی قدم اندر رکھ دیئے۔ بات اصل میں یہ تھی کہ رتنا بذات خود بھی ان حالات سے گزر چکی تھی۔ اس کے بعد ایسی چیزوں کی اس کی نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ تو اس سے بھی زیادہ بدترین حالات کا شکار رہ چکی تھی۔ چنانچہ اس کی نظر میں بھلا اس کا کیا اندازہ ہوتا۔

اندر قدم رکھتے ہی اسے مردہ خور پرندوں کی مکروہ آوازیں سنائی دیں۔ سایہ آگے بڑھ کر ایک طویل برآمدے میں پہنچ گیا تھا۔ رتنا آگے بڑھی تو اس نے طویل برآمدے کے دونوں طرف چھوٹے بڑے کمرے دیکھے جن کے دروازوں پر زنگ آلود تالے پڑے ہوئے تھے۔ آخری حصے میں لکڑی کی گول گھومتی ہوئی سیڑھیاں تھیں جن سے گزر کر دوسری منزل تک پہنچا جا سکتا تھا۔ ان کی لکڑی اس قدر بوسیدہ تھی کہ پاؤں رکھتے ہی چرچرانے لگتی تھی۔

نیم تاریک سیڑھیوں کو عبور کرتے ہوئے یہ ہال کمرہ آتا تھا۔ یہ کمرہ پرانے پردوں، قدیم طرز کے فرنیچر اور لکڑی کے بڑے بڑے صندوقوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کی دیواروں پر شیر، چیتے اور دوسرے جنگلی جانوروں کے سر آرائش کے طور پر لگائے گئے تھے۔ کمرے کے عین درمیان میں ایک چھت سے ایک بہت شاندار فانوس لٹک رہا تھا۔ اس کا رنگ مٹی سے اٹ کر اپنی اصلیت کھو بیٹھا تھا۔ اس ہال کا دوسرا دروازہ ایک ایسے برآمدے میں کھلتا تھا جس میں ہر وقت مکمل تاریکی رہتی تھی۔ یہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بجلی کے بلب لگے ہوئے تھے جن میں سے صرف ایک استعمال کے قابل تھا اور شاید اس سائے نے اسی بلب کو روشن کیا تھا۔

رتنا کے پورے بدن میں پسینے کی ہلکی ہلکی نمی نظر آ رہی تھی۔ وہ اس ماحول سے خوفزدہ تھی لیکن بہرحال اس نے اپنا کام کیا ہوا تھا۔ بلب جلنے کے بعد اسے دھند میں پھیلے ہوئے ماحول کو روشن دیکھنے کی خواہش پوری ہوئی۔ نچلی منزل پر برآمدے کی طرف بھی بہت سے کمرے تھے لیکن سب پر تالے پڑے ہوئے تھے۔ صرف ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ بھی شاید اس لئے کہ اس کے پٹ ٹوٹ کر نیچے گر پڑے تھے۔ اندر سے خالی فرش

دکھائی دیتا تھا جس پر بھوکی چھپکلیاں خوراک کی تلاش میں ماری ماری پھرتیں اور انسانی شکل دیکھ کر تاریک کونوں میں چھپ جاتیں۔ یہاں پہنچ کر برآمدہ ختم ہو جاتا تھا اور آگے مکان کا وہ حصہ دکھائی دیتا تھا۔ یہاں سے درختوں کی ٹہنیاں اس قدر قریب تھیں کہ نیچے سے پروں والے جانوروں کو ہاتھ سے پکڑا جا سکتا تھا۔ لیکن ان کی گول گول سرخ آنکھیں اور خون میں سنے ہوئے غلیظ جسموں کو دیکھ کر ہمت نہیں پڑتی تھی کہ کوئی اُن کو چھو کر بھی دیکھ سکے۔

سایہ یہاں آ کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ رتنا کے ذہن میں تجسس کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں۔ حویلی سے نکل کر یہاں اس پراسرار ماحول میں آنے والا سایہ کون ہے اور یہاں سے اس کا کیا تعلق ہے؟ لکڑی کے پل سے گزر کر اس عمارت کے واحد آباد کمرے تک پہنچا جا سکتا تھا۔ رتنا اسی کمرے کے دروازے پر پہنچی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ رتنا نے اندر کا ماحول دیکھا۔ کمرے کی دیواروں پر بے شمار پرانی تلواریں، خنجر، نیزے اور ڈھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر بخوبی یہ اندازہ ہو سکتا تھا کہ یہاں اس کمرے میں رہنے والے شخص کا مشغلہ قدیم اسلحہ جمع کرنا ہے۔ کمرے میں جنوب کی سمت ایک کھڑکی کھلتی تھی جس میں سے دلدل کی جھاڑیاں نظر آتی تھیں۔

یہ دلدل بھی عجیب بھول بھلیوں میں تھی۔ ہو سکتا ہے کسی زمانے میں انجانے مسافر اسے یہ سمجھتے ہوں کہ کہ ابھی دلدل شروع نہیں ہوئی ہے اور مزے مزے سے گھاس پر چلتے ہوئے اس جگہ تک پہنچ جاتے ہوں گے جہاں سے واپس جانا ممکن نہیں تھا۔

چشم تصور سے رتنا نے ایسے کچھ افراد کو دیکھا جو اُن جھاڑیوں پر چلتے ہوئے اس دلدل میں آ پھنسے تھے اور پلک جھپکتے میں ان کی چیخیں اور مردار خور پرندوں کا شور سنائی دیتا۔ تھوڑی دیر کے لئے جس جگہ وہ غرق ہوتے وہاں پر بڑے بڑے بلبلے دکھائی دیتے اور پھر غائب ہو جاتے۔ چیختے چلاتے پرندے غرق ہوتے ہوئے جسم سے گوشت نوچ نوچ کر اپنا حصہ وصول کرتے اور تھوڑی دیر کے بعد فضا میں بھیانک خاموشی چھا جاتی۔

کسی نے اس بارے میں سوچا اور اس خطرے کے پیش نظر یہاں لوہے کا ایک جنگلہ لگا دیا تا کہ اجنبی لوگوں کو دلدل کا پتہ چل سکے۔ یہ پراسرار جگہ رتنا کے لئے انتہائی حیرت اور سنسنی کا باعث بنی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ وہاں موجود رہی اور اس کے بعد وہاں سے واپس چل پڑی۔ اب اسے یہاں خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ

کیا کرے، کیا نہ کرے۔ وہ سایہ کون تھا؟ کیا تھا؟

وہ واپس پلٹی اور یہ طویل وعریض فاصلہ طے کرنے کے بعد آخر کار حویلی واپس پہنچ گئی۔ اس کے ذہن میں ایک ہی خیال تھا کہ رجنی دیوی سے اس بارے میں معلومات حاصل کرے۔ رتنا، رجنی دیوی کے کمرے میں پہنچی تو وہ کمرے میں موجود نہیں تھیں اور بڑی عجیب سی کیفیت محسوس ہو رہی تھی۔ رتنا ان کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔ نجانے کیوں اس کے ذہن میں ایک شدید تجسس سا پیدا ہو گیا تھا اور وہ بہت ہی سنسنی کا شکار نظر آ رہی تھی۔

رجنی دیوی سے اس کی ملاقات دوسرے دن ہوئی اور اس نے رجنی دیوی سے بڑی سادگی سے سوال کر دیا۔ ''میں آپ سے ایک عجیب بات پوچھنا چاہتی ہوں دیوی جی!''

رجنی دیوی نے اسے تعجب بھری نگاہوں سے دیکھا اور بولی۔ ''کیا بات ہے رتنا؟ تمہیں یہاں کوئی پریشانی ہے؟''

''نہیں.....''

''ٹھیک ہے! پوچھو، جو پوچھنا چاہتی ہو۔''

''دیوی جی! میں نے کل شام کو ایک سائے کو یہاں سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ کونے والی دیوار کے تالے سے گزر کر ایک عجیب وغریب علاقے میں پہنچا تھا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا تھا اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے ایک انتہائی پراسرار مکان تک پہنچی تھی۔ بس! یوں سمجھ لیجئے کہ کافی دیر تک میں اس مکان میں رہی اور اس کے بعد وہاں سے واپس پلٹ پڑی۔ لیکن اب تک میرے ذہن میں شدید تجسس ہے کہ آخر وہ کون تھا؟''

''اوہ..... تو وہ تم تھیں؟'' رجنی دیوی نے عجیب سے انداز میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' رتنا نے تعجب سے پوچھا۔

رجنی دیوی عجیب سے انداز میں خاموش ہو گئی تھیں۔ وہ کافی دیر تک خاموش رہیں پھر انہوں نے کہا۔ ''رتنا! وہ میں تھی۔''

''آپ.....''

''ہاں.....''

''اوہ.....'' معافی چاہتی ہوں دیوی جی! میں نے کسی خاص نتیجے تک پہنچنے کے لئے یہ سب کچھ نہیں کیا تھا بلکہ مجھے تعجب سا ہوا تھا کہ آخر وہ کون ہے جو اس طرح آپ سے چوری چوری اس عمارت کی طرف گیا ہے۔''

''اب تم نے اگر یہ سوال کر ہی ڈالا ہے تو آؤ! میں تمہیں اس ماحول سے روشناس کراؤں۔ لیکن زبانی طور پر نہیں۔''

''تو پھر.....؟''

''تمہیں اپنی کیفیت میں سمجھانے کے لئے مجھے تمہیں اسی ماحول میں لے جانا ہوگا۔''

''اسی ماحول میں.....؟''

''ہاں.....!''

''میں کچھ سمجھی نہیں دیوی جی!''

''ابھی میں تمہیں کچھ سمجھانے کی کوشش بھی نہیں کروں گی۔ آؤ!'' اچانک ہی رتنا کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا ذہن سوتا جا رہا ہے۔ رجنی دیوی کے اندر ضرور کوئی پراسرار قوت تھی اور وہ اس قوت سے مسرور سی ہو گئی تھی۔ اس کی نگاہیں جیسے ماضی میں کچھ دیکھ رہی تھیں اور یقینی طور پر رجنی دیوی کے اندر کی کوئی پراسرار قوت تھی جو اسے یہ سب کچھ دکھا رہی تھی۔

اچانک ہی رتنا نے دیکھا کہ گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ اسے یاد آ گیا کہ رات بھرپور بارش ہوئی تھی اس لئے چاروں طرف جل تھل ہو رہا تھا۔ مکان کے قرب وجوار کی دلدلوں سے مینڈکوں کے ٹرٹرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مکان میں اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ مردار خور پرندے بارش میں بھیگنے کی وجہ سے چپ چاپ شاخوں پر بیٹھے تھے۔ رات کو کہیں سے دو چار آوارہ کتے بارش سے متاثر ہو کر پناہ گزینوں کی طرح اندر آ گئے تھے اور یہاں انہوں نے ڈیرہ جما لیا تھا۔ اس وقت صبح کے کوئی دس بجے ہوں گے۔ رتنا نے رجنی دیوی کو مکان میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ رجنی دیوی کی عمر وہ نہیں تھی جو اس وقت موجود تھی بلکہ اس کی عمر نوجوانی کی تھی۔ تیکھے نقوش، چھریرے بدن کی ایک خوبصورت عورت۔ ویسے بھی رتنا کو اس کے بڑھاپے کی عمر میں بھی ایک دلکشی نظر آتی تھی۔ اس وقت رجنی دیوی کی عمر 26 کے لگ بھگ ہو گی۔ اس کے مرجھائے ہوئے چہرے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ انتہائی اذیت کا شکار ہے۔ اس کے ہاتھوں میں کچھ سامان کا تھیلا تھا اور وہ بڑی بے پرواہی سے چلتی ہوئی آ رہی تھی۔ قرب وجوار کے لوگ یہ بات اچھی طرح کہتے

تھے کہ رجنی دیوی اپنے شوہر کی بہت خدمت کرتی ہے اور اس جیسی خدمت کرنے والی عورت شاید ہی کوئی دوسری ہو گی۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو یقینی طور پر اس نو عمری میں دوسری شادی کر سکتا تھا۔ لوگ رجنی دیوی کی بے انتہا تعریفیں کرتے تھے۔ لیکن رجنی دیوی ان تعریفوں سے خوش نہیں ہوتی تھی۔ اس کے اندر ایک عجیب سا احساس پرورش پا رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ سامان کا تھیلا اُٹھائے ہوئے اندر آئی اور ایک کمرے میں داخل ہو گئی۔

چشم تصور سے رتنا اس عجیب وغریب ماحول کو پوری طرح دیکھ رہی تھی۔ اسے بہت سے پراسرار واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ شردھا جیسی خوفناک چڑیل سے منسلک رہ چکی تھی اور اسے اس بات کا علم تھا کہ شردھا ایک مردہ وجود ہے۔ واقعات تو شردھا کے ساتھ بھی بڑے عجیب وغریب پیش آئے تھے لیکن اس وقت رجنی دیوی اسے جس ماحول سے روشناس کرا رہی تھی وہ ناقابل یقین تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ رتنا کی سمجھ میں اس کا ایک لفظ بھی نہیں آ رہا تھا کہ یہ سارا قصہ ہے کیا۔

اچانک ہی اس نے دیکھا کہ رجنی دیوی کی آنکھیں ایک پراسرار وحشیانہ جذبے سے چمک اٹھی ہیں۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور انہیں دیکھا اس کے ہاتھوں میں تناؤ پیدا ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے دونوں ہاتھ اپنی گردن کی طرف اٹھ گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی بدروح اس کے ہاتھوں میں داخل ہو کر انہیں اس قاتلانہ حرکت کرنے پر مجبور کر رہی ہو۔ اگلے ہی لمحے وہ خود اپنا گلہ گھونٹ رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اس کا جسم کوشش کے باوجود انہیں روکنے سے قاصر تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے دو الگ الگ طاقتیں اس کے جسم میں ایک دوسرے سے جنگ کر رہی ہوں۔ ہاتھ پوری قوت سے گلہ دبا رہے تھے اور باقی جسم گلہ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں باہر کو نکلی پڑ رہی تھیں۔ پھر اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔ اچانک ہی اس کے حلق سے ایک خوفناک چیخ نکلی اور دونوں ہاتھ گلے سے ہٹ گئے۔ اس نے خود حیرت سے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ یہ ہاتھ خشک اور بے جان تھے۔ خون کی ایک پتلی سی لکیر اس کی ٹھوڑی تک پہنچ چکی تھی۔ اس نے انگلی پر ذرا سا خون لگایا اور اسے چاٹنے لگی۔ اور پھر اچانک ہی اس کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ بلند ہوا۔ وہ بے اختیار قہقہے لگا کر ناچ رہی تھی۔

رتنا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس پراسرار منظر کو دیکھ رہی تھی جو اس کے خیال میں دنیا کا

سب سے عجیب وغریب منظر تھا۔ اچانک ہی رجنی دیوی کا سر برآمدے کی دیوار سے ٹکرایا اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ رتنا شدت حیرت سے گنگ تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ دفعتاً ہی ماحول مین پھر ایک تبدیلی نمودار ہوئی۔ رتنا نے دیکھا کہ وہ منظر ہی نہیں رہا بلکہ منظر میں ایک عجیب وغریب تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اب وہ یعنی رجنی دیوی برآمدے کی سیڑھیوں پر پڑی ہوئی تھی اور یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وقت بھی تبدیل ہو چکا ہے۔ سامان کا وہ تھیلا جو وہ ساتھ لائی تھی کافی فاصلے پر رکھا ہوا تھا۔ رتنا نے دیکھا کہ رجنی دیوی نے آگے بڑھ کر وہ تھیلا اٹھایا اور سوچنے لگی کہ کیا کرنا چاہئے۔ کیا کرے، کیا نہ کرے۔ پھر اچانک ہی اس نے رتنا کی طرف دیکھا اور رتنا چونک پڑی۔ اسے یوں لگا جیسے رجنی دیوی اسے مخاطب کرنا چاہتی ہو۔ رجنی دیوی کی آواز اس کے کانوں میں ابھری۔

''ہاں! یہ میں ہی ہوں۔ جو تم نے دیکھا۔ تم اس سائے اور اس مکان کا راز معلوم کرنا چاہتی ہو نا؟ میں تمہیں وہی راز بتا رہی ہوں۔ تم اس راز سے اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہوئی آشنا ہوئی ہو۔ میں جن مصیبتوں کا شکار تھی، یہ اس دور کی بات ہے۔ میری عمر دیکھ رہی ہو نا، اس عمر کی بات کر رہی ہوں۔ میں جن پریشانیوں میں زندگی گزار رہی تھی، تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر کہتے تھے کہ میرا دماغ خراب ہوتا جا رہا ہے۔ جب میں گھر سے نکلی تھی تو بالکل ٹھیک تھی۔ لیکن آہ.....! یہ بہت عرصہ پہلے کی بات ہے۔ میں تین دن پہلے گھر سے نکلی تھی۔ میں واقعی بہت پریشان تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ میرے گھر سے کچھ فاصلے پر یعنی یہاں سے کچھ فاصلے پر لکڑی کا ایک پل ہے۔ میں اس دن بازار جا رہی تھی۔ جب میں اس پل سے گزری تو میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ راستے میں اچانک میں بے ہوش ہو کر گر پڑی اور کچھ راہ گیروں نے مجھے اٹھا کر ہسپتال پہنچا دیا۔ پھر پورے تین دن کے بعد مجھے چھٹی ملی۔ لیکن..... لیکن تم نہیں جانتیں..... تم اس شیطان کو نہیں جانتیں۔ وہ دیوانہ کتا جو میری شخصیت کا قاتل ہے۔ یعنی میرا شوہر۔ وہ ان باتوں سے بے خبر تھا۔ میں جانتی تھی کہ وہ مجھے قصوروار سمجھے گا۔ آہ..... وہ مجھے قصوروار سمجھے گا۔ آؤ! میں تمہیں دکھاؤں۔ دیکھو..... اسے اپنی آنکھوں سے دیکھو..... میرا ماضی۔ تم اس سائے کا راز معلوم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں نا؟ میں تمہیں اپنے سائے کا راز بتاتی ہوں۔ ذرا آؤ میرے ساتھ۔''

رتنا کو یوں محسوس ہوا جیسے رجنی دیوی نے اس کا ہاتھ پکڑا ہو۔ نرم، ملائم روئی کے گالے جیسا ہاتھ جو انسانی ہاتھ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا، رتنا کے ہاتھ کو سنبھالے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اور پھر جس کمرے میں داخل ہوا، اس کا منظر نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ کمرے کا فرنیچر بہت کم تھا۔ ایک میز تھی جس پر لکڑی کا پرانا لیمپ رکھا ہوا تھا۔ کمرے میں پرانی لکڑی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ایک کونے میں کھردری سی چٹائی کا بستر بچھا ہوا تھا جس کی چادر پر جا بجا بڑے بڑے دھبے نظر آ رہے تھے۔ کھانے اور خون کے ملے جلے دھبے..... اس بستر پر ایک عجیب و غریب شخص پڑا ہوا تھا۔ شاید یہی رجنی دیوی کا شوہر تھا۔ دور سے دیکھنے پر وہ کپڑے کا ایک تھیلا معلوم ہوتا تھا جس میں کسی جانور کا ذبح کیا ہوا گوشت بھر دیا گیا ہو۔ اس جیتے جاگتے لوتھڑے کے دونوں بازو اور ٹانگیں غائب تھیں۔ اس کا چہرہ جگہ جگہ سے نچا ہوا تھا۔ وہ ایک میلی سی چادر میں لپٹا ہوا تھا جو غلاظت سے بھر چکی تھی اور بری طرح بدبو چھوڑ رہی تھی۔ بازو اور ٹانگوں کے بغیر گوشت پوست کے اس ڈھیر کا نام کیپٹن چوہان تھا۔ کبھی وہ بھی تندرست توانا نوجوان تھا۔ لیکن جنگ کے دوران بم کے دھماکے نے اس کے بولنے اور سننے کی قوت کے ساتھ ساتھ بازو اور ٹانگیں بھی چھین لی تھیں۔ صرف دو آنکھیں ٹھیک تھیں جس کی وجہ سے اس کا تعلق اس جیتی جاگتی دنیا سے قائم تھا۔

رجنی دیوی، رتنا کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھی اور اس پر جھک گئی۔ تب کیپٹن چوہان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ رتنا صاف محسوس کر رہی تھی کہ اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ رجنی کا گلہ گھونٹ دیتا۔ رجنی کی نگاہیں ان نگاہوں سے ملیں تو وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا، وہ عاجزی سے بولی۔ ''مجھے معاف کر دو۔ تمہیں میرے بارے میں اندازہ نہیں ہے۔ میں بازار گئی تھی۔ وہاں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ لوگوں نے مجھے اٹھا کر ہسپتال پہنچایا اور ہسپتال والوں نے مجھے تین دن تک وہاں رکھا۔ اس کے بعد جب انہوں نے مجھے چھٹی دی تو میں یہاں آئی ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔''

گوشت کے لوتھڑے میں حرکت ہوئی۔ کیپٹن چوہان نے ذرا سا سر اوپر اٹھایا اور پھر دیوار سے دے مارا۔ وہ فوراً اس کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ جب کبھی وہ کچھ کہنا چاہتا تھا تو اسی طرح دیوار سے سر ٹکرایا کرتا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔

آہ! کیا ہی خوفناک منظر..... کیا ہی خوفناک ماحول تھا۔ دیکھ کر دل اچھل کر حلق میں آ جاتا تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انسان کس طرح اپنے ہوش و حواس پر قابو رکھے۔ لیکن یہ سارا ماحول رجنی دیوی کی پراسرار کہانی تھی۔ یہ سب کچھ ایسا تھا کہ رتنا اس میں پوری دلچسپی لینے پر مجبور تھی۔ وہ غور سے اس تمام کیفیت کو دیکھ رہی تھی۔

پھر اس نے رجنی دیوی کو دیکھا جو ایک طرف بڑھ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ آگے بڑھے اور اس نے قریب رکھی ہوئی ایک میز سے ایک پنسل اٹھائی اور پھر برابر رکھا ہوا ایک پیڈ اٹھایا اور دونوں چیزیں اس کی جانب رکھیں۔ پنسل اس کے دانتوں میں دبائی، پھر اس کے پاس جھک گئی۔ کیپٹن چوہان نے پنسل دانتوں میں پکڑی اور پھر آہستہ آہستہ کاغذ پر گردش کرنے لگی۔ اس نے اپنی ہمت کر کے کاغذ پر کچھ لکھا اور اس کے بعد ایک لمحے کے اندر اندر تھک گیا۔ اس کا سر نیچے ڈھلک گیا اور پنسل اس کے منہ سے نکل کر فرش پر گر پڑی۔ تب رجنی دیوی نے پیڈ اٹھایا۔ اس میں ٹیڑھے میڑھے حروف میں لکھا ہوا تھا۔ ''کہاں گئی تھیں؟''

جو کہانی وہ سنا چکی تھی، ظاہر ہے وہ اضطراب کے عالم میں سنائی گئی تھی اور بے مقصد تھی۔ لیکن اب اسے صحیح معنوں میں اس کا جواب دینا تھا۔ چنانچہ اس نے پنسل اٹھائی اور اس کا جواب اس سوال کے نیچے لکھا۔ ''میں بیمار تھی اس لئے ہسپتال چلی گئی تھی۔ وہاں بے ہوش ہو گئی تھی۔ آج صبح جیسے ہی ہوش آیا چلی آئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ تمہیں تکلیف ہوئی ہو گی۔ مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارے لئے فوراً ہی کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے اٹھی اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے کھانا لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ کھانا دیکھتے ہی بے جان لوتھڑے کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور وہ کسی قدر مطمئن نظر آنے لگا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ رجنی کے الفاظ سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

بہرحال رجنی کھانے کے لقمے بنا بنا کر اس کے منہ میں ڈالنے لگی۔ پھر کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے دو قدم آگے بڑھائے اور گوشت کے اس لوتھڑے کے جسم سے کپڑے اُتار دیئے۔ صاف کپڑے پہنانے سے پہلے اس نے ایک نظر اس کے مفلوج جسم پر ڈالی۔ اُس کی دونوں ٹانگیں جڑ سے کٹ چکی تھیں۔ زخم چونکہ بھر چکے تھے اس لئے اب دھڑ کا نچلا حصہ گول گیند کی طرح نظر آتا تھا۔ رتنا خود بھی اس جسم کو دیکھ رہی تھی۔ اُسے ایک دم شدید کراہت کا احساس ہوا۔ پھر اس نے کیپٹن چوہان کے بازوؤں کو دیکھا۔

قمیض پہناتے وقت اس کے بازو کندھے سے نیچے تک نظر آئے۔ اس نے دیکھا کہ ایک بازو کندھے سے ذرا سا نیچے تک محدود ہے۔ دوسرا بازو سرے سے غائب تھا۔

بہرحال یہ تمام کام ہوئے۔ اس کے بعد اچانک ہی کیپٹن چوہان کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں اور وہ خوفناک نگاہوں سے رجنی کو دیکھنے لگا۔ لیکن اس وقت رجنی نے جو عمل کیا، وہ دنیا کا سب سے مشکل عمل تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل کیپٹن چوہان کے پاس جھکی اور اس کی پیشانی چوم لی۔ گرم گرم لجندا گوشت اس نے کیپٹن چوہان کی آنکھیں، ناک، اس کی ٹھوڑی، اس کے ہونٹ میں۔ اور اس کے بعد اس کے منہ سے بے اختیار سسکیاں نکلنے لگیں۔ یہ ایک ایسا دلدوز اور ہولناک منظر تھا کہ رتنا کا پورا جسم خوف سے لرز گیا تھا۔ رجنی دیوی وہاں سے باہر نکل آئی۔ رتنا اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ ایک عجیب سا ماحول ایک عجیب سی کیفیت تھی جسے رتنا الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی تھی۔ اسے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ رجنی دیوی کوئی بہت ہی پراسرار عورت ہے اور نجانے کن حالات کا شکار ہے۔ خاص طور سے اس وقت اس نے جو ماحول پیدا کیا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔

رجنی دیوی اس کمرے سے باہر نکل آئی۔ رتنا اس کو اپنے ساتھ ساتھ محسوس کر رہی تھی۔ تب رجنی دیوی نے آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا اور بولی۔ ''ساری کہانی جاننا چاہتی ہو.....؟ اس وقت کیپٹن چوہان کیپٹن نہیں تھا۔ وہ ایک معمولی سا سپاہی تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ وہ کہتا تھا۔ ''رجنی! سنسار میں اگر کوئی چیز ہے تو وہ تم ہو۔ ورنہ سارا سنسار میرے لئے ایک تاریک خلا ہے۔ یقین کرو! تمہارے بغیر اس سنسار سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔'' میں لکڑی کے اس پل پر کھڑی ہو کر اس کا انتظار کیا کرتی تھی۔ وہ مجھے آتا ہوا دکھائی دیتا تو میں ایک ہی سانس میں سیڑھیاں اترتی ہوئی پھاٹک پر پہنچ جاتی۔ اس وقت یہ گھر اتنا ویران نہیں تھا۔ صحن میں رنگ رنگ کے پھول کھلا کرتے تھے جن پر بے شمار تتلیاں اُڑتی پھرتی تھیں۔ سارا گھر شیشے کی طرح چمکتا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہتے تھے۔ پھر اچانک جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور چوہان کو بھی اس محاذ پر جانا پڑا۔ جنگ کے دوران وہ مجھے ہر ہفتے خط لکھا کرتا تھا اور میں خط دن میں کئی کئی بار کھول کر پڑھا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ ہماری زندگی میں ایک خوفناک طوفان پیدا ہو گیا۔ وہ منحوس گھڑی آگئی جب میری ساری خوشیاں مجھ سے چھن گئیں۔ مجھے اطلاع ملی کہ

ایک بم پھٹنے سے چوہان زخمی ہوگیا ہے۔ میں خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔ مجھ پر دیوانگی طاری ہوگئی۔ اور پھر میں اس سے ملنے چل پڑی۔ وہ ہسپتال میں تھا۔ میں نے اسے دیکھا تو خوف کے مارے میری چیخ نکل گئی۔ 6 فٹ لمبے صحت مند نوجوان کی جگہ اب بستر پر ایک ایسی عجیب وغریب چیز پڑی ہوئی تھی جو پہلی ہی نظر میں ذبح کی ہوئی چیز معلوم ہوتی تھی۔ میں شدت خوف سے چیختی رہی۔ ڈاکٹروں نے مجھے سمجھایا۔ لوگوں نے تسلی دی۔ رشتہ داروں نے صبر کی تلقین کی۔ لیکن مجھے صبر نہ آیا۔ میرا شوہر..... میرا محبوب جسے کیپٹن چوہان کہا جاتا تھا یہ ہے جسے دیکھ کر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا، کیا جائے۔

اس چیخ کے بعد جو میرے منہ سے اس کے لئے آخری بار نکلی تھی، کسی نے مجھ سے شکایت کا ایک لفظ بھی نہیں سنا۔ میں اس ٹوٹے ہوئے کھلونے کو سینے سے لگا کر گھر لے آئی۔ بہت سی باتیں ہوئیں۔ بہت سے لوگوں نے ہمیں تعزیتی خط بھیجے۔ ملاقاتی بھی آتے رہے۔ سب کے سب اس کھلونے کو دیکھنے آتے تھے۔ اکثر مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے اس سے ملاقات کے لئے آتے تھے۔

کیپٹن چوہان کے لئے خطابات اور انعامی سرٹیفکیٹ دیکھ کر میں خوشی سے پھولی نہیں سماتی تھی۔ اس سے پہلے وہ ملک کی گمنام شخصیت تھی لیکن اب دنیا اسے جانتی تھی۔ بے شمار اخبارات نے اس کی تصویریں شائع کی تھیں۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ ملاقاتیوں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ صرف ایک سال کا یہ کھیل، ایک سال کے اندر ختم ہوگیا۔ لوگ بہادر سپاہی اور اس کی بیوی کو بھول گئے۔ ٹوٹے پھوٹے انسان کا کوئی کیا کرتا؟ کیپٹن چوہان کے رشتہ داروں نے بھی اسے نظر انداز کر دیا۔ میرے اپنے ماں باپ بھی اس دنیا میں موجود نہیں تھے اور اب میں سارا دن تن تنہا گوشت کے اس جاندار لوتھڑے کے ساتھ بیٹھی رہتی۔ ہمارا تعلق دنیا سے ختم ہوگیا۔ دن میں ایک مرتبہ..... صرف ایک مرتبہ میں سودا سلف لینے کے لئے بازار جاتی۔ اس دوران چوہان تنہا رہتا۔ پہلے پہل تو اس نے اپنی اس حالت پر دل ہی دل میں غم کیا۔ دانتوں میں پنسل دبا کر اس نے اپنی کوفت کا احساس ایک رات فقرے میں بھی کیا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا احساس مرتا چلا گیا۔ شروع میں وہ دن بھر اخبارات پڑھا کرتا تھا جن میں اس کے بہادرانہ کارنامے درج ہوتے۔ حکومت کی طرف سے اسے سونے کا ایک تمغہ بھی دیا گیا تھا جو اس کے سرہانے پڑا رہتا تھا اور تھوڑی تھوڑی

دیر کے بعد وہ گردن موڑ کر دیر تک اسے دیکھتا رہتا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگتی تھی جو اس کے بدنما چہرے کو اور خوفناک بنا دیتی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ ان تمام چیزوں سے اس کی دلچسپی ختم ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ ایک روز اس نے یہ سونے کا تمغہ دانتوں میں دبا کر فرش پر دے مارا۔ اس کی دلچسپیوں کا واحد مرکز کھانا تھا۔ اس کی بھوک روز روز بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ میں تنگ آ گئی۔ جب میں اسے کھانا دینے سے انکار کرتی تو وہ زور زور سے اپنا سر دیوار سے مارنے لگتا۔

آہ.....تم نہیں سمجھ سکتی رتنا! دن رات اٹھنے بیٹھنے سے معذور ایک گونگے بہرے انسان کے پاس بیٹھنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن میں ایک فرض شناس بیوی کی طرح یہ سب کچھ برداشت کرتی رہی۔ زندگی بری بھلی جیسی بھی تھی، گزرتی رہی۔ دوسرے سال کے آغاز میں مجھے یہ احساس ہوا کہ میں خود بھی غیر شعوری طور پر گوشت کے اس لوتھڑے سے اب بیزار ہوتی جا رہی ہوں۔ بات یہاں تک محدود رہتی تو شاید مجھے اس کی فکر نہ ہوتی۔ لیکن ایک روز میں نے محسوس کیا کہ چوہان کی بے بسی دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اسے کھانے کے لئے منہ کھولتے دیکھ کر میری حیوانیت جاگ اٹھتی ہے۔ میرے دل میں آتا تھا کہ کھانے کی بجائے اس کے منہ میں کوئی اور چیز ٹھونس دوں۔ ایک بار تو میں نے چٹکی بھر مٹی اس کے منہ میں بھر دی اور چوہان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میں ان سرخ آنکھوں کو دیکھ کر خوف سے سہم گئی۔ لیکن فوراً ہی سنبھل گئی۔ بھلا یہ گوشت کا لوتھڑا میرا کیا بگاڑ سکتا ہے.....شاید تم میری اندر کی کیفیت نہ سمجھ پا رہی ہو رتنا! بے شک میں نے اسے چاہا تھا۔ میں اسے اب بھی چاہتی تھی.....شاید بہت زیادہ چاہتی تھی۔ ورنہ گوشت کے اس مکروہ لوتھڑے کو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہو۔ کیا رکھا ہے اس میں؟ ایک ناکارہ اور بے جان وجود۔ لیکن یہ میری چاہت ہی ہے جو اُسے زندہ رکھے ہوئے ہے اور میں اس کے لئے کوئی برا احساس نہیں رکھتی۔ لیکن میرے اند کی آگ مجھے غیر محسوس طریقے سے ایک عجیب وغریب کیفیت میں مبتلا کرنے کا باعث بن گئی۔ یوں سمجھو! مجھے ایک مشغلہ مل گیا۔ میں اس کے سامنے بیٹھ جاتی اور اسے دکھا دکھا کر کھانا کھاتی اس کی پتلیاں بے چینی سے اِدھر اُدھر حرکت کرتیں۔ زبان کی لب لب سن کر میں دیوانہ وار قہقہے لگاتی اور خالی چمچ اس کے منہ میں ٹھونس دیتی۔ وہ کروٹ بدلنے کی کوشش کرتا اور اسے روکنے کے لئے دائیں ہاتھ کا ذرا سا سائیڈ بار بار اوپر اٹھاتا جو اس کے

جسم کا واحد قابل حرکت حصہ تھا۔ لیکن میں کسی طرح باز نہ آتی۔

اس وقت میرے اندر ایک عورت تڑپ رہی ہوتی تھی اور مجھے اس بے بس مرد کی بے بسی دیکھ کر لطف آتا تھا۔ جب میں اس کی کسی بات کو قابل توجہ نہ سمجھتی تو وہ سختی سے اپنا منہ بند کر لیتا اور اس کی آنکھوں سے بڑے بڑے آنسو بہنے لگتے۔ بس شاید یہ آنسو ہی اسے زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ آنسو دیکھ کر میرا دل پگھل جاتا ہے۔ میں اسے گھورنے لگتی ہوں اور پھر مجھے اپنی حرکت کا شدت سے احساس ہوتا ہے اور اس وقت میرے دل کی کیفیت جو کچھ ہوتی ہے، میں تمہیں الفاظ میں نہیں بتا سکتی۔ لیکن کیا کروں؟ میں دوہری کیفیت کا شکار تھی۔ ایسی کیفیت کا جسے میں تمہیں الفاظ میں نہیں بتا سکتی۔

ایک دفعہ تو میری دیوانگی انتہا تک پہنچ گئی۔ ہوا یوں کہ جس جگہ چوہان بیٹھا ہوا تھا وہ جگہ دیوار سے بہت قریب تھی اور بڑی بڑی چیونٹیوں کی ایک قطار اکھڑے ہوئے پلستر کی نشیب وفراز عبور کرتی ہوئی چھت کی طرف حرکت کر رہی تھی۔ اچانک ایک چیونٹی راستہ بدل کر چوہان کی گردن پر چڑھ گئی اور کان کے اوپر سے گزرتی ہوئی رخسار تک آ پہنچی۔ بڑے چیونٹیوں کو تم نے دیکھا ہوگا۔ وہ جو اپنے اگلے حصے سے گوشت کو پکڑ لیتے ہیں تو صرف انہیں توڑ کر ہی چھڑایا جا سکتا ہے۔ سنا ہے کسی زمانے میں جب زخموں کو ٹانکے لگانے کے سلسلے میں جدید ایجادات نہیں ہوئی تھیں تو ان چیونٹیوں کو زخموں کے دونوں سروں پر لگایا جاتا تھا اور انہیں توڑ دیا جاتا تھا۔ ان کے جبڑے بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ رخسار کے گوشت کو نرم پائے ہوئے اس نے اپنے جبڑے اس کے رخسار میں گاڑ دیئے اور چوہان تکلیف سے سر زور زور سے دیوار پر مارنے لگا۔ میں خاموشی سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔ وہ بار بار اپنے بازو کا ٹنڈ ہلا ہلا کر چیونٹے کو گرانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن چیونٹا اس سے گردش نہیں کر رہا تھا۔ اس کے گول مول ٹنڈ کو حرکت کرتے دیکھ کر وحشت سی جاگنے لگی اور دوسرے کی تکلیف پر خوش ہونے کی انسانی حیوانیت میرے اندر جاگ اٹھی۔ میں نے دیوار پر سے تین چار چیونٹے پکڑے اور اُس کے رخسار پر رکھ دیئے۔ ذرا سی دیر میں وہ سب کے سب اسے کاٹ رہے تھے اور وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ سارا درد اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا تھا جو تکلیف سے پھٹ رہی تھیں۔ وہ انتہائی بے چارگی سے اپنی دکھ سکھ کی ساتھی کو دیکھ رہا تھا اور میں اس کی محتاجی پر دل کھول کر ہنس رہی تھی۔

اچانک میں ڈر گئی۔ مجھے ایک عجیب سے خوف کا احساس ہوا۔ اگر یہ شخص حرکت کرنے کی طاقت رکھتا تو اس وقت میرے جسم کو ریزہ ریزہ کر دیتا۔ نہیں..... مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے چیونٹوں کو اس کے خسار پر سے جھاڑا اور اس کے چہرے کو دھو کر دوا لگا دی۔ پھر میں ساری رات روتی رہی تھی۔ اپنی دیوانگی پر خود لعنت بھیجتی رہی تھی۔ اس طرح کئی سال گزر گئے۔ اس طویل عرصے میں اس کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی۔ شروع میں تو خیر جو کچھ بھی تھا، لیکن اب میرے اندر جنونی کیفیت کبھی کبھی دم توڑ دیا کرتی تھی اور کبھی اس طرح سے ابھر آتی تھی کہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ اب میں نے اسے بات بات پر ڈانٹنا شروع کر دیا تھا۔

ایک روز میں نے بازار میں دیکھا، ایک شخص اپنی بیوی کو انتہائی بے دردی سے پیٹ رہا تھا۔ میرے اندر چھپی ہوئی نفرت جاگ اٹھی۔ مردوں سے انتقام لینے کا جذبہ میرے اندر شدت سے بڑھتا گیا۔ حتیٰ کے گھر پہنچ کر میں نے چوہان کا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کر دیا۔ اس کے منہ سے دھب دھب کی آوازیں نکلتی رہیں۔ تکلیف کی شدت سے اس لوتھڑے جیسے جسم میں لرزش پیدا ہو گئی۔ وہ بے چینی اور کرب سے دیوار سے سر ٹکرانے لگا۔ حتیٰ کہ اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ اور پھر وہ تنگ آ کر آنسو بہانے لگا۔ شام تک میری حالت سنبھل گئی اور مجھے اپنے کئے پر ندامت محسوس ہونے لگی۔ میں نے بڑی محبت سے اچھی اچھی چیزیں پکائیں اور بڑے پیار سے اسے کھلانے لگی۔ اس نے ناراضگی کا اظہار کیا اور سختی سے ہونٹ بند کر لئے۔ لیکن تازہ کھانے کی خوشبو نے اسے بے بس کر دیا۔ میں اسے کھانے کے بعد اس کے سامنے بستر پر لیٹ گئی۔ میرے اندر عورت......عورت......عورت.....کی چیخیں ابھر رہی تھیں۔ میں نے کھڑکی کے راستے اندر آتی ہوئی چاند کی روشنی میں اسے دیکھا۔ وہ جاگ رہا تھا۔ نجانے کیا سوچ رہا تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا تو میری تین دن کی غیر حاضری کے بارے میں سوچ رہا ہے؟''

پھر نجانے کیوں مجھے اس سے شدید نفرت کا احساس ہوا۔ مرد کی آنکھوں میں جو کچھ ہوتا ہے، اگر عورت نہ پڑھ سکے تو وہ اپنے آپ کو اس مرد سے متعلق قرار نہیں دے سکتی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جو کچھ پڑھا تھا وہ میرے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ جن بے کسی کے ایام میں، میں گزارہ کر رہی تھی، اگر اس کے بعد اسے میرے کردار پر کوئی شبہ ہوتا ہے تو یہ بہت

ہی تکلیف دہ بات تھی۔ یہ وہ شخص تھا جس کے لئے میں تین سال سے اس غلیظ جگہ پر رہتی رہی تھی۔ یہاں کبھی کبھی ایک ماہ گزر جاتا تھا اور میری گفتگو تک کسی سے نہیں ہوتی تھی۔ لیکن میں اس کے لئے یہ بھی برداشت کر لیتی تھی۔ آہ..... یہ وہی ہے جس کے لئے میں نے زندگی کی تمام مسرتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور دن بھر اس کے اپاہج اور لاچار جسم کے پاس بیٹھی رہتی تھی اور وہی شخص مجھے بدکردار سمجھ رہا ہے۔

میں سب کچھ برداشت کر سکتی تھی لیکن ایک مشرقی عورت کی طرح اپنی آبرو کے متعلق ایک بھی لفظ سننا پسند نہیں کرتی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں کی تحریر پڑھ کر اپنے ہونٹ سختی سے بند کر لئے اور اپنے آپ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن نفرت کا دھارا پورے زور و شور سے بہہ رہا تھا اور میرا سارا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے اندر نفرت کی آگ سلگ رہی ہے اور جب تک میں ان منحوس آنکھوں کی تحریر کو ختم نہ کر دوں، یہ آگ ٹھنڈی نہیں ہو سکتی۔

میری دیوانگی عروج پر پہنچی تو میں چھلانگ لگا کر اس کے معذور جسم پر جا چڑھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، ان میں بے پناہ غصہ تھا....نفرت تھی اور حقارت تھی..... میں نے دونوں ہاتھ کھولے اور دونوں انگوٹھے سختی سے اکڑا کر اپنی پوری قوت سے اس کی آنکھوں میں ٹھونس دیئے۔ تکلیف کی شدت سے اس کا بدن اپنی جگہ سے ایک ایک فٹ اوپر اچھلنے لگا۔ اس کا منہ کھل گیا اور منہ سے غرغرہ کی آوازیں نکلنے لگیں۔ اس کی آنکھوں سے سرخ گاڑھا گاڑھا خون بہہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا۔ پھر اس کا بدن بے حرکت نظر آنے لگا۔ میرے دونوں انگوٹھے اس کی آنکھوں کے حلقوں میں اندر تک گھسے ہوئے تھے۔ ایک جھٹکے سے میں نے انہیں باہر نکالا اور چادر سے ہاتھ صاف کرکے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی ایک آنکھ پوری طرح ختم ہو چکی تھی۔ پتلی میں سے زرد زرد پانی بہہ رہا تھا لیکن دوسری آنکھ شاید سلامت تھی کیونکہ میرے جذبات کی شدت سے میرا انگوٹھا درست نشانے پر نہیں پڑا تھا اور اس کی آنکھ کا صرف ایک کونہ زخمی ہوا تھا۔ اس میں سے خون رس رہا تھا۔ میں نے بہتے ہوئے سرخ خون کو دیکھا اور اچانک ہی میرے دل میں ایک شدید خوف پیدا ہونے لگا۔ بدن کی لرزشیں اور تیز ہو گئیں۔ پہلے یہ لرزشیں نفرت کا عطیہ تھیں۔ لیکن اب خوف.....خوف اور صرف خوف..... میں سوچنے لگی کہ یہ میرا شوہر ہے۔ یہ

میرا چوہان ہے..... جسے میں بے پناہ چاہتی تھی اور جو مجھ سے بے پناہ محبت کیا کرتا تھا۔ میں
نے اس کی تین سال تک دل و جان سے خدمت کی تھی۔ اور اب..... اب میں نے اسے
شدید تکلیف دی ہے۔ بے اختیار میرا دل بھر آیا اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ گونگا،
بہرہ، معذور تو یہ پہلے ہی تھا لیکن اب میں نے اسے اندھا بھی کر دیا تھا۔ اب وہ کیسے زندہ
رہ سکے گا؟

میں سسکیاں لیتی ہوئی باہر بھاگی اور ایک ہی سانس میں سیڑھیاں عبور کرتی ہوئی نیچے پہنچ
گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ہسپتال جانے والی سڑک پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ لیکن
میرے پیچھے کچھ اور ہو رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس کے جسم میں حرکت ہوئی۔ اس کی داہنی
آنکھ ذرا سی کھلی اور سیاہ پتلی دائیں بائیں حرکت کرنے لگی۔ وہ ہوش میں آ گیا تھا۔ پھر اس
نے اپنے ٹنڈ بازو کا سہارا لے کر فرش پر اوندھے منہ لیٹ کر جسم کو تھوڑا سا آگے بڑھایا۔ اپنی
ٹھوڑی اور بدن کی رگڑ سے وہ تھوڑا تھوڑا آگے بڑھ رہا تھا۔ سخت فرش پر گھس کر اس کے
چہرے سے خون بہنے لگا لیکن وہ بڑھتا چلا گیا۔ دوسری دیوار تک پہنچتے پہنچتے وہ لہولہان ہو چکا
تھا۔ یہاں اس نے اپنا سارا زور لگا کر اپنے جسم کو کھڑا کیا، دیوار کا سہارا لے کر اس نے
دانتوں سے تلوار اتاری اور زمین پر پھینک دی۔ گردن اونچی کر کے اس نے دوسری تلوار
اتاری اور اپنے آپ کو فرش پر گرا دیا۔ کچھ دیر تک وہ ساکت رہا۔ پھر گھسٹتا ہوا دروازے کی
طرف بڑھا۔ دروازے کے سامنے پہنچ کر اس نے تلوار فرش پر رکھ دی اور واپس ہوا۔
دوسری تلوار دروازے تک پہنچانے میں اسے 20 منٹ تو لگ گئے تھے۔ فرش پر گھسٹ کر
اس کا سارا جسم خون میں نہا گیا تھا۔ ٹنڈ منڈ بازو اور دانتوں کی مدد سے اس نے دونوں
تلواروں کو دروازے کے عین سامنے ایک دوسرے کے سہارے اس طرح کھڑا کر دیا کہ
باہر سے آنے والا جونہی پٹ کھولے ان کا شکار ہو جائے۔ اب وہ گھسٹتا ہوا کھڑکی کی طرف
بڑھا۔ کمرے کا سارا فرش اس کے خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ دوسری آنکھ بھی بوجھ پڑنے
سے ناکارہ ہوتی جا رہی تھی۔ کسی نہ کسی طرح وہ کھڑکی تک پہنچ گیا۔ دانتوں سے فرش پکڑ کر
وہ ٹانگوں کے ٹنڈ پر کھڑا ہو گیا اور ایک ہی جھٹکے میں وہ کھڑکی پر چڑھ گیا۔ کھڑکی میں وہ لیٹا
ہوا تھا۔ نیچے دور تک زمین نظر آ رہی تھی۔ بار بار وہ اپنی زخمی آنکھ کھولتا اور دروازے کی
طرف دیکھ لیتا۔

دھیرے دھیرے وقت کھسک رہا تھا۔ اس دوران میں ایک ہسپتال کے ڈاکٹر کے پاس
پہنچی جس سے میری شناسائی تھی۔ میں نے اُسے صرف اتنا کہا کہ میرا خاوند سخت بیمار ہے۔
وہ میرے گھر پہنچ جائیں۔ اور اُس کے بعد میں اُلٹے پیر گھر کی طرف بھاگی۔ تیزی سے
سیڑھیاں طے کرتی ہوئی میں کمرے کے دروازے تک جا پہنچی۔ پھر ایک لمحے کو رُک کر میں
نے سوچا کہ جاتے ہی اس کے قدموں سے لپٹ جاؤں گی اور اپنے قصور کی معافی مانگوں
گی۔ کمرے کا دروازہ اسی طرح بند تھا جس طرح میں چھوڑ کر گئی تھی۔ میں نے جھٹکے سے
دروازہ کھولا اور تیزی سے اندر داخل ہو گئی۔ اور پھر بے اختیار میرے منہ سے ایک چیخ نکلی۔
تیز دھار کی تلواریں میرے بدن کے آر پار ہو چکی تھیں۔ آہ! میں..... آہ! میں...... میں اس
سے پہلے مر گئی تھی..... میں اس سے پہلے مر گئی تھی۔''

اچانک ہی رتنا کے جسم کو جھٹکا سا لگا۔ جو ہولناک کہانی اس نے رجنی دیوی کی آواز میں
سنی تھی اور اس نے جس طرح اسے اپنے ماضی کے بارے میں بتایا تھا اس کا اختتام ناقابل
یقین تھا۔ ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا تھا۔ اب نہ وہ پرانا مکان تھا اور نہ وہ ماحول...... بلکہ
رجنی اپنی حویلی میں اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی اور رتنا یہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ اپنی
آنکھوں سے سارا منظر دیکھ رہی ہے۔ اس نے پھٹے پھٹے انداز میں رجنی دیوی کو دیکھا اور
رجنی دیوی آہستہ سے بولی۔ ''کیا بات ہے رتنا! مجھ سے کوئی کام ہے؟

''پھر..... پھر کیا ہوا؟'' رتنا نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''جاؤ! اپنے کمرے میں واپس جاؤ۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، اسے سمجھنے کے لئے تمہیں
وقت درکار ہو گا۔''

''لیکن آپ نے کہا ہے کہ.....'' جاؤ! اپنے کمرے میں جاؤ۔'' رجنی نے پھر اسی انداز
میں کہا۔

نجانے اس کے لہجے میں کیا بات تھی کہ رتنا اس کے بعد وہاں نہ رُک سکی۔ لیکن اپنے
کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ کر اس نے سوچا یہ کیا ہوا؟ کیا کہہ رہی ہے وہ؟ کوئی سمجھ میں
آنے والی بات ہو تو سہی۔''

☆.....☆.....☆

شردھا اور رندھیرا بہت خوش تھیں۔ جس طرح انہیں کامیابی حاصل ہوئی تھی، وہ ناقابل یقین تھی۔ آخر کار انہوں نے اپنے شیطانی عمل سے سمپورنی اور رتنا کے درمیان نفرت بو دی تھی اور اب وہ اس وقت دونوں بڑے مزے سے بیٹھی ہوئیں اس موضوع پر بات کر رہی تھیں۔

شردھا نے کہا۔ ''ان دونوں کا طلسم توڑنا ہمارے لئے بڑی قوتوں کا باعث ہوگا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا، کیا جائے؟''

''میں سمپورنی کو قابو کرتی ہوں اور تو رتنا کو۔ کیا خیال ہے؟''

''ٹھیک ہے۔ یہ ہو جائے گا۔ اس کی فکر مت کر۔ میں ذرا یہ تو پتہ لگا لوں کہ یہ ہیں کہاں پر۔''

''کیا تو آسانی سے پتہ لگا سکتی ہے؟''

''ہاں! میں چلتی ہوں۔'' شردھا نے کہا اور اس کے بعد وہ رتنا کی تلاش میں چل کھڑی ہوئی۔ لیکن بہت کوشش کے باوجود اسے رتنا کا پتہ نہیں چل سکا۔ وہ بڑی مشکل کا شکار ہوگئی اور نجانے کتنے جتن کر کر کے ہار گئی لیکن رتنا کا کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا۔

ادھر رندھیرا نے بھی اپنا کام شروع کر دیا تھا اور اس سلسلے میں انتہائی محنت کر رہی تھی۔ اسے بھی سمپورنی کا کوئی علم نہیں ہو سکا تھا۔ وہ پریشان تھی کہ ابھی تک کچھ بھی نہیں ہوا۔ مقصد تو وہی تھا کہ سمپورنی اس کے قبضے میں ہو اور رندھیرا ہر طرح سے اپنے کام، اپنی پسند کے مطابق کرنے لگے۔ لیکن یہ تو بات ہی بالکل الٹی ہوگئی تھی۔

شردھا جب رندھیرا کے پاس پہنچی تو رندھیرا اس کا انتظار ہی کر رہی تھی۔ اس نے کہا۔

''کیا ہوا تجھے؟ رتنا کا کچھ پتہ چلا؟''

''نجانے کہاں مرگئی کمبخت کہیں کی۔''

''وہ بھی تجھے نہ ملی؟''

''ہاں! یہ بات تو طے ہے کہ ان دونوں کے درمیان گہری پھوٹ پڑ گئی ہے اور اب وہ ایک دوسرے کی دشمن ہیں۔ جو کچھ ہم نے کیا تھا، اس کے نتیجے میں یہی ہونا چاہئے تھا۔ لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ دونوں اس طرح گم ہو جائیں گی کہ ان کا پتہ بھی نہیں ملے گا۔''

''تو پھر.....اب کیا کہتی ہے تو؟''

''میں کیا کہوں گی؟ بس یہ سمجھ لے کہ رتنا کی تلاش میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ اگر رتنا مجھے نہ ملی تو میری زندگی کا سب سے بڑا مشن ادھورا رہ جائے گا جس کے لئے میں نے طویل عرصے تک کام کیا ہے اور زندہ قبر میں دفن رہی ہوں۔ بس! یہ سمجھ لے کہ وہ بہت ضروری ہے میرے لئے۔''

''اور میرے لئے سمپورنی.....کیونکہ میں جانتی ہوں کہ اسے قبضے میں کرنے والا کوئی بھی سہی، وہ اسے آزاد چھوڑ کر گم ہوگیا ہے اور اب میں اسے آسانی سے اپنے قبضے میں کر سکتی ہوں۔ سمپورنی بہت بڑی قوت ہے۔ اسے خود اپنی اصل شخصیت کا اندازہ نہیں ہے۔ خیر میں اسے تلاش کروں گی۔ اب تو بتا! تو کیا چاہتی ہے؟''

''رتنا کی تلاش میں نکل رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے ایک لمبا سفر کرنا پڑے۔'' شردھا نے کہا۔

''میں تیرا یہیں، اسی جگہ انتظار کروں گی۔''

''نہیں! یہ جگہ کسی طور مناسب نہیں۔ آ! میں تجھے ایک ایسی جگہ بتاتی ہوں جہاں تو ہر تیسری رات مجھے دیکھ لیا کر۔ وہ جگہ محفوظ ہے اور ہمارے مطلب کی بھی ہے۔''

اس جگہ ویرانے میں ایک پیپل کا درخت تھا جس کے نیچے بڑا سا چبوترہ بنا ہوا تھا۔ اس چبوترے پر پہنچنے کے بعد شردھا نے کہا۔ ''یہ ہماری مخصوص جگہ ہے اور یہاں ہم ایک دوسرے سے آسانی سے مل سکتے ہیں۔ یہاں گندی روحوں کا بسیرا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' رندھیرا نے کہا اور شردھا رخصت ہوگئی۔

رندھیرا سوچنے لگی کہ سمپورنی کو حاصل کرنے کے لئے اب اسے کیا کرنا ہے؟

☆

دھرما سنگھ کو ویسے تو زندگی بھر کا تجربہ حاصل تھا۔ کوئی معمولی شخصیت تو تھی نہیں اس کی کہ وہ کسی چھوٹے سے مسئلے میں پھنس جاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شردھا نے اسے بہت

شدید نقصان پہنچایا تھا۔ لیکن دھرما یہ سمجھتا تھا کہ اس میں بھی اس کی غلطی ہے۔ اس نے اپنی ان تمام تر قوتوں سے کام نہیں لیا تھا جن سے اسے یہ کام لینا چاہئے تھا، اس لئے شردھا اس پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی تھی ورنہ ایسا ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ بہر حال وہ اس مشکل سے نکل آیا تھا جس مشکل میں شردھا نے اسے ڈال دیا تھا۔ اور اب شیش ناگ کی حیثیت بھی ختم کرنے کی نوبت آ گئی تھی۔ لیکن بہر حال سپیروں کی دنیا سے وہ اتنی دور نکل آیا تھا کہ وہ اس تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ ویسے بھی اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ انسان بن کر اس دنیا میں قدم رکھے۔ یہ تجربہ بھی اس کے لئے برا نہیں تھا کہ سانپ کی طرح اپنے بدن کو ہلکا پھلکا کر کے ایک طویل سفر کرے۔ اور یہ طویل سفر نجانے کب تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں پیپل کا ایک بڑا درخت تھا اور ایک چبوترہ سا بنا ہوا تھا۔ اسے یہ جگہ کچھ زیادہ ہی پسند آئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ یہ جگہ ایک ایسے علاقے میں تھی جو سنسان اور ویران تھا اور ایسی جگہیں سکون کے لئے بہت اچھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ اس چبوترے پر چڑھا اور اس کے بعد وہاں سے پیپل کے درخت کی چوڑی شاخ پر اپنے لچک دار جسم کو لپیٹ کر اس نے آرام کرنے کے بارے میں سوچا اور آنکھیں بند کر لیں۔ جو کچھ ہو چکا تھا، وہ ایک الگ کہانی تھی۔ دھرما سنگھ اب اپنے لئے کوئی مناسب مقام تلاش کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے دشمن کو بہر حال نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ رتنا بھی اس کے دل و دماغ میں تھی۔ رتنا کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

دھرما سنگھ سوچ رہا تھا کہ درختوں میں سکون کی سانس لے لے، اس کے بعد رتنا کو تلاش کرے گا اس جیسی حسین اور دلربا عورتیں کم ہی نگاہوں میں آتی ہیں۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دھرما سنگھ اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گیا ہو۔ نجانے کب تک وہ درخت کی اس شاخ سے لپٹا آرام کرتا رہا۔ پھر اچانک ہی اسے کچھ آہٹیں سی سنائی دیں۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول لیں۔ نیچے دیکھا تو ایک عورت نظر آ رہی تھی۔ دھرما سنگھ اسے دیکھتا رہا۔ عورت اس درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گئی تھی اور کچھ بے چینی کا شکار نظر آتی تھی۔ دھرما سنگھ تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے گیان کو آواز دی اور اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے تھوڑی دیر کے بعد یہ اندازہ ہو گیا کہ جو عورت پیپل کے درخت کے نیچے آ کر بیٹھی ہے، وہ خود بھی ایک گیانی عورت ہے اور کچھ کالے علوم جانتی ہے۔ ایسی کسی

عورت کا مل جانا دھرما سنگھ کے لئے دلچسپی کا باعث تھا۔ اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ کم از کم یہ شردھا نہیں ہے۔ تھوڑی دیر اسی طرح خاموشی سے گزر گئی اور دھرما سنگھ سوچتا رہا کہ اس کے بعد کیا کرنا چاہئے۔ پھر اس نے بڑی احتیاط سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ درخت کی شاخ سے بل کھولے اور نیچے اترنے لگا۔

عورت خاموشی سے بیٹھی ہوئی کچھ سوچ رہی تھی۔ دھرما سنگھ نے اپنا چوڑا پھن پھیلایا اور کنڈلی مار کر عورت کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس عورت کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کچھ گیان کر رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ انسان بہر حال انسان ہی ہوتا ہے۔ اس کے حلق سے مدھم سی چیخ نکل گئی اور وہ ایک دم درخت کے تنے سے جا لگی تھی۔ شاید وہ بھاگ جاتی اگر درخت کا تنا اس کی پشت پر نہ ہوتا۔ لیکن اب وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دھرما سنگھ کو دیکھ رہی تھی اور دھرما سنگھ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

دفعتاً ہی عورت کے منہ سے آواز نکلی۔ ''جے ہو ناگ دیوتا کی۔ ہے ناگ دیوتا! میں تو تمہاری داسی ہوں۔ مجھ پر کوئی وار نہ کرنا۔ میں بھلا تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتی ہوں؟ تم دھرم آتما ہو۔ جے ہو ناگ دیوتا کی..... جے ہو ناگ دیوتا کی۔'' وہ لرز رہی تھی اور دھرما سنگھ سوچ رہا تھا کہ اس کے خلاف کوئی ایسا کام نہیں ہونا چاہئے، جس سے وہ مزید خوفزدہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ خاموشی سے کھڑا رہا۔ تب سامنے بیٹھی ہوئی عورت نے کہا۔ ''ناگ مہاراج! چلے جاؤ یہاں سے۔ میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں تو تمہاری سیوک ہوں۔ چلے جاؤ یہاں سے ناگ مہاراج.....''

دھرما سنگھ نے اب کچھ اور سوچا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس کے بدن سے ہلکا سا دھواں خارج ہونے لگا۔ دھواں آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا اور عورت کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی جا رہی تھیں۔ پھر دھرما سنگھ اپنی اصلی حالت میں نمودار ہو گیا۔ عورت نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے اور ماتھے سے لگا کر جھک گئی۔ پھر بولی۔ ''تم اچھا دھاری ہو۔ تم نے اپنی جون بدل لی ہے۔''

دھرما سنگھ نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔ ''نہیں..... میں ناگ نہیں ہوں۔ میں تو ایک سادھو ہوں۔ میرا نام دھرما سنگھ ہے۔''

''مگر تم تو ابھی ناگ کے روپ میں تھے۔''

’’میں بہت سے روپ دھار سکتا ہوں۔‘‘

’’جے ہو مہاراج کی۔ کیا نام بتایا آپ نے؟‘‘

’’دھرما سنگھ......‘‘

’’مہاراج کی جے ہو۔ میرا نام رندھیرا ہے اور آپ کی دیا سے میں بھی گیان دھیان میں تھوڑی بہت معلومات رکھتی ہوں۔‘‘

’’کیا یہاں پر کوئی جاپ کرنے آئی تھی؟‘‘

’’نہیں مہاراج! بس ایسے ہی کچھ کام تھا۔ لیکن آپ ..... آپ تو بڑے مہان معلوم ہوتے ہیں۔ ناگ دیوتا کے روپ میں، میں نے آپ کو بالکل پہچانا ہی نہیں۔‘‘

’’ہاں! ہم تیرے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔‘‘

’’ابھی تو گیان دھیان کی دوسری منزل میں ہوں۔ ایک مشکل میں پڑ گئی ہوں۔ اس سے آگے گیان حاصل بھی نہیں کر سکتی۔ بس تھوڑی بہت معلومات ہیں۔ اسی سے کام چلا لیتی ہوں۔ لیکن مہاراج! آپ جیسے سادھو کے چرن مل جائیں تو انسان کو اور کیا چاہئے؟‘‘

’’رندھیرا بتایا تو نے اپنا نام؟‘‘

’’ہاں!‘‘

’’رندھیرا! پہلے تو ہمیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا ڈال..... ایک ایک لفظ بتا ڈال ہمیں اپنے بارے میں.....‘‘ دھرما سنگھ نے کہا۔

رندھیرا سوچ میں ڈوب گئی۔ وہ دھرما سنگھ سے بہت زیادہ متاثر ہو گئی تھی۔ دھرما سنگھ جس انداز میں اس کے سامنے آیا تھا، وہ بڑا ہی سنسنی خیز تھا۔ رندھیرا کیا کوئی بھی ہوتا، دھرما کے سامنے بے بس ہو جاتا۔ رندھیرا کی بھی اس وقت یہی کیفیت تھی۔ اس نے سوچا کہ چلو ایک مہان سادھو کا ساتھ حاصل ہو رہا ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔

اس نے کہا۔ ’’مہاراج! ویسے تو بھگوان کی دیا سے سب ٹھیک ہے۔ اتنا گیان دھیان ہے میرے پاس کہ میں اپنا کام با آسانی چلا سکتی ہوں۔ لیکن پچھلے دنوں میں ایک عجیب و غریب حادثے سے دوچار ہو گئی ہوں۔‘‘

’’کیا؟‘‘ دھرما سنگھ نے پوچھا۔

جواب میں رندھیرا نے شردھا، سمپورنی اور رتنا کی پوری کہانی سنا ڈالی۔ یہ کہانی سن کر دھرما سنگھ کی جو کیفیت ہوئی تھی، وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ اسے تو سب کچھ مل گیا تھا۔ اسے دونوں ہی کی تلاش تھی۔ شردھا کو بھی وہ زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اور رتنا تو تھی ہی اس کی تڑپ۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر دھرما سنگھ نے کہا۔ ’’دیوی! تو مہان ہے۔ اور جو مہان ہوتے ہیں، انہیں سنسار میں ان کا مقام ملنا ہی چاہئے۔ میں تیرے لئے جو کچھ کروں گا، تو سوچ بھی نہیں سکتی۔ تجھے اتنی بلندیوں پر پہنچا دوں گا کہ تو یاد رکھے گی۔ اچھا! یہ بتا.... شردھا تیرے پاس کب واپس آئے گی جس کے بارے میں تو نے بتایا ہے۔‘‘

’’مہاراج! جیسے ہی وہ رتنا کا پتہ لگا لے گی، میرے پاس پہنچ جائے گی۔ مجھے سمپورنی کی تلاش ہے۔‘‘

’’میں تیری مدد کروں گا۔ دیکھ! سنسار میں انسان کی ایک ہی آرزو ہوتی ہے وہ یہ کہ وہ سب سے بڑی طاقت والا کہلائے۔ وہ سب سے بڑا شکتی مان ہو۔‘‘

’’یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں مہاراج!‘‘

’’تو بس۔ یہ سمجھ لے کہ میں تجھے سنسار کا سب سے بڑا شکتی مان بنا دوں گا۔ بشرطیکہ تو میرے کہنے پر عمل کرے۔‘‘

’’مہاراج! چرن چھوتی ہوں میں آپ کے۔ جو آپ کہیں گے، وہی کروں گی۔ کبھی آپ سے انحراف نہیں کروں گی۔‘‘

’’بس سمجھ لے! یہ سنسار تیرا ہے۔‘‘ دھرما سنگھ نے کہا۔ پھر بولا۔ ’’لیکن ایک بات اور سن لے! ہمیشہ اپنے گرو کو چھپا کر رکھنا۔‘‘

’’میں سمجھی نہیں مہاراج!‘‘

’’شردھا کیا، تیری اپنی سانسوں کو بھی میرے بارے میں معلوم نہیں ہونا چاہئے۔ میں زیادہ تر سانپ کی شکل میں تیرے پاس رہوں گا۔‘‘

’’جے ہو مہاراج کی۔ پیپل کے درخت کی جڑ میں ایک کھوکھلا سوراخ ہے۔ آپ کے لئے بہترین جگہ ہوگی۔‘‘

’’ہاں! میں اسے دیکھ چکا ہوں۔‘‘ دھرما سنگھ نے کہا۔ وہ دل ہی دل میں خوش تھا کہ چلو آئے تو سہی شردھا۔ پتا تو چلے رتنا کا۔ دیکھ لوں گا دونوں کو.....

☆

صحیح معنوں میں اگر تجزیہ کیا جائے تو رتنا ان سارے کرداروں میں سب سے معصوم شخصیت کی مالک تھی۔ بچپن سے ذات پات نے اسے نجانے کیا سے کیا بنا دیا تھا ورنہ فطری طور پر وہ اس طرح کی شخصیت نہیں رکھتی تھی۔ اب یہاں رجنی دیوی کے پاس اس کے دماغ کی جو حالت ہوئی تھی وہ اس کے لئے ناقابل فہم تھی۔ رجنی دیوی اس پر کچھ زیادہ ہی مہربان نظر آتی تھی۔ ایک دن اس نے کہا۔

''رتنا! جو واقعات تو نے میری زندگی سے متعلق دیکھے، ان کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ میں اتنی گہری باتیں سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔''

''یہ بتا! بھوت پریت اور آسیب وغیرہ پر یقین رکھتی ہے تو؟''

''ہاں! کیوں نہیں۔ دیوی، دیوتا، اچھی اور بری آتمائیں تو سنسار میں ہوتی ہیں۔ ان پر میں ہی کیا، سبھی یقین رکھتے ہیں۔''

''ویسے کیا تو نے کبھی خود ایسے واقعات کا سامنا کیا ہے؟''

''تھوڑا بہت۔ زیادہ نہیں۔''

''تب میں تجھے روپ شالا بھیج رہی ہوں۔''

''روپ شالا...... یہ کون سی جگہ ہے؟''

''ایک عمارت کا نام ہے۔ یہاں تجھے میری ایک بہت ہی قریبی دوست مونیکا دیوی ملے گی۔ مونیکا دیوی یوں سمجھ لے بڑی تعلیم یافتہ اور بڑی حیثیت کی مالک ہے۔ وہ کیا ہے، تجھے یہ وہاں جا کر ہی معلوم ہوگا۔ لیکن وہ تجھے ایک ایسی دنیا سے روشناس کرائے گی جو تیرے لئے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگی۔''

رتنا نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ''ٹھیک ہے۔ میں خود بھی اس بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔''

''مونیکا دیوی تجھے وہ کچھ بتائے گی جو تو سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں تجھے وہاں بھجوانے کا بندوبست کر دوں گی۔''

رتنا تو موم کی ناک تھی۔ بے چاری کا اپنی زندگی کا تو کوئی مقصد نہیں تھا۔ لیکن بہرحال

اس بے مقصد زندگی میں بھی اگر تھوڑی بہت دلچسپیاں سامنے آ جائیں تو یہ دل لگنے والی بات ہی تھی۔ ''اچھا ہے۔ تھوڑی سی معلومات حاصل ہو جائیں گی۔'' اس نے سوچا اور تیار ہو گئی۔

پھر ایک شاندار لیکن بوسیدہ عمارت میں جس کا نام روپ شالا تھا، مونیکا دیوی نے اس کا استقبال کیا۔ اس کے سر کے بال چاندی کے تاروں کی طرح سفید تھے اور شاید یہ سفیدی چہرے پر بھی اتر آئی تھی۔ اس عمر میں اتنا سفید چہرہ اور ایسی خوبصورت آنکھیں قصے کہانیوں کی بات ہی ہو سکتی ہے۔ اصلیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

بہرحال مونیکا دیوی نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس کے سنجیدہ چہرے پر ایک عجیب سا رنگ آ گیا۔ دیر تک وہ رتنا کو گھورتی رہی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے اندر سے جھانک رہی ہو۔ پھر اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار پھیل گئے۔ ''یہاں کچن موجود ہے۔ ضرورت کی ہر چیز ہے۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میری اچھی دوست کی طرح وقت گزارو اور یہاں کے حالات کو سمجھو۔ میری دوست رجنی نے جو اپنے ماضی میں انتہائی تکلیفوں کا شکار رہی ہے، مجھ سے کہا ہے کہ تمہیں کچھ حقیقتوں سے روشناس کراؤں۔ میری خواہش ہے کہ تم سمجھداری کے ساتھ ان حقیقتوں سے روشناس ہو جاؤ۔''

رتنا کو یہاں جو ماحول ملا تھا وہ بڑا سنجیدہ اور سنسنی خیز تھا۔ تاہم اسے یہاں آ کر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ یہ علاقہ بھی کچھ عجیب سا تھا اور یہاں کا موسم بھی عام حالات سے مختلف تھا۔ اس وقت بھی رات سرد اور تاریک تھی اور باہر طوفانی ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ دھواں دھار پانی پڑ رہا تھا۔ کمرے کے ماحول میں سردی پیدا ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے رتنا نے کچن میں کھانا تیار کیا تھا اور یہ کھانا مونیکا دیوی کے سامنے بھی پیش کیا تھا۔

مونیکا دیوی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''طویل عرصے کے بعد مجھے اتنا اچھا کھانا نصیب ہوا ہے۔ نہ تو میں اپاہج ہوں اور نہ ہی میرے لئے کوئی اور مشکل ہے۔ لیکن میں کھانا نہیں بنا سکتی۔ عموماً یوں ہوتا ہے کہ بازار سے ایک آدھ ہفتے کی کھانے پینے کی چیزیں آ جاتی ہیں اور پھر وہی چلتی رہتی ہیں۔ تم نے ڈیپ فریزر میں دیکھا ہوگا، بے شمار کھانے جمے ہوئے ہیں۔''

''ہاں!'' رتنا نے کہا۔

پھر مونیکا دیوی کتابوں میں گم ہوگئی تھی۔ کمرے کی ٹھنڈک کو محسوس کر کے رتنا نے اٹھ کر

آتش دان میں لکڑی کے کچھ اور ٹکڑے ڈالے اور سلاخ سے آگ کو کرید کر جب پلٹی تو مونیکا دیوی رتنا کی جانب دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''بھگوان اپنی چھاؤں میں رکھے۔ کس قدر خوفناک رات ہے۔ کیا تم یقین کرو گی کہ بالکل ایسی ہی ایک رات اب سے کچھ عرصہ قبل میں نے ایک آسیب زدہ مکان میں کاٹی تھی۔''

رتنا نے حیرت سے مونیکا دیوی کو دیکھا۔ مونیکا دیوی شاید جھوٹ کبھی نہیں بولتی تھیں اور اس وقت بھی ان کا چہرہ معمول کے مطابق سنجیدہ تھا اور وہ آتش دان میں رقص کرتی ہوئی آگ کے سرخ شعلوں کو گھور رہی تھیں۔ رتنا سے رہا نہ گیا تو اس نے کہا۔ ''آسیب زدہ مکان.... کیا.... کیا مونیکا دیوی! آپ آسیب، بھوتوں اور روحوں پر پورا یقین رکھتی ہیں؟''

''کیا تم یقین نہیں رکھتیں؟''

''نہیں! اصل میں آپ جتنی سمجھدار ہیں اور جس طرح آپ باتیں کرتی ہیں ان سے مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ آپ بہت پڑھی لکھی ہیں اور ایسی چیزوں سے زیادہ متاثر نہیں ہوتی ہیں۔''

''نہیں بیٹی! میں تو گندی روحوں کی بڑی قائل ہوں اور تو یقین کر! مجھے یہ بات عرصے کے بعد معلوم ہوئی کہ سنسار کے دوسرے بھی کچھ روپ ہیں اور یہ روپ ایسے ہیں کہ انسان ان کے بارے میں کچھ بھی نہ سمجھ پائے۔ لیکن ان کے رنگ دیکھے تو دیوانہ ہو جائے۔ میں طویل عرصے تک ملک سے باہر رہی ہوں اور مجھے ملک واپس آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔ ویسے میں تجھے یہ بتاؤں کہ یہ بہت زیادہ پرانی بات نہیں ہے کہ میں بدروحوں سے قائل ہوئی ہوں۔ کیا تو اس بات پر یقین کرے گی کہ رجنی.....'' یہ کہہ کر مونیکا دیوی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

رتنا خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ مونیکا دیوی کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر وہ بولی۔ ''جیسا کہ میں نے تجھ سے کہا کہ میں کچھ عرصہ قبل واپس آئی ہوں۔ جب میں یہاں پہنچی تو مجھے ایک آرام دہ، پرسکون مکان کی ضرورت تھی۔ میں اپنے طور پر کچھ ایسے کام کر رہی ہوں جو اگر انسانیت کے لئے نہ سہی لیکن میرے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور مستقبل میں، میں ان سے بہت فائدے اٹھانا چاہتی ہوں۔

بہرطور! مجھے ایسے الگ تھلگ قدرے ویران مکان کی ضرورت تھی جو میری اپنی پسند کا

ہو۔ میں نے ایک ویران علاقے سے گزرتے ہوئے ایک مکان کی تحریر پڑھی جس پر لکھا تھا کہ کرائے کے لئے خالی ہے۔ میں نے مکان اندر سے دیکھا۔ وہ بہت خوبصورت اور آرام دہ تھا۔ میری تمام ضروریات کے مطابق اور میری پسند کا مکان..... جس کے کمرے کشادہ، لان وسیع اور برآمدے صاف ستھرے تھے۔ پھر ہر طرف ایک سکون بھری خاموشی.....

میں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور آخر کار یہ مکان میں نے کرائے پر حاصل کر لیا۔ لیکن تیسرے ہی دن مجھے وہاں سے بھاگنا پڑا۔ میں نے غلط کہا.... میں نہیں بھاگی، میرے شوہر نے مجھے وہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ میرا شوہر اگر ایک آدھ دن وہاں اور رہتا تو اس کا ہارٹ فیل ہو جاتا۔''

رتنا چونک پڑی۔ یہاں اس مکان میں اس نے مونیکا دیوی کے شوہر کو نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی رجنی نے اس کے شوہر کا تذکرہ کیا تھا۔ لیکن بہرحال رتنا نے خود کو سنبھالا اور بولی۔ ''تو وہاں آپ کے شوہر کو کوئی بھوت وغیرہ نظر آ گیا تھا؟''

''نہیں! اسے کوئی بھوت نظر نہیں آیا۔ البتہ دھرم داس کو بھوت کی موجودگی کا احساس ضرور ہوتا تھا اور اس نے اس کی نشاندہی بھی کی تھی۔ دراصل اس مکان میں ایک کمرہ ایسا تھا جس میں تالا لگا ہوتا تھا اور مالک مکان نے ہمیں اس کمرے کی چابی نہیں دی تھی۔ چونکہ مکان کے دوسرے کمرے ہماری ضروریات کے لئے کافی تھے اس لئے میں نے بھی اس کمرے کی چابی لینے کی ضد نہیں کی تھی۔ ویسے یہ بات میں دعوے سے کہتی ہوں کہ اس مکان میں کچھ نہ کچھ تھا ضرور۔ نجانے کیا بات تھی کہ جب بھی میں اس کمرے کی جانب سے گزرتی میرے بدن کا رواں رواں کانپنے لگتا۔ چہرے پر پسینے کے قطرات نظر آتے۔ دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا۔ یہی کیفیت میرے شوہر کی ہوتی تھی۔ ابتداء میں ہم کچھ نہ سمجھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ شاید نئے مکان کی ہوا کا اثر تھا۔ مگر جب مسلسل تین دن اور تین راتیں ہم پر یہی کیفیت گزری تو چوتھے روز میرے شوہر نے یہ مکان چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور مجھے اس کا ساتھ دینا پڑا۔ تاہم جانے سے پہلے میں نے اس مکان کے واحد مکین کو بلایا۔ یہ ایک بوڑھا آدمی تھا جو اس مکان میں نجانے کب سے رہتا تھا۔ اسے مالک مکان کی طرف سے مکان کی دیکھ بھال اور کرایہ داروں کا چھوٹا موٹا کام کرنے پر مقرر کیا گیا تھا۔ جب میں نے اس بوڑھے سے کہا کہ ہمارا ارادہ اس مکان میں رہنے کا نہیں ہے تو اس نے گردن ہلائی اور

کہنے لگا۔ ’’مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ آپ کو یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔ وہ آپ کو کبھی چین سے رہنے نہیں دیں گے۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ میں نے سوال کیا۔

بوڑھا اپنی دھن میں بولا۔ ’’آپ سے پہلے بھی کئی لوگ اس مکان میں رہنے آئے لیکن کوئی بھی ایک یا دو راتوں سے زیادہ رہنے کی کوشش نہ کر سکا۔ آپ تو بہت بہادر لوگ ہیں کہ آپ نے تین راتیں یہاں کاٹ دیں......‘‘

بوڑھے کے الفاظ مجھے بہت عجیب لگے تھے۔ میں نے کہا۔ ’’وہ کون ہے جو ہمیں یہاں چین سے نہیں رہنے دے گا؟‘‘

بوڑھا میری طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے مجھے اور میرے شوہر کو پاگل سمجھ رہا ہو۔ پھر اس نے کہا۔ ’’گندی آتمائیں......اور کون؟ وہ برسوں سے اس مکان میں رہتی ہیں اور میرا ان سے گہرا تعلق ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ انہیں میری موجودگی پسند نہیں ہے۔ مگر میں یہ مکان ہرگز نہیں چھوڑوں گا، چاہے وہ مجھے مار ہی ڈالیں۔ اور یقیناً مجھے ایک نہ ایک روز ان کے ہاتھوں مرنا ہے۔ اور جانتی ہو اس کے بعد کیا ہوگا......؟‘‘

میں نے بوڑھے کا چہرہ دیکھا تو میرے حواس جواب دینے لگے۔ بوڑھے کا چہرہ آگ کی طرح روشن ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں......تم یقین کرو ایسی آنکھیں میں نے زندگی بھر نہیں دیکھیں۔ اس نے مدہم لہجے میں کہا۔ ’’ہاں! ان کے ہاتھوں مرنے کے بعد میں بھی ان بدروحوں میں شامل ہو جاؤں گا۔‘‘ وہ لرزہ خیز انداز میں منہ کھول کر ہنسنے لگا۔

ایک لمحے کے لئے ہم دونوں کے حواس گم ہو گئے اور ہمیں فوراً یہ احساس ہوا کہ خود یہ بوڑھا بھی کوئی انسان نہیں بلکہ کوئی بری روح ہے۔‘‘

رتنا کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ زندگی میں کیسے کیسے واقعات کا سامنا کرنا پڑے گا؟ اس نے اس بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔ لیکن اب اس کا دل عجیب سے انداز میں دھڑک رہا تھا۔ آہ! یہ سب کس قدر زیادہ ہے؟ بہرحال اس نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ’’پھر آپ نے کیا، کیا مونیکا دیوی؟‘‘

’’کیا کرتی؟ اسی وقت اپنا سامان بندھوایا اور وہاں سے رخصت ہو گئی۔ ہاں! میری نسبت میرا شوہر زیادہ خوفزدہ تھا۔ اگر وہ وہاں سے فوراً جانے کے لئے اصرار نہ کرتا تو شاید

میں اس مکان میں مزید قیام کرتی اور وہاں کی تمام صورتحال کو معلوم کرنے کی کوشش کرتی۔‘‘

رتنا کو یوں محسوس ہوا کہ کمرے میں ٹھنڈک بڑھ گئی ہو۔ آتش دان کی لکڑیاں بدستور سلگ رہی تھیں لیکن آگ میں ہلکی سی ایک گرگراہٹ پائی جاتی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے کوئی آگ کی زبان میں بول رہا ہو.....کچھ کہہ رہا ہو۔

اسی وقت مونیکا دیوی اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کمرے کی کھڑکی کی جانب چل پڑی جو اندر سے بند تھی۔ اس نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا۔ وہ دیر تک کھڑکی سے تاریکیوں میں جھانکتی رہی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ’’بارش ہلکی ہو گئی ہے۔ اب تم بھی آرام کرو۔ میں چلتی ہوں۔‘‘ یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ جیسے ہی دروازہ کھلا، ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکے اندر گھس آئے اور رتنا کا پورا بدن سرد ہو گیا۔ ایک طرف کھڑکی کھلی رہ گئی تھی اور دوسری طرف دروازہ۔ اور پھر مونیکا دیوی جس طرح کمرے سے باہر نکل گئی تھی اس نے رتنا کو خوفزدہ کر دیا تھا۔

دیر تک اپنی جگہ ساکت کھڑی وہ کمرے کے سرد ماحول میں ٹھٹھرتی رہی۔ اور پھر جب اسے یہ احساس ہوا کہ اسے کافی دیر ہو گئی ہے تو وہ جلدی سے سنبھل گئی۔ پہلے اس نے دروازہ بند کیا، پھر کھڑکی اور اس کے بعد اپنے آرام کے لئے جگہ تلاش کرنے لگی۔ اپنے بستر پر لیٹنے کے بعد اس نے ان ساری باتوں کے بارے میں سوچا۔ کہیں بھی سکون نہیں ہے۔ کہیں بھی ایک پر سکون ٹھکانہ نہیں ہے۔ جہاں دیکھو، کوئی نہ کوئی مشکل منہ کھولے کھڑی ہے۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ رجنی دیوی، جسے اس نے ایک عام سی عورت سمجھا تھا اور جس کے بارے میں اس نے سوچا تھا کہ چلو اور کچھ نہیں تو ایک پر سکون گھر مل گیا ہے، یہاں رُک کر تھوڑا سا آرام کر لیا جائے اور مستقبل کے بارے میں سوچا جائے۔

’’ہائے رام! میرا تو کوئی مستقبل ہی نہیں ہے۔ ماتا پتا اس سنسار سے چلے گئے۔ بھگوان کسی کو بھی ایسے ماحول میں زندگی نہ دے۔ کوئی پوچھنے والا ہی نہ رہا اور وقت اتنی جلدی بیت گیا۔ کوئی اس سنسار میں ایسا بھی ہے جو میرے بارے میں سوچ رہا ہو؟ جو مجھ سے پریم کرے؟ جو مجھے اپنا لے؟‘‘ اس نے ماضی پر نگاہ ڈالی تو کچھ نگاہوں میں اپنے لئے محبت کے نقش نظر آئے لیکن وہ بدقسمت رتنا کی خون آشامی کا شکار ہو گئے تھے۔ نجانے کیوں اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے بہنے لگے اور وہ دیر تک آنسو بہاتی رہی۔ پھر گہری نیند سو

گئی۔

دوسری صبح مونیکا دیوی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ اس نے پورے ویران گھر میں گھوم پھر لیا، لیکن مونیکا دیوی نظر نہیں آئیں۔ ہو سکتا ہے کسی کام سے باہر چلی گئی ہوں۔ اس نے سوچا۔ بڑا گھر ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رجنی دیوی نے جس کا ایک نیا اور انوکھا روپ سامنے آیا تھا، اسے یہاں کیوں بھیجا ہے؟ شردھا بھی اسے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتی تھی۔ اور رجنی دیوی..... یہ بھی تو ایک گندی روح ہے۔ مگر چاہتی کیا ہے وہ.....

آخری فیصلہ رتنا نے یہی کیا تھا کہ اگر رجنی دیوی بھی اس سے کوئی ایسی بات چاہتی ہے تو اس بار وہ ان لوگوں کا کام پورا کر کے رہے گی۔ سمپورنی غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی۔ مگر یہ بات بھی قابل غور تھی کہ اگر درشنا کو خود سمپورنی نے ہلاک نہیں کیا تو پھر وہ کس کے ہاتھوں مارا گیا؟ کیا میں نے نیم بے ہوشی کے عالم میں ایسا کوئی کام کر ڈالا؟ حالانکہ ایسا ممکن تو نہیں ہے۔ کچھ اور ہی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن سمپورنی کی غلط فہمی کس طرح دور کی جا سکتی تھی؟ اور اب وہ نجانے کہاں ہے؟ اسے تلاش کرنا بھی تو ایک مشکل کام تھا۔ رتنا اس سلسلے میں اپنے آپ کو تھکن کا شکار محسوس کر رہی تھی۔ بہر حال اب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

کچن میں جا کر اس نے ناشتہ وغیرہ بنایا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے مونیکا دیوی کی آواز سنائی دی۔ ''واہ! ایسا لگتا ہے جیسے میری زندگی میں بہار آ گئی ہو۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ بہت عرصے سے نہ ڈھنگ کا کھانا نصیب ہوا نہ ناشتہ۔ اور اب تم نے ایسی عمدہ خوشبوئیں بکھیر دی ہیں کہ بس دل چاہتا ہے کچن کے سامنے بیٹھی رہوں۔''

''آپ کہاں گئی تھیں؟''

''میری زندگی میں بہت سے کام ہوتے ہیں۔ اب یہ بتاؤ! کہ کیا تم میرے لئے کچھ عمل کرنے کے لئے تیار ہو؟''

''اگر آپ مجھے کوئی حکم دیں گی مونیکا دیوی! تو ظاہر ہے میں اس سے انکار نہیں کروں گی۔''

''تو پھر میں تمہیں اس عمارت کا پتہ بتاتی ہوں۔ ذرا وہاں کا جائزہ لے لو۔ میں اس کے بارے میں تمہارے تاثرات جاننا چاہوں گی.....''

رتنا نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور اس بات پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ تمام ضروریات

سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ مونیکا دیوی کے بتائے ہوئے پتے پر چل پڑی۔ اسے اس پراسرار عمارت تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی...... یہ جگہ بھی ذرا دور دراز اور بہت الگ تھلگ تھی اور عموماً ادھر سے انسانوں کا گزر نہیں ہوتا تھا۔ بہر حال رتنا اس عمارت کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ مونیکا دیوی نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا تھا جو یہاں رہتا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ چنانچہ رتنا نے زور سے دروازے پر دستک دی، مگر کوئی جواب نہ ملا۔ رتنا کی نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے لگیں۔ سب کھڑکیاں بند تھیں اور اردگرد کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ رتنا مالک مکان کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔

اس نے دوسری اور تیسری بار دستک دی لیکن دروازہ اندر سے بند ہی رہا۔ رتنا سوچنے لگی کہ ظاہر ہے دروازہ کھلوائے بغیر اس عمارت میں داخل ہونا ممکن تو نہیں ہے۔ مونیکا دیوی کو باہر سے اس عمارت کو دیکھ کر اپنے تاثرات کا کیا بتائے گی؟ چنانچہ وہ خاموشی سے کھڑی اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ پھر اچانک ہی وہ مایوس ہو کر لوٹنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ دس بارہ سال کا ایک لڑکا اسے آتا ہوا نظر آیا۔ رتنا کو یہاں دیکھ کر وہ اس کے پاس آ گیا۔ ''کیا بات ہے بی بی! کیا آپ مالک مکان سے ملنا چاہتی ہیں؟''

رتنا نے چونک کر اس لڑکے کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔ ''ہاں! مگر اس مکان میں کوئی رہتا بھی ہے یا نہیں؟''

''رہتا تھا۔ تین ہفتے ہو گئے۔ بابا بیچارہ مر گیا۔ اس وقت سے یہ مکان بالکل خالی ہے۔ ویسے آپ اگر اس مکان کو کرائے پر لینے کی کوشش کر رہی ہیں تو میں آپ کو بتاؤں کہ یہ مکان نہ لیں۔ ویسے مجھے اس مکان کی صفائی کے لئے کہا گیا تھا لیکن میری ماں نے مجھے ایسا نہیں کرنے دیا۔''

''کیوں؟''

''آپ کو معلوم نہیں ہے بی بی! کہ یہ مکان بھوتوں کے قبضے میں ہے اور بوڑھے بابا کو بھی انہوں نے مارا ہے۔ وہ اپنے بستر پر مردہ پائے گئے تھے۔ کیا آپ نے ایک ایک فٹ کی آنکھ دیکھی ہے یا نہیں؟''

''ایک ایک فٹ کی آنکھ؟'' رتنا نے حیرانی سے پوچھا۔

''ہاں! میں تو یہ سوچتا تھا کہ آنکھ بس ایک گڑھے میں جمی ہوتی ہے۔ لیکن میں نے اپنی

آنکھوں سے دیکھا کہ اس کی آنکھیں ایک فٹ باہر نکلی ہوئی لٹک رہی تھیں۔'' لڑکے نے خوف سے جھرجھری لیتے ہوئے کہا اور رتنا اسے دیکھتی رہی۔

پھر اس نے کہا۔ ''کیا تم مکان کے مالک کا پتہ بتا سکو گے؟''

''ہاں..... ہاں! کیوں نہیں؟ میں آپ کو اس کے پاس پہنچا بھی سکتا ہوں۔ لیکن ایک بار پھر آپ سے یہی کہوں گا کہ اس مکان کو کرائے پر نہ لیں۔''

''تم مجھے مکان کے مالک تک پہنچا تو دو۔'' رتنا نے کہا اور لڑکے نے اس کی رہنمائی کر کے اسے ایک مکان کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا۔

ادھیڑ عمر کے ایک چالاک آدمی نے مصنوعی تبسم سے رتنا کا استقبال کیا۔ ''کیا بات ہے بی بی! بتایئے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''آپ کے مکان کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی تھیں مجھے۔ میں اسے کرائے پر لینا چاہتی ہوں۔''

''اوہ..... یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن...... لیکن بی بی آپ کو.....''

''جانتی ہوں میں۔'' رتنا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''کیا جانتی ہیں آپ؟''

''یہی کہ وہ مکان آسیب زدہ ہے یا اس کے علاوہ بھی اور کوئی بات ہے۔''

''آپ یقین کیجئے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ایک بہترین رہائش گاہ ہے۔ لیکن میں آپ کو بتاؤں۔ بات دراصل یہ ہے کہ اس مکان میں کوئی آسیب واسیب وغیرہ نہیں ہے۔ بس میرے کچھ دشمنوں نے یہ قصے مشہور کر رکھے ہیں۔ آج تک کسی نے وہاں کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اس کے باوجود میرا فرض ہے کہ ان افواہوں سے میں آپ کو خبردار کر دوں.....''

رتنا نے اس شخص کو بغور دیکھا۔ پھر بولی۔ ''ویسے آپ اس مکان کا کرایہ کیا طلب کریں گے؟''

''ایک پیسہ بھی نہیں۔ جب تک آپ کا دل چاہے اس مکان میں رہئے۔ میں آپ سے کرایہ نہیں لوں گا۔ اصل میں، میں چاہتا ہوں کہ کوئی اس گھر میں کچھ عرصہ قیام کرے تاکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی دہشت دور ہو جائے اور وہ آئندہ اس کے آسیب زدہ ہونے

کی افواہیں نہ اڑائیں۔ آپ تشریف رکھئے۔ یہ بتایئے کیا پینا پسند کریں گی آپ؟''

''نہیں شکریہ!''

''میں مکان کی چابیاں ابھی آپ کی خدمت میں پیش کئے دیتا ہوں۔'' وہ اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور بولا۔ ''میں بہت عرصہ ملک سے باہر رہا ہوں۔ اصل میں یہ مکان میرے چچا کی ملکیت تھا۔ ان کے انتقال کے بعد چونکہ میں ان کا قانونی وارث تھا اس لئے یہ مصیبت میرے سر آ پڑی۔ میں خود بھی اُس میں ایک رات رہا۔ سوائے اس کے کہ وہ کچھ ویران ویران سا ہے، اور کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ میں نے کوئی آسیب نہیں دیکھا۔''

یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے عجیب سا رنگ آیا تھا۔ وہ چالاک آدمی تھا اس نے فوراً اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بولا۔ ''بس! یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ بعض اوقات تقدیر بڑے عجیب وغریب دھوکے دیتی ہے۔ ایک قدیم ملازم اس گھر میں رہتا تھا۔ وہ بھی مر گیا اور لوگوں کو مزید باتیں بنانے کا موقع ملا۔ خدا انہیں غارت کرے۔ کل ہی ایک شخص کہہ رہا تھا کہ اس بوڑھے کو بدروحوں نے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا ہے۔ آپ مجھے خود بتایئے میڈم! کسی بدروح نے آج تک کسی انسان کا گلا گھونٹا ہے......؟''

رتنا چند لمحات تک اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ''ویسے وہ شخص تو سنا ہے کافی عرصے سے یہاں رہتا تھا۔''

''چالیس سال سے..... پورے چالیس سال سے بی بی۔ اب آپ سوچئے کہ ان چالیس سالوں میں اس پر کسی بدروح یا آسیب نے توجہ نہیں دی۔ بس خدا رحم کرے ہم لوگوں کی عقلوں پر۔ بھائی جس کی عمر پوری ہوتی ہے، اسے ایک نہ ایک دن تو مرنا ہی ہوتا ہے۔ عجیب سے لوگ ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کو فالتو باتوں کا وقت کیسے مل جاتا ہے کہ وہ اس طرح کی خبریں تخلیق کریں اور انہیں پھیلائیں۔''

''ایک بات بتائیں جناب!''

''ہاں ہاں! پوچھیں۔ سو بار پوچھیں۔''

''مکان کے بارے میں پہلے پہل کب افواہ پھیلی کہ وہ آسیب زدہ ہے؟''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اس منحوس بوڑھے نے مجھے بتایا تھا کہ جس زمانے میں وہ اس مکان میں آیا تھا، اسی زمانے سے یہ مکان بدنام ہے۔ میں اپنے چچا کی موت

کے بعد جب پچھلے سال یہاں آیا تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ مکان آسیب زدہ ہے۔ میں
نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ مکان خاصا بڑا اور مضبوط ہے۔ میں تو اس بات پر خوش تھا کہ اگر
اس پر رنگ و روغن کرا دیا جائے اور اسے پوری طرح مغربی طرز پر ڈیکوریٹ کر دیا جائے تو
اس کا بہترین کرایہ مل جائے گا۔ چنانچہ میں نے لوگوں کی باتوں پر دھیان دیئے بغیر اس کی
بہترین مرمت کرائی۔ آپ خود اندر سے دیکھیں گی کہ مکان بالکل نیا بنا ہوا ہے۔ لیکن
افسوس! ان افواہوں کی وجہ سے کوئی بھی کرائے دار دو دن سے زیادہ نہیں رہ سکا۔''

رتنا کو اس کی کہانی سے نجانے کیوں ایک عجیب سی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید یہ
زندگی کے معمولات میں تبدیلی کی وجہ سے تھی اور اس تبدیلی کو وہ بڑے خوشگوار انداز میں
محسوس کر رہی تھی۔

مالک مکان نے کہا۔'' ویسے کیا عرض کروں۔ کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی مجھے۔ بہت
اچھی زندگی گزر رہی تھی کہ اچانک اس چکر میں پھنس گیا۔''

'' آپ اپنے طور پر آسیب وغیرہ پر یقین نہیں رکھتے؟'' رتنا نے پوچھا۔

مالک مکان سوچ میں ڈوب گیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔'' آسیب کے بارے میں
تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن زوہیب..... میرا مطلب ہے پراسرار واقعات کا وجود ہے۔ وہ
میرا گہرا دوست تھا۔ میرا مطلب ہے زوہیب اور ثمرین۔ بات اس وقت شروع ہوئی جب
وہ دونوں ہنی مون منانے ایک ساحلی مقام پر پہنچے۔ انہوں نے ایک سرائے میں قیام کیا۔
یہاں موسم سرد تھا اور مطلع عموماً ابر آلود رہتا تھا۔ یہ موسم اور یہ ماحول ان دونوں کو بے حد
پسند آیا تھا۔ یہاں خشکی کا ایک لمبا حصہ دور تک سمندر میں گھستا چلا گیا تھا اور جو شاید کبھی
عیسائیوں کا قبرستان رہا ہوگا کیونکہ وہاں صلیب اور کتبے آویزاں تھے اور نگرانی کے لئے چند
مالیوں کے سوا ایک پادری بھی رہا کرتا تھا۔

ایک روز جب وہ دونوں کھانے کی میز پر بیٹھے تو ثمرین نے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی
سے باہر دیکھتے ہوئے سرائے کے مالک سے پوچھا تھا۔'' یہ جزیرہ کیسا ہے جو یہاں گاؤں
میں واقع پہاڑی کی چوٹی سے صاف نظر آتا ہے؟''

'' یہ جزیرہ.....'' مالک نے جواب میں کہا۔'' جزیرہ پشیمانی کے نام سے موسوم ہے۔''

'' جزیرہ پشیمانی.....؟'' ثمرین نے چبا کر کہا۔'' خوب..... سن رہے ہو زوہیب! اس

جزیرے کا نام؟''

'' واقعی بڑا عجیب سا نام ہے۔ زوہیب نے کہا۔'' لیکن ابھی تک مجھے تو نظر نہیں آیا۔ تم
نے کب دیکھا؟''

'' ہاں جناب..... جب موسم اچھا ہو، تبھی اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ ورنہ بڑی بڑی
سمندری موجوں کے باعث یہ نظر نہیں آتا۔ صبح کو سمندر قدرے پرسکون تھا۔'' مالک نے
کہا۔

'' یہاں سے یہ جگہ کتنی دور ہوگی؟'' زوہیب نے پوچھا۔

'' زیادہ دور نہیں۔ لیکن اس کے پاس سمندری چٹان بھی ہے جس کے باعث اکثر
کشتیاں ڈوب چکی ہیں۔''

'' شاید اسی لئے اسے جزیرہ پشیمانی کہا جاتا ہے.....؟'' زوہیب نے پوچھا۔

'' جی نہیں..... یہ جزیرہ منحوس ہے۔ بلکہ میں تو اسے جادوئی کہوں گا۔'' مالک نے بات
کاٹتے ہوئے کہا۔

'' کیا مطلب؟'' ثمرین نے بھنویں سکوڑتے ہوئے کہا۔

'' محترمہ! بات دراصل یہ ہے کہ ہم گاؤں والے اسے آسیبی سمجھتے ہیں۔ اس کے بارے
میں مشہور ہے کہ اس پر قدم رکھ کر آدمی جو بھی پہلی خواہش کرتا ہے وہ پوری ہوتی ہے۔ لیکن
کچھ اس انداز میں کہ بعد میں انسان کو پچھتانا پڑتا ہے اور سوچتا ہے کہ کاش اس نے ایسی
خواہش نہ کی ہوتی۔''

'' خوب۔'' ثمرین خوشی سے چہکی۔'' میرے خدا! یہ کیسی عجیب جگہ ہوگی۔ کیا کوئی کشتی
ادھر بھی جاتی ہے کبھی؟''

'' نہیں..... ادھر کسی کو بھی نہیں لے جایا جاتا۔ رہیں کشتیاں، تو یہ ہے ہی مچھیروں کا
گاؤں۔''

'' کیا وہاں کوئی رہتا ہے؟'' زوہیب نے پوچھا۔

'' ہفتے ہفتے ادھر ایک کشتی جاتی رہتی ہے۔ بشرطیکہ موسم مناسب ہو۔'' مالک نے گول
مول سا جواب دیا۔

'' اگر کل موسم اچھا ہوا تو میں اُدھر ضرور جاؤں گی۔'' ثمرین نے زوہیب کو دیکھتے ہوئے

کہا۔

''نہیں محترمہ! میں ہرگز اس کی رائے نہ دوں گا۔ آپ کو کوئی بھی وہاں نہیں لے جائے گا۔ یہاں کے لوگ اس جزیرے سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس جزیرے کے نادیدہ باسی نہیں چاہتے کہ ان کی تنہائیوں میں کوئی باہر سے آ کر مخل ہو۔'' مالک نے آہستہ سے کہا۔ پھر وہ قدرے رُک کر بولا۔ ''کہا جاتا ہے کہ اگر اس جزیرے کی ایک چھوٹی سی چیز بھی کوئی لے آئے تو اس پر کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور نازل ہو جاتی ہے۔ ایک بار ایک لڑکا کسی طرح وہاں چلا گیا تھا اور اس نے ایک رس بھری کھالی تھی۔ دوسرے دن وہ مردہ پایا گیا تھا۔ گاؤں والے آج تک اس کشتی سے بھی خوفزدہ رہتے ہیں جس پر وہ لڑکا وہاں تک گیا تھا۔''

''ہوسکتا ہے وہ رس بھری نہ ہو، کوئی زہریلی چیز رہی ہو۔ بھلا اس میں آسیب پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' زوہیب نے مالک کے توہمات پر زہرخند کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں جناب! لڑکا اتنا بیوقوف نہیں تھا کہ اچھی اور زہریلی چیز میں تمیز نہ کرسکتا۔ آخر وہ اسی خطے کا باشندہ تھا۔'' مالک نے سنجیدگی سے کہا۔

''اور آپ اس جزیرے کے باسیوں کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟'' زوہیب نے پوچھا۔

''میں نے سنا ہے کہ یہ قصہ کئی نسلوں سے چلا آ رہا ہے۔ بہرحال! میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ میں آپ کو اس جزیرے سے دُور ہی رہنے کا مشورہ دے سکتا ہوں۔ آگے آپ کی مرضی۔''

☆.....☆.....☆

دوسری صبح غیر متوقع طور پر چمکیلی تھی اور موسم بے حد خوشگوار تھا۔ ثمرین صبح ہی صبح ہال میں میز پر مقامی محل وقوع پر ایک نقشہ سامنے بچھائے اس پر جھکی ہوئی تھی۔ ''میرا خیال ہے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ آدھ میل سمندر طے کرنا ہوگا۔ آج موسم بھی ٹھیک ہے۔ ہمیں چٹان سے بھی خطرہ نہیں ہوگا۔ یہ خطرہ صرف اس وقت لاحق ہوسکتا ہے جب سمندر میں شدت کی کیفیت ہو۔''

''مگر میں نہیں چاہتا کہ وہاں کا رُخ کیا جائے۔'' زوہیب نے لاتعلقی سے کہا۔

''کیوں..... کیا تم بھی ان دیہاتیوں کی طرح توہمات پسند ہو گئے ہو؟'' ثمرین نے پوچھا۔

زوہیب جواب میں چپ رہا۔ بعد میں اسے پتہ چلا کہ ثمرین وہاں پہنچنے کا انتظام پہلے ہی کر چکی ہے۔ رات بارش ہوئی تھی اور اب ہر طرف دھوپ اور رنگ ہی رنگ بکھرا ہوا تھا۔ آسمان نیلا اور بے داغ تھا۔ بہت ہلکی اور خنک ہوائیں چل رہی تھیں۔ چٹان کے نزدیک اور ساحلوں پر سمندر کی ہلکی ہلکی کف آلود موجیں سر ٹکرا رہی تھیں۔ اس موسم میں جزیرہ، گاؤں سے صاف نظر آ رہا تھا اور اس کھلونے کی مانند لگ رہا تھا جسے دور پھینک دیا گیا ہو۔ بندرگاہ تک پہنچنے کے لئے قریبی راستہ قبرستان میں سے ہی ہو کر جاتا تھا۔ وہ جب ادھر سے گزرے تو انہیں قبرستان کا مالی نظر آیا۔ علیک سلیک کے بعد وہ بھی کچھ دیر تک ان کے ساتھ چلتا رہا۔ ایک جگہ ایک نیچی قبر پر کیلے کی ایک شاخ دھری ہوئی تھی۔

''یہ کیلے کی شاخ یہاں کیسے ہے؟'' ثمرین نے پوچھا۔ اسے تعجب تھا کہ کیلا تو اس علاقے میں دور دور تک نہیں لگا ہوا۔

''یہ شاخ..... دراصل گاؤں والے پرانے خیال کے ہیں اور یہ شاخ خاص طور پر لا کر

اس قبر پر رکھی گئی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس کے اثر سے قبر کے اندر دفن ہوئی بدروح باہر نہیں نکل سکے گی۔'' قبرستان کے نگران نے آہستہ سے کہا۔

''کمال ہے۔ بیسویں صدی میں بھی ایسے خیالات کے لوگ ہوتے ہیں۔'' ثمرین نے ہنس کر کہا۔

''اور یہ قبر کس کی ہے؟'' زوہیب نے ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ ایک نوجوان لڑکے کی قبر ہے جناب! اس کی موت تین سال قبل ہوئی تھی۔ اس نے زہریلی رس بھری کھائی تھی۔''

''زہریلی رس بھری.....؟ اور یہ رس بھری اس نے جزیرہ پشیمانی سے لی تھی؟''

''جی ہاں!'' متاسف لہجے میں نگران نے کہا۔ پھر جب وہ چلا گیا تو ثمرین بولی۔

''یہ جگہ بے حد عجیب ہے۔ یہ نگران بھی پکا وہمی لگتا ہے مجھے..... بالکل سرائے کے مالک ہی کی مانند وہمی اور قدیم نظریات والا۔''

اب وہ دونوں ساحل کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ ان کی موٹر بوٹ تیار تھی۔ غالباً ثمرین نے اسے خود ہی چلانے کا ارادہ کیا تھا۔ ''سی کلب'' کی ممبر ہونے کے ناطے اسے موٹر بوٹ چلانے میں خاصی مہارت تھی۔ زوہیب نے بڑی بے دلی سے موٹر بوٹ میں قدم رکھا اور پھر اس میں کیمرہ اور ناشتہ دان وغیرہ جمانے لگا۔ اس کا دل اندر سے الجھ رہا تھا اور وہ کسی قیمت پر بھی اس سفر پر جانے کے لئے آمادہ نہ تھا۔ لیکن وہ ثمرین سے مجبور تھا۔ اسے حیرت تھی کہ جزیرے کے لئے اس نے کشتی کس طرح حاصل کی تھی؟

جب ان کی کشتی جزیرے کی سمت بڑھنے لگی تو ساحل پر گاؤں والوں نے زور زور سے ہاتھ ہلا کر انہیں منع کیا اور تب ہی ثمرین نے اسے بتایا کہ اس نے یہ کشتی یہ کہہ کر حاصل کی تھی کہ وہ پہاڑی کے دوسری جانب واقع خشک علاقے میں جارہی ہے۔ اب شاید کشتی کو غلط سمت میں بڑھتے دیکھ کر گاؤں والوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

زوہیب نے سوچا اب ثمرین کو اس معاملے میں سرزنش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان کی موٹر بوٹ جلد ہی جزیرے کے نزدیک پہنچ گئی جہاں ساحل پر لکڑی کے کٹے ہوئے تختوں کی موجودگی سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہاں کسی آدمی کا قدم ضرور رہا ہوگا۔ انہوں نے ایک جگہ پانی میں اپنی کشتی کھڑی کردی۔ زوہیب کو یہ سنسان جزیرہ باہر سے کچھ بھلا نہ لگ رہا تھا۔ آس

پاس ہواؤں کی مہک بھی کچھ اچھی نہ تھی۔ زوہیب کے ذہن میں ایک خیال ابھرا کہ اسے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا اور تب ثمرین کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے سوچا کہ کتنی نڈر عورت ہے یہ بھی..... میرا اس کا کوئی جوڑ نہیں..... کاش میں اس کے ساتھ سے بچ سکتا۔ اور تب پانی سے کشتی نکالتے ہوئے اس نے اپنا پہلا پاؤں جزیرے کی زمین پر دھر دیا۔ لاشعوری طور پر وہ ایک خواہش کر بیٹھا تھا۔ اور یہ خواہش جزیرہ پشیمانی کی روایات کے مطابق پوری ہونی چاہئے تھی۔ اسی وقت ثمرین بھی اس کے پیچھے اس جزیرے پر آپہنچی۔

اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس نے خوش ہو کر کہا۔ ''میرے خدا! کتنا خاموش اور خوبصورت مقام ہے۔ بالکل جادوئی..... مگر مجھے تو جادو پر یقین نہیں۔ البتہ یہاں پہنچ کر میں بھی سوچنے لگی ہوں کہ کاش میں جادو پر ایمان لاسکتی۔''

''میرا خیال ہے کہ اس جزیرے پر تم اپنی پہلی خواہش کر بیٹھی ہو۔'' زوہیب نے مسکرا کر کہا۔

جواب میں ثمرین زور سے ہنسی۔ پھر بولی۔ ''واقعی! تم بڑے ہی بدعقیدہ آدمی ہو۔ اچھا! اب تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں تمہارے چند فوٹو اُتارلوں۔''

فوٹو سے فارغ ہو کر ثمرین آگے بڑھنے پر اصرار کرنے لگی اور بالآخر وہ ایک جانب چل پڑے۔ خلیج کی دونوں جانب پتھریلی چٹانیں ابھری ہوئی تھیں اور راستہ ہر جانب سے جھاڑیوں اور خودرو گھاس سے اٹا ہوا تھا۔ چند چھوٹے چھوٹے درخت بھی جگہ جگہ جھنڈ کی شکل میں موجود تھے جن پر پرندوں کے غول کے غول جمع تھے۔ جنگلی کبوتروں کی یہاں خاص بہتات تھی۔ ساحل کے نزدیک ہی لکڑی کا چھوٹا سا سٹور بنا ہوا تھا جہاں مین لینڈ سے ہفتہ ہفتہ اشیاء لاکر یہاں کے باشندوں کے لئے رکھی جاتی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں کے نادیدہ باسیوں میں سے شاید چند ایک ایسے بھی تھے جو دیکھے جاسکتے ہوں گے۔

کچھ دور اور اندر کی جانب بڑھ کر انہوں نے ایک اور سرسبز وادی نما میدان دیکھا۔ اس عرصے میں سورج نصف النہار پہنچ چکا تھا۔ زوہیب کو تعجب سا ہوا کہ اتنی جلدی دوپہر کیونکر ہوگئی؟ شاید انہوں نے کافی فاصلہ طے کیا ہوگا یا پھر اس نے سوچا کہیں جزیرے پر وقت کا احساس تو ختم نہیں ہو جاتا؟

حالانکہ موسم نہیں تھا لیکن جابجا جنگلی پھول، خودرو پودوں میں لگے ہوئے عجیب منظر

پیش کررہے تھے۔ یہ پھول بڑے ہی عجیب اور خوبصورت تھے۔ عجیب اس لئے تھے کہ ایسے پھول عام طور پر زوہیب اور ثمرین نے پہلے نہ دیکھے تھے۔ یہ یقیناً اسی علاقے کی پیداوار کہے جاسکتے تھے۔

ثمرین نے اس مقام کی بہت سی تصویریں اتاریں۔ جہاں ڈھلوان راستہ ختم ہوتا تھا، وہاں انہوں نے جھاڑیوں کے پیچھے چھوٹے چھوٹے درختوں کا ایک گھنا جھنڈ دیکھا اور اس میں گھستے ہی حیرت سے اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ درختوں کے درمیان ایک کافی بڑا اور خوبصورت سا مکان بنا ہوا تھا۔ ''آہا...... یہ ہے وہ جادوئی جگہ جہاں اس جزیرے کے نادیدہ باسی رہتے ہیں۔'' ثمرین نے بلند آواز میں کہا۔ اس کے لہجے میں مزاح کا عنصر نمایاں تھا۔

جواب میں زوہیب نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ خدا جانے کیوں وہ اندر ہی اندر الجھ رہا تھا۔ اسے ثمرین کی شوخی اس لمحے ذرا بھی نہ بھا رہی تھی۔ لیکن کمزور طبیعت کا ہونے کے باعث وہ سب کچھ جبراً برداشت کئے جارہا تھا۔

درختوں کے باعث سورج کی روشنی یہاں بے حد کم آرہی تھی اور قدرے اندھیرا سا طاری تھا۔ اس اندھیرے ماحول میں زوہیب کو وہ مکا بڑا ہی عجیب سا لگ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مدت سے اس مکان کی دیکھ بھال بند کردی گئی ہو۔ ہر شے بربادی کی جانب مائل تھی۔ دیواریں، دروازے، کھڑکیاں.....سب پر بوسیدگی کا گہرا اثر موجود تھا۔

جب انہوں نے گیٹ کو ہلایا تو وہ آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ پورچ سے گزر کر وہ مین گیٹ تک پہنچے۔ ثمرین نے لپک کر دروازے کو آزمایا اور وہ بھیانک چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ اب وہ دونوں ایک کمرے میں تھے۔ وہ کمرہ کبھی بے حد سجا رہا ہوگا۔ فرش پر ایک قالین پڑا تھا جو بری طرح شکستہ تھا۔ الماریاں، میزیں، کرسیاں..... ہر چیز اپنی جگہ موجود تھیں اور بوسیدگی کا کلمہ پڑھ رہی تھیں۔

''کتنی بہت سی چیزیں ہیں یہاں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں سڑنے کے لئے کیوں چھوڑ دیا گیا ہے؟'' ثمرین نے حیرت سے کہا۔

زوہیب نے جواب دینے کی بجائے سوچا ظاہر ہے کہ اس کا مالک ضرور کوئی نہ کوئی ہوگا۔ ممکن ہے وہ ہمارے اس طرح اندر گھس آنے پر ناراض بھی ہو۔ لیکن ثمرین ان سب

باتوں سے بے نیاز اِدھر اُدھر گھسی پھر رہی تھی۔ تقریباً ہر کمرے میں انہیں سامان کی بہتات اور آرائش نظر آئی۔ لیکن سارا گرد آلود اور سڑا ہوا تھا۔ اندر عجیب سی بو بسی ہوئی تھی اور کمروں میں مکڑیوں کے جالے اور پرندوں نے بسیرے بنا رکھے تھے۔ ایک کمرہ انہوں نے کھولا تو ثمرین چیخ کر بھاگ اٹھی۔ چند بھیانک چمگادڑیں شور کرتی ہوئی پرواز کرگئی تھیں۔

''خدا کے واسطے یہاں سے نکلو بھی۔'' زوہیب نے ثمرین کو ایک جانب کھینچتے ہوئے کہا۔ اور تب چند قدم چل کر انہیں احساس ہوا کہ وہ ایک باغ کے دروازے پر جا پہنچے ہیں۔ دور ایک درخت کے نیچے انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ درختوں کے جھنڈ پر ملگجے اجالے میں انہیں ایک لمبا سا شخص نظر آیا جو سر سے پیر تک سفید کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بالوں نے اس کا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا اور وہ اس پراسرار اور تنہا مکان میں کسی بدروح کی طرح لگ رہا تھا۔ اس وقت اس سفید پوش کی نگاہیں اپنے قدموں پر جمی ہوئی تھیں۔

وہیں رُک کر ثمرین نے زوہیب کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ ''شاید یہ مکان انہی کا ہے۔'' بوڑھا ہنوز چپ رہا اور بلا حرکت کئے کھڑا رہا۔ ''معلوم ہوتا ہے اس نے میری بات سنی ہی نہیں۔ ذرا اور آگے چلو.....'' ثمرین نے کہا اور پیروں کو زمین پر مارتی ہوئی چند قدم اور آگے بڑھ گئی۔ بوڑھے کے انداز میں اب بھی کوئی تبدیلی نہ آئی۔

زوہیب نے دھندلی روشنی میں اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''کہیں یہ کوئی مجسمہ نہ ہو۔''

ثمرین جواب میں کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''اللہ رے بد اعتمادی۔'' پھر وہ بڑھ کر بوڑھے کے نزدیک جا پہنچی۔ بڑی دلیری سے اس نے اسے چھو کر پوچھا۔ ''یہ آپ اس طرح کیوں کھڑے ہیں؟'' ثمرین نے محسوس کیا کہ وہ کوئی مورت نہیں بلکہ کوئی زندہ انسان ہی تھا۔

اور تب اچانک بوڑھے نے سر اٹھا کر کہا۔ ''اوہ! آخر تم لوگ آ ہی گئے۔'' اس نے رُک کر سانس لی۔ اس کی آواز قدرے کرخت اور غیر قدرتی سی تھی۔ ''مجھے تمہارا ہی انتظار تھا'' وہ دوبارہ بولا۔ ''اب میری جگہ تمہیں کو سنبھالنی ہوگی۔'' اس نے پہلی بار ثمرین سے نظریں ہٹا کر زوہیب کو دیکھا۔ ''یہ مکان اپنے نئے مالک کو خوش آمدید کہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ آج تک خالی نہیں رہا ہے۔'' اس نے اپنی بند مٹھیاں کھول دیں۔ اس کے ناخن

خوفناک حد تک بڑھے ہوئے تھے اور ہاتھ کسی جانور کے پنجے کی مانند مڑے ہوئے تھے۔

ایک بھیانک چیخ کے ساتھ ثمرین اور زوہیب ایک ساتھ بدک کر بھاگ اٹھے۔ ''او ہو..... ہو..... ہو.....'' اپنے پیچھے انہوں نے بوڑھے کے بھیانک قہقہوں کی گونجتی آوازیں صاف سنیں۔ واپسی کا سفر انہوں نے بڑی خاموشی سے طے کیا۔ جزیرے کا سفر کسی بھی طرح خوشگوار نہ تھا۔ گاؤں والوں نے بڑی خاموشی سے ان کا استقبال کیا۔ کچھ ہی دیر میں ان دونوں کو گاؤں والوں کے رویئے کا بدلا انداز محسوس ہو گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر ان دونوں سے گریزاں ہوں۔ کسی نے نہ تو ان سے کوئی استفسار کیا اور نہ ہی کوئی ان کے قریب پھٹکا۔

زوہیب تو خیر تھا ہی پشیمان، ثمرین کو بھی احساس ہو چکا تھا کہ اس نے یہ سفر کر کے کوئی مناسب اقدام نہیں کیا تھا۔ اس کے گالوں کی رنگت پیلی پیلی سی تھی اور وہ زوہیب سے نظر ملاتے کترا رہی تھی۔

''معلوم ہوتا ہے گاؤں والے ہم سے خفا ہو گئے ہیں۔'' زوہیب نے کہا۔

''مگر اس میں ان کا نقصان ہی کیا ہوا ہے؟'' اس نے تنک کر کہا۔ ''ہو جائیں خفا۔''

گاؤں والوں کے علاوہ ہوٹل کا مالک بھی چپ چپ ہی رہا۔ ویسے وہ نئے خیال کا انسان تھا۔ شاید اسی لئے وہ ان سے بولا بھی۔ لیکن پھر بھی اس نے جان بوجھ کر ان سے جزیرے کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا۔ خود ثمرین نے کہا۔ ''ہم نے جزیرے پر ایک آدمی بھی دیکھا تھا۔''

''ہاں..... دیکھا ہو گا۔'' مالک نے کہا۔ ''ہر ہفتہ گاؤں سے راشن اسی کے لئے جاتا ہے۔ وہ ایک پاگل شخص ہے۔ ہم سب اپنی اپنی خیرات اسی کو دیتے ہیں۔''

''اچھا! تو کیا وہ واقعی پاگل ہے؟'' ثمرین نے پوچھا۔

''ہاں! وہ ایک پاگل شخص ہے محترمہ..... سچ پوچھئے تو اس جزیرے پر کئی نسلوں سے ہمیشہ ایک نہ ایک پاگل شخص ضرور موجود رہا ہے۔''

''کمال ہے..... مگر یہ پاگل لوگ وہاں پہنچتے کیونکر ہیں؟''

''محترمہ.....!'' مالک نے سرگوشی کی۔ ''یہ ایک عجیب بات ضرور ہے۔ لیکن جس طرح آپ وہاں جا پہنچی تھیں، ہو سکتا ہے اسی طرح وہ بھی وہاں چوری چھپے جا پہنچتے ہوں۔ ویسے

مجھے صحیح طور پر علم نہیں ہے۔ مجھے اتنا ہی علم ہے کہ اس جزیرے پر ہمیشہ کوئی نہ کوئی پاگل موجود ضرور رہتا ہے۔ ایک کی موت ہوتے ہی کوئی نہ کوئی دوسرا پاگل فوراً ہی اس کی جگہ گھیر لیتا ہے اور ہمیں یہ خبر کسی نہ کسی طرح مل جاتی ہے کہ اب جزیرے پر ایک نیا پاگل آ پہنچا ہے۔'' اس کے بعد وہ چپ ہو گیا۔

''اور جزیرے کے مکان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟'' زوہیب نے دلچسپی سے پوچھا۔

''یہ مکان ایک بڑے تاجر نے بنوایا تھا۔ آپ لوگوں کی طرح اسے بھی یہ جزیرہ بے حد پسند آیا تھا اور وہاں اس نے یہ مکان بنوا لیا تھا۔ لیکن جلد ہی وہ بدقسمتی کا شکار ہو گیا۔ پہلے اس کی بیوی سمندر میں ڈوب کر مر گئی۔ پھر اس کی لڑکی پر ایک درخت گر پڑا۔ یہی نہیں، چند دنوں میں اسے کاروبار میں زبردست نقصان ہوا اور ان صدمات نے اسے پاگل کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ جزیرے کا پہلا پاگل تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے جزیرے پر پہنچ کر پہلی خواہش یہی کی تھی کہ کاش میں یہاں ہمیشہ رہ سکوں، جو قبول ہو گئی تھی۔ وہ ایک پاگل کی حیثیت میں ہی وہاں رہا، اور وہیں مرا۔ اسے مرے اب تین نسلیں بیت چکی ہیں۔ موجودہ پاگل پچھلے دس سالوں سے یہاں مقیم ہے اور کون جانے اس کی موت پر اس کی جگہ کون سنبھالے گا۔''

کھانا کھاتے وقت زوہیب اور ثمرین نے پہلی بار محسوس کیا تھا کہ مالک اور سرائے کی مالکن دونوں نے ان کے ساتھ کھانے سے نہ صرف گریز کیا تھا، بلکہ قدرے دور ہی دور رہے تھے۔ شاید وہ ڈر رہے تھے کہ انہیں کوئی بلا نہ چمٹ جائے۔ ایسی بلا، جسے وہ جزیرے سے اپنے ساتھ لے آئے ہوں۔

شہر میں آ کر روزمرہ کاموں میں انہیں جزیرہ یاد بھی نہ رہا۔ کوئی مہینہ بھر بعد کی بات ہے، جب جزیرے پر لئے جانے والے فوٹو دھل کر آئے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ سب کے سب سادے تھے۔ فوٹوگرافر کا کہنا تھا کہ شاید ریل صحیح طرح سے رول نہیں کی گئی تھی، لیکن زوہیب یہ بات ماننے سے گریزاں تھا۔ ثمرین کوئی اناڑی نہ تھی اور اس کا کیمرہ بھی خاصا قیمتی تھی۔ اس دن ان دونوں کے درمیان جزیرہ پشیمانی کے بارے میں رات گئے تک گفتگو ہوتی رہی۔

صبح جب ثمرین بیدار ہوئی تو اسے حرارت سی تھی۔ پھر وہ ہفتے بھر بستر پر پڑی رہی، لیکن اس کی طبیعت نہ سنبھلنی تھی، نہ سنبھلی۔ زوہیب نے کئی ڈاکٹر تبدیل کئے لیکن فضول۔ اس کی حالت تیزی سے بگڑتی جا رہی تھی۔ مجبوراً زوہیب نے اسے ہسپتال داخل کرا دیا۔ وہاں بھی اس کی حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔

آخر ایک دن اس نے زوہیب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ ''ڈیئر! اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اچھی نہ ہو سکوں گی۔ میرا دل بار بار مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یہ نحوست میرے اوپر صرف اس لئے آئی ہے کہ میں جزیرہ پشیمانی پر باوجود ممانعت کے چلی گئی تھی۔''

''بیکار بات ہے۔ تمہارا دل کمزور ہو گیا ہے اور تم بیکار توہمات کا شکار ہو رہی ہو۔'' زوہیب نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں میں یہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں۔ اور میں نے خواہش بھی تو کی تھی۔'' روتے ہوئے اس نے کہا۔

''خواہش؟ بھلا جادو پر یقین لانے سے اس بیماری کا کیا تعلق؟'' زوہیب نے پوچھا۔

''بہت بڑا تعلق ہے۔ سچ مچ ڈیئر! اب مجھے جادو پر واقعی یقین ہو گیا ہے۔ میں سمجھ رہی ہوں کہ جزیرے کا آسیب ہی مجھ پر لپٹا ہوا ہے۔ میں اب شاید کبھی ٹھیک نہ ہو سکوں گی۔'' ثمرین نے کہا۔ اس کی آواز کمزور اور لہجہ رندھا ہوا تھا۔

تب ہی ایک خیال کوندے کی مانند زوہیب کے ذہن میں ابھرا۔ ''تم نے وہاں کوئی چیز کھائی تو نہیں تھی؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔ میں نے کوئی چیز اٹھائی بھی نہیں تھی۔ ہاں!'' وہ رُک کر بولی۔ ''غالباً ایک بڑا سا پھول میں نے توڑا تھا جو شاید اس وقت بھی میرے پرس میں کہیں پڑا ہوگا۔''

''اوہ.....'' زوہیب نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''اس صورت میں وہ پھول ہمیں ہر حال میں جزیرے میں واپس پہنچانا ہوگا۔''

''مگر اس سے کیا فائدہ ہوگا؟'' کمزور آواز میں ثمرین نے پوچھا۔

''چلو! فائدہ نہ سہی، نقصان بھی کیا ہے؟ میں اسے ضرور واپس پہنچاؤں گا۔'' زوہیب نے پرعزم لہجے میں کہا۔ پھر وہ اٹھ گیا۔ چلتے ہوئے وہ بولا۔ ''میں ابھی گھر جا کر تمہارا پرس دیکھتا ہوں۔ اگر وہ پھول مل گیا تو میں صبح ہی جزیرے کی سمت سفر شروع کر دوں گا۔ مجھے

اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ دو روز لگیں گے۔ میں نے تمہارے بھائیوں کو روک لیا ہے۔ تم ادھر سے بے فکر رہنا۔''

دوسری صبح ہوائی جہاز ایک گھنٹہ تاخیر سے روانہ ہوا۔ ایک مڑا تڑا سا سوکھا ہوا پھول ایک لفافے میں زوہیب کی جیب میں موجود تھا۔ اس نے سیٹ پر بیٹھ کر سرخ لفافے کو کھولا اور اس میں پھول کو دیکھ کر سوچا.....شاید میری ثمرین بالکل اسی کی مانند خشک ہوتی چلی جا رہی ہے۔ بکھرتی چلی جا رہی ہے۔ جس قدر جلد یہ منحوس شے اس جزیرے پر پہنچا دی جائے، اتنا ہی اچھا ہوگا.....

دو گھنٹے میں جہاز اس شہر تک جا پہنچا جہاں سے بذریعہ بس ''جزیرہ پشیمانی'' کے گاؤں تک پہنچا جا سکتا تھا۔ عجلت کے ساتھ وہ بس کی سمت لپکا اور جب وہ بس میں بیٹھ گیا تو اسے اپنی سانسیں پھولتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ بس کی سست رفتاری پر سارے راستے اسے غصہ آتا رہا اور شاید وہ جھنجھلاہٹ کا ردعمل تھا کہ اچانک اس کی نظر سامنے بیٹھے ہوئے ایک شخص کے ہاتھوں میں دبے اس سرخ لفافے پر پڑی اور اس نے جھپٹ کر اس سے چھین لیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' مسافر نے اپنا لفافہ چھنتے ہوئے چیخ کر کہا اور سارے مسافر زوہیب کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''یہ لفافہ میرا ہے.....شاید میری جیب سے گر گیا ہے۔'' زوہیب نے لفافے کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔'' مسافر نے احتجاجاً کہا۔ اور تب زوہیب کو احساس ہوا کہ شاید اس سے غلطی ہوئی تھی۔ اس نے لفافے پر اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ اپنی جیب ٹٹولی اور اطمینان کا لمبا سانس لیا۔ اس کا اپنا لفافہ اس کی جیب میں ہنوز موجود تھا۔ وہ شرمندہ سا ہو کر بولا۔ ''معاف کیجئے گا۔ میں اسے اپنا سمجھا تھا۔ مگر وہ میری جیب میں موجود ہے۔''

مسافروں کی آوازیں بھنبھناہٹوں کی مانند اس کے کانوں سے ٹکرائیں، جو کہہ رہے تھے۔ ''عجیب آدمی معلوم ہوتا ہے.....شہری معلوم ہوتا ہے.....شاید کچھ بیمار ہے۔''

اس نے جھنجلا کر انہیں گھورا لیکن مصلحتاً خاموش رہا۔ خدا معلوم کتنی دیر تک وہ [illegible] طرح بیٹھا اپنی بدقسمتی کو کوستا رہا۔ وہ جلد سے جلد گاؤں تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

خدا خدا کر کے یہ فاصلہ طے ہوا۔ جب وہ گاؤں پہنچا تو سہ پہر [illegible] رہی تھی۔ پھر وہ سیدھا

ادھر روانہ ہو گیا جہاں کشتیاں کھڑی ہوا کرتی تھیں۔ اس کا ذہن واقعات کی ناخوشگواری کے باعث بے حد بوجھل اور ملول سا تھا۔ یہ بھی اس کی بدقسمتی ہی تھی کہ سمندر کا وہ حصہ کشتیوں سے بالکل خالی پڑا ہوا تھا، سوائے ایک کشتی کے۔ شاید زوہیب اسی کشتی کو لے بھاگتا اگر اس وقت وہاں پر مچھیرا نمودار نہ ہوا ہوتا۔

مچھیرا اس کے قریب آ کر بڑبڑایا۔ ''آج کا دن بڑا ہی خراب ہے جناب۔''

''کیوں؟'' اس نے یونہی سرسری انداز میں پوچھا۔

''آج ہمارا ایک بہت ہی پیارا دوست بلکہ بھائی اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ کل رات وہ سمندر میں ڈوب گیا تھا۔ آج اسے سپرد خاک کیا گیا ہے۔''

''کیا رات طوفانی گزری تھی؟''

''نہیں جناب.... وہ طوفان میں نہیں، بلکہ یہیں نزدیک ہی کے پانی کے جوہڑوں میں ڈوب گیا تھا۔ دراصل وہ اس کشتی میں جا بیٹھا تھا جسے سب منحوس قرار دے چکے تھے۔ ہم نے اس سے شروع ہی میں کہا تھا کہ اس کشتی کو جلا دو، مگر وہ ایک ضدی شخص تھا۔ اس نے ہماری بات نہیں مانی اور پھر وہی کشتی آخرکار اس کی موت کا سبب بن گئی۔ ورنہ دوسری کوئی وجہ نظر میں نہیں آتی کہ وہ ڈوب جاتا۔''

''مگر میں سمجھا نہیں۔'' زوہیب نے پلکیں جھپکائیں۔

''ارے بھائی! آپ اجنبی ہیں اس لئے نہیں سمجھے۔ یہ کشتی ایک بار جزیرہ پشیمانی کے سفر کے لئے دھوکہ دے کر استعمال میں لائی گئی تھی۔ وہ کوئی مہینہ بھر پہلے ایک جوڑے نے حاصل کی تھی۔ تب سے اس کشتی پر نحوست چھا گئی تھی۔ میں نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں ہے کیونکہ ان دنوں میں گاؤں سے باہر تھا۔ مجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ اس جوڑے پر بعد میں کیا بیتی۔ ہو سکتا ہے وہ شہر میں کسی مصیبت کا شکار ہو۔ کیونکہ اس جزیرے کا سفر ہمیشہ ہی خطرناک ثابت ہوا ہے۔''

زوہیب نے سناٹے کے عالم میں مچھیرے کی بات سنی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ انہی دونوں کا ذکر کر رہا تھا۔ آہستہ سے اس نے کہا۔ ''ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ جوڑا واقعی مصیبت کا شکار ہو گیا ہے۔ وہ عورت ہسپتال میں پڑی ہوئی ہے اور اگر میں جزیرے تک پہنچنے میں آج کامیاب نہ ہو سکا تو وہ ضرور مر جائے گی۔''

''مگر جناب! اس جزیرے تک جانا پاگل پن کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ آج موسم بھی قدرے خراب ہونے کا امکان ہے۔'' مچھیرے نے اسے خبردار کیا۔

''کچھ بھی ہو۔'' زوہیب نے کہا۔ ''یہ موت اور زندگی کا معاملہ ہے۔ میں اس سامنے والی کشتی کو لے جانے کے لئے منہ مانگا کرایہ ادا کروں گا۔''

''معاف کیجئے گا۔ ایک بار اگر یہ کشتی جزیرے تک چلی گئی تو میں دوبارہ اس پر بیٹھنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہاں شاید ہی کوئی اس بات پر راضی ہو۔'' مچھیرے نے کہا۔

''کچھ بھی ہو، یہ بہت ضروری ہے۔ ایک زندگی کا دارومدار اب صرف اس بات پر ہے۔'' پھر اچانک ہی اس پر جیسے دورہ پڑ گیا۔ ایک جھٹکے سے اس نے مچھیرے کو کنارے سے سمندر میں دھکیل دیا اور تیزی سے دوڑ کر کشتی میں جا بیٹھا۔ کشتی کی موٹر سٹارٹ کرنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ جب تک مچھیرا سنبھلتا، وہ ساحل سے دور جا چکا تھا۔ وہیں سے اس نے اپنا پرس نکال کر خشکی پر اچھال دیا اور مچھیرے کو دیکھتے ہوئے چلایا۔ ''دوست! مجھے معاف کرنا...... یہ روپے تمہارے ہیں۔ میں اس فعل پر مجبور ہوں۔''

سمندر میں جوار بھاٹے کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ زوہیب نے کشتی کی رفتار تیز کر دی۔ آخرکار وہ جزیرے کی سطح پر جا ٹکرایا اور پھر دوڑتا ہوا زمین پر اتر گیا۔ تب اچانک ہی نیلا آسمان بادلوں سے ڈھکنے لگا۔ سرد ہوائیں چلنا شروع ہو گئیں اور سمندر بھیانک لہروں کے شور سے گونجنے اور ہانپنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے چاروں طرف پانی کی اونچی اونچی دیواریں اٹھ گئی ہوں اور وہ کسی وسیع اور اندھے کنوئیں میں قید ہو گیا ہو۔ اسے اپنا جسم اندر اور باہر دونوں طرف ٹھنڈا اور بے حس سا محسوس ہو رہا تھا۔ تمام راستہ سڑی ہوئی گھاس اور جھاڑیوں کی بدبو سے متاثر تھا۔ درختوں میں سے کسی پرندے کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی سوائے اس طوفانی شور کے جو سمندر میں برپا تھا۔

جزیرے پر سناٹے اور ویرانی کا راج تھا۔ مکان کے نزدیک والے جنگل میں گھور اندھیرا طاری تھا۔ ساری فضا ایک عجیب سی خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ رُک گیا۔ اس نے سوچا...... مجھے لفافے میں دھرا پھول یہیں کہیں پھینک دینا چاہئے..... پھر اس نے جلدی سے لفافہ نکالا اور پھول کے بکھرتے ہوئے اجزاء کو زمین پر الٹ دیا۔

اسی وقت اسے یوں لگا جیسے اس کے چاروں طرف بھیانک قہقہوں کی اونچی اونچی

آوازیں بکھر گئی ہوں۔ زوہیب نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پہلے وہ یہی سمجھا کہ شاید یہ قہقہہ جزیرے کے پاگل نے لگایا ہے۔ لیکن اسے آس پاس کوئی بھی نظر نہ آیا۔ دوسری یہ بات بھی ظاہر تھی کہ یہ آوازیں کسی ایک قہقہے کی بجائے کئی قہقہوں کی معلوم ہوتی تھیں۔ اسے درختوں کے تنوں سے یہ آوازیں برآمد ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اور پھر اچانک ہی اسے یوں لگا جیسے اندر درختوں کی نیم تاریکی میں جا بجا متعدد چہرے نمودار ہو گئے ہوں جو اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی جانب نگراں تھے۔

بدحواس ہو کر زوہیب بھاگ اٹھا۔ وہ اس جدوجہد میں کئی بار گرا۔ کئی بار اس کے کپڑے جھاڑیوں سے الجھے اور پھٹتے چلے گئے۔ بدقسمتی سے اس کا رُخ مکان کی جانب تھا۔ جلد ہی وہ مکان تک پہنچ گیا اور اس میں گھستا چلا گیا۔ اسے اس وقت صرف اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ اگر اس مکان کا مکین پاگل بھی تھا تو بھی اسے بدروحوں کے مقابلہ میں قبول تھا کیونکہ وہ بہرحال انسان تھا۔ اس کی مانند گوشت پوست کا انسان.....

اس نے پہلے ہی دھکے میں دروازہ کھول لیا تھا۔ اندر وہی ویرانی اور بوسیدگی تھی۔ بدبو سے اس کا دماغ پراگندہ تھا۔ لیکن اسے یہ سب کچھ سوچنے کی زیادہ فکر نہ تھی۔ آخر وہ ایک کمرے کے سامنے رُک کر رہ گیا۔ سردی کے مارے اس کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ بارش شروع ہو گئی تھی، اور اس شور کے سوا اندر مکمل خاموشی طاری تھی۔ وہ تاریکی سے وحشت زدہ ہو کر ایک طرف بڑھا۔ اس نے سوچا کہ پاگل نے شاید کوئی موم بتی وغیرہ روشن کر رکھی ہو گی۔ باورچی خانے میں بھی اسے ویرانہ ہی ملا۔ آگ کے آتشدان کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس پر شدید مایوسی اور خوف نے غلبہ پالیا۔

زوہیب نے باغ کا رُخ کیا۔ اُدھر کھلے میں بارش زوروں پر تھی۔ پاگل آدمی خدا معلوم کدھر چھپ گیا تھا، کیونکہ سارے گھر کی تلاشی کے بعد بھی زوہیب اسے ڈھونڈنے میں ناکام رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ شاید اس عرصے میں پاگل آدمی کو کسی پاگل خانے میں پہنچا دیا گیا ہو گا۔ حالانکہ اس کا دل خوب جانتا تھا کہ جو شخص دس سال سے یہیں رہ رہا ہو، وہ بھلا ایک مہینے میں کیونکر کہیں جا سکتا ہے۔

اس نے رُک کر زور زور سے آوازیں لگائیں، لیکن جواب میں مکمل خاموشی طاری تھی، حتیٰ کہ اپنی آواز کی بازگشت تک اسے سنائی نہ دی۔ ماحول کی وحشت سے پریشان ہو کر وہ

زینوں کی طرف لپکا۔ زینے اس کے قدموں کے نیچے بری طرح چرچرائے۔

اوپر وہ جس کمرے میں پہنچا وہ شاید کبھی کسی کی خواب گاہ رہا ہو گا، لیکن اب وہ بالکل خالی پڑا تھا۔ اس میں کوئی فرنیچر تک نہ تھا۔ باقی دو کمرے بھی خالی تھے اور اس میں کوڑا کرکٹ اور مکڑیوں کے جالوں کے سوا کچھ نظر نہ آسکا۔

جب وہ واپس مڑا تو اچانک اسے دروازے کے پٹ کے پیچھے کوئی شے ڈھیر کی شکل میں پڑی دکھائی دی۔ اس نے جلدی سے جھک کر دیکھا۔ فرش پر ایک لاش پڑی تھی..... پاگل انسان کی لاش..... زوہیب نے دیکھا پاگل کا سارا بدن سوکھا ہوا تھا اور آنکھیں وحشت ناک انداز میں پھٹی ہوئی تھیں۔ اسے مرے ہوئے یقیناً ایک دن سے زیادہ گزر گیا تھا کیونکہ لاش میں سے اب بو خارج ہونا شروع ہو چکی تھی۔ یہ نئی تحقیق اس کے اعصاب کو جھنجھوڑ دینے والی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھیں انتہائی ڈراؤنی تھیں.....

ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ وہ لاش کو چھوڑ کر باہر نکل بھاگا۔ اور جب وہ زینے پر اترتے ہوئے ایک موڑ گھوما تو پاگل شخص کے بھوت سے جا بھڑا۔ وہ یقیناً پاگل آدمی کا بھوت ہی رہا ہو گا، جو ٹھیک اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس چوکور لینڈنگ پر جہاں دوسرے موڑ کے پانچ زینے اور نظر آ رہے تھے۔ زوہیب نے خوف سے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ پھر وہ چکرا کر رہ گیا کیونکہ بالکل ایسی ہی حرکت اس کے سامنے کھڑے ہوئے پاگل شخص کے بھوت نے بھی کی تھی۔ بھوت کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر زخموں کی خراشیں تھیں۔ جسم پر کپڑے چیتھڑوں کی مانند جھول رہے تھے اور آنکھیں حلقوں سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ زوہیب نے دانت نکال کر اسے ڈرایا تاکہ نیچے اتر سکے۔ لیکن جواب میں پاگل شخص کا بھوت بھی دانت نکال کر اس پر جھپٹا۔ پھر زوہیب کو یوں محسوس ہوا، جیسے وہ کسی بہت ہی سخت اور ٹھنڈی شے سے جا ٹکرایا ہو۔ شاید وہ بھوت سے گتھم گتھا ہو گیا تھا۔ بھوت جو برف کی سل کی مانند ٹھنڈا تھا ایک لمحہ وہ اسی طرح زوہیب سے چپکا رہا۔ پھر زوہیب کے حلق سے ایک زور کی چیخ بلند ہوئی جو بتدریج بھیانک قہقہے میں تبدیل ہوتی چلی گئی۔ جواب میں لینڈنگ میں جڑے ہوئے آئینے میں زوہیب کے اپنے عکس نے بھی ٹھیک ویسا ہی ایک قہقہہ بلند کیا۔ ہا...... ہا...... ہاہاہا!!!

گاؤں والوں کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ جزیرہ پشیمانی کا پرانا پاگل مر چکا ہے اور اس

کی جگہ ان دنوں ایک نئے پاگل نے سنبھال لی ہے۔ آہ..... زوہیب.... میرا دوست۔ بہت اچھا انسان تھا وہ۔ میں اسے کبھی اپنے ذہن سے نہیں نکال سکوں گا۔

عجیب وغریب بات ہے۔ ایسے واقعات اکثر ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی ان کے بارے میں یہ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ لیکن محترمہ! میں سمجھتا ہوں کہ اگر اعصاب مضبوط ہوں اور دل و دماغ پختہ ہو تو سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ غیر معمولی قوتوں کی مالک ہیں۔ براہِ کرم! وہاں جا کر رہئے اور لوگوں کے دلوں سے بدروحوں کا خوف نکال دیجئے۔''

رتنا کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ شخص کافی چرب زبان اور زمانہ شناس معلوم ہوتا تھا۔ باتیں بنانا اس کا پیشہ لگتا تھا۔ وہ کچھ ایسی فطرت کا مالک تھا کہ بلاوجہ انسانوں سے چمٹ جائے۔ بہرحال رتنا کے بارے میں اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ رتنا اب انتہائی مضبوط دل و دماغ کی مالک بن چکی تھی۔ ویسے بھی اس کی فطرت میں ایک غیر انسانی عمل پوشیدہ تھا جس کی وجہ سے اس کے اعصاب عام لوگوں سے کہیں زیادہ مضبوط تھے۔ اور اب تو زمانے کے سرد و گرم نے اسے خاصا چالاک اور ذہین بنا دیا تھا۔ اس نے مکان مالک کی طرف دیکھا اور بولی۔ ''فرض کیجئے کہ اگر میں مضبوط اعصاب کی مالک نہ ہوتی تو کیا پھر بھی آپ مجھے اس مکان میں رہنے کا ایمان داری سے مشورہ دیتے؟''

رتنا کے اس نوکیلے سوال پر مکان مالک نے چونک کر اسے دیکھا۔ کچھ لمحے سوچتا رہا، پھر بولا۔ ''میں آپ کا مقصد سمجھ گیا ہوں خاتون! آپ یقین کیجئے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ اگر مجھے محسوس ہو جاتا کہ آپ کمزور اعصاب کی مالک ہیں تو میں آپ کو ایک رات بھی اس مکان میں کاٹنے کی اجازت نہ دیتا۔''

''کیوں؟''

''اس کیوں کا جواب میں نہیں دے سکتا۔ البتہ میں آپ کو ایک بات بتاؤں کہ ایک رات میں خود وہاں، میرا مطلب ہے اس مکان میں رہ چکا ہوں اور آپ سے بالکل سچ کہہ رہا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھ سے یہاں کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اصل میں ہر احساس کا عمل ہوتا ہے۔ لوگ چونکہ اس مکان کو آسیب زدہ کہتے رہے ہیں اس لئے میں بھی کسی نامعلوم خوف کے زیر اثر بار بار وہاں خوف زدہ ہوتا رہا اور ساری رات میرے جسم کے رونگٹے بار بار

کھڑے ہو جاتے تھے۔ صبح ہونے سے پہلے میری حالت اس قدر ابتر ہو گئی تھی کہ میں بمشکل باہر نکل سکا تھا۔''

''بہت بہت شکریہ۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس مکان کے بارے میں اتنی زیادہ تفصیلات بتائیں۔ اب اس کی چابیاں میرے حوالے کر دیجئے۔''

مکان مالک کے چہرے پر خوشی کے آثار پھیل گئے۔ اس نے بڑی محبت سے چابیاں رتنا کو دیں اور بولا۔ ''میں آپ کی صحت اور زندگی کا طلب گار ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس مکان میں آرام سے رہیں گی اور میرے لئے ایک اچھی خبر سامنے آئے گی۔''

چابیوں کا گچھا لے کر جب رتنا اپنی پرانی رہائش گاہ پر پہنچی تو مونیکا دیوی وہاں موجود تھی اور اس کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی جس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ رتنا نے جو کچھ کیا ہے، اس کے بارے میں اسے معلوم ہے۔ رتنا یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی زندگی میں جو غیر معمولی پن آیا ہے اس کے تحت نجانے زندگی کے کون سے حصے تک اسے ایسے ہی طلسمی جال میں پھنسے رہنا پڑے گا۔

مونیکا دیوی نے کہا۔ ''تمہارے بارے میں مجھے جو کچھ بتایا گیا ہے، مجھے لگ رہا ہے کہ وہ ایک ایک لفظ سچ ہے اور میں بہت خوش ہوں۔ تمہیں اس مکان میں جانا ہوگا۔ اس شخص نے جو مکان کا مالک ہے، غلط نہیں کہا تھا کہ تم واقعی بہترین اور مضبوط اعصاب کی مالک ہو۔ اب میں تمہیں اس شخص سے ملاتی ہوں۔ یہ میرا ملازم ہے۔ لیکن یہ سمجھ لو کہ اس قدر مستعد اور کام کا آدمی ہے کہ تمہیں اسے ساتھ رکھ کر بے حد خوشی ہوگی۔''

آنے والے شخص کا نام دھرم سنگھ تھا۔ دھرم سنگھ پست قامت اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔ اس کی چمکتی ہوئی کالی آنکھوں میں خوف کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اس نے کہا۔ ''اصل میں بی بی! مجھے آسیب زدہ مکانوں میں رہنے اور آسیبوں سے دوستی کا بڑا شوق ہے۔ میرے لئے اس سے زیادہ دلچسپ مشغلہ اور کوئی نہیں ہے۔ لیکن ایک بات بتائیے! کیا آپ کچھ پریشان ہیں؟''

''نہیں...... بالکل نہیں۔ تمہیں مونیکا دیوی نے یقیناً ساری تفصیلات بتا دی ہوں گی۔''

''ہاں! اور میں سمجھتا ہوں کہ میں بڑی خوشی سے آپ کے ساتھ وہاں رہ سکوں گا۔''

''اچھا! تم نے کہا ہے کہ تمہیں آسیب زدہ مکانوں میں رہنے کا شوق ہے، تو یہ بتاؤ کہ

وہاں جاتے ہوئے کیا کیا چیزیں لینی چاہئیں؟''

''میں آپ کی ہدایت کا منتظر ہوں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ مونیکا دیوی تمہیں ریوالور بھی دیں گی۔ یہ اس مکان کی چابیاں ہیں۔ پہلے تم وہاں چلے جاؤ۔ میں رات کو اس مکان میں پہنچ جاؤں گی۔ ویسے اگر تم چاہو تو اپنے ساتھ کچھ لوگوں کو لے جاؤ۔ صفائی وغیرہ کر کے مکان کو رہنے کے قابل بنا دینا۔''

''بالکل ٹھیک ہے۔ اب آئے گا مزہ۔ مجھے بھوتوں سے ملاقات کا بڑا شوق ہے۔ بہرحال! اب میں آپ کو کیا بتاؤں۔ ایک ایسا پرانا مکان جسے میری مالکہ مونیکا دیوی نے خریدہ تھا۔ اصل میں انہیں مکان خریدنے کا شوق ہے اور ایسے مکانات جو آسیب زدہ مشہور ہوں۔''

مونیکا دیوی نے جلدی سے کہا۔''ہاں! لیکن یہ یہاں کی نہیں، بلکہ ایک مغربی ملک کی بات ہے۔ وہ مکان بہت پرانا بنا ہوا تھا۔ لیکن وہ آسیب زدہ نہیں تھا۔ البتہ اس کے آسیب زدہ ہونے کی داستانیں مشہور تھیں۔ حالانکہ حقیقت کچھ اور تھی۔ وہاں کچھ جرائم پیشہ افراد نے اپنا اڈہ بنا رکھا تھا اور سائنسی آلات کی مدد سے اس مکان کے مختلف حصوں میں شعبدے دکھا کر لوگوں کو خوفزدہ کر دیتے تھے۔ جب میں نے اس کے ایک حصے کو اپنی رہائش گاہ بنایا تو ان مجرموں نے بھوتوں کا روپ دھار کر مجھے ڈرانے کی کوشش کی۔ چھتوں پر سے خون کی بارش ہوتی تھی اور میرا بستر اور کپڑے خون میں رنگ جاتے تھے۔ پہلے تو میں یہی سمجھی کہ یہ مکان واقعی آسیب زدہ ہے۔ لیکن جب میں نے اپنی تجربہ گاہ میں اس خون کا تجزیہ کیا تو پتہ چلا کہ یہ خون مصنوعی ہے۔ بس اس کے بعد میں نے اور دھرم سنگھ نے کوشش کر کے مجرموں کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ لیکن یہاں حالات کچھ اور ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مکان میں بدروحیں رہتی ہوں۔ ویسے دھرم سنگھ کے پاس ایک بہت ہی نفیس قسم کا کتا ہے۔ دھرم سنگھ! اس کتے کو بھی ابھی اپنے ساتھ لے جانا۔''

''آپ بالکل فکر نہ کریں مونیکا دیوی! میں ان بھوتوں سے ملاقات کر کے بڑی خوشی محسوس کروں گا۔''

دھرم سنگھ باہر چلا گیا تو رتنا نے مونیکا دیوی سے پوچھا۔''تو کیا یہ شخص بیرونی دنیا میں بھی آپ کے ساتھ تھا؟''

''ہاں....'' مونیکا دیوی نے مختصر جواب دیا۔

''دوسری بات مونیکا دیوی! کیا آپ بھی اس مکان میں میرے ساتھ چلیں گی؟''

''نہیں....'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

رات کا کھانا رتنا نے مونیکا دیوی کے ساتھ ہی کھایا تھا۔ سرِشام ہی آسمان پر بادل گھر آئے تھے۔ بجلی چمک رہی تھی اور کبھی کبھی بادل شدید گرجنے لگتے۔ حالانکہ ابھی بارش نہیں ہوئی تھی۔ سرد ہوا کے جھونکے آہستہ آہستہ جھکڑوں میں تبدیل ہوتے جا رہے تھے اور شائیں شائیں کے شور سے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔

دھرم سنگھ اپنے ساتھ کئی چیزیں لے گیا تھا مثلاً بستر، مٹی کے تیل کی لالٹین اور اسلحہ۔ جب رتنا مکان کی جانب چلی تو اِکا دُکا بوندیں گرنے لگی تھیں۔ مونیکا دیوی کھانے کے بعد معمول کے مطابق غائب ہو گئی تھی۔ باہر کے علاقے سنسان اور تاریک پڑے تھے۔ رتنا تیز پھوار میں اس آسیب زدہ مکان میں پہنچ گئی۔ مکان کے ایک حصے میں روشنی بھی ہو رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ دھرم سنگھ واقعی ایک بہادر آدمی ہے۔ وہ آسیب زدہ مکان میں تنہا تھا لیکن پھر بھی اندر موجود تھا۔

رتنا نے آہستہ سے دستک دی تو ایک سیکنڈ کے اندر دروازہ کھل گیا۔ پہلی ہی نگاہ میں رتنا کو احساس ہوا کہ دھرم سنگھ کسی غیر معمولی کیفیت کا شکار ہے۔ تاہم رتنا نے مذاق کے طور پر کہا۔''کہو! کتنی بدروحوں سے ملاقات ہوئی؟''

رتنا نے دھرم سنگھ کو دن کی روشنی میں دیکھا تھا۔ وہ بڑا بہادر قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت اس نے رتنا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا جس سے اس خیال کی تصدیق ہو گئی کہ دھرم سنگھ کسی حد تک غیر معمولی کیفیت کا شکار ہے۔ رتنا نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا لیکن دھرم سنگھ آگے بڑھ گیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے رتنا کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دے رہا ہو۔ وہ آگے بڑھا۔ اس نے کہا۔''ادھر آیئے۔ میں نے آپ کے لئے کمرہ ٹھیک کر دیا ہے۔''

جس کمرے میں وہ رتنا کو لے کر گیا، وہ انتہائی آرام دہ اور خاصا وسیع و عریض تھا۔ فرش پر بہت ہی پرانا مگر بیش قیمت قالین بچھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ قدیم طرز کا بھاری فرنیچر، لمبی سائز کی دو کرسیاں اور مسہری شامل تھی اس کمرے میں پڑا ہوا تھا۔ بہت ہی وسیع آتش

دان بنا ہوا تھا جن کا رواج اب اس دور میں ختم ہو چکا ہے اور ان کی جگہ بجلی اور گیس کے ہیٹروں نے لے لی ہے۔ اسی طرح پرانے طرز تعمیر کے تحت کمرے کی چھت اندازاً بیس فٹ اونچی تھی اور اس پر عجیب وغریب نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔

دھرم سنگھ نے آتش دان میں آگ بھڑکا کر کمرہ خوب گرم کر رکھا تھا۔ رتنا نے پسندیدگی کی نگاہوں سے اُس جگہ کو دیکھا اور بولی۔ ''کیا بات ہے دھرم سنگھ؟ وہاں تو تم بہت بول رہے تھے اور بہت خوش تھے۔ لیکن اب ایک دم تم نے سنجیدگی اختیار کر لی ہے۔''

دھرم سنگھ کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کہنے لگا۔ ''بات اصل میں یہ ہے کہ اگر کوئی سامنے آجائے تو زیادہ آسانی ہو جاتی ہے۔ لیکن جب سے میں یہاں آیا ہوں مکان کے مختلف حصوں میں کسی کے چلنے پھرنے اور دبی دبی آواز میں باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں لیکن ابھی تک کوئی سامنے نہیں آیا۔ ان آوازوں نے مجھے کافی پریشان کر دیا ہے۔''

''اوہ...... ممکن ہے یہ آوازیں تیز ہوا اور بارش کے شور کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہوں۔'' رتنا نے کہا اور پھر ہنس کر بولی۔ ''لیکن اس کے باوجود اگر یہ بدروحوں کی آوازیں بھی ہیں تو ظاہر ہے اپنے درمیان ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ اس کے بارے میں فیصلے کر رہی ہوں گی کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے۔ ویسے اس مکان کے بارے میں تمہارا مزید کیا خیال ہے؟ اس کا طرز تعمیر......''

''ہاں! آپ نے تو شاید اسے اندر سے پوری طرح نہیں دیکھا۔ میں دیکھ چکا ہوں۔ بہت اچھا مکان ہے۔ اگر رہائش کے قابل بن جائے تو اس کی مالیت بہت زیادہ ہو سکتی ہے۔''

رتنا آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہی۔ وہ اس کرسی تک پہنچی جسے دھرم سنگھ نے خوب صاف ستھرا کر دیا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔ ''تو تم نے سارے کمرے دیکھ لئے ہیں؟''

''ہاں! بہت وسیع وعریض مکان ہے۔''

اچانک ہی رتنا کی کرسی زور سے ہلی اور اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کا پاؤں پکڑ لیا ہو۔ اس کے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ اسی وقت ایک کتا دوڑتا ہوا اندر آیا اور کرسی کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ رتنا کو کتوں سے کوئی خاص خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی

اس نے چونک کر دونوں پاؤں اوپر اٹھا لئے۔ کتا غالباً اس کے پاؤں چاٹنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

دھرم سنگھ نے کہا۔ ''یہ میرا کتا ہے۔''

''مجھے تو تم نے ڈرا ہی دیا۔ میں سمجھی کسی بدروح نے میرا پاؤں پکڑ لیا ہے۔'' رتنا آہستہ سے بولی۔ پھر ایک دم ہی اسے احساس ہوا کہ کتا تو ابھی ابھی اندر آیا ہے جبکہ کتے کے آنے سے پہلے اسے اپنی کرسی ہلتی ہوئی لگی تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بولی۔ ''کیا تم مجھے یہ مکان دکھا سکتے ہو؟''

دھرم سنگھ کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے بے چینی کے آثار پیدا ہوئے۔ اس نے کہا۔ ''کیا آپ رات کی تاریکی میں اسے دیکھنا پسند کریں گی؟''

''ہمارے پاس یہ روشن لالٹین ہے۔ اور پھر ویسے بھی رات یا دن سے کیا فرق پڑتا ہے؟ کیا تم اس اچھے موسم سے لطف اندوز ہونا نہیں چاہتے اور سونے کے خواہش مند ہو؟''

''نہیں! ایسی بات نہیں ہے۔ آیئے....'' دھرم سنگھ نے کہا اور دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔ کتا پیچھے پیچھے آیا تھا۔ لیکن ایک کوریڈور میں آنے کے بعد وہ اچانک ہی زور سے اچھلا اور واپس کمرے کی طرف دوڑ پڑا۔ اس کی حالت میں ایک دم ایسا تغیر رونما ہوا تھا کہ وہ دونوں ششدر رہ گئے تھے۔ وہ دم دبا کر سکڑا سمٹا دروازے کے ساتھ لگا کھڑا تھا اور اس کی نگاہیں باہر کو نکلی پڑ رہی تھیں۔ بڑی عجیب سی کیفیت تھی اس کی۔ پھر اس کے حلق سے ایسی آوازیں نکلنے لگیں جیسے اس کا گلا گھونٹا جا رہا ہو۔

رتنا اور دھرم سنگھ کتے کی جانب واپس دوڑ پڑے۔ دھرم سنگھ نے آگے بڑھ کر کتے کو چمکارا اور اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس کے قریب بیٹھ گیا تو کتے کی حالت بہتر ہونے لگی اور کچھ دیر کے بعد وہ ٹھیک ہو گیا۔

دھرم سنگھ نے اس کا شانہ پکڑا اور اسے آگے بڑھانے لگا۔ کتا اب بہتر کیفیت کا شکار ہو گیا تھا اور آہستہ آہستہ رتنا اور دھرم سنگھ کے ساتھ چلنے لگا۔ دونوں ہی محسوس کر رہے تھے کہ کتا ان سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کر رہا۔ اس کی پھرتی اور شوخی ختم ہو چکی تھی اور وہ ڈرا ڈرا اور سہما سہما سا نظر آ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اپنا فرض نبھاتے ہوئے مالک کا ساتھ دے رہا ہو۔

رتنا نے سن رکھا تھا کہ کتے بلیوں کو بعض اوقات ایسی چیزیں نظر آ جاتی ہیں جو انسان نہیں دیکھ سکتا اور نہ ان کی موجودگی سے باخبر ہو سکتا ہے۔ اب پہلی بار رتنا کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ واقعی یہ گھر بڑی سنسنی خیز کیفیت کا حامل ہے۔ زندگی میں، میں نے بہت سے سنسنی خیز حالات کا سامنا کیا ہے۔ ایک یہ بھی سہی۔ وہ مطمئن تھی۔ جبکہ اس کے برعکس بڑی بڑی ڈینگیں مارنے والا دھرم سنگھ اس ماحول سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔

''کیا بات ہے دھرم سنگھ؟ تم تو بھوتوں سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ اور تمہارا یہ کتا..... اسے کیا ہو گیا ہے؟''

''کچھ گڑبڑ لگتی ہے میڈم!''

''کیا؟''

''یہاں شاید اصلی بھوت ہیں۔ وہ تو جرائم پیشہ لوگ تھے، لیکن یہ اصلی بھوت ہیں۔ اوہ..... وہ دیکھئے.....'' اچانک دھرم سنگھ نے کہا اور رتنا کی نگاہیں بھی اس طرف اٹھ گئیں۔

لوہے کی سلاخوں کا ایک بڑا سا جنگلہ نظر آ رہا تھا۔ ''کیا ہے وہ؟'' رتنا نے پوچھا۔

''وہ..... وہ..... شاید.....''

''آؤ! آگے چل کر دیکھیں۔'' رتنا نے کہا اور دھرم سنگھ نے عجیب سی نظروں سے رتنا کو دیکھا۔

''میڈم!''

''ہوں؟''

''بھوتوں کی اصل شکاری تو آپ ہیں۔ میں نے اتنی بہادر لڑکی اس سے پہلے نہیں دیکھی۔''

''آؤ! فضول باتوں سے گریز کرو۔'' رتنا نے کہا اور آگے بڑھ کر لوہے کی سلاخوں والے جنگلے کے پاس پہنچ گئی۔

اس کے دوسری طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کتے کے منہ سے مسلسل کوں کوں کی آوازیں نکل رہی تھیں اور اس نے دم دبائی ہوئی تھی۔

''دوسری طرف کیا ہے؟''

''شش..... شاید کوئی قید خانہ.....'' دھرم سنگھ بولا۔

''چلو..... اس جنگلے کو کھولنے کی کوشش کرو۔''

''جی.....'' دھرم سنگھ کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ نکلی اور وہ مجبوری کے انداز میں کمرے کی سلاخوں والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

سمپورنی کا ماضی بھی بڑا ہی عجیب تھا۔ رتنا تو خیر جو کچھ تھا وہ بھگت رہی تھی۔ لیکن سمپورنی نے رتنا کو اپنی جو کہانی سنائی تھی وہ بھی بڑی درد بھری تھی۔ ماں باپ نے مندر کے حوالے کر دیا تھا اور تقدیر نے سنسار کے حوالے۔ جو کچھ اس نے سیکھا تھا اور جسے سیکھنے کے بعد وہ ایک بڑی طاقت بن گئی تھی، کبھی کبھی وہ اسے اپنی ملکیت محسوس نہیں کرتی تھی اور اس کے اندر ایک انسان پلتا تھا۔ اس وقت وہ انسان بن جاتی تھی۔ محبت کی ماری ہوئی..... دنیا کی ٹھکرائی ہوئی..... ماں باپ یاد آتے تھے تو عجیب سا احساس دل میں پیدا ہو جاتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ احساس نفرت میں ڈھل جاتا تھا۔ چونکہ ان لوگوں نے بھی اسے دنیا سے دور کر دیا تھا۔

بہت عرصے کے بعد رتنا اسے ملی تھی ورنہ اس سے پہلے لوگ اس کے لئے جاپ کرتے تھے اور اسے قابو میں کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بس اس سے زیادہ اس کی اور کوئی اوقات نہیں رہ گئی تھی۔ لیکن پراسرار رُوح کی طرح دوسروں کے قبضے میں آتے ہوئے بھی وہ انسان ہی رہتی تھی اور انسان کی حیثیت سے پہلی بار اس کے دل نے درشنا کو قبول کیا تھا، لیکن درشنا اسے نہیں مل سکا تھا۔ رتنا نے غداری کر ڈالی تھی۔ سمپورنی، رتنا سے رخصت ہو کر کہیں سے کہیں نکل آئی تھی۔ اپنے آپ سے بے خبر۔ اپنے ماحول سے بے گانہ.....

جب کبھی رات کی تنہائیوں میں وہ درشنا کے بارے میں غور کرتی اور اسے رتنا یاد آتی تو وہ حیران رہ جاتی اور اس وقت اس کا دماغ صحیح فیصلے نہیں کر پاتا تھا۔ کیا رتنا ایسی ہی تھی؟ لیکن ایک اور احساس اس کے دل میں پیدا ہوتا تھا۔ رتنا انسانی خون اور گوشت کی طلب میں اپنے حوش وحواس سے بیگانہ ہو جاتی تھی۔ نیم دیوانگی کے عالم میں کوئی بھی سب کچھ کر سکتا تھا۔ سمپورنی خود اسی مرض کا شکار تھی۔ اسی عادت میں مبتلا تھی لیکن رتنا کی نسبت اس کے ہوش وحواس قائم رہتے تھے۔ بس ایک آزار سر لگ گیا تھا۔ حالانکہ اس عمل سے گزرنے کے بعد وہ بہت شرمندہ ہوتی تھی۔ اپنے آپ کو کوستی تھی اور کہتی تھی..... بھگوان! اس سے تو اچھا

ہے کہ مجھے موت ہی دے دے۔ دوسروں کے لئے موت بن جاتی ہوں۔ ایک میں مر جاؤں گی تو کیا ہوگا۔ بہت سے بچ جائیں گے۔ بہرحال! بری عادت بری عادت ہی ہوتی ہے.....

اور پھر رتنا کا ساتھ بھی مل گیا تھا چنانچہ دونوں نے خون پینا شروع کر دیا اور نتیجہ یہ بھگتنا پڑا تھا۔ اس بار جو نقصان سمپورنی کو پہنچا تھا وہ اسے کبھی نظرانداز نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو جائے، اب اس سنسار میں یہ گندہ عمل نہیں کروں گی جس کی وجہ سے میرا درشنا مجھ سے دور ہو گیا۔ وہ سڑکوں، گلیوں، نگرنگر ماری ماری پھر رہی تھی۔ کبھی کبھی تو اس کی حالت بری ہو جایا کرتی تھی۔

اس وقت وہ جس جگہ سے گزر رہی تھی، وہاں مندر بکھرے ہوئے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر دریا بہہ رہا تھا۔ نجانے کون سا علاقہ تھا۔ یاتری اِدھر اُدھر آ، جا رہے تھے۔ لوگ پوجا پاٹ کر رہے تھے۔ وہ بھوک سے نڈھال تھی۔ آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ سر چکرا رہا تھا۔ بدن ساتھ چھوڑنے لگا تھا۔ وہ پیپل کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی اور دنیا سے بے خبر ہو گئی۔ بھوک کی شدت نے اس سے ہوش وحواس چھین لئے۔ وہ بھول گئی کہ وہ کون ہے اور کہاں ہے۔

نجانے کب تک وہ اپنے آپ کو بھولی رہی۔ اس کے بعد ہوش آیا تو دنیا ہی بدل چکی تھی۔ آنکھیں نیم غنودگی کا شکار تھیں کہ اچانک ہی اسے ایک آواز سنائی دی۔ ''مالتی! اری او مالتی! کب تک سوتی رہے گی؟ اری! دس بج رہے ہیں..... اُٹھ بھی جا.....'' وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ نجانے کون تھا جو اسے آواز دے رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد اسے اپنے قریب قدموں کی چاپ سنائی دی اور اس نے دیکھا کہ ایک عورت اندر آ گئی تھی۔ وہ ساڑھی باندھے ہوئے تھی۔ ماتھے پر بندیا لگی ہوئی تھی۔ عمر چالیس سے اوپر ہی تھی۔ چہرے پر ایک نرم سی کیفیت طاری تھی۔ محبت بھرے انداز میں بولی۔ ''مالتی..... اٹھ جا بٹیا! دیکھ! کتنا دن چڑھ چکا ہے۔ پسینے میں بھیگ رہی ہے۔ بتی جلائی نہ پنکھا چلایا۔ اٹھے گی یا نہیں؟ دیکھ! بیمار پڑ جائے گی۔ اٹھ جا!''

سمپورنی نے حیرانی سے عورت کو دیکھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے؟ کسے مالتی کہہ رہی ہے۔

"میرا نام سمپورنی ہے۔" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

اچانک ہی عقب سے ایک اور شریری آواز سنائی دی۔ "ایسا کرو چاچی جی! ایک گلاس ٹھنڈا پانی ڈال دو اس کے اوپر۔ پھر دیکھو! نیند ایسے بھاگے گی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔"

"اٹھ جا بیٹی! اتنی دیر سونا اچھا نہیں ہوتا۔" عورت نے کہا اور سمپورنی جلدی سے اٹھ گئی۔

عورت پھر بولی۔ "جا! منہ دھو لے۔ میں ناشتہ بھجواتی ہوں۔ اب دوبارہ لیٹ کر سو نہ جانا۔" خاتون واپس مڑیں اور دروازے سے باہر نکل گئیں۔

سمپورنی شدید حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ میں کہاں ہوں؟ یہ کون سی جگہ ہے؟ اور یہ عورت مجھے مالتی کیوں کہہ رہی ہے؟ کیسا محبت بھرا انداز ہے اس کا۔ ایسا لگتا ہے جیسے مجھے عرصے سے جانتی ہو۔ مگر ہے کون یہ؟ اور یہ جگہ کون سی ہے؟ یا خدا! یہ خواب ہے یا عالم بیداری.....

ابھی وہ بیٹھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ دروازے میں ایک جھری پیدا ہوئی اور ایک خوبصورت سی لڑکی نے اندر جھانکا۔ چمکتا ہوا سفید رنگ، بھورے بال، حسین نقوش، آنکھوں میں شوخی۔ ایک بار پھر ہنسی سنائی دی اور وہ اندر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے پانی سمپورنی کے چہرے پر اچھال دیا اور سمپورنی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پانی بہت ٹھنڈا تھا اور اس کا چہرہ اور سینہ بھیگ گیا تھا۔ وہ جلدی سے مسہری سے نیچے آ کھڑی ہوئی تو لڑکی نے قہقہہ لگاتے ہوئے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی اور برق رفتاری سے باہر نکل گئی۔

سمپورنی کو سردی لگ رہی تھی۔ لیکن لڑکی کا چہرہ، اس کا شرارت بھرا انداز اسے بہت پسند آیا تھا اور وہ یہ سوچ رہی تھی کہ آخر یہ قصہ کیا ہے؟ دیکھوں تو سہی، کہاں پہنچ گئی ہوں میں.... اسے سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ ماضی، درشنا اور اس کے بعد پیپل کا درخت۔ لیکن اب یہاں یہ جگہ اور خاص طور سے ان لوگوں کا انداز...... وہ اسے بار بار مالتی کہہ کر پکار رہے تھے۔ یہ نام انہیں کہاں سے ملا؟ اور کیوں انہوں نے اسے مالتی کہہ کر پکارا؟.... سمپورنی بہت دیر تک سوچتی رہی اور اس کے بعد دروازے سے باہر نکل آئی۔

سامنے صحن تھا۔ باتھ روم کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے قدم اس طرف اٹھ گئے اور وہ اس پرانے طرز کے بنے ہوئے باتھ روم میں داخل ہو گئی۔ دروازہ بند کیا اور کپڑے اتارے..... یہ کپڑے تو اس نے خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ یہ کپڑے اسے کس نے پہنائے؟ ہائے رام! اس کا مطلب ہے کہ بہت کچھ ہو چکا ہے..... بہت کچھ..... بڑا وقت گزر چکا ہے۔ اور یہ سب.....نجانے کہاں سے وہ یہاں تک پہنچ گئی۔

اس کا دماغ بری طرح چکرا رہا تھا۔ سر پر پانی گر رہا تھا کہ باہر سے آواز سنائی دی۔

"کون ہے اندر؟ باہر آؤ بھئی....."

"میں ہوں..... مالتی...." سمپورنی نے منہ سے نکالا۔ لیکن وہ جو کچھ بولی تھی، اس سے خود بھی حیران رہ گئی تھی۔ بہرحال اس نے کہا۔ "ابھی آ رہی ہوں۔ کون ہے؟" لیکن جواب نہیں ملا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ باہر نکل آئی تو ایک آواز اُبھری۔ "چلو! ناشتہ لگ گیا ہے۔ جلدی کرو۔" یہ اطلاع دینے والی کالی سی شکل وصورت کی ایک عورت تھی جس نے دھوتی باندھی ہوئی تھی۔

بہرحال یہ جو کچھ بھی ہوا ہے، اسے جاننے کے لئے وقت درکار ہوگا۔ یہ لوگ جس طرح اور جس انداز میں پیش آ رہے ہیں اس سے صاف احساس ہوتا ہے کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ کوئی بڑی غلط فہمی مجھے یہاں لے آئی ہے۔ لیکن کتنا وقت ہوا ہے مجھے یہاں آئے ہوئے؟ اور کیا صورتحال پیش آئی ہے؟ یہ تمام باتیں اتنی آسانی سے تو نہیں معلوم ہوں گی.....

بہرحال اس کے بعد وہ بائیں ہاتھ کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ سامنے میز لگی ہوئی تھی اور اس پر ناشتے کا سامان سجا ہوا تھا۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور ناشتہ آگے سرکا لیا۔ اسے حیرانی ہو رہی تھی۔ اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ اس کے قدم اس کمرے تک کیسے اٹھے؟ اسے کیسے معلوم ہوا کہ ناشتہ کون سے کمرے میں لگا ہوا ہے۔ کالی عورت تو اسے صرف اطلاع دے کر چلی گئی تھی، لیکن وہ سیدھی اس کمرے میں آ گئی تھی۔ یہ سب کچھ اسے اجنبی کیوں نہیں لگ رہا؟ کیا ہے یہ سب کچھ؟

دماغ پر سناٹا چھایا ہوا تھا لیکن بہرحال دیکھنا تھا، سمجھنا تھا۔ جو لوگ اسے مالتی کہہ کر پکار رہے تھے، آخر کون ہیں؟ وہ عمر رسیدہ عورت کون ہے؟ اور یہ خوبصورت شریر لڑکی..... کچھ سمجھ

میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

اسی وقت وہ کالی عورت واپس آ گئی اور اس نے کہا۔ ''چائے رکھے رکھے ٹھنڈی ہوگئی تھی۔ اب گرم کر کے لائی ہوں۔ ارے...... تم نے ابھی تک ناشتہ کیوں نہیں کیا؟ دیکھو! اتنی دیر نہیں سوتے۔ بری بات ہے۔''

''میں کر رہی ہوں۔'' سمپورنی آہستہ سے بولی اور ایک بار پھر دل میں چونک پڑی۔ وہ سوچنے لگی کہ کیا یہ عورت اس کی کچھ مدد کر سکتی ہے؟

''کچھ اور لاؤں تمہارے لئے؟'' عورت نے پوچھا۔

''نن...... نہیں!''

''وہ ماما جی آئے ہیں۔ جب بھی آ جاتے ہیں، سارے گھر کو سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ یہ لاؤ، وہ لاؤ...... یہ کرو...... وہ کرو۔ بس ناک میں دم کر رکھا ہے انہوں نے۔ دیکھو! اگر تمہیں کوئی اور چیز چاہئے تو مجھے بتا دینا۔ اچھا! چلتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، کیا نہ کرے۔ بہرحال بہتر یہ تھا کہ ناشتہ ہی شروع کر دے۔ لیکن ناشتہ کرتے ہوئے بھی ذہن میں مختلف خیال آتے رہے اور وہ سوچتی رہی کہ آخر یہ ہوا کیا ہے؟ پھر اس سلسلے میں اس نے اپنے علم کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔

اسی رات جب یہ پورا گھرانہ سو گیا تو اس نے ایک گوشے کو اپنا کر وہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں اور اسے رفتہ رفتہ یہاں کے حالات معلوم ہونے لگے۔ عمر رسیدہ خاتون کا نام مایاوتی تھا۔ مایاوتی ایک دولت مند بیوہ تھیں اور انہوں نے اپنے گھر میں بہت سے لوگ پال رکھے تھے۔ سمپورنی بھی انہیں نیم دیوانگی کے عالم میں پیپل کے اس درخت کے نیچے ملی تھی اور وہ سمپورنی کو اپنے ہاں اٹھا لائی تھیں۔ سمپورنی اپنے ہوش و حواس کھو چکی تھی۔ اسے یاد نہیں رہا تھا کہ وہ کون ہے؟ یہاں آنے کے بعد بھی وہ اپنے آپ کو بھولی رہی۔ وہ اپنا نام تک بھول گئی تھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے اسے مالتی کا نام دیا اور یہاں اس نے کافی وقت گزارا۔ اسی عمل کے دوران اسے معلوم ہوا کہ اس کی نحوست اس گھر کو بھی برباد کر سکتی ہے چنانچہ اسے یہ گھر چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ علم سمپورنی کو تمام تفصیل بتا رہا تھا اور سمپورنی چونک پڑی تھی۔ کسی گھر کو برباد کرنے کا اسے کوئی شوق نہیں تھا۔ اپنی ذات کے لئے کسی کو تکلیف دینا تو دنیا کا سب سے برا کام ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس

گھر کو رات و رات چھوڑ دے گی۔

اس رات تو یہ نہ ہو سکا۔ دوسرا دن اس نے ان لوگوں کے درمیان بڑی ہنسی خوشی گزارا۔ اس نے اپنے ساتھ ہر ایک کا رویہ دیکھا۔ اسے افسوس ہوا کہ اتنے اچھے لوگوں کا ساتھ چھوڑنا پڑ رہا ہے۔ لیکن یہ ضروری تھا۔ چنانچہ رات کو بارہ بجے کے بعد جب سارا ماحول نیند کی آغوش میں پہنچ گیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور وہاں سے چل پڑی۔ نہ کوئی منزل تھی، نہ کوئی نشان...... حالانکہ اس کے ساتھ اس کی قوتیں تھیں۔ اگر چاہتی تو اپنے لئے رانیوں جیسی زندگی مہیا کر سکتی تھی۔ لیکن یہی ہوتا ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے جب انسان اپنے لئے کچھ نہیں کر پاتا اور دوسروں کو کائنات کی ہر خوشی دے دیتا ہے۔

سمپورنی خود سے بیگانہ چلتی رہی۔ ساری رات گزر چکی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ کہاں سے کہاں نکل آئی ہے۔ سارا دن ویرانوں میں ہی گزرنے والا تھا۔ سورج چڑھنے تک وہ چلتی رہی۔ پھر اسے شدید تھکن کا احساس ہوا۔ اس نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں۔ بائیں سمت وسیع و عریض علاقے میں کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ ٹوٹی پھوٹی پیلی دیواریں جیسے چیخ چیخ کر اسے اپنی جانب بلا رہی تھیں۔ سمپورنی کے قدم اس جانب اٹھ گئے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کھنڈرات تک پہنچ گئی اور وہاں اسے تھوڑا سکون محسوس ہوا۔

ہر طرف ایک پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سمپورنی ایک ایسی جگہ صاف ستھرے فرش پر لیٹ گئی جو بے حد ٹھنڈی اور پرسکون تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک حسین دوشیزہ جوانی کے خمار میں ویران کھنڈر میں لیٹی ہوئی زمین پر دراز تھی۔ دیکھنے والی پر ہوس آنکھ اگر اسے یہاں دیکھ لیتی تو زندگی لٹانے پر تل جاتی یہ معلوم کئے بغیر کہ ویرانوں میں بسنے والے عام لوگ نہیں ہوتے۔ اور سمپورنی بھی عام نہیں تھی۔ ایسی ہی نادانیاں دردناک کہانیوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں اور قصہ بن جاتی ہیں۔ لیکن یہاں اس ویرانے میں ایسا کوئی موجود نہیں تھا جو سمپورنی کو اس عالم میں دیکھ کر کسی خاص احساس کا شکار ہو۔

یہ سمپورنی ہی کا خیال تھا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد اس خیال کی تردید ہوگئی۔ ایک آہٹ اُبھری تھی۔ ایک ایسی آہٹ جس نے سمپورنی نے پہچان لیا کہ انسانی قدموں کی چاپ ہی ہے۔ اس نے گردن اٹھا کر دیکھا اور اچانک ہی اسے ایک دہشت ناک چیخ سنائی دی۔ کوئی خوفزدہ ہو کر ایک کمرے میں گھس گیا تھا۔ چیخ کی آواز مردانہ تھی۔ سمپورنی شدید

حیران ہوگئی۔ اپنی جگہ سے اٹھی۔ کمرے کے دروازے پر پہنچی تو اندر سے ایک خوفزدہ آواز آئی۔ ''نہیں..... ہرگز نہیں..... تم..... تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں..... تم..... تم میرا کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تم جونک ہو..... خون چوسنے والی جونک..... دیکھو..... میرے قریب آئیں تو میں تمہیں ہلاک کر دوں گا..... جان سے مار دوں گا تمہیں.....''

سمپورنی اندر داخل ہوگئی۔ پھر اس نے خوفزدہ نوجوان کا چہرہ دیکھا تو اس پر دیوانگی سوار ہوگئی۔ یہ چہرہ درشنا کا تھا..... سو فیصدی درشنا کا چہرہ تھا یہ..... وہ درشنا جس کی نوچی ہوئی لاش اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''ناممکن..... ناممکن.....''

''تم..... تم کون ہو؟ بھاگ جاؤ یہاں سے..... جونک آنے والی ہے..... جونک.....''

''درشنا.....'' سمپورنی کی آواز اُبھری۔

''نہیں! میرا نام روپ کمار ہے۔ تم..... تم..... مگر تم.....''

''ہوش و حواس قائم کرو۔ میرے ساتھ باہر آؤ۔ اگر کسی سے خوفزدہ ہو تو میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ آؤ..... باہر آؤ۔''

نوجوان کے انداز میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی۔ سمپورنی حیران تھی۔ بہرحال نوجوان باہر نکل آیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تم..... تم واقعی وہ نہیں ہو..... پھر تم کون ہو؟''

''میرا نام سمپورنی ہے..... مگر..... تم درشنا نہیں ہو؟''

''مم..... میں کسی درشنا کو نہیں جانتا۔ میرا نام روپ کمار ہے۔''

''آہ..... شاید..... خیر! چھوڑو۔ مگر روپ کمار! تم کون ہو؟''

''آپ واقعی جونک نہیں ہیں؟''

''کیسی جونک؟ کون سی جونک؟''

''بس! کیا بتاؤں آپ کو..... میں عجیب و غریب مصیبت کا شکار ہو چکا ہوں۔ ایک جگہ نوکری کرتا ہوں۔ کمپنی کے مالکان نے مجھے ایک اجنبی راستے پر بھیجا۔ کمپنی ہی کا کوئی کام تھا اور میں کمپنی کے کام سے رتنا گڑھی جا رہا تھا۔ پہلی بار میں نے یہ سفر کیا تھا اور وہ بھی ایسے وقت جب شام کے سائے جھک گئے تھے اور آہستہ آہستہ سفر کرتے ہوئے مجھے رات ہوگئی تھی۔ جس راستے پر میں جا رہا تھا، یہ تمام راستہ حد درجہ ویران، سنسان اور دلدلی میدانوں

پر مشتمل تھا۔ رات بھی معمول سے زیادہ سرد اور تاریک تھی۔ میں اپنی دھن میں مست موٹر سائیکل اڑائے رتنا گڑھی کی طرف چلا جا رہا تھا۔ دفعتاً میں نے محسوس کیا کہ موٹر سائیکل کی رفتار خود بخود دھیمی پڑ رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہانپنے لگی اور آگے چلنے سے انکار کر دیا۔ میں نے موٹر سائیکل سے اتر کر اس کا معائنہ کیا اور یہ معلوم کر کے دل دھک دھک کرنے لگا کہ پٹرول کی ٹینکی تقریباً خالی ہو چکی ہے۔ اس میں دراصل ایک ننھا سا سوراخ تھا جس میں سے پٹرول ٹپک ٹپک کر تمام راستے گرتا آیا تھا۔ میں نے جلدی سے چیونگم کی گولی چبا کر اس کا ربڑ اس سوراخ پر لگایا تاکہ جو تھوڑا سا پٹرول بچ رہا ہے، وہ ضائع نہ ہو۔ میری بدقسمتی دیکھئے کہ فالتو پٹرول کا ڈبہ جو میں ہمیشہ ایسے سفر میں ساتھ رکھتا ہوں بالکل خالی تھا۔ حالانکہ میں نے گیراج والوں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ یہ ڈبہ پٹرول سے بھر دیں۔ مگر وہ بھول گئے تھے۔

بھگوان کا نام لے کر میں نے موٹر سائیکل دوبارہ سٹارٹ کی۔ میں اس ویران علاقے سے بہت جلد نکل جانے کے لئے بے چین تھا۔ مگر کیا معلوم تھا کہ قسمت کو کچھ اور ہی منظور ہے۔ ابھی میں بمشکل پون میل ہی گیا تھا کہ موٹر سائیکل نے پھر چلنے سے جواب دے دیا۔ آپ شاید میری وحشت اور پریشانی کا اندازہ نہ کر سکیں جو اس وقت مجھ پر طاری ہوئی۔ میرے اندازے کے مطابق نزدیکی گاؤں کم از کم چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ میں نے جیبی گھڑی نکال کر وقت دیکھا۔ چمکتی ہوئی سوئیوں نے بتایا کہ رات کے پورے دس بجے ہیں۔

میرے چاروں طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ہوا میں خنکی لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے پناہ کے لئے کوئی مکان یا کسی کسان کی جھونپڑی تلاش کرنے کی کوشش کی، مگر اس ہولناک سناٹے کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں سے اس ویرانے میں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ دھند کا ایک گہرا ادل ہے جو چاروں طرف سے مجھے اپنے حلقے میں لینے کے لئے آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا ہے۔ مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس دھند کو دیکھ کر میری وحشت اور اضطراب میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اب کیا کروں اور کدھر جاؤں۔ ایک ہولناک سناٹا میرے گرد و پیش پر طاری تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے میں صدیوں پرانے کسی قبرستان میں کھڑا ہوں۔

آخر دھند نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور میں نے یوں محسوس کیا جیسے کسی نادیدہ آسیبی قوت نے میرے اعصاب سلب کر لئے ہیں۔ آپ یقین کیجئے کہ اپنے دوستوں کے حلقے میں مجھے بزدل نہیں سمجھا جاتا اور کئی مرتبہ مختلف ڈراؤنے واقعات کے مراحل سے گزر چکا ہوں۔ لیکن اس دھند میں اپنے آپ کو مقید پاتے ہوئے مجھے یہ یقین ہو رہا تھا کہ اس میں کسی آسیبی قوت کا دخل ضرور ہے اور میری چھٹی حس مجھے یہ بتاتی تھی کہ یہ قوت میرے قریب ہی کہیں موجود ہے۔

پھر میں نے اپنے کندھوں پر ایک زبردست دباؤ محسوس کیا اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ جیسے یہ نادیدہ آسیبی قوت مجھے ایک طرف بڑھنے پر مجبور کر رہی ہے۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ اس طرف نہ جاؤں، لیکن بے بس تھا۔ ایک بے جان لاش کی مانند گھنی خاردار جھاڑیوں کی طرف بڑھنے لگا جن کے درمیان دروازے کی شکل وصورت کا ایک وسیع شگاف مجھے قریب جانے پر دکھائی دینے لگا۔ جونہی میں اس شگاف میں داخل ہو کر دوسری طرف نکلا، میرے کندھوں پر رکھا ہوا ناقابل برداشت بوجھ فوراً دور ہو گیا۔ شاید اس آسیب نے اب میرا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ گہری دھند جسے دیکھ کر دہشت طاری ہوتی تھی، آہستہ آہستہ فضا میں تحلیل ہو کر غائب ہو گئی۔

میں نے اب چاروں طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ اور پھر میرا دل جیسے خوشی اور مسرت سے ناچ اٹھا۔ اس ویرانے میں پناہ لینے کے لئے آخر ایک مکان دکھائی دے ہی گیا۔ سرائے کی طرز کا ایک بہت قدیم مکان تھا جس کے چاروں طرف خود رو جھاڑیاں اور لمبی گھاس کثرت سے اُگی ہوئی تھی۔ امتداد زمانہ کے باعث اس سرائے کی دیواروں کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا، یا گھپ اندھیرے میں مجھے سیاہ ہی نظر آیا۔ بہر حال! بے چارگی اور مصیبت کے وقت اس سرائے نما مکان کا دکھائی دینا میرے لئے سمندر میں روشنی کے مینار سے کہیں زیادہ اہم تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ مکان ضرور آباد ہو گا اور بے شک رات کافی ہو چکی ہے مگر مکان کا مالک یا جو کوئی بھی اس میں رہتا ہے، ایک اجنبی کے لئے دروازہ کھولنے میں کوئی ناراضگی محسوس نہ کرے گا۔ اور عین ممکن ہے کہ اس تھکے ماندے اور بھوکے پیاسے مسافر کو کھانا بھی کھلا دے۔

یہ خیال آتے ہی گرم گرم چائے، ابلے ہوئے انڈوں وغیرہ کی تصویریں میری نظروں

کے سامنے رقص کرنے لگیں۔ مجھے اپنے آپ پر ہنسی آئی۔ چند منٹ پہلے مجھ پر دہشت اور خوف کی جو زبردست کیفیت طاری تھی، وہ اب سکون اور اطمینان میں بدل چکی تھی۔ انسان کی فطرت بھی عجیب ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والی اس تاریکی میں سرائے کا راستہ تلاش کرنا بھی کارے دارد تھا۔ پھر قدم قدم پر خاردار جھاڑیاں۔ لیکن جلد ہی مجھے سرائے کو جانے والا راستہ نظر آ گیا۔

قریب پہنچ کر اس عمارت کے دھندلے نقوش واضح طور پر دکھائی دینے لگے۔ دور سے یہ چھوٹی دکھائی دیتی تھی مگر اصل میں یہ عظیم عمارت تھی۔ اس کے بلند دروازے پر کچھ لکھا ہوا تھا، جو میں کوشش کے باوجود نہ پڑھ سکا۔ اونچے اونچے درختوں کے ایک زبردست جھنڈ نے اس عمارت کو اپنے حلقے میں لے رکھا تھا۔ ایک عجیب بات میں نے دیکھی کہ عمارت کے چاروں طرف وہی پراسرار دُھند پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن یہ دُھند اپنی جگہ پر رُکی ہوئی تھی۔ میں نے پوری دلجمعی کے ساتھ دروازے پر زور سے دستک دی اور ایک لمحے تک انتظار کیا کہ شاید دروازہ کھلے۔ مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ تب میں نے کئی مرتبہ اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

اندھیرے میں اتنی دیر تک چلتے رہنے کے باعث میری آنکھیں گردوپیش کی اشیاء بخوبی دیکھنے پر قادر ہو چکی تھیں اور میں حیران تھا کہ عالی شان عمارت کا مالک یا تو نہایت بے پرواہ قسم کا آدمی ہے یا اسے اپنے گوشہ قناعت ہی سے نکلنے کا موقع نہیں ملتا کہ اس کی حالت درست کرنے پر توجہ دے۔ دفعتاً میری نگاہ عمارت کی پیشانی پر لگے ہوئے ایک بڑے سے سفید پتھر پر پڑی جس پر چند الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ شاید اس پتھر پر سرائے کا نام لکھا ہوا ہے، لیکن بغور دیکھنے سے پتہ چلا کہ اس پر عجیب مضحکہ خیز الفاظ تھے۔ ''یہاں آپ کا سفر ختم ہوتا ہے۔'' میں سوچتا رہا آخر ان الفاظ کا مطلب کیا ہے؟ مگر سوائے اس کے اور کچھ سمجھ نہ آیا کہ پہلے پہل جس شخص نے یہ سرائے بنوائی وہ کوئی بڑا خوش مزاج اور زندہ دل قسم کا آدمی ہو گا۔

ابھی میں اس پر غور کر ہی رہا تھا کہ دفعتاً میرے کانوں میں ایسی آواز آئی جیسے مکان کے اندر کوئی شے حرکت کر رہی ہو۔ پھر دائیں ہاتھ کی اونچی کھڑکی کی درزوں میں سے روشنی کی ہلکی ہلکی کرنیں دکھائی دیں اور فوراً یہ روشنی غائب ہو گئی۔ شاید کوئی شخص دروازہ کھولنے آ رہا

تھا، لیکن یہ سوچ کر کہ دستک دینے والا واپس چلا گیا ہے..... بتی بجھا کر اپنے بستر پر لیٹ گیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے دروازے کو پیٹنے ہی والا تھا کہ مکان کے اندر پھر کسی کے ہولے ہولے چلنے پھرنے کی ہلکی آواز کانوں میں آئی۔ یہ آواز پیروں میں پہننے والے بھاری سلیپروں کے فرش پر گھسٹنے کی آواز سے ملتی جلتی تھی۔

آہستہ آہستہ یہ آہٹ مکان کے اندرونی حصے سے دروازے کی طرف آئی، ایک لمحے کے لئے رُکی اور پھر میں نے دروازے کی آہنی زنجیر کی دل خوش کن کھڑکھڑاہٹ سنی اور لکڑی کا بنا ہوا مضبوط اور بلند دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ دروازہ کھلا اور مجھے اپنے سامنے ایک آدمی کھڑا دکھائی دیا۔ اسے دیکھتے ہی میرے بدن میں خوف کی ایک جھرجھری سی دوڑ گئی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری ریڑھ کی ہڈی پر کسی نے برفانی انگلی رکھ ہو۔ وہ ایک پستہ قامت اور چھوٹے شانوں والا مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ اس کا گول چہرہ دودھ کی مانند سفید اور روشن تھا اور گنجی کھوپڑی اندھیرے میں چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔ گردن سے لے کر ٹخنوں تک اس نے سیاہ رنگ کے موٹے کپڑے کا چغہ پہن رکھا تھا۔ ان تمام عجیب باتوں کے علاوہ جس چیز نے میرے جسم پر لرزہ سا طاری کر دیا تھا وہ یہ تھی کہ اس شخص کے چہرے پر نہ بھنویں تھیں، نہ آنکھیں۔

اس عجیب و غریب شخص کی پشت پر میں نے ایک نوجوان اور بے حد خوبصورت عورت کو دیکھا جو قدیم طرز کا شمع دان ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ مرد جتنا بدصورت اور بد وضع تھا، عورت اتنی ہی حسین اور دلکش تھی۔ اس کا جسم سڈول اور سیاہ آنکھیں جن میں سمندر کی سی گہرائی تھی، بے پناہ چمکیلی تھیں۔ کالے لباس میں اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند دمکتا تھا۔

آہ...... میں اس کا چہرہ کبھی نہ بھول سکوں گا۔ مگر اس خوبصورت اور دلکش چہرے پر ایک شے ایسی تھی جسے دیکھتے ہی میرے دل میں اس عورت کے لئے نفرت اور کراہت کے شدید ترین جذبات پیدا ہو گئے۔ خدا جانے کیوں؟ اور وہ شے تھی اس کے ہونٹ..... شمع کی مدھم روشنی میں اس کے پتلے پتلے ہونٹ کبوتر کے خون کی مانند سرخ تھے جیسے وہ تھوڑی دیر پہلے کسی کا خون پی کر آئی ہو۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے دیکھتے ہی عورت کا چہرہ پہلے سے زیادہ روشن ہو گیا اور اس کی آنکھیں تارے کی مانند چمکنے لگیں۔ وہ مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ اس کی

نظروں کی تاب نہ لا کر میں نے فوراً اپنی نظریں پھیر لیں۔

ان دونوں کا جائزہ لینے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا۔ میں نے رُک رُک کر اپنا حال سنایا اور صرف ایک رات کے لئے مکان میں پناہ لینے کی درخواست کی۔ جتنی دیر میں بولتا رہا، وہ دونوں بے حس و حرکت کھڑے میری بات سنتے رہے۔ اور جب میں چپ ہوا تو ایک لمحہ انتظار کے بعد بغیر آنکھوں والے پراسرار مرد نے اپنی لمبی لمبی سفید انگلیاں آگے بڑھائیں اور میرے چہرے کو ٹٹولنے لگا۔ شاید وہ یہ اندازہ لگا رہا تھا کہ میں کوئی اٹھائی گیرا یا بدمعاش تو نہیں...... مگر فوراً اس حسین عورت نے جھک کر مرد کے کان میں آہستہ سے کہا۔

''کافی ہے..... اسے اندر آنے دو۔''

میں نے یہ فقرہ سن لیا، مگر سمجھ نہ سکا کہ ''کافی ہے'' سے اس عورت کی کیا مراد تھی؟ مرد ایک طرف ہٹ گیا اور مجھے مکان میں داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ اگرچہ میں اس مکان کی ہیئت، اس میں رہنے والے ان دو پراسرار افراد کی شکل و صورت، لباس اور انداز گفتگو سے کسی قدر سراسیمہ ہو گیا تھا۔ تاہم اب میرے لئے مکان میں داخل ہونے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ کیا میں اپنے آپ کو اس ویران اور دلدلی علاقے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا؟ اور صبح ادھر سے گزرنے والے سردی سے اکڑی ہوئی میری لاش پاتے؟

آخر کار میں اس مکان میں داخل ہوا۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ سفید چہرے والا پراسرار مرد کس طرف کو چلا گیا۔ البتہ عورت نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پہلی منزل کے ایک کمرے میں لے گئی۔ میں نے دیکھا کہ چلتے ہوئے اس کے پیروں سے ہلکی سی آہٹ بھی پیدا نہ ہوتی تھی۔ یہ عمارت دو منزلہ تھی اور اس میں بے شمار بڑے بڑے کمرے تھے۔ وہ مجھے جس کمرے میں لے گئی، شاید وہ خواب گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا کیونکہ میں نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا کہ کمرے کے ایک گوشے میں نہایت آرام دہ بستر موجود ہے اور وہ مسہری، جس پر بستر بچھا تھا فرش سے کئی فٹ اونچی اور اتنی بڑی تھی کہ اس پر بیک وقت چار پانچ افراد آسانی سے سو سکتے تھے۔

عورت کمرے میں داخل نہیں ہوئی بلکہ دروازے میں ہی رُک گئی۔ اس کے لبوں پر ایک عجیب پراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے گردن کے اشارے سے رخصتی سلام کیا اور واپس مڑنے ہی والی تھی کہ میں نے جلدی سے نہایت عاجزانہ انداز میں درخواست کی کہ کیا

کھانے کے لئے کچھ مل سکتا ہے؟

لیکن یہ درخواست بے کار ثابت ہوئی۔ کیونکہ عورت نے نفی میں گردن کو جنبش دی اور بجائے افسوس ظاہر کرنے کے اس کے سرخ سرخ لبوں پر مزید تبسم چھا گیا۔ یہاں تک کہ مجھے اس کے سفید سفید چمکیلے دانت دکھائی دیئے جو غیر معمولی طور پر لمبے اور نوکیلے تھے۔ پھر اس نے دروازہ بند کیا اور چلی گئی۔ اب میں کمرے میں تنہا تھا۔ میں نے کمرے میں چاروں طرف گھومتی ہوئی نظر ڈالی۔ یہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا۔ ایک گوشے میں ہاتھ منہ دھونے کی ایک چھوٹی سی میز لگی ہوئی تھی جس کے قریب ہی چند تولئے لٹک رہے تھے۔ جنوبی دیوار کے ساتھ ساتھ پرانی طرز کی کئی بڑی بڑی کرسیاں بھی ایک قطار میں رکھی تھیں اور اس کے مقابل کی دیوار کے ساتھ شاہ بلوط کی لکڑی سے بنی ہوئی ایک بے حد مضبوط اور بھاری الماری کھڑی تھی۔ مسہری کا ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔

کمرے کی مغربی دیوار کے کونے میں ایک ہی کھڑکی تھی جو مجھے بند دکھائی دی اور اسی طرف وہ دروازہ تھا جس سے میں کمرے میں داخل ہوا تھا۔ بستر کے قریب کونے میں تانبے کا بنا ہوا ایک نہایت وزنی اور کئی فٹ اونچا لیمپ بھی پڑا تھا جس پر گرد کی موٹی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ زرد روشنی میں کمرے کی یہ تمام چیزیں مجھے ایک خواب کی مانند دکھائی دے رہی تھیں۔ مشرقی دیوار کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔ البتہ ایک چھوٹا سا دروازہ ضرور دکھائی دیا جس میں قفل لگا ہوا تھا۔ میں نے ایک سوراخ میں سے جھانک کر دیکھنے کی کوشش کی، مگر کچھ دکھائی نہ دیا کہ اس کمرے میں کیا ہے کیونکہ وہاں بہت اندھیرا تھا۔

شدید تھکن کے باعث میرا سارا جسم ٹوٹ رہا تھا اور میرے کپڑے خاک، دھول میں اٹ گئے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر اس وقت گرم گرم پانی سے نہا لوں تو کیا ہی اچھا ہو۔ مگر افسوس کہ یہاں نہانے کا انتظار نہیں۔ میں نے سونے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اپنا کوٹ اُتارا۔ تب مجھے پھر اس حسینہ کا خیال آیا جو مجھے اس کمرے میں پہنچا گئی تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا..... سمجھ میں نہیں آتا، آخر ایسی حسین اور جوان عورت اس اندھے مرد کے ساتھ اس ویران مکان میں کیوں ہے؟ اور وہ آدمی تو مجھے اس دنیا کی مخلوق ہی معلوم نہیں ہوتا۔ ضرور کوئی بدروح ہے۔ مگر اس بدروح کے ساتھ اس عورت کا کیا تعلق.....؟

جسم کے ساتھ میرا ذہن بھی تھک گیا تھا۔ اس لئے میں اپنے ہی سوال کا کوئی تسلی بخش

جواب نہ دے سکا۔ البتہ میں نے یہ طے کر لیا کہ صبح ضرور اس عورت سے اس معمے کا حل دریافت کرنے کی کوشش کروں گا۔ بستر پر لیٹتے ہوئے ایک دفعہ پھر میرے دل میں گرم گرم غسل کی زبردست خواہش پیدا ہوئی۔ تب مجھے یاد آیا، ممکن ہے وہ چھوٹا سا دروازہ جس میں قفل لگا ہے، کسی غسل خانے کا دروازہ ہو۔ اسے کسی ترکیب سے کھولنا چاہئے.....

میں بستر سے اٹھ کر اس دروازے کے قریب گیا اور دروازے کا بغور معائنہ کیا۔ پھر ہاتھوں کی پوری قوت سے اسے کھولنے کی کوشش کی مگر اس میں اندر کی طرف قفل لگا تھا۔ میں ہمیشہ کئی قسم کی چابیوں کا گچھا اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ میں نے کوٹ کی جیب سے یہ گچھا نکالا اور باری باری ہر چابی تالے کے سوراخ میں آزمانے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ کوشش آخر کار بار آور ثابت ہوئی اور ایک چابی سے تالا کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی دل خوش ہو گیا کیونکہ یہ واقعی غسل خانہ ہی تھا۔ مگر تھا بے حد غلیظ۔ نہ معلوم کتنے عرصے سے اس میں صفائی نہیں ہوئی تھی۔ چونکہ کمرے میں جلتے لیمپ کی مدھم روشنی غسل خانے تک پہنچنے کے قابل نہ تھی اس لئے میں نے یہاں موم بتی تلاش کرنا چاہی، مگر آپ کو معلوم ہے کہ انسان کو وقت پر وہی شے نہیں ملتی جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے سوچا لعنت بھیجو! اگر روشنی نہ سہی تو کیا غضب ہو جائے گا؟ کیا غسل اندھیرے میں نہیں کیا جا سکتا؟

یہ سوچ کر میں نے ٹینکی میں لگی ہوئی ٹونٹی کھول دی۔ نہایت مدھم روشنی میں، میں نے دیکھا کہ ٹونٹی میں سے پانی کی پتلی سی دھار نکل کر غسل خانے کے بڑے ٹب میں گری۔ مگر..... آہ..... کیسا پانی؟ گدلا اور سیاہ رنگ کا..... جس میں سے خون کی بو آ رہی تھی۔ پھر پانی کی ٹینکی اور لوہے کے پائپوں میں سے خرخر کی عجیب آواز نکلنے لگی۔ اب میں نے نہانے کے ٹب پر نظر ڈالی۔ یہ بھی قدیم طرز کا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے صدیوں سے اسے کسی نے استعمال نہیں کیا۔

پہلے تو میں نے سوچا، نہانے کا ارادہ ترک کر دینا چاہئے۔ مگر کپڑے اتار چکا تھا۔ لہٰذا طے کیا کہ کم از کم ہاتھ پیر ہی صاف کر لوں جو بے حد گرد آلود تھے۔ پس میں نے پتلون اور جرابیں بھی اتار ڈالیں اور اپنے بستر پر رکھ کر واپس غسل خانے میں آ گیا۔ میرے دل سے اب اس مکان کی ویرانی اور بدروحوں کا سارا خوف دور ہو چکا تھا۔ میں خوشی سے سیٹی بجاتا ہوا پانی کے ٹب میں بیٹھ گیا۔ میرے سر پر پانی کی پتلی سی دھار پڑنے لگی۔

مگر دفعتاً میرا سانس جہاں تھا، وہیں رُک گیا..... خدا کی پناہ..... یہ کیا چیز تھی جو میرے بدن پر چپک رہی تھی۔ میں نے غور سے ٹب میں دیکھا..... اور پھر میری روح کھینچ کر حلق میں آ گئی..... کیا دیکھتا ہوں کہ ٹب کے نیچے اور چاروں طرف کناروں پر تازہ تازہ خون کی گہری تہہ جمی ہوئی تھی۔ میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور میں اُچھل کر ٹب میں سے باہر نکلا..... اور پھر مجھے کچھ خبر نہیں رہی کہ میں کہاں ہوں۔

نہ جانے میں کتنی دیر بے ہوش رہا۔ شاید دس یا پندرہ منٹ۔ جب ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو اسی مکروہ اور غلیظ ٹب کے پاس پڑے ہوئے پایا۔ میرے ہاتھوں اور پیروں پر خون جم کر سخت ہو گیا تھا۔ مجھے فوراً احساس ہو گیا تھا کہ یہ خون حیوانی نہیں، انسانی ہے۔ اس اچانک اور لرزہ خیز دریافت نے میرا ذہن قطعی ماؤف کر دیا تھا۔ چند لمحے تک میں سر پکڑے اسی طرح بیٹھا رہا۔ ایک ویران مکان کے اندر آدھی رات کو انسانی خون سے بھرے ہوئے ٹب میں غسل کرنے کا حادثہ اتنا بھیانک اور دہشت انگیز تھا کہ اس نے میری تمام ذہنی و جسمانی قوتیں سلب کر لی تھیں۔ میں اسے ایک وہم یا خواب سے زیادہ اہمیت نہ دیتا، اگر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے میرے بدن پر نہ چمٹے ہوتے۔ مگر یہ خون اس امر کی شہادت دیتا تھا کہ میرے ساتھ حقیقتاً ایسا معاملہ پیش آیا ہے۔

چند منٹ بعد جب میرے اعصاب کچھ پُرسکون ہوئے تو میں اٹھا اور کمرے میں جا کر تولئے سے ہاتھ پیروں پر جما ہوا خون بمشکل صاف کیا۔ بلا شبہ یہ انسانی تھا اور بالکل تازہ..... اب میں نے سوچنا شروع کیا کہ یہ خون کہاں سے آیا اور جو بدنصیب مارا گیا ہے، اس کی لاش کہاں چھپائی گئی ہے؟

بستر پر کبڑا بنا ہوا میں خدا جانے کتنی دیر تک اسی فکر میں گم رہا..... شاید پانچ یا دس منٹ..... مگر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ایک زمانہ بیت گیا تھا۔ دہشت سے میرے جسم کا ہر رونگٹا کھڑا ہو گیا تھا اور دل دھک دھک کر رہا تھا۔ میں نے اپنے کپڑے دوبارہ پہنے، کیونکہ اب آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی تھی اور ایک ایسی بھیانک جگہ، جہاں انسانی خون بکھرا ہوا ہو، کسی شخص کا سونا قطعی ناممکن تھا۔ بھگوان ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کون بدنصیب تھا جس کا خون بہایا گیا تھا اور کس نے بہایا تھا..... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی قوی الجثہ جونک نے اس کا خون چوسا ہو اور پھر اس ٹب میں خارج کر دیا ہو۔

''جونک.....'' بجلی کی مانند میرے ذہن میں یہ خیال چمکا اور پھر اس سفید چہرے والے اندھے کی بھیانک شکل آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی۔ مجھے کمرہ گھومتا ہوا نظر آیا۔ ہے بھگوان..... کیا اس کی شکل جونک سے مشابہت نہیں رکھتی.....؟ خون سرد ہو کر میری رگوں میں جمنے لگا۔ اس عفریت کا اگلا شکار کون ہو گا؟ میرا بدن خشک ٹہنی کی مانند کانپنے لگا۔ میں اٹھا اور لپک کر کھڑکی کی طرف بڑھا اور اسے کھولنے لگا۔ فرار کا یہی ایک راستہ تھا۔ پوری قوت کے ساتھ میں نے کھڑکی کے دونوں پٹ کھولے..... مگر آہ! اس راستے سے باہر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ اوپر کی چوکھٹ سے لے کر نیچے کی چوکھٹ تک کھڑکی میں ڈیڑھ انچ موٹی چھ آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں جنہیں شاید ہرکولیس بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ دے سکتا۔ وہاں سے میں دروازے کی طرف لپکا..... مگر بے سود..... دروازہ باہر سے مقفل تھا۔ اب میں دروازے کے قریب کھڑا اس سوچ میں غرق تھا کہ فرار ہونے کے لئے کیا طریقہ اختیار کروں؟

دفعتاً مکان میں پھر کسی کی نقل و حرکت کی ہلکی سی آواز کانوں میں آئی، جیسے کوئی دبے پاؤں چل رہا ہو۔ یہ آواز آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ میرے کمرے کے دروازے کے باہر پہنچ کر یک لخت تھم گئی۔ میں دہشت سے آنکھیں پھاڑے دروازے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر میں نے دروازے کے باہر قفل میں چابی گھمانے کی آواز سنی۔ پھر میری طرف دروازے میں لگا ہوا گول دستہ آہستہ آہستہ گھومنے لگا اور دروازہ بغیر آہٹ پیدا کئے دو تین انچ کے قریب کھل گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کے فرش نے میرے پیر جکڑ لئے ہیں اور میں کوشش بھی کروں تو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا۔

میرا کلیجہ اُچھل کر حلق میں آ گیا تھا اور مفلوج جسم پسینے سے تر ہو رہا تھا۔ آہ..... وہ ہیبت ناک اور بھیانک خاموشی مجھے ساری عمر یاد رہے گی۔ خوف سے میرے دانت بجنے لگے تھے۔ غسل خانے کی ٹنکی میں سے پانی قطرہ قطرہ ٹب میں گر رہا تھا اور اس کی آواز بڑی ڈراؤنی تھی۔ دروازہ تھوڑا سا اور کھلا اور میں پوری قوت جمع کر کے چلایا۔ ''جاؤ..... یہاں جو کوئی بھی ہے فوراً چلا جائے.....''

یہی الفاظ تھے جو میرے حلق سے ایک باریک اور لرزتی آواز بن کر بمشکل ادا ہوئے تھے۔ پھر میں نے پاگلوں کی طرح کھلے ہوئے دروازے پر اپنا پورا بوجھ ڈال کر اسے زور

سے بند کر دیا۔ دروازے کے باہر قدموں کی چاپ ایک مرتبہ پھر سنائی دی، جو آہستہ آہستہ دور ہوئی اور پھر غائب ہوگئی۔ میں دروازے کے ساتھ چمٹا ہوا بری طرح ہانپ رہا تھا۔ جب میں نے پورا اطمینان کرلیا کہ باہر کوئی نہیں ہے تو میں نے دروازہ کھولنا چاہا، مگر وہ باہر سے بند تھا۔

میں اب ہر قیمت پر یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ کیسے؟ عین ممکن تھا وہ خون آشام جونک جو انسانی شکل میں تھی دوبارہ اس طرف رُخ کرتی۔ دفعتاً میری نظر کمرے میں رکھی ہوئی لکڑی کی بھاری الماری پر پڑی۔ میں نے سوچا..... یہ الماری دروازے کے ساتھ لگا دینی چاہئے..... میں نہایت مشکل سے وہ بھاری الماری گھسیٹ کر دروازے کے قریب لایا اور اسے دروازے کے ساتھ ٹکا کر کھڑا کر دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر مجھے کچھ اطمینان ہوا کہ اس دروازے سے اب کوئی آسانی کے ساتھ نہیں آسکے گا۔ کمرے میں لیمپ بدستور جل رہا تھا۔ میں نے جیب سے گھڑی نکال کر دیکھی۔ پورے بارہ بجے تھے اور صبح ہونے میں کئی گھنٹے باقی تھے۔ میں اب بستر پر لیٹ گیا اور صبح کا انتظار کرنے لگا۔ مسہری بہت بڑی تھی اور اس کے چاروں طرف گہرے سبز پودے لکڑی کے بانسوں کے ساتھ لٹک رہے تھے اور مسہری کے اوپر چھت کے رُخ ایک بہت بڑا چھتر تھا جیسا کہ پرانے زمانے میں بستر کی خوبصورتی کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ میں بستر پر لیٹا اس خوبصورت سائبان کو دیکھنے میں محو تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک ایسی شے پر پڑی جسے دیکھ کر مجھے ہمیشہ کراہت ہوتی تھی۔

یہ ایک بہت بڑی مکڑی تھی جس نے میرے سر کے عین اوپر چھتر کے درمیان لگی ہوئی ایک لمبی اور نوکیلی آہنی سلاخ سے لے کر مسہری کے ایک کونے تک وسیع جالا تان رکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ چھتر کے درمیان لوہے کی یہ نوکیلی سلاخ شاید لالٹین یا لیمپ وغیرہ لٹکانے کے کام آتی ہوگی۔ مکڑی اب جالے کے عین درمیان میں بیٹھی مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں اسے دیکھتا رہا..... یہاں تک کہ میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔ سچ کہا جاتا ہے کہ نیند سولی پر بھی آجاتی ہے۔ میں نے آنکھیں کھلی رکھنے کی ہزار کوشش کی مگر بے سود..... اور چند لمحوں بعد میں بے خبر سو رہا تھا۔ دفعتاً میری آنکھ کھلی..... مجھے خوب یاد ہے کہ اس طرح کھلی کہ وہ بڑی مکڑی اپنے جالے سے گر کر میرے دائیں گال پر آن پڑی اور پھر رینگتی ہوئی گردن کی طرف بڑھی۔ میں دہشت زدہ ہو کر ایک طرف اُچھلا اور عین اسی لمحے چھتر میں سے لوہے کی بھاری نوکیلی سلاخ سنسناتی ہوئی نکلی اور بستر میں کھب گئی۔

اگر ایک سیکنڈ کی تاخیر ہو جاتی تو وہ سلاخ میرے سینے میں پیوست ہو چکی تھی۔ مگر اس مکڑی نے میری جان بچائی اور تب میں نے محسوس کیا کہ چھتر کے درمیان میں اس آہنی سلاخ کو لگانے کا اصل مقصد کیا ہے...... آہ! کسی بدنصیب کو حالت خواب میں قتل کرنے کی اس سے بہتر ترکیب اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ اب میں نے غور سے لوہے کی اس نوکیلی سلاخ کو دیکھا جو بستر میں گڑھی ہوئی تھی۔ اس کی بناوٹ بالکل نیزے کی تیز دھار انی کی مانند تھی اور غالباً لکڑی کی وہ چھڑی، جس میں انی کسی ترتیب سے لگائی گئی ہوگی، چھتر کے اندر ہی رہ گئی ہوگی۔ انی جب گری تو جالا ٹوٹ گیا اور یقیناً مکڑی کو پہلے سے پتہ چل گیا ہوگا کہ چھتر کی سلاخ میں جنبش ہو رہی ہے اور پھر مکڑی خوف زدہ ہو کر میری گردن پر آن گری اور میں نیزے کی انی سے ہلاک ہوتے ہوتے بچا۔

اب میں کمرے کے درمیان کھڑا سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت سے بچنے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً دروازے کے باہر میں نے پھر نقل و حرکت کی وہی پراسرار آواز سنی جو اس سے پہلے دو دفعہ سن چکا تھا۔ مگر فوراً ہی یہ ہلکی آواز غائب ہوگئی۔ مجھے خیال آیا..... شاید یہ وہم میرے اعصاب کے باعث پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ کئی لمحے تک میں سانس روکے اور دروازے سے کان لگائے یہی آواز دوبارہ سننے کی کوشش کرتا رہا۔ اور تب وہی آواز بلاشبہ سنائی دی..... مگر اس مرتبہ یہ آواز اس دیوار کے عقب سے آئی تھی جس کے ساتھ مسہری لگی ہوئی تھی اور یوں سنائی دیا جیسے دیوار کھرچی جا رہی ہو..... اس میں سے کوئی شے نکالی جا رہی ہو..... اور پھر کوئی بٹن دبائے جانے کا کھٹکا بھی سنائی دیا۔ میں نے گھوم کر اس طرف دیکھا..... آہستہ آہستہ دیوار میں ایک چھوٹا شگاف نمودار ہو رہا تھا جس میں سے شمع کی مدھم روشنی کی کرنیں کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔ میں نے پلک جھپکتے میں کمرہ عبور کیا اور جلتے ہوئے لیمپ کو گل کر دیا اور کوشش کی کہ دہشت سے اپنے اعصاب کو بچائے رکھوں۔ پھر میں لپک کر اس غسل خانے میں گھس گیا جہاں جاتے ہوئے روح فنا ہوتی تھی۔ میں دروازے کی اوٹ سے دیکھنے لگا کہ اب کیا واقعہ ظہور میں آتا ہے۔

میں نے دیکھا، دیوار میں نمودار ہونے والا شگاف آہستہ آہستہ اتنا چوڑا ہو گیا کہ ایک

آدمی اس میں سے بخوبی نکل سکتا تھا۔ پھر مجھے دو سفید ہاتھ دکھائی دیئے جو اس شگاف کو ٹٹول رہے تھے۔ دوسرے ہی لمحے بغیر آنکھوں والا وہ خبیث جو انسانی شکل میں تھا، کمرے میں داخل ہو گیا۔ ایک لمحے کے لئے وہ بے حس و حرکت کھڑا کان لگائے کچھ سنتا رہا۔ پھر فضا میں اِدھر اُدھر ہاتھ چلاتا ہوا بغیر آہٹ کے میرے بستر کی طرف بڑھا۔ پھر میں نے دیکھا، شگاف کے پیچھے وہی خوبصورت چڑیل ہاتھوں میں شمع دان لئے کھڑی ہے۔ اس کا چہرہ انگاروں کی طرح چمک رہا تھا اور شیطانی آنکھیں سرخ تھیں جنہیں دیکھ کر میں کانپ گیا۔ وہ آدمی اب بستر کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنا نرم ہاتھ بستر پر یوں پھیرا جیسے کچھ پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس کے ہاتھوں نے لوہے کی سلاخ کو چھوا اور فوراً یہ محسوس کر کے کہ جس لاش کو وہ ڈھونڈ رہا ہے، وہ اس بستر پر موجود نہیں، اندھا شیطان بلی کی طرح غرایا اور پیچھے ہٹا۔ اس کی آواز سن کر وہ چڑیل بھی کمرے میں آ گئی اور پہلی نظر ڈالنے کے بعد اسے بھی صورتحال کا صحیح اندازہ ہو گیا۔ تب اس نے مرد کا بازو پکڑتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''جلدی کرو...... غسل خانے میں.....''

یہ سنتے ہی وہ دبے پاؤں غسل خانے کی طرف بڑھا۔ اب وقت ضائع کرنا بیوقوفی تھی۔ مجھے ہر قیمت پر اپنی جان بچانی تھی۔ میں نے اس مختصر سے غسل خانے میں اوپر نیچے چاروں طرف دیکھا۔ ٹینکی کے اوپر کوئی شے چمکتی ہوئی نظر آئی۔ آہ! یہ تو کھلے آسمان پر ایک ستارہ چمک رہا تھا۔ میں پھرتیلی بلی کی طرح پائپ کے سہارے اوپر چڑھ گیا جس میں اتنا بڑا شگاف تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح اوپر چھت تک پہنچ سکتا تھا۔ اس شگاف تک پہنچنے میں میرا سانس پھول گیا۔ میں ایک لمحے کے لئے رُکا۔ شدید بدبو کا ایک ناگوار بھبھوکا مجھے اپنے نتھنوں میں گھستا محسوس ہوا۔ اتنی دیر میں وہ عورت اور مرد، دونوں غسل خانے میں داخل ہو گئے تھے۔ پہلے عورت نے ٹب میں جھانکا اور کمر سیدھی کر کے کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے مرد سے کچھ کہا۔

اب میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک تیز چمکتی ہوئی کلہاڑی بھی تھی۔ وہ نہایت بھیانک انداز میں چیخنے لگی۔ ''نیچے اُترو...... نیچے اُترو...... تمہیں اس کمرے میں رہنے کا معاوضہ ادا کرنا ہو گا۔''

جب میں نے کوئی حرکت نہ کی تو عورت کا وحشیانہ پن اُبھر آیا۔ اس نے ایک ہاتھ میں

پکڑی ہوئی شمع مرد کے ہاتھ میں پکڑائی اور پھرتی سے پائپ پر چڑھنے لگی ایک سیکنڈ اور اوپر ہوتی تو مجھے وہ ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹ لیتی۔ لیکن میرا جسم آسانی سے اس سوراخ میں داخل ہو گیا اور میں نے بغیر سوچے سمجھے باہر چھلانگ لگا دی۔ آہ...... میں کیا بیان کروں...... جہاں میں گرا تھا، وہاں گوشت اور ہڈیوں کا ایک عظیم الشان ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ بے شمار لاشیں، جن کے عضو جدا تھے خدا جانے کب سے سڑ رہی تھیں۔

میرے سامنے ایک تاریک راہ داری تھی۔ میں اندھا دھند دوڑتا چلا گیا اور عورت چیختی چلاتی میرا پیچھا کرتی رہی۔ لکڑی کا ایک زینہ دوسری منزل کو جاتا تھا۔ میں فوراً اس پر چڑھتا ہوا دوسری منزل کی چھت پر پہنچ گیا۔ میرے سامنے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا.....خوبصورت عورت یہ سمجھ کر کہ اب یہ بچ کر کہاں جائے گا، مجھ سے دس فٹ کے فاصلے پر رُک گئی۔ وہ وحشیانہ انداز میں دانت نکالے کلہاڑی گھمانے لگی۔ میرا سارا جسم برف کی طرح سرد پڑ گیا۔ عورت اپنے سفید چمکیلے دانت پیستی ہوئی آہستہ آہستہ میری طرف بڑھی۔ میں نے مضطرب ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ ایک اونچے درخت کی چند شاخیں درخت سے چند فٹ کے فاصلے پر پھیل کر رُک گئی تھیں۔ میں نے دیوار پر ایک ہاتھ رکھا اور دوسرے ہاتھ سے ایک شاخ پکڑ لی۔

دوسرے ہی لمحے وہ بلا مجھ پر جھپٹی اور شاخ میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں نیچے گرا، لیکن اپنی چوٹ کی پرواہ کئے بغیر دوڑتا چلا گیا۔ پھر اس کے بعد میں نے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ جب تک میرے پھیپھڑوں میں سانس رہی، میں نے اپنی رفتار سست نہیں کی۔ پھر یہ کھنڈرات نظر آئے اور میں ان میں داخل ہو گیا۔ ہر لمحہ مجھے یہ خوف تھا کہ اب وہ یہاں آ جائے گی۔ کہیں...... تم...... کہیں تم......''

روپ کمار کا چہرہ دہشت زدہ ہو گیا۔ لیکن سمپورنی اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں درشنا ناچ رہا تھا، اور وہ سوچ رہی تھی کہ کیا یہ اس کے لئے کوئی انعام ہے؟ درشنا پتہ نہیں اس سنسار میں ہے یا نہیں۔ لیکن یہ جو اپنے آپ کو روپ کمار کہتا ہے، درشنا ہی کا دوسرا روپ ہے۔

اس نے کہا۔ ''کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کہیں میں ہی تو وہ چڑیل نہیں ہوں اور میں نے اس کا روپ دھار کر تمہارے سامنے آنے کی کوشش کی ہے؟''

"مجھے معاف کرنا...... کسی بھی طرح تم مجھے وہ نہیں لگتیں۔ لیکن مجھ جیسے خوفزدہ آدمی کے بارے میں تم غور کر سکتی ہو۔ میں اسی کیفیت کا شکار ہوں۔"

"اور اگر میں تم سے کہوں کہ ان سارے خیالات کو اپنے دل سے نکال دو تو کیا تم ایک اجنبی کی بات مان لو گے؟"

وہ غور کرنے لگا۔ پھر کچھ دیر کے بعد بولا۔ "دیکھو! میں بہت خوفزدہ ہوں۔ تم نہیں جانتیں، میرے مسائل کیا ہیں، مگر تم کون ہو؟ میں جانتا ہوں کہ میں الٹی سیدھی باتیں کر رہا ہوں۔ لیکن میں نے تمہیں الٹی سیدھی باتیں کرنے کی وجہ بتا دی ہے۔ تم خود بھی سمجھدار ہو اور سوچ سکتی ہو کہ مجھ جیسے آدمی کی کیا کیفیت ہونی چاہئے۔ میں اسی مشکل اور پریشانی کا شکار ہوں۔"

"اور اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اب ہر مشکل، ہر پریشانی کو اپنے دل سے نکال کر پھینک دو، میں تمہاری ہر طرح سے مدد کروں گی تو کیا تم میری بات مان لو گے؟"

"وہ کچھ سوچنے لگا، پھر بولا۔ "تم خود بھی تو ایک نازک اندام سی لڑکی ہو۔ مگر تم نے اپنے بارے میں نہیں بتایا۔"

"میرا نام سمپورنی ہے۔ کوئی بھی نہیں ہے سنسار میں میرا۔ میں دربدر بھٹکتی اور ماری ماری پھر رہی ہوں، کسی ایسے آثار کی تلاش میں...... کسی ایسے صاحب دل کی تلاش میں جو مجھے ایک اچھے انسان کی حیثیت سے سہارا دے۔ بولو.... کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ کیا تم مجھے سہارا دے سکتے ہو......؟"

روپ کمار خاموشی سے سوچنے لگا۔ پھر گردن ہلا کر بولا۔ "عجیب سی بات ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تو مجھے زندہ رہنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ اور اب تم جیسی سندری..... کہیں تم مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہیں؟"

"سوچ سکتے ہو کہ میں تم سے مذاق کر رہی ہوں.... تم ایسا سوچ سکتے ہو۔"

"نہیں...... مگر اس طرح....."

"چلو چھوڑو! کون کسی کو سہارا دیتا ہے۔ لیکن بس! انسان کی فطرت ہے کہ سہارے تلاش کرتی ہے۔ میں بھی اپنی فطرت کے مطابق سہارے تلاش کر رہی تھی۔ ٹھیک ہے۔ لیکن ایک بات سنو! آؤ میں تمہیں وہاں تک پہنچا دوں، جہاں تم جانا چاہتے ہو۔"

"میری بات کا برا مان گئی تم؟"

"نہیں! حقیقتوں کو کون تسلیم نہیں کرتا..... اور جو حقیقتیں تسلیم نہیں کرتے، وہ دھوکے کھاتے ہیں، نقصان اٹھاتے ہیں۔ تمہیں اندازہ ہے کہ میں نے تمہیں درشا کہہ کر پکارا تھا؟"

"ہاں......"

"غور کیا اس بات پر کہ ایسا میں نے کیوں کیا تھا؟"

"نہیں......"

"بس! سمجھ لو......درشا میرے من میں ہے اور تم میرے لئے درشا ہی کی حیثیت رکھتے ہو۔"

"ماضی کی کوئی کہانی......"

"ایسا ہی سمجھ لو۔"

روپ کمار سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "ویسے ایسا ہوتا ہے۔ جب انسان کسی مشکل میں پڑتا ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ بھگوان اگر کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے تو پہلے اس کے اندر گنجائش پیش کرتا ہے۔ مجھے تم جیسی سندری ملنا تھی، سو مل گئی اور بھگوان سے مجھے دینے سے پہلے ایسی مشکل سے دوچار کیا۔"

"کیا مطلب......" سمپورنی بولی۔

روپ کمار تھوڑا سا آگے بڑھا اور پھر بولا۔ "کیا تم مجھے اپنا درشا سمجھ سکتی ہو؟"

سمپورنی کی آنکھوں میں محبت کا طوفان اُمنڈ آیا تھا۔

☆.....☆.....☆

دھرم سنگھ کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سخت خوفزدہ ہے۔ لیکن بہر حال رتنا اس کا ساتھ دے رہی تھی اور ایک لڑکی کی موجودگی میں وہ اس قدر بزدلی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس کی اپنی شخصیت خطرے میں پڑ جائے۔ سلاخوں والے دروازے پر زور آزمائی کرتے ہوئے اچانک ہی دروازہ ایک گڑگڑاہٹ کی خوفناک آواز کے ساتھ کھل گیا۔ رتنا کے سامنے لکڑی کی نہایت بوسیدہ اور گھن لگی ہوئی سیڑھیاں تھیں جو نیچے تاریکی میں غائب ہو جاتی تھیں۔ اس نے دھرم سنگھ کے ہاتھ سے لالٹین لے لی اور خدا کا نام لے کر پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔ لکڑی چرچرائی۔ ایک لمحے کے لئے احساس ہوا کہ سیڑھی ٹوٹنے والی ہے اور وہ گہرائیوں میں جا گرے گی۔ لیکن وہ سنبھل گئی تھی اور اس نے اپنے بدن کو اس طرح سیدھا رکھا تھا کہ اگر کوئی ایسی صورتحال پیش آئے تو وہ اپنا بچاؤ کر سکے۔

جن حالات سے اس کا واسطہ پڑتا رہا تھا، شردھا جیسی شیطان جس عورت کے ساتھ وہ رہی تھی اس کے بعد رتنا کوئی عام لڑکی نہیں رہی تھی۔ اور خوف اس طرح اسے نڈھال نہیں کر سکتا تھا جس طرح عام لوگوں کو۔ چنانچہ بہت ہی سنبھل کر اس نے دوسری سیڑھی پر اور پھر تیسری سیڑھی پر قدم رکھا۔ کتا بھی اُن کے پیچھے آرہا تھا اور اب مدھم آواز میں غرا رہا تھا۔

رتنا نے صاف محسوس کیا تھا کہ کتے کی آواز میں غصے کی بجائے خوف چھپا ہوا ہے۔

اس وقت دھرم سنگھ نے کہا۔ ''اے بھگوان! کیسی بھیانک جگہ ہے۔ اتنی سیلن اور بدبو ہے کہ انسان سوچ بھی نہ سکے۔''

رتنا نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی اور دس بارہ سیڑھیاں طے کرتے ہوئے تہہ خانے پر پہنچ گئی۔ پھر اس نے لالٹین اونچی کی اور اس کی روشنی میں تہہ خانے کا جائزہ لینے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں صدیوں سے کوئی انسان نہیں آیا۔ ہر طرف مکڑیوں نے بڑے بڑے جالے تان رکھے تھے۔ فرش جگہ جگہ سے کھدا اور اُدھڑا ہوا تھا۔ چوہے دوڑتے نظر آرہے

تھے۔

ابھی رتنا ایک جگہ کھڑی ہی ہوئی تھی کہ چند ہی سیکنڈ کے بعد کئی چوہے غول کی شکل میں کسی گوشے سے نکلے اور دوڑتے ہوئے دوسری طرف چلے گئے۔ وہ اپنے پنجوں اور دانتوں سے لکڑی کا فرش کھرچ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دوسرے چوہوں کو خبردار کر رہے ہوں۔ تہہ خانے کی دیواریں گیلی اور بوسیدہ تھیں۔ فرش پر گرد کی دبیز تہہ جمی ہوئی تھی۔ جب وہ قدم آگے بڑھاتے تو ان کے پیچھے قدموں کے نشانات بنتے چلے جاتے۔ تہہ خانے میں لکڑی کی بنی ہوئی چند پیٹیاں اور صندوق بھی پڑے ہوئے تھے۔ شمالی دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ نظر آرہا تھا۔ رتنا کی نگاہیں اس دروازے پر جم گئیں۔

دھرم سنگھ کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ انتہائی خوفزدہ ہے اور یہاں سے نکل بھاگنے کے چکر میں ہے۔ یا پھر وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ دیوی جی! آپ تو شاید اپنی جوانی سے اُکتا گئی ہیں لیکن مجھے ابھی کچھ دن زندہ رہنے دیں..... البتہ انسان جو کچھ کہہ بیٹھتا ہے، اس کا بھاری معاوضہ اسے دینا پڑتا ہے۔ کیونکہ دھرم سنگھ پہلے بڑی شیخیاں بھگار چکا تھا اور اپنے آپ کو بھوتوں کا ایکسپرٹ کہہ چکا تھا، اس لئے اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ اس وقت پیچھے ہٹنے کی کوشش کرے۔ کتا مسلسل اپنے خوف کا اظہار کر رہا تھا۔

رتنا کے قدم جب اس دروازے کی جانب بڑھے اور اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے کھولنا چاہا تو کتا بے چین ہو کر اس کے قدموں میں آگیا اور اپنا سر اس کے پیروں سے رگڑنے لگا۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ رتنا کو دروازہ کھولنے سے منع کرنا چاہتا ہے۔

اسی وقت دھرم سنگھ کی آواز اُبھری۔ ''کیا یہ اچھا نہیں ہوگا دیوی جی! کہ آپ صبح کو یہاں آکر دیکھیں کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔''

رتنا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کیوں دھرم سنگھ! کیا بات ہے؟''

''بات کیا ہوگی دیوی جی.....! بس کچھ سمجھ میں نہیں آتا.....'' وہ رُک رُک کر بولا۔ پھر کہنے لگا۔ ''ذرا ادھر دیکھئے! یہ کیا چیز ہے؟''

رتنا نے لالٹین کا رُخ اس طرف کیا تو دہشت سے اس کے بدن میں تھرتھری سی پیدا ہو

گئی۔ نظروں کے عین سامنے چھوٹے چھوٹے قدموں کے ایسے انسانی نشان بنتے چلے جا رہے تھے، جیسے کوئی آٹھ نو سال کا بچہ اِدھر سے اُدھر دوڑ رہا ہو۔ کچھ لمحوں میں یہ نشان سامنے والی دیوار کے قریب پہنچ گئے اور پھر غائب ہو گئے۔

دھرم سنگھ نے پہلے تو سرسری طور پر اشارہ کر کے رتنا کو اس طرف متوجہ کیا تھا۔ لیکن اب جب اسے بھی صورتحال کا صحیح اندازہ ہوا تو اس کی حالت کافی خراب نظر آنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔

رتنا نے دھرم سنگھ کو دیکھا تو اسے یہ محسوس ہوا کہ اب دھرم سنگھ کی قوت برداشت جواب دے رہی ہے۔ چنانچہ اس نے خود ہی کہا۔ ''آؤ دھرم سنگھ! واپس چلتے ہیں۔'' اس کے بعد وہ واپسی کے لئے سیڑھیاں طے کرنے لگے۔ رتنا نے دیکھا کہ کتا جلدی سے آگے آ گیا تھا اور غالباً وہ سب سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ دھرم سنگھ کی جو حالت ہوتی جا رہی تھی، وہ اب ذرا تشویش کا باعث بن گئی تھی۔ رتنا اسے نڈر اور بے خوف آدمی سمجھتی تھی۔ لیکن اب نجانے اسے کیا ہوتا جا رہا تھا۔

بہرحال وہ کسی نہ کسی طرح تہہ خانے سے باہر آ گئے۔ دھرم سنگھ نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ اس کی آنکھیں خوف سے بند ہوتی جا رہی تھیں۔ غالباً وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا..... لیکن بہرحال ایسا نہیں تھا۔ رتنا نے اس سے کہا۔ ''دھرم سنگھ! اس میں کوئی شک نہیں کہ تہہ خانے کے حالات خوفناک تھے، لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی نے اس جگہ کو خوفناک بنانے کی کوشش کی ہو۔''

رتنا کی آواز اور اس کے الفاظ سن کر ایسا محسوس ہوا جیسے دھرم سنگھ کو کچھ تسلی ہوئی ہو۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''دیوی جی! جو کچھ بھی ہے، لیکن حالات واقعی بڑے خراب ہیں۔ میری تو رائے ہے کہ یہاں سے نکل چلئے۔ معاملہ بہت گڑبڑ ہے۔ آپ نے کتے کی حالت نہیں دیکھی، کتے کی کیا کیفیت ہو رہی تھی؟ مجھے لگ رہا تھا جیسے وہ مر ہی جائے گا۔''

''نہیں دھرم سنگھ! تم جانتے ہو، مونیکا دیوی نے ہمیں بڑے اعتماد کے ساتھ یہاں بھیجا ہے۔ آخر کوئی نہ کوئی تو مسئلہ ایسا ہوگا جس کی وجہ سے انہوں نے ہمیں یہاں بھیجنا پسند کیا۔ بہت ضروری ہے کہ ہم یہاں کے حالات معلوم کریں۔ ویسے اگر تم جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔ میں یہیں کچھ وقت گزاروں گی۔''

دھرم سنگھ بہت حیران ہوا تھا۔ ایک عورت کی دلیری دیکھ کر شاید اس کی غیرت بھی جاگ رہی تھی۔ بہرحال وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

اُدھر رتنا بھی خاموش تھی۔ مکان پر ہیبت ناک سکوت طاری تھا اور یوں لگتا تھا جیسے یہ سناٹا انسانوں کو نگل لے گا۔ رتنا، دھرم سنگھ کے دل سے ڈر نکالنا چاہتی تھی۔ اس لئے پہلی منزل کے مختلف کمروں کو دیکھنے بھالنے کے ارادے سے وہ صحن کی جانب چل پڑی۔

دھرم سنگھ نے فوراً پوچھا۔ ''دیوی جی! ادھر کہاں؟''

''تو تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم آرام کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں؟''

رتنا کے لہجے میں کسی قدر ناخوشگواری پیدا ہوئی تو دھرم سنگھ سنبھل گیا اور جلدی سے بولا۔

''نہیں دیوی جی! ایسی بات نہیں ہے۔''

''سنو دھرم سنگھ! میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ تم میرے کام میں تعاون کی بجائے رکاوٹ بن رہے ہو۔ میں عورت ہو کر خوفزدہ نہیں ہوں، لیکن تم.....''

دھرم سنگھ خاموش ہو گیا۔ اس نے الفاظ میں اپنی مردانگی کی توہین سمجھا تھا۔ بہرحال وہ آگے بڑھ گئے اور چلتے رہے۔ ڈرائنگ روم اور اس سے ملے ہوئے دونوں کمروں میں بیش قیمت فرنیچر سجا ہوا تھا۔ ہر چیز صاف ستھری اور گرد و غبار سے پاک تھی۔ دھرم سنگھ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ رتنا چونکہ دھرم سنگھ سے سخت لہجے میں بات کر چکی تھی اس لئے اس نے ناخوشگوار ماحول میں کمی کرنے کی کوشش کی اور کہا۔ ''غالباً یہ صفائی تمہارے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔''

دھرم سنگھ نے کچھ دیر تک کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے کمروں کی دیواروں، چھتوں اور فرنیچر کو گھورتا رہا۔ پھر اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہو گئے۔ اس نے کہا۔ ''میں تو اس کمرے میں جھانکا بھی نہیں ہوں دیوی جی! بھلا صفائی کیسے کرتا؟ ویسے آپ کو بتا دوں، یہ کمرے میں نے پہلے دیکھے تھے، ان میں گرد و غبار اور گندگی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ لیکن اب یہ سب کچھ صاف نظر آ رہا ہے...... اے بھگوان! میری عقل میرا ساتھ نہیں دے رہی۔''

''اوہو..... دھرم سنگھ! وہ کچھ اور کمرے ہوں گے جو تم نے دیکھے ہوں گے۔ تم بھول رہے ہو۔ آؤ چلو! ڈرائنگ روم میں چلیں۔'' رتنا نے کہا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ یہ کمرہ بھی خاصا وسیع اور خوشنما تھا۔ قیمتی

صوفے اور آرام دہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ دھرم سنگھ ایک ایک چیز کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ منہ میں بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔ رتنا نے اس سے کہا۔ ''تم نے کچھ کہا دھرم سنگھ؟''

''کیا بتاؤں دیوی جی! شاید میں اندھا ہو گیا ہوں۔ پہلے بھی تو میں اس کمرے میں آیا تھا۔ اس وقت یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک سوئی بھی نہیں تھی..... یا پھر میں پاگل ہو گیا ہوں۔''

''چلو! تھوڑا سا آرام کرتے ہیں۔ لالٹین بجھاؤ اور دیکھو! وہ موم بتی رکھی ہے۔ اسے روشن کر دو۔ رتنا نے جس موم بتی کی طرف اشارہ کیا تھا، وہ موم بتی کیا بلکہ ایک پورا شمع دان تھا۔ میز پر رکھا تھا۔ دھرم سنگھ نے آگے بڑھ کر جیب سے ماچس نکالی اور شمعیں روشن کر دیں۔ پھر دروازہ بند کرنے کے لئے مڑا۔ اس کے مڑتے ہی سامنے دیوار کے پاس رکھی ہوئی ایک اور کرسی آہستہ سے ہلی، اپنی جگہ سے اٹھی اور پھر اس طرح رتنا کے سامنے زمین پر گری جیسے کسی نے زور سے پٹخی ہو۔

کتے کے حلق سے کاؤں، کاؤں کی موٹی موٹی آوازیں نکل رہی تھیں اور دھرم سنگھ دروازے کے ساتھ پتھر کی طرح ساکت ہو گیا تھا۔ گری ہوئی کرسی خود بخود سیدھی ہو گئی اور پھر ان کی آنکھوں کے سامنے ایک انسانی ڈھانچے کے خطوط اُبھرنے لگے۔ ڈھانچہ مکمل ہوا اور دوسرے لمحے نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ رتنا یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ یکایک اس نے کہا۔ ''یہ کرسی اٹھا کر سامنے رکھ دو۔''

دھرم سنگھ جلدی سے آگے بڑھا اور اس نے کرسی اٹھا کر سامنے رکھ دی۔ لیکن اچانک ہی کرسی اٹھاتے ہوئے اس کی پشت سیدھی ہوئی اور وہ درد سے دہرا ہو گیا۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے رتنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا ہوا دیوی جی؟ کیا بات ہے؟''

''کیا مطلب؟''

''یہ آپ نے گھونسا کیوں مارا ہے؟''

''پاگل ہو گئے ہو؟ میں تم سے کتنے فاصلے پر ہوں۔ گھونسا کیسے مار سکتی ہوں؟''

''آپ یقین کیجئے دیوی جی! کسی نے میری پیٹھ پر گھونسا مارا ہے۔'' وہ سیدھا ہو گیا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ لیکن گھونسا مارنے والا تھا کون؟ پھ

''نکل چلئے دیوی جی! آپ کو بھگوان کا واسطہ! یہاں سے نکل چلئے.....''

''چلو! ٹھیک ہے۔'' رتنا نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یہ شمع دان بجھا دوں؟'' دھرم سنگھ نے پوچھا۔

''نہیں! اسے جلنے دو اور باہر سے دروازے کا تالا بند کر دو۔'' رتنا نے کہا اور پھر واپس اس کمرے میں آ گئے جس میں انہوں نے اپنے سونے کا بندوبست کیا تھا۔

آتش دان میں آگ بھڑک رہی تھی اور کمرہ خوب گرم ہو گیا تھا۔ باہر بارش اور ہوا کا شور رک گیا تھا اور ہر طرف چاند کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ آتش دان کے دائیں، بائیں دو الماریاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ رتنا کو کچھ خیال آیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے ایک الماری کو کھول کر دیکھا۔ اس میں بوسیدہ کپڑوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ دوسری الماری میں پرانے برتن اور کچھ ایسی ہی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ پھر اس نے الماری کی عقب کی دیوار کو ٹھونک کر دیکھا کہ شاید اس میں کوئی دروازہ ہو، لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اس بند دروازے کی طرف بڑھی جو کسی کمرے یا غسل خانے میں کھلتا ہوگا۔ اس سے پیشتر کہ وہ اسے ہاتھ لگاتی، دروازہ ایک جھٹکے سے خود بخود کھل گیا۔ دھرم سنگھ چونکہ اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، اس لئے اس نے بے اختیار رتنا کے شانے پر ہاتھ رکھ دیئے اور اسے پیچھے کی جانب کھینچتا ہوا بولا۔ ''آپ کو بھگوان کا واسطہ! ٹھہر جائیے۔ آگے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ بھگوان جانے وہاں کیا ہے.....''

''پیچھے ہٹو۔'' رتنا غرائے ہوئے لہجے میں بولی اور دھرم سنگھ خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ رتنا پھر بولی۔ ''جو کچھ بھی ہوا، اسے بھول جانا ہوگا۔ میں دیکھتی ہوں کہ یہ بھوت میرا کیا بگاڑتے ہیں۔ تم مجھے نہیں جانتے دھرم سنگھ! تم مجھے نہیں جانتے.....''

درحقیقت واقعی دھرم سنگھ، رتنا کو نہیں جانتا تھا۔ اگر اسے اس کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ اس کے ساتھ ایک ایسی خون پینے والی عورت ہے جس نے نجانے کتنے انسانوں کا خون اپنے معدے میں اُتار لیا ہے تو دھرم سنگھ کے ہوش ہی گم ہو جاتے۔ بہرحال رتنا بہت زیادہ بہادری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ پھر اس نے وہ دروازہ بھی کھول دیا۔ یہ ایک چھوٹا سا تاریک کمرہ تھا جس کا فرش لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ لیکن یہ فرش بھی دوسری عمارت کی طرح خستہ اور بوسیدہ حالت میں تھا۔ ایک کونے میں بڑے بڑے گرد آلود صندوق پڑے ہوئے تھے

اور قریب ہی ایک کھڑکی نظر آ رہی تھی جس کے پٹ یعنی تختے بند تھے۔ ان پر مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے۔

وہ دونوں اس ماحول کا جائزہ لے ہی رہے تھے کہ اچانک ایک دھماکہ ہوا اور اس بار رتنا بھی اُچھل پڑی تھی۔ جبکہ دھرم سنگھ کا کتا دو فٹ اونچا اُچھلا تھا اور دھرم سنگھ کے قدموں میں چھپ کر کوں، کوں کرنے لگا تھا۔ کبھی کبھی تو رتنا کو ان دونوں کو دیکھ کر ہنسی آنے لگتی تھی۔ کتے اور دھرم سنگھ کی کیفیت ایک جیسی تھی۔

دھماکہ اس دروازے کے بند ہونے کا تھا جس سے گزر کر وہ دونوں کمرے میں آئے تھے۔ دھرم سنگھ ایک لمحے کے لئے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اچانک ہی اس کے حلق سے آواز نکلی۔

''ہم قید ہو گئے دیوی جی..... ہم یہاں قید ہو گئے.....'' وہ برق رفتاری سے دوڑا اور دیوانوں کی طرح بند دروازے پر زور آزمائی کرنے لگا۔ یہ بھی ایک دلچسپ بات تھی کہ دروازہ اس کی زور آزمائی سے کھلا نہیں تھا۔ گویا اس کا اندازہ بالکل درست تھا۔ وہ اس کمرے میں قیدی بن گئے تھے۔ دھرم سنگھ کی حالت پانی میں بھیگے ہوئے چوہے سے مشابہ تھی۔

کمرے کی فضا تاریک ہو گئی تھی۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی نظر نہ آنے والی شخصیت ان کے گرد گھوم رہی ہو۔ تاریکی کی وجہ سے ہر چیز نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ رتنا نے دھرم سنگھ کو آواز دی تو جواب میں اس کی آواز سنائی دی۔ ''جی دیوی جی.....''

''کہاں ہو تم؟''

''دروازے کے پاس ہی کھڑا ہوں۔''

اچانک ہی دروازہ ایک دھکے سے کھل گیا اور دھرم سنگھ لڑھکتا ہوا اس کے قدموں میں آ گرا۔ اُس نے رتنا کے پاؤں پکڑ لئے۔ ''دیوی جی! اب تو..... بھگوان کے لئے! اب تو.....''

''چلو آؤ.....'' رتنا نے کہا اور اس کمرے سے نکل آئی۔ لیکن دروازے پر قدم رکھتے ہی وہ پھر ٹھٹک گئی، کیونکہ سامنے زرد روشنی کا ایک انسانی ہیولا کمرے میں چل پھر رہا تھا۔ پھر وہ سمٹ کر ایک چکر کی صورت اختیار کر گیا اور اس کے بعد اچانک ہی چھت کی جانب بلند ہو کر غائب ہو گیا۔

دھرم سنگھ تو اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن رتنا آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور مسہری کے پاس پہنچ

گئی۔ اس نے مسہری پر بچھا ہوا بستر اٹھا دیا۔ تکیے اور گدوں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا۔ اسے مسہری کے گدے کے نیچے ایک چیز چھپی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے ہاتھ ڈال کر اسے نکال لیا۔ یہ کپڑے میں لپٹے ہوئے دو کاغذ تھے جو پرانے ہونے کی وجہ سے بالکل پیلے ہو گئے تھے۔

ابھی رتنا انہیں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اچانک ہی کسی نادیدہ ہاتھ نے یہ کاغذ جھپٹنے کی کوشش کی۔ رتنا نے ایک دم مٹھی بھینچ لی تھی۔ کتا آتش دان کے قریب سر جھکائے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ رتنا نے کاغذ اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیئے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر آتش دان کے قریب پہنچ گئی۔ لالٹین کی روشنی میں اس نے ان بوسیدہ کاغذوں کا جائزہ لیا۔ اسے جو کچھ نظر آیا، وہ اس کے لئے حیران کن تھا۔ اس میں لکھا تھا۔ ''ہمیں دنیا کا کوئی فرد جدا نہیں کر سکتا۔ ہمارا کوئی جرم ثابت نہیں ہو سکتا..... ہاں! اس وقت تک جب تک کہ مرنے والے اپنی زبان سے اس کا اظہار نہ کریں۔''

پھر اُس نے دوسرا کاغذ اٹھایا جس پر لکھا تھا۔ ''ہاں..... وہ زندہ ہو چکے ہیں اور اب ہمیں ان سے خطرہ ہے.....''

یہ دونوں کاغذ اچھی طرح دیکھنے کے بعد رتنا نے انہیں تہہ کیا اور اپنے لباس میں پوشیدہ کر لیا۔ لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ پھر اچانک ہی وہ حیران ہو گئی۔ کافی دیر سے امن تھا۔ حالانکہ اس دوران ہر لحہ کسی نہ کسی مشکل کا اظہار کرتا رہا تھا۔ لیکن یہ لمحات اتفاقیہ طور پر بڑے پرسکون گزرے تھے۔ غالباً عمارت کی پراسرار روحیں کسی نئی منصوبہ بندی میں مصروف تھیں۔

تقریباً آدھا گھنٹہ اسی طرح گزر گیا۔ اچانک ہی دھرم سنگھ اپنی جگہ سے اٹھا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ رتنا نے اس کی اس جرات کو حیرت سے دیکھا تھا۔ لیکن اس نے یہی سوچا کہ اتنی دیر کی خاموشی نے دھرم سنگھ میں اعتماد پیدا کر دیا ہے اور وہ شاید پانی وغیرہ پینے چلا گیا ہو گا۔ کھلے دروازے سے اچانک ہی ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ اتنا سرد جھونکا کہ ایک دم سے پورے بدن میں کپکپی دوڑ جائے۔

رتنا نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دروازہ بند تھا اور روشن دان کافی بلندی پر تھا..... ہوا کا جھونکا کدھر سے آیا..... آتش دان میں آگ کے شعلے کپکپا رہے تھے۔ اچانک ہی رتنا

کی پتلیاں ایک جگہ جم گئیں۔ اس نے زمین پر ایک گول گول شے کو گھومتے ہوئے دیکھا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے پیپر ویٹ گھوم رہا ہو۔ پھر یہ گول شے اچانک فضا میں معلق ہوئی اور نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ رتنا نے چونک کر اس جگہ دیکھا جہاں دھرم سنگھ بیٹھا ہوا تھا۔ کتا وہیں پر تھا۔ اس کے کان آگے پیچھے ہل رہے تھے۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر آئی ہوئی تھیں اور زبان باہر کو لٹک رہی تھی جیسے حلق سے نکل کر فرش پر گر پڑے گی۔

ابھی وہ کتے کو دیکھ ہی رہی تھی کہ دھماکے سے دروازہ کھلا، دھرم سنگھ ہانپتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ دہشت سے زرد تھا۔ ''وہ آ رہا ہے.....وہ آ رہا ہے.....'' اس نے چیخ کر کہا اور پھر فرش پر گر پڑا۔ اس کے ہاتھ اکڑ گئے۔ آنکھوں کی پتلیاں ایک دم ہی غائب ہوگئیں اور بھنچے ہوئے دانتوں میں سے سفید سفید جھاگ اُڑنے لگی۔ تھوڑی دیر تک اس پر یہی کیفیت طاری رہی۔ اور پھر اچانک ہی اس کا بدن ساکت ہوگیا۔

اب رتنا خود بھی اپنے حواس چھوڑتی جا رہی تھی۔ نجانے کیوں اسے یہ احساس ہوا کہ دھرم سنگھ زندہ نہیں ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھی اور لرزتے قدموں سے دھرم سنگھ کے پاس پہنچی۔ جھک کر دھرم سنگھ کو دیکھا اور ایک لمحے میں اسے احساس ہوگیا کہ اب دھرم سنگھ میں زندگی باقی نہیں رہی۔ اس کی لاش اس طرح اکڑ گئی تھی جیسے برسات میں بھیگی ہوئی چارپائی......

دھرم سنگھ کے اس طرح مر جانے سے رتنا کا دماغ ہل کر رہ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لیکن حقیقت، حقیقت ہوتی ہے۔ وہ کافی دیر تک کھڑی کانپتی رہی اور پھر اپنی جگہ سے آگے بڑھ گئی۔ تنہا رہ جانے کا یہ احساس بڑا اذیت ناک تھا۔ دھرم سنگھ نے کس کے بارے میں کہا تھا کہ وہ آ رہا ہے...... وہ آتش دان کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ کتا مسلسل ہانپ رہا تھا۔ اس کے منہ سے رال بہہ رہی تھی۔ رتنا نے اس کی گردن تھپتھپانے کی کوشش کی لیکن کتے کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہ رتنا کی جانب متوجہ بھی نہیں ہوا تھا۔ ''یہ مونیکا دیوی نے کیا مصیبت میرے سر ڈال دی ہے؟'' رتنا نے سوچا۔

دھرم سنگھ جب تک زندہ تھا تو کوئی صورتحال خراب نہیں تھی۔ لیکن اب اس کی موت کے بعد رتنا بڑی عجیب وغریب کیفیت کا شکار ہوگئی تھی۔ حالانکہ یہاں سے نکل جانا کوئی مشکل نہیں تھا۔ وہ چاہتی تو خاموشی سے دروازے کی جانب بڑھتی اور وہاں سے باہر نکل جاتی۔

لیکن پہلی بات تو یہ کہ اسے ایک ایسی شخصیت نے مونیکا دیوی کے پاس بھیجا تھا، جس کا کہنا تھا کہ وہ خود بھی زندہ نہیں ہے۔ اور پھر یہاں آکر مونیکا دیوی نے جو اس پر اعتماد کیا تھا، وہ بڑی عجیب وغریب چیز تھی۔ روپ شالا بھیجنے کا آخر کوئی نہ کوئی مقصد تو ہوگا۔ رجنی دیوی بھی کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی، جس پر مکمل اعتماد کر لیا جاتا۔ لیکن رتنا جن حالات میں گھر گئی تھی، ان میں اس بات کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ رجنی دیوی سے بھی انحراف کر سکتی۔ یہ تمام چیزیں اس کے ذہن میں آ رہی تھیں۔

اس نے ایک بار پھر دھرم سنگھ کی لاش کی طرف دیکھا اور اس کے بعد اس کی نگاہیں ایک طرف اٹھ گئیں۔ دیوار میں کافی بلندی پر ایک کھڑکی بنی ہوئی تھی۔ اس کھڑکی کا وہاں موجود ہونا کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، کیونکہ کھڑکی صرف انہی جگہوں پر ہوتی ہے جہاں پر خود انسان پہنچ سکے اور وہاں سے باہر جھانک سکے۔ دفعتاً ہی اُس کھڑکی کے پٹ آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ پھر دو سوکھی ہوئی ٹانگیں نظر آئیں..... پتلی پتلی سوکھی ہوئی ٹانگیں.....جو نیچے لٹک رہی تھیں.....ہل رہی تھیں۔

رتنا کا دل اُچھل کر پھر حلق میں آ گیا۔ وہ ایک انسانی ڈھانچہ ہی تھا، جس کا قد وقامت فرش سے چھت تک بلند تھا۔ اس نے کھڑکی سے نیچے قدم اُتارنا شروع کر دیئے اور پھر بلندی تک پہنچ گیا۔ رتنا کی نگاہیں اس کے پیروں سے سر تک گئیں۔ اس کی کھوپڑی میں لگی ہوئی آنکھیں آگ کی مانند دہک رہی تھیں اور وہ اسے گھور رہا تھا۔

رتنا کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکل آئی۔ البتہ اس کے حواس ابھی تک برقرار تھے۔ کمرہ تاریک ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے گردن گھما کر نیچے دیکھا......لالٹین کی بتی آہستہ آہستہ نیچی ہوتی جا رہی تھی، جیسے اس میں تیل ختم ہو رہا ہو۔

آتش دان کی طرف نظر گئی تو اس کا بھی یہی حال تھا۔ کوئلے سرد پڑ چکے تھے۔ اس ہولناک گھپ اندھیرے میں انسانی ڈھانچے کی سرخ سرخ آنکھیں خوب چمک رہی تھیں۔ اچانک رتنا کے حلق سے ایک آواز نکلی۔ ''بھاگ جاؤ...... بھاگ جاؤ...... مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔ میں وہ نہیں ہوں جسے تم آسانی سے ڈرا سکو گے.....تم جیسے لاتعداد انسانوں کا خون میرے حلق سے نیچے اُتر چکا ہے..... سمجھے؟'' خود رتنا کی آواز اس وقت اس قدر بھیانک تھی کہ اسے اپنی آواز سن کر حیرت ہوئی۔ لیکن اچانک ہی اسے یوں لگا جیسے اس کے

اعصاب پرسکون ہوتے جا رہے ہوں اور رگوں میں جما ہوا خون پھر سے گردش کرنے لگا ہو۔

اب اس نے محسوس کیا کہ وہ حرکت کر سکتی ہے۔ اس کے اندر اپنے آپ کو یاد کرنے کے بعد ایک نئی قوت بیدار ہوگئی تھی اور یہ قوت اسے ہر قسم کا کام کرنے میں مدد دے رہی تھی۔ خوفناک ڈھانچے کو نظر انداز کر کے وہ دروازے کی جانب بڑھی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ چاند کی تیز روشنی کا ریلا اندر گھس آیا۔ اس نے دیکھا کہ آسمان پر چاند پوری طرح روشن ہے۔ فضا خاموش تھی اور مزید بارش کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ البتہ زرد ہوا کے جھونکے مسلسل آ رہے تھے۔ پھر اس نے دیکھا کہ میز کے نیچے سے ایک جھریاں پڑا ہوا انسانی ہاتھ نمودار ہوا اور میز کی رف بڑھا جس پر دونوں بوسیدہ خط پڑے ہوئے تھے۔ رتنا تیزی سے آگے بڑھی اور اس نے زمین سے ایک ڈیکوریشن پیش اٹھایا اور پوری قوت سے اس ہاتھ پر رسید کر دیا۔ ایک تیز چیخ سنائی دی اور اس کے بعد وہ انسانی ڈھانچہ اچانک ہی غائب ہوگیا۔ اس کے غائب ہونے کے بعد تقریباً دس منٹ تک ایک عجیب سی خاموشی طاری رہی۔ لیکن صرف دس منٹ.......اور اس کے بعد جیسے قیامت آ گئی ہو.....

دروازے پر کسی نے تین بار دستک دی تھی اور پھر کمرہ اس طرح ہلنے لگا تھا جیسے خوفناک زلزلہ آ گیا ہو۔ سرخ، زرد، نیلی روشنی کے بگولے، دائرے اور گھومتے ہوئے بھنور کی طرح اٹھتے دکھائی دیئے اور برف کے گالوں کی طرح کمرے میں اِدھر اُدھر رقص کرنے لگے۔

دیوار کے ساتھ لگی ہوئی آرام دہ کرسی دوبارہ حرکت کرنے لگی اور اس طرح اس کے قریب آ گئی جیسے کسی نے اٹھا کر اسے یہاں رکھا ہو۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کرسی پر ایک جوان اور خوبصورت عورت کا وجود نمودار ہوا۔ اس کی گردن انتہائی خوبصورت تھی۔ اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا لیکن انتہائی قیمتی لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ اتنی خوبصورت تھی کہ رتنا کی نگاہیں اس پر جم گئیں۔

اس عورت کے چہرے پر غم کے سائے رقصاں تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے یہاں رتنا کی موجودگی کا کوئی گمان نہ ہو۔ وہ کھلے دروازے کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو۔ رتنا اپنی جگہ ساکت ان مناظر کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔

اچانک دروازے میں ایک نوجوان آدمی کا سایہ نظر آیا۔ اس کا لباس یقیناً سینکڑوں سال پرانا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا عورت کے نزدیک پہنچا تو اس کے پیچھے وہی انسانی ڈھانچہ نمودار ہوگیا۔ چند لمحوں کے لئے وہ تینوں کمرے کی ان پراسرار رنگین روشنیوں میں گم ہو گئے۔ پھر رتنا نے دیکھا کہ عورت اور مرد دونوں اس انسانی ڈھانچے کی گرفت میں ہیں۔ عورت کے سینے سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا ہے اور مرد اپنے خنجر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے غور سے دیکھ رہا ہے۔

اچانک ڈھانچے نے اپنا منہ کھولا اور اس کا منہ بڑھتا چلا گیا۔ وہ منہ ایک خوفناک غار کی شکل اختیار کر گیا اور ڈھانچے نے اپنے ہاتھوں میں پھنسے ہوئے ان دونوں کو اس غار میں نگل لیا..... کمرے میں اب چکر کھاتے روشنی کے ہالوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ پھر روشنی کے ان ہالوں سے طرح طرح کے کیڑے مکوڑے چھپکلی، سانپ، مینڈک چھوٹے چھوٹے بچوں کی طرح نکل کر کمرے کی فضا میں تیرنے لگے...... وہ ایک دوسرے کا تعاقب کر رہے تھے اور موقع ملتے ہی ایک دوسرے کو ہڑپ کر رہے تھے۔ ان کی رفتار اتنی تیز تھی کہ نگاہ ٹھہرنے نہ پائے۔

یہ تماشہ بھی تھوڑی دیر تک جاری رہا اور اس کے بعد روشنی کے دائرے ختم ہوتے چلے گئے۔ کمرے میں ایک بار پھر زلزلے کی سی کیفیت نمودار ہوئی اور در و دیوار ہلنے لگے اور ان سے مٹی گرنے لگی۔ دروازہ خود بخود بند ہوا اور کسی غیر مرئی ہاتھ نے تین بار پراسرار انداز میں دستک دی۔ میز پر رکھی ہوئی موم بتیاں آپ ہی آپ روشن ہوگئیں...... لالٹین جل اٹھی اور آتش دان کے آگ کے بل کھاتے ہوئے شعلے دوبارہ بھڑک اٹھے۔

اچانک رتنا کی نگاہ کتے کی جانب گئی۔ وہ حسب معمول خاموش بیٹھا تھا۔ اس میں کوئی حرکت نہیں تھی۔ جب رتنا نے اس کے پاس جا کر دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ اس کی زبان فرش پر پڑی ہوئی تھی اور منہ جھاگ سے تر تھا۔ دھرم سنگھ کی لاش بھی اسی جگہ پڑی ہوئی تھی..... ساری باتیں اپنی جگہ، جو کچھ ہوا تھا وہ ایک خوفناک ڈرامہ تھا اور رتنا نے اس ڈرامہ کو برداشت کر لیا تھا۔ درحقیقت اگر اس کے اندر ایک غیر معمولی روح نہ چھپی ہوتی تو یہ ڈرامہ تو ہزاروں انسانوں کی جان لے سکتا تھا۔ بھلا کسی کی کیا مجال تھی کہ وہ اس خوفناک ہنگامے میں اپنے آپ کو زندہ رکھ سکے۔

رتنا کو احساس ہوا کہ چاندنی مدھم پڑتی جا رہی ہے۔ اس کے بعد حالات پرسکون ہو گئے تھے۔ دو لاشیں رتنا کے سامنے پڑی تھیں اور دونوں لاشیں اسے پیاری تھیں۔ دھرم سنگھ سے اس کا بہت زیادہ طویل واسطہ نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی دھرم سنگھ اس کے ساتھ اچھا خاصا وقت گزار چکا تھا اور اس نے خود کو ایک اچھے ساتھی کے لحاظ سے روشناس کرایا تھا۔ رتنا نے سوچا کہ اب باہر نکل کر دیکھے.... لیکن پے در پے جو واقعات پیش آئے تھے انہوں نے اس کے اعصاب بھی ہلا کر رکھ دیئے تھے اور اندر ایک کھولت سی ابل رہی تھی۔ جس ماحول میں یہ تمام حالات پیش آئے تھے، اس کے بعد اس مسہری پر لیٹنا تو کیا، اسے چھونا بھی کسی کے لئے ممکن نہیں تھا۔ لیکن رتنا آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور مسہری پر لیٹ گئی۔

پھر اس کے بعد رات اس طرح سمٹی جیسے اچانک اسے لپیٹ دیا گیا ہو۔ کھلے دروازے سے روشنی کی کرنیں اندر آئیں تو رتنا نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اٹھ کر کتے اور دھرم سنگھ کی لاشوں کو دیکھنے لگی۔ دونوں کی کیفیت بری تھی۔ رتنا کے دل میں اُداسی کا طوفان اُمنڈ آیا اور اس نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ دروازے سے باہر نکل آئی تھی۔ اس نے سوچا..... کیا کرنا چاہئے؟ ایک رات گزر چکی تھی۔ مکان کے مالک نے اس سے یہی کہا تھا کہ محترمہ آپ یہاں ایک رات گزار کر دوسروں کو بتائیں کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ یعنی یہاں کوئی بھوت وغیرہ نہیں رہتا۔ لوگوں نے صرف یہ کہانی بنا دی ہے۔

رتنا سوچتی رہی کہ اب اسے مونیکا دیوی کے پاس جانا چاہئے۔ ہوسکتا ہے مکان مالک اس سے مزاج پرسی کے لئے آئے۔ لیکن اس فضول آدمی کے ساتھ وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ مونیکا دیوی کو گزری ہوئی رات کی کہانی سنائے۔ اس خیال کے آتے ہی دفعتاً اسے ایک اور خیال بھی آیا۔ وہ واپس مڑی اور اس میز کے پاس پہنچ گئی جہاں کاغذ کے وہ بوسیدہ ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ مونیکا دیوی کے خیال سے اُس نے یہ ٹکڑے اُٹھائے اور ایک بار پھر اپنے لباس میں رکھ لئے۔ اسے اس بات کا بھی تعجب تھا کہ یہ ٹکڑے اس کے لباس سے غائب کیسے ہو گئے تھے اور میز پر کیسے نظر آئے تھے؟ پراسرار قوتیں یہاں مصروف عمل تھیں۔ ان کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا، اور اب رتنا کو صرف اتنا سا کام کرنا تھا کہ یہ پرزے مونیکا دیوی تک پہنچا دے۔ اور ایسا کرنے میں اسے کامیابی حاصل ہوگئی۔

جب اس نے اس رہائش گاہ پر جا کر مونیکا دیوی کو تلاش کیا تو اسے سب سے پہلے نظر

آنے والا وہ کتا تھا جس کو وہ اپنی آنکھوں سے مرے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ کتے نے اس انداز میں دُم ہلائی جیسے وہ اس کا شناسا ہو۔ وہ ششدر رہ گئی۔ پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد اس نے سامنے سے دھرم سنگھ کو آتے ہوئے دیکھا۔ دھرم سنگھ تیزی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کہا۔ ''آیئے دیوی جی! شاید آپ اس مکان میں رات گزار کر بہت پرسکون ہیں۔''

رتنا پھٹی پھٹی آنکھوں سے دھرم سنگھ اور کتے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''تم دونوں زندہ ہو؟''

''جی.....؟'' دھرم سنگھ حیرت سے بولا۔

''میں کہتی ہوں تم دونوں زندہ ہو؟''

''دیوی جی! ہمیں کیا ہوا؟''

''کیا تم وہاں اس مکان میں.....''

''نہیں دیوی جی! میں اس مکان میں گیا ہی نہیں۔ اصل میں مونیکا دیوی نے.....''

''کیا کہتے ہو؟ گئے ہی نہیں......؟''

''ہاں! بالکل نہیں..... میں نے تو وہاں قدم بھی نہیں رکھا۔ اصل میں مونیکا دیوی.....''

''تم جھوٹ بول رہے ہو دھرم سنگھ!''

''جی.....؟'' دھرم سنگھ حیرت سے بولا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو..... بکواس کر رہے ہو۔ کیا ساری رات..... ساری رات..... ہے بھگوان! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

''لگتا ہے دیوی جی! وہاں آپ کو بہت زیادہ پراسرار واقعات پیش آئے ہیں۔'' دھرم سنگھ نے کہا۔

رتنا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ لمحے وہ اپنے چکراتے ہوئے سر کو قابو میں کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر بولی۔ ''مونیکا دیوی کہاں ہیں؟ کیا وہ گھر میں ہیں؟''

''ہاں! اندر کمرے میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔'' دھرم سنگھ نے جواب دیا۔

رتنا لڑکھڑاتے قدموں سے مونیکا دیوی کے پاس پہنچ گئی۔ مونیکا دیوی اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''ہاں، رتنا! کہو، کیسی گزری؟''

''پہلے میں آپ سے ایک بات کا جواب چاہتی ہوں۔''

''ہاں! بولو۔''

''کیا دھرم سنگھ اور اس کا کتا میرے ساتھ اس عمارت میں نہیں تھے؟''

مونیکا دیوی کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''نہیں..... وہاں تمہارے علاوہ اور کوئی زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ تمہیں اکیلے ہی وہ سب کچھ کرنا تھا، جو تم کر کے لائی ہو۔ لاؤ..... کاغذ کے وہ ٹکڑے مجھے دے دو۔ دھرم سنگھ اور اس کا کتا صرف ایک خیال کے ساتھ تمہارے ساتھ تھے۔ میں جانتی تھی کہ رجنی نے تمہیں بلا وجہ ہی میرے پاس نہیں بھیجا ہوگا۔ لاؤ! وہ کاغذ مجھے دو۔ آج تم نے ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے۔''

رتنا نے چکراتے ہوئے ذہن کے ساتھ وہ ٹکڑے نکال کر مونیکا دیوی کو دے دیئے اور مونیکا دیوی نے انہیں لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''رتنا! اس کے بدلے میں تمہیں اتنا انعام دے سکتی ہوں کہ تم سارا جیون سکھ سے گزارو۔ بولو! کیا چاہتی ہو؟''

''سب سے پہلے تو میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ مجھے کاغذ کے ان ٹکڑوں کے بارے میں بتائیں۔'' رتنا نے کہا۔

مونیکا دیوی کے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے کہا۔ ''تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی دیکھا تم نے کہ ان کا دشمن کس طرح انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس نے مرنے کے بعد بھی ان کی روحوں کو سکون نہیں لینے دیا۔ یہ بہت لمبی کہانی ہے۔ مختصراً یہ سمجھ لو کہ وہ دو محبت کرنے والے تھے جنہیں ایک دوسرے سے جدا رکھنے کے لئے شیطانی قوتیں مصروف عمل تھیں۔ لیکن آخر کار اب ان شیطانی قوتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ میں کاغذ کے ان ٹکڑوں کو جلا دوں گی اور اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے ان شیطانی قوتوں کی قید سے رہا ہو جائیں گے۔ تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ ویسے میں تمہیں بتاؤں..... میں اس لڑکی کی ماں ہوں جسے تم نے دیکھا۔''

رتنا کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''میں..... میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ ساری رات میں نے وحشتوں کے عالم میں گزاری ہے۔''

''ہاں! جاؤ..... تمہیں آرام کرنا چاہئے۔ یقیناً..... تمہیں آرام کرنا چاہئے۔ جاؤ اپنے

کمرے میں۔ پورا دن سکون کی نیند سو۔ اس کے بعد خود بخود تمہارا ذہن صاف شفاف ہو جائے گا۔'' مونیکا دیوی نے کہا۔

رتنا لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی جسے اس عمارت میں اُس کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

شردھا کو رتنا کی تلاش تھی۔ لیکن لاکھ کوششوں کے باوجود وہ اسے نہیں پا سکی تھی۔ اور اس وقت اس کی شیطانی روح جگہ جگہ گردش کرتی پھر رہی تھی۔ اس نے سمپورنی کو دیکھا۔ سمپورنی ایک عجیب سی جگہ موجود تھی اور یہاں اس کی ملاقات ایک نوجوان لڑکے سے ہوئی تھی جو انتہائی وحشت زدہ تھا۔ سمپورنی کے مل جانے کا مطلب یہ تھا کہ کہیں نہ کہیں رتنا کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ شردھا جانتی تھی کہ سمپورنی بذات خود بڑی قوتوں کی مالک عورت ہے۔ حالانکہ وہ انسان ہی تھی لیکن اس کے باوجود شردھا کو اس سے خوف محسوس ہوتا تھا اور پہلے بھی وہ سمپورنی سے زیادہ رتنا کے چکر میں تھی۔

سمپورنی کو اگر جال میں پھنسا لیا جائے تو بہتر ہوگا..... اس نے دل میں سوچا۔ یہ کام وہ اس لئے کرنا چاہتی تھی کہ کہیں ان دونوں کو آپس میں مل بیٹھنے کا موقع نہ مل جائے اور ساری باتیں سامنے نہ آ جائیں۔ اس وقت سمپورنی، شردھا کے لئے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ شردھا سوچنے لگی کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ نوجوان لڑکے کی تمام کہانی اس نے اچھی طرح سن لی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ساری دنیا میں شیطانی روحیں بکھری پڑی ہیں اور کہیں نہ کہیں ان کا بسیرا موجود ہے۔ وہ ان شیطانی روحوں سے نہیں ٹکرانا چاہتی تھی۔ لیکن اسے روپ کمار کے بارے میں معلومات حاصل ہو چکی تھیں اور اس کے بعد اس نے اپنے علم سے کام لیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس جگہ پہنچ گئی جہاں روپ کمار کا گھر تھا۔

روپ کمار کے گھر میں اس کی ماں، اس کی دو چھوٹی بہنیں اور ایک چھوٹا بھائی موجود تھے۔ غریب گھرانہ تھا۔ شردھا ایک بوڑھی عورت کے روپ میں اس کے گھر پہنچی اور اس نے روپ کمار کی ماں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بہن! تم روپ کمار کی ماں ہو نا؟''

''ہاں ہاں..... کیوں؟''

''بس! میں تمہیں کیا بتاؤں..... آؤ! میرے ساتھ چلو۔''

''کیا ہوا میرے روپ کو؟ وہ آیا کیوں نہیں؟ ہم سب تو اس کا انتظار کر رہے ہیں۔'' روپ کمار کی ماں نے اس کی چھوٹی بہنوں اور بھائی کو دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اگر تمہیں مجھ پر اعتبار ہے تو آؤ میرے ساتھ۔ میں تمہیں تمہارے بیٹے سے ملاؤں۔ بس! میں اپنی زبان سے اس کے بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی۔''

روپ کمار کی ماں بدحواس ہو گئی تھی۔ پھر وہ چاروں شردھا کے ساتھ باہر نکل آئے اور شردھا انہیں لے کر ایک ویران علاقے کی جانب چل پڑی۔ روپ کمار کی ماں مایاوتی بڑے درد بھرے انداز میں شردھا سے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھ رہی تھی اور شردھا اسے خوفزدہ کئے جا رہی تھی۔ مایاوتی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ اپنے بیٹے کے لئے دعائیں مانگ رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد شردھا اسے لئے ہوئے ایک پراسرار مکان میں داخل ہو گئی۔ یہاں پہنچنے کے بعد اس نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''جاؤ! تمہارا روپ کمار اُدھر اس کمرے میں ہے۔''

جب مایاوتی اپنی دونوں بیٹیوں اور بیٹے کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی تو کمرہ خالی تھا۔ وہاں صرف شردھا تھی جو ایک کرسی پر بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ روپ کمار کی ماں شدت حیرت سے اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اس نے کہا۔ ''تت..... تم..... تم تو باہر تھیں۔ اندر کیسے آ گئیں؟ اور میرا روپ..... وہ کہاں ہے؟''

''وہ بالکل ٹھیک ہے۔ سنو! میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی کیونکہ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ بس! یہ سمجھ لو کہ تھوڑی دیر کے لئے مجھے تم سے کام ہے اور کام صرف اتنا ہے کہ یہاں اپنے بچوں کے ساتھ آرام سے رہو۔ تھوڑا سا وقت یہاں گزار دو۔ اس کے بعد میں تم سے کچھ نہیں مانگوں گی اور تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گی۔''

''لیکن تم نے تو مجھ سے کہا تھا.....''

''ہاں! میں نے جو کچھ تم سے کہا تھا، غلط کہا تھا۔''

''ہوں..... تو پھر؟''

''بس! تم یہاں رہو۔ یہاں تمہارے کھانے پینے کی چیزیں موجود ہیں۔ یہاں سے نکلنے

کی کوشش مت کرنا ورنہ تمہارے بیٹے کو نقصان پہنچ جائے گا۔"

"اچھا..... سچ سچ ایک بات بتا دو۔"

"ہاں پوچھو۔"

"کیا میرا بیٹا....."

"وہ بالکل ٹھیک ہے اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ اسے نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔"

روپ کمار کی ماں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ کسی شیطانی چکر میں پھنس گئی ہے اور اس بات کی تصدیق اس وقت ہوگئی جب اچانک شردھا بیٹھے بیٹھے چھوٹی ہونے لگی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ مکھی بن کر ایک روشندان سے باہر نکل گئی۔ وہ بہت خوش تھی کہ اسے اپنے پہلے منصوبے کی تکمیل میں کوئی مشکل درپیش نہیں آئی۔ وہاں سے آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر وہ تھوڑی دور گئی اور اس کے بعد اس کے چہرے پر تبدیلی رونما ہونے لگی۔ اس نے اپنے آپ کو روپ کمار کی ماں کی شکل میں ڈھال لیا اور آہستہ آہستہ وہاں پہنچ گئی جہاں روپ کمار کی ماں رہتی تھی۔ پھر وہ اطمینان سے ان دونوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ دونوں یہیں آئیں گے۔ شردھا کا خیال بالکل درست تھا۔

سمپورنی کو درشنا نظر آیا تھا تو ایک طرح سے وہ درشنا کی دیوانی ہوگئی تھی۔ روپ کمار کو صحیح صورتحال معلوم نہیں تھی۔ سمپورنی اس قدر بے وقوف بھی نہیں تھی کہ اسے اصلی بات بتا دیتی۔ وہ جانتی تھی کہ مرد، عورت کی کسی کمزوری کو برداشت نہیں کرسکتا۔ روپ کمار چاہے اس وقت کیسے ہی حالات کا شکار کیوں نہ ہو، یہ صورتحال اس کے لئے ناقابل قبول ہو جائے گی کہ سمپورنی اسے کسی اور دوسرے کے حوالے سے چاہتی ہے۔ بہرحال روپ کمار نے اسے اپنے بارے میں مزید بتاتے ہوئے کہا۔ "میری ماں ہے، دو چھوٹی بہنیں ہیں اور ایک بھائی ہے۔ پتا جی بہت پہلے مر چکے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے گھر کے حالات سنبھالے۔ بڑا جو تھا گھر کا۔ لیکن میں ساری کوششوں کے باوجود کچھ بھی نہ کرسکا۔ اب تو لگتا ہے یہ نوکری بھی چھوٹ جائے گی۔ موٹر سائیکل بھی گئی میری۔ دیکھو! بھگوان آگے کیا کرتا ہے۔"

سمپورنی نے اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "بھگوان جو کچھ بھی کرے

گا، اچھا ہی کرے گا۔ چلو! دیکھو، کیا ہوتا ہے آگے۔"

وہ وہاں سے چل پڑے اور آخر کار روپ کمار سمپورنی کے ساتھ اپنے گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ شردھا انتظار کر رہی تھی۔ سمپورنی کی قوتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھی اور اس بات کا اسے شدید خوف تھا کہ کہیں سمپورنی اسے پہچان نہ لے۔ حالانکہ اس نے اپنے طور پر بھرپور کوشش کی تھی کہ ایسا نہ ہونے پائے۔ جب سمپورنی نے اس کے پاؤں چھوئے، تب اس نے سمپورنی کو شانوں سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیا۔ "جیتی رہو بیٹی! کون ہو تم؟ روپ کمار! یہ کون ہے؟"

"ماتا جی! اس کا نام سمپورنی ہے۔ لاوارث اور بے سہارا ہے بیچاری۔ مجھے مل گئی۔ بس ایک طرح سے یہ سمجھ لیجئے کہ اس نے آپ کے بیٹے کی جان بچائی ہے۔ ورنہ بھگوان کی سوگند! میرا تو کریا کرم ہی ہوگیا تھا۔"

"کیا ہوا تھا بیٹے؟" شردھا نے جلدی سے پوچھا۔

"بس ماں! اطمینان سے بتاؤں گا تجھے۔ سمپورنی اب ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے خود یہ بچی بہت پسند آئی ہے۔ تجھے میرے ساتھ چلنا ہے روپ کمار!"

"کہاں ماتا جی؟"

"سمپورنی کو بھی لے چل۔ ایک ایسا شخص ملا ہے مجھے جو میرا بھائی بنا ہوا تھا لیکن بھائیوں سے زیادہ تھا میرے لئے۔ وہ یہاں سے دور دراز ایک ویران علاقے کے ایک گھر میں رہتا ہے۔ بڑا شوق ہے اسے دین دھرم کے کام کرنے کا۔ بہت عرصے کے بعد ملا، بچوں کو دیکھا تو بولا۔ "میں انہیں ساتھ لے جارہا ہوں۔ تم روپ کمار کے ساتھ آنا اور انہیں واپس لے جانا۔"

"کیا؟" روپ کمار اُچھل پڑا۔

"ہاں....."

"تم نے انہیں ایک ایسے شخص کے ساتھ بھیج دیا....."

"ارے نہیں..... مجھے اس پر پورا اعتماد ہے۔"

"مگر مجھے نہیں ہے ماتا جی! آپ چلیں میرے ساتھ اور انہیں لے کر آئیں۔ یہ تو آپ

نے بڑا غلط کام کیا ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ چلو بیٹی! یہ تو وہمی ہے۔ اب یہ بچے ہم بوڑھوں کو پاگل سمجھتے ہیں۔ کوئی کیسے انہیں سمجھائے کہ ہم ہی نے انہیں پال پوس کر جوان کیا ہے۔ ارے کوئی بیوقوف تھوڑی ہیں ہم۔''

''ماتا جی! نجانے کیوں میرا دل گھبرا رہا ہے۔ میرے بہن بھائی.....''

''چلو چلو.....تم دونوں چلو میرے ساتھ۔'' اس کے بعد شردھا انہیں ساتھ لے جانے کے لئے تیار ہوگئی۔ یہ طویل فاصلہ طے کرتے ہوئے روپ کمار کے چہرے پر پریشانی کی لہریں بکھری رہی تھیں۔ سمپورنی کو کیونکہ صورتحال کا اندازہ نہیں تھا اس لئے وہ اسے سمجھا بھی نہیں سکتی تھی۔ پھر جس کھنڈر میں وہ داخل ہوئے، اسے دیکھ کر سمپورنی شدید حیران ہوئی تھی۔

روپ کمار بھی پریشان نظر آنے لگا تھا۔ یہ ایک اور کھنڈر تھا۔ اس نے کہا۔ ''سمپورنی! ہماری تقدیر میں کھنڈر ہی کھنڈر لکھے ہیں۔''

سمپورنی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نجانے کیوں اسے ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ اور پھر یہ احساس بالکل درست ہی نکلا۔ اچانک ہی ایک بڑے پتھر کے پیچھے سے رندھیرا باہر نکل آئی تھی۔ رندھیرا کو دیکھ کر سمپورنی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس نے پریشان نگاہوں سے رندھیرا کو اور پھر روپ کمار کو دیکھا۔ اس کے بعد وہ شردھا کی طرف متوجہ ہوئی۔ شردھا کا چہرہ بھی آہستہ آہستہ بدل رہا تھا۔ اچانک ہی رندھیرا نے اس پر چاولوں کے دانے پھینکے اور ادھر شردھا نے ایک عجیب سے انداز میں زمین سے مٹی اٹھا کر اس کی جانب اچھال دی۔ ان دونوں کے گرد ایک شیشے کی دیوار قائم ہوگئی اور چاولوں کے دانوں نے لمبی زنجیروں کی شکل اختیار کر کے ان کے جسموں کو جکڑ لیا۔

''اچانک ہی شردھا نے اپنا چہرہ بدل لیا اور روپ کمار شدت حیرت سے دیوانہ ہونے لگا۔ اس نے پریشان لہجے میں کہا۔ ''سمپورنی! یہ کون ہیں؟''

''جادوگرنیاں.....لیکن ان جادوگرنیوں نے تمہاری ماں کا روپ کیسے دھار لیا؟ یہ تو..... یہ تو شردھا ہے۔'' سمپورنی بولی۔

جواب میں شردھا نے ایک قہقہہ لگایا اور بہت دیر تک ہنستی رہی۔ پھر بولی۔ ''کیا سمجھتی

ہو تم سمپورنی! تمہارا کیا خیال تھا کہ اتنی آسانی سے تم ہمارے جنگل سے نکل جاؤ گی؟''

رندھیرا بولی۔ ''سمپورنی! تو میری ملکیت تھی...... کسی اور کی کیا مجال کہ تیرے اوپر قابو پا سکے؟''

''رندھیرا! تو نے میرے لئے کوئی جاپ نہیں کیا۔ میں تیری کیسے ہو سکتی ہوں؟''

رندھیرا نے جواب دیا۔ ''یہ میں جانتی ہوں کہ تو میری کیسے ہو سکتی ہے۔ اب تو میرے جال میں جکڑ گئی ہے۔ اس سے نکلنا تیرے بس کی بات نہیں۔

شردھا نے کہا۔ ''سمپورنی! تجھے میرا کام بھی کرنا ہوگا۔''

''کیا.....؟'' سمپورنی بولی۔

''رتنا کہاں ہے؟ رتنا مجھے دے دے۔ دیکھ سمپورنی! میں تجھے چھوڑ بھی سکتی ہوں۔ رندھیرا بھی تجھے تیرے پریمی کے ساتھ چھوڑ سکتی ہے۔ لیکن تجھے میرا کام کرنا ہوگا۔''

''ارے پاپی عورتو! مجھے یہ تو بتا دو کہ میری ماں اور میرے بہن بھائی کہاں ہیں؟'' روپ کمار نے روتے ہوئے کہا۔

شردھا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''نہیں روپ کمار! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تمہاری ماں سے بھی یہی بات کہی تھی کہ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ تمہاری ماں اور تمہارے بہن بھائیوں کو میں نے دھوکے سے ایک اور جگہ بھیج دیا ہے۔ وہ ایک آدھ دن میں گھر پہنچ جائیں گے۔ میرا مقصد تو تم لوگوں کو یہاں لانا تھا۔ تمہیں میں اس لئے لائی ہوں روپ کمار! کہ سمپورنی سے میں یہ بات پوچھوں کہ رتنا کہاں ہے۔''

''بیوقوف کی بچی! رتنا اب میرے پاس نہیں ہے۔ مجھے اس سے نفرت ہوگئی ہے۔'' سمپورنی بولی۔

جواب میں رندھیرا بے اختیار ہنس پڑی اور شردھا بھی اس کے ساتھ قہقہے لگانے لگی۔ نجانے کیوں سمپورنی کو ایک شبے کا احساس ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تم ہنس کیوں رہی ہو؟ بتاؤ چڑیلو.....! تم دونوں کیوں ہنس رہی ہو؟''

جواب میں شردھا بولی۔ ''سمپورنی! تو اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتی تھی نا۔ لیکن تو انسان ہے، ہمارا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے۔ ایک ذرا سی چال ہم نے چلی اور تو چاروں شانے

چت ہوگئی۔"

"چال؟"

"ہاں! بس اتنا بتا دینا کافی ہے کہ درشنا کو رتنا نے نہیں، ہم نے ہلاک کیا تھا۔ اس انداز میں کہ تمہارا شبہ رتنا کی طرف جائے! اور تم دونوں الگ الگ ہو جاؤ۔ ہمارا خیال یہ تھا کہ تم دونوں مل کر ہمارے قبضے میں نہیں آ سکتیں۔ لیکن اگر تم دونوں میں پھوٹ ڈال دی جائے تو تم ہمارے قبضے میں آ جاؤ گی۔" شردھا بولی۔

سمپورنی کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ اچانک ہی اسے رتنا یاد آئی تھی۔ ابھی تک اس کے دل میں رتنا کے لئے نفرت کے آثار تھے۔ وہ سوچتی تھی کہ رتنا ایک غدار دوست نکلی۔ اس نے دوستی نہیں نبھائی۔ لیکن رندھیرا اور شردھا کے اس انکشاف کے بعد وہ بہت زیادہ دکھی ہوگئی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا..... ہائے رام! رتنا کے ساتھ میں نے کیسی زیادتی کی ہے.....

شردھا اور رندھیرا، سمپورنی کو دیکھتی رہیں۔ پھر رندھیرا نے کہا۔ "سمپورنی! تو اسے چاہتی ہے نا؟ یہ تیرا پریمی ہے نا؟" رندھیرا کا اشارہ روپ کمار کی طرف تھا۔

سمپورنی نے روپ کمار کو دیکھا اور اس کی نگاہیں جھک گئیں۔

"اور روپ کمار! تمہیں اپنی ماں اور بہن بھائی چاہئیں؟" رندھیرا نے روپ کمار سے پوچھا۔

"ہاں! میری ماں اور بہن بھائیوں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔ بولو! کیا بگاڑا ہے انہوں نے تمہارا؟ مجھے میری ماں اور بہن بھائی واپس کر دو۔"

"مجھے ان کا اچار نہیں ڈالنا۔ میں کہہ رہی ہوں کہ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ لیکن سنو! اس لڑکی کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ میری غلامی قبول کرے۔ اس سے کہو، تین بار کہہ کہ وہ میری غلام بن جائے۔" رندھیرا نے کہا۔

"میرا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔ نہ یہ میری پتنی ہے اور نہ ہی اس سے میرا کوئی رشتہ قائم ہوا ہے۔ میں اس سے یہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں؟" روپ کمار نے کہا۔

"اگر یہ تم سے پریم کرتی ہے تو اسے تمہاری بات ماننا ہوگی اور یہی اس کے پریم کی کسوٹی ہوگی۔"

"یہ بات میں اس سے نہیں کہہ سکتا۔ مجھے میری ماں اور بہن بھائی واپس کر دو۔ انہوں

نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔"

"سن سمپورنی! رندھیرا تو اپنی بات کر رہی ہے، لیکن میں تجھ سے کہتی ہوں کہ مجھے رتنا کا پتہ بتا دے یا پھر یہ بتا دے کہ وہ کہاں گئی ہے یا کہاں جا سکتی ہے۔ میں اسے تلاش کر لوں گی۔ اس کے بعد تو جانے اور تیرا کام۔ میں رندھیرا سے کہوں گی کہ تجھے چھوڑ دے۔"

"میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔ میرا تو مقصد ہی یہ تھا۔ تو اگر رتنا کو تلاش کرنے میں ناکام رہی ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ رتنا کو تلاش کر لینا۔ تو اسے تلاش کر لائی، یہ تیری مہربانی۔"

"اور تو مجھ پر کیا مہربانی کرے گی؟" شردھا نے کہا۔

"دیکھ! مجھ سے جھگڑا مت کر۔ میں نے تجھے کہہ دیا ہے کہ مجھے سمپورنی کی ضرورت ہے۔ ہم دونوں نے یہ بات تو بہت پہلے طے کر لی تھی کہ ان دونوں میں پھوٹ ڈلوانے کے بعد میں سمپورنی پر قبضہ کر لوں گی اور تو رتنا پر۔ بس! میرا کام ہو گیا ہے۔ اب اپنا کام تجھے خود کرنا ہوگا۔"

ان دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے کے لئے سارا ماحول بھلا دیا تھا اور یہ دیکھنے میں ناکام رہی تھیں کہ پیپل کے درخت کے پیچھے سے وہ لمبا سانپ باہر آ رہا تھا جو دھرما سنگھ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اپنی بدن کی سرسراہٹوں کو سنبھالے ہوئے ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کچھ لمحوں میں وہ ان کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے اس طرح بجلی کی طرح تڑپ کر ان کے پیروں میں بل ڈالے کہ دونوں ہی وحشت سے اُچھل پڑیں۔

دھرما سنگھ نے سانپ کے روپ میں ان دونوں کے پیر جکڑ لئے تھے اور وہ دونوں دھڑام سے نیچے گر پڑی تھیں۔ شردھا نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سانپ کو دیکھا۔ اسی وقت رندھیرا چونک پڑی۔ "جے ہو مہاراج کی..... مہاراج! یہ تو ہم دونوں ہیں۔ میں رندھیرا اور یہ شردھا۔ ہمارے دشمن تو وہ ہیں۔ آپ نے شاید غلطی سے ہم دونوں کو پکڑ لیا ہے۔"

دھرما سنگھ نے اُس کے پیروں میں اپنے بل اور کس دیئے اور وہ دونوں درد سے چیخنے لگیں۔ تب ہی اچانک وہ غبار ختم ہو گیا جس میں سمپورنی اور روپ کمار قید تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں سانپ کے منہ سے ایک آواز نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ سانپ انسانی آواز میں بول رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "سنو! سامنے رسیاں پڑی ہوئی ہیں۔ ان رسیوں پر منتر پڑھے

گئے ہیں۔تم ان رسیوں کو اٹھالاؤ اوران کے ہاتھ اور پاؤں کس کر باندھ دو۔ جلدی کرو! جو کہا جارہا ہے، وہ کرو۔ ورنہ نقصان کے ذمہ دارتم خود ہو گے۔''

کسی سانپ کو انسانی آواز میں بولتے دیکھ کر دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔لیکن بہرحالی سب سے پہلے روپ کمار اس رسیوں کی جانب دوڑا اور پھر اس نے سمپورنی کو بھی آواز دی۔''آؤ! ناگ دیوتا ہماری مدد کررہے ہیں تو اس مدد کو قبول کرو۔''

شردھا اور رندھیرا غراتی رہیں لیکن جادو کی رسیوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے تھے اور وہ بے بس ہوگئی تھیں۔ اس کے بعد دھرما سنگھ نے انسانی روپ اختیار کرلیا۔ اسے دیکھ کر سمپورنی حیرت سے بولی۔''جے ہو مہاراج کی..... دھرما سنگھ مہاراج..... آپ؟''

''شکر ہے تم نے ہمیں پہچان لیا۔ان دونوں چڑیلوں نے بڑی چالاکی سے تمہارے اور رتنا کے بیچ پھوٹ ڈلوادی تھی۔لیکن دیکھو! آخر کار خود اپنے ہی جال میں پھنس گئیں۔ کیا سمجھیں؟''

''ہاں مہاراج! وہ جو کہتے ہیں نا کہ بھگوان کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔آخر یہ لاٹھی انہی کے سر پر پڑی۔''

''تم فکر مت کرو۔ ہاں..... مجھے یہ بتاؤ، رتنا کہاں ہے؟ کیا تم اس کی طرف میری رہنمائی کرسکتی ہو؟''

''آپ سے بالکل جھوٹ نہیں بولوں گی مہاراج۔ جب سے میں اور رتنا ایک دوسرے سے بگڑی ہیں، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے ہی غلطی کی ہے اور رتنا سے دوری اختیار کر لی ہے۔ وہ بیچاری تو بالکل ہی بے قصور نکلی، اُس وقت سے مجھے اس کا پتہ نہیں ہے۔ اب میرے جیون کا سب سے بڑا مقصد رتنا کی تلاش ہے۔ اگر یہ غلط فہمی ہمارے بیچ نہ آتی تو آپ یقین کریں مہاراج! کہ میں تو رتنا کو جیون کی آخری سانس تک نہ چھوڑتی۔ مجھے اس کے بارے میں نہیں معلوم۔مگر اب میں اس کو تلاش کروں گی اور شاید اسے پا بھی لوں۔''

دھرما سنگھ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ سمپورنی سب کچھ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس نے پرخیال انداز میں گردن ہلا دی تھی۔ کچھ دیر تک سوچنے کے بعد اس نے کہا۔''ٹھیک ہے سمپورنی! بس..... اب تم جاؤ۔ ان دونوں کو میں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ مجھے ان کی ضرورت

ہے۔''

شردھا اور رندھیرا دونوں ہی جال میں پھنس گئی تھیں۔ دھرما سنگھ نے اُن کے بارے میں کیا سوچا تھا..... یہ بات تو خود دھرما سنگھ ہی جانتا تھا۔لیکن اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ان دونوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوگا۔ خاص طور پر شردھا سے، جس سے دھرما سنگھ کی پکی دشمنی تھی۔ رندھیرا بھی اس کے ساتھ ہی ماری گئی تھی۔

اُدھر روپ کمار حیران تھا کہ یہ سارا قصہ کیا ہے۔لیکن بہرحال اس نے اس سلسلے میں کوئی ٹانگ نہیں اڑائی تھی۔ دھرما سنگھ سے اجازت لے کر سمپورنی، روپ کمار کے ساتھ واپس چل پڑی۔ راستے میں روپ کمار نے سمپورنی سے اس تمام کہانی کے بارے میں پوچھا تو وہ بولی۔''یہ لمبی کہانی ہے۔تمہیں اطمینان سے اس کے بارے میں بتاؤں گی۔سب سے پہلے تو ہمیں ماتا جی اور چھوٹے بہن بھائیوں کو دیکھنا ہے۔''

''ہاں..... میں ان کے لئے بے حد پریشان ہوں۔'' روپ کمار بولا۔

''فکر مت کرو..... میں انہیں آسانی سے تلاش کرلوں گی۔ اور ویسے بھی جو کچھ بھی ہمیں اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔'' سمپورنی بولی۔ روپ کمار ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا تھا۔

☆

کاغذ کے وہ ٹکڑے مونیکا دیوی تک پہنچ چکے تھے اور رتنا اپنا یہ کام پورا کرنے کے بعد یہ سوچ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ گزرے ہوئے واقعات جس قدر بھیانک تھے، ان کا اسے پورا پورا احساس تھا اور وہ یہ سوچ رہی تھی کہ اب رجنی دیوی کے پاس واپسی بھی کیا معنی رکھتی ہے۔ رجنی دیوی کے بارے میں اسے یہ معلومات حاصل ہو چکی تھیں کہ وہ زندہ نہیں ہے، بلکہ وہ بھی ایک آتما ہے۔ کسی آتما کے احکامات پر اس حد تک عمل کر ڈالنا ہی ایک بڑی بات تھی۔ اب دوبارہ اس کے پاس جانا ایک بے مقصد عمل کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

دوسری صبح مونیکا دیوی سے ملاقات ہوئی۔ وہ بڑی نرمی سے پیش آئیں اور بہت ہی محبت سے اسے اپنے سامنے بٹھایا۔ پھر بولیں۔''رتنا! تمہارے ماضی کے بارے میں، میں سب کچھ جانتی ہوں۔ جو کچھ تمہارے ساتھ بیتی ہے، اگر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ سوچا

جائے تو اس میں تمہارا قصور کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ ایک انسان کو شیطان بنایا گیا ہے۔ بس..... باقی سب ٹھیک ہے۔ تم ایسا کرو میری رائے کے مطابق کسی اچھی سی جگہ ایک قیام گاہ حاصل کرو اور وہاں آرام سے زندگی گزارو۔ انعام کے طور پر میں تمہیں یہ جگہ دے سکتی ہوں۔''

رتنا کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ''دیوی جی! اگر آپ یہ مناسب سمجھتی ہیں تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''تو پھر میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر چلوں گی۔''

مونیکا دیوی نے جو کچھ کہا تھا، وہ کر دکھایا۔ تین دن کے بعد وہ رتنا کو ساتھ لے کر چل پڑی۔ ایک شاندار اور قیمتی کار رتنا اور مونیکا دیوی کو ساتھ لے کر جا رہی تھی اور ایک ڈرائیور اسے ڈرائیو کر رہا تھا جو دھرم سنگھ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ دھرم سنگھ سے رتنا کی خوب اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ دھرم سنگھ ایک خوش مزاج انسان تھا۔ ویسے پراسرار مکان میں اس کی موت اور اس کے بعد اس کا دوبارہ نظر آنا رتنا کے لئے بڑا ہی حیران کن تھا۔

رتنا نے دھرم سنگھ سے اس بارے میں سوال کیا تو دھرم سنگھ نے کہا۔ ''میں کیا بتاؤں رتنا دیوی! یہ سب آسیبی چکر ہیں۔ میں خود بھی حیران ہوں کہ اس رات مجھے کیا ہو گیا تھا۔ بس یوں سمجھ لیجئے مجھے لگا، جیسے میں سو گیا ہوں۔ اس کے بعد کوئی اندازہ نہیں رہا مجھے کہ میں آپ کے ساتھ کیا کرتا رہا ہوں۔ میں اور میرا کتا، ہم دونوں ہی ایک عجیب و غریب حالت کا شکار ہوئے ہیں۔''

بہرحال جس شاندار مکان میں مونیکا دیوی اسے لے کر گئی تھی، وہ اس قدر خوبصورت اور اس قدر شاندار تھا کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جائیں۔ یہاں چار ملازم تھے، جن میں دو عورتیں اور دو مرد تھے۔ یہ سب گھر کے کام کاج میں مصروف تھے۔ مونیکا دیوی نے رتنا کو اس کے بینک کی چیک بکس دیتے ہوئے کہا۔ ''اتنی دولت تمہارے نام پر بینکوں میں جمع کر دی گئی ہے کہ چار زندگیاں مل جائیں، تب بھی خرچ نہیں کر پاؤ گی۔ بس..... سمجھ لو کہ جو چیز تم نے مجھے واپس لا کر دی ہے، یہ سب کچھ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ کاغذ کے ان دو پرزوں کی قیمت کوئی میرے دل سے پوچھے۔ تم یہاں آرام سے رہو۔ اگر تمہارا دل

چاہے تو دھرم سنگھ کو بھی اپنے پاس رکھو۔''

''ہاں! دیوی جی! دھرم سنگھ بہت اچھا آدمی ہے۔ اگر وہ یہاں رہے گا تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔''

دھرم سنگھ نے بھی وہاں خوشی سے رہنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ مونیکا دیوی چلی گئیں اور رتنا اس عظیم الشان کوٹھی کو دیکھتی رہی۔ زندگی کو بہت سے انداز ملے تھے۔ یہ بھی ایک انداز ہی تھا۔ تنہائی میں وہ اس بارے میں بہت کچھ سوچتی تھی۔

اس رات پھر اس پر دیوانگی کا دورہ پڑا تھا..... چاند کی کئی راتیں نکل چکی تھیں اور رتنا ایک عجیب سی تشنگی محسوس کر رہی تھی۔ جس علاقے میں ان کی یہ کوٹھی تھی وہاں آس پاس اور بھی بہت سی کوٹھیاں تھیں۔ رتنا نے قرب و جوار کے لوگوں کو دیکھا بھی تھا۔ خاص طور سے ایک لڑکی جسے اس نے سامنے والی کوٹھی میں ٹینس کھیلتے ہوئے دیکھا تھا، اس سے ملنے اس کے پاس آئی تھی اور اس نے بڑے پیار سے کہا تھا۔ ''دیوی! آپ میری دوست بن جائیے۔ ہم دونوں ساتھ رہا کریں گے۔ بڑا اچھا لگے گا۔''

رتنا اس وقت ذرا ذہنی الجھنوں کا شکار تھی۔ اس نے لڑکی کی اس طرح پذیرائی نہیں کی تھی، جس طرح اسے کرنی چاہئے تھی۔ اس وقت اسے وہی یاد آئی تھی..... کوٹھی کے صدر دروازے سے نکلنے کی بجائے اس کی عقبی دیوار پھلانگ کر وہ باہر نکلی تھی اور پھر سامنے والی کوٹھی میں بھی اسی انداز میں داخل ہوئی تھی۔ دیوانگی جب عروج کو پہنچتی تھی تو اس کی کیفیت ایسی ہی ہو جاتی تھی۔ جسم میں برق کی سی پھرتی پیدا ہو جاتی تھی۔ سامنے والی کوٹھی کے مختلف کمروں میں جھانکتے ہوئے آخر کار وہ لڑکی اسے ایک کمرے میں سوتی ہوئی نظر آ گئی۔ رتنا دروازہ کھول کر اس کے پاس پہنچ گئی اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

حسین لڑکی مست نیند سو رہی تھی۔ اس کی عمر پندرہ سولہ سال سے زیادہ نہیں ہو گی۔ گلابی خون کی روانی نے اسے گلاب گلاب کر دیا تھا۔ لیکن اس وقت یہ گلاب اپنی آخری عمر سے گزر رہا تھا..... جس طرح خطرہ مول لے کر رتنا یہاں پہنچی تھی، وہ خود رتنا کی زندگی کے لئے بڑی ہولناک صورتحال تھی۔ لیکن اس وقت رتنا اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی اور اب یہ صورتحال ایک سنگین شکل اختیار کر چکی تھی۔ رتنا آہستہ آہستہ نیچے جھکی۔ نجانے کس طرح اس لڑکی کی آنکھ کھل گئی۔ ایک لمحے تک تو وہ خوف بھری نگاہوں سے رتنا کو دیکھتی رہی۔ لیکن پھر

دوسرے ہی لمحے جب اس کے حواس بہتر ہوئے تو اس نے چونک کر کہا۔ ''دیدی! آپ.....''

''ہاں.....پہچان لیا تم نے مجھے؟''

''لو.....آپ کو نہیں پہچانوں گی؟ لیکن آپ .....آپ ہمارے گھر کب آئیں دیدی! اور.....اور.....''

''بس! تم سے ملنے کو دل چاہا تو آ گئی۔'' رتنا نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''دیدی! میں نے تو اپنے ممی ڈیڈی سے آپ کے بارے میں بہت سی باتیں کی ہیں۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ بہت جلد میں آپ کو اپنی دوست بنا لوں گی۔ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں دیدی! بہت ہی اچھی.....''

''تم بھی مجھے بہت اچھی لگتی ہو ڈارلنگ۔'' رتنا نے اسے بازوؤں میں بھر لیا اور اس کے بعد اچانک ہی رتنا کے ہونٹ اس کی گردن سے چپک گئے۔

لڑکی کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ لیکن جب اس کی گردن کی رگ میں ایک تیز چبھن ہوئی تو اس نے چونک کر اپنے آپ کو رتنا سے چھڑانا چاہا، لیکن رتنا کے دانت اس کی گردن میں داخل ہو چکے تھے اور اس کے ہاتھ نے لڑکی کے منہ کو بری طرح بھینچ لیا تھا۔ لڑکی نے شدید جدوجہد کی۔ وہ خود بھی جوان تھی اور اس وقت ہوش میں تھی۔ چنانچہ رتنا اس کے ساتھ پلنگ سے نیچے گر پڑی۔ لیکن رتنا کی وحشت کے آگے بھلا اس معصوم بچی کی کیا چلتی.....کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ نڈھال ہونے لگی اور اس کا رنگ سفید پڑنے لگا۔ رتنا اس کے خون سے سیراب ہوئی اور پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد جس طرح یہاں آئی تھی، اسی طرح یہاں سے نکل گئی۔

دوسری صبح جب اس نے سامنے والی کوٹھی میں کہرام مچا ہوا دیکھا تو اسے رات کے واقعات یاد آ گئے۔ لڑکی کی صورت یاد آئی.....اس کی باتیں یاد آئیں اور نجانے کیوں پہلی بار رتنا پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ جو کچھ اس نے کیا تھا، وہ اس کے لئے بڑا تکلیف دہ عمل تھا۔ رتنا کے دل و دماغ میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ پولیس کی بھاگ دوڑ بھی اس نے دیکھی۔ البتہ کسی نے اس کے گھر کی جانب رُخ نہیں کیا تھا۔ رتنا پورا دن ایک عجیب افسوس کا شکار رہی، حالانکہ جسم میں انسانی خون پہنچنے کے بعد اس کے اندر جو کیفیت پیدا ہوتی تھی، وہ بہت

ہی شاندار ہوتی تھی اور وہ انتہائی خوش وخرم نظر آتی تھی۔

یہ عجیب و غریب واقعہ پڑوسیوں کے لئے جتنا حیرانی کا باعث تھا، اس کا اندازہ ہو رہا تھا۔ تمام لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ اس راستے پر پہرہ لگ گیا تھا۔ لوگ اس خون آشام کے بارے میں جاننا چاہتے تھے، جس نے ڈریکولا کی مانند ایک نوجوان لڑکی کا خون پی لیا تھا۔ وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا؟ اس کے بارے میں معلومات حاصل کی جا رہی تھیں۔ اخبارات میں اس کی تفصیل بھی آ رہی تھی اور کچھ ایسے واقعات کے حوالے دیئے جا رہے تھے جن میں رتنا اور سمپورنی کا ہاتھ بھی تھا۔

پولیس کچھ اس قسم کا اظہار کر رہی تھی کہ کوئی خون آشام شہر میں موجود ہے جو یہ وارداتیں کرتا ہے۔ ان وارداتوں کے وقفے کا تعین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن پولیس کے اعلیٰ افسران نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے ایک انکشاف ضرور کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ چاند کی چودھویں تاریخ ہوتی ہے، جب یہ واردات کی جاتی ہے۔ کوئی ایسی شخصیت ہے، جس کا چاند سے گہرا تعلق ہے۔

ان خبروں کو پڑھ کر رتنا کو یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ بات اس حد تک پہنچ جائے گی۔ البتہ اسے سمپورنی ضرور یاد آ گئی تھی۔ سمپورنی نجانے کہاں ہے.....غلط فہمی کا شکار ہو کر اس نے رتنا کو چھوڑ دیا تھا۔ حالانکہ رتنا کا اس میں کوئی قصور نہیں تھا.....بہت وقت تک وہ سمپورنی کو یاد کرتی رہی تھی اور اس نے کہا تھا.....سمپورنی! واپس آ جا.....میں تجھے بہت یاد کرتی ہوں.....

زندگی گزر رہی تھی۔ اب نہ مونیکا دیوی کا پتہ تھا اور نہ ہی رجنی دیوی کا۔ اس کا بینک بیلنس اتنا تھا کہ اسے زندگی گزارنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ اب وہ کبھی کبھی باہر بھی چلی جاتی تھی۔ اس گھر کے ملازموں میں سے ایک ملازم، جس کا نام ہری ناتھ تھا، ایک دن اس کے پاس آیا، رتنا سے کہا۔ ''بیگم صاحبہ! ایک بنتی کرنے آیا ہوں آپ سے۔''

''کیا بات ہے ہری ناتھ؟'' رتنا نے پوچھا۔

''بیگم صاحبہ! گاؤں میں میری بہن رہتی تھی۔ ایک ہی بیٹا ہے اس کا۔ بہن کو سانپ نے ڈس لیا۔ وہ مر گئی۔ بیٹا اکیلا رہ گیا ہے۔ آپ اگر اجازت دیں تو اسے یہاں اپنے پاس لے آؤں؟ وہ بھی گھر کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرے گا۔ میں اسے اپنے کوارٹر میں رکھ لوں

گا۔"

"رکھ لو ہری ناتھ! میں نے کون سا منع کیا ہے۔"

"بھگوان آپ کو سکھی رکھے بیگم صاحبہ۔" ہری ناتھ چلا گیا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو رتنا کے لئے قابل توجہ ہوتی۔ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ کب ہری ناتھ کا بھانجا اس کے پاس آ گیا۔

ایک شام جب وہ اپنی رہائش گاہ کے عقبی حصے میں پھولوں کے کنج کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، اس نے ایک دیہاتی قسم کے نوجوان کو دیکھا۔ لمبا چوڑا بدن، انتہائی خوبصورت چہرہ.... مگر جہالت کی تصویر۔ لباس سے بھی جہالت ٹپکتی تھی۔ وہ اس طرف آنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اجنبی صورت اور پھر اس طرح اپنی طرف آتے دیکھ کر رتنا کچھ بوکھلا سی گئی۔ نوجوان اس کے قریب آ گیا۔ اس نے کہا۔ "پکڑی گئی نا سسری.... آج پکڑی گئی۔ ارے تیری چٹیا کاٹ کے تجھے گنجا کر دیں گے ہم۔ تیرے باپ کا گھر ہے یہ؟ تجھے پتہ ہے کہ جو پھول توڑ کر تو لے جاتی ہے، وہ کتنے قیمتی ہیں۔ مالکن کو پتہ چل گیا تو ڈنڈا لے کر تیرا اور ہمارا دونوں کا سر پھوڑ دیں گی اور ہم جائیں گے کام سے۔ اب بول..... کیا کریں تیرے ساتھ؟"

"کون ہو تم؟"

"ہوں..... اب تجھے اپنے باپ دادا کا نام پتہ بتائیں..... چور کی اولاد! بول، کیا کریں تیرے ساتھ؟"

"ارے.... بک بک کئے جا رہے ہو..... میں پوچھتی ہوں، تم ہو کون؟"

"تجھ سے ہم کیا کہیں گے..... لڑکی ہے، تیرے ماتا پتا سے پوچھیں گے کہ سنسار میں بھاڑ جھونکنے کے لئے پیدا کرنا ضروری تھا تیرا..... ابھی تو پھول چوری کرتی ہے، اس کے بعد گھر کی چیزیں اٹھا کر لے جانا۔ تیرے باپ کا گھر ہے نا یہ..... چل اٹھ! کدھر رہتی ہے تو؟"

نجانے کیوں رتنا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ چل رہی ہوں۔"

"پھول تو ہی چراتی ہے نا؟"

"اب جب تم نے مجھ پر چوری کا الزام لگا ہی دیا ہے تو میں کیسے تمہیں سمجھاؤں کہ میں پھول نہیں چراتی۔"

"ارے..... تو سمجھائے گی تو ہم سمجھ جائیں گے۔ اندھا سمجھا ہے ہم کو؟ یہ کپڑے کہاں سے چرائے تو نے؟ چوٹی! تیرے ماتا پتا تو ایسے کپڑے تجھے پہنا نہیں سکتے۔"

"کیوں؟ تم کیا سمجھتے ہو، میرے ماتا پتا کیا اتنے ہی غریب ہیں؟" رتنا نے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"اگر ڈھنگ کے ہوتے تو تجھے ایسے آزاد چھوڑ دیتے جیسے گھر سے بھاگی ہوئی گائے..... ویسے میں کہتا ہوں، مالی تجھے اندر کیسے آنے دیتا ہے۔ اوہ...... ہو..... میں سمجھ گیا۔ دیوار کود کر آتی ہو گی۔ دھت تیری، ستیاناس کر دے گی ہماری کیاری کا بھی۔ ارے ماما نے کہا ہے کہ کیاری کا ایک پتا بھی خراب نہ ہونے پائے۔ مگر تجھ جیسی بھینس دیوار کودے گی تو کیاری خراب نہیں ہو گی تو اور کیا ہو گا..... ٹھہر جا سسری! کل ہی دیوار پر یہ لمبے لمبے شیشے لگائیں گے پاؤں رکھے گی تو کٹ کر ہی گر پڑے گا۔"

"اتنی ساری باتیں کر رہے ہو تم۔ لیکن اپنا نام نہیں بتایا تم نے۔"

"کرپا رام ہے ہمارا نام۔ بھگوان کی کرپا ہے۔"

"کرپا رام جی! آپ نازل کہاں سے ہوئے ہیں؟"

"کیا ہوئے ہیں......؟"

"میرا مطلب ہے آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"گاؤں سے آئے ہیں اور کیا۔ ماں مر گئی ہے ہماری۔ ماما جی ہمیں ادھر لے آئے ہیں۔"

رتنا کو ایک دم یاد آ گیا کہ ہری ناتھ نے اپنے بھانجے کے بارے میں کہا تھا..... تو یہ ہری ناتھ کا بانجھا ہے۔ سیدھا سادھا، خوبصورت، چوڑا چکلا لیکن وفادار..... رتنا کو یہ شخص بہت بھایا تھا۔

"اب اٹھتی ہے یا پکڑ کر اٹھائیں تجھے؟"

"چلو..... تم پکڑ کر اٹھا لو۔"

"ارے..... ارے..... عجیب نٹ کھٹ ہے۔ اری اُٹھ جا شرافت سے اور ہمیں اپنے گھر

لے چل۔ لڑکی نہ ہوتی تو بتاتے تجھے۔ لیکن اب تیرے ماتا پتا سے بات کریں گے۔ شرافت سے کھڑی ہو جا۔'' اس نے رتنا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو رتنا کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے واقعی وہ اس کا گریبان پکڑ کر اٹھا دے گا۔ وہ جلدی سے اٹھ گئی تھی۔

رتنا نے افسوس سے کہا۔ ''ماتا پتا تو نہیں ہے ہمارے۔''

''کوئی تو ہوگا سسرا، جو تجھ جیسی بیل کو کھلاتا پلاتا ہوگا۔ چل! آگے بڑھ اور ہمیں اپنے گھر لے چل۔''

رتنا خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔ کرپارام کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا۔ وہ ڈنڈے کو گھماتا ہوا چل رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''بھاگنے کی کوشش کی تو ڈنڈا پھینک کر ماروں گا تیرے پیروں میں اور ٹوٹ جائیں گی تیری ٹانگیں۔ سمجھے ہے نا؟ ہم بڑے بگڑے ہوئے آدمی ہے۔''

''چل تو رہی ہوں۔'' رتنا نے کہا اور راستہ کاٹ کر سامنے کے دروازے پر آ گئی۔ پھر وہ اندر داخل ہوئی تو کرپارام نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''اری..... اوہ..... اُدھر کیا تیری ماں رہتی ہے؟ ادھر مالکن رہتی ہے۔ مروائے گی ہمیں۔ شرافت سے اپنے گھر چل رہی ہے یا نہیں؟''

''یہی میرا گھر ہے کرپارام جی۔''

''جھوٹ بہت زیادہ بولتی ہے تو بھگوان کی کرپا سے۔''

''نہیں، میں یہیں رہتی ہوں۔''

''کیا.....ہم نے تو تجھے کبھی نہیں دیکھا۔''

''تو میں کیا کروں؟ تم کبھی اندر آئے ہی نہیں۔ میرا تو قصور نہیں ہے اس میں۔''

''یہاں کوئی کام کرتی ہو؟''

''کوئی کام نہیں کرتی۔ میں مالک ہوں اس گھر کی۔''

''ایں.....'' کرپارام کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے نیچے سے اوپر تک رتنا کو دیکھا۔ پھر خوف زدہ لہجے میں بولا۔ ''کیا کہا تو نے.....؟''

''رتناوتی ہے میرا نام۔ میں اس حویلی کی مالک ہوں۔''

''ارے رام..... سچ بول رہی ہے بھگوان کی کرپا سے؟''

''تو اور کیا۔ وہ دیکھو! تمہارے ماما ہری ناتھ آ رہے ہیں۔ ان سے پوچھ لو۔ میں اس گھر کی مالک ہوں۔''

''مر گئے...... ہرے رام......'' کرپا نے کہا اور اتنی لمبی چھلانگ لگائی کہ اوندھے منہ گرتے گرتے بچا۔ اس کے بعد وہ ایسا بھاگا کہ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ رتنا کے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا..... بڑے مزے کی چیز ہے یہ تو..... اس نے سوچا تھا۔

☆

سمپورنی، روپ کمار کو ساتھ لے کر اس کے گھر چل پڑی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے تقدیر نے اس کی محبت کو قبول کر کے اس کا درشنا اسے واپس لوٹا دیا ہو۔ روپ کمار سچ مچ درشنا کا دوسرا روپ تھا اور سمپورنی اسے پا کر بے حد خوش تھی۔

بہرحال وہ گھر پہنچے اور کچھ وقت کے بعد روپ کمار کی ماں، بہنیں اور بھائی بھی آ گئے۔ گھر میں خوشیوں کا راج ہو گیا۔ روپ کمار نے سمپورنی کا تعارف ایک ایسی لڑکی کی حیثیت سے کرایا جو لاوارث اور بے سہارا تھا۔ اچھے لوگ، اچھے ہی ہوتے ہیں۔ اور جہاں غربت کا بسیرا ہوتا ہے، وہاں نیکیاں بھی ساتھ ساتھ ہوتی ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ غربت اور نیکیوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر انسان نیکیاں چھوڑ دے تو دولت اس سے زیادہ دور نہیں رہتی۔ کیونکہ کبھی کبھی دولت کی برائیاں انسان سے اس کی انسانیت بھی چھین لیتی ہیں۔

روپ کمار کی ماں نے تنہائی میں روپ کمار سے کہا۔ ''روپی! یہ لڑکی تو مجھے بہت ہی پسند ہے۔ لیکن ہمارے اس غربت بھرے ماحول میں آئی ہے۔ کیا یہ یہاں خوش رہے گی؟ اگر یہ اس ماحول کو قبول کر لے تو بھگوان کی سوگند! میں اسے اپنی بہو بنا لوں۔ بڑی سندر، بڑی پیاری ہے یہ۔''

''ماتا جی! آپ کی باتیں بھی انوکھی ہوتی ہیں۔ ابھی اسے آئے ہوئے کچھ گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہوئے اور آپ نے اسے بہو بنا لیا۔''

''لے..... میں نے کون سا بہو بنا لیا ہے اسے۔ میں تو اپنے دل کی بات کر رہی ہوں تجھ سے۔ مگر اس بات کو تو اپنے دل میں رکھنا۔ اگر اس لڑکی کا دل ہماری اس غربت سے نہ اکتایا تو بھیا! میں تو کہے دیتی ہوں کہ اسے اپنی بہو بناؤں گی۔''

روپ کمار مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔ سمپورنی یہ باتیں سن رہی تھی اور اس کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ بڑبڑائی۔ ''ماں جی! میں آپ کو غریب رہنے ہی نہیں دوں گی۔ بس کوئی ترکیب درکار ہے مجھے۔ جس سے آپ لوگوں کو اصلیت کا پتہ بھی نہ چلے اور میرا کام بھی بن جائے۔''

دوسرے دن سمپورنی نے روپ کمار سے کہا۔ ''درشنا جی! کیا نوکری چھوڑ دو گے؟ اپنی نوکری پر واپس نہیں جاؤ گے؟''

روپ کمار کے چہرے پر فکرمندی کے آثار پھیل گئے۔ کہنے لگا۔ ''جانا تو ہے۔ نوکری اتنی آسانی سے تو نہیں ملتی۔ مگر میں کیا کروں۔ میری موٹر سائیکل تو وہاں رہ گئی ہے اور میری بالکل ہمت نہیں ہے کہ وہاں دوبارہ جا کر اپنی موٹر سائیکل حاصل کروں۔ پریشان ہوں اور اسی سوچ میں ڈوبا ہوا ہوں کہ کیا، کیا جائے۔ کوئی حل نکال لوں گا تو چلا جاؤں گا۔ دو چار دن کا نہ جانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔'' روپ کمار نے تو یہ الفاظ اپنی پریشانی کے اظہار کے طور پر کہے تھے۔ لیکن سمپورنی کو اشارہ مل گیا۔

دوسرے دن صبح روپ کمار اپنے گھر کے دروازے سے باہر نکلا تو اس کی موٹر سائیکل اپنی جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ روپ کمار کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بے اختیار وہ موٹر سائیکل کی طرف دوڑا۔ موٹر سائیکل بالکل صحیح سالم حالت میں تھی۔ روپ کمار کی عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ موٹر سائیکل یہاں کون چھوڑ گیا۔ وہ اس کا مکمل جائزہ لینے لگا۔ موٹر سائیکل کی ایک سائیڈ پر تھیلا بندھا ہوا تھا۔ لیکن اس میں کوئی خاص چیز نہیں تھی۔ اس نے بیٹھ کر تھیلا کھولا تو سب سے پہلے اسے ایک پرچہ نظر آیا اور اس کے بعد نوٹوں کی گڈیوں کے انبار..... روپ کمار کا سر چکرا گیا تھا۔ اس نے یہ نوٹ نکال نکال کر دیکھے۔ ہزار ہزار کے نوٹوں کی گڈیاں تھیلے میں نیچے سے اوپر تک چنی ہوئی تھیں اور وہ رقم لاکھوں میں پہنچتی تھی۔

روپ کمار کافی دیر تک پریشانی سے ان گڈیوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے پرچہ کھول کر پڑھا۔ لکھا ہوا تھا۔ ''روپ کمار جی! اس مکان میں تمہیں جتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، ہم اس کے لئے تم سے معذرت چاہتے ہیں۔ لیکن کیا، کیا جاتا۔ اس مکان میں داخلہ منع ہے۔ واقعی! اگر تم ہمارے ہاتھ لگ جاتے تو ہم تمہیں ہلاک کر کے اسی جگہ ڈال دیتے جہاں تم نے وہ بے شمار لاشیں اور ان کی ہڈیاں دیکھی تھیں۔ یہ ہماری مجبوری ہے۔ کیا مجبوری ہے، اس

کے بارے میں ہم تمہیں نہیں بتا سکتے کیونکہ اس کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن تم ایک بہادر انسان ہو۔ تم بڑی محنت کے ساتھ وہاں سے نکل آئے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ تمہیں اس بہادری کا انعام اس حقیر رقم کی شکل میں دیا جا رہا ہے۔ اور بات یہیں تک محدود نہیں رہے گی۔ یہ انعام تمہیں وقفے وقفے سے ملتا رہے گا۔ عیش کی زندگی گزارو۔ لیکن ایک بات کا خیال رکھنا، دوبارہ کبھی اس طرف کا رُخ نہ کرنا۔ ورنہ اس بار شاید تم بچ کر کبھی نہیں آ سکو گے۔ ہم تمہاری موٹر سائیکل واپس کر رہے ہیں۔ اس رقم کے بارے میں کسی سے کوئی خاص تذکرہ نہ کرنا۔ ہاں، اس کے خرچ کے سلسلے میں مشورے لے سکتے ہو۔ اس میں ہمیں اعتراض نہیں ہوگا۔ ہماری ہدایات کا خاص خیال رکھنا.....''

روپ کمار پر غشی کے دورے پڑنے لگے۔ یہ رقم واقعی اس کے لئے ہے اور وہ اسے خرچ کر سکتا ہے..... یہ بات ناقابل یقین تھی۔ وہ چکرائی ہوئی نگاہوں سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر ایک دم اسے ہوش آیا تو اس نے کینوس کا وہ تھیلا پکڑا اور اسے لے کر اپنی کوٹھڑی میں جا گھسا۔ رقم چھپانے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش میں وہ مارا مارا پھر رہا تھا۔ آخر کار اس نے یہ رقم چھپائی اور اس کے بعد سارا دن اسی پریشانی میں ڈوبا رہا۔ سمپورنی اس کی یہ کیفیت دیکھ رہی تھی اور بار بار مسکرانے لگتی تھی۔

بیچارہ روپ کمار یہ غیر متوقع طور پر حاصل ہونے والی دولت ہضم نہیں کر پا رہا تھا۔ رات کو اس نے اپنے پیٹ کا درد ماں کے سامنے بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''ماتا جی! آپ نے ایک بات کہی تھی سمپورنی کے بارے میں۔''

''کیا بیٹا؟''

''یہی کہ اگر ہمارے حالات اچھے ہو جائیں تو اس کو..... میرا مطلب ہے میرے جیون میں شامل کر دیں گی۔''

''بیٹا! وہ اتنی اچھی ہے کہ میں تو اسے ایسے بھی تیرے جیون میں شامل کرنا چاہتی ہوں، اگر وہ خود تیار ہو جائے۔''

''اگر وہ تیار ہو جائے ماتا جی! تو آپ ایسا کر سکتی ہیں؟''

''ہاں! کیوں نہیں؟''

''دیکھئے ماتا جی! میں تو اتنی ہمت نہیں رکھتا کہ اس سے یہ بات کہہ دوں۔ آپ میری مدد

کریں۔''

''مگر بیٹا! ہمارے پاس اس کے لئے ایک اچھا جیون بھی تو ہو۔ ہم کیا دیں گے اسے؟''

''ماتا جی! اتنا کچھ دیں گے ہم اسے کہ وہ بھی جیون بھر خوش رہے گی۔''

ماں یہ سن کر ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ ''اگر تو مجھے دکھا دے کہ تو اسے کیسے دے سکتا ہے اور کیا دے سکتا ہے تو میں اس سے بات کرلوں گی۔''

''دیکھو ماتا جی! پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم یہ گھر چھوڑ دیں گے۔ شہر میں جائیں گے اور ایک اچھا سا گھر لیں گے اور اس کے بعد تم میری اس سے شادی کر دینا۔''

''شادی تو میں تیری اس سے یہیں کر دوں گی، اگر تو مجھے پیسے دکھا دے۔''

''تمہیں میرے اوپر بھروسہ نہیں ہے۔''

''تیرے علاوہ سنسار میں، میں کس پر بھروسہ کرسکتی ہوں۔ لیکن بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''سب کچھ سمجھ میں آ جائے گا۔ بس! تم تیاریاں کرو۔''

سمپورنی، ماں بیٹوں کی یہ گفتگو سن کر خوب ہنس رہی تھی۔ اسے خوشی تھی۔ درشنا کو اس نے دل و دماغ سے چاہا تھا۔ درشنا تو اسے نہیں مل سکا تھا، لیکن شاید بھگوان نے اسے اس کی محبت کا انعام دیا تھا اور اب وہ روپ کمار کو ہی درشنا کا درجہ دیتی تھی۔

ماں بیٹوں میں خوب کھچڑی پک رہی تھی۔ پھر دوسرے ہی دن روپ کمار کی ماں نے بڑی عاجزی سے سمپورنی کو کہا۔ ''بیٹی! تو نے بتایا تھا کہ سنسار میں تیرا کوئی نہیں ہے۔''

''ہاں ماتا جی! بتایا تھا۔ مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب سنسار میں میرا کوئی نہیں تھا۔ اب کی بات نہیں ہے۔''

''ہیں..... میں سمجھی نہیں؟''

''ماتا جی! کیا اب بھی میرا اس سنسار میں کوئی نہیں ہے؟''

''مجھے کیا پتا بیٹی؟''

''آپ نہیں ہیں میری.....''

''ایں..... روپ کمار کی ماں خوش ہوگئی۔ پھر بولی۔ ''میں تو ہوں بیٹی! وہی تو میں تجھ سے کہہ رہی تھی کہ جب تو نے کہا تھا کہ سنسار میں تیرا کوئی نہیں ہے تو بڑا دکھ ہوا تھا مجھے یہ

بات سن کر۔ ارے.... میں کیا مرگئی ہوں؟ میں جو ہوں اس سنسار میں تیری۔''

''بھگوان آپ کو سلامت رکھے ماتا جی! آپ کی وجہ سے ہی تو میں یہ سمجھنے لگی ہوں کہ اب میں سنسار میں اکیلی نہیں ہوں۔''

''بھگوان تجھے سکھی رکھے۔ دیکھ بٹیا! کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان یہ باتیں ایسے آدمی سے کر لیتا ہے، جس سے اسے یہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ لیکن کیا، کیا جائے.... نہ میرا کوئی ہے، نہ تیرا کوئی۔''

''ماتا جی! ہم دونوں جو ایک دوسرے کے ہیں۔''

''وہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ تو پھر میں تجھ سے من کی بات کہہ دوں؟''

''لو ماتا جی! اب ان ساری باتوں کے بعد بھی یہ سب پوچھنے کی ضرورت ہے؟''

''بیٹی! میں چاہتی ہوں کہ تو سارے جیون کے لئے میری ہو جائے۔''

''وہ تو میں ہوں ماتا جی۔''

''نہیں! میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ اگر تو میرے روپ کو سوئیکار کر لے تو میں تیرا یہ احسان جیون بھر نہیں بھولوں گی۔'' سمپورنی کی گردن جھک گئی۔ روپ کمار کی ماں پھر بولی۔ ''دیکھ بٹیا! ہم اتنے ننگے بھوکے نہیں رہیں گے۔ اب لگتا ہے بھگوان نے ہمارا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔ وہ تو یہی کہتا ہے۔''

''ماتا جی! دولت ہی تو سنسار میں سب چیز نہیں ہوتی۔ آپ مجھے جو حکم دیں گی، میں اسے پورا کروں گی اور یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔''

''بس! تو میں یہ چاہتی ہوں کہ اپنے روپ سے تیرے پھیرے کرا دوں۔ تجھے کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟''

سمپورنی نے گردن جھکا کر کہا۔ ''نہیں.....''

اور پھر سمپورنی کو درشنا مل گیا۔ روپ کمار کو وہ درشنا ہی کہتی تھی۔ وہ بیچارہ اتنا معصوم اور سادہ انسان تھا کہ اس نے نہ تو یہ پوچھا تھا کہ وہ اسے درشنا کیوں کہتی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی اعتراض کیا تھا۔ دونوں ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔

ایک دن روپ کمار نے کہا۔ ''سمپورنی! میرا دل چاہتا ہے کہ یہ شہر چھوڑ کر کہیں اور چلیں.... کسی دوسرے اور اچھے شہر۔ تمہاری کیا رائے ہے؟''

''بالکل اچھی رائے ہے۔''

''تو پھر تیاریاں کریں؟''

''ہاں! کیوں نہیں۔''

اصل میں روپ کمار یہاں اس آبادی میں اپنے آپ کو کوئی دولت مند شخصیت ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ابتداء ہی سے وہ یہاں رہتا تھا اور یہاں کے لوگ اسے جانتے تھے۔ سارے کے سارے یہ پوچھیں گے کہ آخر اس کے پاس یہ دولت کہاں سے آئی۔ چنانچہ وہ یہ جگہ چھوڑ کر کہیں اور جا چھپنا چاہتا تھا۔

ماں، بہنوں، بھائی اور بیوی کو لے کر آخر کار اس نے یہ آبادی چھوڑ دی۔ بڑی احتیاط کے ساتھ اس نے اپنی دولت محفوظ کر لی تھی۔ کسی کو بھی اس کے بارے میں ابھی تک نہیں بتایا تھا۔ بس ضرورت کے مطابق تھوڑا سا نکال لیتا تھا اور اسی میں گزر بسر کر رہا تھا۔ نئے شہر میں آنے کے بعد سب سے پہلے اس نے ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر حاصل کیا اور اس کے بعد کوشش کرنے لگا کہ کوئی اچھا سا اپنی پسند کا مکان لے لے۔ وہ پڑھا لکھا آدمی تھا۔ کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں تھی۔ ایک مکان اسے بے حد پسند آیا۔ لیکن اس کی قیمت معلوم کی تو بے پناہ تھی۔ افسوس کر کے گھر آ گیا۔ سمپورنی اس پر پوری پوری نگاہ رکھتی تھی۔ جب سمپورنی نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ وہ اداس کیوں ہے...... تو روپ کمار نے کہا۔ ''اصل میں سمپورنی! میرے پاس تھوڑی سی رقم ہے۔ میں ایک گھر خریدنا چاہتا ہوں جو مجھے پسند آ گیا ہے۔ لیکن میرے خیال میں، میں اسے خرید نہیں سکتا۔''

''ہائے رام.... تم نے تو مجھے حیران کر دیا ہے۔'' سمپورنی حیرت زدہ ہو کر بولی۔

''لو! اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟''

''ارے تم نہیں سمجھتے۔ پچھلی ہی رات میں نے ایک سپنا دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لکڑی کے ایک صندوق میں تم نے کچھ رقم چھپائی ہے۔ اچھی خاصی رقم ہے وہ اور تم نے وہ صندوق زمین میں گاڑھا ہوا ہے۔ میں نے سپنے میں دیکھا کہ تمہیں زیادہ رقم کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ ایک جوگی مہاراج آتے ہیں اور کہتے ہیں سمپورنی! درشا کو بتا کہ لکڑی کا صندوق کھول کر اس میں سے پیسے نکالے۔ اس میں نوٹوں کی گڈیاں چنی ہوئی ہیں۔ صندوق کا ڈھکن کھول کر وہ منہ دوسری طرف کرے اور اپنی ضرورت کے مطابق نوٹوں کی گڈیاں نکالتا رہے۔ جب اس کی ضرورت کی رقم پوری ہو جائے تو وہ صندوق اسی طرح بند کر دے اور جب بھی اسے کسی کام کے لئے رقم کی ضرورت پیش آئے، وہ اسی طرح اس میں سے رقم نکال لیا کرے۔''

روپ کمار حیران رہ گیا تھا۔ صندوق کو تو واقعی اس نے زمین میں گاڑھ دیا تھا اور کسی کو اس کے بارے میں ابھی تک نہیں بتایا تھا۔ بہرحال وہ اس وقت خاموش ہو گیا۔ لیکن آدھی رات کو اٹھا اور اس نے سمپورنی کے کہنے کے مطابق صندوق میں سے رقم نکالنی شروع کر دی اور یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں کہ اس کی ضرورت کے مطابق نوٹوں کی گڈیاں نکل آئی تھیں۔ اس نے صندوق بند کیا اور خوشی سے دیوانہ وار نوٹوں کے بنڈل کپڑے میں باندھے اور انہیں اپنے سرہانے رکھ کر لیٹ گیا۔ نیند کا نام ونشان نہیں تھا۔

دوسری صبح وہ چل پڑا۔ اور پھر اس نے تمام تر کارروائیاں کر کے اپنی پسند کا وہ مکان خرید لیا۔ زندگی کے عیش وعشرت پایہ تکمیل کو پہنچنے لگے۔ مکان بہت شاندار تھا۔ کار بھی خرید لی گئی تھی۔ روپ کمار کی ماں کہا کرتی تھی۔ ''بیٹا! اولاد شوہر کی تقدیر سے ہوا کرتی ہے اور دولت بیوی کی تقدیر سے۔ بھگوان نے تجھے اتنا کچھ دے دیا، جتنا تو پہلے کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اب بھگوان تجھے اولاد بھی دے گا۔ مگر یہ بات یاد رکھنا کہ تیری دھرم پتنی بڑی بھاگوان ہے۔''

روپ کمار ہنس کر خاموش ہو گیا۔ سمپورنی اپنے درشا کی دیوانی تھی۔ وہ اس کی قربت میں زندگی کا حسین سفر طے کر رہی تھی۔ کبھی کبھی دل میں رتنا کی یاد آ جایا کرتی تھی یا پھر گزرا ہوا ماضی..... لیکن اس نے اپنے ساتھ برا کرنے والوں کو معاف کر دیا تھا۔ کیونکہ اس کے خیال میں بھگوان نے اسے اس کا بھرپور صلہ دے دیا تھا۔ جس علاقے میں وہ رہ رہی تھی، وہ بہت ہی خوبصورت تھا۔

ایک روز اس نے دیکھا کہ ایک کار سامنے والے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ لیکن اس کار میں اس نے جو کچھ دیکھا تھا، اسے دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ وہ سو فیصدی رتنا تھی۔

☆.....☆.....☆

دھرما سنگھ نے شردھا اور رندھیرا کو اپنے جادو کے جال میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دونوں عورتیں بھی جادو کی ماہر ہیں۔ شردھا سے اسے دلی نفرت تھی کیونکہ شردھا نے اسے اس کے سارے علم سمیت جہنم رسید کر دیا تھا۔ وہ تو تقدیر اچھی تھی کہ وہ بچ گیا تھا ورنہ شردھا تو اپنا کام کر ہی چکی تھی۔ رندھیرا سے زیادہ اسے شردھا سے نفرت تھی۔ لیکن بہر حال اس نے دونوں کو اچھی طرح جکڑ رکھا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے کام کو مزید مضبوط کرنے کے لئے عمل شروع کر دیا۔ اس نے شیشے کا ایک گولہ بنایا اور اسے ایک جگہ محفوظ کر لیا۔ پھر اس نے ایک عمل پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ جوں جوں اس عمل کو پڑھ رہا تھا، شردھا اور رندھیرا کے قد چھوٹے ہوتے جا رہے تھے۔

رندھیرا نے پہلے یہ بات محسوس کی اور شردھا سے کہا۔ ''شردھا! ہم دونوں ایک دوسرے سے اختلاف کی بناء پر دھرما سنگھ کے جال میں پھنسی ہیں۔''

''ہاں! وہ سب کچھ ہم پر لوٹ رہا ہے، جو ہم نے کیا تھا۔ ایسا ہی تو ہم نے سمپورنی اور رتنا کے ساتھ کیا تھا۔

''میں اس بات کو نہیں مانتی۔ ہم نے جو کچھ کیا، وہ ہماری ضرورت تھی۔ اب یہ پاپی جادوگر ہم سے کیا چاہتا ہے؟ کوئی ایسی ترکیب نکالو شردھا! جس سے یہ ہمارے جال میں پھنس جائے۔''

''بدقسمتی تو یہ ہے کہ اس نے ہمیں بالکل بے بس کر کے رکھ دیا ہے اور اب ہمارے بدن چھوٹے ہوتے جا رہے ہیں۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے کچھ عرصے کے بعد ہم بالکل چھپکلی ہی بن کر رہ جائیں گی۔ اور اس کے بعد وہ ہمیں آسانی سے اپنے قابو میں کر لے گا۔''

''ایک بار اس سے پوچھو تو سہی کہ آخر وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟''

''ایک کام کرتے ہیں۔'' شردھا نے کہا۔

''کیا.....؟'' رندھیرا نے پوچھا۔

''ہم اپنی عمریں بدل لیتے ہیں۔ خوبصورت لڑکیوں کا روپ دھار کر اگر ہم اس کے سامنے آئیں تو ممکن ہے دھرما سنگھ مہاراج حسن کے جال میں پھنس جائیں۔''

''یہ کام تم کر سکتی ہو؟''

''ہاں! کیوں نہیں۔''

اور اس کے بعد دونوں نے اپنے اپنے عمل شروع کر دیئے۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ان دونوں نے دو حسین اور جوان لڑکیوں کا روپ دھار لیا۔ دھرما سنگھ اپنے معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جب ان کے پاس آیا تو انہیں دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ ایک لمحے کے لئے تو اس کا دل ڈول ہی گیا تھا۔ اس نے اپنے عمل سے اندازہ لگایا کہ یہ وہی دونوں ہیں یا پھر کوئی اور۔ لیکن اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ شردھا اور رندھیرا ہی ہیں۔

دھرما سنگھ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''خوب روپ بدلا ہے تم نے۔ کسی کا دل لوٹنے کے لئے کافی ہے۔''

''ایک بات کہوں مہاراج! سنسار میں تو ایسے بہت سے پڑے ہیں۔ ہم ایسے روپ دھار کے کسی کو بھی بے وقوف بنا سکتے تھے لیکن من نہیں چاہا۔ اصل میں یہ روپ ہم نے آپ کے لئے دھارا ہے۔''

''میرے لئے؟'' دھرما سنگھ مسکرا کر بولا۔

''تو اور کیا؟ اب تو آپ ہی ہمارا گیان دھرم ہیں مہاراج!''

''خوب.....خوب.....گویا تم مجھے بے وقوف بنانا چاہتی ہو۔''

''نہیں مہاراج! دیکھیں، گیان کے کچھ رشتے ہوتے ہیں۔ عام آدمی تو چٹکیاں بجا کر ہمارے جال میں پھنس سکتا ہے۔ لیکن ہم سے بڑا گیانی ہمارے لئے باعث عزت ہی ہو سکتا ہے۔ مہاراج! ایک کام کیوں نہ کریں؟''

''ہاں بولو!''

''ایک بات بتایئے۔ آپ کو رتنا ہی کی تلاش کیوں ہے؟''

''نہیں! مجھے دیوانگی کی حد تک اس کی تلاش نہیں ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ سارا جیون میں نے جو حاصل کرنا چاہا ہے، وہ حاصل کر لیا ہے۔ اگر کوئی اس طرح سے میرے

جال سے نکل کر فرار ہو جائے تو ذرا سا اچھا تو نہیں لگتا مجھے۔ رتنا کے فرار کو ویسے میں نے اپنے لئے ایک چیلنج ہی سمجھا تھا۔ لیکن خیر! اگر وہ مجھے نہ بھی ملی تو کوئی حرج نہیں ہے۔''

''مہاراج! سنسار میں بڑی بڑی سندر ناریاں پڑی ہوئی ہیں۔ اور پھر ہم جو ہیں آپ کے لئے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ تم بھی سندر ناری ہو؟'' دھرما سنگھ نے کہا اور ہنس پڑا۔

''مہاراج! آپ ہمارا حلیہ دیکھئے۔''

''اگر تم واقعی اجنبی حیثیت سے میرے سامنے آتیں تو شاید میں تمہارے حسن سے متاثر ہو جاتا۔ لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہاری عمریں سینکڑوں سال ہیں۔''

''ہم اصل میں کچھ اور ہی کہنا چاہتے ہیں۔'' شردھا منہ بنا کر بولی۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ دھرما سنگھ پر اس کی بدلی ہوئی شکل کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ رندھیرا کی شکل سے بھی یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اپنی اس ترکیب کے ناکام ہونے پر وہ بھی تھوڑی سی افسردہ ہے۔

شردھا کی بات سن کر دھرما سنگھ نے کہا۔ ''ہاں، بولو! کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''مہاراج! ایسا کرتے ہیں، شہر چلتے ہیں۔ آپ ایک مہان سادھو کا روپ دھارن کر لیجئے۔ ہم دونوں آپ کی داسیاں بن جاتی ہیں۔ اور پھر مہاراج! جو کچھ ہوگا، اس کا آپ کو خود اندازہ ہونا چاہئے۔''

دھرما سنگھ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ''ترکیب تو اچھی ہے۔ ایسا کیا جا سکتا ہے۔ مگر ابھی جلدی کا ہے کی ہے۔ ذرا تم دونوں سے بھی تھوڑا سا مزہ لے لیا جائے۔ ویسے شردھا! رندھیرا تو صرف تیری وجہ سے پھنسی ہے۔ اصل میں میرا صحیح معنوں میں جھگڑا تو تجھ سے ہے۔ لیکن چونکہ رندھیرا بھی میرے سامنے آ گئی اور اگر میں اسے چھوڑ دوں تو جانتا ہوں کہ اس کے بعد وہ میرے خلاف کیا کرے گی۔''

''نہیں مہاراج! جب میرا، آپ کا کوئی جھگڑا ہی نہیں تو میں آپ کے خلاف کیا کروں گی؟''

''جھگڑا نہیں تھا۔ مگر اب ہو گیا ہے۔''

''یہ تو آپ سوچ رہے ہیں مہاراج۔ میں جانتی ہوں کہ میں آپ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ مہاراج! آپ مجھے تو چھوڑ دیں۔''

''اب کی نا بے ایمانی۔ کہاں تو کہتی تھی کہ ساتھ ساتھ مل کر سارے کام کریں گے۔'' شردھا، رندھیرا کی بات پر ناراض ہو گئی۔

''کمینی! جب سے تو میرے پاس آئی ہے، مجھے نقصانات ہی نقصانات ہوئے ہیں۔ تو اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتی ہے لیکن تیری ساری چالیں ناکام ہو رہی ہیں۔ کسی ایک طرف سے بھی تو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔'' رندھیرا نے شردھا کو کہا۔ اس کے بعد دھرما سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ ''مہاراج! اب میں آپ کو یہ بتا دوں کہ یہ آپ کے لئے اپنا من صاف نہیں رکھتی۔''

''عورتوں میں یہی خاص بات ہوتی ہے کہ لڑتی بہت ہیں اور جب لڑتی ہیں تو مردوں کو بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ خیر! تم دونوں کا شکریہ کہ تم دونوں مجھے ایک دوسرے سے ہوشیار کرتی رہتی ہو۔ فی الحال تم آرام کرو۔ میری طرف سے آزادی ہے۔ اپنی رہائی کے لئے تم جو کچھ بھی کرنا چاہتی ہو، کرلو۔ یہاں سے جا نہیں سکو گی۔ میرا نام بھی دھرما سنگھ ہے۔'' یہ کہہ کر دھرما سنگھ چلا گیا۔

رندھیرا اور شردھا ایک دوسرے کو گھورتی رہیں۔ پھر شردھا نے کہا۔ ''کیا ان حالات میں..... اور اس وقت جب ہم ایک بڑی مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہیں، یہ مناسب ہے کہ ہم دونوں لڑیں اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں؟''

''شردھا! اصل میں تو اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتی ہے۔ اور یہ بھی تیری بھول ہے۔ اگر تو مجھ سے خلوص کی باتیں کرتی تو ظاہر ہے، میں بھی تیرے خلاف کوئی زہر نہ اگلتی۔ وہ واقعی بڑا گیانی ہے۔ ہم دونوں کا اب جو حشر ہوگا، یہ تو اب دیکھنے والے ہی دیکھیں گے۔'' رندھیرا بولی۔

''اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو چل میں تجھ سے معافی مانگ لیتی ہوں۔ مگر سن! دھرما سنگھ سے بچنے کی کوشش کی جا سکتی ہے؟'' شردھا نے کہا۔

''مطلب؟''

''اگنی تال ہے اس جگہ کا نام۔ وہاں بہت بڑی جادو نگری ہے۔ تال میں آگ روشن ہوتی ہے اور اگر اس آگ میں کسی کو لے جا کر دھکیل دیا جائے تو چاہے وہ کتنا ہی بڑا جادوگر کیوں نہ ہو، وہاں سے واپس نہیں آ سکتا۔''

''مگر دھرما سنگھ اتنا بیوقوف تو نہیں ہے کہ ہم اسے اتنی آسانی سے وہاں لے جائیں گے۔'' رندھیرا بولی۔

''دیکھ! کوئی نہ کوئی ایسی چال چلنی پڑے گی، جس سے دھرما سنگھ کو جال میں پھانسا جا سکے۔''

''مثلاً! کیا چال چلے گی تو؟''

''اس وقت ایک ہی ایسی شخصیت ہے جو دھرما سنگھ کے لئے دلچسپی کا باعث بنی ہوئی ہے۔''

''کون؟''

''رتنا کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔''

''آخر اس لڑکی میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ دھرما سنگھ اس کے لئے دیوانہ ہورہا ہے؟''

''اب خاص بات ہے یا نہیں، یہ تو میں نہیں جانتی۔ لیکن تو نے خود بھی دیکھ لیا ہے کہ صرف رتنا کا نام ایسا ہے جس سے وہ موم ہوتا ہے''

''تو پھر کوئی ترکیب کر۔''

''کوئی ایسی ترکیب کی جانی چاہئے جس سے دھرما سنگھ ہمارے جال میں پھنس جائے۔'' دونوں گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ پھر شردھا نے کہا۔ ''میں نے ترکیب سوچ لی ہے۔''

''کیا......؟'' رندھیرا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''یوں کرتی ہوں، اب جب دھرما سنگھ ہمارے پاس آئے گا تو میں آنکھیں بند کر کے سیدھی لیٹ جاؤں گی۔ دھرما سنگھ تم سے معلوم کرنے کی کوشش کرے گا کہ مجھے کیا ہوا، اور اس کے سامنے ہی میں ہوش میں آجاؤں گی اور پھر اسے بتاؤں گی کہ اگر میں رتنا کے بارے میں اسے بتا دوں تو وہ مجھے آزادی دے گا یا نہیں۔ دھرما سنگھ اس بات پر حیران ہو گا۔ وہ جو کچھ مجھ پر عائد کرے گا، میں مان لوں گی۔ میں اس سے یہی کہوں گی کہ میں اسے رتنا کے پاس لے جاسکتی ہوں لیکن اس شرط پر کہ وہ رتنا سے ملنے کے بعد ہم دونوں کو آزاد کر دے۔ رتنا کے پانے کی کوشش میں وہ ہم دونوں کو ساتھ لے جانے پر تیار ہو جائے گا''

چاہے جیسے بھی لے جائے۔ اگنی تال کے پاس پہنچ کر میں کسی نہ کسی طرح اسے تال میں پہنچا دوں گی۔ یہ میرا کام ہے۔''

رندھیرا گہری نگاہوں سے شردھا کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ''مجھے تو یہ بہت کمزور منصوبہ بندی لگتی ہے۔ دھرما سنگھ اتنا بیوقوف نہیں ہے کہ ہمارے جال میں اس طرح پھنس جائے۔''

''رندھیرا تم سے زیادہ چالاک ہے شردھا! میں واقعی اتنا بیوقوف نہیں ہوں کہ اتنی آسانی سے تمہارے جال میں پھنس جاؤں۔'' قریب پڑے پتھر کے ٹیلے سے ایک آواز آئی اور ایک مینڈک پھدکتا ہوا آگے آ گیا۔ یہی دھرما سنگھ کی آواز میں بول رہا تھا۔ مینڈک نے پھر کہا۔ ''ہاں..... اصل میں یہ بات تو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم دونوں شیطان کی خالائیں ہو اور ضرور کوئی نہ کوئی چال سوچتی رہتی ہو۔ چلو! اچھا ہوا تم نے مجھے اس جال کے بارے میں سمجھا دیا۔ اب تمہارے لئے میں ایک اور عمل کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر دھرما سنگھ نے ایک بار پھر اپنا روپ بدلا اور اصلی شکل میں آکر زمین سے پتھر کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اس سے ایک چوکور نشان بنا دیا۔ پھر ہنس کر بولا۔ ''یہ تمہارا کمرہ ہے۔ میں رتنا کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ تم آرام سے یہاں رہو۔ مزہ آئے گا تمہیں۔'' یہ کہہ کر دھرما سنگھ ہنستا ہوا چلا گیا۔

ان دونوں کی سانسیں رُک گئی تھیں اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ جب وہ بہت دور نکل گیا تو شردھا نے کہا۔ ''بیڑا غرق ہو گیا۔ کم بخت مینڈک بنا ہوا یہیں چھپا بیٹھا تھا۔''

''چپ ہو جاؤ۔ کیا کہا جاسکتا ہے، وہ اب بھی یہیں چھپا بیٹھا ہو۔'' رندھیرا بولی۔

''نہیں! اب نہیں ہے۔ رندھیرا! تجھے تو کچھ بھی نہیں آتا۔ بالکل کچھ نہیں جانتی تو۔ پہلے تو میں دھوکہ کھا گئی تھی مگر اب اتنی کم علم بھی نہیں ہوں کہ دوبارہ دھوکہ کھا جاؤں۔ یہ چوکور دائرہ جو اس نے بنایا ہے، میں سمجھتی ہوں ہماری رہائی کا پروانہ ہے۔'' شردھا کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''کیا مطلب؟'' رندھیرا نے پوچھا۔

''دھرما سنگھ تو رتنا کی تلاش میں چل پڑا ہے۔ ہم دونوں کو وہ یہاں قید کر گیا ہے۔ باہر کا اگر کوئی انسان آکر اس دائرے کو مٹا دے تو ہمارے لئے باہر جانے کا راستہ بن جائے گا۔''

"تجھے کیسے معلوم؟"

"بس! میری شردھا ہی بتاتی ہے۔" شردھا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آہ! تو پھر کیا کریں..... بتا۔"

"ہم لوگ کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر ہماری تقدیر میں رہائی ممکن ہوئی تو کوئی نہ کوئی یہاں ضرور آئے گا۔"

پھر تقریباً تین دن انہیں انتظار کرنا پڑا۔ تیسرے دن صبح کے وقت سورج آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا کہ ان کی نگاہ ایک انسان پر پڑی، جو اس طرف آ رہا تھا۔

☆

سمپورنی شدت حیرت سے گنگ رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتی تھیں۔ وہ سو فیصد رتنا ہی تھی۔ لیکن اب اس کی کار نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ سمپورنی دل پکڑ کر رہ گئی۔ رتنا یہیں موجود ہے اور اس کی کیفیت خاصی بہتر نظر آ رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اچھے حالات میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ ویسے اب سمپورنی کے دل میں رتنا کے لئے کوئی غصہ نہیں تھا۔ بلکہ اب اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ شردھا اور رندھیرا کی سازش نے اس سے ایک اچھی دوست چھین لی ہے۔ رتنا ایسی نہیں تھی۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رتنا کو کیسے تلاش کیا جائے۔

سمپورنی کے پاس ایک علم تھا۔ لیکن جدید دنیا کے بارے میں اب اس کی معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اس سلسلے میں اس نے روپ کمار کا سہارا لینا چاہا۔ روپ کمار کی شخصیت ہی بدل چکی تھی۔ شاندار گھر، شاندار زندگی..... ماں اور بہن بھائی بھی عیش کر رہے تھے۔ ماں اکثر کہا کرتی تھی کہ بیٹا! دولت عورت کی قسمت سے آتی ہے اور اولاد مرد کی قسمت سے۔ سمپورنی تیرے لئے بڑی بھاگوان ثابت ہوئی ہے۔ دیکھ لے! وقت ہی بدل گیا.....

ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ وقت بدلنے والی شخصیت ہی دوسری ہے۔ روپ کمار جب سمپورنی کے پاس آیا تو سمپورنی نے کہا۔ "روپی! تمہاری دنیا کے بارے میں مجھے بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ میں نے تم سے اپنی ایک دوست کا تذکرہ کیا تھا۔ اس کا نام یاد ہے؟"

"ہاں! کیوں نہیں، رتنا....." روپ کمار نے کہا۔

"بالکل..... بالکل.... تم نے تو خوب یہ نام یاد کر رکھا ہے۔"

"تم نے اسے اپنی دوست جو کہا تھا۔ ظاہری بات ہے اگر وہ تمہاری دوست ہے تو میرے لئے قابل احترام ہے۔"

"روپ! تم بہت اچھے ہو۔ میں نے یہ بھی تو کہا تھا تم سے کہ رتنا مجھ سے بچھڑ گئی ہے اور تلاش کے باوجود وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔"

"ہاں! کہا تھا تم نے۔" روپ کمار نے کہا۔

"وہ آج ہی مجھے نظر آئی تھی۔ ایک کار میں بیٹھی جا رہی تھی۔ کار کا رنگ گہرا سبز تھا اور وہ ایک خوبصورت ساڑھی میں ملبوس تھی۔ روپی! بتاؤ، میں اسے کیسے تلاش کروں؟"

"تم نے کار کا نمبر دیکھا تھا؟"

"نہیں! نمبر تو نہیں دیکھا میں نے۔"

"اوہ..... پھر تو ذرا مشکل ہے۔ کار بالکل نئی تھی کیا؟"

"ایسی چم چم چمکتی ہوئی کہ دیکھو تو دیکھتے رہ جاؤ۔"

"ہوں..... گہرے سبز رنگ کی کار..... خیر تم فکر مت کرو۔ اگر نمبر دیکھ لیتیں تو پتہ چل جاتا۔ لیکن نمبر نہیں ہے۔ پھر بھی میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ گہرے سبز رنگ کی کاریں کتنی ہیں۔ تم بے فکر رہو۔ پتہ چل جائے گا۔"

سمپورنی مایوس ہو گئی۔ وہ تو یہ سمجھی تھی کہ روپ کمار فوراً ہی بتا دے گا کہ رتنا کہاں رہتی ہے۔ بس اتنا کافی تھا کہ گہرے سبز رنگ کی کار کا تذکرہ کر دیا جائے۔ لیکن روپ کمار بھی اس کی طرح بے بس تھا۔ ایسے حالات میں فوری کچھ کرنا مناسب ہو گا۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں جب روپ کمار گہری نیند سو گیا تو سمپورنی اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس نے اپنے بدن کو سکوڑا اور پھر بند کمرے میں ایک روشن دان سے ایک بڑی سی مکھی باہر نکل گئی۔ یہ سمپورنی تھی۔ بہت سے خوف، بہت سے وسوسے دل میں لئے وہ فضا میں اُڑتی رہی گہری رات چاروں طرف چھائی ہوئی تھی اور کوئی بھی چیز صحیح نظر نہیں آ رہی تھی۔ بہت دور تک وہ کاروں کو دیکھتی رہی اور فضا میں پرواز کرتی رہی۔ پھر یہ سوچ کر کہ کہیں راستہ نہ بھٹک جائے، اپنے لگائے ہوئے نشانات کی طرف واپس چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے کمرے میں

واپس پہنچ گئی۔ اپنی اصل شخصیت میں آ کر اس نے گہری سانس لی اور خود کو مطمئن کرتے ہوئے کہا..... سمپورنی! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ رتنا اسی شہر میں ہے۔ کب تک چھپی رہے گی، مل ہی جائے گی ایک نہ ایک دن.....

☆

کرپا رام کی حالت بہت خراب تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک چارپائی کی آڑ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے ماما نے اسے دیکھ لیا اور اس کی طرف آتا ہوا بولا۔ ''کس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا ہے؟''

''ارے ماما جی! بڑا برا ہو گیا۔ مارے گئے ہم تو ماما جی! بھگوان نے ہمارا کریا کرم کر دیا۔''

''کیا بک بک کر رہا ہے؟''

''جانتے ہو ماما جی! کیا ہو گیا؟''

''کیا ہو گیا.....؟''

''ارے دیا رے دیا..... ماما جی! ہم اسے نوکرانی سمجھ بیٹھے۔''

''کسے؟ کیا بکے جا رہا ہے؟''

''مالکن کو..... بڑی بری کہی ہم نے اسے۔''

''اوہ..... اچھا! اسی لئے مالکن دیکھ رہی تھی مجھے۔ ارے تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ کیا نوکرانی اور مالکن کو نہیں پہچان سکتا؟''

''ہم نے کون سی مالکنیں دیکھی ہیں ماما جی؟''

''تیرا بیڑا غرق۔ کہیں میرا بھی ستیاناس نہ کرا دینا۔''

''ماما جی! اب تو ہمیں باہر نکلتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ وہ نظر آ گئی تو کیا ہو گا؟''

''ہوں..... اب سمجھا۔ چل! اُدھر کی کیاریاں ٹھیک کر۔ کام چوری کر رہا ہے۔''

''ماما جی! ہم ساری کیاریاں ٹھیک کر دیں گے۔ لیکن ذرا خیال رکھو وہ ادھر آ نہ جائے۔''

''ارے جا! آ نہ جائے۔ مالکن ہے وہ اس گھر کی۔ جہاں دل چاہے گا، وہاں آئے گی۔ وہ نوکر ہے تیری کہ تیری مرضی سے آئے جائے گی؟''

''ماما جی! ہم تو گئے کام سے۔''

''جیسا کرے گا، ویسا بھرے گا۔ وہ بہت اچھے مزاج کی ہے۔ تجھے کچھ نہیں کہے گی۔ میرا تو یہی خیال ہے۔''

''بھگوان جانے کیا ہو گا۔ ارے دیا رے دیا..... اتنی بڑی جگہ ملی تھی۔ ہم تو اسے دیکھ کر ہی خوش ہو گئے تھے اور یہ سوچا تھا ہم نے کہ چلو کرپا رام! بھگوان نے کرپا کر دی ہے تم پر۔ اب مزے سے جیون گزارو گے۔ یہ بڑھیا جگہ دیکھ دیکھ کر من خوش ہوتا تھا۔ لیکن بھاگ میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ بس..... ٹھیک ہے ماما جی! بھاگ میں لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ جو کر چکے ہیں، وہ تو بھگتنا ہی پڑے گا۔ جائیں پھر؟''

''تو اور کیا، جائے گا نہیں کیا؟''

''جا رہے ہیں ماما جی! بس دعا کرنا ہمارے لئے کہ وہ ہمیں نظر نہ آئے۔ اگر نظر آ گئی ماما جی! تو ہمیں کبھی نہیں چھوڑے گی۔ ارے ہم نے کیسی بری بری باتیں کر دی ہیں ان سے۔ کرپا رام! سچ مچ تم بالکل ہی بونگے ہو۔ چلو..... جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔'' کرپا رام نے اپنے آپ سے کہا اور پھر ان کیاریوں کی جانب چل پڑا جو اس مکان میں سب سے خوبصورت کیاریاں تھیں اور خاص طور سے رتنا کی پسندیدہ جگہ تھی۔

اسی وقت رتنا بھی ٹہلتی ہوئی اس جگہ نکل آئی۔ کرپا رام کو دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بڑے مزے کی چیز تھا یہ کرپا رام۔ رتنا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے سامنے آ گئی۔ کرپا رام آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ پھر رتنا نے اسے آواز دی ''سنو!''

کرپا رام اس طرح اچھلا جیسے بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ رتنا کو دیکھ کر وہ عجیب عجیب سے منہ بنانے لگا۔ منہ ہی منہ میں وہ کچھ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا اور پھر اس نے کھڑے ہو کر رتنا پر پھونک ماری اور رتنا ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ ''کیا کر رہے ہو؟'' رتنا نے پوچھا۔

''منتر پڑھ کر پھونک رہے ہیں تم پر۔ ایک سوامی جی نے بتایا تھا، دشمن کو نرم کرنے کا طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ ہم تمہیں نرم کر رہے ہیں۔'' کرپا رام نے ایک بار پھر رتنا پر پھونک ماری۔

''ارے..... ارے..... تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟ تھوک رہے ہو میرے منہ پر۔''

''مالکن..... مرغا بن جاتے ہیں۔ لیکن گھر سے مت نکالنا۔'' کرپا رام نے کہا اور جلدی سے جھک کر مرغا بن گیا۔ رتنا کو ہنسی آ گئی تو کرپا نے کہا۔ ''دوسری بار اگر ہنسنے کا وعدہ کرو تو

اذان بھی دے سکتے ہیں۔ دیکھو، ایسے.....'' کرپا رام نے زور زور سے منہ سے مرغے کی آواز نکالنا شروع کر دی تھی۔

رتنا ہنستے ہنستے بے حال ہوگئی۔ اتنی دیر میں مالی، جو کرپا رام کا ماموں تھا دوڑتا ہوا قریب آ گیا۔ اس نے کرپا رام کو بانگ دیتے ہوئے اور رتنا کو ہنستے ہوئے دیکھا تو ہاتھ جوڑ کر بولا ''بنا رہا تھا تمہیں۔ معاف کر دینا مالکن! گاؤں سے نیا نیا آیا ہے۔ انسان، انسان کی تمیز نہیں ہے اسے۔ پر آپ دیا سے کام لیجئے۔''

''نہ تو میں نے اسے مرغا بننے کے لئے کہا ہے، نہ بانگ دینے کے لئے۔ ساری باتیں یہ خود ہی سوچتا ہے اور کر ڈالتا ہے۔ آپ پوچھیں اس سے۔ میں نے کچھ کہا ہے اس سے؟'' رتنا ہنس کر بولی۔

ماما بھی ہنسنے لگا۔ پھر بولا ''سیدھا کھڑا ہو جا باؤلے! میری بھی بے عزتی کرتا ہے تو۔''

''ویسے ماما جی! یہ وہی ہے نا، تمہارا بھانجا؟'' رتنا نے پوچھا۔

''ہاں مالکن! یہی ہے۔''

''میں تو سمجھی تھی کوئی چھوٹا سا بچہ ہوگا۔ لیکن یہ تو.....''

''بس مالکن اس کا دماغ بچے کا ہی ہے۔ کیا بتائیں آپ کو اس کی باتیں۔ دل کا بڑا سچا ہے۔ مالکن! اس سے کبھی کوئی بھول ہو جائے تو بچہ ہی سمجھ کر معاف کر دیں۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔''

رتنا ہنستی ہوئی وہاں سے آگے بڑھ گئی اور کرپا رام نے کہا۔ ''لو ماما جی! ہم چھ ہاتھ کے ہو گئے اور ہمیں کہہ رہے ہو بچہ.....''

''ابے چل۔ اگر اتنے نرم دل کی مالک نہ ہوتیں ہماری مالکن تو ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیتیں تجھے۔ چل! کام کام کر۔''

کرپا رام تو گردن جھکائے اپنے کام میں مصروف ہو گیا لیکن رتنا اس وقت دل پر ایک بوجھ لئے ہوئے واپس پلٹی تھی۔ کرپا رام کے چوڑے چکلے بدن، معصوم چہرے اور شرارت آمیز حرکتوں نے رتنا کے ذہن پر ایک عجیب سا اثر ڈالا تھا۔ عمارت میں داخل ہونے کے بعد وہ ایک ایسے کمرے میں آ گئی جس کی کھڑکی سے وہ کرپا رام کو دیکھ سکتی تھی۔ وہاں سے وہ کرپا رام کو دیکھنے لگی جو گردن جھکائے اپنے کاموں میں مصروف تھا۔ پھر اُس نے ایک

گہری سانس لی اور وہاں سے واپس پلٹ گئی۔ اپنے بیڈ روم میں مسہری پر لیٹ کر اس نے کرپا رام کے بارے میں سوچا۔ مونیکا دیوی سے ملاقات کے بعد جو ماحول اسے میسر ہوا تھا، وہ بڑا اطمینان بخش اور پرسکون تھا۔ دھن دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ بے شمار دولت اس کے پاس آ چکی تھی۔ نوکر چاکر، گھر اور اس کے بعد ایک تنہا زندگی۔ اس تنہا زندگی میں اسے کسی کا انتظار نہیں تھا۔ کوئی تھا ہی نہیں جس کا انتظار ہوتا۔ ماں باپ مر چکے تھے۔ بہن بھائیوں میں کوئی نہیں تھا۔ ماضی میں کوئی ایسا کردار بھی دل و دماغ سے منسلک نہیں ہوا تھا، جس کی یاد دل میں چٹکیاں لیتی۔ پھر کیا کرتی وہ آگے کی زندگی کے لئے؟ کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ ایک سپورنی تھی، جس سے دوستی ہوگئی تھی۔ وہ بہت اچھی ساتھی تھی۔ اس کے ساتھ بڑا اچھا وقت گزرا تھا۔ لیکن وہ بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی۔ بھلا یہ معلوم ہونے کے بعد کہ درشنا اس کا محبوب ہے، رتنا یہ حرکت کیسے کر سکتی تھی؟ ویسے بہت سی ایسی یادیں تھیں جو اس کے دل پر زخم لگاتی رہتی تھیں یا دل پر لگے ہوئے زخموں کو تکلیف دیتی رہتی تھیں۔

حال ہی میں اس نے جس بچی کا خون کیا تھا، اس کی یاد تو ابھی تک اس کے دل سے نہیں مٹ سکی تھی۔ نجانے کیسی کیسی سوچیں دل و دماغ پر مسلط تھیں..... پھر اچانک ہی اسے کرپا رام کا خیال آیا اور بے اختیار اس کا دل چاہا کہ ایک بار پھر کرپا رام کا جائزہ لے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اسی کھڑکی پر آ کھڑی ہوئی۔ لیکن اب کرپا رام وہاں موجود نہیں تھا۔ چند لمحات وہ اس کا انتظار کرتی رہی کہ شاید وہ آ جائے۔ لیکن کرپا رام نہیں آیا تو وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہاں سے ہٹ گئی۔

☆

شردھا اور رندھیرا، دونوں نے ہی اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھیں۔ بہت دیر تک خاموشی رہی۔ وہ شخص اسی طرف چلا آ رہا تھا اور وہ دونوں اس کے حلیئے کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کا لباس بوسیدہ تھا۔ بال مٹی میں اٹے ہوئے تھے۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ چال میں ہلکی ہلکی لڑکھڑاہٹ تھی جس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ کسی مشکل کا شکار ہے۔

اچانک ہی رندھیرا نے کہا۔ ''ہم اس پر ہرگز یہ ظاہر نہیں کریں گے کہ ہم یہاں قیدی ہیں۔''

''ایک بات اور کہوں؟'' اس بار شردھا بولی۔

''ہاں کہو۔'' رندھیرا نے کہا۔

''جو شکل وصورت اس وقت ہماری ہے، اس پر کوئی تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گا۔''

''مطلب؟''

''اور تو ہم کچھ نہیں کر سکتے، کم از اپنی صورتیں تو بدل سکتے ہیں۔ تم نہیں سمجھتیں۔ اچھی صورتیں انسان کے ذہن پر اچھا اثر ڈالتی ہیں۔ اگر تم اسے متاثر کرنا چاہتی ہو تو فوراً اپنا روپ بدل لو۔''

بات سمجھ میں آنے والی تھی۔ رندھیرا اور شردھا نے تھوڑی ہی دیر کے بعد روپ بدل لیا۔ اب وہ دو خوبصورت لڑکیوں کا روپ دھار چکی تھیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر شردھا نے کہا۔ ''سو فیصدی ادھر ہی آ رہا ہے۔ لیکن بڑی احتیاط کے ساتھ اسے اس کام پر آمادہ کرنا ہے۔ شروع میں ذرا اس کا جائزہ لینا۔ میرے ذہن میں ایک اور خطرہ بھی ہے۔''

''کیا؟'' رندھیرا نے پوچھا۔

''کہیں وہ دھرما سنگھ ہی نہ ہو۔'' شردھا نے کہا۔

رندھیرا کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ وہ سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ''تم نے ٹھیک کہا شردھا! جس طرح اس نے مینڈک کا روپ اختیار کر لیا تھا اسی طرح ممکن ہے وہ یہ نیا روپ اختیار کر کے یہاں آیا ہو۔''

''تو ٹھیک ہے۔ ہم پہلے اس سے اس کے بارے میں معلوم کریں گے اور اسے یہ نہیں بتائیں گے کہ ہم کسی مشکل کا شکار ہیں۔''

تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص وہاں پہنچ گیا۔ اس نے ان دونوں کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا اور پھر زمین پر بیٹھ کر بری طرح ہانپنے لگا۔ البتہ اس کی آنکھوں میں حیرت کے نقوش نمایاں تھے۔ وہ اچھی خاصی شکل وصورت کا ایک جوان آدمی تھا۔ عمر اٹھائیس تیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ چوڑا چکلا بدن، مضبوط ہاتھ پاؤں، بدن پر جدید انداز کا لباس لیکن بوسیدہ حالت میں۔ چمڑے کی جیکٹ میں بہت سی چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ پانی کا ایک برتن بھی لٹک رہا تھا اور اس کے علاوہ ایک ایسا زین کا تھیلا بھی۔ اس میں کھانے پینے کی اشیاء کا امکان بھی ہو سکتا تھا۔

کافی دیر تک وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''معافی چاہتا ہوں تم سے کہ اس طرح تمہارے سر پر مسلط ہو گیا ہوں۔ لیکن یقین کرو! میں ذہنی طور پر اس قدر پریشان ہوں کہ تمہیں دیکھنے کے بعد دل کو بڑی تسلی ہوئی۔ البتہ یہ دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی ہے کہ اس ویرانے میں دونو جوان لڑکیاں.....''

''کون ہیں آپ اور کہاں سے آ رہے ہیں؟'' شردھا نے ترنم بھرے لہجے میں پوچھا۔

''میرا نام راجن سنگھ ہے۔ تفصیل بتانے کے لئے دل تڑپ رہا ہے میرا۔ لیکن ایک سوال میں تم دونوں سے کر سکتا ہوں؟''

''ہاں پوچھو۔'' اس بار رندھیرا بولی۔

''تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو؟ اس ویرانے سے کیا تمہیں خوف نہیں آ رہا؟''

''تم نے سامری جادوگر کا نام سنا ہے؟'' شردھا بولی۔

''قصے کہانیوں میں۔'' راجن سنگھ نے جواب دیا۔

''لیکن اس جیسے دوسرے بہت سے لوگ اس سنسار میں بس رہے ہیں۔ سمجھ لو، ہم بھی ایسی ہی مشکل کا شکار ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''چھوڑو! تم اپنا راستہ ناپو۔ ہماری مشکل سے تمہیں کیا غرض؟''

''نہیں! انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ حالانکہ میں خود جن حالات کا شکار ہوں، ان کے بارے میں تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔''

''ہمیں تو یہی خوشی ہے کہ اتنے عرصے کے بعد کسی انسان کا سامنا ہوا۔ کیا تم ہمیں اپنے بارے میں بتانا پسند کرو گے راجن سنگھ کہ تم کن حالات کا شکار ہو؟'' رندھیرا نے کہا۔

راجن سنگھ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ کچھ لمحے تک وہ خاموش ہی کھڑا رہا اور اس کے بعد اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ ''یوں سمجھ لو میں تمہیں اپنے بارے میں کوئی تفصیلی بات نہیں بتاؤں گا۔ بس اتنا کہہ دیتا ہوں کہ ساری دنیا میں میرے رشتہ دار، میرے بھائی، میری بہن، میری ماں، میرا باپ سب کچھ جو تھے وہ میرے چاچا جی تھے۔ میرے چاچا کا نام ارجن سنگھ تھا اور ٹھاکر ارجن سنگھ ایک بہت بڑے مہم جو کی حیثیت سے دنیا کے سامنے تھے۔ انہوں نے اپنی مہم جوئی سے بہت دولت کمائی اور ایک اچھا مقام میرے لئے چھوڑ گئے۔ جب ان کا

انتقال ہو گیا تو میں تنہا رہ گیا۔ ویسے چونکہ چاچا ارجن سنگھ مہم جو تھے اور بہت سی مہمات میں انہوں نے مجھے بھی اپنے ساتھ رکھا تھا اس لئے میرا ذہن بھی اس طرف مائل تھا۔ ہر پراسرار چیز کی طرف میری توجہ ہوتی تھی۔

جس جگہ ہم لوگوں نے اپنی رہائش گاہ بنائی تھی وہ ایک ویران مقام تھا۔ بڑی مشکل سے ٹھاکر ارجن سنگھ نے وہاں اپنے قیام کا اجازت نامہ حکومت سے حاصل کیا تھا۔ ویسے ایک مہم جو ہونے کی حیثیت سے ٹھاکر ارجن سنگھ کے مشاغل بھی ذرا مشکل قسم کے تھے۔ انہیں نجانے کیوں ویرانے پسند تھے۔ پراسرار چیزوں کی جانب ان کی طبیعت مائل رہتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ میں بھی انہی تمام چیزوں کا شوقین ہو گیا تھا۔ ٹھاکر ارجن سنگھ کو ایسی جگہیں خریدنے کا بھی شوق تھا جو اپنے طور پر ایک پراسرار نوعیت کی مالک ہوں۔

رام گڑھی کا جنوبی علاقہ ایسی ہی اہمیت کا حامل تھا۔ میں نے پہلے یہ علاقہ نہیں دیکھا تھا۔ ایک بار ٹھاکر صاحب کے کاغذات دیکھتے ہوئے مجھے رام گڑھی کے اس جنوبی علاقے میں ٹھاکر صاحب کے ڈیری فارم کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ ٹھاکر صاحب کو پراسرار اور ویران جگہیں خریدنے کا شوق تھا، یہ ڈیری فارم بھی ایسی ہی ایک جگہ تھی جہاں ان کے ملازمین رہا کرتے تھے۔ پتہ نہیں ٹھاکر صاحب کب وہاں جاتے تھے۔ کبھی گئے بھی تھے یا نہیں، لیکن میرے دل میں اس جگہ جانے کا شوق پیدا ہوا اور آخر کار میں رام گڑھی چل پڑا۔ یہ فارم دیہی آبادی سے الگ تھلگ ایک حسین، سرسبز وادی کے سرے پر واقع تھا اور اپنی مثال آپ تھا۔ اگر پرسکون جگہوں کے متلاشی اس طرف نکل آتے تو انہیں بہت ہی لطف آتا۔ چراگاہوں میں اردگرد کے کسانوں کی بھیڑ، بکریاں گھاس چرتی اور قلیلیں کرتی پھرتی تھیں۔ وادی کے چاروں طرف چونے کی بے شمار چھوٹی بڑی پہاڑیاں ہیں۔ ان پہاڑیوں کو دیکھ کر ایک عجیب سا تصور دل میں پیدا ہوتا تھا۔ ذرا سا ہاتھ لگاؤ اور چونا جھڑنے لگے۔ لاکھوں برس بیشتر یہاں کبھی سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ سمندر غائب ہو گیا اور پھر چونے کی چٹانیں اور ان کے اندر میلوں لمبے تاریک غار وجود میں آئے۔ اب بھی اس علاقے میں کہیں کہیں ندیاں بہتی ہیں اور چٹانوں کے اندر سے پانی کثرت سے رستا رہتا ہے۔

اس علاقے کو دیکھ کر میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ یہاں جو آس پاس غار بکھرے ہوئے ہیں، ان کا جائزہ لیا جائے۔ بڑی خوبصورت جگہ تھی اور میں نے دل میں یہ سوچ لیا تھا کہ ڈیری فارم کے مشرقی حصے میں جو پہاڑیاں نظر آتی ہیں اور جن میں سفید چونے کے پہاڑوں میں تاریک غاروں کے دہانوں کے دھبے نظر آتے ہیں، میں ان میں سے کسی میں اتر کر اس کا جائزہ لوں گا۔ ابھی تک اس علاقے رام گڑھی کے اطراف میں مجھے کوئی خاص بات معلوم نہیں تھی۔

ڈیری فارم میں کچھ ملازمین رہتے تھے جو آرام اور سکون کی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ٹھاکر ارجن سنگھ نے ان کے لئے معقول آمدنی کا بندوبست کر دیا تھا اور انہیں ضروریات زندگی کی ہر چیز آسانی سے حاصل ہو جاتی تھی۔ بعض لوگ اس قدر خوش نصیب ہوتے ہیں کہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی ایسی زندگی گزارتے ہیں جو عام لوگوں کے لئے ممکن نہیں ہوتی۔

بہرحال! یہاں کی ساری معلومات میں نے اپنے ذہن میں رکھیں اور آخر کار میں نے انتظامات شروع کر دیئے۔ یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد کہ میری حیثیت کیا ہے، یہاں میری بڑی خاطر مدارت ہونے لگی۔ قرب و جوار کے لوگ بھی کبھی کبھی ملنے کے لئے آ جاتے تھے اور ان کی مدد سے مجھے اپنی ضرورت کی تمام چیزیں دستیاب ہو گئیں۔ تھوڑی بہت معلومات بھی ان لوگوں سے مجھے حاصل ہو گئی تھیں اور مجھے پتہ چل گیا تھا کہ چونے کی ان چٹانوں کے اندر میلوں چوڑے غار ہیں اور ان میں تاریکی اور ہولناک سناٹا چھایا رہتا تھا۔

میرے ذہن میں یہ تمام باتیں گردش کرتی رہیں۔ ایک شخص سے میری دوستی ہوئی تو اس نے بتایا کہ وہ ایک بار ان غاروں میں داخل ہوا تھا اور اس نے انہیں اندر سے دیکھا تھا۔ میں نے اس شخص سے تھوڑی سی معلومات حاصل کیں۔ پھر ایک چھوٹا سا برقی لیمپ اور ضروریات کی چند چیزیں حاصل کرنے کے بعد میں نے ایک دن صبح ہی صبح ایک غار کی جانب رُخ کیا۔ حالانکہ صبح کا وقت تھا، باہر روشن دن پھیلا ہوا تھا، لیکن غار کی تاریکی میں ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ یہاں میرے برقی لیمپ نے تاریکی کا سینہ چیرا اور اس کی کرنیں جب غار میں پھیلیں تو عجیب و غریب حسین مناظر میرے سامنے آ گئے۔ مجھے یوں لگا جیسے کالی اور سفید پریاں آنکھ مچولی کھیل رہی ہوں۔ غار کی بلند چھت پر ایک عجیب سا مادہ قلموں کی شکل میں لٹکا ہوا تھا۔ یہ مادہ اصل میں پانی سے بنتا ہے اور جب اس پر روشنی پڑتی ہے تو لگتا ہے جیسے اس سے مہتابیاں سی چھوٹ رہی ہوں۔ لیکن روشنی بند ہو تو ایسی گہری

تاریکی کہ انسان کا دم گھٹنے لگے۔

بہرحال! میں نے کافی دن تک کوشش کر کے ان میں سے مختلف غاروں کو دیکھا۔ چھوٹے چھوٹے غار تو بے شمار موجود تھے لیکن ان میں سے ایک غار ایسا نظر آیا جس سے میری دلچسپی بڑھنے لگی۔ غالباً یہ اس علاقے کا سب سے بڑا اور سب سے گہرا غار تھا۔ نجانے کیوں مجھے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ غار قدرتی نہیں ہے بلکہ یقینی طور پر اس کی تراش خراش میں انسانی ہاتھ ہیں۔ یہ بات میرے لئے بڑی تعجب خیز تھی۔ دل تو چاہتا تھا کہ کسی سے معلومات حاصل کروں کہ ایسا کیوں ہے۔ کیا کبھی انسانوں نے ان غاروں کی کہانیوں سے دلچسپی لی ہے اور کیا ان میں کوئی تراش خراش کی گئی ہے؟ لیکن اول تو کوئی ایسی شخصیت علم میں نہیں آئی جو اس بارے میں مجھے بتا سکے۔ دوسری بات یہ کہ یہ بڑا عجیب سا لگتا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ بہتر ہو کہ میں خود ہی اس بارے میں معلومات حاصل کروں۔

چونکہ فطرت میں یہ تمام چیزیں شامل تھیں اس لئے میں نے اس بارے میں تحقیقات شروع کر دیں اور مجھے پتہ چلا کہ زمانہ قدیم میں مقامی لوگوں نے یہاں سے سنگ مرمر نکالنے کے لئے اس غار کو کان کی شکل دے دی تھی اور انہوں نے اس کان میں سے کافی سنگ مرمر نکالا تھا۔ اس کے بعد ظاہر ہے یہاں پر کام ختم کر دیا گیا تھا، یہ قیمتی پتھر اب بھی یہاں کافی تعداد میں موجود تھا۔ یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ اس غار کی تراش خراش یقینی طور پر انسانی ہاتھوں نے کی ہے۔ ابھی تک میں نے اس غار میں اترنے کی ہمت نہیں کی تھی اور اوپر ہی اوپر سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔ مجھے آہستہ آہستہ یہ اندازہ ہوا کہ اس غار یا سرنگ میں اُترنے کے لئے راستہ بھی بنا ہوا ہے۔ دہانے پر خودرو گھاس جھاڑیاں کثرت سے اُگی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اس دن میں نے اس غار کا قریب سے معائنہ کیا۔ مجھے اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوا۔ لیکن بہت سے انوکھے تجربات مجھے ہوئے جس سے مجھے خاصی دلچسپی پیدا ہوئی۔ جب اس غار کے اندرونی حصوں میں لیمپ کی روشنی پھینکی جاتی تو اس کی دیواریں مختلف رنگوں سے رنگی نظر آتیں۔

مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ مجھے اس سلسلے میں خاصی احتیاط برتنی پڑے گی۔ خاص طور سے غار میں داخل ہونے کے لئے روشنی کا معقول انتظام کیا جائے۔ لیکن روشنی کا اور کوئی مناسب طریقہ کار ممکن نہیں تھا سوائے موم بتیوں کے۔ چنانچہ میں نے موم بتیوں کا ذخیرہ جمع

کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے جب اس غار میں داخل ہوں گا تو مجھے ضروریات زندگی کی بہت سی چیزوں کا انتظام کرنا پڑے گا۔

لڑکیو! یقیناً تم میری اس فضول بکواس سے بیزار ہو رہی ہوں گی۔ چونکہ جس چیز سے انسان کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا، اس سے اس کی دلچسپیاں قائم نہیں رہتیں۔ مگر میں کیا کروں؟ بات کچھ ایسی ہے..... کہانی کچھ ایسی ہی ہے کہ میرا سینہ اُبلتا رہتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی اس مہم کے بارے میں لوگوں کو بتاؤں اور یہ بھی بتاؤں کہ دیکھو! میں نے کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔''

''تم اپنے دل کی بھڑاس نکال لو۔ کیونکہ انسان اگر انسان کی بات نہ سنے تو دوسرے انسان کو اس سے دلچسپی پیدا نہیں ہوتی۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات؟'' شردھا نے کہا۔

''ہاں..... تمہارا شکریہ۔ میرے سینے میں یہ کہانی اُبل رہی ہے اور میں اس بارے میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ ان واقعات سے نمٹنے کے بعد تم پہلی خواتین ہو، جو میرے سامنے آئی ہو۔''

شردھا نے مسکرا کر رندھیرا کو دیکھا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ کہانی تو برداشت کرنا ہی پڑے گی تاکہ اس کے بعد اس شخص کو اپنے کام کے لئے آمادہ کیا جائے۔ رندھیرا نے بات کو سمجھا اور اس شخص کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی۔ ''مہم جو! تمہاری زندگی کے واقعات اس قدر دلچسپ ہیں کہ ذہن خود بخود ان کی طرف مائل ہوتا ہے۔ براہِ کرم ہمیں اپنی ساری داستان سناؤ۔''

ان الفاظ کا ردعمل راجن سنگھ کے چہرے پر نمایاں نظر آیا۔ اس کے چہرے پر ایک جاندار مسکراہٹ آئی۔ اس نے کہا۔ ''پہلے یہ بتاؤ، میں تمہاری کچھ خاطر مدارت کروں، تمہارا یہاں موجود ہونا مجھے بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔''

''نہیں! تمہارا شکریہ۔ تم اپنے بارے میں ہمیں بتاؤ۔'' شردھا بولی۔

''بس! میری دیوانگی آہستہ آہستہ عروج کو پہنچتی جا رہی تھی اور میرا دل چاہتا تھا کہ اس علاقے اور اس غار کے بارے میں ساری معلومات حاصل کروں۔ چنانچہ میں اس کے اطراف میں ٹہلتا رہتا تھا۔ اصل میں دل تو یہ چاہتا تھا کہ فوری طور پر اس غار کا سروے کروں، لیکن پہلے اس کے بارے میں مکمل تفصیلات معلوم کرنا عقل کی نشانی تھی۔ کہیں ایسا نہ

ہو، اس غار کی تاریکی میں جا کر وہیں کا ایک حصہ بن جاؤں اور واپس نہ آ سکوں۔ اس دن میں وہیں ٹہل رہا تھا کہ میری ملاقات ایک مقامی کسان سے ہوئی۔ اس نے مجھے دیکھ کر سلام کیا تو میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ ''کیا تم مجھے جانتے ہو؟''

''ہاں! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ اس فارم کے مالک ہیں۔ ہم فارم کے لئے بھی کام کرتے ہیں۔ وہاں بھیڑوں اور دوسرے جانوروں کے لئے چارہ پہنچانا ہمارا ہی کام ہے۔''

''واہ! پھر تو تم مجھے بہت کچھ بتا سکتے ہو۔ مثلاً اس غار کے بارے میں۔''

میں نے غار کی طرف اشارہ کیا تو اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔ وہ بولا۔ ''یہ بڑی خطرناک جگہ ہے۔ آپ کو نہیں معلوم اس غار کے اندر بہت بڑی بلا رہتی ہے۔ ایک ایسی بلا جس کے بارے میں آپ کو کچھ بھی اندازہ نہیں ہو گا۔''

''بلا.....؟''

''ہاں! اگر آپ بستی کے لوگوں سے معلومات حاصل کریں تو وہ آپ کو اس خوفناک جن کے بارے میں بتائیں گے جو اس غار میں رہتا ہے۔''

''چلو! اب وہ جن ہو گیا.....؟''

''ہاں مالک! کوئی چیز سمجھ میں نہ آئے اور اس سے نقصانات پہنچتے رہیں تو آپ اسے کیا کہیں گے۔ بلا یا جن ہی کہیں گے، بھوت بھی کہہ سکتے ہیں۔''

''مگر اس سے تمہیں کیا نقصانات پہنچتے ہیں؟''

''آپ کو نہیں پتہ۔ وادی میں گھاس چرنے والی بھیڑیں اور بکریاں گم ہو جاتی ہیں۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ انہیں کون پکڑ کر لے جاتا ہے۔ مالک! اس علاقے میں نہ تو بھیڑیے ہیں اور نہ ایسے درندے، جن سے یہ اندازہ ہو کہ یہ حرکتیں وہ کرتے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے کوئی شخص ان بھیڑ بکریوں کو چوری کر لیتا ہو۔''

''نہیں مالک! اصل میں آس پاس کی بستیوں کے لوگ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں اور پھر یہاں کے لوگ بعض معاملات میں کافی خوشحال ہیں۔ کھانے پینے کی کوئی تکلیف کسی کو نہیں ہوتی۔ بھگوان نے ہمیں سب کچھ دے رکھا ہے اس لئے چوری کا مسئلہ بھی بالکل سامنے نہیں آتا۔ مالک! ایک مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ اس غار کے باہر ایک جگہ بہت سا تازہ خون اور بھیڑ کے بال بکھرے ہوئے پائے گئے تھے۔ ویسے ایک بات اور بھی بتاؤں

آپ کو، وہ یہ کہ بھیڑ بکریاں ہمیشہ تاریک راتوں میں غائب ہوتی ہیں۔ ایسی راتیں جب آسمان پر سیاہ بادل پھیلے ہوں اور بجلی کوند رہی ہو۔ دن کی روشنی اور چاندنی راتوں میں کبھی بھیڑ بکری غائب نہیں ہوئی۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ غار کا جن یا غار کا بھوت ان بکریوں کو لے جاتا ہے۔ ویسے میں آپ کو بتا دوں مالک! کہ یہ کام کسی انسان کا ہرگز نہیں ہے۔ اور پھر میں آپ کو ایک ذاتی بات بتاؤں، میں نے اپنے کانوں سے ایک خوفناک آواز سنی ہے۔''

''خوفناک آواز؟''

''ایسی آواز مالک! جسے سن کر دل لرز جائے۔ میں آپ سے یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر آپ کو یہ آواز سننے کا شوق ہے تو کسی دن آپ میرے ساتھ آئیے۔ ہم دونوں مل کر یہ آواز سنیں گے۔ تب آپ کو میری باتوں پر یقین آئے گا۔''

نوجوان کسان کی معصومیت اور سادگی کا مجھے پورا پورا احساس تھا۔ لیکن یہ کہانی سننے کے بعد ایک اور خیال میرے دل میں پیدا ہوا۔ احتیاط بڑی چیز ہے۔ اس غار میں داخل ہونے سے پہلے اگر مجھے کوئی ایسی معلومات حاصل ہو جاتی ہے تو مجھے اس پر غور کرنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے یہی سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی ایسے چالاک آدمی کا کام ہو، جو ان معصوم اور سادہ لوگوں کو بیوقوف بنا کر یہ کام کر رہا ہو۔ بہت سے ایسے طریقے ہو سکتے ہیں، جنہیں یہ نہیں سمجھ سکتے۔ بہرحال! جہاں تک اس آواز کا تعلق تھا تو یہ بھی ایسی پراسرار بات نہیں تھی۔ میری معلومات کے مطابق اس غار کی گہرائی میں چونا بڑی مقدار میں موجود تھا اور اس چونے میں جب پانی شامل ہوتا ہو گا تو اس چونے کے ابلنے سے گرج دار آواز پیدا ہو جاتی ہو گی۔ یہ سادہ لوح نوجوان اُسے کسی بلا کی آواز سمجھ رہا ہے۔

☆.....☆.....☆

میں نے اپنے فارم میں آ کر اپنے ملازموں کو جمع کیا۔ میرا مطلب ہے ارجن سنگھ کے ان ملازموں کو جو اس فارم کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ انہیں اپنے پاس جمع کرنے کے بعد میں نے اس کسان کی بتائی ہوئی باتیں انہیں بتائیں تو ان میں سے ہر شخص نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ ہاں مالک! آپ کو اس بارے میں واقعی صحیح بتایا گیا ہے۔ اس غار میں ایک بھوت رہتا ہے۔ ایک ایسا بھوت جسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا، لیکن وہ ہے اور اس کے نشانات بار بار پائے جاتے ہیں۔ آس پاس کی بستیوں کے لوگ اس سے بہت زیادہ خوفزدہ ہیں۔''

ان سب نے ایک ہی بات کہی تھی جس سے اس بات کی تصدیق ہوتی تھی کہ وہ بھوت ہے..... پریت ہے..... بلا ہے..... جو کچھ بھی ہے، پر ہے ضرور۔ البتہ میں نے اپنے دل میں اس بات سے خوف محسوس کرنے کی بجائے ایک تجسس اور دلچسپی محسوس کی تھی اور دل میں سوچا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے، میں اس غار کا معائنہ ضرور کروں گا۔ میرا عزم پہلے سے زیادہ پختہ ہو گیا تھا۔ میری نگاہیں ایک ایسے شخص کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں جو اس مہم جوئی میں میرا ساتھ دے سکے لیکن انتہائی کوشش کے باوجود میں کسی کو بھی اس کے لئے آمادہ نہ کر سکا۔ البتہ ضروریات کی وہ تمام چیزیں میں نے بے شک حاصل کر لی تھیں جنہیں لے کر میں اس غار میں اتر سکتا تھا۔

چنانچہ ایک دن مقرر کرنے کے بعد آخر کار میں اس غار کی جانب چل پڑا۔ پہلے دن میں بہت دیر تک غار کے دہانے کے نزدیک کھڑا رہا۔ عجیب دہشت انگیز مقام تھا۔ کبھی کبھی تو یہ محسوس ہونے لگتا تھا کہ واقعی اس کے اندر کوئی نہ کوئی موجود ہے اور ابھی دہانے پر اُگی ہوئی جھاڑیوں اور گھاس میں سے برآمد ہو جائے گا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بلا اس غار میں چھپی ہوئی ہے، باہر نکلتی ہے تو اس کے پیروں کے نشانات تو ضرور نرم زمین پر نظر آنے

چاہئیں۔ میں نے اس خیال کے تحت ایسے نشان تلاش کئے۔ لیکن ایسے نشانات کا کوئی وجود نہیں ملا تھا۔ پھر دوسرے، تیسرے دن میں اس کے قریب پہنچا۔ اس دن بھی میں زمین پر ایسے ہی نشانات تلاش کر رہا تھا کہ میں نے ایک عجیب سی آواز سنی جو غار کی گہرائیوں سے اٹھی تھی۔ یہ آواز واقعی اس قدر دہشت ناک تھی کہ میرے بدن کا رواں رواں تھرا گیا۔

ابتدا میں یہ آواز ہلکی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ تیز ہوتی گئی۔ مجھے عجیب سا لگ رہا تھا۔ میں بتا نہیں سکتا کہ وہ کس طرح کی آواز تھی۔ بہت ہی خوفناک..... ایسی عجیب وغریب کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیسی آواز ہے۔ پھر اچانک ہی خاموشی چھا گئی..... ایسی خاموشی کہ اعصاب چٹخنے لگے۔ میں نے آج پہلی بار اپنے کانوں سے یہ آواز سنی تھی۔ واقعی کسی کے پیروں کے نشانات موجود نہ ہونا اور اس کے بعد یہ آواز..... اس سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہے، کوئی پراسرار چیز ہے..... غار میں سے آنے والی آواز نجانے کتنی گہرائیوں میں سے آ رہی تھی۔ میں اس کے بارے میں اندازہ لگا چکا تھا کہ کم از کم وہ چونا اُبلنے کی آواز نہیں ہے۔

مجھ پر کچھ اس طرح کا احساس طاری ہوا کہ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ میں پاگل تو نہیں ہو رہا..... میں نے اندر جانے کا جو پروگرام بنایا ہے، کیا وہ مناسب رہے گا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بلا وجہ ایک ایسی مصیبت میں پھنس جاؤں جس سے نکلنا میرے بس کی بات نہ ہو۔ بہرحال! میں نے اپنے اندر کی کشمکش سے جنگ شروع کر دی اور اس کے بعد آخری فیصلہ یہی کیا کہ جو کچھ بھی ہو جائے، مجھے اس غار میں داخل ہونا ہوگا اور میں اس راز کو معلوم کئے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔ یہ فیصلہ میری ضدی فطرت کا ایک حصہ تھا اور میری فطرت بہرطور مجھے تمام احساسات پر حاوی کرتی رہی تھی۔

آخر کار میں نے تمام تیاریوں کے بعد اس غار میں قدم رکھ دیا۔ میں نے پہلے سے کچھ فیصلے کئے تھے۔ مثلاً یہ کہ ابتدا میں صرف تھوڑی دور آگے بڑھوں گا اور اس کے بعد واپس آ جاؤں گا۔ اس طرح میں اپنا دائرہ کار بڑھاتا رہوں گا۔ پہلی دو بار میرے برقی لیمپ نے کام دیا۔ لیکن میں نے اندازہ لگایا کہ غار کی تاریکی، لیمپ کی روشنی پر حاوی ہو جاتی ہے اور جوں جوں میں آگے بڑھتا جاتا ہوں، لیمپ کی روشنی خود بخود مدھم ہوتی جاتی ہے۔ یہ ایک پراسرار عمل تھا۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ ممکن ہے یہ میرا وہم ہو۔ مگر جہاں تک میرے امکان

میں تھا، میں اس غار کے راز کا سراغ لگانے کی برابر کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس دن کے بعد سے اب تک وہ بھیانک آواز دوبارہ نہیں سنی تھی اور مجھے کچھ یہ احساس ہو رہا تھا کہ شاید میں کسی پُراسرار احساس کا شکار ہوں۔ اور یہ سب یہاں کے سادہ لوح لوگوں کی گھڑی ہوئی کہانیاں ہیں۔

اس قسم کے علاقوں میں اور تو کوئی مشغلہ ہوتا نہیں ہے، لوگ ایسی ہی باتوں سے اپنا دل بہلاتے ہیں اور یہی ان کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔ بہرطور میں اور بھی بہت سی باتیں سوچ رہا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ جب میں نے غار کے دہانے پر اُگی ہوئی جھاڑیوں اور گھاس کو دیکھا تھا تو وہاں کوئی ایسی علامت دکھائی نہیں دی تھی، جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ کوئی بھاری جسامت کی شے، چاہے وہ انسان ہو یا جانور، یہاں داخل ہوئی ہے۔ گھاس اور جھاڑیاں بے شک کچھ اس طرح کا احساس پیدا کرتی تھیں کہ ان جھاڑیوں سے کوئی عظیم قد و قامت رکھنے والی مخلوق انہیں روندتی ہوئی باہر تک گئی ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے، یہ بھی فریب نظر ہو۔ بہرحال! آج میرا ارادہ کچھ اور زیادہ کا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے ساتھ موم بتیاں اور ماچس کی ڈبیوں کا ایک ڈھیر لے لیا تھا تاکہ زیادہ تیز روشنیاں دور تک جا سکیں۔ دو تین بار غار میں داخل ہونے کے بعد میرا خوف کسی حد تک ختم ہو گیا تھا اور آج میں اپنے فیصلے کے تحت ایک لمبے سفر کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ اس دن میں غار کے اندر دو فرلانگ دور تک چلا گیا تھا۔

غار کے راستے بے حد پیچیدہ اور پُراسرار تھے یا پھر جب انسان کے ذہن میں ایسی باتیں ہوتی ہیں تو اس قسم کے احساسات خود بخود دل میں آ جاتے ہیں۔ غار کی چھت اتنی اونچی تھی کہ روشنی کے باوجود نظر نہیں آتی تھی۔ اس میں ایک عجیب سی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ آگے سفر کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ اگر میرے پاس روشنی کا انتظام نہ ہو اور مجھے اندھیرے میں ہی باہر نکلنا پڑے تو میں قیامت تک باہر نہیں نکل سکوں گا۔ راستے ہی ایسے اُلٹے سیدھے تھے۔ سینکڑوں موڑ، سینکڑوں ایسے کوہان اُبھرے ہوئے تھے جن سے آگے بڑھنا ممکن نہ ہو۔ کہیں کہیں غار کی زمین نرم اور گیلی تھی۔ دیواروں پر چونا جما ہوا تھا جو روشنی میں چمک رہا تھا۔

میں زیادہ دیر تک غار کی گندی ہوا میں رہتا تو دم پھولنے لگتا اور میرے پھیپھڑے پھٹنے

لگتے۔ میں نے سوچا، جو کچھ بھی ہو گا، دیکھا جائے گا۔ چند روز میں غار کے اندر مزید گہرائی میں جاؤں گا۔ کاش اس موقع پر اگر میرا کوئی ساتھی رہتا تو بڑی آسانی رہتی۔ لیکن کیا، کیا جا سکتا تھا۔ بہت کوششیں کی تھیں لیکن اس میں ناکام رہا تھا۔ اس دن دو فرلانگ کا سفر بھی میرے لئے زیادہ تھا۔ میں خوش خوش واپس آیا تاکہ اگلے دن کا معقول بندوبست کر سکوں۔

اگلا دن میرے لئے ایک بہت ہولناک تجربے کا دن تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ جب میرا کوئی ساتھی نہیں ہے تو پھر دنیا کو اپنی اس مہم کے بارے میں بتانے کی کیا ضرورت ہے؟ جو کچھ کرنا ہے، اکیلے ہی کرنا ہے۔ میری ہمت میرا ساتھ دے رہی تھی۔ میں نے موم بتیاں، ماچس کی ڈبیا اور دیگر ضروریات کی چیزیں اپنے لباس میں رکھیں اور غار کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں نہایت احتیاط سے چھپتا چھپاتا وہاں پہنچا۔ گھاس اور جھاڑیاں اسی طرح روندھی اور کچلی ہوئی تھیں۔ چند بڑے بڑے پتھر بھی اپنی جگہ سے ہٹے ہوئے تھے۔ ضرور کوئی غار سے باہر نکل کر غار میں گیا تھا۔ لیکن پیروں کے نشانات دکھائی نہیں دیئے۔ ہو سکتا ہے اس خوفناک بلا کے ہاتھ پاؤں ہی نہ ہوں۔ اس روز میں اندازے کے مطابق گزشتہ دنوں سے کافی آگے نکل گیا۔ یہاں غار کی زمین پتھروں سے بھری پڑی تھی۔ جا بجا اس قسم کے در نظر آ رہے تھے، جنہیں دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ یہ صرف اور صرف انسانی ہاتھوں کے تراشے ہوئے ہیں۔

میں آگے بڑھتا رہا اور پھر میں ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں چونے کی دیواریں ختم ہو گئیں۔ یہاں دیواریں پتھریلی اور بھورے رنگ کی تھیں۔ ان دیواروں پر معماروں کے اوزاروں کے نشانات ابھی تک موجود تھے جیسے ابھی ابھی لگائے گئے ہوں۔ میں انہیں صاف دیکھ سکتا تھا۔ میں نے سوچا..... جب انسان کسی پرانے دور میں یہاں پہنچ چکے ہیں تو میں اس نئے دور کا انسان ہوں۔ مجھے بھلا کیا مشکل پیش آ سکتی ہے.....
میں کچھ اور آگے بڑھا۔ موم بتی کا شعلہ کانپ رہا تھا اور ارد گرد پڑے ہوئے پتھروں کے سائے بھی کانپ کانپ کر مجھے بدحواس کر رہے تھے۔ لیکن میں بغیر رکے آگے بڑھتا چلا گیا۔ ایک تنگ سرنگ سے گزر کر میں وسیع و عریض ہال میں داخل ہوا۔ یہ ہال بھی تعمیر کا شاندار نمونہ تھا۔ یہاں سے بے شمار سرنگیں دائیں، بائیں اور آگے پیچھے نکلتی تھیں۔ کہیں سے پانی گرنے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں ''الف لیلیٰ'' کے

کسی راز سے گزر رہا ہوں۔ پراسرار جادوگر کا تعمیر کیا ہوا یہ انوکھا محل جسے اگر انسانی آنکھ دیکھ لے تو مرتے دم تک فراموش نہ کر سکے.....

میں چند لمحوں کے لئے رُکا اور پانی گرنے کی آواز بغور سننے لگا۔ یہ آواز کدھر سے آ رہی تھی..... مجھے اندازہ ہوا اور میں نے آواز کی سمت سفر شروع کر دیا۔ تھوڑا سا آگے بڑھا تو میرے پاؤں جیسے کیچڑ میں پھنس گئے۔ میں نے موم بتی نیچے کی، جھک کر دیکھنے لگا۔ اور پھر پہلی بار میں شدت حیرت سے ساکت رہ گیا۔ گیلی مٹی میں بنا ہوا ایک عجیب وغریب نشان تھا۔ غار کی چھت سے پانی کے قطرے رس رس کر عین اس جگہ گر رہے تھے اور یہاں کی زمین پانی سے تر ہو چکی تھی۔ سرسری نظر میں ایسا لگا جیسے ایک بڑا سا پتھر اُوپر سے گرنے سے یہ نشان بنا ہو۔ لیکن اس ہال میں آس پاس تو کیا، دور دور تک ایسا پتھر نہیں پڑا ہوا تھا۔ پھر یہ نشان جو خاصہ گہرا اور کسی قدر چوکور اور پھٹا پھٹا سا تھا، آخر یہاں کیسے بن گیا؟ اگر یہ کسی جانور کا پیر ہے تو دنیا میں ایسا کون سا بڑا جانور ہے جس کے پاؤں کا نشان اتنا لمبا چوڑا ہو۔

پھر ایک اور خیال میرے ذہن میں آیا..... اگر یہ کسی جانور کے پاؤں کا نشان ہے تو ظاہر ہے اس کے پاؤں کا دوسرا نشان بھی ہونا چاہئے۔ جتنا بڑا یہ نشان تھا، اس کے حساب سے ممکن ہے دوسرا نشان کافی فاصلے پر ہو..... یہ سوچ کر میں اور آگے بڑھا۔ لیکن دور تک دیکھنے بھالنے کے باوجود مجھے کوئی نشان نہ مل سکا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دہشت سے میرا کلیجہ اندر ہی اندر بیٹھنے لگا تھا۔

میں نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن روشنی کے باوجود راستہ بھٹک گیا..... اب میں ایک اور سرنگ میں تھا۔ یہاں میں نے ابھی دوسرا قدم ہی رکھا تھا کہ اچانک ہی مجھے ٹھوکر لگی اور میں نیچے گر گیا۔ موم بتی بجھ گئی تھی اور جہاں میں گرا تھا، وہاں پانی بہت ٹھنڈا تھا۔ میرے گرتے ہی گھپ اندھیرا سا چھا گیا اور میں شدید دہشت میں مبتلا ہو گیا۔ پانی خاصا گہرا تھا اور مجھے لگ رہا تھا جیسے یہ کوئی نہر ہو۔ میرے اندازے کے مطابق وہ تقریباً بیس فٹ چوڑی تھی۔ میرے ہوش وحواس میرا ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے ستارے ناچ رہے تھے اور بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے ہاتھ پاؤں مارے اور اس نہر جیسی جگہ کا کنارہ تلاش کرنے لگا۔ میں غار میں اتنی دور نکل آیا تھا کہ اب روشنی کے بغیر باہر جانا ممکن نہیں تھا۔ اس کے علاوہ پاؤں کا وہ نشان بھی میرے لئے انتہائی خوف کا

باعث تھا۔ قرب وجوار میں ہیبت ناک سناٹا طاری تھا جو گھپ اندھیرے کے ساتھ مل کر ایسا سناٹا پیش کر رہا تھا کہ بیان سے باہر ہے..... میری حالت اس چوہے کی سی تھی، جسے راہ فرار نہ مل رہی ہو اور پھر اسے یہ بھی احساس ہو کہ ایک لمحے کے اندر وہ بلی کے خونخوار جبڑوں کا شکار ہونے والا ہے۔ موم بتی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی میں گم ہو گئی تھی۔ لیکن کینوس کے تھیلے میں ابھی اور موم بتیاں بھی تھیں۔ میں نے بڑی مشکل سے ماچس کی ڈبیا اور موم بتی نکالی لیکن بے سود..... ماچس بھیگ چکی تھی اور کوشش کے باوجود تیلی جلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

نجانے کتنی دیر کھڑا میں سوچتا رہا کہ اب کیا کروں۔ ایسے حالات میں تو انسان کے ذہن کی رفتار اور تیز ہو جاتی ہے۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بڑی محنت سے اپنے ذہن میں اس غار کا نقشہ دوہرانے لگا۔ تصور ہی تصور میں، میں نے اندازے لگائے کہ اگر میں کوشش کروں تو دہانے تک پہنچ سکتا ہوں۔ آخر کار زندگی بچانے کا خیال باقی تمام احساسات پر حاوی آ گیا اور میں نے جدوجہد شروع کر دی۔ میں اندھوں کی طرح ٹٹولتا ہوا ایک طرف کو چلنے لگا۔ لیکن چند ہی لمحے میں یہ احساس ہو گیا کہ اندھیرے کی اس چادر کو پھاڑ کر راستہ تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔ خوف کا ایک نیا احساس دل میں پیدا ہو گیا کہ اب میری قبر اس غار میں بنے گی..... اس طرح بے مقصد آگے بڑھنا بے کار ہی تھا جب تک کہ کوئی صحیح راستے کا اندازہ نہ ہو جائے۔ نجانے کہاں سے کہاں جا نکلوں..... تھوڑا سا صبر کرنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے ایک پتھر پر پناہ لی اور اپنے بچاؤ کی تدبیروں پر غور کرنے لگا۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اور پھر ایک اور احساس نے میرے دل ودماغ پر قابو پانا شروع کر دیا..... میں نے اپنے تحفظ کے لئے کچھ بھی تو نہیں کیا تھا۔ اگر میں یہاں پھنس جاؤں اور باہر نکلنے کا راستہ نہ ملے تو کسی کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ میں کہاں ہوں۔ ماچس کی بھیگی ہوئی ڈبیا، چند موم بتیاں، کھانے پینے کا مختصر سامان..... ان مختصر چیزوں کے سہارے جینا تو بڑا مشکل کام تھا۔

بہر حال! مرتا کیا نہ کرتا، میں نے ماچس کی ڈبیا کو جیب سے نکال کر اپنی بغل میں دبا لیا تا کہ اس کی گرمی سے تیلیاں خشک ہوں۔ پھر میں نے چند بسکٹ نکالے حالانکہ یہ بھی بھیگ گئے تھے لیکن بہر حال کھانے کے قابل ضرور تھے۔ بڑے سے پتھر کی لمبائی چوڑائی کا جائزہ

لے کر میں نے یہ بھی اندازہ لگا لیا کہ یہ دو بڑے پتھروں کی درمیانی جگہ ہے۔ میں اگر چاہتا تو لیٹ بھی سکتا تھا۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد میری آنکھوں میں غنودگی سی طاری ہو گئی۔ پتہ نہیں کتنی دیر تک یہ غنودگی طاری رہی کیونکہ اس اندھیرے میں وقت کا احساس کرنا ممکن نہیں تھا۔ پھر ایک دم سے غنودگی کا یہ احساس ختم ہو گیا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ میرے کپڑے اب سوکھ گئے ہیں۔ سردی بھی کم ہو گئی تھی لیکن میری نیند...... کیسے ٹوٹی؟ غالباً وہ کوئی آواز تھی۔ ہاں! سو فیصدی کوئی آواز.....اور اسی آواز نے مجھے جگایا تھا۔

میں نے اس آواز پر غور کیا اور میرا دل شدت سے دھڑکا۔ سارے جسم کا خون گرم ہو کر دماغ کی طرف بڑھنے لگا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنے کان اس پراسرار اور دہشت انگیز آواز کی طرف لگا لئے جو غار میں کسی جگہ گونج رہی تھی۔ پتہ نہیں، یہ کیسی آواز تھی۔ جاگنے والے ذہن میں صرف اسی خوفناک وجود کا خیال آیا جس کا احساس جگہ جگہ ہو رہا تھا۔ کچھ لمحوں میں میرے اس خیال کی تصدیق ہو گئی۔ آواز ویسی ہی تھی جیسی میں پہلے سن چکا تھا۔ حالانکہ کافی فاصلے سے آ رہی تھی، لیکن میں نے اسے بڑھتے ہوئے محسوس کیا اور یہ احساس ہوا جیسے وہ آواز لحہ بہ لحہ قریب آتی جا رہی ہے۔

آہ..... کس قدر ڈراؤنی اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی آواز تھی اور اب تو یہ اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ یقینی طور پر یہ کوئی مشینی یا غیر مرئی آواز نہیں، بلکہ کسی جاندار کے وجود کے حلق سے نکل رہی ہے۔ آہ..... سو فیصدی یہ ایسی آواز تھی۔ میرا بدن فتن پڑھنے لگا۔ پورے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چہرے اور ہتھیلیوں پر پسینہ نمودار ہو گیا..... آواز کے ساتھ ساتھ میرے کانوں میں قدموں کی دھمک بھی آ رہی تھی۔ عظیم اور وزنی پیروں کی دھمک..... جس سے زمین میں ہلکا ہلکا ارتعاش پیدا ہو رہا تھا۔ میرے خدا..... اس تاریک ماحول میں بھاگ کر کہیں جانے کا تصور بھی مذاق اُڑانے کے مترادف تھا۔ وہ بلا اسی جانب آ رہی تھی، جہاں میں چھپا ہوا تھا۔ ممکن ہے وہ اندھیرے میں دیکھنے کی طاقت بھی رکھتی ہو۔ قدموں کی چاپ یا دھمک اور نزدیک آتی جا رہی تھی..... اب زیادہ سے زیادہ میرے اور اس کے درمیان سو، پچاس فٹ کا فاصلہ ہو گا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس سمت دیکھنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ لرزہ خیز آوازیں سنائی دینے کے علاوہ مجھے اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک ہی یہ ہوشربا آوازیں رُک گئی۔ ایک بار پھر گہرا سکوت چھا گیا۔ اس سکوت میں صرف میرے دل

کی دھڑکنوں کی آواز تھی۔ ہو سکتا ہے آنے والی بلا نے میری بو پالی ہو یا اس نے مجھے دیکھ لیا ہو۔ مجھے اس کے جسم کی بدبو صاف محسوس ہو رہی تھی اور میں غور کر رہا تھا کہ اب اس کے بعد کیا ہونے والا ہے۔

اچانک قدموں کی دھمک شروع ہو گئی اور پتھر لڑھکنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اس کے بعد پانی کی شڑاپ شڑاپ ہوئی اور یوں لگا جیسے اس خوفناک مخلوق نے راستہ بدل لیا ہو۔ میرے اعصاب شدید اذیت کا شکار تھے۔ میں نے بدن کے بے جان ہونے کی کہانیاں سنی تھیں، لیکن اس وقت میرا بدن جس قدر بے جان تھا، میں الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا۔ البتہ اس کے بدن کی بدبو، اس کے چلنے کے انداز، اس کے حلق سے نکلنے والی آواز سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جو کچھ بھی ہے، انتہائی ہولناک چیز ہے۔

پھر جب ذرا میرے اعصاب درست ہوئے تو میری ہمت بندھی۔ میں نے بغل میں دبی ہوئی ماچس کی ڈبیا نکالی اور تیلی رگڑ کر روشن کرنے کی کوشش کی۔ اس بار میری تقدیر میرا ساتھ دے گئی۔ میں نے جلدی سے موم بتی جلائی اور اپنے اردگرد دیکھا۔ پھر میں اپنی جگہ سے اتر کر غار کے دہانے کی طرف چل پڑا اور شاید تقدیر کو میری زندگی منظور تھی کیونکہ چالیس پینتالیس منٹ کی شدید جدوجہد کے بعد مجھے تازہ ہوا کے جھونکوں نے یہ خوشخبری سنائی کہ میں دہانے کے آس پاس ہوں..... اور پھر تھوڑی دیر کے بعد میں کھلے آسمان کے نیچے تھا۔

آہ..... میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد میں کس طرح فارم پر پہنچا اور وہاں اپنی آرام گاہ میں داخل ہو کر بستر پر گر گیا تھا۔ میری ملاقات کسی سے بھی نہیں ہوئی تھی۔ ظاہر ہے، کسی کے رات کو جاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بستر پر لیٹ کر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں زندہ ہوں۔ تھکن سے میرا جسم چور چور تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ سو جاؤں، لیکن مجھ پر اتنی دہشت طاری تھی کہ نیند نہیں آ رہی تھی۔ بڑی عجیب وغریب کیفیت تھی میری۔ تاریک غار کی اس مخلوق کو اس طرح دیکھنے کے بعد مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ واقعی یہ قرب و جوار کے انسانوں کے لئے ایک خطرناک بلا ہے۔ اگر لوگوں کے خیال کے مطابق وہ کوئی بدروح ہے تو اس بدروح کو ختم ہونا چاہئے اور اگر کوئی وحشی درندہ ہے تو اس درندے کی موت بھی لازمی ہے۔ کیونکہ اگر دیہاتیوں کے کہنے کے مطابق ابھی یہ صرف بھیڑ بکریوں پر گزارہ کرتا ہے تو

آگے چل کر یقینی طور پر اسے انسانوں کے خون کی عادت بھی پڑ جائے گی۔

میں نے اس پر بہت غور کیا اور آخر کار یہ فیصلہ کیا کہ قرب و جوار کی آبادیوں میں کسی ایسے صاحب دل کو تلاش کروں گا، جو میرا ساتھ دے سکے۔ بہرحال! اور کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن میرے لئے ایک چیلنج پیدا ہو گیا تھا۔ میں اپنے آپ کو اس کشمکش سے آزاد نہیں کرا سکا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بہرحال! بہت غور کیا اور بہت سوچتا رہا۔ پھر میں نے اپنی اس دیہی رہائش گاہ کے ایک ملازم سے کہا۔ ”کیا مجھے یہاں آتشی ہتھیار مل سکتے ہیں؟“

”خیریت جناب؟ ان آبادیوں میں آج تک کبھی اس کی ضرورت پیش نہیں آئی سوائے اس خوفناک بلا کے خوف کے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس علاقے میں جرائم بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ویسے جناب! مجھے آپ سے پوچھنا تو نہیں چاہئے لیکن کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کو ایسے ہتھیار کی ضرورت کیوں پیش آئی؟“

”بس..... آپ یہ سمجھ لیں کہ میں ایک بہت ہی خاص مقصد کے تحت ہتھیار حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ اس سلسلے میں ایک صاحب سے بات کروں گا۔ شاید وہ ہماری مدد کر سکیں۔ ویسے آپ کو رائفل چاہئے یا کچھ اور؟“

”دیکھوں گا کہ کیا کرنا ہے مجھے۔“ میں نے کہا اور پھر بولا۔ ”ویسے مجھے یہاں ایک ایسے سمجھدار آدمی کی ضرورت ہے جو میرے اس کام میں میرا ساتھ دے سکے۔“

”کون سے کام میں جناب؟“ ملازم نے فوراً سوال کیا۔ لیکن میں نے ابھی اسے خوفزدہ کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

بہرحال! اس کے بعد مجھے اس بات کی امید نہیں تھی کہ ملازم اتنی ذمہ داری کے ساتھ میرے منہ سے نکلی ہوئی بات پوری کر دے گا۔ اس نے دوسرے ہی دن ایک شخص کو میرے سامنے پیش کیا۔ یہ ایک درمیانے قد کا آدمی تھا۔ میرے پاس پہنچ کر اس نے سلام کیا اور عاجزی سے بولا۔ ”جناب عالی! میرا نام حکیم خان ہے۔ پاس کی بستی میں رہتا ہوں اور اس شخص سے میری گہری دوستی ہے۔ جب اس نے مجھ سے کہا کہ اسے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اسے ہتھیار مہیا کر دے تو میں نے اس سے اس کے بارے میں سوالات کئے۔ حضور انور! میں ماضی میں ایک شاندار شکاری رہ چکا ہوں۔ اصل میں میرا ایک ہاتھ

اور ایک ٹانگ بالکل مصنوعی ہے۔ ایک درندے نے مجھے شدید زخمی کر دیا تھا اور اس کے بعد میں نے بحالت مجبوری شکار ختم کر دیا۔ لیکن میرے پاس میری رائفل اور خاصے کارتوس اب بھی موجود ہیں۔ میں بہت عرصے سے انہیں فروخت کرنے کے چکر میں تھا لیکن ان بستیوں میں ان کا کوئی رواج نہیں ہے اور باہر ایسا کوئی کام کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ اب اگر آپ کو ان دونوں چیزوں کی ضرورت ہے، میرا مطلب ہے رائفل اور کارتوس تو میں انہیں بخوشی آپ کی خدمت میں بیچنے کے لئے تیار ہوں۔ ان کا معاوضہ جو بھی آپ دیں گے، مجھے قبول ہو گا۔ میں تو یہ چیزیں تحفتاً بھی آپ کو پیش کر دیتا۔ لیکن کیا کروں، غریب آدمی ہوں۔ اور کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔ یہ دونوں چیزیں کہاں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”میں چند منٹوں میں آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں۔“ حکیم خان نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے حکیم خان! میں تمہیں ان کا معقول معاوضہ دوں گا۔ تمہارے پاس ان کا لائسنس تو ہو گا۔“

”جناب عالی! مکمل لائسنس موجود ہے۔ کسی کو اس پر شبہ نہیں ہو گا۔ آپ جس طرح چاہیں، تصدیق کر سکتے ہیں۔“

”تو بس یہ سمجھو کہ میں کچھ عرصے کے لئے انہیں اپنے استعمال میں رکھوں گا، اس کے بعد تمہیں واپس دے دوں گا اور باقی ان کی قیمت کا مسئلہ ہے تو تم جو بھی مجھ سے طلب کرو، بلکہ ایسا کرو ان کی ایڈوانس قیمت لے جاؤ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بالکل قابل استعمال ہوں۔“

”جناب عالی! آپ پہلے ان کا تجزیہ کر لیں۔ پیسوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں بعد میں لے لوں گا۔ پہلے آپ ان کا تجزیہ کر لیں۔ جب آپ مطمئن ہوں، تب مجھے اس کا معاوضہ ادا کر دیں۔“

بہرحال! رائفل بالکل صحیح حالت میں تھی۔ دو تین کارتوس میں نے چلا کر دیکھے، سب کے سب ٹھیک تھے۔ چنانچہ میں نے حکیم خان سے وہ رائفل لے لی۔ ایک لمحے کو میرا دل چاہا کہ شکاری سے کہوں کہ وہ میری مدد کرے، لیکن ابھی یہ مناسب نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے ہلکے پیٹ کا آدمی ہو اور چاروں طرف یہ کہانی بیان کر دے۔ لیکن بہرحال! میرے ذہن میں جو

منصوبہ تھا، میں اس پر لحہ لحہ عمل کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ تو اب مجھے یقین ہو چکا تھا کہ اس پراسرار غار میں کوئی بہت ہی خوفناک چیز رہتی ہے۔ وہ انسان ہے، جانور ہے، کوئی بدروح ہے...... اس کا صحیح اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ قدموں کے نشانات بھی نظر نہیں آتے تھے۔ بس کچلی ہوئی جھاڑیوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ باہر نکلی ہے۔

رائفل حاصل ہو جانے کے بعد مجھے ایک اطمینان سا ہو گیا تھا اور میں ہمت اور دلیری کے ساتھ اپنا کام سرانجام دینے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کر رہا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے دور سے اس غار کی نگرانی کروں گا اور کوشش کروں گا کہ ایک بار مجھے اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں۔

ادھر فارم کے ملازمین میری شخصیت سے کچھ الجھ سے گئے تھے۔ انہیں یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ میں کس طرح کا آدمی ہوں اور کیا کر رہا ہوں۔ لیکن میں اپنے کاموں میں مصروف تھا۔ میں نے ان کی آنکھوں میں شبے کے آثار دیکھے تھے اور دل میں سوچا..... جہنم میں جائیں۔

پھر پہلی بار میں نے اس غار کی جانب رائفل کے ساتھ رُخ کیا..... معمول کے مطابق ہر طرف ہولناک سناٹا طاری تھا اور دور وادی کے نیچے کسانوں اور چراہوں کے چھوٹے چھوٹے مکانوں کی کھڑکیوں اور روشندانوں میں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ غار کے دہانے کے قریب پہنچ کر میں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لالٹین بجھا دی اور ایک طرف جھاڑیوں میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا۔

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا اور غار کا کھلا ہوا دہانہ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی آنکھیں کھولے کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ میری کلائی کی بندھی ہوئی گھڑی میں ایک بجے کا ٹائم تھا۔ لمحے آہستہ آہستہ گزر رہے تھے۔ کوئی ایک گھنٹہ اسی طرح گزر گیا۔ بیٹھے بیٹھے مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں نے اپنے جسم کو آسودگی کے انداز میں پھیلا لیا۔

اچانک ہی ایک مدھم سی آواز میرے کانوں میں اُبھری..... نیم غنودگی کے عالم میں مجھے یہ اندازہ تو نہیں ہو سکا کہ یہ کیسی آواز ہے، لیکن کوئی آواز ضرور تھی جس نے مجھے چونکا دیا تھا اور میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے رائفل اپنے ہاتھوں میں سنبھال لی۔ تھوڑی ہی دیر بعد پھر وہی لرزہ خیز آواز سنائی دی اور میں بدن میں ایک شدید سنسنی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ جانی پہچانی آواز تھی..... وہی بھیانک اور خوفناک آواز..... میری رگوں میں دوڑتا ہوا خون سرد پڑنے لگا۔ پھر بڑے بڑے پتھروں کے اِدھر اُدھر لڑھکنے کی آوازیں اُبھرنے لگیں۔ غار کے منہ پر اُگی ہوئی قد آدم جھاڑیاں ہلنے لگیں۔ موٹی موٹی شاخوں کے ٹوٹنے کی آوازیں تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئیں۔ میں نے غار کے دہانے سے نظر ہٹا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ بادلوں کی اوٹ سے ایک روشن اور چمکدار ستارہ پراسرار انداز میں جھانک رہا تھا۔ میری نگاہیں تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئیں اس ہولناک سیاہ مخلوق پر پڑیں جو غار کے دہانے پر جھاڑیوں کے عقب میں کھڑی تھی.....

کچھ لمحوں کے لئے میرا جسم جیسے بے کار ہو گیا۔ میں نے رائفل سنبھالی۔ لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے رائفل کا وزن منوں بڑھ گیا ہو۔ میرے ہاتھ اسے اٹھانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ انگلیاں جیسے اینٹھ کر رہ گئی تھیں۔ وہ کیا چیز تھی..... اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ بس..... مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی پہاڑی تودا متحرک ہو۔ یہ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس وجود کی اصل شکل وصورت کیا ہے۔ اس کے جسم کی تمام حرکتیں یہ احساس دلا رہی تھیں کہ وہ ایک جیتی جاگتی شے ہے..... تھوڑی دیر کے بعد مجھے یوں لگا جیسے اس کا منہ آسمان کی جانب اٹھا ہو۔ تیز بدبو قرب و جوار میں پھیل گئی۔ اچانک ہی میں نے رائفل سنبھالی۔ ایک دم سے جیسے بدن میں برقی رو دوڑ گئی تھی۔ جیسے ہی میں نے فائر کیا، ایک بھیانک آواز اس زور سے اُبھری کہ اردگرد کی پہاڑیاں لرز گئیں...... بڑے سیاہ چہرے میں سفیدی جھانکنے لگی اور دوسرے ہی لمحے میری تیز ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔ اس نے ایک دوسری چیخ ماری اور اسی وقت میں نے اپنی رائفل سے دو فائر کیا۔ حالانکہ میرا نشانہ بالکل درست تھا۔ مگر ان گولیوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ بڑے بڑے وزنی پتھر اس کے جسم سے ٹکرا کر اِدھر اُدھر گر رہے تھے اور شدید بدبو اٹھ رہی تھی..... میں نے اس ایک بار پھر اس پر فائر کئے اور اس بار مجھے یوں لگا جیسے یہ فائر اس پر اثر انداز ہوئے ہوں۔ چنانچہ وہ واپس پلٹی اور تھوڑی دیر کے بعد غار میں گم ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت صرف ٹارچ کی روشنی نے مجھے بچایا تھا۔ یہ لالٹین نما ٹارچ جو جدید ترین تھی، مجھے اپنے اس دیہی فارم ہی سے حاصل ہوئی تھی لیکن اس وقت وہ کس قدر کارآمد ہوئی تھی، اس کا اندازہ شاید آپ نہ لگا سکیں۔ اس کے بارے میں صرف میں جانتا ہوں۔

میں نے یہ سب کچھ کر تو ڈالا تھا لیکن یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وقت صرف میرے اعصاب نے میری مدد کی ہے ورنہ شاید میں کچھ کرنے کے قابل نہ ہوتا۔ پھر اچانک ہی مجھے عقب سے بولنے اور پکارنے کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے افراد روشنیاں لئے اس طرف دوڑے چلے آ رہے تھے۔ غالباً ان کے کانوں تک فائر کی آوازیں پہنچ چکی تھیں اور وہ یہ جاننے کے لئے آ گئے تھے کہ یہ قصہ کیا ہے۔ ان میں حکیم خان بھی تھا۔ وہ خاصا مستعد نظر آ رہا تھا، کیونکہ رائفل اس کی استعمال کی گئی تھی۔

میرے قریب آ کر اس نے پہلے مجھے، پھر رائفل کو دیکھا اور اس کے بعد بڑے خوفزدہ انداز میں کہا۔ ''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں صاحب! آپ نے کس پر گولی چلائی تھی؟''

میرے ہوش و حواس درست ہوئے۔ اگر کوئی اصل واقعات کو سمجھتا تو مجھے جواب دینے میں کامیابی ہوتی۔ لیکن میں خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ وہ لوگ مجھے لے کر فارم کی طرف چل پڑے۔ میری عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ میں نے جو گولیاں چلائیں، ان کا انجام کیا ہوا۔ لیکن مجھ پر ایک ایسی اعصابی بیماری طاری ہوئی کہ تقریباً ایک ہفتے تک میں بستر سے نہ اٹھ سکا۔ میرے ملازمین، میری تیمارداری کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ بستیوں کے لوگوں نے اس علاقے کا جائزہ بھی لیا تھا۔ پھر کچھ خبریں میرے کانوں تک پہنچیں، وہ یہ کہ علاقے کے لوگ محفوظ ہیں۔ کوئی بھیڑ یا بکری نہ تو چوری ہوئی ہے نہ کسی کو نقصان پہنچا ہے۔

کوئی نویں دن میری حالت اس قابل ہوئی کہ میں اپنی جگہ سے اٹھ سکوں۔ رائفل سنبھال کر میں نے سیدھا اس سمت کا رُخ کیا اور یہ جائزہ لینے کی کوشش کی کہ راستے کی کیا کیفیت ہے۔ کچلی ہوئی جھاڑیاں بہتر حالت میں تھیں۔ اس غار کے دہانے پر میں نے خون کے بڑے بڑے دھبے دیکھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ اندر داخل ہونے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

پھر اچانک ہی مجھے اپنے عقب میں ایک سایہ سا محسوس ہوا اور اس وقت میری دہشت کی انتہا نہ رہی جب میں نے ایک نامعلوم وجود کو اپنے عقب میں دیوار کی طرح کھڑے ہوئے پایا۔ اس کے کوئی نقش نہیں تھے۔ بس..... ایک سایہ تھا، جس نے مجھے گھیر لیا تھا۔ اور پھر تیز ہواؤں نے میری جانب رُخ کیا اور میں قدم جمانے میں ناکام ہو گیا۔ اپنی جگہ سے

اچھلا اور پوری قوت سے ایک چٹان سے ٹکرا کر بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو نہ میرے پاس رائفل تھی اور نہ ہی میرا اپنا ساز و سامان۔ میں بے یار و مددگار پڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک ایک عجیب و غریب کیفیت کا شکار رہا ہوں۔ اٹھتا ہوں تو ایک سایہ سا میرا تعاقب کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے، جیسے کوئی مجھے گھیر رہا ہے۔ عجیب عجیب سے دہشت ناک خیال میرے دل سے گزرتے ہیں اور میں آج تک نہیں سمجھ پایا کہ میں اس مشکل سے کیسے نکلوں؟ نجانے کہاں کہاں بھاگتا پھرا ہوں۔ جنگلوں میں..... ویرانوں میں..... بہت بار کوشش کی کہ کوئی ایسا عمل کروں، جس سے اس مشکل سے دور ہو جاؤں لیکن نہیں..... مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس جال میں پھنس گیا ہوں۔''

رندھیرا نے شردھا کی جانب دیکھا۔ شردھا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ شردھا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم جانتی ہو یہ کون ہے؟''

''کیا مطلب؟''

''وہ گومتا ہے۔ سمجھی! گومتا ہے۔''

''گومتا؟'' رندھیرا نے تعجب سے شردھا کو دیکھا۔

شردھا بڑے فخر سے بولی۔ ''یہی تو فرق ہے رندھیرا! مجھ میں اور تجھ میں۔ میں ایسی بہت سی پراسرار قوتوں کے بارے میں جانتی ہوں جو ناپاک ہیں اور اپنا ایک وجود رکھتی ہیں۔ گومتا ایک بری روح ہے۔ میں تمہیں ایک عجیب و غریب بات بتاؤں۔ جس طرح انسان کبھی کبھی مرنے کے بعد بھیانک شکلیں اختیار کر لیتے ہیں اور ان کی روحیں بھٹکتی رہتی ہیں، اسی طرح کبھی کبھی کچھ جانوروں کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے اور وہ گومتا بن جاتے ہیں۔''

''مطلب یہ کہ کسی جانور کی بری روح؟''

''تم اسے جانور کہہ سکتی ہو۔ لیکن اس کی سوچ میں بڑی تبدیلی آ جاتی ہے۔ آہ..... اگر کوئی گومتا کسی کے ہاتھ لگ جائے تو یہ سمجھ لو کہ سنسار میں اس کا بڑا مقام ہو سکتا ہے۔''

اچانک ہی شردھا کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی اور وہ بولی۔ ''رندھیرا! گومتا کو حاصل کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اس میں کوئی ناکامی نہیں ہو گی۔ میں ایسے طریقے جانتی ہوں جس سے گومتا کو قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن تجھے میری

مدد کرنا ہوگی۔‘‘

رندھیرا نے تعجب سے شردھا کو دیکھا اور بولی۔’’مطلب؟‘‘

’’ہم دونوں مل کر اسے قابو میں کر سکتے ہیں اور سب سے پہلے ہم اس کے ذریعے اپنے اس دشمن سے نجات حاصل کریں گے۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو میں مکمل طور سے تیرا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔‘‘

’’تو پھر اسے آمادہ کر۔‘‘ شردھا نے نوجوان کی طرف دیکھا اور بولی۔’’راجن! کیا تم چاہو گے کہ اس پراسرار وجود کا خاتمہ کر دو؟‘‘

’’ہاں..... نجانے کیوں یہ خواہش میرے دل میں بری طرح مچل رہی ہے کہ ایسا ہو جائے۔ لیکن کیا ایسا ہو سکتا ہے؟‘‘

’’ہاں! ہو سکتا ہے۔‘‘

’’کیسے.....‘‘

’’اس پراسرار وجود کو مٹی میں ملانے کے لئے ہمیں بھی ایک پراسرار عمل کرنا ہوگا۔‘‘

’’مثلاً؟‘‘ راجن سنگھ نے پوچھا۔

’’دیکھو! یہ لکیریں دیکھ رہے ہو جو چاروں طرف کھنچی ہوئی ہیں؟‘‘

’’ہاں! سب سے پہلے اپنے ہاتھوں سے ان لکیروں کو مٹا دو۔‘‘

’’اس کے بعد؟‘‘

’’تم مٹاؤ تو سہی اس کے بعد دیکھو کیا ہوتا ہے۔‘‘

راجن سنگھ آگے بڑھا اور اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے وہ لکیریں مٹا دیں۔ لکیروں کے مٹتے ہی شردھا اور رندھیرا اس حصار سے باہر نکل آئیں لیکن انہوں نے راجن سنگھ کو یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ اس کے اس عمل سے انہیں کوئی فائدہ ہوا ہے۔ البتہ دونوں کے چہرے خوشی سے چمک رہے تھے۔

پھر رندھیرا نے کہا۔’’راجن سنگھ! تمہیں تعجب ہوگا لیکن اگر تم ہمیں وہاں تک لے چلو تو ہم اس بلا کا راز تمہیں ضرور بتا دیں گے۔‘‘

’’مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میرا تو خود یہ دل چاہتا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے، میں کم از کم اس بلا سے اپنی آبادیوں کو نجات دلا دوں۔‘‘

’’تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم چلتے ہیں۔‘‘

’’آؤ.....!‘‘ راجن سنگھ نے خوش دلی سے کہا۔ دو حسین اور نوجوان لڑکیوں کی قربت ویسے بھی ایک مرد کے لئے دلکشی کا باعث ہوتی ہے۔ پھر وہ دونوں اس سے بڑی لگاوٹ کا اظہار کر رہی تھیں۔ حالانکہ اس کے فرشتوں تک کو نہیں معلوم تھا کہ یہ اگر اپنی اصل شکل و صورت میں آئیں تو اس پر کیا بیتے گی۔

☆.....☆.....☆

روپ کمار کی ماں نے روپ کمار کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا! میں تجھ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔''

روپ کمار چونک کر رُک گیا۔ ''کیا بات ہے ماتا جی! خیر تو ہے؟''

''ہاں بیٹا! ویسے تو خیر ہے۔ بس ایسے ہی تجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں میں۔''

''پوچھو ماتا جی!''

''یہاں نہیں۔ ایک کام کر۔''

''ہاں بولو۔''

''تو یہاں سے سیدھا جا۔ املی کے درخت کے نیچے جو جگہ بنی ہوئی ہے، وہاں میرا انتظار کر۔ میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہی ہوں۔''

''ہیں......'' روپ کمار حیرت سے بولا۔

''ہاں.....تو جا!''

''مگر ماتا جی! اتنا بڑا گھر ہے۔ بھگوان نے ہمیں یہ گھر دیا ہے۔ عیش وعشرت دیئے ہیں تو وہاں املی کے نیچے جا کر.....''

''بیٹا! ماں ہوں نا تیری میں؟''

''وہ تو ہے۔''

''تو پھر اتنی بات تو میری مان لے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ تم جاؤ، میں آرہا ہوں۔ یا میں چلتا ہوں تم بعد میں آجاؤ۔''

''تو جا!'' روپ کمار کی ماں بولی اور روپ کمار وہاں سے نکل گیا۔ وہ شدید حیران تھا۔ آخر ایسی کیا بات ہے جو ماں گھر میں نہیں کرنا چاہتی؟

روپ کمار کی زندگی میں جو تبدیلیاں پیدا ہوئی تھیں انہوں نے اس کے روئیں روئیں کو

خوش کر دیا تھا۔ بیوی کیا ملی تھی، ایک طرح سے یہ کہنا چاہئے تھا کہ سنسار روشن ہو گیا تھا۔ سپورنی جیسی حسین عورت اور اس کے بعد اس کے آتے ہی خوش قسمتی کے جو دروازے روپ کمار پر کھلے تھے۔

بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ۔ ماں کی اس تشویش کو اس نے حیرت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ املی کے درخت کے نیچے پہنچ کر وہ ماں کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد روپ کمار کی ماں اس کے پاس پہنچ گئی۔ روپ کمار شدید متجسس نظر آرہا تھا۔ ماں کے قریب پہنچ کر اس نے کہا۔ ''تو نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے ماں! ذرا بتا تو سہی آخر بات کیا ہے؟''

''روپ! ایک بات کا وعدہ کر۔ جو کچھ میں کہوں گی، اس کا تو برا نہیں مانے گا۔''

''نہیں ماتا جی! تمہاری بات کا بھلا میں نے کبھی برا مانا ہے۔''

''اگر میں تیری بیوی کے بارے میں کہوں تو؟''

''ماتا جی! کوئی غلطی ہو گئی ہے اس سے کیا؟''

''نہیں!''

''کوئی ایسی بات جس کا میں برا مان سکتا ہوں؟''

''ہو سکتا ہے۔''

روپ کمار تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ''پھر ماتا جی! تمہیں بتانا تو ہوگا نا۔''

''ہاں۔ روپ! ذرا تھوڑا سا حالات کا اندازہ کر۔ وہ جب سے تیری زندگی میں آئی ہے، ہمارے حالات بدل گئے ہیں۔''

''کیا یہ بری بات ہے ماں؟''

''نہیں۔ مگر تیرا اس بارے میں کیا خیال ہے؟''

''ماتا جی! آپ ہی کبھی کبھی کہتی ہیں کہ دھن دولت عورت کی تقدیر سے ملتا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ وہ ہمارے لئے بڑی اچھی ثابت ہوئی ہے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن تجھے معلومات نہیں ہیں۔ کبھی کبھی عورت کے روپ میں ایسی پراسرار ہستیاں بھی مل جاتی ہیں، جو بعد میں بڑی خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔''

''ارے لو اماں! اب تم یہ کہو گی کہ سپورنی کوئی ایسی ہستی ہے۔''

''ہو بھی سکتی ہے روپ! اصل میں، میں کبھی یہ بات نہ کہتی۔ لیکن ایک دن میں نے

عجیب سی بات دیکھی ہے۔''

''کیا؟''

''میں نے دیکھا، دوپہر کا وقت تھا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر باہر آئی۔ تھوڑی دیر تک کھڑی اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ پھر جو سامنے گھر کے دروازے کے آخری کونے میں نیم کا درخت لگا ہوا ہے، وہاں پہنچی اور چند ہی لمحوں بعد میں نے اسے ہاتھ بلند کرتے ہوئے دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا سارا وجود غائب ہو گیا روپ! وہ ایک چڑیا کی شکل میں نیم کے درخت پر بیٹھ گئی۔ سفید رنگ کی ایسی چڑیا، جسے دیکھ کر انسان کا دل چاہے کہ وہ اسے فوراً پکڑ لے۔ پھر وہ چڑیا کی حیثیت سے اُڑ کر کہیں چلی گئی۔ پہلے تو میں اپنی آنکھیں ملتی رہی۔ پھر میں نے واپس آ کر پورے گھر کی تلاشی لی۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ میرا وہم ہے۔ مگر وہ وہم نہیں تھا۔ روپ! وہ کہیں موجود نہیں تھی..... میں پاگلوں کی طرح ہر جگہ اسے دیکھتی پھرتی رہی۔ لیکن جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہی سچ تھا۔ کوئی تین یا چار گھنٹے بعد جب میں پریشان حال ایک طرف بیٹھی ہوئی تھی، میں نے اسی سفید چڑیا کو آتے دیکھا۔ وہ نیم کی شاخ پر بیٹھ گئی۔ پھر وہ نیچے اتر آئی اور اس کے بعد اس نے سمپورنی کا روپ اختیار کر لیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اندر آ گئی۔ میری ہمت نہیں پڑی کہ میں اس سے اس بارے میں کچھ پوچھتی۔ مگر بیٹا! ایک بات بتا دوں.....تو اس کے بارے میں معلومات ضرور حاصل کر۔''

''ماتا جی! اتنی عجیب بات بتائی ہے آپ نے کہ میری عقل اسے تسلیم ہی نہیں کرتی۔''

''بیٹا! سنسار میں بہت سارے ایسے واقعات ہوتے ہیں، جنہیں عقل تسلیم نہیں کرتی۔ لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ سچ تھے۔''

''مگر ماتا جی.....''

''دیکھ! میری بات سن۔ اس کے آنے سے ہمارے حالات بدل گئے ہیں۔ ہماری تقدیر بدل گئی ہے۔ بچے آرام سے زندگی گزار رہے ہیں۔ کوئی مشکل، مشکل نہیں رہی ہے۔ ہم ایسا وقت گزار رہے ہیں کہ اس سے پہلے کبھی اتنا اچھا وقت نہیں گزارا تھا۔ یہ بہت بڑی سچائی ہے۔ تو یہ سوچ لے کہ میرے دل میں کبھی اس کے لئے کوئی کھوٹ پیدا نہیں ہو سکتی۔ بیٹا! ساری باتوں سے زیادہ مجھے تیرا جیون عزیز ہے۔ دیکھ! تجھے یہ تو یاد ہو گا کہ شروع میں جو

واقعات پیش آئے تھے، کوئی پراسرار وجود میری شکل اختیار کر کے یہاں آ گیا تھا اور کچھ عجیب سے حالات ہو گئے تھے۔ اب تو یہ بتا مجھے کہ ایسا کیوں ہوا تھا۔ بتائے گا؟''

''نہیں ماتا جی! اس بات پر تو میں خود آج تک پریشان ہوں۔''

''تو بس! یہ سمجھ لے کہ اگر وہ بات سچ تھی تو جو کچھ میں کہہ رہی ہوں، وہ بھی سچ ہے۔''

''ایک بات بتاؤ ماتا جی! تمہارے خیال میں سمپورنی کوئی چڑیل ہو سکتی ہے؟''

''نہیں..... میں نے بہت غور کیا ہے۔ اس کے پاؤں دیکھے ہیں۔ وہ پچھلی پیری نہیں ہے۔ مجھے وہ کوئی بری آتما معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے اندر کوئی ایسی بات ضرور ہے جو میں تجھے بتا چکی ہوں۔ دیکھ! ایک دفعہ اس سے معلومات حاصل کر۔ ویسے وہ تجھ سے پریم تو کرتی ہے نا؟''

''بہت ماتا جی!''

''تو پھر وہ ضرور تجھے اپنے بارے میں بتا دے گی۔''

''ماتا جی! ابھی میں اس سے نہیں پوچھوں گا۔ اور آپ سے بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ اس کی کھوج نہ کریں۔ میں خود اسے دیکھوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسا تو پسند کرے۔'' ماں نے کہا۔

روپ کمار اپنے ذہن میں ایک عجیب سا تاثر لئے واپس آیا تھا۔ اگر ایسی بات ہے تو کم از کم پتہ تو چلنا چاہئے کہ سمپورنی آخر ہے کیا۔ ویسے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ واقعی جب سے سمپورنی اس کے ساتھ آئی ہے، واقعات بہت ہی عجیب و غریب رُخ اختیار کر چکے ہیں۔ ہے بھگوان..... کبھی ایسا نہ ہو کہ مجھے اپنی دھرم پتنی سے ہاتھ دھونا پڑیں۔ میرے لئے وہ بڑی سندر ہے اور بڑی اہمیت کی حامل ہے..... اس نے سوچا۔

لیکن پھر بھی انسان کے دل میں تجسس کے جو جذبے ہوتے ہیں، انہوں نے روپ کمار کو مجبور کر دیا اور پھر دوسری ہی دوپہر اس نے اپنی آنکھوں سے یہ سارا تماشہ دیکھ لیا۔ ماں کی بات کی مکمل طور پر تصدیق ہو گئی تھی۔ سمپورنی دوپہر کو باہر نکلی تھی۔ روپ کمار ایک جگہ پوشیدہ ہو کر اُسے دیکھ رہا تھا۔ باہر نکلنے کے بعد وہ نیم کے درخت کے نیچے پہنچی۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس کے بعد زمین پر بیٹھی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک چڑیا کی شکل اختیار کر کے درخت پر جا بیٹھی اور پھر اس کے بعد وہ فضاؤں میں پرواز کر گئی۔ روپ کمار کی آنکھیں خوف و دہشت

سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''ہے بھگوان! کیا ہے؟ آخر کیا ہے یہ؟''

☆

رتنا کو اب پوری طرح احساس ہو گیا تھا کہ کرپا رام نے اس کے دل پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس سیدھے سادھے دیہاتی نے اس طرح اسے لبھایا تھا کہ وہ بے بس ہو گئی تھی۔ اس شام بھی وہ اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ رتنا نے کہا۔ ''کرپا رام! تمہاری عمر کیا ہے؟''

''ہمیں کیا معلوم؟''

''کیوں؟''

''اصل میں جب ہم پیدا ہوئے تھے تو بہت چھوٹے تھے۔ اتنے سے.....'' کرپا رام نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا اور رتنا ہنس پڑی۔

''سب اتنے ہی ہوتے ہیں کرپا رام! یہ کون سی نئی بات ہے.....''

''ایں..... ہاں! ہوتے تو اتنے ہی ہیں۔ پر ہم ناسمجھ تھے۔ ہمیں یاد ہی نہیں ہے کہ جب ہم پیدا ہوئے تھے تو ہماری عمر کتنی تھی نہ کبھی اپنی ماتا، پتا سے پوچھا۔ اب تو دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے، جو ہمیں ہماری عمر بتائے۔''

رتنا دل کھول کر ہنستی رہی۔ کرپا رام کی شخصیت واقعی ایسی تھی جو پریشانی کے عالم میں بھی ہنسا دے۔ کرپا رام نے کہا۔ ''ایک بات کہیں مالکن آپ سے؟''

''چلو کہو!''

''آپ ہنستی ہیں نا تو ہمیں بڑی خوشی ہوتی ہے۔ ایک بات کا ہمیں پتہ ہے کہ ہم بیوقوفی کی باتیں کرتے ہیں۔ ماما کہہ رہا تھا کہ ہم پرلے درجے کے اُلو ہیں۔ لیکن ہم اس بات پر خوش ہیں۔''

''اپنے اُلو ہونے سے؟''

''ہاں مالکن۔''

''بھلا وہ کیوں..... کیوں خوش ہو؟''

''اس لئے مالکن! کہ ہمارے اُلو پن کی باتوں پر آپ ہنستی ہیں اور جب ہنستی ہیں تو ہمیں بڑی اچھی لگتی ہیں۔''

''واہ! بڑی دلچسپ بات کہی تم نے۔ اچھا! ایک بات بتاؤ۔ تمہیں اپنی عمر نہیں معلوم۔ شادی نہیں کرو گے تم؟''

''مالکن! آپ کی باتیں ہمیں شرم دلا رہی ہیں۔ بھگوان کی سوگند! ہم بڑے شرمیلے ہیں مالکن۔ شادی بیاہ کی باتیں جب دوسرے لوگ کرتے ہیں تو ہمارا بھی دل چاہتا ہے کہ کوئی ہماری شادی کر دے۔ لیکن مالکن! ہمارا کوئی ہے نہیں نا۔''

''کیوں؟ تمہارے ماما جو ہیں۔''

''لو مالکن! ماما نے اپنی شادی نہیں کری، ہماری کیا کریں گے؟''

''ہاں! یہ تو ہے۔ تم نے کبھی ماما سے اپنی شادی کے بارے میں بات کی؟''

''نہیں مالکن۔ پتہ نہیں کیا سلوک کرے ہمارے ساتھ۔ ویسے ہم جانتے ہیں۔ کہیں گے تو سہی۔''

''کیا کہیں گے؟''

''یہی کہ ابے تیرے باپ کی بھی کبھی شادی ہوئی تھی؟''

''لو! باپ کی شادی نہ ہوتی تو تم کہاں سے آ جاتے؟''

''یہ بڑی عجیب بات ہے مالکن! اگر ماں باپ کی شادی نہ ہو تو اولاد کے لئے بڑی مشکل ہوتی ہے۔ پیدا ہی نہ ہوسری۔ یہ تو مجبوری ہے۔ ہونی نہیں چاہئے۔''

رتنا دل کھول کر قہقہے لگا رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''اچھا خیر، چلو ٹھیک ہے۔ میں بات کروں تمہارے ماما سے تمہاری شادی کے لئے؟''

''ارے کاہے کو؟ مرواؤ گی مالکن۔ ماما کہے گا، ہم سے تو کہا نہیں جا کر کہہ دیا مالکن سے۔ مالکن! بڑی عجیب سی بات ہے۔ پر ایک بات کہیں ہم، وعدہ کرو برا تو نہیں مانو گی؟''

''نہیں مانوں گی برا۔ کہو!''

''مالکن! ایک دو بار ہم نے تمہارے بارے میں سوچا ہے۔ ہم نے یہ سوچا کہ اگر ہم نے کبھی شادی کری تو ماما سے کہیں گے تمہارے جیسی دلہن تلاش کرے ہمارے لئے۔''

رتنا اسے دیکھتی رہ گئی۔ سادہ لوح دیہاتی کے اندر کوئی کھوٹ نہیں تھی۔ اس کے اندر کی سچائی بول رہی تھی۔ رتنا اسے دیکھتی رہ گئی۔ اسے سنجیدہ پا کر کرپا رام نے کہا۔ ''وہ تو ہم نے من کی بات کہہ دی۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ہمارے من کی بات پوری نہیں ہو گی۔''

''اچھا! ایک بات بتاؤ کرپارام۔ اگر تمہارے من کی بات پوری ہو جائے تو؟''

''ارے مالکن! کرپارام سمجھیں گے کہ بھگوان نے انہیں سنسار میں سب کچھ دے دیا۔''

رتنا ایک عجیب سے احساس کے ساتھ خاموش ہو گئی تھی۔ اظہار محبت کا یہ انداز دنیا سے انوکھا تھا۔ ایک سادہ لوح دیہاتی یہی کر سکتا تھا۔

پھر رتنا، ہری ناتھ سے ملی۔ اس وقت ہری ناتھ معمول کے مطابق اپنے کام میں مصروف تھا۔ رتنا کو دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ ''مالکن! ہمیں پتہ ہی نہ چلا، آپ ہمارے پیچھے آ کھڑی ہوئیں۔''

''تو پھر؟''

''مالکن! آپ ہماری مالک ہیں۔ آپ کا دیا ہم کھاتے ہیں۔ ہم بھلا آپ کے آگے کھڑے ہوں گے کبھی؟''

''ہری ناتھ! تم نے کبھی یہ بات محسوس کی کہ میں نے تمہیں ملازم سمجھا ہے؟''

''یہ تو آپ کی بڑائی ہے مالکن۔ جب کسی کے اندر بھگوان نے اتنی بڑائی بھر دی ہو تو دوسرے کو تو چاہئے کہ اس کی عزت کرے، اس کا احترام کرے۔''

''تمہارا اور کوئی نہیں ہے ہری ناتھ! اس دنیا میں؟''

''بس مالکن! ایک بہن تھی۔ وہ بھگوان نے لے لی۔ اب یہ سسرا کرپارام ہے بہن کی نشانی۔ آپ نے مہربانی کی کہ اسے یہاں جگہ دے دی۔ ورنہ کہیں اور ہوتا تو پتہ نہیں کتنی بار نکالا جا چکا ہوتا۔ ایسا ہی ہے بدھو کا بدھو۔''

''میں ایک بات کہوں ہری ناتھ؟'' رتنا نے ہمت کر کے کہا۔

''جی مالکن، حکم!''

''تم اس کی شادی کر دو۔''

''ایں...... کرپارام کی؟''

''ہاں! اسی کی بات کر رہی ہوں۔''

''مالکن! وہ بدھو نرا بدھو ہے۔ بھلا اس سے کون شادی کرے گا؟''

''کیوں...... کسی بدھو کی شادی نہیں ہوتی کیا؟''

'ہوتی تو ہو گی مالکن...... خیر! یہ بڑی مشکل ہو جائے گی۔ آپ کیوں کہہ رہی ہے یہ

بات؟''

''بس! میں چاہتی ہوں ہری ناتھ! کہ اس کی شادی کر دو تم۔''

''اگر آپ چاہتی ہیں مالکن تو ضرور کر دیں گے۔ آپ مالک ہو جی۔ آپ ہی بتاؤ، کوئی لڑکی ہو تو۔ بلکہ بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ اس کی شادی کر دو۔''

''تم اس سے بات کرو ہری ناتھ۔ جو میں کہہ رہی ہوں، اس سے کہو۔ اس سے کہو کہ ایک لڑکی اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ ہری ناتھ! تمہیں اس لڑکی کی مدد کرنا ہو گی۔''

''مالکن! ہم نے کہا نا۔ آپ کا حکم ہو تو بھلا ہری ناتھ کی کیا مجال کہ وہ اِدھر سے اُدھر سوچ جائے۔ آپ حکم کرو مالکن! جدھر آپ کہو گی، ادھر ہی دوڑے چلے جائیں گے۔''

''سنو ہری ناتھ! میں اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ غور کر لینا۔ سوچ لینا۔ اس سے بات کر لینا۔ میں چلتی ہوں۔ اس سے زیادہ تمہارے سامنے نہیں رُک سکوں گی۔ دنیا میں اگر میرا کوئی اور ہوتا تو میں خود تم سے یہ الفاظ نہ کہتی۔ لیکن کبھی کبھی مجبوریاں انسان سے بہت کچھ چھین لیتی ہیں۔ شرم و حیا...... سنسار میں کوئی نہیں ہے میرا۔ میں تمہیں اپنا بزرگ بنا رہی ہوں۔ بس! میرے دل میں یہ خیال ہے کہ اس کی تکمیل تمہیں کرنی چاہئے۔'' یہ کہہ کر رتنا آگے بڑھ گئی اور ہری ناتھ کا منہ اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

☆

دھرما سنگھ، رتنا کے حصول سے مایوس ہو گیا تھا۔ کئی دن تک بھٹکتے رہنے کے بعد اس نے سوچا کہ زندگی کے قیمتی دن ایک ایسے کام میں گزار رہا ہے، جس کا کوئی خاص مقصد نہیں۔ وہ صرف ایک عورت ہے اور سنسار میں تو عورتیں ہی عورتیں بکھری ہوئی ہیں۔ دھرما سنگھ کو افسوس ہونے لگا تھا کہ اس نے اپنی زندگی کا ایک قیمتی حصہ اس طرح کسی ایک مقصد کے حصول کے لئے کیوں گزار دیا۔ زندگی میں تو بڑی وسعتیں ہیں۔ کیوں نہ زندگی کو دوسری نگاہ سے دیکھا جائے۔ رتنا کی تلاش پر لعنت بھیجنے کے بعد اُسے وہ دونوں چڑیلیں یاد آئیں جنہیں وہ قید کر آیا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ وہ ان کی زندگیاں ختم کر کے ان کا گیان اپنے قبضے میں لے لے۔ دونوں کی صورتیں کافی خطرناک تھیں اور دھرما سنگھ اچھی طرح جانتا تھا کہ ان دونوں کی زندگی اس کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ یہ سب چیزیں اپنی جگہ الگ نوعیت کی حامل تھیں۔

اس نے اپنے اس ٹھکانے کا رُخ کیا۔ تھوڑا عرصہ سفر کرنے کے بعد آخر کار وہ اس جگہ پہنچ گیا، جہاں اس نے ان دونوں چڑیلوں کو ایک حصار میں قید کیا تھا۔ لیکن دور ہی سے دھرما سنگھ کو صورت حال کا اندازہ ہو گیا تھا۔ دونوں اپنی جگہ سے غائب تھیں۔ دھرما سنگھ کے پورے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا تھا۔ وہ متضاد کیفیتوں کا شکار ہو گیا تھا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ ضرورت سے زیادہ بھروسہ بھی کبھی کبھی ایسے شدید نقصان پہنچاتا ہے کہ انسان کے پاس اپنے کئے کو ختم کرنا ممکن نہیں ہوتا اور وہ خود اپنے جال میں پھنس جاتا ہے۔ دھرما سنگھ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ سر پکڑ کر رہ گیا تھا۔ ان دونوں کے نکل جانے سے اس کے گیان اور اس کی زندگی کو بھی خطرہ درپیش ہو گیا تھا۔ آخر وہ نکلیں کیسے؟

یہ تمام کیفیتیں دھرما سنگھ پر بیتتی رہیں۔ وہ اس حصار کے پاس پہنچ گیا۔ مٹی ہوئی لائنوں کے نقوش اس نے صاف دیکھ لئے تھے۔ باہر سے کسی کے اس عمل کے سوا اور کوئی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ ضرور ایسی ہی کوئی بات ہوئی ہے۔ مگر باہر سے کون آ گیا؟ یہ دیکھنے اور سوچنے کی بات تھی۔ دھرما سنگھ اس مسئلے کو آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یہ سوچ کر خاموش نہیں ہو سکتا تھا کہ نکل گئیں تو بھاڑ میں جائیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بعد کی صورتحال بالکل مختلف ہو گی اور انتہائی خطرناک حالات پیش آ سکتے ہیں۔

دھرما سنگھ نے گہرے انداز میں سوچا اور آخر کار فیصلہ کیا کہ ان دونوں کا پتہ لگانا ضروری ہے۔ اس کے لئے ایک مخصوص طریقہ کار اختیار کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے جسم کو سانپ کے بدن میں تبدیل کیا اور اس کے بعد اپنے بنائے ہوئے حصار کے آس پاس کی زمین سونگھنے لگا۔ شردھا اور رندھیرا کے بدن کی خوشبوؤں کے ساتھ اُسے ایک اور جسم کی خوشبو کا صاف احساس ہو گیا تھا۔ یہی وہ تھا جس نے ان دونوں کو دھرما سنگھ کی قید سے آزادی دلائی تھی۔ ہاں..... سو فیصد یہی وہ شیطانی وجود تھا..... دھرما سنگھ نے سانپ کی حیثیت سے زمین سونگھ کر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ اسے قدموں کے نشانات بھی نظر آئے اور اس کے بعد وہ بل کھا کر زمین پر رینگتا ہوا ایک طویل سفر پر چل پڑا۔

یہ کام وہ کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اپنی مخصوص پراسرار قوتوں سے کام لیتا ہوا، ان کی خوشبو سونگھتا ہوا آخر کار وہ اس جگہ تک جا پہنچا جہاں دور سے وہ تینوں جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ایک مرد، دو عورتیں۔ اگر دھرما سنگھ ایک چالاک جادوگر نہ ہوتا تو ان

تینوں کو دیکھ کر اس کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ یہ شردھا اور رندھیرا ہوں گی۔ دونوں نوجوان لڑکیوں کا روپ دھارے ہوئے تھیں۔

دھرما سنگھ کے ہونٹوں پر ایک نفرت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے سوچا نجانے ان دونوں نے کس طرح اس شخص پر اپنا جال ڈالا ہے۔ پہلے اس کے بارے میں ذرا تفصیلی معلومات حاصل کر لی جائیں۔ چنانچہ وہ احتیاط کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ اس نے اپنی رفتار سست کر دی تھی۔ وہ اس بات کا منتظر تھا کہ یہ دونوں عورتیں اپنے ساتھی مرد کے ساتھ رات کا قیام کریں تو وہ ان کے قریب جا کر ان کی گفتگو سنے۔ بہر حال دونوں نے خوب ناٹک رچایا تھا۔

پھر شام جھک آئی۔ وہ لوگ جس علاقے میں سفر کر رہے تھے، وہ جنگل کا علاقہ تھا۔ تھوہر کی جھاڑیاں چاروں طرف بکھری پڑی تھیں۔ اونچے نیچے چٹانی کوہان..... ایک ایسی ہی جگہ انہوں نے اپنے قیام کے لئے منتخب کی تھی۔ اور ایسی ہی جگہ دھرما سنگھ کے لئے کارآمد ہو سکتی تھی۔ دونوں آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ تیسرا آدمی، دھرما سنگھ کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ اس نے سوچا..... پتہ نہیں یہ بیوقوف کس طرح ان کے جال میں آ پھنسا ہے.....

پھر راجن سنگھ نے کھانے پینے کی چیزیں نکالیں اور ان دونوں کو بھی پیش کیں۔ شردھا نے کہا۔ ”تم اپنا پیٹ بھرو۔ ہمارے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“

”نہیں..... بہر حال تم عورتیں ہو۔“

شردھا مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ رندھیرا نے کہا۔ ”ویسے راجن سنگھ! اگر گومتا ہمیں مل جائے تو تم یہ سمجھ لو کہ تمہارے بھی وارے نیارے ہو جائیں گے۔“

”مجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہئے کہ اس خوفناک بلا سے انسانوں کو نجات حاصل ہو جائے۔“

”تم بہت شریف آدمی ہو راجن سنگھ! اس سنسار میں تم جیسے شریف ناکام زندگی گزارتے ہیں۔ سنسار ایسی جگہ ہے جہاں پہلے اپنے بارے میں سوچو، پھر کسی اور چیز کے بارے میں۔ لیکن تم نجانے کیسے ہو۔ چلو! تم جانو اور تمہارا کام.....“ اس کے بعد جو گفتگو ان کے درمیان ہوئی تھی، وہ بڑی ہی سنسنی خیز تھی۔ گومتا کا نام سن کر ہی دھرما سنگھ کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

شردھا کہہ رہی تھی۔ ''تمہاری مالی حالت کیسی ہے راجن سنگھ؟''

''بس دیوی جی! بھگوان کا دیا بہت کچھ ہے۔''

''بھگوان کا دیا؟'' شردھا مسکرا کر بولی۔

''تو اور کیا؟''

''خود تم نے کیا کمایا؟''

''میں سمجھا نہیں دیوی۔''

''بھگوان نے تو تمہیں جو کچھ دیا ہے، وہ الگ بات ہے۔ تمیں خود بھی اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے ہیں یا نہیں.....''

''آپ کا مطلب کیا ہے دیوی جی؟''

''اپنے لئے خود بھی محنت کر کے کچھ کماؤ۔''

''دینے والا تو بھگوان ہی ہوتا ہے۔''

''نہیں.....ایسی بات نہیں ہے۔''

''پھر؟''

''گومتا بھی بہت کچھ دیتا ہے۔''

''رام.....رام.....رام.... یہ تو غلط وچار ہیں۔''

''کیوں؟''

''صرف بھگوان دیتا ہے اور کوئی نہیں دے سکتا۔''

''ہوں..... گومتا کو قابو میں آنے دے۔ پھر دیکھنا'' شردھا بولی۔ دھرما سنگھ کو اب یاد آ گیا کہ گومتا کیا ہے۔ اس کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔

☆

رات کو رندھیرا نے آنکھیں کھول کر دیکھا، شردھا گہری نیند سو رہی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر راجن سنگھ بھی سو رہا تھا۔ بیوقوف انسان یہ نہیں جانتا تھا کہ جن لوگوں کی زندگی بچانے کے لئے وہ اپنی زندگی خطرے میں ڈالے ہوئے ہے، وہ کبھی اس کے اس احسان کا بدلہ نہیں دیں گے۔ رندھیرا اس سنسار کو اس سے زیادہ جانتی تھی۔ رہی شردھا، تو اب رندھیرا اس سے بھی اچھی طرح واقف ہو گئی تھی۔ شردھا ویسے تو ایک چڑیل تھی، لیکن نہایت برے

کردار کی مالک تھی۔ اس کا اندازہ بھی رندھیرا بخوبی لگا چکی تھی۔ شردھا کسی بھی وقت، کسی کو بھی دھکا دے سکتی تھی۔ کیا گومتا کے سلسلے میں وہ چوٹ نہیں کرے گی، اگر گومتا حاصل ہو جائے تو.....؟

رندھیرا پر کچھ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ بڑی پریشانی کے عالم میں سوچ رہی تھی کہ اس صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے۔ شردھا سے کیسے نجات حاصل کی جائے۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور وہاں سے آگے چل پڑی۔ تا حد نظر ویرانے بکھرے ہوئے تھے۔ گہری خاموشی اور سناٹا طاری تھا۔ وہ ان دونوں سے کافی دور نکل آئی۔ پھر وہ ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ اس کے ذہن میں بہت سے خیالات آ رہے تھے۔ نجانے کیوں ماضی کے کچھ نقش اس کی آنکھوں میں اُبھر آئے۔ ایک معصوم سات سالہ لڑکی..... جس نے دنیا میں کچھ نہیں دیکھا تھا۔ ماں مرگئی۔ باپ تھوڑے ہی عرصے کے بعد دوسری عورت لے آیا۔ چاچی جانکی بڑی ظالم تھی۔ بری طرح مارتی تھی۔ خوب کام کراتی تھی۔ پھر باپ بھی مرگیا..... ''کمبخت منحوس! اب تجھے کہاں سے کھلاؤں؟ جا..... کہیں اور چلی جا'' چاچی جانکی نے کہا۔

''میں کہاں جاؤں چاچی؟''

''بھاڑ میں.....''

''وہاں میں کیسے جاسکتی ہوں؟''

''زبان چلاتی ہے..... نرکھ میں جا.....'' جانکی نے اسے خوب پیٹا اور وہ نرکھ کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔

''نرکھ کہاں ہے ماما جی..... نرکھ کہاں ہے چاچا.....'' اس نے بہت سے لوگوں سے پوچھا۔ مگر سب مسکرا دیئے۔ کسی نے اسے نرکھ کا راستہ نہیں بتایا تھا۔

وہ بستی سے باہر نکل آئی۔ پیدل..... ویران راستے..... اسے نرکھ کی تلاش تھی۔ جنگل، ویرانے عبور کرتی ہوئی وہ سردی سے ٹھٹھرتی ایک شہر میں داخل ہوگئی۔ سارا راستہ بارش اور دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ بہتے ہوئے پانی کا شور گونج رہا تھا۔ گلیاں اور بازار سنسان تھے..... سردی خوب ہو رہی تھی اور رندھیرا کا ننھا سا کومل بدن پھٹے پرانے کپڑوں میں سردی سے لرز لرز کر سن ہو چکا تھا۔ بھوک کے مارے اس کی جان نکل رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ اب

کیا کرے..... بارش تو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ایک سائے کی جگہ بیٹھ کر وہ بارش رُکنے کا انتظار کرتی رہی۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ شام کے وقت بارش رُکی تو وہ اس جگہ سے باہر آ گئی۔۔ آسمان اب بھی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ باہر نکلی تو سرد ہوا کے جھونکوں نے اس کا استقبال کیا۔ فاقے اور سردی نے بدن بالکل بے جان کر رکھا تھا۔ ہوا کے جھونکوں نے پورا بدن لرزا دیا..... پاؤں بے جان ہو گئے تو وہ وہیں بیٹھ گئی۔ سر بری طرح چکرا رہا تھا..... ویران اور اندھیری سڑک پر وہ نہ جانے کب تک بیٹھی رہی..... پھر بارش کے قطرے دوبارہ سر پر پڑے تو گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور سوچا۔ آہ..... بارش پھر شروع ہو گئی۔ اب کیا کروں..... پتہ نہیں نرکھ کہاں ہے..... چاچی جانکی نے جھوٹ کہا تھا.....

ایک بار پھر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو بائیں سمت دُھند میں لپٹا ہوا ایک مکان نظر آیا۔ تاریک مکان..... جس میں کوئی روشنی نہیں تھی..... بارش دوبارہ شروع ہو گئی ہے۔ سردی جان لے لے گی، جلدی سے اسی گھر کے سائے میں چلی جاؤں..... بارش کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔ بدن کی آخری قوت سمیٹ کر وہ مکان کی طرف دوڑی اور ایک لمبی دوڑ لگا کر اس کے برآمدے میں پہنچ گئی۔ برآمدے کے سائبان نے براہ راست پڑنے والی بارش سے تو بچا لیا لیکن ظالم ہواؤں سے چھٹکارہ مشکل تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح دیوار اور چھت کا سہارا مل جائے۔ معصوم سی سات سالہ بچی نے حسرت بھری نظروں سے اس بند دروازے کو دیکھا جو قدرے بند تھا۔ اس کے معصوم ہاتھوں نے دروازے پر زور زور سے دستک دی..... لیکن یہ دستک کسی صاحب دل کے کانوں تک نہ پہنچ سکی اور دروازہ نہ کھلا.....

آہ..... یہ دروازہ کیسے کھلے گا..... اس نے سوچا۔ ہوا بدن میں سوراخ کر رہی تھی۔ اب دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو ہر قیمت پر دروازہ کھول لے، ورنہ سرد ہواؤں، بھوک اور فاقہ کشی سے جان دیدے۔ اس نے کئی بار دروازے کو دیکھا۔ اور پھر اس کی نظریں شیشوں پر جم گئیں۔ کچھ دیر تک وہ شیشوں کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے نگاہ گھمائی اور سامنے ہی ایک پتھر پڑا دیکھ کر خوش ہو گئی۔ یہ سنگین بدصورت پتھر اس کی مدد کے لئے موجود تھا..... حالانکہ پتھر سے شیشہ توڑنے کا نتیجہ غلط بھی ہو سکتا تھا لیکن اس وقت شدید سردی اور بھوک نے برا حال کر رکھا تھا..... سوچنے سمجھنے کی قوتیں ختم ہو گئی تھیں۔ اس نے پتھر اٹھایا اور شیشے پر دے مارا..... ایک چھناکے سے پرانا شیشہ ٹوٹ کر اندر گرا اور فرش پر اس کے ٹکڑے گرنے کی

آواز پیدا ہوئی۔ رندھیرا نے جلدی سے ہاتھ اندر ڈال کر چٹخنی ٹٹولی..... یہاں قسمت اس کا ساتھ دے گئی۔ اس کی انگلیاں چٹخنی تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ پھر ایک ہلکے سے جھٹکے سے اس نے چٹخنی نیچے گرائی اور دروازہ کھول دیا..... جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی، اسے یوں محسوس ہوا جیسے زندگی کو سہارا مل گیا ہو۔ بدن کو ایک عجیب سا احساس ملا تھا۔ آنکھوں کے سامنے دیر تک پتنگے ناچتے رہے..... اندر کا فرش بھی ٹھنڈا اور گیلا تھا۔ وہ باہر کی سردی سے بچ کر فرش پر بیٹھی تو آہستہ آہستہ اس کے گرد تاریکی چھانے لگی..... آہستہ آہستہ اس کا بدن شل ہو رہا تھا اور کانوں میں شائیں شائیں کی آوازیں گونج رہی تھیں..... حد سے زیادہ بھوک اور خالی پیٹ ہونے کے باعث اس پر یہ کیفیت طاری ہو گئی تھی.....

باہر پرنالوں سے پانی گرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ اس کے بعد جب ذرا سے حواس درست ہوئے تو سب سے پہلے اس نے دروازہ بند کیا اور اس کے بعد ہاتھ پیر قابو سے باہر ہونے لگے۔ دیر تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ پھر گہری نگاہوں سے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ چونکہ یہاں کافی دیر ہو گئی تھی اس لئے آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں اور اسے کمرے میں مختلف چیزیں نظر آ رہی تھیں..... سب سے اہم چیز وہ موم بتی تھی، جو ایک میز پر ایک پلیٹ میں رکھی نظر آ رہی تھی۔ اس کے قریب ہی ماچس بھی رکھی ہوئی تھی..... رندھیرا کے دل میں پہلا خیال یہ آیا کہ موم بتی کو روشن کرے۔ موم بتی بہت بڑی تھی۔ اس نے اپنے بدن کو گھسیٹ گھسیٹ کر اس میز تک پہنچایا، جس پر موم بتی رکھی ہوئی تھی اور پھر ماچس اٹھا کر موم بتی روشن کر دی۔ پیلی، بدنما روشنی اس وسیع و عریض کمرے کو روشن کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ رندھیرا محسوس کر رہی تھی کہ اب کمرہ بھی گرم ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے جسم میں ایک تازہ لہر دوڑ گئی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت سے وہ گنگ رہ گئی کہ کمرہ بلا وجہ ہی گرم نہیں ہو رہا تھا..... بلکہ تھوڑے فاصلے پر رکھی ہوئی ایک سرخ سی چیز کمرے کو گرم کر رہی تھی۔ یہ پرانے طرز کی بنی ہوئی لوہے کی انگیٹھی تھی جس میں شعلے خود بخود دہک رہے تھے.....

رندھیرا کا معصوم ذہن فوراً یہ فیصلہ نہ کر پایا کہ یہ شعلے کیسے بھڑک اٹھے۔ البتہ اسے یہ گرمی بڑی خوشگوار محسوس ہوئی اور اب وہ اپنے قدم سے اٹھ کر اس انگیٹھی کے پاس پہنچ گئی اور کوئلوں کی گرمی نے اس کے بدن کو کھوئی ہوئی زندگی دوبارہ بخشنی شروع کر دی.....

رندھیرا بہت خوش تھی۔ کمرے کی فضا میں کبھی کبھی ہوا کا تیز جھونکا آتا تو موم بتی کا شعلہ اِدھر اُدھر حرکت کرنے لگتا تھا۔

رندھیرا دیر تک وہاں آگ کے پاس بیٹھی اپنی زندگی کی قوتیں بحال کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ کافی دیر کے بعد اس کا بدن بہتر ہو گیا تو اس نے سوچا کہ اب اس مکان میں رہنے والے کو تلاش کرنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے، کھانے پینے کی کوئی چیز بھی ہاتھ آ جائے..... یہ سوچنے کے بعد وہ شمع کی جانب بڑھی اور آگے بڑھتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔ پھر اس نے شمع ہاتھ میں اٹھائی اور کمرے کے چاروں طرف کا جائزہ لینے لگی۔ سامنے ہی ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے گھر کے رہنے والے دروازے کی دوسری جانب ہوں.....
وہ شمع ہاتھ میں لئے دروازے کی جانب بڑھی۔ وہ دل میں طے کر چکی تھی کہ اگر کسی نے اسے اس طرح اندر آنے کے جرم کی سزا دینے کی کوشش کی تو وہ اس کے قدموں سے لپٹ جائے گی اور کہے گی کہ وہ زندگی سے محروم ہونے لگی تھی، زندگی بچانے کے لئے وہ بمشکل یہاں داخل ہوئی ہے..... اسے معاف کر دیا جائے......

کمرے میں گہرا سکوت طاری تھا..... دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رُکی اور پھر اس نے دروازے کی کنڈی کو ہاتھ لگایا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اندر سے دروازہ بند کیا ہو۔ دروازہ کھولتے ہی عجیب سی آواز فضا میں گونجی..... یوں لگ رہا تھا جیسے بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے آپس میں باتیں کر رہے ہوں..... جیسے کسی سکول کے کلاس روم میں بچے اپنا سبق پڑھ رہے ہوں۔ کیا یہاں بہت سے بچے موجود ہیں..... کیا یہ کوئی سکول ہے.....؟ اس نے سوچا اور دروازے سے اندر جھانکا۔ شمع کی مدھم اور لرزتی ہوئی روشنی میں اسے یہ کمرہ بھی خالی نظر آیا۔ البتہ بچوں کی آواز مسلسل گونج رہی تھی..... وہ پورے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

اچانک ہی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا..... وہ آواز رُک گئی تھی..... ایک دم رُک گئی تھی۔ رندھیرا کے حلق سے مدھم سی آواز نکلی۔ ''یہاں کوئی ہے..... کوئی ہے یہاں.....؟''
کوئی جواب نہ ملا اور رندھیرا اس جگہ سے بھی آگے بڑھ گئی۔ اب وہ اس دروازے کے پاس تھی جس میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا۔ اس نے پردہ ذرا سا ہٹا کر دوسری طرف جھانکا تو اس کے پورے بدن میں لرزشیں پیدا ہو گئیں۔ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، جس کے درمیان رکھی ہوئی

لکڑی کی سیاہ میز پر تازہ کھانوں سے چنی ہوئی کئی پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں..... رندھیرا کو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ اس وقت یہ سوچنا تو بالکل بے مقصد تھا کہ یہ چیزیں کس کی تھیں اور کون انہیں یہاں سجا کر گیا ہے..... بس وہ ان لذیذ اور خوشبودار کھانوں سے سجی ہوئی میز کو دیکھ کر یہ اندازہ لگا رہی تھی کہ انہیں زیادہ عرصہ پہلے یہاں نہیں رکھا گیا ہے۔ پھر باقی جو کچھ بھی ہوا تھا، اس میں رندھیرا کی اپنی کوششوں کا دخل نہیں تھا۔ کھانا دیکھ کر وہ اس طرح بے اختیار ہو گئی کہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس کے بعد کھانے میں مصروف ہو گئی۔ پیٹ بھرا تو جیسے مردہ بدن میں جان پڑ گئی..... دل و دماغ کی ساری توانائیاں لوٹ آئیں اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے زندگی اتنی بری چیز نہیں ہے، جتنی لگ رہی تھی.....
وہ ایک دم سنبھل گئی۔ اچانک ہی اسے پھر وہی بچوں کی آوازیں سنائی دیں..... وہ چونک پڑی۔ اب خوف سے زیادہ تجسس اس کے ذہن میں تھا اور وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ یہ سب کچھ کیا ہے..... چنانچہ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور آگے بڑھ کر اس جگہ پہنچ گئی جہاں ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے دروازے میں سے دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کی، مگر دوسری طرف گھپ اندھیرا تھا۔ اس وقت اس کے دل سے خوف و دہشت تو نکل چکی تھی۔ چنانچہ اس نے دروازے کی ہتھی کو چپکے سے گھمایا اور دروازہ کھل گیا..... دروازہ کھلتے ہی وہ آواز ایک دم رُک گئی۔
اندر روشنی ہو رہی تھی۔ اور یہ روشنی بھی ایک شمع دان سے اُبھر رہی تھی۔ ایک بڑے سے فانوس میں بہت سی شمعیں روشن تھیں اور ان روشن شمعوں میں اسے پرانے طرز کی ایک مسہری نظر آ رہی تھی جس کے چاروں طرف باریک ریشمی پردے لٹکے ہوئے تھے اور اس پر کوئی بیٹھا ہوا تھا..... ایک دلہن رنگین لباس پہنے ہوئے انتہائی خوبصورت لباس میں ملبوس لمبا سا گھونگھٹ نکالے خود مسہری پر بیٹھی ہوئی تھی۔ چھوٹی سی رندھیرا کے دل میں ایک دم سے یہ خواہش پیدا ہوئی..... دلہن تو ویسے ہی سب کے لئے قابل توجہ ہوتی ہے۔ یہ کون ہے؟ کھانا اس کے لئے لگایا گیا تھا شاید..... ایک لمحے تک رندھیرا کھڑی سوچتی رہی۔ اچانک ہی اسے ایک بہت خوبصورت آواز سنائی دی۔ ''آؤ..... اندر آ جاؤ! وہاں کیوں کھڑی ہوئی ہو؟''
رندھیرا نے جلدی سے چاروں طرف دیکھا۔ کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ ظاہر ہے مسہری پر بیٹھی ہوئی دلہن نے اسے ہی مخاطب کیا تھا۔ رندھیرا کانپتے ہوئے

قدموں سے آگے بڑھی اور مسہری کے قریب پہنچ گئی۔

''بڑی پیاری بچی ہو.....آؤ بیٹھ جاؤ۔'' دلہن نے کہا۔

''آپ کون ہیں؟''

''سندرا.....'' جواب ملا۔

''کیا آپ کی ابھی شادی ہوئی ہے؟''

جواب میں رندھیرا کو ہلکی سی ہنسی سنائی دی۔ ''تم اندر تو آ جاؤ.....ڈرو نہیں۔''

رندھیرا مسہری پر بیٹھ گئی۔ پھر دلہن کا بدن ہلا.....اس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور رندھیرا کی کلائی پکڑ لی۔ لیکن یہ دیکھ کر رندھیرا کی جان نکل گئی تھی کہ دلہن کا ہاتھ ایک سوکھے ہوئے ڈھانچے کا ہاتھ تھا اور رندھیرا کے ہاتھ پر اُس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ رندھیرا کے حلق سے ایک دہشت انگیز چیخ نکلی اور اس نے ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہا تو دلہن کا اوپر کا گھونگھٹ ہٹ گیا اور ایک خوفناک ڈھانچے کی شکل نمودار ہوگئی۔ اس نے مترنم آواز میں کہا۔ ''ڈرو مت رندھیرا! تمہارا پیٹ بھر گیا؟ تمہاری سردی دور ہوگئی؟ یہ سمجھو یہ گھر ایک سنسار ہے اور اس سنسار میں رندھیرا! تمہاری سوتیلی ماں جیسی عورتیں بھری پڑی ہیں۔ ان کے خلاف جنگ کرنے کے لئے شکتی حاصل کرو۔ سمجھ رہی ہو نا؟''

رندھیرا دہشت سے کانپنے لگی۔ اس خوفناک وجود کو دیکھ کر اس پر غشی سے طاری ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس پر نیم بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ سوکھے ہوئے ڈھانچے نے اسے مسہری پر گھسیٹ لیا اور پھر رندھیرا کی آنکھیں بند ہوگئیں اور وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔

ڈھانچہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے چھت کی جانب ہاتھ بلند کئے اور دفعتاً ہی وہ فضا میں تحلیل ہو گیا.....

تھوڑی دیر کے بعد رندھیرا اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے وجود میں کوئی اور سما گیا ہو۔ سوچنے والا.....سمجھنے والا.....اور آج تک وہ وجود اس کے ذہن پر سوار تھا۔ وہ اس کے زیر اثر تھی۔ اور اب تک ایک زندگی گزر گئی تھی۔ وہ اپنے انداز میں تو اب سوچتی بھی نہیں تھی۔ اس کے اندر وہی وجود سوچتا تھا.....بس کبھی کبھی دماغ کی کھڑکی کھل جاتی تو ماضی کی ہوائیں ایسی ہی یادوں کی شکل میں آ جاتی تھیں.....

اس وقت بھی رندھیرا بیٹھی اس بارے میں سوچ رہی تھی اور وقت آہستہ آہستہ گزر رہا

تھا۔ تاحد نظر ویرانی اور سناٹے کا راج تھا.....رندھیرا، شردھا کے بارے میں سوچتی رہی۔

پھر اچانک ہی اسے عجیب سی پھنکار سنائی دی اور وہ دہشت سے اُچھل پڑی۔ یہ سانپ کی پھنکار تھی۔ رندھیرا نے خوفزدہ نگاہوں سے پلٹ کر دیکھا تو سانپ اس کے بالکل قریب موجود تھا۔ رندھیرا اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی اور اسی وقت دھرما سنگھ نے اپنا روپ بدلا اور رندھیرا نے اس کی صورت دیکھ لی۔

دھرما سنگھ کو دیکھ کر وہ بری طرح بھاگی۔ اس نے شردھا کو آواز دینے کی کوشش کی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو شاید دھرما سنگھ اس سے بات کرتا اور اس کی جان بچ جاتی۔ لیکن دھرما سنگھ نہیں چاہتا تھا کہ شردھا کو وقت سے پہلے دھرما سنگھ کی موجودگی کا علم ہو سکے۔ چنانچہ بحالت مجبوری اس نے ایک لمحے کے اندر اندر پھر اپنا روپ بدلا اور برق رفتاری سے آگے پلٹ کر اس نے رندھیرا کی پنڈلی پر کاٹ لیا۔ رندھیرا اوندھے منہ نیچے گری تھی اور اس کے بعد دھرما سنگھ نے کئی جگہ رندھیرا کو کاٹا۔ اب یہ مجبوری تھی کہ وہ رندھیرا کو ختم کر ہی دے۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد رندھیرا کا بدن نیلا پڑ کر گلنے لگا تھا.....

☆.....☆.....☆

سمپورنی نے محبت بھری نگاہوں سے روپ کو دیکھا، لیکن روپ کمار کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پا کر وہ چونک پڑی اور اس کے قریب پہنچی اور کہا۔ ''درشنا!''

روپ کمار نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''ہاں سمپورنی! کیا بات ہے؟''

''یہ تو تم بتاؤ گے۔''

''میں؟''

''تو اور کیا؟''

''میں کیا بتاؤں؟''

''کچھ اُداس لگ رہے ہو۔'' سمپورنی بولی۔ روپ خاموش ہو گیا تھا۔ سمپورنی کسی قدر بے قرار ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ۔''

''اصل میں صرف ایک بات ہے سمپورنی۔ وہ یہ کہ میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر تم یہ بات نہ پوچھتی تو میں کبھی بھی تمہیں نہیں بتاتا کہ میرے دل میں کیا ہے۔ پوچھ بیٹھی ہو تو سوچ رہا ہوں کہ تم سے کیا جھوٹ بولوں۔''

''کوئی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے تمہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش آئی؟'' سمپورنی بولی۔

''ہاں.....''

''کیا بات ہے؟''

''مثلاً کوئی ایسی بات سمپورنی! جو تم مجھے نہ بتانا چاہو اور مجھے اس کے بارے میں معلوم ہو گیا ہو۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تم مجھے یہ بتا دو۔ بلکہ میرا دل دکھتا ہو کہ تم نے مجھے یہ بات کیوں نہیں بتائی اور میں تم سے پوچھنا بھی نہ چاہوں تو مجھے بتاؤ، میں کیا کروں؟''

سمپورنی الجھی ہوئی نگاہوں سے روپ کمار کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ ''مجھے بتاؤ! کیا بات ہے؟''

''سمپورنی! میں نے تمہیں عجیب و غریب روپ میں دیکھا ہے۔ تم گھر سے نکلیں، باہر گئیں۔ پھر چڑیا بن کر درخت کی شاخ پر بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد کہیں چلی گئیں۔ میں نے تمہاری واپسی بھی دیکھی ہے سمپورنی! اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اگر تمہارے پاس ایسی کوئی شکتی ہے تو تم نے مجھ سے کیوں چھپایا؟ بس یہ باتیں میرے دل کو بے چین کرتی ہیں۔''

سمپورنی عجیب سے نگاہوں سے روپ کمار کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ''پہلے مجھے ایک بات بتا دو روپی!''

''ہاں پوچھو۔''

''کیا تم میرے اوپر کسی قسم کا شک کرتے ہو؟''

''نہیں۔''

''مجھے اپنے آپ سے الگ سمجھتے ہو؟''

''نہیں۔''

''سچ کہہ رہے ہو؟''

''ہاں....''

''پھر سنو! میں کسی بھی برے کردار کی مالک نہیں ہوں۔ بس ایک چھوٹا سا حادثہ پیش آ گیا تھا میرے ساتھ۔ میرے ماتا پتا نے مجھے مندر کو دان کر دیا تھا اور بعد میں مجھے عجیب و غریب حالات کا سامنا کرنا پڑا اور مجھے تھوڑی سی شکتی حاصل ہو گئی۔ میں نے اس شکتی سے بہت سے کام لئے ہیں۔ لیکن روپ کمار! تم میری زندگی کے پہلے سکھ ہو۔ میری ایک دوست تھی، رتنا ہے اس کا نام۔ وہ مجھ سے بچھڑ گئی ہے۔ لیکن اسی شہر میں ہے کیونکہ ایک دن اسے میں نے ایک کار میں دیکھا تھا۔ میں اپنی شکتی سے کام لے کر اسے تلاش کرنے ہی نکلتی ہوں۔ بس.....اتنی سی بات ہے۔''

''بات اتنی سی نہیں ہے سمپورنی! میں اس شکتی کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''تو سنو روپ کمار! وہ شکتی بہت سی ہے۔ تمہیں اگر کوئی کام ہو تو مجھے بتا دینا۔''

''تو کیا اب جتنی بھی دھن دولت ہم نے حاصل کی ہے....''

''یہ تمہارے لئے.....میرے اپنے پریمی کے لئے تھی۔''

''گویا تم نے یہ سب کچھ کیا ہے۔''

''ہاں! مگر تم پر جیون بھر اس کا احسان نہیں جتانا چاہتی تھی۔''

''اس کے علاوہ تو اور کوئی بات نہیں ہے؟''

''کیا مطلب؟''

''تم رتنا کو تلاش کرتی ہو نا؟''

''ہاں! میرا سنسار میں اور کوئی بھی نہیں ہے اس کے اور تمہارے علاوہ روپ کمار۔''

''ٹھیک ہے۔ میرا دل صاف ہوگیا ہے۔ لیکن ذرا مجھے بھی تو رتنا کے بارے میں بتاؤ۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔ ابھی تک ملی تو نہیں ہے تم کو؟''

''نہیں! مگر اب میرے دل کو یہ اطمینان دلا دو کہ تمہارے دل میں میرے لئے کوئی کھوٹ نہیں ہے۔''

''ہاں! میرے من میں تمہارے لئے کوئی کھوٹ نہیں ہے۔'' روپ کمار نے کہا اور سمپورنی کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

☆

ہری ناتھ کی تو لاٹری نکل آئی تھی۔ کرپا رام کی شادی رتنا سے ہوگئی۔ بس.... پنڈت بلایا گیا، پھیرے لئے اور رتنا کو اس کا جیون ساتھی مل گیا۔ بڑی خوش تھی رتنا، اور کرپا رام..... وہ تو حجلہ عروسی میں ساری رات قلابازیاں کھاتا رہا تھا، ہنستا رہا تھا اور کہتا رہا تھا۔ ''ارے واہ ماما جی! بس کیا دعا مانگیں تمہارے لئے بھگوان سے۔ ارے تم نے اتنا اچھا گھر بار بھی دیا اور اتنی اچھی دھرم پتنی بھی دے دی۔ ہم تو نکمے تھے ماما جی! کام کے نہ کاج کے بھلا ہماری شادی ہوتی اور وہ بھی اتنی سندر دیوی سے......'' رتنا بھی ہنستی رہی تھی۔

بہرحال کرپا رام اور رتنا ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔ ایک دن رتنا نے اپنی کوٹھی کے پائیں باغ میں درخت کی ایک شاخ پر سفید چڑیا کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ رتنا نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ اس وقت وہ اکیلی ہی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد چڑیا درخت سے اتر کر اس کے شانے پر آ بیٹھی۔ رتنا کو وہ بہت پیاری لگی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''واہ، خوبصورت

چڑیا! تو، تو میری دوست بن گئی تجھے مجھ پر اعتبار کیسے آ گیا کہ میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔'' اس نے پیار سے ہاتھ آگے بڑھایا تو چڑیا اس کے ہاتھ میں بھی آ گئی۔

''ارے واہ! تو، تو بڑی ہی محبت کا ثبوت دے رہی ہے۔''

دفعتاً ہی چڑیا اپنی جگہ سے اڑی اور رتنا کے سامنے زمین پر آ کر بیٹھ گئی۔ رتنا حیرت اور دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ حیران رہ گئی..... کیونکہ چڑیا کا جسم بڑھنے لگا تھا اور اس کے چند ہی لمحوں کے بعد سمپورنی اس کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ رتنا نے سمپورنی کو دیکھا۔ بے اختیار آگے بڑھی اور سمپورنی سے لپٹ گئی۔ ''تو.....تو.....میرے بارے میں کچھ بھی سوچ سمپورنی..... پر میں تجھے یہ بات بات دوں، میں آج بھی تجھے من سے اتنا ہی چاہتی ہوں جتنا پہلے چاہتی تھی۔ ہائے رام.....تو آ گئی میرے پاس.....تیرا دل صاف ہوگیا کیا میری طرف سے؟''

سمپورنی سسک سسک کر رونے لگی۔ وہ خود بھی رتنا سے لپٹ گئی تھی۔

''تو نے ہی تو ظلم کیا تھا مجھ پر سمپورنی! بھلا تیرے پریمی کے ساتھ میں ایسا کچھ کر سکتی تھی؟ سنسار میں اکیلی ہی تو، تو میری دوست تھی۔ تیرے دل کو کیسے دکھ پہنچا سکتی تھی؟ میں آج بھی تیری قسم کھا کر کہتی ہوں کہ جو کچھ ہوا، وہ میں نے نہیں کیا.....میں نے بالکل نہیں کیا سمپورنی.....'' رتنا نے کہا۔

''مجھے اور شرمندہ نہ کر رتنا! مجھے زیادہ ذلیل مت کر۔ بھول میری ہی تھی۔'' سمپورنی بولی۔

''کیا سچ؟ اس کا مطلب ہے کہ تیرا من میری طرف سے صاف ہوگیا.....''

''میں تو شرمندہ ہوں۔ کب سے تجھے تلاش کر رہی تھی۔ پاگلوں کی طرح ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ بڑی مشکل سے میں تجھے تلاش کر پائی ہوں۔''

''آؤ! اندر آؤ.....'' رتنا نے سمپورنی سے کہا۔

کرپا رام اس وقت موجود نہیں تھا۔ رتنا، سمپورنی کو اندر لے گئی۔ سمپورنی نے رتنا کو بتایا کہ کس طرح شردھا اور رندھیرا نے مل کر یہ سازش کی تھی اور ان لوگوں کا دل خراب کر دیا تھا۔ دونوں ان چڑیلوں کو برا بھلا کہتی رہیں۔ ان کے بارے میں باتیں کرتی رہیں۔ پھر سمپورنی نے چونک کر کہا۔ ''رتنا! یہ گھر تیرا ہے؟''

''ہاں.....اور میں نے شادی بھی کر لی ہے۔''

''ارے کیا واقعی؟''

''ہاں.....''

''کون ہے وہ خوش نصیب؟''

''کرپارام.....''

''کیا.....؟''

''ہاں نام ہے کرپارام، مگر ہے پورے کا پورا کھوتا۔'' پھر رتنا، کرپارام کے بارے میں تفصیل بتاتی رہی۔

سمپورنی خوب ہنسی۔ پھر اس کے بعد اس نے کہا۔ ''مجھے بھی درشنا مل گیا ہے۔''

''کیا.....؟'' رتنا حیرت سے اُچھل پڑی۔

''ہاں! روپ کمار کے روپ میں دیکھے تو حیران رہ جائے گی۔ سو فیصد درشنا کی صورت ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے درشنا ہی کا دوسرا روپ ہو۔ میری بھی اس سے شادی ہو گئی ہے۔''

''ارے واہ! اور ہم سے چھپائے چھپائے پھر رہی تھی۔ یہ چڑیا بن کر اُڑتی پھر رہی ہے۔ کیا نام ہے تیرے پتی کا؟''

''روپ کمار۔''

''تو روپ کمار جی نے پوچھا نہیں، یہ سونے کی چڑیا، چڑیا کیسے بن گئی؟''

''پوچھا تھا۔ بتا دیا ہے میں نے اسے، ہم دونوں سکھ کا جیون گزار رہے ہیں۔''

''ایک بات بتا سمپورنی!''

''ہاں! پوچھ۔''

''کیا ہم دونوں کو سچا جیون مل گیا؟ کیا رندھیرا اور شردھا دوبارہ ہم تک نہیں پہنچیں گی؟''

سمپورنی نے تھوڑی دیر تک خاموشی اختیار کئے رکھی۔ پھر بولی۔ ''ہو سکتا ہے پہنچیں۔ بس ایک بات کا خیال رکھنا۔ اب ان کی سازش میں مت آ جانا۔ ویسے تو چنتا مت کر۔ اگر کبھی ذرا سا بھی شبہ محسوس کرے تو فوراً مجھے بتا دینا۔ اب تو ہم لوگ روزانہ ہی ملا کریں گے۔ بھلا

ہم دور کہاں رہ سکتے ہیں۔''

''ہاں! بالکل ٹھیک۔'' رتنا نے کہا۔ پھر دونوں، دنیا جہان کی باتیں کرتی رہیں۔ دونوں اس بات پر خوشی کا اظہار کر رہی تھیں کہ انہیں ایک اچھی زندگی ملی ہے۔ وہ اس خوف کا اظہار بھی کرتی رہی تھیں کہ کہیں یہ زندگی ان سے چھن نہ جائے۔

پھر کچھ دیر کے بعد سمپورنی نے واپس جانے کی اجازت مانگی اور بولی۔ ''اب مجھے چڑیا بن کر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس! یوں سمجھ لو کہ سارے شہر میں تمہیں تلاش کیا تھا اور اگر آج بھی تم مجھے اتفاقیہ طور پر نظر نہ آ جاتیں تو پتہ نہیں میری یہ تلاش کب تک جاری رہتی۔''

''میں تمہیں اپنی کار میں واپس پہنچا دیتی ہوں۔'' رتنا نے کہا اور سمپورنی مسکرا دی۔

☆

شردھا، رندھیرا کو تلاش کر رہی تھی۔ نجانے رندھیرا کہاں چلی گئی تھی۔ ادھر راجن بھی پریشان تھا۔ پھر دونوں رندھیرا کو تلاش کرتے ہوئے بہت دور نکل آئے اور دور سے راجن سنگھ نے اس سیاہ دھبے کو دیکھ کر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اُدھر دیکھو! اُدھر کیا ہے؟''

شردھا نے بھی اُدھر دیکھا اور کچھ دیر کے بعد دونوں رندھیرا کی لاش کے پاس پہنچ گئے۔

''آہ! اسے تو ناگ نے ڈس لیا ہے۔ سارا بدن پانی ہو گیا ہے، مگر ناگ......'' شردھا کو اس وقت دھرما سنگھ کا خیال نہیں آیا تھا۔ وہ کسی ناگ ہی کا جائزہ لے رہی تھی۔ بہرحال دل ہی دل میں اس نے کہا۔ ''چلو اچھا ہوا، جو کام مجھے کرنا تھا، وہ ناگ دیوتا نے کر دیا۔''

اس نے بظاہر افسوس کا اظہار کیا اور اس کے بعد راجن سے کہا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ دیر کرنے میں خطرے بڑھ سکتے ہیں۔'' چنانچہ دونوں وہاں سے چل پڑے، اس بات سے بے خبر کہ ایک سیاہ ناگ بڑی احتیاط کے ساتھ ان کا تعاقب کر رہا ہے۔ راجن سنگھ سادگی سے راستے بتا رہا تھا۔

آخر کار وہ شردھا کو لے کر اس غار کے دہانے پر پہنچ گیا جو اپنی نوعیت کا انتہائی انوکھا غار تھا۔ قرب و جوار کی آبادیوں کو انہوں نے نظر انداز کر دیا تھا۔ راجن سنگھ نے کہا۔ ''وہ خوفناک مخلوق اس غار میں رہتی ہے۔ آؤ.....'' راجن سنگھ بولا اور دونوں غار میں داخل ہو گئے۔

یہاں داخل ہونے کا معاملہ بڑا ٹیڑھا تھا۔ اس لئے کہ دھرما سنگھ کو بھی انسانی شکل ہی اختیار کرنی پڑی اور وہ چھپتا چھپاتا اُن کے پیچھے چل پڑا۔ راجن نے کئی بار اس کے قدموں کی آواز کو محسوس کیا تھا اور شردھا سے کہا بھی تھا کہ کوئی ان کے پیچھے موجود ہے۔ لیکن شردھا، گومتا کی تلاش میں دیوانی ہو رہی تھی۔

دھرما سنگھ احتیاط سے ان کا تعاقب کرتا رہا۔ غار کے اس بڑے سے ہال میں پہنچ کر اچانک ہی شردھا کو ایک آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو دھرما سنگھ وہاں موجود تھا۔ شردھا اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ راجن نے بھی اسے دیکھا اور بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ارے..... یہ کون ہے؟ یہ..... یہ تو..... یہ تو.....''

اچانک ہی غار میں ایک ہولناک آواز گونجی۔ ایسی آواز جس سے غار کے در و دیوار بری طرح ہل کر رہ گئے۔ ہر طرف ہولناک گرج پیدا ہو گئی تھی۔ غار سے چونا جھڑنے لگا تھا۔ دھرما سنگھ نے بھی پلٹ کر دیکھا..... وہ ایک بھیانک شکل تھی..... نہ انسان، نہ جانور..... بدن بن مانس کی مانند تھا۔ ہاتھ پاؤں اتنے موٹے موٹے اور بڑے، جیسے کسی پہاڑی میں ایک انسانی جسم تراش دیا گیا ہو.....

سب سے پہلے اس نے ہاتھ بڑھا کر دھرما ہی کی گردن پکڑی تھی۔ پھر اس نے وہ گردن کسی کچی سبزی کی طرح توڑی اور اپنے منہ میں رکھ لی۔ دھرما کا سارا جسم اس نے اپنے ہاتھ میں اٹھایا اور اسے ایک نوالے میں چٹ کر گیا..... شردھا کے حلق سے ہولناک آواز نکلی۔ راجن بھی بھاگنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن ہال میں آگے جانے کا دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا اور خوفناک مخلوق اس کے دہانے کو بند کئے ہوئے کھڑی تھی۔ شردھا اور راجن بری طرح بدحواس ہو گئے تھے۔

پھر مخلوق کے ہاتھ آگے بڑھے..... ان لوگوں کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ان کی گردنیں بھی گومتا کے ہاتھوں میں آ گئیں اور چند ہی لمحوں میں اس طویل ترین کہانی کا خاتمہ ہو گی۔ صرف ہلکی ہلکی سسکیاں..... اور اس کے بعد ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز۔ بس..... ان کے وجود ایک ناقابل یقین سفر پر روانہ ہو گئے تھے..... زندگی سے محروم ہو کر.....

☆

سمپورنی اور رتنا اکثر ملتی رہتی تھیں۔ دونوں نے اپنی خون پینے کی عادت کو بڑی مشکل

سے ترک کیا تھا۔ سمپورنی نے ہی رتنا کو ترکیب بتائی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ بس پہلے چاند کی رات اپنے آپ پر قابو پانا ہوتا ہے۔ یہ رات آسمان کے نیچے بالکل نہ گزاری جائے۔ لیکن بہرحال ایک تشنگی کا احساس تو دل میں رہتا تھا۔ جب بھی چاند کی پہلی تاریخ ہوتی، دونوں پر جنون سا طاری ہو جاتا تھا۔ لیکن بہرحال..... وہ ابھی تک اس جنون کو برداشت کئے ہوئے تھیں۔ البتہ وہ شدید تکلیف کا شکار ہو جاتی تھیں۔

پھر رتنا کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور وہ خوشی سے پاگل ہو گئی۔ ایک ننھا سا حسین وجود..... جو اپنے ہی جسم کا ایک ٹکڑا تھا، اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی بن گیا۔ سمپورنی کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ رتنا کا بیٹا دونوں کی آنکھوں کا تارا تھا۔ اس کا نام جیون رکھا گیا تھا۔

جیون کوئی ڈیڑھ سال کا ہوا ہو گا، ایک بہت ہی خوبصورت پیارا سا بچہ تھا۔ اپنی عمر سے کہیں بڑا نظر آتا تھا۔ ابھی تک رتنا اور سمپورنی خون پینے والی دیوانگی کا شکار تھیں اور انہیں یہ احساس ہو رہا تھا کہ چاند کی پہلی تاریخ کے بعد انہیں جو تکلیفیں ہوتی ہیں، کبھی کبھی وہ ناقابل برداشت ہو جاتی ہیں۔ اس رات ایک عجیب واقعہ ہوا۔ معمول کے مطابق چاند پورا ہو گیا تھا اور آسمان پوری طرح روشن تھا۔ ننھا جیون، رتنا کے پہلو میں سو رہا تھا۔ اس کی آنکھ کھل گئی..... معصوم بچے کو کھڑکی سے جھانکتا ہوا چاند اتنا پیارا لگا کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازہ کھول کر معصوم قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل آیا۔ پھر وہ کھلے چاند کے نیچے کھیلنے لگا۔ اتنے میں رتنا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے جیون کو پاس موجود نہ پایا تو بے تاب ہو گئی۔ پاگلوں کی طرح دوڑتی ہوئی باہر آئی تو چاند کو دیکھ کر ٹھٹک گئی.....

سامنے ہی اس کا ننھا سا جیون، گھاس پر بیٹھا کھیل رہا تھا۔ رتنا کی آنکھوں میں چاند کو دیکھ کر ایک خونخوار کیفیت اُترنے لگی۔ پھر اس کی نگاہ جیون پر پڑی۔ دودھ جیسے رنگ کا سفید بچہ جس کی گردن کی نیلی رگیں رتنا کو دعوت دے رہی تھیں۔ رتنا کے ہوش و حواس رخصت ہونے لگے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور وحشی نگاہوں سے جیون کو دیکھتی ہوئی، اس کے قریب پہنچ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اس کے دانت تیزی سے ایک دوسرے پر رگڑ رہے تھے..... آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور پھر اس کا منہ جیون کی جانب بڑھا اور جیون کھلکھلا کر ہنس دیا۔ اس ہنسی نے رتنا کے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس نے اپنے بچے کو دیکھا۔ اس کی

گردن کو دیکھا...... اور پھر اچانک ہی بے اختیار ہو کر اس نے اپنے بچے کو اپنی گود میں بھینچ لیا۔ ''نہیں میرے لال..... نہیں..... نہیں..... آسمان پر رہنے والے زمین و آسمان کے مالک..... دوش میرا نہیں تھا۔ سنسار نے مجھے ڈائن بنا دیا تھا۔ مگر اب میں ماں ہوں..... عورت ہوں..... سنسار میں بسنے والی عورت کبھی ڈائن نہیں ہو سکتی..... کبھی نہیں ہو سکتی..... میرے بچے..... میرے لال.....'' اس نے ایک بار پھر جیون کو اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ اور پھر اس نے یہ پوری رات کھلے آسمان کے نیچے گزار دی۔ اس کے بعد اس کے دل میں خون پینے کی خواہش بیدار نہیں ہوئی۔

جب رات گزر گئی تو اس نے خاص طور سے سمپورنی کو بلا کر یہ پورا واقعہ سنایا اور مدھم لہجے میں بولی۔ ''سمپورنی! بھگوان اگر تجھے بھی اولاد دے دے، تو کسی دن اپنی اولاد کو لے کر کھلے آسمان کے نیچے چلی جانا..... بھگوان نے چاہا تو تیرے من میں کبھی خون پینے کی خواہش پیدا نہیں ہو گی۔''

سمپورنی کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک آئے تھے۔

☆.....☆.....☆

(ختم شد)